
دلِ من مسافرِ من
PDFBOOKSFREE.PK
عنیزہ سیّد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

پیش لفظ

"دِل من مسافرمن" تینتیس (33) ماہ تک خواتین کے ایک مقبول عام پرچے میں شائع ہوتا رہا۔ اسے کتابی شکل میں پیش کرتے ہوئے مجھے حقیقی دلی شدت ہو رہی ہے۔ لکھاری کے لئے اس کی قلمی تخلیق اولاد کا درجہ رکھتی ہے اور "دِل من مسافرمن" ایک ایسی تخلیق ہے جو مجھے اپنی حقیقی اولاد کی طرح عزیز ہے۔ میری کئی برس کی محنت، مشاہدہ اور تحقیق کی تحریری شکل "دِل من مسافرمن" ڈائجسٹ کے قارئین نے بے حد پسند کیا اور انہی کی فرمائش پر اسے کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

"دِل من مسافرمن" کی تخلیق کے دوران مجھے بہت سے لوگوں کا تعاون حاصل رہا۔ اس میں سب سے زیادہ تعاون میرے شوہر سیّد ابوزر بخاری کا تھا جن کا سنایا ہوا ایک واقعہ اس کو لکھنے کا باعث بنا۔ قدم قدم پر میری معلومات کو اَپ گریڈ کرنے کا سہرا بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔

میرے والدین، میری بہنوں اور ساتھیوں کا تعاون بھی میرے شامل حال رہا۔ جس کے لئے میں تہہ دل سے ان کی ممنون ہوں۔ اپنی کولیگ مدیحہ علی کے ان تبصروں کی بھی بہت ممنون ہوں جنہوں نے کہانی کے کچھ پہلوؤں کی اصلاح میں میری مدد کی۔

عنیزہ سیّد

دِل من مسافرمن

وہ صحن کے بیچوں بیچ کھڑی اپنے سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔ خاموشی اور سکون اسے اس کے تنہا ہونے کی اطلاع پہلے ہی دے چکے تھے۔ اور اَب اس سکوت اور تنہائی کے احساس کے ساتھ ساتھ یہ کوفت بھی سوار ہونے لگی تھی کہ اسے اپنے پیٹ میں دوڑتے بھاگتے چوہوں کی خوراک کا علاج بھی خود ہی کرنا ہوگا۔ اس نے ایک نظر صحن کی وحشت ناک تنہائی پر ڈالی اور پھر اِدھر اُدھر بکھرے خزاں رسیدہ پتوں کو جوتوں تلے روندتی باورچی خانے کی طرف چل دی۔

مگر اس کی توقع کے عین مطابق باورچی خانے کا منظر باہر کے منظر سے بھی زیادہ وحشت ناک تھا۔

نل کے نیچے رات کے کھانے اور صبح کے ناشتے کے برتن اسی طرح بغیر دھوئے بکھرے پڑے تھے۔ چولہے پر چائے کی چھوٹی دیگچی رکھی تھی جس سے یقیناً صبح چائے اُبل گئی تھی۔ جب ہی چولہے کے فریم پر جابجا چائے اور سوکھی پتی بکھری تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک پتیلی کا ڈھکن اٹھایا۔ اس کے پیندے میں کسی سالن کے جل جانے کے نشان تھے اور وہ خود خالی حال اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

"افوہ......!" اس نے بھنا کر سر کو جھٹکا۔ اور اپنے لیے کچھ بنانے کا ارادہ کیا مگر اگلے ہی لمحے اس کا ارادہ بدل گیا۔

"ہرگز نہیں میں بھی اب ان لوگوں کو بتاؤں گی کہ کسی کو یوں بے سروسامانی میں چھوڑ جانے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔"

اِدھر اُدھر بکھرے برتنوں کو ٹھوکریں مارتی وہ فوں فاں کرتی باہر نکلی اور چند قدموں میں صحن عبور کر کے چھوٹے سے برآمدے سے کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرہ نیم تاریک اور صحن و برآمدے سے قدرے نیچا تھا۔ کچھ دیر اس نے کمرے کی نیم تاریکی سے آنکھوں کے مانوس ہونے کا انتظار کیا۔ پھر سامنے بنے مینٹل پیس پر دھری مقدس مریم کی تصویر کے پیچھے سے چابیوں کا ایک گچھا نکال لیا۔ اور مینٹل پیس کے نزدیک نیم شکستہ لکڑی سے بنی پرانی وضع کی الماری کی کنڈی میں لٹکتا تالا کھولنے لگی۔ اس الماری میں کوئی خاص چیز نہیں دھری تھی۔ اوپر کے خانے میں "بائبل" کے کچھ نسخے رکھے تھے اور نیچے کے خانے میں یوڈی کلون کی پرانی شیشیاں' دواؤں کی چند شیشیاں اور ایک گول ڈبہ جس میں سلائی کڑھائی کا سامان رکھا تھا۔

اس نے تیزی سے ڈبہ کھولا اور نلکیوں اور دھاگوں میں اُلجھے چند مُڑے تڑے نوٹ نکال لیے۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد اس نے الماری کے پٹ بند کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ ویسے بھی اب وہاں کیا دھرا تھا، جس متاع بے بہا کی خاطر وہ باوا آدم کے زمانے کا تالا اس کی کُنڈی میں لگایا گیا تھا وہ تو اب استعمال ہونے جا رہی تھی۔

کمرے سے باہر نکل کر اس نے تیز رفتاری سے صحن عبور کیا اور اگلے ہی لمحے وہ گھر سے باہر لکڑی کا بیرونی دروازہ مقفل کر رہی تھی۔

......✿......

''۲۳ نومبر، ہیلو ڈیئر ڈائری! بہت دنوں بعد تم سے مخاطب ہونے کا وقت ملا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ اہم اور مسلم ہے کہ اس بھری دُنیا میں تم سے زیادہ میرا اپنا کوئی نہیں ہے، مگر کبھی کبھار کسی اپنے سے مِلنے میں بھی یوں دیر ہو ہی جاتی ہے۔

''تمہیں علم ہے ڈیئر ڈائری! کہ ''سارہ'' اپنے کام پر چلی گئی ہے۔ اس نئے چانس کے ملنے پر وہ بہت خوش تھی اور اسے خوش ہونا بھی چاہیے کیونکہ جب انسان کو اپنے سالہا سال کی محنت کا پھل ملتا ہے تو پھر خوش ہونا اس کا حق تو بنتا ہی ہے نا۔ مگر عجیب سی بات یہ ہے ڈیئر ڈائری کہ جب سارہ اپنی ٹیم کے ساتھ جانے کا بتا رہی تھی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ عین میرے پیچھے ''ماسٹر ہدایت اللہ'' کا بھوت آن کھڑا ہوا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھے مجھ سے کہہ رہا ہو ''روک لے اسے'' کہا اور سر جھٹک دیا۔ یہ عرصے بعد کیا خرافات میری سماعتوں سے ٹکرانے لگیں۔ اور پھر میں نے مسکراتے ہوئے ''سارہ'' کو وش کیا۔

لیکن کیا کروں ڈیئر ڈائری! کہ جس روز سے وہ گئی ہے ہر روز ''ماسٹر ہدایت اللہ'' بھوت بن کر میرے خوابوں میں چلا آتا ہے۔ اور چلا چلا کر کہتا ہے۔

''تو ساری عمر ندان (نادان) کا ندان ہی رہا شاہے! کوئی عمل بھی ایسا نہ کر سکا کہ جس کے نتیجے میں تیرے قدم بھی کہیں سیدھے رستے پر پڑ جاتے، تجھے اب کیا کہوں، میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔''

تو مسئلہ یہ ہے مائی ڈیئر ڈائری! کہ میں بہت اپ سیٹ ہوں۔ اتنی عمر گزر گئی، عجیب و غریب حالات پیش آتے رہے، آتے اور گزرتے گئے، زندگی کی گود میں بے شمار جھوٹے سچے تجربات کے نگینوں کے ڈھیر لگے پڑے ہیں، مگر کوشش کے باوجود یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اس طرح ماسٹر ہدایت اللہ نے آ کر بے وجہ آوازیں لگائیں ہوں۔ نجانے یہ اب کہاں سے ٹپک پڑے۔ اب ان سے پیچھا چھڑانے کا میرے پاس تو ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ کسی ٹرینکولائزر کی ٹھیک ٹھاک ڈوز لوں۔ ایسی نیند آئے کہ خواب بھی اس میں سے گزرتے ڈریں۔ کیا خیال ہے ڈیئر ڈائری! آئیڈیا برا نہیں ہے نا، لو پھر میں گلاس اور ٹیبلٹ لینے چلا۔ تم کو اب بند کرتا ہوں۔ پھر ملیں گے گڈ بائے۔''

......✿......

اس نے ٹب میں بھیگے ہوئے ان پیروں کو نرمی سے باہر نکال کر انہیں نرم تولیے میں لپیٹا اور ہاتھ سے دبا دبا کر انہیں خشک کرنے لگی۔ جب ان کے خشک ہو جانے کا اطمینان ہو گیا تو تولیے سے نکال کر انہیں ایک نسبتاً اونچے چوکے پر رکھ کر مہارت سے اُن پر ڈیڈ اسکن ریمونگ کریم پھیلانے لگی۔ اس کی پتلی نازک اُنگلیاں بے حد مہارت سے چل رہی تھیں۔

اس کی کلائنٹ نے ایک نظر اس کے گلابی چہرے کو دیکھا اس کی سنہری پلکیں آنکھوں پر جھکی ہوئی تھیں۔ سلیقے سے سمیٹے ہوئے سنہرے بال تیز روشنی میں چمک رہے تھے۔

''کیسا پُرسکون اور شانت چہرہ ہے اس لڑکی کا''۔ اس نے سوچا۔ ''اور کتنی ماہر ہے اپنے کام میں یہ، کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں اس پارلر میں آتی ہی صرف اس لیے ہوں کہ مجھے اس سے اپنا کام کروانے میں مزا آتا ہے''۔

''میں تمہارا نام پوچھ سکتی ہوں؟'' اس نے اچانک بے اختیار ہو کر اس سے بزبان انگریزی یہ سوال پوچھا۔ جواب میں اس نے سنہری پلکیں لحظہ بھر کو اٹھائیں جن کے پیچھے چھپی نیلی آنکھیں بھی اوپر کو اٹھیں۔ اس کے تیزی سے چلتے ہاتھ بھی لحہ بھر کو رکے۔

''لینا۔ لینا ڈی سوزا''۔ اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا اور پھر ایک جھٹکے سے دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

''تم کہاں سے آئی ہو؟ میرا مطلب ہے کہیں باہر سے؟''۔ اس کی کلائنٹ کو شاید خود بھی علم نہیں تھا کہ اس تیسری یا چوتھی بار کے وزٹ میں پہلی مرتبہ وہ اس سے اس کا تعارف کیوں مانگ رہی تھی۔

''میں یہیں سے ہوں۔ البتہ میری ماں انگریز تھی''۔ اس کو بھی نجانے کیوں پہلی بار اپنا تعارف کروانے پر چڑ محسوس نہیں ہوئی تھی۔

''اوہ...... آئی سی''۔ اس کی کلائنٹ نے ہونٹ سکیٹر کر کہا اور پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد دوبارہ اس میگزین کو پڑھنے میں مشغول ہو گئی جسے وہ اس ساری گفتگو سے پہلے پڑھ رہی تھی۔

''اس کی پیڈی کیورنگ کے بعد تولیے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بھی لینا ڈی سوزا اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ کبھی کبھار ٹی وی پر کسی اشتہار میں نظر آنے والی یہ لڑکی اس کے لیے تو خیر نہیں مگر اس کی کزن للّی کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتی تھی۔ للّی جو حد سے زیادہ بیوٹی کونشس اور ٹی وی، فلموں میں نظر آنے کی شوقین تھی۔ کیسے کیسے ہاتھ پاؤں وہ نہیں مارتی پھر رہی تھی اس شوق کی خاطر۔ اگر لینا چاہتی تو وہ اس پارلر پر آنے والی ایسی دسیوں کلائنٹس سے اسے ملوا سکتی تھی جو للّی کو کم از کم ایک آدھ اشتہار یا ڈرامے میں جھلک دکھا لینے کا انتظام کروا سکتی تھیں، مگر ایسا کرنے میں للّی کی ماں اس کی سدا کی خاموش طبع محنتی اور شاید دکھی اور تنہا پھوپھی کا احساس آڑے آتا تھا جو للّی کی اس روش سے نالاں اور بیزار تھی۔ اور جس کی ہزار کوشش کے باوجود للّی نے ایف۔ اے سے آگے پڑھ کر نہیں دیا تھا۔ نہ ہی اس نے ڈھنگ کا کوئی کام سیکھا تھا۔ بس سارا دن وہ الٹے سیدھے شوبز میگزین پڑھنے اور خود کو سنوارنے سجانے میں مشغول رہتی۔ یا پھر بیگ کندھے پر ڈالے سڑکیں ناپا کرتی۔

''گڈ فار نتھنگ'' للّی کی نانی اور لینا کی دادی جسے وہ دونوں گرینی کہا کرتی تھیں، جب اپنا سفید سر ہلاتے ہوئے پوپلے منہ سے بار بار للّی کے لیے کمنٹس دیتیں للّی جل بھن کر پیر پٹختی پھرتی، جبکہ ایسے میں لینا کو نجانے کیوں سب پر ہی ترس آتا۔ گرینی پر جنہیں اس دیسی معاشرے میں اپنے ''ولایتی'' ہونے پر فخر تھا۔ جبکہ یہ ''دیسی'' انہیں دو نمبر ولایتی'' قرار دیتا تھا۔ مگر وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں مگن اپنے حسب نسب پر فخر کیے جاتی تھیں۔ اسے اپنی پھوپھی ''جینیس ڈی سوزا'' پر بھی ترس آتا تھا۔ جسے اس کی ماں کی ''دو نمبر ولایتی حیثیت'' نے نہ تین میں رہنے دیا تھا نہ تیرہ میں۔ وہ جو کہیں سے بھی اپنی ماں کی بیٹی نہ لگتی تھی غالباً وہ اپنے باپ پر چلی گئی تھی، مگر جس کی محنتوں اور شفقتوں کے صدقے اس مختصر سے گھرانے کے دن گزرتے چلے آ رہے تھے۔ جس نے زندگی میں نجانے کتنی ٹھوکریں کھائی تھیں اور جو اب اپنی بیٹی اور بھتیجی کو ہر قسم کی مشکل سے بچانے کی تگ و دو میں مصروف تھی، مگر اس کی ایک اور بدقسمتی یہ تھی کہ اس کی بیٹی اس کے قابو میں نہ تھی اور مسلسل اس کو غچے دینے میں مشغول تھی۔ لینا کو للّی پر بھی ترس آتا تھا، جس کے باپ کا کوئی اتا پتا نہ تھا اور جس کی ''دو نمبر ولایتی'' نانی نے اسے اپنے انگریز باپ اور اس کی رائل لارڈ فیملی سے متعلق

سچی جھوٹی داستانیں سنا سنا کر ایک ماورائی دنیا کی مخلوق بنا رکھا تھا۔ وہ اپنی نانی سے ملنے والی سرخ وسفید رنگت اور ولایتی و دیسی ملاپ کے نتیجے میں وجود میں آنے والے نین نقش کی بنا پر خود کو منفرد و اور اچھوتی شخصیت سمجھتے ہوئے ایک شاہانہ زندگی بسر کرنے کی خواہش مند تھی اور جس کی زندگی کا واحد مقصد صرف اور صرف "رنگوں روشنیوں" کی دنیا میں اپنے حسن کے جلوے دکھا کر پیسے کمانا رہ گیا تھا۔ اور اس خواہش کے پیچھے وہ اپنی زندگی کے کتنے قیمتی دن ضائع کیے جا رہی تھی اس کا اسے احساس نہ تھا۔

اور لینا کو خود اپنے آپ پر بھی ترس آتا تھا۔ وہ کیا تھی اور کون تھی؟ کبھی کبھار تو وہ خود کو بھی نہ بتا پاتی تھی۔ کئی سال پہلے اسے اس کا باپ "جان ڈی سوزا" انگلینڈ سے اپنے وطن لے آیا تھا۔ اپنی ماں "کیتھرین ڈی سوزا" کو تحویل میں دینے کے لیے' وہ بیمار تھا اور قلاش بھی۔ نجانے اس بیماری اور حسرت میں اسے اپنے وطن اور ماں کی یاد کیوں آئی؟ اور اگر آ ہی گئی تھی تو وہ لینا کو ساتھ کیوں لے آیا؟۔

"اس کی ماں اس کو اپنے ساتھ لے جانا ہرگز نہ مانگتا اور ہم اس کو کسی ہوم میں چھوڑنے پر راضی نہ تھا' اس واسطے ماما! ام اس کو ادھر لے آیا تمہارے پاس۔ تم اور جنیس اس کو بل کے پالیں گا۔ ہم سکون سے مریں گا۔"

لینا کے حافظے میں اپنے باپ کی گرینی سے کی گئی آخری گفتگو اب تک محفوظ تھی۔ اور اس "مانگتا نہ مانگتا" کے چکر میں وہ بھی تھرڈ ورلڈ کے اس ملک کی شہری بنا دی گئی جو ترقی پذیر کہلاتا تھا مگر ترقی کس چڑیا کا نام تھا یہ یہاں کے لوگ شاید آئندہ سو برسوں تک نہ جان پائیں۔

"اوہ"۔ اپنی سوچوں میں گم لینا کی نظر اچانک سامنے دیوار پر لگے کلاک پر پڑی۔

"آف ٹائم ہونے کو ہے۔ واپسی کی تیاری کرنا چاہئے۔ اس نے اسٹور کی طرف جاتے ہوئے سوچا۔ پارلر کے ورکرز کی مخصوص یونیفارم اتار کر اس نے سیدھی سادی شلوار قمیص پہنی اور باہر آ گئی۔

"لینا......! آج اکٹھے چلیں گے۔" کسی نے اسے پشت سے آواز دی۔ یہ روزی تھی جو اس کے گھر سے ملحقہ گلی میں رہتی تھی مگر یہ اتفاق کم ہی ہوتا تھا کہ ان کے ٹائمنگز پارلر میں ایک جیسے ہوں۔ وہ ایسی ہی اتفاق کا دن تھا سو وہ اپنا شولڈر بیگ اٹھائے روزی کے ساتھ باہر نکل آئی۔ باہر...... جہاں زندگی کے کئی اور مسائل اس کے منتظر تھے۔

......❀......

تمام رات کی بے خوابی کے بعد صبح تقریباً تین بجے اس کی آنکھ لگی تھی مگر شاید وہ تین ساڑھے تین گھنٹے ہی سو پایا ہوگا جب اچانک کسی نے جیسے اس کو جھنجوڑ کر اٹھا دیا تھا۔

"اسفی! اٹھو نا یار' کیا مردوں سے شرط باندھ کر سوئے ہو"۔ اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا کمرہ تاریک تھا۔ اور اس تاریکی میں بھی وہ بخوبی محسوس کر سکتا تھا کہ کمرے میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی ذی روح موجود نہ تھا۔

"تم مجھے کیوں ستاتے ہو شہری۔" اس بات کا یقین کر لینے کے بعد کہ جو اس نے سنا اور محسوس کیا تھا' محض اس کا وہم تھا۔ اس نے روہانسے ہوتے ہوئے باآواز بلند کہا۔ اس کی آواز اور آنکھیں دونوں بھیگی ہوئی تھیں۔ پھر اس کے بعد اسے نیند نہیں آئی۔ یہاں تک کہ کھڑکی پر پڑے پردے کے ذرا سے پھٹے کونے سے باہر پھیلتی صبح کی روشنی ہلکی ہلکی اندر آنا شروع ہو گئی۔ مگر وہ ساکت پڑا تھا۔ نجانے وہ کس کس سے ناراض تھا۔ نیند سے' صبح سے' روشنی سے یا پھر......

"یا پھر" اس نے سوچا "شہری سے۔"

مگر وہ جو عمر بھر کے لیے ناراض ہو جائیں' ان سے ناراض کیسے ہوا جا سکتا ہے۔

"بیڈٹی اے صیب۔" پھر اچانک جیسے زندگی کے گہرے ساکت کنویں میں کسی نے آواز کا پتھر پھینکا۔ دروازے پر ہلکی ہلکی دستک دی جا رہی تھی۔

"بیڈٹی اے صیب" دوبارہ آواز آئی۔ وہ اس آواز پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم زندہ ہو اسفی! مرنے والوں کے ساتھ بھی بھلا کبھی کوئی مرا ہے"۔ یہ آواز نجانے کس کی تھی۔ مگر ایسے لگتا تھا جیسے ہر شناسا کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ اس نے اپنے اوپر سے کمبل ہٹایا اور بیڈ سے اتر کر دروازے کا لاک کھول دیا۔

"ام کب سے آواز دے رہی اے۔ ابی تم بگڑے گی کہ چائے ٹھنڈا ہو گیا" گل خان نے اندر داخل ہوتے ہوئے حسب عادت اپنی گفتگو جاری رکھی۔

"اور پھر اس پر بھی بگڑے گی کہ آج صرف ایک انگریزی اخبار کیوں آئی کل کی بارش سے راستہ پھر خراب ہو گئی اے اسی لیے ایک اخبار آئی اے' اور یہ بھی خبر اے کہ مارملیڈ ختم ہو گئی اے' بڑی مشکل سے مکسڈ فروٹ جیم ملی اے اب اس پر بھی تم بگڑے گی"۔

"اُفوہ! چپ ہو جاؤ گل خان! تم کچھ بھی نہ لاتے تو بھی مجھے کوئی فرق نہ پڑتا۔" اس نے جھنجھلا کر کہا اور کھڑکیوں سے پردے ہٹانے لگا۔

"ام نے تو سوچا کہ خاناں پیش بندی کر لے' ادھر سلما صیب بھی واپس نہیں آئی اے' وہ ہوتی تو ام پیش بندی کرنے کا کیا ضرورت تھا۔" گل خان اپنی عادت سے مجبور تھا۔ ہر بات کی تفصیل میں جانا اس کی عادت تھی۔ اور یوں ہی سلمان غالباً اس کے بے تکان بولے جانے کا عادی تھا۔ اس لیے وہ اپنی عادت پر کاربند تھا۔

ٹھنڈی بیڈٹی' ایک اخبار' مارملیڈ کی عدم دستیابی' جتنی بھی چیدہ چیدہ منحوس خبریں تھیں' گل خان نے اپنی آمد کے ساتھ ہی سنا دی تھیں اور اوپر سے وہ تقریباً تمام رات کا جاگا ہوا تھا۔ اس کا دل جیسے بالکل ہی بجھ گیا۔ اس نے بے دلی سے چائے پی اور اخبار پر ایک نظر ڈال کر باتھ روم میں گھس گیا اور اس وقت تک نہاتا رہا جب تک باتھ روم میں لگنے والا گیزر کا گرم پانی ختم نہیں ہو گیا۔

مکسڈ فروٹ جیم لگے ٹوسٹ اور ابلا ہوا انڈا بھی اس نے ایسے کھایا جیسے بہت ہی ناخوشگوار فریضہ ادا کر رہا ہو۔ غنیمت تھا کہ ناشتے کے ساتھ چائے گرم ملی تھی۔

"تم ایسا کرو صیب! کہ باہر نکلو' ادھر دینا آیا بیٹھا اے' باہر گھومو دنیا دیکھو"۔ گل خان ناشتے کے دوران بھی مشورے دے رہا تھا۔

اور غالباً اپنے مزاج کی پژمردگی کو ہی دور کرنے کے لیے وہ گل خان کا مشورہ مانتے ہوئے گھر سے باہر نکل آیا۔ نتھیا گلی میں "سیزن" اپنے عروج پر تھا۔ میدانی علاقوں کی گرمی سے تنگ آئے ہوئے لوگ یہاں کے خوشگوار موسم سے لطف اٹھا رہے تھے۔

"دنیا دیکھو صیب" یونہی سڑکوں پر گھومتے پھرتے اسے گل خان کی بات یاد آئی۔

"کتنی دنیا دیکھوں گل خان! جتنی دیکھ چکا' کیا وہ کافی نہیں ہے۔ دنیا جو لامحدود کہلاتی ہے لیکن درحقیقت یہ کس قدر محدود ہے۔"

"اور میاں اسفند ریار"! پھر اس نے ایک روڈ سائیڈ ہوٹل کے چھوٹے سے لان میں دھری کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوچا "تم کیا دن بدن فلسفیانہ باتیں سوچنے کے عادی ہوتے جا رہے ہو' اگر کوئی شناسا سا' کوئی واقف کار ہو۔"

اپنے آرڈر پر کافی آنے پر اس نے کافی کی پیالی ہاتھ میں پکڑی اور پھر خود سے گویا ہوا۔ ''اب ایسا ہے کہ چند لمحوں لیے فلسفیانہ سوچ کو خدا حافظ کہو اور دنیا دیکھو...... دنیا جو لامحدود ہے''۔ اور یہ بات سوچتے ہوئے وہ خود بھی مسکر تھا۔

......۞......

''خداوند! اس لڑکی کو تم کب سمجھے گا' کب سمجھائیں گا' ایک دم لاپرواہ اور بے فکرا' سارا گھر کھلا چھوڑ کر پتہ نا گیا کہاں۔''

گھر پہنچنے کے ساتھ ہی دروازے تک آتی گرینی کی اس قسم کی آوازوں سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ للی آ کوئی نیا کارنامہ کر بیٹھی ہے۔

''ابھی ہم سارا سامان کھول کھول کر دیکھیں گا کہ کیا رہا' کیا گیا؟' ہم کو تو خود بھی یاد نہیں پڑتا کہ کیا کیدھ گیا''۔ گرینی چیزیں اٹھاتی پٹختی خود ہی سے باتیں کیے جا رہی تھیں۔

''یہاں سے جانا کیا ہے گرینی! کیوں خود کو ہلکان کرتی ہو' اس نے کمرے میں داخل ہو کر کرسی پر بیٹھتے کہا۔

''تم کیا جانو' یہاں ہیرے کے مافق کتنی قیمتی چیزیں ہیں۔'' گرینی نے الماری کے پٹ زور سے بند کر ہوئے اس کو گھور کر دیکھا۔

''ہونہہ ہیرے کے مافق!'' لینا نے انتہائی ناگواری سے کہا۔ یہاں تو سڑکوں پر رلتے پھرتے پتھر ہیں۔ ہیرے جواہر تو شاید کبھی خواب بھی یہاں نہ پھٹکیں۔

''تمہارے کو کیا مالوم۔'' اب گرینی عین اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ہمارا کھاندان (خاندان بارے میں' میرا کھاندان کوئی ڈی سوزا کھاندان کا مواقف قفقوں کا کھاندان نہیں تھا' امامر کھاندان لارڈز کا کھا تھا' امارا باپ اودھر کوئین کا نیوائیر ڈنر میں اسپیشل گیسٹ مانا جاتا تھا۔ اور ایدھر وہ کیا تھا' رائل آرمی کا چیف کمانڈر۔''

''ہا......'' لینا اس داستان خاندان لارڈز اور لیڈیز کو سن سن کر تنگ آ چکی تھی۔

''پھر کیا ہیرے جواہرات چھوڑے' آپ کے لارڈز داستان سننے کے بجائے بات ختم کرنے کی خاطر کہا

''اس کھاندان کا تاریکھ (تاریخ) ہی وہ ہیرا ہے' جس کا حفاظت ہم اتنے سال سے کرتا۔'' گرینی کو ا شاید تاریخ کا کوئی اہم صفحہ یاد آ گیا جو وہ دوبارہ الماری کے پٹ کھول کر اندر کچھ تلاش کرنے میں مصروف ہو گئیں

''یہ دیکھو' اس کا واسطے ہم ایدھر اتنا شور مچایا۔'' جب وہ کپڑے تبدیل کر کے واپس کمرے میں آئی تو نے اس کے سامنے ایک پرانا البم پھینکا۔

کالے کارڈز والے لیفس اور سفید گڈی کا غذ والا البم جس پر کہیں سرخ اور کہیں سنہرے فوٹو کارنرز کے سا بلیک اینڈ وائٹ تصویریں وہ اس سے پہلے بھی سینکڑوں مرتبہ دیکھ چکی تھی۔

''یہ امارا مدر اور گرینڈ مدر کا پھوٹو دیکھو تم...... امارا مدر مس لیزا جان وڈ لارڈ مارٹن وڈ کا فرسٹ کزن' ا بصورت کہ سارا کا سارا انڈیا کا یوتھ دل ہارے بیٹھا تھا اس پر' اور یہ امارا گرینڈ مدر ہز ہائی نس لیڈی برنٹ ووڈ لنکا شائر میں اس کا اپنا پیلس تھا' اب ادھر ٹورسٹ لوگ وزٹ کرتا ٹکٹ لگا اس پر بقید (باقاعدہ)۔ اپنے اعلیٰ خاندان کے قصے سناتے سناتے گرینی کا سانس پھول گیا۔ اور جب ان کو اطمینان ہو گیا کہ لینا اس البم میں اچھی محو ہے تو وہ اپنا گھیر دار لانگ ڈریس پھڑ پھڑاتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''یہ لوگ جو من مرضی کے من گھڑت ماضی کے ناسٹلجیا میں مبتلا رہتے ہیں نا لینا ڈیر! یہ تاریخ کے لیفٹ اوورز ہیں۔ ان سے کسی قسم کا اختلاف مت کیا کرو۔ اگر ان کو معلوم پڑ جائے کہ جس شاندار ماضی کا ذکر کرتے یہ نہیں تھکتے' اس کی حقیقت سے ہم سب واقف ہیں تو شاید اپنی تہی دامنی کا احساس انکا ہارٹ فیل کر دے۔'' البم کے مختلف صفحے اُلٹتے پلٹتے اسے انکل ڈینس کی بات یاد آ گئی۔ اور اسے گرینی اپنے اردگرد کے ماحول کی سب سے مظلوم کردار محسوس ہوئیں۔

اور اگر میں تاریخ کے حوالے مرحلہ وار درست کرنے بیٹھ جاؤں گرینی تو یہ آپ کی ہز ہائی نس لیڈی برنٹ ووڈ کیا نکلیں ایک نیٹو کرسچن اور کسی سرپھرے برٹش اہلکار کی ناجائز اولاد، ابتدائی انڈین تھیٹرز کی ایک معمولی کیبرے ڈانسر' جس کے فن کو اس کی بیٹی لیزا جان ووڈ' نے عروج پر پہنچایا۔ یہ تو حقیقت ہے ہی گرینی کہ مس لیزا جان ووڈ' پر اس وقت کے انڈیا کا سارا یوتھ جان دیتا تھا مگر کس وجہ سے...... یہ اگر میں تمہیں بتاؤں تو کیا واقعی میں تمہارا ہارٹ فیل نہ ہو جائے گا؟

اور لنکا شائر میں وہ نجانے کس کا محل ہے' اور کون جانے ہے بھی کہ نہیں جس کی ملکیت کا تمہیں دعویٰ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ''مس لیزا جان ووڈ'' نے برٹش آرمی کے ایک معمولی سپاہی سے اس لیے شادی کر لی کہ اس کی ولادت میں کہیں کوئی دیسی رنگ نظر نہ آئے اور اس بے چاری خوابوں میں رہنے والی شہزادی کی ان ساری مخلصانہ کوششوں پر پانی پھیرا تم نے' جب ایک معمولی سے نیٹو کرسچن ''سموئیل ڈی سوزا'' سے شادی کر لی۔ وہ جو شہر کی یونسپلٹی میں خاکروبوں کا ہیڈ تھا۔ معلوم نہیں یہ شادی تم نے کس مغالطے میں کر لی۔ یا شاید واقعی تم کو اصل والا ''لو'' ہو گیا۔ بہرحال اسی وقت سے تمہارے اعلیٰ نسب خاندان کا ڈاؤن فال شروع ہو گیا۔

اس کی آنکھوں میں نجانے کیوں آنسو آ گئے۔ ''اور ہم وہ لوگ ہیں'' جو ان تاریخی غلطیوں کی سزا بھگتنے کے لیے یہاں اس دنیا میں آ گئے۔ ہم جو نہ تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔ نہ یہ معاشرہ ہمیں قبول کرتا ہے اور نہ وہ جہاں میرا باپ ایک پاکستانی جانا جاتا تھا۔

آئیڈینٹٹی کرائسس' ایک مکمل بحران شناخت کا۔'' اس نے تلخی سے سوچا۔ اور اس کو اپنے اردگرد کی ہر چیز زہر معلوم ہونے لگی۔

''لینا ڈیر! آؤ کھانا کھا لو...... دیکھو آج ام نے آلو قیمہ چھونکا ہے۔'' کچن سے آتی آواز نے اسے حال میں کھینچا اور ساری تلخ سوچوں کے باوجود اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ لارڈز اور لیڈیز کے خاندان کی یہ 'مسٹری' کس قدر دیسی اور گھریلو انداز میں کچن میں بیٹھی ''آلو قیمہ'' چھونک رہی تھی۔

''وقت۔ اے وقت'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے نم چہرے پر ہاتھ پھیرا اور خاندانی ہیرا وہ فوٹو البم اٹھا کر واپس احتیاط سے الماری میں رکھ کر باہر کچن کی طرف چل دی۔

......۞......

اس روڈ سائیڈ ہوٹل کا نام ''وسپرنگ پائنز'' تھا اور یہ نام اسے بہت پسند آیا تھا۔ جب ہی وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہاں بے مقصد بیٹھا رہا۔ اسے وہاں پر آنے والے لوگوں کا مشاہدہ کرنا بھی اچھا لگ رہا تھا۔

''ان لوگوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں غربت کا کوئی وجود نہیں۔ ہر شخص یہاں بے حد امیر اور خوش ش ہے۔''

اس نے سوچا تھا اور یونہی ادھر ادھر گھومتی اس کی نظریں اچانک اپنے سامنے والے ٹیبل پر بیٹھے ایک جوکر نما

شخص اور اس کے ساتھ بیٹھی ایک نازک اندام لڑکی پر پڑیں۔ جس نے سر پر بڑا سا تنکوں کا ہیٹ پہن رکھا تھا۔ تھوڑ دیر مسلسل دیکھنے پر اسے یوں ہی محسوس ہوا جیسے وہ جوکر نما شخص مسلسل اس لڑکی کے نخرے اٹھانے میں مصروف تھا۔ ماتھے پر ہاتھ پھیرتی ناک سکیڑتی تو وہ اسے ٹشو پیپر پیش کرتا۔ وہ چائے کا کپ آگے بڑھاتی تو اس کے کپ میں سرے سے گرم چائے انڈیلتا' کبھی کانوں کو ہاتھ لگاتے اونچا اونچا بولتے ہوئے جیسے لڑکی کو کچھ باور کرانے کی کوشش کرتا۔ اسفند کو اپنے سامنے کا یہ منظر بہت دلچسپ سا لگا۔ اور اس نے بے اختیار سوچا کہ ان دونوں کے درمیان رشتہ ہوسکتا ہے۔ اپنے اس تجسس کو مطمئن کرنے کے لیے وہ اٹھ کر ان دونوں کے بالکل قریب والی ٹیبل پر جا کر بیٹھ جانا چاہتا تھا۔ مگر سڑک سے ادھر آتے ہوئے دو تین لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک گروپ نے آواز دے کر اس لڑکی کو پکارا "سارہ" اس کے نام کی یہ پکار اتنی بلند تھی کہ وہ اپنی ٹیبل پر بیٹھا بھی سن سکتا تھا۔ اور اس پکار کے ردعمل کے طور پر فوری طور پر اٹھ کر اس کے ساتھ چلی گئی۔ جوکر نما شخص نے اس کو یوں اٹھ کر جاتے دیکھ کر اپنے شانے اچکائے اور اپنی پیالی کی طرف توجہ مبذول کرلی۔

"اچھا' مزے کا سین تھا۔" اس نے دور جاتے اس گروہ کو غور سے دیکھتے ہوئے سوچا تنکوں والا ہیٹ اور اس پر بو کی شکل میں بندھا سرخ ربن اس کے بہت دور تک جانے کے باوجود نظر آرہا تھا۔

اور اسی ہیٹ اور سرخ بو نے اس شام بھی اس کو چونکا دیا۔ جب وہ اس واحد لمبی سڑک کے دونوں طرف دکانوں میں سے ایک میں ہینڈی کرافٹ کے نمونے دیکھ رہا تھا۔ کاؤنٹر پر وہ ہیٹ دھرا تھا۔ اور کاؤنٹر کے قریب لڑکیاں کھڑی دکاندار سے محو گفتگو تھیں اور دکاندار ان کے سامنے جیسے بچھا جا رہا تھا۔

"کمال ہے بھئی' یہاں یہ شخصیات دی' آئی' پی کے طور پر ٹریٹ کی جا رہی ہیں۔ کیا خاص بات ہے ان میں۔" اس بار وہ جیسے جھنجلا سا گیا۔

"نہیں فری تو خیر ہم ہرگز نہ لیں گے۔ پے منٹ ضرور کریں گے۔" اسی کارنر سے ایک باریک سی آواز آئی۔

"لینا"! کسی نے پکارا۔ اور اسفند کے مڑ کر دیکھنے پر بیگ سے والٹ نکالتی اس لڑکی کو جیسے کرنٹ سا لگ گیا۔

"سار...... یہ" اس کی آواز جیسے کسی وحشت ناک تصور کے زیر اثر لڑکھڑا رہی تھی۔ اور اس لرزتی آواز کو سن کر ہیٹ والی نے بھی گھوم کر ادھر دیکھا۔ اور وہ بھی جیسے لڑکھڑا سی گئی۔ اس غیر متوقع صورتحال نے نہ صرف اسفند کو بلکہ غالباً اس دکان دار کو بھی چونکا دیا تھا۔

......✿......

"ٹٹ ٹٹ ٹٹ"۔ زُلیا گدھا گاڑی پہ سوار چابک لہراتے ہوئے اپنے گدھے کو منہ سے آوازیں نکال نکال کر تیز چلنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ گاؤں جانے والی پگڈنڈی پر کھڑے فراز نے دور سے آتے زُلیا کو دلچسپی سے دیکھا۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اسے اسی طرح آوازیں نکالتے اپنے مریل گدھے اور "چڑ چوں" کرتی گاڑی چلاتے دیکھ رہا تھا۔ اب تو زُلیا' کے بال سفید ہوچکے تھے' کندھے جھک گئے تھے۔ اور وہ دیکھنے میں بھی بہت کمزور ہو گیا تھا۔

"اوئے فراز باؤ!" قریب آ کر زُلیا نے آنکھیں میچتے ہوئے اسے پہچان کر آواز لگائی۔ "چنگے ہو' کیا حال اے۔" یہ اس کا مخصوص انداز تھا۔ فراز نے آگے بڑھتے ہوئے مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا۔ اور پھر گھاس سے بھرے اس کے چھکڑے پر سوار ہوگیا۔ یہ لفٹ اسے بنا مانگے ہی ملی تھی۔ اور اب اس کے عوض اس کے کان حالات حاضرہ سے مستفید ہونے کے منتظر تھے۔

"چاچا کریمے کی بھینس' ماسی سیماں کی مرغیاں' چوہدری سلیم اللہ کی فصل' رحمے نائی کی بیٹی کی شادی' رشید ہٹی والے کی دکان پر آنے والے نئے مال کی تفصیلات سنتے سناتے وہ گاؤں تک پہنچ گئے اپنا بیگ سنبھال کر اترتے ہوئے اس نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔

"زُلیے! ماسٹر ہدایت اللہ کا کیا حال ہے؟"۔

"بس جیتا ہے" زُلیا نے گدھے کو چابک رسید کرتے ہوئے اپنی "ٹٹ ٹٹ" کے درمیان میں کہا۔ "پر فراز باؤ! یہ جینا بھی کیا جا سکتا ہے۔ ماسٹر ہدایت اللہ ساری دنیا کو ہدایت دیتا رہا پر اس کا اپنا بیٹا بے ہدایتا ہی رہا"۔

"اس کا اپنا بیٹا؟" فراز نے اپنے ذہن میں دہرایا "کون جانے زُلیا صاحب! کون ہدایتا ہے کون بے ہدایتا' اگر تم کبھی جو شہر جا کر ماسٹر ہدایت اللہ کے بے ہدایتے بیٹے کے ٹھاٹھ دیکھ لو تو جانو' کہ کیا شان شوکت ہے اس بے ہدایتے کی۔" مگر اسے معلوم تھا کہ اس کی بات زُلیے اور بہت سے دوسروں کی سمجھ میں آنے والی نہیں ان کے نزدیک ہدایت اور بے ہدایت کے پیمانے مختلف تھے۔ بے ہدایتا جس کا ہر راستہ کھوٹا ہوا کرتا ہے خواہ کتنا ہی منور کیوں نہ ہو۔ اور ہدایت کے نور سے منور اندھیرے راستوں پر بھی خوف و خطر چلتے ہیں۔

اس نے سر جھٹکا اور گھر کے دروازے پر پڑا پردہ ہٹا کر اندر چلا آیا۔ اندر اماں کی لاڈلی مرغیاں تھیں اور ننھے چوزے جو اس کی آمد پر پھڑ پھڑا کر چھوٹے سے کچے صحن میں ادھر ادھر چلانگیں مارنے لگے تھے۔

ان کی کٹ کٹ سن کر اماں بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔

"آئے ہائے' کیا آفت آ گئی ٹٹ مرغیوں پر۔" یہ اماں کا مخصوص جملہ تھا جو وہ دن میں نجانے کتنی مرتبہ دہراتی تھیں۔ ان کی آواز سے محسوس ہو رہا تھا کہ غصے کا سورج سوا نیزے پر تھا مگر اس پر نظر پڑتے ہی سارا غصہ مٹھاس اور حلاوت میں بدل گیا تھا۔

"ماں صدقے' میرا سوہنا شیر آیا ہے۔" اسے یہ جملے سننے اور نخرے اٹھوانے کی عادت تھی اور اس میں اسے مزہ بھی آتا تھا۔

......✿......

اس شام وہ اپنی عادت کے مطابق چوہدری سلیم اللہ کے کھیتوں کے کنارے درختوں کے جھنڈ کے نیچے بیٹھا گندم کی سبز بالیوں کو پانی چوستے دیکھ رہا تھا جب اسے دور سے کھلکھلاتی ہنستی' باتیں کرتی تین چار لڑکیوں کا ایک گروپ نظر آیا۔ جو دور سے اسے دیکھتی آ رہی تھیں۔

"فراز۔" سب سے آگے چاچا فضل کی بیٹی سعدیہ تھی جس نے اسے آگے بڑھ کر آواز دی تھی۔

"ہاں۔" اس نے بے نیازی سے گھاس کا تنکا چباتے ہوئے کہا۔

"آ گئے...... نوکری مل گئی؟" سعدیہ کے لہجے میں بڑی بہنوں کا سا استحقاق تھا' کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ اس کے بچپن میں وہ اسے گود میں اٹھائے بہلاتی رہی تھی۔

"نوکری۔" اس نے گھاس کا تنکا تھوک دیا اور بازو پیچھے پھیلا کر ٹانگیں دراز کرتے ہوئے سعدیہ کو دیکھا۔

"میں نوکری کی تلاش میں تو نہیں گیا تھا۔"

"اس کی بات کے جواب میں وہ تینوں چاروں ہنسنے لگیں۔ اس نے سب سے تیز ہنسی کا نظروں سے تعاقب کیا۔ وہ مانو تھی۔ چاچا شفیع کی اکلوتی بیٹی اور بچپن میں وہ دونوں گاؤں کے کو ایجوکیشن مدرسے میں اکٹھے پڑھتے رہے تھے۔ اسے یہ ہنسی اچھی لگ رہی تھی۔ اس میں بے ساختگی تھی اور استہزاء بھی۔ مگر پھر بھی وہ جھنجلا کر بے زار سے لہجے

میں بولا۔

''اور اگر گیا بھی تھا' اور نوکری نہیں بھی ملی' اور اگر میں اس غم میں یہاں بیٹھا شغل فرما رہا ہوں تو بھی تم لوگوں کو کیا؟ تم اپنا راستہ ناپو۔ جس کا جا رہی تھیں جاؤ۔''

اور یہ بھی اسے معلوم ہی تھا کہ وہ کہاں جا رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں پکڑے پھولوں کے ہار اور اگر بتیوں' موم بتیوں کا پیکٹ بتا رہے تھے کہ وہ بابا شاہ زمان' کے دربار پر جمعرات کی حاضری دینے جا رہی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ ان کے جواب کا منتظر تھا۔

''چلو جمعرات چڑھا آؤ ہمارے ساتھ' شاید نوکری مل ہی جائے۔'' یہ حمیدہ تھی' ماسی رشیدہ کی بیٹی جس سے اسے ہمیشہ سے ہی چڑ تھی۔ ماسی رشیدہ کی بیٹی جس سے اسے ہمیشہ سے ہی چڑ تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور ہاتھ میں پکڑے تنکے سے گیلی مٹی پر کچھ نقش بنانے لگا۔ وہ چاروں آگے بڑھنے لگیں۔

''اونہہ!'' آخری لڑکی کے قدم اس کے قریب رکے۔ اس نے سیاہ چپل میں پھنسے سفید پاؤں دیکھے۔ ''ماسٹر ہدایت اللہ نے دیکھ لیا نا تو......'' اس کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ وہ مزید چڑ گیا۔

''بی۔اے کر رہی ہو تم چار سالوں سے۔ پھر بھی ماسٹر ہدایت اللہ تو دیت اللہ کہنا نہ چھوڑا تم نے۔''

''چلو نام جو بھی لے لو بات تو ہے نا' انہوں نے دیکھ لیا نا تو بتائیں گے۔'' وہ بات مکمل کر کے نیچے تلے قدم اٹھاتی آئے چل دی۔ اور وہ اس طویل پگڈنڈی پر ہوا کی لہروں پر لہراتا سبز آنچل دور تک دیکھتا رہا۔ شام ڈھل رہی تھی اور سرخی تاریکی میں ڈوبنے لگی تھی۔

''ماسٹر ہدایت اللہ۔'' اس نے دل میں دہرایا کتنے عرصے سے یہ نام اس گاؤں میں تعظیم' احترام' علم' اخلاق اور محبت کی علامت بنا ہوا ہے۔ اس گاؤں کا شاید ہی کوئی بچہ' جوان اور ادھیڑ عمر شخص اس ''تہذیب کے گہوارے'' سے مستفیض ہونے سے بچا ہو اور شاید ہی کسی شخص کو اس کے بتائے ہوئے Dos اور donte سے اختلاف رہا ہو' بجز اس شخص کے جسے ماسٹر ہدایت اللہ کے اسکول آف تھاٹ کا اصل پرتو بننا تھا۔ اور جو قطعی اس سوچ کے مخالف دھارے پر بہتا رہا۔

اس نے سر جھکا کر گیلی مٹی پر بنائے نقوش کو دیکھا۔ ''جو ماسٹر ہدایت اللہ نے دیکھ لیا تو۔'' اس کے کانوں میں مانو کی آواز گونجی۔

''نا اوئے فرازے! یہ کام نہیں کرنا' نقش بنانا خدائی صفت ہے یہ بندے کا کام نہیں ہے۔'' یکدم اس کے کانوں میں عرصہ پہلے کہی ہوئی بات گونجی۔ اس نے لاشعوری طور پر مٹی پر بنے نقوش کو بگاڑ کر مٹی برابر کر دی۔ اور خود کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کر اس طویل پگڈنڈی پر بنے قدموں کے نشانوں کے اوپر پاؤں جما جما کر چلنے لگا۔

......۞......

اس رات گھر واپسی پر بھی اسفند کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ باوجود کوشش کے ہیٹ والی لڑکی اور اس کی سہیلی کا خود کو دیکھ کر اس بری طرح چونک جانا اسے بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔ ''سارہ یہ...... یہ۔'' ہیٹ والی کی ساتھی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے اور ہیٹ والی کے چہرے اور آنکھوں میں اتر آنے والی وحشت اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہی تھی۔

''وہ چاہتا تھا کہ وہ ان کی گھبراہٹ اور وحشت کی وجہ دریافت کرے مگر وہ اسے اس کا موقع دیے بغیر ہی دکان سے باہر نکل گئی تھیں۔ دکان پر موجود سیلز مین بھی اس نہ سمجھ میں آنے والی صورتحال پر سر جھٹک رہا تھا۔

''غالباً ان لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہو گئی تھی۔'' بہت سوچنے کے بعد اس کی سمجھ میں یہ ہی بات آئی۔ اس رات وہ کھانا کھائے بغیر ہی سونے کے لیے لیٹ گیا۔ گل خان کا ''چکن جال پریزی (جلفریزی) اے صیب! ماش کا دال ‌بنایا اے'' بھی اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے تھے۔ وہ گزشتہ کئی دنوں کے احساسات اور اس دن اس نئے ہونے الے واقعے کی جھنجھلاہٹ سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس رات اس نے بہت دنوں بعد نیند کی گولی کھائی تھی س کے زیر اثر وہ بہت جلد سو گیا تھا۔ مگر وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھل گئی۔ اور اسے احساس وا کہ اس کی آنکھیں اور رخسار بھیگے ہوئے تھے۔ اور اس کے حلق سے جو سسکیاں ابھر رہی تھیں وہ ان پر قابو پانے ں ناکام ثابت ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اسے یاد آیا کہ جتنی دیر وہ نیند کے عالم میں رہا تھا۔ اس نے شیری کو اپنے ساتھ سوس کیا تھا۔

''شیری! شیری۔'' اب وہ دھیمی آواز میں اس کا نام لے رہا تھا۔ ''تم یوں مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے اور تمہیں رہ برابر بھی احساس نہیں ہوا کہ میں یہ زندگی کیسے جیوں گا؟'' اس نے نجانے کتنی بار کیا ہوا شکوہ دہرایا۔

''میں نے بہت کوشش کی شیری! کہ میں اپنی زندگی میں در آنے والی پہلی تلخ حقیقت سے سمجھوتا کر لوں مگر میں ہت کوشش کرنے کے باوجود اس میں ناکام ہو رہا ہوں پھر تم بھی تو بار بار میری اس کوشش کو ناکام بنانے میری نیندوں ں' میرے خوابوں میں آن موجود ہوتے ہو۔ اسی لیے نا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو' تم بھی بے چین ہو۔ تم بھی میرے یر نہیں رہ سکتے۔'' اس کی سسکیاں اب بلند آہوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

''مجھے دنیا سے' لوگوں سے ڈر لگتا ہے شیری! جب خوشبوئیں تمہارے لیے ختم ہو چکی ہیں اور تم وہاں جا چکے ہو ہاں یہ سب بے معنی ہو جاتا ہے تو مجھے خود پر بھی یہ ہی کیفیت طاری ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ ہر شے کی بے معنویت ھ جاتی ہے اور دل خواہش کرتا ہے جیسے ہم دونوں ایک ساتھ دنیا میں آئے اور چھبیس برس تک ایک دوسرے سے بحدہ ہوتے رہنے کے باوجود علیحدگی کے احساس سے محفوظ رہے اسی طرح یہ کیفیت' یہ موت ہم دونوں پر اکٹھے کیوں یں طاری ہوئی؟ تم کیوں بے حس و حرکت مٹی کی چادر اوڑھے پڑے ہو اور میں کیوں چلتا پھرتا' کھاتا پیتا باتیں کرتا انس لیتا ہوں۔ شیری!' شیری تم کہاں ہو؟ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

اب وہ با آواز بلند رو رہا تھا۔ اسے معلوم تھا اس تاریکی' تنہائی اور سناٹے میں اسے کوئی تسلی دینے اور خاموش رانے نہیں آئے گا۔ وہ جی بھر کر رونا چاہتا تھا۔ اور ایسا وہ پچھلے کتنے ہی دنوں سے کرتا آیا تھا ہر بار اس کیفیت کے ‌روہ سمجھتا تھا کہ اب وہ شہریار کو اتنا رو چکا ہے کہ اب آئندہ یہ کیفیت اس پر طاری نہیں ہوگی۔ مگر ہر دوسرے دن پھر احساس اسی شدت سے اسے اپنی گرفت میں لے لیتا تھا۔

......۞......

''للی' للی' تم بالکل اپنا باپ کا مافق نکلا...... تم کو اس بات کا بالکل احساس نہیں کہ تمارا کسی حرکت سے کسی کو کتنا لیف پونچ سکتا ایں۔''

لینا نے نہ چاہتے ہوئے بھی للی اور گرینی کے مابین ہونے والی گفتگو کو سنا اور ایک نظر اپنی خاموش طبع' راضی بر ما پھوپھی پر ڈالی جو بے حد سکون سے اپنی ماں اور بیٹی کو بحث میں الجھے سن رہی تھی اور پھر بھی اپنے کام میں مصروف ں۔

''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آخر اس گھر میں کون سی ایسی چیز ہے گرینی! کہ جس کے کھو جانے کا تم کو ڈر ہے جو کھو جائے تو ہم سب مل کر غم کریں۔'' للی نے پاؤں پٹخ کر کہا تھا۔

”تمارا داماغ میں کوئی بھیجا ہوتا تو ام تم کو بتاتا کہ کیا قیمتی اور کتنا قیمتی ہے۔ آج تم اس البم کو لے جا کر کے دیکھاؤ کسی کو کیسا پریشیس (Precious) (قیمتی) کیسا antique (نادر نمونہ) اے یہ...... تمارا یہ میوجیم (میوزیم) والا ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ کیسا کیسا لارڈز اور لیڈیز کا پھوٹو آے اس میں جس کو تم یہاں کوڑے کے ماقف پھینک گیا تھا۔“ گرینی اپنی ہٹ کی پکی تھیں۔

”ہونہہ...... لارڈز اور لیڈیز۔ کسی اور کو سنانا یہ من گھڑت قصے اور کہانیاں۔“ للّی نے نفرت سے کہا۔ ”اگر ایسے ہی یہ لارڈز اور لیڈیز ہیں خواتین و حضرات تو پھر ان کی اولادیں میں اور لینا جب ہم باہر نکلتی ہیں تو کیوں علاقے بھر کے بچے ہمیں کرنٹیاں بولتے ہیں اور تالیاں پیٹ پیٹ کر مذاق اڑاتے ہیں ”گڑھی شاہو کی میم“ کہہ کہہ کر بلاتے ہیں۔ لارڈز اور لیڈیز کی اولادیں علاقے بھر کے خاکروبوں سے رشتے ناتے جوڑتے رہیں اور نتیجے میں ہمارے جیسی ”Pathetic“ نسل پیدا کی۔“

للّی پر اس وقت حقیقت پسندی کا جنون سوار تھا ورنہ وہ بھی گرینی کی قائم کردہ تصوراتی دنیا میں کھوئے رہنے کو ترجیح دیتی تھی۔

”کون کھاکروب اور کیسے کھاکروب۔“ گرینی نے چمک کر کہا۔

”جاؤ اپنی ماں سے پوچھو اس نے جس سے ناطہ جوڑ کر تمہارا جیسی ”Pathetic“ نسل پیدا کی۔ وہ کھاکروب تھا کیا؟۔ اڑے زمانے بھر کا بہروپیا‘ فراڈ‘ گینگسٹر کی اولاد تھا۔ خبیث‘ حرام جادہ۔“

گرینی کی سوئی کسی اور طرف پھر گئی۔ اور لینا نے دیکھا اب کے اس کی مرنجاں مرنج پر اسرار شخصیت والی پھوپھی کے چہرے پر اذیت اور کرب کے آثار ابھرے تھے۔ اور یہ آثار ہمیشہ گرینی کی اس قسم کی گفتگو کے موقع پر ابھرا کرتے تھے۔ لینا کو اپنی اس پھوپھی سے اتنی شدید محبت تھی کہ بے اختیار اس کا دل آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ جانے کو چاہا۔ مگر اسے علم تھا کہ اس کے اس عمل سے پھوپھی کے دل میں یہ احساس ابھر آئے گا کہ وہ اس کے کرب سے واقف ہو چکی ہے۔ وہ بلا ارادہ باہر صحن میں نکل آئی جہاں للّی چمک چمک کر اور ہاتھ نچا نچا کر گرینی کی باتوں کا جواب برابر کی چوٹ پر دے رہی تھی۔

”بس کرو للّی!‘ اور تم بھی بس کرو گرینی...... کیا تم سنڈے کا دن‘ ان ہی باتوں میں گزار دو گی کیا تم لوگ۔“

بہت کم اس کی آواز اور لہجہ اتنا تیز ہوا کرتا تھا جتنا اس وقت ہوا۔

”تم بھی اسی کے ساث ملا ہوا ایں۔ گھنی‘ میسنی فانے فکٹنی ماقف۔“ گرینی نے لاکھ چاہا کہ وہ زبان کی مقامی آلائشوں سے بچی رہیں اور اپنی نسل میں بھی یہی فخر سرایت کر دیں مگر وہ ماسوا لہجے اور الفاظ کی ادائیگی کے کچھ بھی نہ بچا سکیں اور ہنسوں اور کوؤں کی سی مثال بن کر رہ گئی تھیں۔

”للّی پلیز‘ اسٹاپ اٹ ناؤ۔“ اب کے اس نے للّی کا ہاتھ جھٹکا۔

”میں نے کیا کیا ہے اور کہا کیا ہے جو یہ لارڈ بائرن کی اولاد صبح صبح میرے گلے پڑ گئی۔“ للّی کا لہجہ بلا کا بدتمیز تھا۔

”تمہیں یوں چیزیں بکھرا کر گھر کھلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔“ لینا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”جی...... زیں۔“ للّی نے استہزائیہ انداز میں کہا ”یہاں اس کباڑ خانے میں رکھا ہی کیا ہے ڈیر کزن؟ جسے کوئی چرا لے جائے گا۔ یہ ریئل ڈائمنڈز سے بھی زیادہ قیمتی فوٹو البم۔“ اس نے اس البم کی طرف اشارہ کیا جو گرینی ابھی بھی سینے سے چمٹائے کھڑی تھیں۔ ”کس کو مصیبت پڑی ہے ماضی بعید کے ان کیبرے ڈانسرز کے

”Individual“ (انفرادی) فوٹو اٹھائے جانے کی ماسوائے اس کے جس نے انشینٹ انڈین کلچر اینڈ ہیریٹیج ”ancient IndianCulture and heritage“ قسم کی کوئی کتاب لکھنی ہو یا کوئی ڈاکومنٹری بنانی ہو۔ اور وہ بھی یہاں کیوں آئے گا اس ٹٹ پونجیے علاقے میں۔ ایسی ہسٹریز اور ہسٹورین ”historians histories“ تو انہیں اس اتنے اڑانے کے سے انداز میں گرینی کی طرف اشارہ کیا جس کی چھوٹی چھوٹی سبز آنکھوں سے آنسو لڑھک کر ان کے سپید شفاف رخساروں پر پھیل رہے تھے۔ اس لمحے لینا کو اپنی یہ بوڑھی دادی انتہائی قابل رحم محسوس ہوئیں۔ ان کے سارے تصورات ار ان کی دنیا کا پول للّی اپنے درشت الفاظ سے کھول رہی تھی۔ اور تاریخ کے ان لیفٹ اوورز کو حقائق کا یوں مشاہدہ کروایا جانا ان کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

اس کے آگے بڑھ کر گرینی کے شانوں کے گرد بازو پھیلائے اور انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

”یہ کچھ نہیں جانتی“ اس نے تسلی دینے کے سے انداز میں کہا۔

”اس نے امارے کو جھوٹا بولا‘ اس نے امارے کو کھاکروبوں کا نسل بولا‘ اس نے امارا باپ دادا کو کیبرے ڈانسر بولا۔ ام ایسا نئیں اے لینا! ام تم کو سچ بولتا‘ ام ایسا نئیں اے۔ امارا فادر‘ امارا گرینڈ فادر ادھر کوئین کے اینول ڈنر پر“...... گرینی سو بار کی دہرائی باتیں دہرانے لگی تھیں۔ مگر لینا نے ان کو ایک مرتبہ پھر یونہی سنا جیسے پہلی مرتبہ سن رہی ہو۔ تصورات اور تصوراتی دنیا کو مرنے سے بچانے کا ایک یہ ہی طریقہ تھا۔

......❁......

اس روز وہ ماسٹر ہدایت اللہ کے پاس دو گھنٹے بیٹھا رہا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا وہ اپنا حقہ تازہ کرنے میں مصروف تھے۔ حقے سے انہیں عشق تھا۔ یہ ہر کوئی جانتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اُپلوں کی آگ جلانے‘ حقے کا نیچا دھونے اس میں پانی بھرنے اور ٹوپی میں گڑ‘ تمباکو رکھنے میں ان کی بھرپور مدد کی تھی۔ وہ چمٹے سے انگارے اڑاتی آگ سے چلم بھرتے رہے تھے۔

”یہ میرا دوست ہے‘ میری تنہائی کا ساتھی۔“ وہ ساتھ ساتھ کہہ رہے تھے۔ ’میں اس سے باتیں کرتا ہوں یہ مجھے قول سناتا ہے...... فراز! کبھی تم نے کسی کو تنہائی کا ساتھی بنایا ہے؟“ یکدم انہوں نے اس سے پوچھا۔ وہ اس بات کا جواب کیا دیتا۔ سوائے اس کے کہ اس پر تنہائی کی کیفیت ابھی تک اس طرح طاری ہی نہیں ہوئی‘ جس طرح ان پر ہو چکی تھی پھر ساتھی کس کو بناتا۔

پھر وہ اس سے اس کو نوکری کے بارے میں پوچھنے لگے۔

”آخر تم نے لگنا کیا ہے؟“ وہ معصومیت سے پوچھ رہے تھے۔ اسے ان کے اس سوال کا جواب دینے سے خوف آتا تھا‘ اور وہ ہمیشہ ان کے اس سوال کو ٹال جاتا تھا۔ مگر آج ان کے سوال کے جواب میں کوئی دوسری بات کرتے ہوئے ایک تنبیہہ کی بازگشت اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

”ماسٹر ہدایت اللہ نے دیکھ لیا نا......“

”میں آپ کو کیا بتاؤں ماسٹر جی! کہ ایک بار بہت عرصہ پہلے میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ آپ کی منع کی ہوئی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔ میں نے مٹی میں بھاگنا‘ کنچے کھیلنا‘ گلی ڈنڈا کھیلنا‘ ساتھیوں بیلیوں میں بیٹھنا خود پر صرف اس لئے حرام کر لیا کہ میں آپ کی نظروں میں معتبر ہونا چاہتا تھا۔ گرمیوں کی لمبی دوپہریں جو میرے ہم عمر درختوں پر چڑھتے‘ غلیلیں چلاتے‘ کبڈی کھیلتے گذارتے‘ میں نے آپ کے پاس بیٹھ کر تختی لکھتے گزاریں۔ سردیوں کی شامیں جب میرے ساتھی سرسوں کے کھیتوں میں‘ کماد کے کھیتوں میں بھاگتے پھرتے تھے میں آنکھیں بند کیے سبق کے

رٹے لگا رہا ہوتا تھا۔ صرف اس لیے کہ ماسٹر ہدایت اللہ کا "ہدایتا شاگرد" کہلا سکوں لیکن پھر پتا نہیں راستے کیسے الجھے کہ میں جس راستے پر اپنی منزل کی طرف جانے والا راستہ سمجھ کر چل پڑا وہ "بے ہدایت" کے نکڑ پر جا نکلا۔ ساری محنت ساری ریاضت اکارت گئی۔ آپ کہتے رہے یہ خدائی وصف ہے اور میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خدائی وصف سیکھنے کو اپنا لیا۔ اب میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میں نے کیا پڑھا لکھا اور میں کیا لگنا چاہتا ہوں۔ نہیں میں کبھی نہیں بتا سکتا۔ میں دکھ کے ایک اور خارزار سے آپ کو نہیں گزار سکتا۔"

"اوئے فرازیا!...... کدھر گم ہو گیا بھئی؟" ماسٹر صاحب کی تیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک گیا۔

"اچھا تو پھر اشرف لمبڑ کا بیٹا آج کل آپ کا سب سے ہونہار شاگرد ہے ماسٹر صاحب۔" اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھ سے زیادہ ہونہار تو نہیں ہو سکتا۔" پھر اس نے خود ہی خیال ظاہر کیا۔

"اوئے چل......" ماسٹر صاحب نے حقہ گڑگڑایا۔

"تجھ سے ہونہار تو وہ بچی ہے مانو...... کیا نام ہے اس کا مبینہ کلثوم...... ایسی انگریزی کی گرائمر میں طاق ہے کہ کہ کیا بتاؤں۔"

"جی ہاں جب ہی تو بی۔ اے کا امتحان چار بار دیا ہے" فراز نے منہ بنا کر کہا۔

"اوئے وہ تو اکنامکس میں سپلی آتی ہے انگریزی میں تھوڑی۔" ماسٹر صاحب نے طرف داری کی۔

ماسٹر صاحب مانو سے خوش تھے۔ کیونکہ وہ بھی بے ہدایتی نہیں تھی۔ اس کا فراز کو بھی یقین تھا جب ہی تو اس نے کل شام اسے تنبیہہ کی تھی۔ اور وہ اس بات پر خوش تھا کہ ماسٹر صاحب مانو سے خوش تھے۔

......۞......

سلمان ایک ہفتے کے بعد پشاور سے واپس آیا تھا۔ اسے ایک بہت ضروری کام سے پشاور جانا پڑا تھا ورنہ گزشتہ سوا مہینے سے اس نے تھوڑی دیر کے لیے بھی اسفند کو اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ اب بھی اپنی واپسی پر وہ اپنے قیام پشاور کے دلچسپ واقعات سنا کر اپنے تئیں اسفند کو چیئر اپ کرنے کو کوشش کر رہا تھا

"بہت دن ہو گئے یہاں ہی نتھیا گلی اور ایوبیہ' بھوربن کو دریافت کرتے' میرا خیال ہے کہ اب اپنے ہائکنگ والے پروگرام پر عمل کر ہی ڈالیں۔" جب اس نے اسفند کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کو کسی طرح بھی کم نہ ہوتے دیکھا تو موضوع بدل دیا۔

"سلمان! میں اب واپس لاہور جاؤں گا۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اب میں نارمل ہوں اور پریکٹیکل لائف دوبارہ سے شروع کرنے کے قابل بھی ہوں۔" اسفند کی سرد آواز فضا میں بکھری۔ اس کی بات کا سلمان نے جواب نہیں دیا تھا۔

"میں اب زندگی کی اس یکسانیت سے تنگ آ چکا ہوں۔ اور مجھے لگتا ہے کہ اب میرے اعصاب میرے کنٹرول میں آتے جا رہے ہیں۔ مجھے اب واپس جانا ہے سلمان!" سلمان کی خاموشی پر وہ تقریباً کھول اٹھا۔ جواب میں سلمان پھر خاموش رہا۔

"کیا تم میری بات سن اور سمجھ رہے ہو؟" اب کے اسے سلمان کی خاموشی پر غصہ آ گیا۔

"اسفی! جمعرات سے ہم ہائکنگ پر جا رہے ہیں' سب انتظامات مکمل ہیں' تمہارا کیا خیال ہے' کسی چیز کی کمی تو نہیں رہ گئی؟" سلمان نے اس کی کسی بھی بات کا جواب دینے کے بجائے اسے اطلاع دی۔ وہ اس سکون اور بے نیازی کے مظاہرے پر کھول کر رہ گیا۔

"تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا اس وقت تو میں اس کا سر پھاڑ دیتا۔"

"اور اسفی! میرا خیال ہے کہ تم نے کالا باغ بھی ابھی تک نہیں دیکھا۔ کل وہاں چلنے میں' زبردست دیو ہے یار اس جگہ کا۔"

سلمان نے مزید بے نیازی دکھاتے ہوئے ایک اور اطلاع فراہم کی۔

"کالا باغ کیا؟ ابھی تو اسفند نے نتھیا گلی کو اچھی طرح سے نہیں دیکھا۔" چائے کی ٹرے اندر لائے ہوئے گل خان نے ٹکڑا لگایا۔

"میں نے کہا ہے کہ مجھے مزید کچھ بھی نہیں دیکھنا' کیا تم لوگوں کے کان بند ہو چکے ہیں" اس نے اونچی آواز میں چلاتے ہوئے کہا۔ "گل خان! ایسا کرنا کہ تم صبح ہمیں ذرا جلدی اٹھا دینا۔ ہم کالا باغ جائیں گے۔ میں ابھی آفتاب سے فون پر کانٹیکٹ کرتا ہوں۔ کل ہمارا لنچ وہ ارینج کروائے گا ادھر۔" سلمان اب گل خان سے مخاطب تھا۔

"چائے پی لو اسفی! تو پھر ذرا باہر بیٹھتے ہیں' موسم خاصہ معتدل ہے آج۔" سلمان کا اطمینان قابل دید تھا۔

"سلمان! میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں' تمہارے پلے نہیں پڑا غالباً۔" اس کی ہدایت کے مطابق چائے پی کر باہر آتے ہوئے اس نے ایک بار پھر کہا۔

"اسفی۔" باہر لان میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے سلمان نے پرسکون لہجے میں کہا "تم ابھی کہیں بھی نہیں جا رہے ہو' تم اور میں ہائکنگ پر جائیں گے' کالا باغ جائیں گے صبح اور بس۔"

"سلمان! تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے ہو۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"اب میں نارمل ہوں' میرے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے یار! مجھے اب زندگی کو دوبارہ شروع کرنا ہے۔"

"تمہارا مسئلہ کوئی نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر ہمارے ساتھ بڑا مسئلہ ہے اسفی! ہم تمہیں فی الحال دوبارہ اس گھر' اس شہر اور ان چیزوں کے درمیان نہیں بھیجنا چاہتے جو شہری سے منسوب تھیں کیونکہ ہمیں علم ہے کہ اس سب میں جا کر تمہارا ری ایکشن کیا ہوگا۔ ہمیں پتہ ہے کہ جب ہم تمہیں یہاں لائے تھے تو تمہاری کیا حالت تھی اور مجھ سے زیادہ کوئی جانتا ہوگا کہ تم جو خود کو نارمل کہہ رہے ہو' کس حد تک نارمل ہو۔"

سلمان نے شام کی نیم تاریکی میں اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"میں جو ہر روز رات کو تمہارے کمرے سے آنے والی سسکیوں اور چیخوں کو سنتا ہوں اور پھر بے چین ہو کر تمہیں تسلی دینے کی خاطر تمہارے کمرے کے دروازے تک جاتا ہوں۔ مگر پھر دروازے ہی پر کھڑا رہتا ہوں۔ اس امید اور آس پر کہ شاید یہ آخری ایسی رات ہو' شاید آنے والے کل کی رات تم بہل اور سنبھل چکے ہو' مگر ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔ پھر میں کیسے مان لوں کہ تم اب بالکل نارمل ہو اور تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں۔"

وہ دیکھ رہا تھا کہ اسفند کے چہرے پر ناراضی تھی اور پریشانی بھی۔ مگر وہ خود کو اس بات پر تیار نہیں کر پاتا تھا کہ وہ اسے اس ذہنی حالت کے ساتھ لاہور واپس بھجوا دے۔

"اور میں کون ہوں اس سارے قصے میں؟" پھر اس نے اسفند کو اٹھ کر لان کے دوسرے گوشے میں جاتے دیکھا۔ وہ لائٹر سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"میں ایک ان دیکھی تکون کا تیسرا کونا ہوں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں اس تکون کا وہ کونا ہوں جو ہے تو سہی مگر کبھی نظر نہیں آیا۔"

اُسے وہ دن یاد آ رہے تھے جب وہ خود' شہریار اور اسفند یار ایک ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ وہ ان دونوں جڑواں بھائیوں سے پہلی مرتبہ کب ملا تھا یہ بھی اسے اچھی طرح یاد تھا۔ وہ ان دنوں نیا نیا ایچی سن میں داخل ہوا تھا۔ جہاں یہ دونوں بھائی پہلے سے نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں ٹھیک ٹھاک نام رکھتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ اسے معلوم ہوا کہ وہ دونوں اس کے والد رشید انور کھوسہ کے لاہور میں مقیم گہرے دوست محمد آفتاب جمیل کے بیٹے تھے۔ وہ ہاسٹل میں رہتا تھا اور اس دوستی کے ناتے بابا کے ساتھ کبھی کبھار ویک اینڈز پر آفتاب انکل کے گھر جانے لگا تھا۔ اور

یوں ان ہونہار بھائیوں شہریار محمد اور اسفند یار محمد سے اس کی دوستی کا آغاز ہوا تھا۔

"اور حقیقت تو یہ تھی کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں کسی تیسرے شخص کی ضرورت ہی نہ تھی مگر محض اتفاق تھا کہ میں نے ان کے ساتھ مل کر ایک تکون سی قائم کر دی۔" اپنی سوچ سے چونکتے ہوئے اس نے دل میں کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"چلو اندر چلتے ہیں۔" اس کے سامنے کھڑا خفا خفا سا اسفی روٹھے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا اور اس لمحے سلمان کو اپنے اس جان سے عزیز دوست پر ڈھیروں پیار آ گیا۔ جو ناقابل تلافی نقصان کا شکار ہونے کے بعد اب تک نارمل نہ ہو سکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ نارمل ہونے میں ابھی اسے بہت وقت لگے گا۔ وہ جس حد تک شہریار سے جذباتی طور پر وابستہ تھا یہ شاید اس سے متعلق بہت کم لوگ جانتے تھے۔

"چلو اوپر چلتے ہیں ڈنر کے لیے باہر! بڑی رونق ہے نتھیا گلی میں۔ ایک سے ایک نمونہ بھرا ہوا ہے آج کل' اوپر پائنز تک چلتے ہیں' مزا آئے گا۔" اس نے اس اذیت ناک ماحول کی شدت کم کرنے کی کوشش کی۔

"تم ابھی اوپر چلا جائے گا تو ادھر جوام نے ڈنر بنایا وہ کون کائے (کھائے) گا۔" اسفند کے عقب سے گل خان نے انٹری دی۔

"وہ تم کائے گی' گل خان! ایک دم فائیو اسٹار ڈنر۔" سلمان اٹھتے ہوئے اور اسفند کا بازو پکڑ کر اسے تقریباً دھکیلتے ہوئے باہر لے آیا۔

باہر کی فضا میں جسم میں سرایت کر جانے والی خنکی تھی۔"

"پتہ ہے جب بابا نے یہاں یہ گھر خریدا تھا اس وقت سمر سیزن میں بھی یہاں اتنا رش نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ راستے بہت خراب تھے اور ہر وقت لینڈ سلائیڈنگ کے خطرے کے سبب لوگ ادھر نہیں آیا کرتے تھے' اس وقت سے بے جان ہمیں بھی ادھر نہیں آنے دیا کرتی تھیں چھٹیوں میں' مگر اب یہاں کی رونق دیکھو۔"

آہستہ قدموں سے چلتے چلتے اس نے خاموش اور گم صم اسفند سے کہا۔

"اب سڑکیں بہت اچھی بن گئی ہیں اور ٹورازم والوں نے بھی ادھر کافی توجہ دی ہے نا' اس لیے۔" اس کے جواب کا انتظار کرنے کے درمیان کی خاموشی کے بعد وہ پھر بولا تھا۔

"سلمان! اس روز ایک عجیب اتفاق ہوا۔" اس کی توقع کے عین خلاف اسفند اچانک پُرسکون لہجے میں بولا۔

"تھینکس گاڈ!" سلمان نے سکون کا سانس لیا۔ وہ اسفند کو ذہنی دباؤ کی کیفیت سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"اس روز میں ادھر آیا تو ادھر۔" اسفند نے اپنے سامنے جاتی سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ "ادھر ایک ہینڈی کرافٹس شاپ میں دو لڑکیاں تھیں۔"

"مزید تھینکس' اللہ تعالیٰ!" اب کے سلمان نے اپنے دل میں دہرایا۔ لڑکیوں کا ذکر اسفند کی گفتگو میں آنا زندگی کی نارمل روٹین میں آنے کی طرف ایک اشارہ بھی ہو سکتا تھا۔

"مجھے دیکھ کر وہ عجیب سے انداز میں چونکیں بہت ہی عجیب انداز میں۔" اب کے اس نے اس طرح بات کی جیسے وہ کچھ الجھا ہوا ہو۔

"بھئی یہاں کی محدود دنیا میں تم جیسا ڈیشنگ اور ہینڈسم لڑکا انہیں پہلی بار نظر آیا ہوگا' اس لیے چونکی ہوں گی۔" سلمان نے گفتگو میں مزاح کا رنگ بھرنے کی خاطر کہا۔

''نہیں یار! ان کے چونکنے کا انداز کچھ اور ہی تھا اس روز میں بہت دیر تک سوچتا رہا کہ ایسا کیوں ہوا۔'' کھوئے کھوئے انداز میں بول رہا تھا۔

''گل خان ہوتا نا یہاں تو کہتا۔'' تو پراسپندصیب یہ کون سا مشکل بات اے نتھا گلی اتنا چوٹا اے کہ تلاش کر جاؤ تو وہ لڑکی مل بی سکتا اے پرتم اس سے پوچوگی کہ بتاؤ لڑکی تم ام کو دیک کرا تنا کیوں گبرایا۔''

(تو خیر اسفند ٹا حب! یہ کون سی مشکل بات ہے۔ نتھیا گلی اتنا چھوٹا ہے کہ تلاش کرنا چاہو تو وہ لڑکی مل بھی سکتی ہے پھر تم اس سے پوچھوگے کہ بتاؤ لڑکی! تم مجھے دیکھ کر اتنا کیوں گھبرائیں۔)

سلمان نے ایک مرتبہ پھر مزاح کا رنگ پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں آئیڈیا دِلچسپ ہے۔'' اب کے اسفند نے تھوڑا ہنس کر کہا۔

''اور دِلچسپ بات یہ ہے کہ مجھے اس لڑکی کی شکل قطعی یاد نہیں رہی سوائے اس تنکوں سے بنے سرخ ربن کی والے ہیٹ کے جو اس نے سر پر پہن رکھا تھا۔''

اور پھر اس نے اس شخص والا واقعہ بھی سلمان کو سنایا جو اس روز ''وسپرنگ پائنز'' میں بیٹھا اس لڑکی سے گفتگو کر رہا تھا۔ سلمان ہنس رہا تھا، وہ خود بھی مسکرایا، مگر جب وہ ایک نسبتاً تاریک جگہ سے گزر رہے تھے تو اس نے اپنی نم پلکوں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی اسے اچانک احساس ہوا تھا کہ وہ مسلسل سلمان کے ساتھ زیادتی کر رہا تھا۔ گزشتہ کئی ہفتوں سے اس کا یہ عزیز دوست اپنے اکثر کام چھوڑ کر صرف اس کی خاطر اس کا سایہ بنا ہر جگہ اس کے ساتھ پھر رہا تھا اور وہ مسلسل اس کے ساتھ سرد رویہ رکھے ہوئے تھا۔

''میں کبھی بھی اتنا خود غرض اور روڈ نہیں تھا، مجھے کیا ہو گیا ہے۔'' اس نے تاسف سے سوچا۔

''اور کبھی جو اگر میں شہری کی موجودگی میں سلمان کے ساتھ اتنا سرد رویہ برتتا تو وہ کتنا ناراض ہوتا۔''

اور پھر اونچائی کی طرف چڑھتی سڑک پر چلتے چلتے اس نے سلمان سے کئی ایسی باتیں کیں جو اس کی دِلچسپی کی تھیں اور ''پائنز'' کے پررونق لان تک پہنچتے پہنچتے اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ سلمان کے دل میں اس کی طرف سے قدرے اطمینان اترا تھا۔

......❁......

۲۵ جون

بے حد چنچل ہوتا ہے دِل
اس کا ٹھہرانا ہے مشکل
ہے مشہور شرارت اس کی
ہے دُشوار حفاظت اس کی
بس میں لانا سہل نہیں کچھ
قابو پانا سہل نہیں کچھ
ہوتا ہے جو شخص خرد ور
آ جاتا ہے غالب اس پر
کر لیتا ہے تیر کو سیدھا
جیسے تیر بنانے والا

ڈیئر ڈائری! عرصہ ہوا تم پر کچھ لکھے تین ماہ تو میرے اس ونٹر اسکول میں لگ گئے جو ورجینیا اسکول آف آرٹ میں، میں نے اٹینڈ کیا۔ واپس آ کر بھی کچھ یوں مصروف ہوا کہ کچھ بھی نہ لکھ سکا۔ حالانکہ تم ہی تو ایسی سہیلی ہو جس سے میں ہر بات کہہ لیتا ہوں۔ بہت دنوں سے تم سے باتیں کرنا چاہ رہا تھا مگر ہر رات تھکن غالب آ جاتی مگر آج جبکہ سارہ بھی گھر پہ نہیں ہے اور صبح سے مجھے بہت بچپن میں سنے یہ شعر یاد آ رہا ہے تو سوچا اس کو تمہارے ساتھ بھی شیئر کر لوں۔

ڈیئر ڈائری! کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ شعر کیا ہیں اور کس نے لکھے ہیں؟ نہیں بھلا تمہیں کیا معلوم کہ یہ شعر کیا ہیں۔ یہ لفظ دل کی تربیت ہیں۔ ڈیئر ڈائری! سیانے کہتے ہیں یہ حکمت کی باتیں ہیں۔ یہ باتیں جس نے سمجھ لیں وہ دنیا اور آخرت کی زندگی میں کامیاب ہوا۔ مگر یہ شعر کہتے ہیں کہ۔

ہوتا ہے جو شخص خرد ور
آ جاتا ہے غالب اس پر

گویا دل پر غالب آنے کے لیے خرد ور ہونا ضروری ہے اور خرد وری کا اسٹینڈرڈ کیا ہے، یہ کوئی جانے؟ اور اگر کوئی خرد ور ہے تو دل جیسی چیز کو بھی ایسے سیدھا کر لیتا ہے جیسا تیر بنانے والا تیر کو سیدھا کر لیتا ہے۔

مائی ڈیئر ڈائری...... میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ برسوں پہلے سنی ہوئی یہ نظم مجھے آج کل اتنی زیادہ کیوں یاد آ رہی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں کام کچھ بھی کر رہا ہوں یہ نظم اور اس کے شعر میرے دماغ میں گھومتے رہتے ہیں، اور راز کی بات بتاؤں تمہیں کہ یہ نظم مجھے کس نے سکھائی؟ کس نے پڑھائی، اسی ماسٹر ہدایت اللہ نے جس کا بھوت مجھے کچھ عرصے سے اکثر ستانے لگا ہے۔

ابھی پچھلے دنوں جب میں...... امریکہ کی ایک ریاست مشی گن میں مقیم ''سجاد رضوی'' کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور اپنی ازلی واہدی کروک (چالاک) قسم کی فطرت کے زیر اثر سجاد کی فیملی فرینڈ ''صبیحہ شیروانی'' جو کہ ایک نہایت ہی متمول قسم کی بیوہ خاتون ہیں، پر اپنی کیرزمیٹک (کرشماتی) شخصیت سے ڈورے ڈالنے میں مصروف تھا تو ایک رات ماسٹر ہدایت اللہ صاحب سجاد کے خوبصورت سے گھر کے اس گیسٹ بیڈروم کی کھڑکی کے شیشے پر اچانک نمودار ہوئے اور انگلی اٹھا کر فرمانے لگے۔

دُشمن خواہ کوئی ہو کتنا
تنگ نہیں کرتا وہ اتنا
ہو کیسا ہی تیرہ باطن
اتنی ایذا دے ناممکن
جتنا ظلم وہ دل ڈھاتا ہے
جو بدمسلک ہو جاتا ہے
چال چلن جس کا گندا ہے
گمراہی جس کا دھندا ہے
جان کا دُشمن بن جاتا ہے
بے حد نقصان پہنچاتا ہے

اب تم خود ہی سوچو ڈیئر ڈائری! اس سرزمین سے کہیں دور جہان اول کے اس جدید ملک میں نہایت پرلطف

وقت گزارتے ہوئے جب ماسٹر ہدایت اللہ کسی وچ ڈاکٹر کی طرح مجھے ایسے شعر سنائے گا تو کیا میرا دل دہل نہ گ گا۔ گویا وہ میرے دل کو "بدمسلک" قرار دے رہا تھا اور میرے چال چلن کو گندہ کہہ رہا تھا۔ یہ تو یونہی تھا جیسے میرے اندر سے کوئی چیز باہر نکل کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور یقیناً اس چیز نے ہاتھ میں ایک بڑا سا آئینہ پکڑ رکھا جس کا رخ میری طرف تھا۔

آہ ڈیئر ڈائری! کیا بتاؤں اس کے بعد میری کیا حالت ہوئی۔ چار دن بعد میری واپسی تھی۔ کسی مردہ رو طرح میں نے اپنا سامان باندھنے میں یہ چار دن گزارے اور "صبیحہ شیروانی" کے ساتھ ساحل سمندر پر دو گزارنے کا جو پروگرام بنا رکھا تھا وہ بھی اس بوڑھے وچ ڈاکٹر کی وجہ سے کینسل ہوا۔ میں نے بعد میں سنا کہ میر پریشر اچانک خطرناک حد تک گر گیا تھا اور میں دو دن تو سردی کے مارے کپکپاتا رہا۔

اب قصہ یہ ہے کہ ڈیئر ڈائری! کہ یا تو میں سینائل ہو چکا ہوں یا پھر ماسٹر ہدایت اللہ صاحب اپنے' شریف'' میں بیٹھے میرے متعلق کوئی چلّہ کاٹ رہے ہیں۔ اب تک تو یقیناً وہ اپنی عبادتوں کے صدقے اس منزل پہنچ چکے ہوں گے جہاں بیٹھے ہوں وہاں بیٹھے بیٹھے ہی کسی بھی دوسرے کی زندگی بھسم کر دیں۔

بس کچھ عرصے سے مجھے عجیب عجیب وہم ستا رہے ہیں' اور یہ نظم جو بہت بچپن میں ماسٹر ہدایت اللہ نے "دل کی تربیت" کے ٹائٹل کے ساتھ سنائی تھی اور بتایا تھا کہ یہ گوتم بدھ کے "دھم پد" کا منظوم ترجمہ ہے یہ اکثر میرے کانوں میں گونجتی ہے۔

عجیب سی صورتحال ہے۔ یہ گھر جو میں نے نجانے کس طرح بنایا' ویران پڑا ہے۔ میری اکلوتی اولاد "س اپنے یونٹ کے ساتھ ناردرن ایریاز کی طرف جا چکی ہے۔ یہاں میں ہوں' خانساماں ہے' چوکیدار ہے اور میری ت ہے۔ میں اگر رات دیر تک کسی فنکشن' ڈنر' کاک ٹیل پارٹی میں بیٹھا بھی رہوں تو بھی کچھ رات مجھے گھر پر بھی گز پڑتی ہے' اور یہ تھوڑا سا وقت بھی بڑا وحشت ناک ہوتا ہے۔ نیند کی دوائیاں بے اثر ہو چکی ہیں اور نیند لانے کے دوسرے تمام طریقے ناکام۔ اب یہ بات لکھی ہے تو ماسٹر صاحب ایک مرتبہ پھر کانوں میں رس گھولنے لگے ہیں۔

صاف نہیں ہے باطن جن کا
قلب نہیں ہے ساکن جن کا
جو ست دھرم سے ناواقف ہے
اچھے کرم سے ناواقف ہے
آگاہی کا نام نہیں ہے
نیکی سے کچھ کام نہیں ہے
رہتا ہے جو افسردہ سا
جس کا دل ہے پژمردہ سا
اس کا جہل نہیں جا سکتا
اس کو ہوش نہیں آ سکتا
رہتا ہے جو افسردہ سا
جس کا دل ہے پژمردہ سا

بات تو پتے کی ہے ڈیئر ڈائری مگر یہی وہ بات ہے جس کو اتنے سالوں میں نے جھٹلایا ہے۔ کبھی فرصت

میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس اڑتالیس سالہ زندگی میں میں نے کیا کیا منزلیں سہل کیں اپنے لیے' کیسے کیسے ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھا' میں جو تھا۔ میں جو ہوں۔ ان دونوں ٹائم پیریڈز کے درمیان جو کچھ بیتا اس کو سہنے کے لیے صاف باطن' قلب ساکن' ست دھرم سے واقفیت' اچھے کرم سے آگاہی اور نیکی سے مطلب رکھنے والے کا سا جگرا کام نہیں آتا۔ میں ایک عام سے آدمی سے ایک خاص آدمی کیسے بنا اگر لکھنے بیٹھوں تو پوری ایک کتاب ترتیب دی جا سکتی ہے۔

مگر میرا تو ایسا حال ہے کہ میری اپنی بیٹی "سارہ شاہنواز" (جسے میں نے تب سے پالنا شروع کیا جب وہ گریڈ ٹو میں پڑھتی تھی اور اپنی زبان کی تتلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی) کو بھی علم نہیں کہ میرا پس منظر کیا ہے اور میرا "آج"، کس "کل" کی ترقی کا نمونہ ہے۔ اس نے تو شاید کبھی یہ بات سوچی بھی نہ ہو کہ وہ اپنے بیک گراؤنڈ سے پوری طرح واقف کیوں نہیں ہے۔

شاید اس لیے کہ میں نے اسے کبھی بتایا ہی نہیں یا شاید اس لیے کہ وہ دانستہ طور پر چاہتی ہے کہ لاعلم رہے۔ یا پھر وہ اتنی لاپروا اور بے نیاز ہے کہ اسے آج سے مطلب ہے گزرا کل کیا تھا' کیسے تھا اور کیوں تھا قسم کی باتوں سے اسے کوئی غرض نہیں۔ جو بھی ہے ڈیئر ڈائری! سارہ جو آج ہے وہ ویسی ہی ہے جیسا میں نے اسے ڈیزائن کیا تھا۔ وہ بالکل میرے تصور کا پرتو ہے جو میں نے اس کے لیے سوچا تھا۔ میں اس کو یہی تو بنانا چاہتا تھا۔ میں اسے اس پس منظر سے مکمل طور پر بے خبر ہی تو رکھنا چاہتا تھا۔ میں اسے اس معاشرے کا فرد بنانا چاہتا تھا جس کا اب میں ایک حصہ ہوں لیکن اب جب وہ وہی بن گئی ہے جو میں اسے بنانا چاہتا تھا تو پھر ماسٹر ہدایت اللہ کی ہدایات جاری ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ ڈیئر ڈائری! نجانے کب میں ان الوژنز سے نجات حاصل کر پاؤں گا۔

او کے..... ڈیئر ڈائری وش می بیسٹ آف لک۔ اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ آج کچھ زیادہ ہی باتیں ہو گئیں۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے نیند آ ہی جائے گی۔ اب کبھی فرصت ملی تو ہم تم مل کر "لائف اینڈ اسٹرگل آف اے۔ لیجنڈری آرٹسٹ۔"

نامی کہانی کے اولین صفحات دہرائیں گے' او کے۔ گڈ نائٹ ڈیئر ڈائری۔ سی یو نیکسٹ۔

......✿......

"جلدی کرو بھئی سارہ! سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ فرحانہ تھی جو پچھلے پندرہ منٹ سے اسے یاد دہانی کروا رہی تھی۔

"فری! تم نے دیکھا اسلم خان نے میرا میک اپ کتنا بھونڈا کیا ہے۔" اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم سب کے ساتھ یہی پرابلم ہے۔" فرحانہ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "ہم کتنا بھی سج سنور جائیں' مطمئن نہیں ہوتے ہمیں اپنا آپ شاید ہی کبھی اچھا لگتا ہو۔"

"مگر فری!" اس نے کہنا چاہا۔ اس کے ہاتھ میں میک اپ برش اور بلش آن کی ڈبیا تھی۔

"کم آن سارہ!" فرحانہ اب کے جھنجھلا گئی تھی۔ "تمہارا ڈریس اور تمہارا میک اپ تمہارے اس شوٹ کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ باقی اس کی لٹنگ شٹنگ مبین صاحب کا ہیڈک ہے' تمہیں صرف پرفارم کرنا ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" وہ آہستگی سے بولی۔

اور واقعہ یہ تھا کہ وہ بہت ساری تلخ حقیقتوں کو بھلا دینے کا عہد کر کے اس بینڈ کے ساتھ گانا شوٹ کروانے اس علاقے میں آئی تھی۔ یہاں آ کر عرصے کے بعد اسے ایسا لگا تھا جیسے وہ زندگی کی طرف لوٹنے میں کامیاب ہو رہی

ہو۔اسے یہاں کے منظر' موسم اور خوبصورتی اور زندگی سے بھرپور لوگوں کی کمپنی اچھی لگ رہی تھی۔اسے اپنے کام
مزہ بھی آنے لگا تھا۔انہوں نے ایوبیہ' بھوربن اور نتھیا گلی کے خوبصورت ترین گوشوں میں شوٹنگ مکمل کی تھی۔ا
اس گانے کی مین تھیم کے مطابق ایک سہمی ہوئی پہاڑی لڑکی کا کردار ادا کرنا تھا اور اس نے جی جان سے اپنی پرفار
پر محنت کی تھی۔اپنے اردگرد راستوں پر پانی سے بھرے گھڑے اٹھا کر ننگے پاؤں پہاڑوں پر چڑھتی مقامی لڑکیو
بغور مشاہدہ بھی کیا تھا اور اس کی ٹیم کے لوگوں کا خیال تھا کہ اس کی پرفارمنس زبردست جا رہی تھی۔مگر پھر اچانک ج
ہر چیز کا ٹیمپو ٹوٹ سا گیا تھا۔وہ بے کلی اور بے چینی جو کچھ عرصے سے اس کے ساتھ تھی دوبارہ سے اسے خود پر چھ
ہوئی لگنے لگی۔

یہ اسی دن سے ہوا تھا جب وہ اور ردا اس ہینڈی کرافٹ شاپ پر شاپنگ کر رہی تھیں۔ردا اس کی دیر
دوست تھی اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں سے واقف۔اس روز وہ بھی بری طرح چونکی تھی' اور اس کے بعد کئی مرتبہ ا
نے اپنی حیرت کا اظہار بھی کیا تھا۔مگر ردا کے برعکس وہ خود ذرا سا بھی نہیں چونکی تھی۔اس کی زندگی سے شاید حیر
اچھنبے اور استفسار کے رنگ ہمیشہ کے لیے اڑ چکے تھے۔

وہ اس شاپ پر کھڑے اس شخص سے بہت اچھی طرح واقف تھی۔وہ اس کے نام' محل وقوع' اس کی قابلی
اس کی پسند ناپسند ہر چیز سے واقف تھی۔وہ کسی طرح بھی اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔سو وہ ایک لمحے کو بھی نہیں چو
تھی۔مگر وہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اس روز سے اب تک وہ بے چین اور بے کل تھی۔وہ کل جو گزر چکا تھا اس ک
سائے ایک مرتبہ پھر اس کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے۔

''دُنیا گول ہے۔'' یہ ایک آفاقی سچائی ہے۔تم مجھ سے فرار حاصل کرنا بھی چاہو تو نہیں کر سکتیں کیونکہ میں
کہیں تم سے آ ٹکراؤں گا۔اس لیے مائی ڈیئر سارہ! کہ دُنیا گول ہے۔'' کسی کی' کبھی کی کہی ہوئی بات اس کی سماعتو
میں بازگشت بن کر گونجتی۔وہ اس حقیقت' اس بازگشت سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی مگر جتنا وہ اس سے بھاگتی تھ
اتنا ہی وہ اس کا منہ چڑانے اس کے سامنے آ جاتی تھی۔

شاید اسی لیے وہ کام جو کچھ دن پہلے تک اسے بہت دلچسپ لگ رہا تھا اب انتہائی غیر دلچسپ محسوس ہونے
تھا وہ چاہتی تھی جلد از جلد یہ شوٹنگ مکمل ہو اور وہ یہاں سے چلی جائے۔مگر یہاں آ کر اس بینڈ کے سنگر کم ڈائریکٹر
نئے نئے آئیڈیاز سوجھ رہے تھے۔جب ہی یہ کام لمبا ہوتا جا رہا تھا۔کل شام ہی اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ لوگ
''گرین اسپاٹ'' پر چھ سین شوٹ کریں گے اور آج اسی سلسلے میں وہ لوگ یہاں آئے ہوئے تھے۔

اور اس گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی پی اے ایف میس کے برآمدے میں بیٹھے جن تین اشخاص پر اس ک
نظر پڑی تھی ان میں سے ایک یقیناً وہی تھا جسے وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی اور جس کے لیے وہ یہ چاہتی تھی کہ وہ اس
کبھی نظر نہ آئے۔اس نے چور نظروں سے ردا کو دیکھا وہ کیمرہ مین آصف سے باتوں میں مصروف تھی۔اس نے خ
کا شکر ادا کیا کہ اس کی نظر نہیں پڑی ورنہ دوبارہ سے سوالات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا' اس نے سوچا۔
ان لوگوں کو اوپر گرین سپاٹ پر جانا تھا۔اس لیے نیچے رکنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔مگر جب ان کی وین اوپر جا رہی تھی
سلمان اور اس کے دوست آفتاب کے درمیان ہونے والی گفتگو غیر دلچسپی سے سنتے ہوئے اسفندیار کی نظر اس وین پ
پڑی اور پھر اس میں بیٹھی اس لڑکی پر۔

''یہ تو وہی ہے ہیٹ والی۔'' اس نے سوچا۔وہ سلمان کو بتانا چاہتا تھا مگر تب تک وین چڑھائی کی طرف جا چک
تھی۔

''یہ کچھ لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں آج کسی قومی نغمے کو شوٹ کرنے۔'' آفتاب نے کہا۔

''اس بینڈ کے لیڈ سنگر کی کسی ہائی رینکڈ آفسر سے قریبی رشتہ داری ہے۔ان کو آسانی سے اجازت مل گئی اوپر
گرین اسپاٹ پر شوٹنگ کی۔'' آفتاب کی اس بات کو اسفند نے غیر حاضر دماغی سے سنا۔اس کا ذہن مختلف قسم کی
توں میں الجھ گیا تھا۔

دو دن سے مسلسل وہ سوچ رہا تھا کہ اب اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر ایک انتہائی تلخ حقیقت کو اس کے تمام
پہلوؤں کے ساتھ قبول کرنا ہے۔اسے زندگی کی طرف لوٹ کر ایک مرتبہ پھر یونہی مصروف ہونا ہے جیسے وہ شہری کی
ندگی میں تھا۔یہ سب اسے کیسے کرنا تھا اس کی پلاننگ میں ہی اس کا ذہن مسلسل الجھا ہوا تھا۔وہ سلمان کو مزید تنگ
کرنا بھی نہیں چاہتا تھا اس لیے اس کے بنائے ہوئے پروگرامز پر سر جھکائے آج وہ یہاں کالا باغ میس میں بیٹھا تھا۔
ب ہی وہ ہیٹ والی لڑکی اسے دوبارہ نظر آ گئی تھی۔

''ہوگی کوئی؟'' اس نے بات کو جھٹکنے کی خاطر سوچا۔

''میں شہریار سے صرف ایک مرتبہ ملا' جب وہ مانی کے ساتھ یہاں آیا تھا پچھلے سال۔'' سلمان کے دوست
فتاب نے اس ساری گفتگو میں پہلی مرتبہ اسفند کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''عین اس جگہ پر جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہیں ہم شام تک بیٹھے رہے تھے۔میں نے اتنا زندگی سے بھرپور
ص کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک سال کے اندر اندر یہ اتنا پیارا' خوش باش'
ن شکل اور خوش گفتار شخص زندگی سے روٹھ جائے گا۔آئی ایم رئیلی سوری!''

آفتاب اپنی رو میں کہے جا رہا تھا۔وہ سلمان کی ان نظروں کو سمجھ بھی نہیں پا رہا تھا جن سے وہ اسے اس قسم کی
فتگو سے منع کر رہا تھا۔جب کہ اسفند کا ذہن جیسے کسی پاتال میں اترتا جا رہا تھا۔اس کے سن ہوتے ہوئے دماغ میں
ا ایک ہی بات گھوم رہی تھی۔

''ٹھیک ایک سال پہلے' عین اس جگہ پر وہ خوش باش' خوش شکل اور خوش گفتگو شخص۔''

کچھ دیر پہلے وہ جس کے خیال سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی قوت ارادی آزمانے کا ارادہ کر رہا تھا۔
پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔اپنے سامنے والی کرسی پر وہ اسے بیٹھا نظر آنے لگا تھا۔اپنے مسکراتے چہرے اور
نت سے چمکتی آنکھوں سمیت۔

''اسفی! اٹھو اب چلیں۔مجھے ذرا ایبٹ آباد بھی جانا ہے۔''

سلمان مسلسل اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے اندر خطرے کا احساس جاگ اٹھا تھا جب ہی وہ اچانک بول اٹھا اور
ی معمول کی مانند اٹھ کر سلمان کے پیچھے چل پڑا تھا۔

سلمان آفتاب سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بے چارہ صورت حال کو جانتا ہی کب تھا۔

اس روز شام تک سلمان اسے لیے ایبٹ آباد میں گھومتا رہا۔اسے وہاں رہنے والے اپنے دوستوں سے ملواتا
لیکن اسے معلوم تھا کہ گزری شام سے اسفند پر جو مثبت موڈ آیا تھا وہ اب کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''اسفی! آج رات پنڈی چلیں منی باجی کے پاس' عرصہ ہو گیا ان سے ملے۔''

اچانک اسے ایک اور ترکیب سوجھی۔جواب میں اسفند نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے اس کی مرضی
اچاہتا ہو۔

''مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟''

شام اگرچہ گہری ہو رہی تھی مگر سلمان بلا ارادہ ہی پنڈی کی طرف چل پڑا تھا۔ یہ طویل راستہ اندھیر۔ خاموشی میں گزر رہا تھا۔ جب سلمان نے گاڑی کا کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔ سلمان کو راک میوزک پسند تھا جو یکا اسفند کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگا تھا۔

''شہری کو بھی راک۔'' اچانک سلمان کے ذہن میں گھنٹی بجی اور اس نے گھبرا کر پلیئر کا بٹن آف کر دیا۔

''سلمان! ذرا اس نیون سائن کو دیکھو...... یہ وہ ہیٹ والی لڑکی کی تصویر ہے' جس کا ذکر میں نے تم سے ن میں کیا تھا۔'' پنڈی پہنچ کر ایک ٹریفک سگنل پر گاڑی رکی تو سلمان نے اس سارے عرصے میں پہلی مرتبہ اسفند کی سنی اور اس کی نظر سامنے لگے نیون سائن پر پڑی۔ خشک دودھ کے کسی میک کا پیکٹ پکڑے مسکراتی لڑکی روش میں جگمگا رہی تھی۔

......✿......

پچھلے آدھے گھنٹے سے مسز رابعہ آفتاب اپنے سامنے بیٹھی مائی زینب کے بین سن رہی تھیں۔ اب تک ا نے اپنی طبیعت کے برخلاف خاصا صبر کیا تھا اور اس بات کی منتظر رہی تھی کہ مائی زینب اپنی تعزیتی ملاقات کو ختم واپسی کا راستہ ناپ ہی لے گی' مگر اب انہیں لگ رہا تھا کہ اس چیز کے فی الحال کوئی آثار نہیں۔ انہوں نے پر ف اپنے چہرے پر پھیرتے ہوئے نامحسوس پسینہ صاف کیا اور ہاتھ میں پکڑے ریموٹ سے اے سی کی اسپیڈ بڑ ان کے اعلیٰ ذوق کا مظہر خوبصورتی سے سجا لاؤنج' امپورٹڈ روم فریشنر کے اسپرے سے مہک رہا تھا۔ کمرے کی خن بیٹھے ہوئے باہر گرم آگ برساتے سورج کی تپش کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر مائی زینب ک عجیب طریقے سے ان کے ذہن کی گرمی بڑھا رہی تھی۔

''میں کیسے بھول جاؤں وہ وقت اور وہ دن جب میرے پاس سپارہ پڑھنے آتا تھا' تھوڑے دنوں کی مش بعد ہی جان گیا کہاں توقف کرنا ہے' کہاں نہیں رکنا' کہا الفاظ ملا کر پڑھنے ہیں' میں جانو حیران ہو ہو جائی۔ ار سا بچہ اور اتنی عقل۔ پھر مجھ سے کیسے کیسے سوال پوچھتا تھا۔''

''بی بی زینب! اللہ میاں نے سب سے پیاری چیز ہمیں کیا دی ہے؟''

''بی بی زینب! فرشتوں نے کتنی جماعتیں پڑھ رکھی ہیں؟''

میں کہتی۔ ''اے میں قربان میرے بچے' ایسی باتیں مت کیا کر تجھے نظر نہ لگ جائے۔'' مائی زینب ک قینچی کی طرح چل رہی تھی اور آنسو تواتر سے آنکھوں سے گر رہے تھے۔ مسز رابعہ آفتاب نے بے چینی سے پہلو

''پھر تم لوگوں کے پاس پیسہ آ گیا اور تم نے ہم غریبوں کا محلہ چھوڑ دیا۔ پھر بھی جب ڈرائیور کے ساتھ سیر کو نکلتا تو ڈرائیور سے کہتا' ''چلو بی بی زینب سے مل آئیں۔'' وہ موا گنتی ہیں تین چار بار لے کر گیا۔ ایسے بھ میرے سینے سے لگتا کہ ٹھنڈ پڑ جاتی۔ بھائی سے کہتا' تم بھی ملو بی بی زینب سے' وہ ذرا ہچکچاتا تو کہتا بری بات اسف زینب تو ہماری پہلی درسگاہ ہیں۔ آہا'' انہوں نے ہا کو کھینچتے ہوئے ادا کیا۔

''میں ہر دعا' ہر نماز میں ان سارے بچوں کے لیے دعائیں کرتی رہی جو مجھ سے پڑھتے رہے۔ ان بچوں کو دیکھنے کو دل ترستا تھا مگر پھر نظر آ کر نہیں دیے یہ تو اگر صفدر کی بیوی مجھے نہ بتاتی تو کہاں پتہ چلنا تھا کہ مصلے پر بیٹھی جس کے لیے دعائیں کرتی ہے وہ تو چلا بھی گیا دنیا سے۔ ہائے رابعہ! تجھ پر کیسی قیامت ٹوٹی۔ اولاد کا دکھ آ پڑا اس عمر میں۔''

رابعہ آفتاب کا ہاتھ لاشعوری طور پر سر کی طرف گیا۔ وہ بال کو سنوارنے لگیں۔

''اب اتنی بھی عمر نہیں ہے میری۔'' کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کہہ بھی دیتیں مگر اس وقت موقع نہیں تھا۔

''صفدر شاید جا رہا ہے گوالمنڈی کی طرف۔ آپ کو چھوڑ آئے گا۔'' انہوں نے لہجے میں نرمی سموتے ہوئے کہا۔

''میں تو آفتاب سے مل کر جاؤں گی بھئی' کون روز روز آ سکتا ہے اتنی دور۔'' مائی زینب کو ان کی گھبراہٹ سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''آفتاب تو کراچی گئے ہوئے ہیں کسی بزنس میٹنگ کے لیے۔'' انہیں فوری طور پر یہ ہی جھوٹ سوجھا۔

''اے لو۔'' مائی زینب نے آنسوؤں سے بھیگی آنکھیں سکیڑ کر ان کی طرف یوں دیکھا جیسے ان کی بات پر شبہ ہو۔ ایسا کون سا کام تھا جس کی خاطر وہ چار دن پھوڑی پر بھی نہ بیٹھ سکا۔

''چار دن!'' رابعہ اب زچ ہو چکی تھیں۔ ''مائی زینب! دو ماہ ہو چکے شہری کی ڈیتھ کو۔ وہ کتنی دیر اپنا کام چھوڑ سکتے تھے۔''

اب کے مائی زینب نے غور سے اس عورت کو دیکھا جو اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اب تک وہ اپنے دوپٹے سے چہرہ اور آنکھیں خشک کر چکی تھی۔ اس کے سامنے جو عورت اس وقت قیمتی ایمبرائیڈڈ کاٹن کا ہلکا کاسنی سوٹ پہنے' کانوں اور انگلیوں میں بیش قیمت ہیروں سے مزین زیور سجائے' تراشیدہ ڈائی کیے ہوئے چمکتے سلکی بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتی' بیٹھی تھی اور جس کے وجود سے کسی قیمتی کولون کی ہلکی ہلکی مہک اٹھ رہی تھی وہ رابعہ آفتاب تھی۔ جو صرف بیس سال قبل اس کے لیے اور اس کے محلے والوں کے لیے رابعاں تھی۔ اس کے سسر کی گوالمنڈی میں مرچیں پیسنے کی چکی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے محلے کی اپنی اس چھوٹی سی دکان میں کریانے کا دوسرا سامان رکھا ہوا تھا۔

وہ اس علاقے کا ایماندار ترین اور خوش اخلاق ترین دکاندار مشہور تھا۔ اس کا یہ ہی ایک بیٹا آفتاب جمیل تھا جو پہلے قریبی اسکول میں پڑھتا تھا اور پھر اسے گورنمنٹ کالج میں داخلہ مل گیا تھا۔ وہاں سے سنا تھا اس نے کسی مضمون میں ایم۔اے کر لیا تھا اور پھر گورنمنٹ کی ملازمت بھی مل گئی تھی۔ مسز رابعہ آفتاب جو بیس سال پہلے رابعاں تھی بیاہ کر گوالمنڈی کے اسی تین کمروں کے مکان میں آئی تھی۔ اس کی ساس' بیٹے کی شادی سے قبل ہی فوت ہو چکی تھی۔ دو نندیں تھیں جو بیاہی ہوئی تھیں۔

ایسے میں علاقائی روایتی اخلاقیات کے تحت مائی زینب اور محلے کی دوسری خواتین نے ''چمیلے مرچوں والے'' کی اس بہو کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور سب کی سب ہی ماؤں جیسا سلوک اس کے ساتھ کیا کرتی تھیں۔ رابعاں کے ہاں پہلے سال دو جڑواں بیٹوں کی پیدائش ہوئی تو اس کے سسر نے زردے پلاؤ کی دیگیں دم کروائی تھیں اور پورے محلے میں اس پستے باداموں والے ملائی دار زردے کی خوشبو اڑی تھی۔

یہ بچے پانچ سال تک اسی محلے میں پلے بڑھے تھے۔ ان کے دادا نے بہت پیار سے ان کا نام شہریار محمد اور اسفندیار محمد رکھا تھا۔ ایک سی شکلوں والے یہ دونوں بچے' مائی زینب اور محلے کی دوسری خواتین کو بھی بے حد عزیز تھے۔ رابعاں جڑواں بچوں کو پالنے میں مشکل محسوس کرتی تھی۔ ایسے میں مائی زینب رات گئے تک اس کے پاس بیٹھی رہتی۔ کسی کے پیٹ میں درد ہے تو گرم تیل لیے اس کے پیٹ پر مالش کر رہی ہے' کسی کا پیٹ خراب ہے تو نئے چاولوں کا اترا پانی فیڈر میں ڈال کر پلا رہی ہے۔ مائی زینب کے ان ٹوٹکوں کی وجہ سے رابعاں کو شاید ہی کبھی بچوں کی خاطر ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا ہو۔

اتنی قربت اور چاہت کی وجہ سے مائی زینب کو یہ دونوں بچے اتنے عزیز ہو چکے تھے جیسے اس کے اپنے پیٹ

کے جنے ہوں۔ اور جب اس نے چار سالہ شہریار اور اسفند یار کو یسرنا القرآن کا پہلا لفظ پڑھایا تو "جمیلے مرچوں والے" نے ان کی بسم اللہ بھی دھوم دھام سے کروائی۔ آفتاب اس کے لیے انارکلی بازار سے بڑھیا ریشمی جوڑا بمعہ دوپٹے کے خرید کر لایا تھا۔

"بس مائی جی! اب ان کو طاق کردیجیو نماز' قرآن میں۔"

جمیلے نے ان سے کہا، مگر وہ ابھی پہلا صفحہ ہی سیکھ رہے تھے جب ہارٹ فیل کے سبب جمیلا اچانک ہی دنیا چھوڑ گیا۔

اور اس کے جانے کے بعد تو مانو دنیا ہی بدل گئی۔ راتوں رات آفتاب کو نجانے کیا گیڈر سنگھی ملی کی اس کے ہاں دولت کی ریل پیل ہی ہوگئی۔ گوالمنڈی سے اٹھ کر وہ مسلم ٹاؤن شفٹ ہوئے اور ان گزرتے سالوں میں ڈیفنس کی یہ شاندار کوٹھی اس کا آشیانہ بنی۔ گوالمنڈی چھوٹی' وہاں کے لوگوں کا ساتھ چھوٹا ساری خیر خبریں ختم ہوئیں۔ کئی سال گزر گئے مائی زینب کے محلے میں نئے نئے لوگ آ بسے۔ پرانے لوگوں کی نئی نسلیں آباد ہوئیں۔ ان میں رہتے ان کے بچوں کو کلام مجید پڑھاتے پھر بھی اکثر اسے وہ دونوں ہم شکل خوبصورت معصوم اور ذہین بچے اکثر یاد آتے تھے۔

عرصہ بعد اسے معلوم ہوا کہ پچھلے محلے کا صفدر' آفتاب کے ہاں ڈرائیور لگ گیا ہے۔ کبھی کبھار سامنا ہونے پر وہ اس سے آفتاب اور رابعاں کا عموماً اور شہریار' اسفند یار کا خصوصاً ضرور احوال دریافت کرتی۔

"اب تو جوان ہوگئے دونوں۔ شہری میاں تو آفتاب صاحب کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ وہ جوان کی کپڑے کی مل ہے اس کو چلاتے ہیں' باہر سے پڑھ کر آئے ہیں اور اسفند صاحب کو تو میں نے بس ایک بار ہی دیکھا ہے جب پچھلے سال وہ کچھ دنوں کی چھٹیوں پر آئے تھے۔ وہ امریکہ میں رہتے ہیں امریکی ہیں۔" صفدر باچھیں کھلا کر انہیں بتاتا۔

"اور ان کی شکلیں؟" وہ اشتیاق سے پوچھتی۔ "ان کی شکلیں اب بھی ملتی ہیں کیا ایک دوسرے سے......؟"

"تو اور کیا' سمجھو ایک کو چھپاؤ تو دوسرے کو نکال لو' آپس میں بڑا پیار ہے ان کا۔ پچھلے سال اسفی صاحب آئے تو جتنی دیر رہے یوں ایک دسرے کے ساتھ جڑے رہے کہ ایک منٹ کو علیحدہ نہیں ہوئے۔"

دونوں اچھے جوان نکلے نا' خوبصورت' گھبرو۔" وہ مزید محبت سے پوچھتی۔

"تو اور کیا۔ ایسے خوبصورت کہ نظر بھر کر دیکھو تو مانو نظر ہی لگ جائے۔" صفدر نے بھی اس کا اشتیاق دیکھ کر بڑھ چڑھ کر بتایا۔

"اور رابعاں اور آفتاب؟" وہ سرسری سا پوچھتی۔

"تم تو مائی ایسے بلاتی ہو جیسے کمیٹی کے نلکے سے پانی بھرنے والی کسی عورت کی بات کر رہی ہو۔ بیگم صاحبہ اور صاحب کی ٹور دیکھو نا کبھی تم' تو نام لے کر بلانا بھول جاؤ۔ اب تم لوگ ہی جانتے ہو کہ وہ کبھی یہاں رہتے تھے اور ان کا باپ چکی پر مرچیں پیستا تھا۔ ان کی پرانی جاننے والی تو ایک تم رہ گئیں یا دو چار اور۔ باہر جا کر دیکھو زمانہ انہیں کیا سمجھتا ہے۔ کپڑے کی دو ملیں ہیں ان کی۔ ایک لاہور میں' ایک فیصل آباد میں۔ اس کے علاوہ امپورٹ ایکسپورٹ کا کام ہے۔ ادھر سیالکوٹ میں ایک دوست کے ساتھ مل کر کھیلوں کا سامان بنانے کی فیکٹری لگا رکھی ہے انہوں نے۔ جا کر دیکھو کبھی ان کی ملیں اور فیکٹریاں تو بلڈنگیں دیکھ کر ہی سمجھو کہیں باہر کے ملک آ گئی ہو۔ ایک گھر نیا بنایا ہے ڈیفنس میں چار کنال پر' اتنا بڑا کہ گھوم کر دیکھو تو ٹانگیں تھک جائیں۔ ایک فارم ہاؤس ہے ٹھوکر سے آگے۔ ایک گھر اسلام

آباد میں ہے۔ ایک سیالکوٹ میں' ایک سنا ہے اب دبئی میں خریدا ہے۔ جاتے جو رہتے ہیں کام کے سلسلے میں تو ہوٹلوں میں کیوں رہیں۔ ادھر جب بیٹے امریکہ میں پڑھتے تھے تو وہاں بھی اپنا گھر خریدا تھا' اب اسفند صاحب ادھر رہتے ہیں۔"

مائی زینب اتنی لمبی چوڑی تفصیل سن کر ہی ہول جاتی۔

"اللہ کی دین ہے بھیا! جب دینے پر آئے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔"

پھر گاہے بگاہے وہ صفدر سے ان کا احوال دریافت کرتی اور خصوصاً شہریار کو سلام دعا ضرور بھجواتی۔ اب اللہ جانے صفدر یہ دعا اسلام پہنچاتا بھی تھا کہ نہیں مگر وہ دل میں ان بچوں کی یاد ضرور رکھتی تھی۔ بس یہ پرسوں ہی کی تو بات تھی جب صفدر ڈرائیور کی بیوی نے اسے یہ روح فرسا خبر سنائی تھی۔

"وہ جو آفتاب صاحب ہیں نا جن کے پاس صفدر ہوتا ہے' ان کے بیٹے کا انتقال ہوگیا ایکسیڈنٹ میں۔"

"ارے کس کا' کب؟" وہ دہل کر بولی۔ اسے یقین تھا کہ صفدر کی بیوی کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔

"ان کے بیٹے' شہریار صاحب کا۔ اخبار میں یہ بڑی خبر بھی لگی تھی' میں تجھے دکھاؤں۔" اس نے مڑا تڑا اخبار نکالا۔ اخبار میں تصویر چھپی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی گاڑی' آگے پیچھے پولیس کھڑی ہوئی اور ایک چھوٹی تصویر میں خون سے تر بتر چہرے والے جوان کی تصویر اور کالے حروف میں خبر ممتاز صنعت کار محمد آفتاب جمیل کے بیٹے شہریار محمد حادثے میں جاں بحق اور نیچے دو کالمی تفصیل۔

مائی زینب کے نزدیک یہ چھوٹی سی قیامت تھی جس کی خبر اسے حادثے کے دو ماہ بعد ملی تھی۔

"ہائے صفدرے! تجھے کیا کہوں۔ جب ہی کیوں نہ بتایا مجھے۔" اس نے شام کو صفدر ڈرائیور کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"میں کہاں سے بتاتا مائی جی! میں تو اتنے دن سے وہیں تھا دن رات۔" صفدر نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"اور یہ کم عقلی۔" اس نے اپنی بیوی کو گھورا۔ "بتایا بھی تھا اسے کہ آفتاب صاحب کے گھر والوں سے مائی جی کی پریت پیار ہے۔ اسے عقل نہ آئی کہ تجھے بتا دے جا کر۔" صفدر کی بیوی حیرت سے مائی زینب کو دیکھ رہی تھی' جو یوں رو رہی تھی جیسے اپنا سگا بیٹا مر گیا ہو۔

"دے صفدرے! مجھے لے چل ادھر رابعاں کے پاس۔ اللہ جانے اس ماں کا کیا حال ہوگا۔ میں جا کر اسے دیکھوں۔ اس کا دکھ سنوں۔" اس نے صفدر کی منت کی تھی جس کے نتیجے میں وہ اس وقت ڈیفنس کے اس چار کنال کے بنگلے کے آراستہ و پیراستہ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ اور وہ رابعاں جس کو دیکھنے وہ آئی تھی اور جس کا دُکھ سکھ سننا چاہتی تھی' بجی سجائی ان کے سامنے بیٹھی تھی۔ تعزیت کے بعد سے اسے شبہ ہو رہا تھا کہ رابعاں کا دل چاہ رہا تھا اب وہ چلی جائیں۔

"اسفی کدھر ہے۔ وہ تو آیا ہوگا نا' میں اسی سے مل لوں۔" اسے اچانک ایک اور بات سوجھی۔

"اسفی بہت زیادہ مینٹلی ڈسٹربڈ ہے۔ اسے ہم نے یہاں سے دور بھیج دیا ہے۔ یہاں وہ بے حد اپ سیٹ تھا۔ جب تک وہ نارمل نہیں ہو جاتا' یہاں نہیں آئے گا۔" وہ کہہ رہی تھیں۔

مائی زینب نے بیس سال کے بعد اس عورت کو دیکھا تھا جس میں زمین و آسمان کا فرق آ چکا تھا۔ وہ پسینے میں بھیگی سالن بگھارتی' مسالوں کی خوشبو میں بسی فربہ عورت اور یہ خوشبوؤں میں بسی نازک اندام اپنی عمر سے کہیں کم نظر آنے والی خاتون۔

''واہ اللہ...... تیرے رنگ نرالے۔'' انہوں نے ایک اچٹتی سی نظر سارے کمرے میں ڈالی اور پھر ایک شلف پر رکھی فوٹو فریم میں مقید تصویر پر نظر پڑتے ہی اشتیاق سے بولیں۔

''یہ شہر یار کی فوٹو ہے نا؟'' وہ ایک مسکراتا چہرہ تھا خوبصورت اور پرکشش۔

''نہیں' یہ اسفی ہے۔'' رابعہ نے سرد لہجے میں کہا ''شہری کی تمام تصویریں ہم نے ہٹا دی ہیں اسفی کی وجہ سے۔''

''اسفی پریشان ہے' یہاں سے بھیج دیا گیا۔ تصویریں ہٹا دیں اسفی کی وجہ سے۔'' مائی زینب نے دل میں دہرایا۔ ''اور تم رابعاں جو ماں تھیں' اس جوان جہان شہزادے کی' تم پر کیا اثر پڑا اس کے بے وقت موت کا۔ کیا دولت اور پیسہ' معاشرتی مقام انسان کے جذبات کو بھی قابو کر لیتا ہے؟''

مگر وہ یہ باتیں صرف دل ہی میں کہہ سکی اور خاموشی سے واپسی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے اٹھنے سے رابعاں نے سکھ کا سانس لیا ہو۔

وہ اور یہ تم ہی تھیں جو پسینہ پسینہ ہوئی ایک کو کندھے سے لگائے' ایک کی انگلی پکڑے دستک دیے بغیر میرے گھر چلی آتی تھیں۔ ''کوئی کام کرنے نہیں دیتے مائی زینب! ذرا تھوڑی دیر کے لیے اپنے پاس رکھ لو۔''

وہ داخلی دروازہ کھول کر باہر نکلی تو گرم لو کے تھپڑے نے اس کا استقبال کیا۔ لان میں آتے ہوئے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ لاؤنج کی فرنچ ونڈو میں سے رابعاں کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

''چلیں مائی زینب!'' گیٹ کے چوکیدار کے پاس بیٹھا صفدر انہیں دیکھ کر بھاگا آیا۔ اسی اثناء میں عقب سے ایک آدمی اس طرف کو آ نکلا۔

''یہ فضل دین کے ہاتھ میں ایک اعلیٰ نسل ڈلمیشن کی قیمتی زنجیر تھی اور انہوں نے دیکھا تھا کہ شہری کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''ہاں جانوروں سے بڑی محبت ہے ان لوگوں کو۔ شہری کا دادا جمیل مرچوں والا' اگرچہ اس کے گھر میں کوئی خاص قیمتی سامان نہیں تھا مگر پھر بھی ایک کتا اس نے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ اسے بھی بڑا پیار تھا کتوں سے۔''

اس نے لاشعوری طور پر یا شاید دانستہ بلند آواز میں کہا اور صفدر کے ساتھ گیٹ کی طرف چل دی۔

لاؤنج کی کھڑکی میں کھڑی مسز رابعہ آفتاب کے کانوں میں یہ بلند آواز پہنچ چکی تھی اور ان کی پیشانی کے بلوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔

''اونہہ! کامپلیکس کے مارے لوگ۔'' انہوں نے گداز صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''جب تک بیٹھی رہیں ماضی کے حوالے دے دے کر گویا یاد دہانی کرانے کی کوشش کرتی رہیں کہ تم لوگ یہ تھے۔ نجانے صفدر کہاں سے اٹھا لایا ان کو۔ اب آ گئیں تو خوامخواہ کی مروت دکھانا پڑی۔ انہیں مجھ سے زیادہ غم ہے۔ ایسا پھکوں پھکوں تو میں نہیں روئی' جیسا یہ رو رہی تھیں۔ اونہہ! ماں سے بڑھ کر چاہے' پھاپھا کٹنی کہلائے۔''

انہوں نے اپنے سوشل کلچر سے ہٹ کر زیر لب ایک محاورہ بولا جس کو سننے والا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ رہی دیواریں تو ان بے جان چیزوں نے جا کر کسے سنانا تھا۔

......✿......

''لینا! تم اتنی خاموش کیوں رہتی ہو۔'' وہ روزی گل تھی جو اس کے ساتھ گھر واپسی پر راستے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

''میں تم سے کیا باتیں کروں روزی!'' اس نے رسان سے کہا۔

''تم کو دیکھ کر ایسے لگتا ہے جیسے تمہارے دل میں کہنے کے لیے بہت کچھ ہے مگر تم کہتی نہیں ہو۔''

''روزی! ہم لوگوں کے گھر قریب قریب ہیں' ہم کبھی کبھار کام پر بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں اور جو نئی تازہ باتیں ہوتی ہیں' ڈسکس کر لیتے ہیں پھر اور کیا بات کریں ہم جو رہ گئی ہو۔'' لینا' روزی کی بات کو سمجھتے ہوئے بھی نا سمجھی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''کل میں نے للّی کو دیکھا تھا ''ای پلومر'' پر۔ وہ کلرڈ کانٹیکٹ لینس کی قیمت پوچھ رہی تھی۔'' روزی نے اطلاع دی۔ لینا خاموش رہی۔

''لینا! للّی کرنا کیا چاہتی ہے؟ کل بتا رہی تھی کہ وہ نجانے کون صاحب ہیں زین صاحب کے' ان کے ساتھ ایک فوٹو سیشن کی بات کر رہی ہے۔ کیا ایسا حقیقت میں ہے یا پھر یہ بھی للّی کی نئی بڑ ہے؟'' روزی اس کی خاموشی کی پروا کیے بغیر بولے جا رہی تھی۔

''مجھے علم نہیں روزی! کہ للّی کیا کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنی زندگی' ارادوں اور عمل میں آزاد ہے۔ مجھ سے تو تم میرے بارے میں کچھ پوچھو تو میں بتا سکتی ہوں۔'' لینا نے طویل خاموشی کے بعد اپنا اسٹاپ آنے پر وین سے اُترتے ہوئے روزی سے کہا۔

''لینا...... تم کتنی سمپل اور انوسنٹ ہو' اور وہ للّی۔'' روزی نے اترتی شام کے سایوں میں اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی گلی کی طرف بڑھ گئی' اور لینا ایک قطار میں بنے ان چھوٹے چھوٹے گھروں کی طرف جسے کرسچن کمپاؤنڈ کہا جاتا تھا۔ یہاں ان جیسے ان کی کمیونٹی کے لوگ آباد تھے مگر باقی لوگوں میں اور لینا کی فیملی میں ایک واضح فرق گرینی کی خالص یورپین شکل اور نئی نسل میں خود اس کے اور للّی کے نین نقش تھے۔

''تمہیں پتا ہے لینا! ہماری جیسے مکسڈ بریڈ نہ ہنسوں میں ہوتی ہے' نہ کوؤں میں۔''

اس کی پھوپھی جینس ڈی زا نے ایک بار اسے ایک بڑی پتے کی بات بتائی تھی۔ اس نے کمپاؤنڈ میں گزشتہ شام ہونے والی بارش کے نتیجے میں کھڑے ہونے والے پانی میں کھیلتے سانولے سلونے بچے کو دیکھا۔

''یہ تو مکسڈ بریڈ نہیں ہیں نا۔ کمپلیٹلی نیٹوز ہیں پھر بھی ان کی قسمت ہمارے جیسی کیوں ہے؟'' کمپاؤنڈ کے تقریباً تمام گھروں کے دروازوں پر نیٹ کے پردے لٹک رہے تھے اور کھلے دروازوں میں ہوا کے زور پر سرسرا رہے تھے۔ یہ تمام پردے' ان گھروں میں مقیم بچوں' عورتوں اور مردوں کے اکثر لباس لنڈا بازار میں دستیاب میٹریل سے بنائے جاتے ہیں۔ سامنے کے احاطے میں خاکروبوں کی بستی ہے۔ ان کے حالات ہم سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اور ان کی پچھلی ساری نسلیں یہیں کی رہنے والی ہیں۔ انہی سڑکوں اور ان ہی گھروں پر ان کے جھاڑو اور موپس پھرتے رہے ہیں پھر یہ یہاں کے لوگوں کے برعکس مائنوریٹی ہیں مگر متمول ہونے کا تصور کہاں کبھی ان کے ہاں ٹھہرا ہوگا۔

وہ کچھ دیر کھڑی سامنے کے منظر دیکھتی رہی پھر اس نے اپنی ستواں اٹھی ہوئی ناک کے نتھنے سکیڑے۔ فضا میں رات کے کھانے کی تیاریوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں مصالحہ بگھارا جا رہا تھا۔ کہیں چاول ابالے جا رہے تھے اور کہیں سے روٹیاں پکنے کی سوندھی خوشبو آ رہی تھی۔ ان خوشبوؤں نے اسے اپنے پیٹ کے خالی ہونے کا احساس دلایا۔ آج سارا دن میں اس نے صرف ایک چپس کا پیکٹ کھایا تھا اور اب اسے زوروں کی بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی اپنے گھر کے دروازے تک پہنچی اور نیٹ کا سفید سرسراتا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوئی۔ صحن میں انکل ڈینس گرینی کے پاس بیٹھے تھے۔

"امّم کو بولے دے راڈینس ایدر اب امارا جیسا لوگوں کا لیے کوئی پلیس باقی نہیں را۔ امارا جیسا لوگ اب ایدر ٹوٹلی ایلین ہو گیا اے۔" گرینی سرخ بند کیوں والی اسکرٹ اور سفید بلاؤز میں ملبوس اپنے سفید بالوں کا کس کر جوڑ بنائے بڑی دانشورانہ انداز میں بیٹھی انکل ڈینس کو اطلاع فراہم کر رہی تھیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہوا ہے ایلس! سب کی سب ویسا ہی ہے جیسا آج سے پچپن سال پہلے تھا۔ اب ان لوگوں نے تم جانو کہ اپنا علیحدہ کنٹری یوں ہی تو نہیں بنایا تھا۔ ان کو بھی تو رہنے کے واسطے انڈیپنڈنٹ پلیس چاہیے تھا۔" انکل ڈینس اپنی واکنگ اسٹک کی نوک آہستہ آہستہ فرش پر مارتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"پھر امارا جیسا لوگ کیدر جائے۔" گرینی تیزی سے پیاز کاٹتے ہوئے بولیں۔

"ہاں۔" انکل ڈینس نے سر اٹھایا۔ "اور تو کسی کو ایسا مسئلہ نہیں ہوا مگر تم لوگ، تمہارا جیسا لوگ۔ یاد ہے ایلس جب نیا نیا پاکستان بنا تھا تو تم اور نیز کے ڈانسنگ فلور پر جب جلوہ گر ہوتی تھیں تو کیسے کیسے لوگ دل تھام کر بیٹھ جاتے تھے۔ یہ تم لوگوں کا کام تھا ایلس! تب تک تم لوگ ایلین نہیں تھے نا ادھر تمہارا کزن امیلیا جو کیل کتا (کلکتہ) کے جلسوں کی جان تھا، ایلین تھا۔ مگر اب سارا سین ہی بدل گیا ہے۔ پہلے تمہاری جگہ کوٹھے والی ڈیرے دارنیوں نے لی اور اب تو سارا کانسپٹ ہی بدل گیا ہے۔ اونچے گھرانوں کی ہائی سوسائٹی گرلز بھی ان باتوں کو عار نہیں سمجھتیں اور آرٹ کے نام پر نت نئے تجربے کرتے کرتے یہ لوگ تمہارے والے کیبرے کو اب تک نجانے کون سی پوزیشن پر لے گئے ہیں۔"

"امارا مطلب یہ نہیں تھا ڈینس!" آہٹ سن کر گرینی، لینا کی آمد کو محسوس کر چکی تھیں اور اب گھبرا کر موضوع گفتگو بدلنا چاہتی تھیں مگر ایک تو انکل ڈینس نے لینا کو دیکھا نہیں تھا، دوسرے ان پر اس وقت سچ بولنے کا دورہ سا پڑا ہوا تھا۔

"اور دیکھو ایلس! کیسا اسٹینڈرڈ چینج ہوا۔ تم لوگ جس زمانے میں ولایتی بینڈ کے ساتھ، اس زمانے میں جس کو زندہ ولایتی ناچ اور لائیو ڈانسنگ شو کہتے ہیں، پیش کیا کرتی تھیں۔ اس وقت ڈریسز میں اتنی عریانی کہاں پائی جاتی تھی، جتنی اب ہے۔ تم لوگوں کو زمانے والے میم صاف، میم صاب کہا کرتے تھے مگر مجھے یاد ہے لباس میں تہذیب اور شائستگی کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا جبکہ اب......"

"ڈینس! تم کھانا ایدر ہی کھانا۔ آج ام چونے کا ڈال (چنے کی دال) بگھارا، ساتھ میں پھوکا چاول بھی اے۔" گرینی غریب کے پاس انکل ڈینس پر پڑنے والے حق گوئی و بیباکی کے اس دورے کو کنٹرول کرنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کو کھانے کی دعوت دیتیں۔

"نہیں ایلس! میں پھوکا چاول کیسے کھاؤں گا، شوگر کا مریض ہوں پرانا۔ اب چلتا ہوں۔ سوسن نے قیمہ پکا رکھا ہے، وہ کھاؤں گا۔"

انکل ڈینس خود کو تو کے جاتے پر بھی نہیں چونکے اور اپنی واکنگ اسٹک پر بوجھ ڈالتے ہوئے اٹھے اور مڑتے ہی ان کی نظر پیچھے کھڑی لینا پر پڑی۔ یکدم ہی انہیں ایلس کی گھبراہٹ کی وجہ سمجھ میں آ گئی اور وہ ایلس کی معصومیت پر دل ہی دل میں مسکرائے۔

"کون سا فیکٹ ایسا باقی رہ گیا ہے ایلس! جو تم ان بچیوں سے چھپانا چاہتی ہو۔" انہوں نے دل میں سوچا اور مسکراتے ہوئے لینا کو وش کرنے لگے۔ لینا نے بھی اسی تپاک سے ان کو وش کیا۔

"کل سنڈے پریئر کے لیے اکٹھے چلیں گے لینا ڈیئر! تم کو آف ملا یا نہیں؟" وہ کہہ رہے تھے۔

"ضرور چلیں گے انکل! کل میں فارغ ہوں۔" لینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور پھر مڑ کر گرینی کی طرف متوجہ ہوئی جو ایسی چیزیں سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھیں جو قطعی بکھری ہوئی نہیں تھیں۔

"للی کہاں ہے گرینی؟" اس نے گرینی پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اس نے ان کے اور انکل ڈینس کے مابین ہونے والی گفتگو قطعی نہیں سنی، بے نیازی سے کہا۔

"للی ام کو بتا کر جاتا کبھی کہ وہ کیدر گیا، کیدر نہیں۔" گرینی کو اس سے زیادہ دلچسپ موضوع اور کہاں ملنا تھا۔

"ارلی مارننگ کو ایک دم بے کار مودی ہیروئنز کا مافق تیار شیار ہو کر نکلا، اب تک واپس نہیں۔ آیا۔ ام اگر پوچھتا تو گاڈ جانے کتنا پوزیس باتیں بولتا۔ ایس واسطے ام اس سے کچھ نائیں پوچھا۔ لینا ڈیئر!" پھر گرینی کو بولتے بولتے جیسے کوئی خیال آیا۔

"تم للی کو بھی اپنا پارلر میں کئیں سیٹ کرا لو۔ بے کار رویگا باؤنڈز جیسا زندگانی سے تو بچے گا نا۔"

"مشورہ اور مسئلے کا یہ حل تو بہت پرانا ہے گرینی" لینا نے دل میں سوچا۔ "جب تک اس کے ذہن سے ہی یہ خناس نہیں نکلے گا کہ لولی ووڈ کے افق پر چمکنے والا مستقبل کا درخشندہ ستارہ ہے، اس وقت تک وہ کچھ بھی کرنے والی نہیں۔"

اور دلچسپ بات یہ تھی کہ گرینی سے مختلف معاملات پر شدید اختلافات کے باوجود فلم، آرٹ، ٹی وی، تھیٹر، ڈانس، میوزک قسم کے تمام موضوعات پر سب سے زیادہ ڈسکشن وہ گرینی کے ساتھ ہی کیا کرتی تھی۔ ایسے مواقع پر گرینی کو اپنے خاندان کی رائل تاریخ بھی بھول جایا کرتی تھی اور وہ ایک مختلف قسم کی تاریخ کے صفحے الٹنے لگتی تھیں۔

"اولڈ انڈیا میں کھاندانی لوگ اس لائن میں نہیں آتا تھا۔ نیٹو کرسچن لوگ ایدر آرٹ کو شروع کیا۔ لاک ناؤ (لکھنؤ)، کیل کتا (کلکتہ) اور ایدر ایس سائیڈ پر لاہور اینڈ کراچی ڈیسنٹ قسم کا جلسے آرگنائز ہوتا تھا، اور مس صاب، میم صاب لوگ ناچا کرتا تھا۔ سوب گورا صاب، میم صاف، آ ڈینس ہوا کرتا تھا۔ وہ اچا دن تھا۔ ایدر ہوٹل لورنیز، عرب ہوٹل اور اس کا بار فلیٹیز ہوٹل میں شاندار ڈانسنگ فلور بنا تھا اور ڈیلی شام کو ڈانس ہوتا تھا۔ ایدر تمارا مال پر پھول بکا تھا کھوشبودار اور ان سارا ہوٹل میں صاب لوگ اور نمبر کا جائے پینا واسطے اور مس لوگ کا ڈانس دیکھنا واسطے آتا تھا۔"

للی اس زمانے کے ٹرینڈز، فیشن فیڈز اور ڈانس کے طور طریقے تفصیل سے پوچھتی اور گرینی تفصیل سے جواب دیتیں۔ ایسے میں لینا اور اس کی پھوپھی آنٹی جینس میں ایک ان دیکھی سی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی اور وہ اس گفتگو کے دوران زیر لب کیوں مسکراتی تھیں اور کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو کیوں دیکھتی تھیں یہ اس کی سبز آنکھوں، دودھ کی طرح سپید چہرے اور سفید بالوں والی کیوٹ سی داری کو کبھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

......✿......

اس نے الحمرا آرٹ کلاس میں تقریباً سوا گھنٹے تک مشہور مصور، مجسمہ ساز اور آرٹ کے نقاد شاہنواز احمد کا لیکچر سنا تھا۔ وہ آرٹ او پینٹنگ کی مختلف تیکنیک ڈسکس کر رہے تھے۔ ان کے تمام سامعین کو معلوم تھا کہ ان کا کام کس قدر ورسٹائل ہوتا ہے۔ ان کے کام کے میڈیمز بھی بہت سارے تھے۔ وہ منی ایچرز اور چارکول پینٹنگ کے ماہر تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہارٹ اسکیپ پر گریفائٹ سے کام بھی کیا کرتے تھے۔

انہوں نے کچھ عرصہ پہلے سرامکس پر بھی کام کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی اپنی ظاہری شخصیت اور رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ سننے اور دیکھنے والے کا متاثر ہو جانا اچنبھے کی بات نہیں تھی۔

"میں جو کچھ دیکھتا ہوں،" اس کا نچوڑ کینوس پر منتقل کر دیتا ہوں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک ٹھوس وجود کے

پیچھے جو ایک امیج ہے' میں اس کو پینٹ کرتا ہوں۔ آپ لوگ اس میدان میں نو آموز ہیں۔ کوشش کریں کہ جو کچھ بھی آپ کینوس پر لائیں' وہ آپ کے ذہن کی پچویشن کا درست اظہار کر سکے۔ آپ کا کام میں آپ کے اسٹروکس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہونا چاہیے۔ آخر کمرشل آرٹ اور اصل آرٹ میں فرق نظر آنا بھی تو بہت ضروری ہے۔"

حاضرین ان کی باتیں غور سے سن رہے تھے اور ان کی شخصیت سے متاثر بھی تھے۔ ان کے طریق گفتگو میں کیا خاص بات تھی جو فراز کو کچھ یاد دلا رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا' اسی لیے قدرے بے چین تھا۔

"آپ کا کام آپ کی ذہنی تسلی کا باعث ضرور بننا چاہیے۔ آپ کے کام کا آغاز درست ردھم اور درست موومنٹ سے ہونا چاہیے۔ اس کے اندر بیلنس (توازن) اور پروپورشن کی موجودگی ضروری ہے باقی سب لائن' ڈاٹ' رنگ یہ سب تو مووی ہورڈنگز پینٹ کرنے والے کے ہاتھ میں بھی ہوتا ہے۔" فراز نے محسوس کیا کہ کمرشل آرٹسٹ کے ذکر پر ان کے لہجے میں تمسخر در آتا تھا۔

پھر سوالات کا دور شروع ہوا۔ لوگ ان سے مختلف سوالات کر رہے تھے۔

"سر! کچھ لوگ آرٹ خصوصاً پینٹنگ اور مجسمہ سازی کو گناہ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ شکلیں بنانا' فیگر بنانا' نقش بنانا یا منظر بنانا خدائی وصف ہے۔ انسان کو کوئی حق نہیں کہ وہ یہ خدائی وصف اپنائے۔ کیا ایسی کوئی سوچ کبھی آپ کے سامنے بھی ایکسپریس کی گئی۔" فراز جب سوال کرنے کھڑا ہوا تو اس کے ذہن میں کوئی اور سوال تھا مگر وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ سوال ان الفاظ کی شکل میں کیسے اس کے منہ سے پھسل گیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق شاہنواز احمد بری طرح چونکے تھے۔ گو اب وہ عمر کی اس اسٹیج پر تھے جہاں انہیں اپنے تاثرات چھپانے میں کافی مہارت حاصل ہو چکی تھی۔ انہوں نے غور سے اسے دیکھا۔

"یہ سوچ تو آرٹ کی ہسٹری کے آغاز سے اب تک پورے شد و مد سے پائی جاتی ہے مگر ایسے لوگ آرٹ تو کیا' جدید سائنسی تحقیقات اور نئی ٹیکنالوجیز کے بارے میں بھی ریزرویشنز رکھتے ہیں۔ ان کو کس بات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔"

انہوں نے جواب بھی فراز کی توقع کے عین مطابق دیا تھا۔

"مگر فی الحال تو ہم اس فیلڈ آف آرٹ کی بات کر رہے ہیں۔" اس نے اپنی بات دہرائی۔

"پھر ان لوگوں کے نظریات' اسٹیٹ سائنٹیفک ریسرچ کلوننگ کے بارے میں کیا ہوں گے؟ کاغذ اور پتھر پر نقوش بنانا تو گناہ کبیرہ ہوا اور خدائی وصف اپنانے کے مترادف سمجھا گیا تو پھر وہ جو کلوننگ کے ذریعے جیتے جاگتے انسان بنا رہے ہیں' وہ تو قابل گردن زدنی ہوئے نا پھر۔"

وہ اپنا نقطہ نظر بیان کر رہے تھے جو اس پوزیشن پر کھڑے کسی بھی شخص کا نقطہ نظر ہو سکتا تھا۔

"سر! کلوننگ تو بہت سے لبرل سوچ رکھنے والے اس کالرز کے نزدیک بھی ایک قابل اعتراض عمل ہے لیکن جو بات میں کر رہا ہوں' وہ اپنے معاشرتی و مذہبی آرتھوڈوکس سوچ کے حوالے سے کر رہا ہوں۔ مجھے خود علم نہیں ہے کہ یہ سوچ آرتھوڈوکس ہے یا نہیں۔ مذہب اس بات کی اجازت دیتا ہے یا نہیں مگر جو لوگ یہ بات کہتے ہیں' ان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔"

"نوجوان۔" اب کے شاہنواز احمد نے بہت غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس میدان میں ایک پروفیشنل ہوں۔ تم مجھے سیزنڈ پروفیشنل کہہ سکتے ہو اور تم خود اگر میں غلط نہیں سمجھ رہا تو اس میدان میں نو وارد ہو۔ جب ہم یہ میدان اپنا چکے تو تم خود ہی سوچ لو اس قسم کی باتوں کے متعلق ہمارا اسٹیٹ آف مائنڈ کیا ہوگا۔ آرٹ ایک ایسی

چیز ہے جو بندہ سیکھتا نہیں ہے بلکہ جو چیز اس کے اندر غیر تراشیدہ ہوتی ہے' اس کو مزید نکھارتا ہے' سنوارتا ہے' سجاتا ہے اور جو شخص اس صلاحیت سے مالا مال ہونے کے باوجود اس آرتھوڈوکس سوچ کے پیش نظر خود کو اس راہ سے ہٹا لیتا ہے۔ سمجھو اس نے دم مار لیا' سانس گھونٹ دیا اپنا۔ یہ تو ایک ایسا جنون ہے جس کا ابال بار بار اٹھتا ہے اور انسان کو اپنے دھارے پر لے کر بہہ نکلتا ہے۔ کوئی اور سوال؟"

انہوں نے اپنے تئیں ایک مفصل اور مدلل جواب دیا تھا اور پھر موضوع بدلنے کی خاطر کسی اور سوال کی دعوت دی تھی مگر کچھ دیر کے لیے انہوں نے محسوس کیا تھا کہ ان کے اور اس نوجوان کے درمیان ایک ایسی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی جس کی بنا پر وہ سمجھتے تھے کہ وہ نوجوان دراصل کیا پوچھنا چاہتا تھا اور وہ نوجوان سمجھتا تھا وہ اس کی بات کا اطمینان بخش جواب نہیں دے سکے۔ لیکچر کے بعد باہر نکلتے ہوئے انہوں نے انگلی کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا تھا۔ "تمہارا نام" انہوں نے اپنی عینک اتار کر قمیص کی جیب میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"فراز احمد۔"

"کوالیفیکیشن؟"

"بی اے فائن آرٹس۔"

"آج کل کہاں اور کیا پڑھ رہے ہو؟"

"کہیں بھی نہیں پڑھ رہا اور کچھ بھی نہیں پڑھ رہا۔"

"پھر کیا کرتے ہو؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"جو کام میں کر رہا ہوں" آپ کے لیے یقیناً قابل استہزاء ہوگا مگر میرے لیے میری کمائی کا واحد ذریعہ میں ایک کمرشل آرٹسٹ ہوں۔ ہورڈنگز پینٹ کرتا ہوں اور سینما گھروں کے "ماتھے" بھی۔" اس نے خود بھی طنزاً مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر یہاں کیسے آئے؟"

"رضوی صاحب! میرا مطلب ہے سعید رضوی صاحب کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے نا۔" اس نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان کی بیٹی کے آفس کے لیے کچھ کام کیا تھا ایک مرتبہ۔ ان کا خیال ہے کہ مجھ میں ٹیلنٹ ہے اور اگر میں پروفیشنل تعلیم افورڈ نہیں کر سکتا تو کم از کم یہ کلاسز ہی اٹینڈ کر لیا کروں۔"

"خوب۔" وہ مسکرائے۔ "لاہور کے باسی نہیں لگتے' کہیں باہر سے آئے ہو نا؟"

"جی ہاں' میں لاہور کا باسی نہیں ہوں۔"

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" یہ سوال کرتے ہوئے ان کا دل ذرا زور سے دھڑکا تھا۔

دراصل وہ اس نوجوان کے بارے میں ہی تو جاننا چاہتے تھے۔ ایک لمحے کے لیے فراز کے دل میں ایک ایسا خیال آیا جس کے ذریعے وہ اپنے سامنے کھڑے اس سیزنڈ پروفیشنل کو کم از کم پانچ منٹ کے لیے لڑکھڑا سکتا تھا مگر پھر اس نے اپنے ذہن سے اس خیال کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔"

شاہنواز احمد کا دل ایک مرتبہ پھر پتے کی طرح لرزا۔ اسی بات کا تو انہیں ڈر تھا۔

"کس گاؤں کے؟" انہیں اچھی طرح احساس تھا کہ ان کی آواز بے حد کمزور ہو رہی ہے۔

"میرے گاؤں کا نام ورسالکے ہے۔" اس نے اپنے دل میں اٹھنے والے نئے خیال کے تحت اپنے گاؤں

کے قطعی دوسری سمت میں واقع ایک گاؤں کا نام لیا جس کا نام سن کر اس کے مخاطب کے مختل ہوتے ہوئے حواس ایک لمحہ میں بحال ہوتے نظر آئے۔ وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔

''یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے۔'' شاہنواز احمد نے لاشعوری طور پر اپنے والٹ سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اسے پکڑایا۔ ''تم مجھ سے دوبارہ ضرور ملنا۔'' ان جیسے خود پسند اور پرتکلف شخص سے کوئی یہ توقع کر ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک ایسے نوجوان کو جس کی کسی بھی فیلڈ میں کوئی شناخت نہیں تھی جو محض ایک کمرشل آرٹسٹ تھا اور بڑے بڑے ہورڈنگز کو فلمی اداکاروں کے رنگیلے چہروں اور سیاسی شخصیتوں کی تصویروں بمع سیاسی نعروں کے سجاتا تھا' کو اپنا وزیٹنگ کارڈ دیتے ہوئے اسے اپنے پاس آنے کی تاکید کریں گے۔

وہ پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی کی طرف جا رہے تھے اور فراز' الحمرا کے داخلی دروازے میں کھڑا ان کے دراز' اسمارٹ اور فٹ سراپے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ان کا وزیٹنگ کارڈ تھا جس پر ان کے نام کے ساتھ بہت کچھ تحریر تھا۔ وہ سب کچھ جوان کی اب تک کی کامیابیاں تھیں۔ اس نے اس کارڈ کو دیکھتے ہوئے ایک لمبا سانس لیا اور ہونٹ بھینچتے ہوئے پیچھے کی طرف مڑا۔ اس کے عین سامنے یورپین نین نقش والی' اسمارٹ اور نوعمر لڑکی کھڑی اس کی طرف بے حد دوستانہ قسم کی مسکراہٹ پھینک رہی تھی۔

''ہیلو۔'' اس کے مڑنے پر وہ مسکرا کر بولی۔ فراز نے ایک طائرانہ نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔ بلیک ٹراؤزر اور پرنٹڈ سلیولیس شارٹ شرٹ پر اپنے گولڈن بلونڈ بال بکھرائے' وہ شانے پر لٹکے بیگ کا اسٹرپ پکڑے کھڑی تھی۔ یہ ایک قطعی اجنبی چہرہ تھا۔ فراز کا ذہن سوچنے لگا' اس نے اسے پہلے کبھی دیکھا تھا۔

''آپ فراز احمد ہیں نا؟ میں آپ کے انتظار میں یہاں کھڑی تھی۔'' وہ بولی۔

''جی ہاں مگر آپ...... معاف کیجئے گا' میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''میرا نام للی ہے' للی ڈی سوزا۔'' لڑکی نے بڑی ادا سے انگریزی میں تعارف کروایا۔

......۞......

''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تو اتنی ذہین ہونے کے باوجود ہر دفعہ فیل کیوں ہو جاتی ہے۔''

ماسٹر ہدایت اللہ نے ہینڈ پمپ کو تیزی سے چلاتے ہوئے تازہ پانی کے نیچے حقے کا نیچہ دھوتے ہوئے مبینہ م عرف مانو کو مخاطب کیا۔

''اچھا بھلا پڑھتی ہوں' اچھا بھلا پرچہ دے کر آتی ہوں' پر پتا نہیں پرچہ چیک کرنے والے کا دماغ کیسا ہے وہ ں طرح پرچہ چیک کرتا ہے۔'' مانو نے چولہے میں سلگتی آگ کو چمٹے سے الٹتے پلٹتے ہوئے بیزاری سے جواب

''تجھے کتنی بار سمجھایا ہے کہ یہ انگریزی زبان بڑی دھوکے باز زبان ہے۔ اس کے سو پہلو ہیں۔ ہر پہلو کا اپنا ہ قاعدہ قانون ہے۔''

ماسٹر صاحب نے حقہ ٹھنڈا کر کے گڑگڑایا۔ بغیر ٹوپی کے حقے کے منہ سے پانی نکل نکل کر نیچے گرنے لگا۔

''ایک تو یہ انگرزی کا پرچہ ہونا لازمی تھا۔'' مانو پر مزید جھنجھلاہٹ سوار ہوئی۔ اس نے ٹوپی پکڑ کر تمبا کو اور گڑ پر دبا کر دہکتے کوئلے رکھنا شروع کیے۔

''پر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ خود اتنے طاق ہو انگریزی میں پھر آپ کے شاگرد کیوں فیل ہو جاتے ں اس کے پرچے میں۔''

''کتنے شاگرد فیل ہو جاتے ہیں۔'' ماسٹر ہدایت اللہ نے اس کی جھنجھلاہٹ پر محظوظ ہوتے ہوئے دل میں رایا۔ ''کتنے ہیں جو دے کر پاس ہوتے ہیں' اپنا فراز بھول گیا تجھے۔ کیا دھوم دھام سے ٹاپ کیا تھا اس نے انگریزی ں بی۔ اے کے امتحان میں' اس روز وہ بھی پوچھ رہا تھا' مبینہ کلثوم اتنی لائق ہے تو پٹاپٹ فیل کیوں ہو جاتی ہے ریزی میں ہر دفعہ اوئے! وہ تو میں نے تیرا پردہ رکھا اس کے سامنے میں نے کہا۔ انگریزی میں تو نہیں مبینہ کلثوم تو نامکس میں فیل ہوتی ہے۔''

''ہونہہ! فیل ہو جاتی ہے۔'' مانو نے حقے پر ٹوپی رکھ کر دوپٹے سے پسینہ پونچھتے ہوئے بڑبڑا کر زیر لب ہرایا۔ ''اپنے کرتوت اس کے بتاؤں نا' لگ سمجھ جائے اس بے ہدایتے کو۔''

''اس دن جب ہم جارہی تھیں نابابے شاہ زمان کو جمعرات چڑھانے۔'' منہ ہاتھ دھو کر سکون سے ما
ہدایت اللہ کی کرسی کے قریب رکھی نواڑی پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک انتقای جذبے کے تحت کہا۔ مگر پھر اس
ذہن کسی دوسری پٹری پر چڑھ گیا۔ ''ماسٹر صاحب آپ مانتے ہو بابے شاہ زبان کو؟''

اس نے سر اٹھا کر ماسٹر صاحب کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں مانتے ناں۔'' پھر اس نے جواب میں ماسٹر صاحب کو بے نیازی سے حقہ گڑگڑاتے دیکھ کر کہا۔ ''مم
نے تو اپنے ہوش میں کبھی آپ کو ان کے مزار پر حاضری دیتے ہوئے۔''

اس کی اس بات کے جواب میں بھی وہاں مکمل خاموشی تھی۔ وہ سمجھ گئی۔ ماسٹر صاحب اس کی بات کا جواب
نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لیے خاموش ہو گئی۔

''اوئے پتر مبینہ کلثوم!'' حقے کی گڑگڑاہٹ تھی اور ماسٹر صاحب گویا ہوئے۔ ''یہ ماننا نہ ماننا کیا ہوتا ہے۔
میں نے تو کئی ایسے بھی دیکھے ہیں جو دل کی تسلی کے لیے وہاں چلے جاتے ہیں مگر مانتے وانتے نہیں۔''

''پر ماسٹر صاحب! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہاں جا کر بھی نہ مانیں'' مانو کے پلے یہ بات قطعی نہیں پڑی تھی۔

''اچھا!'' کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو نہیں بھی حاضر ہونے
پر مانتے ہیں۔''

''ہاہاہا!'' ماسٹر ہدایت اللہ نے حقے کو پرے ہٹایا اور دل کھول کر ہنسے۔ ''میں نے تو کئی دفعہ کہا ہے کہ مبینہ کلثوم
بڑی ذہین ہے۔ پر سارے ہی نہیں مانتے۔ اب آنے دو اس فرازے کو اسے بتاؤں گا۔ بتاؤ بھلا' یہ بات تمہارے
ذہن میں آ سکتی ہے جو مبینہ کلثوم کے ذہن میں آ گئی۔''

مانو نے ماسٹر ہدایت اللہ کے ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ یہ بڑھتی عمر کا سفید بالوں اور سفید داڑھی والا شخص
اس گاؤں کے لیے نعمت غیر مترقبہ کی شکل میں سالوں پہلے یہاں آن بسا تھا۔ اس نے اپنے ماں باپ سے سن رکھا تھا
کہ ماسٹر ہدایت اللہ کے یہاں آنے سے ہی گاؤں کا کب سے بند اجڑا ہوا پرائمر اسکول تک ترقی کی اور پھر ہائی
اسکول بن گیا۔ اس وقت سے اب تک سینکڑوں بچے اس مکتب علمی سے فیض یاب ہوئے۔ وہ پڑھاتے سکھاتے کبھی
نہ تھکتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے علم کا دریا ہے جس کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ بظاہر سیدھا سادا دیہاتی سا نظر آنے
والا شخص فر فر انگریزی کتنے درست لہجے میں بولتا تھا جو سنتے تو بڑے بڑے زبان دان حیران رہ جاتے۔ مگر وہ بے نیاز
تھے انہیں نہ کسی تعریف کی خواہش تھی نہ تحسین کی۔ ان کے لیے سب سے بڑی کامیابی ان کے کسی شاگرد کا امتیازی
نمبروں سے پاس ہو جانا تھا۔ جب کبھی ایسا ہوتا ان کی خوشی دیدنی ہوتی۔ اپنے کامیاب ہونے والے شاگردوں سے
ان کی صرف ایک معصوم سی فرمائش ہوتی۔

''کبھی لاہور جاؤ تو میرے لیے گوالمنڈی سے خاص تمبا کو لے آنا وہ بھی کبھی اگر جیب میں پیسے ہوں تو۔''

اور ان کی اس فرمائش کو پورا کرنے کے لیے کئی شاگرد تو خاص طور سے لاہور جاتے۔ مانو کو علم تھا کہ اتنے ڈھیر
سارے شاگردوں میں ماسٹر ہدایت اللہ کے ہاں پسندیدگی کے مختلف خانے تھے۔ وہ جو دل سے بہت قریب تھے۔ وہ
جو نظر کو بہت اچھے لگتے تھے اور وہ جو بس شاگرد تھے۔ مانو یہ بھی جانتی تھی کہ پہلے خانے میں اب تک صرف دو بندے
آ سکے تھے۔

ماسٹر ہدایت اللہ کا اپنا بھتیجا جسے انہوں نے بیٹا بنا کر پالا تھا اور دوسرا چاچی نور کا بیٹا فراز احمد۔ جس کا ذکر ماسٹر
ہدایت اللہ اپنی گفتگو میں اتنی محبت سے کرتے تھے کہ سننے والے کو خود سے ہی معلوم ہو جاتا کہ وہ انہیں کتنا عزیز تھا۔

خانے میں آنے والے دوسرے شاگرد ماسٹر ہدایت اللہ کے بھتیجے کو مانو نے کبھی نہیں دیکھا مگر اس کے متعلق بہت
رکھا تھا۔ گاؤں والے اسے شاہو کہہ کر پکارتے تھے اور بتاتے تھے کہ وہ بے حد ذہین' محنتی اور لائق لڑکا تھا۔ ماسٹر
نے چھوٹی عمر میں ہی اپنا علم' اپنی دانش اور اپنی حکمت اس کے اندر انڈیل دی تھی۔ بقول مانو کی اماں کے وہ
ہدایت اللہ کے علم کی عملی شکل تھا۔ مگر پھر زندگی کے ایک اہم معاملے پر اس کا اور ماسٹر صاحب کا نظریاتی اختلاف
با۔ کہنے والے کہتے تھے کہ شاہو تصویریں بناتا تھا' مورتیں بناتا تھا اور اس فن میں ایسا طاق ہوا کہ اسے اپنا ذریعہ
گار بنا لیا۔ جبکہ ماسٹر صاحب کے نزدیک یہ گمراہی تھی' خدائی وصف اپنانے کے مترادف تھا۔

''چھوڑ دے شاہو! یہ کافرانہ کام چھوڑ دے' اوئے تو کوئی کافر ہے' ہندو ہے تو جو ایسی مورتیں بناتا ہے' نہ گناہ
ر خود کو اور مجھے۔''

اماں نے مانو کو بتایا تھا کہ ماسٹر ہدایت اللہ' شاہو کے ساتھ ایسی باتیں کرتے تھے' قرآن حدیث سے مثالیں
تے تھے پر وہ تو جانو ایسے' جیسے ڈھیٹ ہڈی بن گیا۔ اس کے کان تو جیسے بند ہو گئے تھے۔ پھر ماسٹر ہدایت اللہ نے
سے قطع تعلق کر لیا اور اس پر اپنے گھر اور دل کے دروازے بند کر دیے۔ وہ کم بختی مارا بھی ایسا نامراد اور ''بے دیتا''
طا چشم) نکلا کہ مڑ کر گاؤں کی شکل نہیں دیکھی۔ نجانے کہاں دفعان ہوا اللہ مارا بے ہدایتا۔''

مانو کی اماں سمیت گاؤں کے ہر مکین کے لیے وہ شخص قابل نفرین تھا۔ جس نے ماسٹر صاحب کے اقوال اور
ول سے غداری کی تھی۔ گاؤں بھر میں وہ بے ہدایتا مشہور تھا۔ اور کوئی شخص اس کے لیے اچھے کلمات نہیں کہتا تھا۔

اسی لیے تو جب اس روز مانو نے فراز کو زمین پر تنکے سے نقش بناتے دیکھا تو تنبیہ کی تھی۔

''اور میں کتنی بے وقوف تھی جو اس بات کا تذکرہ ماسٹر صاحب سے کرنے لگی تھی۔'' اس نے جھرجھری لیتے
ے سوچا۔ ''چاہے جتنا مرضی میرا مذاق اڑائے فراز' میں کسی سے کبھی بھی ذکر نہیں کروں گی کہ فراز نقش بنا رہا تھا۔''
نے دل میں پکا عہد کیا۔

......۞......

فراز' للی ڈی سوزا کو بالکل بھی نہیں جانتا تھا۔ اس لیے اس نے اس کے اپنا تعارف کروانے پر بھی اجنبیت کا
ر کیا۔

''تم مجھے نہیں جانتے ہو مگر میں تم سے اچھی طرح واقف ہوں۔'' اس کی مخاطب نے مسکرا کر کہا۔ یہ بات فراز
لیے مزید حیران کن تھی۔

''حسن میرا بہت اچھا دوست ہے' اس کے بھائی زین کے ایوننگ پیپر کے لیے میں نے فوٹو سیشن بھی کروایا
۔'' اس کی مخاطب نے ایک ادا سے اٹھلا کر بتایا۔

''پھر۔'' فراز کو اس کے تیز سرخ رنگ کی لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں سے وحشت ہو رہی تھی۔

''مجھے حسن نے بتایا تھا کہ تمہیں اپنے کسی پروجیکٹ کے لیے ایک خوبصورت لڑکی چاہیے' میں اسی لیے
سے پاس آئی ہوں۔''

''خوب......صورت۔'' فراز نے زیر لب کہا اور پھر اس اٹھلاتی' لہراتی شوخ و شنگ بلا کو غور سے دیکھا۔

''مگر میں نے تو۔'' اس نے کہنا چاہا۔

''ہاں' ہاں'' لڑکی نے اس کی بات کاٹی ''' مجھے معلوم ہے کہ تم نے حسن سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں
ی مدد کرے' مگر جب اس نے ذکر کیا تو میں نے تم سے ملنے کا فیصلہ کر لیا' میں تمہارے پیچھے ای۔ یلوم بھی تنی تھی

جس کے پیچھے تم نے اپنا کام کا سامان رکھا ہوا ہے۔ جہاں تم کام کرتے ہو یقین جانو اگر تم مجھے اپنی ماڈل بنالو تو مَیں تم سے بھرپور تعاون کروں گی' تمہارا وقت بالکل بھی ضائع نہیں کروں گی۔"

"ہوں!" فراز نے سوچتے ہوئے کہا "اور تمہارا معاوضہ کیا ہوگا؟"

"معاوضہ!" لڑکی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "کچھ بھی نہیں' میں معاوضے کے لیے تمہاری ماڈل نہیں بنوں گی۔"

"تو پھر......؟" فراز کے لیے یہ بھی اچھنبے کی بات تھی۔

"پھر یہ کہ جب تم اپنے شاہکار کو کسی نمائش میں پیش کرو گے اور جب لوگ اسے دیکھیں گے تو تم سے پوچھیں گے یہ لڑکی کون ہے تو شاید ان میں سے کوئی ایسا بھی ہو جسے اپنی فلم کے لیے' ڈرامے کے لیے ہیروئین کی ضرورت ہو وہ مجھ تک اس طرح ہی آن پہنچے۔" وہ خلا میں دیکھتے ہوئے زیرلب گفتگو کررہی تھی۔

فراز نے اندازہ لگایا کہ لڑکی ضرورت سے زیادہ خیال پرست اور خوابوں کی دنیا میں گم رہنے والی شخصیت ہے۔ وہ شاہکار جو شاید ابھی بننا بھی تھا یا نہیں۔ اس کے حوالے سے اتنی لمبی منصوبہ بندی۔ اتنی زیادہ امید پرستی۔ ا ہنسی آ گئی۔

"مگر مجھے ایسی یورپین شکل تو نہیں چاہیے' میں تو خاص مشرقی حسن کو ماڈل بنانا چاہتا ہوں۔" اس نے ازراہ مذاق کہا۔

لڑکی کا چہرہ تھوڑی دیر کے لیے بجھ سا گیا۔ پھر اس نے ایک اور دلیل پیش کی "لیکن ایسا مشرقی حسن تو اب طرف ایک عام سی بات بن کر رہ گیا ہے اگر تم ایسٹرن بیک گراؤنڈ میں ویسٹرن بیوٹی کو پروموٹ کرو گے تو روٹین ذرا ہٹ کر کام ہوگا اور لوگ متوجہ بھی ہوں گے۔"

فراز اس لڑکی کو کوئی امید نہیں دلانا چاہتا تھا۔ جس پورٹریٹ کے بنانے کا ذکر اس نے حسن سے کیا تھا۔ وہ کو کلاسیکل آرٹ کی طرف جانے کا زینہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کے اندر ایک بڑا مصور بننے کی' ایک بڑا مجسمہ ساز بننے کی خواہش ہر وقت کنڈلی مارے بیٹھی رہتی تھی' وہ جو کمرشل قسم کا کام کرتا تھا۔ اس میں اس کا دل کبھی بھی نہیں لگا تھا۔ مگر اس کی مجبوری تھی کہ اس "فن کی دنیا" میں موجود ہزاروں بڑے ناموں میں اپنی بہت کوشش کے باوجود وہ پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نہیں بنا پایا تھا۔ اس لیے اپنی معاشی ضروریات کے لیے اسے اپنے فن کو کمرشل فیلڈ میں آزمانا ہی تھا۔

"اور پھر اگر کبھی کوئی تم سے پوچھے گا کہ یہ لڑکی کون ہے تو یقیناً پوچھنے والے کے لیے میرا پیور رائل انگلش بیک گراؤنڈ مزید کشش کا باعث بنے گا۔" اس کی مخاطب لڑکی نے اسے سوچ میں گم دیکھ کر ایک اور دلیل دینے کی کوشش کی۔

"آں!" فراز نے چونک کر ایک بار پھر اسے سرتاپا دیکھا۔ "رائل انگلش بیک گراؤنڈ!"

"ہاں!" لڑکی نے زور زور سے سر ہلایا' ادھر کوئی کیا جانتا ہے کہ میں لارڈز کی نسل سے تعلق رکھتی ہوں یہاں تو ہماری حیثیت دو نمبر کی سی ہے۔ مگر جب تاریخ کے صفحے پلٹو تو تمہیں معلوم ہو کہ ہمارا خاندان لارڈز کا خاندان تھا۔ میرے گریٹ گرینڈ فادر ادھر کوئین کے اینول ڈنر پر جو نیو ایئر نائٹ پر منعقد کیا جاتا تھا' اسپیشل گیسٹ مانے جاتے تھے۔ یہ تو ادھر رولنگ برٹش ایمپائر کا حصہ بننے کے لیے جب میرے گریٹ گرینڈ فادر انڈیا آئے تو سارا کباڑ گیا۔" لڑکی نے اسے مزید چونکاتے ہوئے کہا۔

"اگر یقین نہیں آتا تو کبھی میری گرینی' لیڈی ایلس جان وڈ' سے ملو۔ ہمارا خاندانی البم دیکھو تو تمہیں علم

ل بننے کی درخواست کرنے والی لڑکی کتنے بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔" اب کے اس کی سبز آنکھوں سے مچ کے آنسو نکل آئے۔

"ٹھیک ہے' بالکل ٹھیک ہے۔" پھر اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ "یہ دنیا حق داروں کو اہم مواقع سے محروم رکھتی ہے۔ حق مارنا اس دُنیا کی روایت ہے تاریخ ہے۔"

وہ نہ جانے خود کو باور کرا پائی تھی یا نہیں مگر ایک بات یقینی تھی کہ وہ اپنے مخاطب نوجوان کمرشل آرٹسٹ فراز احمد اپنی باتوں کے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ جو تاریخ کے ان الٹتے صفحوں کی محض ایک جھلک سے ر سوچے سمجھے متاثر ہو چکا تھا۔

......❁......

پنڈی' اسفند کو کبھی بھی ایک اچھا شہر نہیں لگا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شہر میں اس کا شناسا یا دوست کوئی ں تھا۔ اس روز سلمان اسے اپنی مرضی سے پنڈی لے آیا تھا' شاید اس کا خیال تھا کہ وہ اس کا دل یہاں آ کر بہلا لے گا۔

منی باجی' سلمان کی پھوپھو کی بیٹی تھیں' جن دنوں وہ لوگ ایچی سن میں پڑھتے تھے۔ منی باجی کے میاں وہاں ھاتے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ لوگ پنڈی شفٹ ہو چکے تھے۔ اسفند کو یاد تھا جب کبھی اسکول کے بعد شام کو وہ مان کے بابا کے ساتھ منی باجی سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے تو وہ کتنے پیار سے ان کی آؤ بھگت کرتی تھیں۔ فند کی اپنی کوئی بہن نہیں تھی۔ اس کی کزنز اس سے بڑی عمر کی تھیں' لیکن اس کی اور شہریار کی کبھی کسی اور کزن سے ام دعا سے آگے بے تکلفی والی صورتحال نہیں بن سکی تھی۔ لیکن منی باجی کی محبت اتنی بے ساختہ اور اپنائیت سے ر پور تھی کہ وہ دونوں ان کے گھر جانے کے خیال اور موقع پر ہمیشہ ہی بہت مسرور ہوا کرتے تھے۔

"مجھے تو کئی سال ہو گئے' منی باجی کو دیکھے۔" اس رات ان کے گھر کی طرف آتے ہوئے اسفند نے سلمان ے کہا۔ "نہ جانے انہیں میں یاد بھی ہوں کہ نہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے' اتنے سالوں میں وہ جب بھی ملیں' تم لوگوں کا ہمیشہ ہی پوچھتی رہیں۔" سلمان نے سنجیدگی ے کہا۔

"تم لوگوں۔" اسفند کی سوئی ایک مرتبہ پھر اس نکتے پر اٹک گئی۔ اور ایک انجانا خوف اس کے دل میں جاگنے

اب وہ منی باجی سے ملے گا' وہ شہری کی بات کریں گی' اظہار افسوس کریں گی' پرانے واقعات کو یاد کریں گی۔ ال وقت یہ ہوا' فلاں وقت اس نے یوں کہا۔ اسی قسم کی باتوں سے تو وہ گھبرا کر لاہور سے بھاگا تھا' اب پھر اسی قسم کی نمں' وہ گھبرا رہا تھا۔

مگر اس کی توقع کے برعکس منی باجی یوں ملیں جیسے اکثر ملتی رہی ہوں۔ اسفند نے ان کو عرصے بعد دیکھا تھا۔ نا کے بالوں ں میں کہیں کہیں گرے بال چمک رہے تھے۔ مگر ان کی شکل وصورت اور عادات میں کوئی خاص فرق یں آیا تھا۔ وہی کس کر جوڑے کی شکل میں باندھے گئے بال' وہی سادہ سے کپڑے' اور کلاسیکل رقص کی مشق کا عادی ہمارٹ تنا ہوا سراپا۔ ان کے گھر کی سجاوٹ ان کے اعلیٰ ذوق کی مظہر تھی۔ مختلف قسم کے مشہور مجسموں کے ریپلیکاز' شہور مصوروں کی پینٹنگز' کلاسیکل میوزک سے متعلق انسٹرومنٹ' کتابوں سے بھری شیلف اور الماریاں گھر کی معمولی ہا چیز خواہ کوئی نیچے بیٹھنے کی پیڑھی یا نیچی سی تپائی ہی کیوں نہ تھی۔ اس میں کلاسیکی مزاج کا رنگ نظر آتا تھا۔

منی باجی کے میاں فاروق بھائی ان کی نسبت زیادہ بڑے محسوس ہو رہے تھے۔ کالج میں وہ ان لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ اور گھر بھر کی الماریوں میں موجود اسی مضمون سے متعلق کتابیں' ریک میں رکھی سی ڈیز اور ڈھیر ڈاک ٹکٹس اور مختلف تاریخی ادوار کی تصاویر سے سجے فوٹو فریمز ان کے اسی ذوق کا مظہر تھے۔ منی باجی اور بھائی اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ مگر اس محرومی کو ان لوگوں نے اپنی زندگی کا روگ نہیں بنایا تھا۔ وہ لوگ اپنے کام میں بری طرح مصروف تھے' اور ایک متحرک' دلچسپ اور سادہ زندگی گزارے چلے جا رہے تھے۔

سلمان اور اسفند کی آمد پر انہوں نے تپاک سے ان کا استقبال کیا۔ منی باجی سب کام چھوڑے ان کی تواضع کے لیے مصروف تھیں۔ اگلی صبح ان کے جاگنے پر انہوں نے خود ان کے لیے نہایت عمدہ ناشتہ بنایا۔

''نو جیم ٹوسٹ' نو پورج۔'' صبح ان کے ڈائننگ ٹیبل پر آنے پر انہوں نے ہاتھ میں پکڑا چمچ لہرا کر کہا تھا پاکستانی۔''

پھر ان کے سامنے گھی میں گندھے آٹے کے بل دار پراٹھے' آملیٹ اور لسی رکھی گئی۔

''اچھا ہوتا ہے کبھی کبھار زندگی کے کسی پہلو سے متعلق بدیسی رنگ اپنانا' مگر بہرحال جو ہم نہیں وہ ہیں' اپنا اصل بالکل ہی چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔'' وہ برتن لگاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اب کوئی یہ نہیں کہے گا۔ ہائے منی باجی اتنا ہیوی ناشتہ یا پھر اف اتنا آئل وغیرہ۔'' ساتھ میں ان کی جاری تھی۔

''کھل کر کھاؤ' دل سے کھاؤ اور مت سوچو کہ ہائے آج اتنا ہیوی ناشتہ کرلیا۔ بھلے لنچ چھوڑ دو' رات کو کھا لو بھئی۔ کبھی تو ڈھنگ سے ناشتہ کرو۔''

اسفند کو یاد آیا۔ وہ ہمیشہ سے ایسی تھیں۔ شور ہنگامہ برپا کرنے والی۔ بلند آواز میں باتیں کرنے والی اور والی۔ پھر وہ اپنی روٹین اور خوراک کے بارے میں بتانے لگیں۔ اور ان کی اتنی دلچسپ باتیں سنتے ہوئے اسفند کو اندازہ نہیں ہوا کہ وہ ڈیڑھ پراٹھا کھا گیا تھا۔

''اب چائے ملائی والی یا بغیر ملائی کے؟'' پلیٹ اس کے سامنے سے اٹھاتے ہوئے وہ بولیں۔

''فارگاڈ سیک منی باجی!'' وہ بے اختیار ہنس دیا۔ لیکن پھر خود ہی اسے اپنی ہنسی کی آواز اجنبی سی لگی۔ وہ عر بعد بے اختیار ہنسا تھا۔ یہ اس کی اصل ہنسی تھی۔ کسی کا دل رکھنے کی خاطر ہنسنے والی کھوکھلی آواز نہیں تھی۔

اس کی اسی ہنسی کو سلمان نے بھی چونک کر سنا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر منی باجی ان کو اپنے جمع کردہ نوادر دکھاتی رہیں اور کلاسیکل رقص سے متعلق معلومات بھی دیتی رہیں۔ وہ رقص کی ایک چھوٹی سی اکیڈمی بھی چلا رہی اور محدود پیمانے پر ڈریس ڈیزائننگ بھی کرتی تھیں۔

''سب مصروف رہنے اور مصروف نظر آنے کے بہانے ہیں' ورنہ سوچا جائے تو اب میں کیوں جئے جا ہوں۔ کس کے لیے' میں نے جی کر کیا کرنا ہے۔''

مختلف چیزیں دکھاتے ہوئے ان کے منہ سے اچانک نکلا۔ اسفند نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اتنی زندہ ہنستی مسکراتی شخصیت کے منہ سے ایسی گفتگو اس کے لیے انتہائی حیرت کا باعث تھی۔

''بات یہ ہے اسفی!'' وہ بھی اس کی حیرت کو بھانپ گئی تھیں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ سامنے پھیلا کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک عمر ہوتی ہے' جذبات کی' سوچ کی' کچھ کرنے کے عزم کی' وہ عمر بھی ہم نے بھرپور طریقے سے گزا

تنا کچھ دیکھا' سمجھا' سیکھا اور ایکسپوز کیا کہ حد نہیں' پھر زندگی رفتہ رفتہ ایک ہی ڈھب اور روٹین پر آگئی۔ سوچا چلو ب ساکت جامد لگی بندھی زندگی گزاریں' مگر اب میں سوچتی ہوں کہ اب کرنے کو کیا رہ گیا ہے۔ سب کچھ تو کرلیا' ب کچھ تو دیکھ لیا۔ اب کیا کرنا ہے' کیا دیکھنا ہے۔''

اسفند پلکیں جھپکائے بغیر ساکت بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے دل میں وہ جانتا تھا کہ ان کی گفتگو اور ان کے محسوسات ایسے کیوں تھے وہ جانتا تھا کہ ان کو کس چیز کی کمی نے اس دوڑتی بھاگتی زندگی اور روٹین سے مایوس کردیا ہے۔

''مگر کرنے اور دیکھنے کو تو اب بھی بہت کچھ ہے منی باجی!'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''ہر آنے والا دن نئے تجربات' نئے رنگ ساتھ لے کر آتا ہے' عمر اور زندگی ختم ہو جاتی ہے' زندگی میں دیکھنے ر کرنے کے کام ختم نہیں ہوتے۔ میں آپ کی اس سوچ سے قطعی اتفاق نہیں کرتا۔''

''تم نے کہا کہ عمر اور زندگی ختم ہو جاتی ہے' مگر کام اور تجربات' رنگ اور روپ ختم نہیں ہوتے۔'' منی باجی نے ور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہی کہا نا تم نے''؟ پھر جیسے انہوں نے تائید چاہی۔

''تو پھر یہ تو طے ہے کہ کسی کی زندگی ختم ہو جانے پر دنیا ختم نہیں ہوتی۔ دنیا کے کاموں کا تسلسل جاری رہتا ہے' ر ایسا ہی ہے تو ہم لوگ اس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرلیتے؟ ہے نا اسفند! کیا ہم اپنی زندگیاں ضائع کررہے ہیں۔ ں' تم اور نجانے ہم جیسے کتنے اور۔'' افند نے گڑبڑا کر انہیں دیکھا۔ وہ براہ راست اس کو اور خود کو موضوع بنا رہی یں۔ پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ منی باجی نے یہ موضوع کیوں چھیڑا تھا۔ وہ بنا جتائے ان کی بات سمجھ رہا تھا۔ یہ تقریباً ی بات تھی جو اتنے عرصے سے اس سے متعلق ہر دوسرا شخص اسے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ترف ہوا۔ گزری رات سے اس دوپہر تک منی باجی نے اس سے شہریار کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ کوئی روایتی اظہار سوس بھی نہیں۔ مگر یہ بات جو انہوں نے چھیڑی تھی۔ کتنی خوبصورتی سے اس میں انہوں نے تلقین کا وہ پہلو ڈال دیا ا جس سے روایتی الفاظ میں شاید وہ چڑ کر ہتھے سے ہی اکھڑ جاتا تھا۔

''آئی کین ویل انڈر اسٹینڈ منی باجی تھینک یو۔'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ اور عرصے بعد اسے پہلی بار محسوس ہوا یسے اس کے سینے پر دھرا غم کا بھاری پتھر ذرا سا کھسک گیا تھا۔

وہ نم آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اب بھی انہوں نے اسے کوئی تسلی نہیں دی تھی اگرچہ وہ اس کے محسوسات و سمجھ رہی تھیں۔

''یہ نیچرل سی بات ہے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''آپ سمجھ رہی ہیں نا!''

''ہاں۔ میں سمجھ رہی ہوں۔'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''مگر اسفند Now I Think its enough (میرا خیال ہے اب بہت ہو گیا) اب تمہیں اس ذہنی یت اور تنہائی سے باہر نکل آنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت کی طرح عطا کردہ زندگی کے جو دن ہیں ان کو بت انداز میں گزارو۔ یقین جانو' یہ وقت بڑی نعمت ہے۔'' اسفند نے ان کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''یقیناً۔'' وہ بولا تھا۔

''ہیلو ینگ لیڈی اینڈ مینٹلی اولڈ جینٹلمین۔''

ان کی اس مختصر مگر گہری گفتگو کے ٹیمپو کو سلمان کی آواز نے توڑا جو ناشتے کے بعد سے کسی کام سے باہر گیا ہوا ا۔

''یہ دیکھو اسفی! میں تمہاری Straw hatوالی ایڈ مائرر کا ایک عدد فوٹوگراف لایا ہوں۔'' اس نے ایک کیا ہوا اخبار اس کے سامنے پھینکا۔ اخبار کی سامنے والی تہہ پر دودھ کے پیکٹ کو ہاتھ میں پکڑے کمرشل مسکراہٹ کے ساتھ وہی لڑکی موجود تھی جس کی تصویر وہ گزشتہ رات نیون سائن پر بھی دیکھ چکے تھے۔

''کون ہے بھئی؟'' منی باجی نے اسفند کے ہاتھ سے اخبار لیتے ہوئے کہا اور پھر جیسے کچھ چونکیں۔

''یہ محترمہ ادھر ہمارے نتھیا گلی اور گل خان کے نتھیا گلی میں اسفند کو دیکھ کر خوب ہی چونکیں۔ اب زیر بحث یہ ہے کہ کیوں؟'' سلمان نے ہنس کر کہا۔

''یہ تو......'' منی باجی کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

''آپ جانتی ہیں اسے؟'' اسفند نے پوچھا۔

''ہاں!'' وہ جیسے چونکیں ''نہیں۔'' انہوں نے اخبار ایک طرف ڈال دیا۔ ''شاید یہ ماڈل گرل ہے' آ بہت ان جا رہی ہے' اس سے زیادہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

''کچھ اس کے نام وام کا پتہ ہے' کیونکہ عرصہ ہوا' میں نے کبھی ٹی وی ڈرامہ یا فلم نہیں دیکھی۔'' سلمان اخبار اٹھا کر ایک بار پھر اس اشتہار کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''شاید اس کا نام سارہ ہے' سارہ شاہنواز!'' بے اختیار منی باجی کے منہ سے نکلا جس کے فوراً بعد اسفند کو خود کو ملامت کر رہی ہوں کہ انہوں نے اس کا نام کیوں بتایا۔

......❁......

فراز کو ''للی ڈی سوزا'' کی فیملی ہسٹری اتنی دلچسپ لگی تھی کہ اس نے اسے اگلے ہی دن اپنے چھوٹے اسٹوڈیو میں آنے کی دعوت دے دی تھی۔ یہ چھوٹا سا کمرہ اس کے اسٹوڈیو اور رہائشی کمرے دونوں کا کام دیتا تھا۔ آباد کے ایک چھوٹے سے گھر کے پچھواڑے میں بنا ہوا یہ کمرہ اس نے پچھلے کئی ماہ سے معمولی کرائے پر لے رکھا مالک مکان کسی صوبائی محکمے کا معمولی ملازم تھا۔ اور یہ کرائے کا کمرہ اس کی اضافی آمدنی کا کام دیتا تھا۔ فراز نکلتا اور رات گئے واپس آتا تھا۔ گھر کے پچھلی طرف اس کمرے میں آنے کے لیے ایک عقبی دروازہ تھا جس کی فراز کے پاس رہتی تھی۔ اس لیے اصل رہائشی مکان سے اس کا تعلق نہ ہونے کے برابر تھا۔ للی اس کے اس میں عقبی دروازے سے ہی آئی تھی۔ اس روز اس نے سرخ ٹائٹ ٹراؤزر پر کالا چست بلاؤز پہن رکھا تھا۔ اس ہونٹ اس روز بھی سرخ رنگ سے سجے تھے۔ اور اس نے ہائی پنسل ہیل کے کالے کورٹ شوز پہن رکھے تھے۔

''یقیناً کسی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔'' فراز نے دل میں قیافہ لگایا۔ اگرچہ للی ڈی سوزا ساتھ استعمال کردہ کسی تیز قسم کے پرفیوم کی خوشبو اسے کوئی خاص اچھی نہیں لگ رہی تھی مگر پھر بھی وہ اس کی شخص سے مرعوب ہو رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ ایسا اس کے مزاج کے خلاف ہو رہا تھا' مگر کیوں؟ وہ اس کی وجہ سمجھ نہیں پا رہا۔

''خالص قسم کے مصوروں کا سا رہن سہن ہے تمہارا۔'' للی نے اندر داخل ہو کر اسی چھوٹے سے کمرے کا جائزہ ہوئے کہا' جس کی ایک سائیڈ پر اک بستر بچھی چارپائی رکھی تھی' ایک پرانی میز' ایک سیٹ ادھڑی کرسی' چند برتن' رنگوں ڈبے' برش' ناتراشیدہ پتھر اور ان کے تراشنے کے اوزار' کچھ ادھورے کینوس' چند ادھوری ریلیفس اور کھونٹی پر لٹکے کپڑے۔

''دھیان سے بیٹھنا' اس کرسی کی ایک ٹانگ کمزور ہے۔'' فراز نے اسے بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے

''کوائٹ امیزنگ!'' للی ڈی سوزا نے اپنی اعلیٰ نسل دادی کی طرح ہونٹ بھینچ کر کہا۔

''شاید تمہیں یہ جگہ دیکھ کر مایوسی ہوئی ہو۔'' فراز نے بے نیازی سے جواب دیا۔ ''مگر غالباً تمہیں علم نہیں

ہیں ایک بالکل گمنام مصور ہوں' اور زیادہ تر ہورڈنگز پینٹ کرتا ہوں۔ دو سینما گھروں کے لیے ٹھیکے پر کام کرتا ہوں۔ وہ جسے حقیقی فن کہتے ہیں۔ اس میں میرا کام تمہیں یا تو اس کمرے کی چار دیواری کے اندر کھڑا نظر آئے گا یا پھر خالد صاحب کے اسٹوڈیو میں جنہوں نے ازراہ ہمدردی اپنے ہاں بیٹھ کر کام کرنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔''

وہ چائے کے ایک پیالے میں بن ڈبو کر کھا رہا تھا اور تکلفاً بھی اپنی اس مہمان کو دعوت نہیں دی تھی۔

''اوہ!'' للی نے مزید ہونٹ سکیڑے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے یہ ساری صورتحال پسند نہیں آ رہی تھی۔

''ویسے تم سے ملاقات کے بعد سے اب تک ایک خیال میرے ذہن میں آ رہا ہے۔'' اپنا ناشتہ ختم کرنے کے ند (جس کے دوران للی خاموشی سے اس کا مشاہدہ کرتی رہی تھی) اس نے کہا۔

''ہوں' بولو۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اگر تمہارے خاندان کی تاریخ اتنی رچ ہے تو کیوں نہ اسے دنیا کے سامنے ایکسپوز کیا جائے' ایک سیریل آف پینٹنگز کے ذریعے۔ یہ ایک نادر آئیڈیا ہوگا۔ تم یا تمہاری مدد کو تو اس ہسٹری کے سارے چیپٹر زیادہ ہوں گے نا۔ میرا خیال ہے کہ فیلڈ آف آرٹ کے جس معیار تک پہنچنے کو میرا دل چاہتا ہے وہاں تک شاید اس طرح میری رسائی ہو جائے۔''

''ہاں' بٹ۔'' للی کی زبان اس اچانک سامنے آنے والی صورتحال کے سبب لڑکھڑا سی گئی۔ ''لیکن میں نے تو م سے ملاقات کی ایک اور وجہ بتائی تھی۔''

''ہاں' ہاں!'' فراز نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

''وہ بھی کریں گے' اس کے ذریعے شاید تمہیں ناموری مل جائے اور اس طرح شاید مجھے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر......'' اب للی کو محسوس ہونے لگا تھا جیسے اپنی فیملی کے جھوٹے شاہی خاندان سے تعلق کا حوال سنا کر وہ خود اپنے ہی جال میں پھنس گئی تھی۔

''کیا پروف دوں گی میں اسے' کیسے ثابت کروں گی۔''

اس کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ کی خواری اور جدوجہد کے بعد اپنے تئیں ایک فول پروف منصوبے کے تحت وہ اس لڑکے تک پہنچی تھی جس کے بارے میں اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ اگرچہ رزق روزی کمانے کی خاطر کمرشل کام کرتا ہے مگر اس کے اندر ایک سچے آرٹسٹ کی روح ہے۔ اسے علم ہوا تھا کہ وہ بھی اس کی طرح کیریئر بنانے کے چکروں میں تھا۔

للی بچپن سے ہی ایک روش فل تھنگز مشہور تھی۔ اور اسی وش فل تھنکنگ کے تحت اس نے اس لڑکے تک رسائی حاصل کی تھی جس کے بارے میں اسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ خالد احمد اور سعید رضوی جیسے آرٹ کی دُنیا کے جانے پہچانے ناموں نے اس کے اندر کے خوبصورت فنکار کو کھوج لیا تھا اور وہ اسے ہر طرح سے آگے بڑھا رہے تھے۔ خالد احمد کے اسٹوڈیو میں وہ بلا روک ٹوک کام کرتا تھا اور سعید رضوی کی وساطت سے الحمرا میں کلاسز لے رہا تھا۔ اسے یہ بھی علم ہوا تھا کہ یہ دونوں اب اس کو اپنے ادھورے کینوس مکمل کر کے چھوٹی موٹی نمائش کرنے کو کہہ رہے تھے۔ مگر س کا اپنا خیال تھا کہ جب تک وہ کرے گا۔ للی ڈی سوزا اپنے تئیں اس کے اس شاہکار فن پارے کا ماڈل بننے اس تک پہنچی تھی۔ مگر اپنے تعارف اور اس کو راغب کرنے کے جنون میں اپنے خاندان کے حوالے سے جس مبالغے اور گپ بازی سے کام لیا تھا۔ اب وہی اس کے لیے مصیبت ثابت ہونے لگا تھا' پھر اچانک اس کی بھٹکتی سوچ کے سامنے جیسے کوئی کلید آ گئی۔ اور اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔

''ایسا ہے کہ تم کسی روز صبح کے وقت میرے ساتھ میرے گھر چلنا۔ میں تم کو اپنی گرینی سے ملواؤں گی۔ میری

ماما کو اور کزن لینا کو اپنے خاندان کی تشہیر قطعی پسند نہیں' لیکن میری گرینی تم کو سب کچھ تفصیل سے سنائیں گی۔ ساتھ میں تم ہمارا ہیرے کے موافق قیمتی خاندانی البم بھی دیکھنا۔ یقیناً اس سیریل آف پینٹنگو کے سلسلے میں وہ تمہاری مدد کرے گا' تم اس کو دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ کیسے کیسے لارڈز اور لیڈیز تمہیں اس میں اپنے شاہانہ بیک گراؤنڈ کے ساتھ نظر آئیں گے۔ اس کو تم دیکھو اور پھر آج ہمارا حال دیکھو تو شاید یقین ہی نہ کرو کہ ہم ان کی نسل سے ہیں۔"

اس نے کمال اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تاسف سے سر جھکا کر کہا۔

"یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے' میں بچپن سے ماسٹر ہدایت اللہ صاحب سے یہ بات سنتا چلا آیا ہوں کہ غدر کے بعد مغل بادشاہوں کی اولاد سڑکوں پر بھیک مانگتی نظر آتی تھی اور کئی بادشاہ زادے تو شام کے وقت کٹورا ہاتھ میں پکڑے گھروں کے دروازوں کی کنڈیاں کھٹکھٹاتے تھے رات کے کھانے کے لیے۔"

فراز نے لاپروائی سے کہا۔

"جب وقت یہاں کے ان بادشاہوں کی اولادوں کے ساتھ یہ سلوک کرسکتا ہے جنہوں نے صدیوں حکومت کی تو پھر تمہارے آباؤ اجداد تو یہاں چند روز کے مہمان حکمران تھے۔ یقیناً تمہارے کسی لارڈ قسم کے دادا یا نانا نے یہاں کی کسی نیٹو خاتون سے شادی کرلی ہوگی جب ہی ان کی نسل جن کی آگے سے تم اولاد ہو' یہاں فیملی ہسٹری کی خاک اڑانے کے لیے بیٹھی رہ گئی۔"

للّی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "یہ اتنا معصوم ہے نہیں جتنا نظر آتا ہے۔" اس نے سوچا مگر یہ بھی شکر ہے کہ بروقت عزت رہ گئی' ہر دوسرے دن گرینی کی جس گفتگو اور ہیرے کے موافق جس قیمتی البم پر ان سے چخ چخ ہوتی تھی وہی کام آئی۔

دوسری طرف فراز للّی سے ملاقات اور اس کے اپنے خاندان کے حوالے دینے پر اپنے ذہن میں در آنے والے یونیک آئیڈیے سے خوش تھا۔ اور دل میں سوچ رہا تھا۔

"انسانوں کو ایک دوسرے سے کسی نہ کسی غرض نے باندھ رکھا ہے۔ غرض نہ ہو تو شاید ہر انسان اپنے اپنے خول میں ایک تنہا زندگی گزارتا رہے' شاید ہم جیسے گنہگاروں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی غرض اور طلب کا رشتہ باندھ رکھا ہے۔ یہ نہ ہو تو ہم شاید خدا کو بالکل ہی بھلا ڈالیں۔ جب ہی تو ماسٹر ہدایت اللہ گوتم بدھ کی دھم پد سناتے تھے جو خواہش سے بے نیاز ہو جانے کی تلقین کرتا تھا۔

……۞……

۱۲ جولائی

ہیلو ڈیر ڈائری! آج پھر بہت دنوں کے بعد تم سے باتیں کرنے بیٹھا ہوں۔ پچھلے دنوں زندگی کچھ زیادہ ہی مصروف گزری۔ سارہ ناردرن ایریاز سے واپس آئی تو میں نے محسوس کیا جیسے وہ کافی سے زیادہ پژمردہ تھی۔ ایک عجیب سی ٹریجڈی یہ ہے ڈیر ڈائری کہ باوجود انتہائی بے تکلفی کے میرے اور سارہ کے درمیان ایک اچھی ذہنی ہم آہنگی کبھی قائم نہیں ہوسکی۔ اسی وجہ سے اس کے بارے سفر اور کام کی روئیداد تفصیل سے سننے کے باوجود چاہتے ہوئے بھی اس سے اس افسردگی کی وجہ نہیں پوچھ سکا۔

اگر سچ سمجھو ڈیر ڈائری! تو بات یہ ہے کہ میں خود بھی محسوس کرتا ہوں کہ سارہ ذہنی تنہائی کا شکار ہے۔ یقیناً وہ کوئی دانشور نہیں ہے کیونکہ عموماً دانش وروں کا طبقہ ہی ذہنی تنہائی کا شکار ہوا کرتا ہے مگر بچپن سے اب تک جس قسم کے حالات سے وہ گزری ہے' انہوں نے اسے اس ذہنی تنہائی کا شکار بنا دیا ہے۔ میں تو شاید اپنی زندگی کو اس نکتہ عروج تک

لانے کے لیے جس پر آج میں ہوں۔ جھوٹ' فریب' محنت اور جو بھی کہہ لو' میں لگا رہا۔ اپنے تئیں میں نے اسے بہت اچھی درسگاہوں میں پڑھایا۔ اچھی سوسائٹی میں پروان چڑھایا اور اس میں وہ تمام خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جو ایک تعلیم یافتہ' خوش باش اور ذہین نوجوان لڑکی میں ہونا چاہئیں مگر اس کا کیا کریں کہ وہ شاید اپنے اردگرد کے ماحول میں خود کو بے جگہ پاتی رہی۔ یقیناً وہ اب تک اس ماحول اور سہولتوں کی عادی ہو چکی ہے جو اسے بچپن سے لے کر اب تک میسر رہیں مگر کبھی' کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ بیزار ہے' ذہنی الجھن کا شکار ہے۔ اب تو مجھے ایسے بھی لگتا ہے کہ جیسے وہ اپنی اس فیلڈ سے جو سراسر اس کی اپنی چوائس ہے' بیزار سی ہو رہی ہے۔ حالانکہ اس نے اس میدان میں آنے کے لیے باقاعدہ آرٹ آف ماڈلنگ کے کورسز کیے' خود کو گروم کیا اور اوپر جانے کے زینے کو قدم قدم کر کے طے کیا ہے۔

مگر اب صورت حال بالکل مختلف نظر آتی ہے اور یہ صورت حال میرے لیے خاصی پریشانی کا باعث بن رہی ہے۔

اب پرسوں ہی کی تو بات ہے جب "ایڈ آن" والے صدیقی صاحب نے اسے اپنے ہاں بلایا' کسی نئے آئیڈیا کو ڈسکس کرنے تو اس نے صاف انکار کردیا۔ صابن کے انٹرنیشنل میک کی کمپنی جو اپنے سلیکشن میں انتہائی محتاط مشہور ہے' نے جب اس سے رابطہ کیا تو صاف انکار کردیا باوجود اس کے کہ آفر انتہائی پرکشش تھی اور اس ایڈ میں کام کرنا اس کے لیے ایک اعزاز بھی ہوتا۔ میں اس کے سارے عمل کو آبزرو کررہا ہوں ڈیر ڈائری! اور زندگی میں غالباً پہلی مرتبہ مجھ پر مکمل باپ پنا طاری ہو چکا ہے۔ میں اس سے بے تکلف ہوں مگر اس کا دوست نہیں' نہ ہی وہ ایک حد سے زیادہ مجھ سے گفتگو کرنے کی عادی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ڈیر ڈائری کہ کیسے کھوج لگاؤں اس کی اس بیزاری اور جمود کا۔

عجیب سی بات ہے ڈیر ڈائری! کہ اس موقع پر بھی ماسٹر ہدایت اللہ کی ایک بات خوب یاد آئی۔ ایک بار جب مجھ پر بھی ایسی بیزاری کی کیفیت طاری ہوئی تو حقے کی گڑگڑ کے دوران باباجی فرمانے لگے۔

"اوئے شاہو! کبھی دماغ میں کوئی ڈھنگ کی بات سوچ اور دل میں کوئی نیک ارادہ باندھ تو دل کو سکون ملے نا۔ یہ جو بیزاری ہے اور یہ جو پریشانی کا احساس ہے نا' یہ تیری اپنی کرنیوں کے کارن ہے۔ بہتیرا میں نے چاہا کہ تجھے نیک مت دے کر ہدایت والوں کے راستے پر چلاؤں۔ پیر تیرا بدمسلک دل اور تیرے اندر کا شیطان، دونوں نے تجھے ہدایت کا دامن نہیں پکڑنے دینا۔ پوری طرح بے ہدایتا بنا کر چھوڑنا ہے۔ اوئے باز آ جا' اوئے باز آ جا۔"

مزید عجیب بات یہ ہے ڈیر ڈائری! کہ یہ بات یاد کرتے ہوئے میری آنکھیں نم سی ہونے لگی ہیں۔ لو اب کانوں میں بابے ہدایت اللہ کی آواز پھر گونجنے لگی ہے۔

ہاتھ آتا ہے اس کا مشکل
ہے رفتار میں تیز بہت دل
حرکت ہوتی ہی رہتی ہے
دنیا ہرجائی کہتی ہے
دل بس میں آ جائے تو اچھا
اس پہ بشر چھا جائے تو اچھا
غم سے فراغت مل جاتی ہے
چین کی دولت مل جاتی ہے

اتنے سالوں کی تگ ودو میں بہت کوشش کی ڈیر ڈائری! نہ تو غم سے فراغت ملی نہ ہی چین کی دولت ہاتھ آئی۔ گو بظاہر بہت عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں' ہم نے شہرت کمائی' نام بنایا۔ اس نام بنانے کی خاطر گھر بار چھوڑا'

اپنا پس منظر چھوڑا۔ ماسٹر ہدایت اللہ کا ''بے ہدایتا شاگرد'' کہلایا۔ دولت کمائی' گھر بنایا۔ ایک چھوڑ دو دو ناکام شادیاں کیں۔ دسیوں ناکام افیئرز چلائے (جن میں سے کئی ایک کا مقصد اپنا الوسیدھا کرنا اور اپنی سوچی ہوئی منزل تک کم سے کم وقت میں پہنچنا تھا۔ آج اس نام کو جو اس گھر کے باہر نیم پلیٹ پر لکھا ہے' دنیا فن کی دُنیا میں اتھارٹی اور اپنی ذات میں اکیڈمی کا درجہ دیتی ہے مگر کیا کروں کہ غم سے فراغت ملنے اور چین کی دولت کے حاصل ہو جانے کا احساس آج تک دل میں نہ اتر سکا۔ واٹ اے ٹریجڈی۔ میں اپنی وجہ سے بہت شرمندہ ہوں۔

کیا خیال ہے ڈیر ڈائری! میں کچھ ڈی ٹریکڈ نہیں ہو رہا۔ یقیناً......اور ایسا اس روز سے ہی ہے جب مجھے وہ نوجوان کمرشل آرٹسٹ ملا تھا۔ الحمرا کے لیکچر کے دوران جس کی ساری کی ساری گفتگو میں ماسٹر ہدایت اللہ بول رہا تھا۔ شاید اس کے گاؤں جس کا نام اس نے ''ورسا لکے'' بتایا تھا۔ میں بھی کوئی ہدایت یافتہ ہدایت اللہ رہتا ہے جو اس سے اس قسم کی باتیں کرتا ہے' ورنہ قسم ہے پیدا کرنے والے کی' اس کی گفتگو سن کر تو میں ایک دومنٹ کے لیے ٹھیک ٹھاک ہل گیا تھا۔ اگر نکلتا وہ ماسٹر ہدایت اللہ کا کوئی ڈی سائیپل (چیلا) اور بتا تا واپس جا کر ''کمال پور'' کہ ماسٹر ہدایت اللہ صاحب میں آپ کے بے ہدایتے شاگرد سے مل کر آیا ہوں جو لاہور میں یہ......وہ شہرت رکھتا ہے' میدان مصوری و مجسمہ سازی و فلاں فلاں میں تو......ایک لمحہ کو تو میں اب بھی لرز گیا ہوں۔

ڈیر ڈائری!

خیر وہ نوجوان جو کوئی بھی تھا' مجھے نہ جانے کیوں اس میں اپنے ماضی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ اس عمر میں' میں بھی تو یوں ہی دھکے کھاتا پھر رہا تھا پھر میں نے سوچا کہ اپنا گرائیں گہے' گاؤں نہ سہی ضلع تو ایک ہی ہے نا' کچھ مدد امداد کروں گا اس کی۔ گو لگاؤں گا تو اسے وہ شکلیں بنانے اور مورتیاں بنانے پر جو ماسٹر ہدایت اللہ کی سوچ کے مطابق خدائی وصف میں دخل اندازی ہے۔ پر نہ جانے کیوں اس روز سے میرا دل نہیں مان رہا کہ عدم رہنمائی کے سبب زندگی کی اس ہچکولے کھاتی کشتی میں اس لڑکے کو لڑھکتے لڑھکاتے ایک کروک' کمینہ' خود غرض' موقع پرست مگر بظاہر کامیاب انسان بننے کے لیے یوں ہی چھوڑ دوں۔ اسے اپنا کارڈ دے آیا تھا۔ شاید وہ رابطہ کرے اور اس تیرہ باطن کے ہاتھ سے کوئی ایسی نیکی سرزد ہو جائے کہ کبھی غم سے فراغت اور چین کی دولت کے حصول کا ایک لمحہ کہیں سے اس زندگی میں اتر آئے۔''

......❁......

''ایدر دیکو' ایدر امار گرینڈ فادر کھڑا۔ ماس اٹینڈ کرنا واسطے جاتے ہوئے۔ اس منتھلی گرینڈ ماس میں رولنگ ایمپائر سے ری لیٹڈ تمام ہائی آفیسر لوگ شرکت کرتا تھا۔''

للّی ڈی سوزا کی گرینی' فراز کو ریَل ڈائمنڈز موافق قیمتی پھوٹو البم دکھاتے ہوئے بتا رہی تھیں اور فراز انتہائی دلچسپی سے کبھی اس انتہائی چارمنگ یورپین نین نقش والی بڑھیا کو دیکھتا اور کبھی البم میں لگی شکلوں کو۔ اس نے گرینڈ ماس میں شرکت کے لیے جانے والے دادا جان پر نظر ڈالی۔ تھری پیس بلیک سوٹ' گلے میں بلیک بو' تنگ ٹو کے چمکتے بلیک شوز' گولڈن بال اور سفید رنگت' بلیک اینڈ وائٹ مدھم سی تصویر میں بھی نظر آ رہے تھے۔

اور یہ امارا فرسٹ کزن سیلیا وڈ ادھر لنڈن میں یہ اتنا بڑا کاسل ہے اس کا اپنا مگر یو نو ویلتھ کا گرور (غرور) ادھر کھوپڑی میں چڑھ گیا۔ ملنے ملانے کا واسطے بات نہیں کرتا۔''

ایک اور تصویر میں ایک انتہائی خوش رو انگریز خاتون لانگ اسکرٹ سفید جھالردار بلاؤز میں بڑی ادا کے ساتھ نازک کاؤچ کے بازو پر ہاتھ دھرے دل نشین انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''آنٹ ہے۔ امار الیڈی برنٹ وڈ' ایلڈر آنٹ' لیڈی برنٹ وڈ اور ینگر آنٹ لیڈی ماریا وڈ۔'' گرینی نے

صفحہ پلٹا اور عینک کے اندر سے غور سے جھانکا۔ ایک شوخ و شنگ حسینہ سلیولیس بلاؤز اور منی اسکرٹ میں بالوں میں پھول سجائے پیشانی پر مصنوعی کلرز گرائے یقیناً انتہائی ڈارک میک اپ جو بلیک اینڈ وائٹ تصویر میں بھی نظر آ رہا تھا' انتہائی چھچھورے انداز میں مسکراہٹ کیمرے کی طرف پھینک رہی تھی اور ہرگز کوئی لیڈی قسم کی چیز نہیں لگ رہی تھی۔

''یہ کن لارڈ کی زوجہ محترمہ تھیں؟''

فراز نے قریب بیٹھی للّی ڈی سوزا سے پوچھا جو اس کے اس گھر میں آنے اور گرینی سے تعارف کروانے کے بعد سے اب تک خاصی بے نیاز نظر آ رہی تھی۔

''گرینی سے پوچھو' مجھے یہ ہسٹری اتنی تفصیل سے یاد نہیں۔'' اس نے اب کے بھی بے نیازی سے جواب دیا۔

''گرینی! یہ لیڈی!'' فراز نے اس شوخ حسینہ کی انتہائی باریک بھنوؤں اور تراشیدہ بالوں کو دیکھتے ہوئے دہرایا۔

''لیڈی ماریا وڈ' امارا آنٹ۔'' گرینی نے آہ بھر کر کہا۔ ''بہت ینگ اتج میں رائیڈنگ کرتے ہوئے گھوڑے سے گرا اور زخمی ہوا۔ اس زمانہ کا سب رائل ڈاکٹرز نے ٹریٹمنٹ کیا مگر پورا ٹانگ میں چوٹ کا وجہ سے انفیکشن ہو گیا۔ اونلی ایٹ دی اتج آف ٹونٹی ون شی پاسٹ اوے۔ (صرف اکیس سال کی عمر میں یہ فوت ہوگئی)''

''اوہ......آئی ایم ساری۔'' فراز کو اس تیز طرار حسینہ کی اتنی کم عمری میں موت کا سن کر دلی دکھ ہوا۔ اس نے للّی کی طرف دیکھا' اسے محسوس ہوا کہ وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔

''مگر گرینی! ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' قیمتی البم کو بند کرتے ہوئے قرار نے بے تکلفی سے پوچھا ''یہ سب لارڈز اینڈ لیڈیز اور آپ۔''

''بس ینگ بوائے! تم کو شاید دیر سے سمجھ آئے۔ یہ دنیا ایک مسٹری ہے اور امارا سارا ایکشن ایکدم ڈارکینس (اندھیرے) میں ہاتھ پاؤں مارنے کا موافق ہے۔ ام کچھ نہیں جانتا ہے' اونلی گاڈ سب جاننا والا ہے۔ ایدر ہمارا فادر رائل آرمی کا کرنل کمانڈنٹ بن کر آیا۔ لاہور کینٹ میں ام' امار ابردار' امار اینگر سٹر اور امار امدر سب ساتھ آیا۔ ایدر ام کو نونٹ میں پڑھنا واسطے مری ہلز بھجوانے کا تیار ہو رہا تھا۔ ادھر وہ ناس پیٹا راسکل ڈیوڈ ڈی سواز جس کا سب اینسٹرز (آباؤ اجداد) پورچوگیز انویڈرز (پرتگالی حملہ آوروں) کے ساتھ سب کون ٹینٹ (برصغیر) میں آیا۔ پہلے سری لنکا اور پھر ادھر انڈیا میں سیٹل ہوا۔ ام سے آن ملا۔ وہ ایسا ٹینڈر ایج تھا۔ سب فادر' مدر' برادر بھول گیا۔ ایسا اس نے ام کو چارم کیا۔ ون نائٹ سب ہائی لائف شائف چھوڑ اس کے ساتھ گھر سے اسکیپ۔ اس کا باد دنیا سے اسکیپ مارنے کو دل چاہتا رہا۔''

''اوہ......ویری سیڈ۔'' فراز کو کہانی کے اس موڑ پر یقیناً بہت دکھ ہوا۔ ''آپ کی فیملی نے پھر آپ سے رابطہ نہیں کیا؟''

''کیا' بوت کیا۔'' گرینی نے اپنا جمپر سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

''بوت امارے کو امار امدر' سسٹر بلاتا رہا۔ بوت بولا۔ ایلس! تم لائف کا ہارڈ شپ کا عادی نہیں اے' تم ایکدم کھتم ہو جائے گا اس اسٹرگل میں مگر ڈیوڈ ڈی سواز کا لو اس وقت ام کو اس ورلڈ کا سب سے بڑا ٹروتھ معلوم ہوتا تھا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' فراز نے اشتیاق سے پوچھا۔

''پھر ادھر انڈپینڈنس اناؤنس ہوا۔ ادھر امارا فیملی واپس لنڈن ریٹرن۔ اس وقت بھی امار اسسٹر ام کو بوت بولا۔ ایلس بے بی کم آن ناؤ۔ اپنا مگج (مغز) ٹھیک کر کے امارا ساتھ چلنا کا تیاری کرو مگر ام نہیں مانا۔ ام پر رومانس کا بھوت جو چڑھا تھا۔''

''پھر اس کے بعد کیا ہوا۔'' فراز کا اشتیاق دیدنی تھا۔

"اس کے بعد کیا ہونا تھا۔ ایڈرامارا ایلڈرسن اس دنیا میں آیا اور ڈیوڈ ڈی سوزا جاب سے خلاص۔"

"جاب کیا تھی ان کی؟"

"میونسپل کارپورین کے ایمپلائیڈ سوپرز کے ہیڈ۔" اب کے للی نے لب کشائی کی اور فراز نے محسوس کیا کہ اس کے لہجے میں حد سے زیادہ تلخی تھی۔

"اس پیریڈ آف ٹائم میں یہ بڑا جاب کنسیڈر (جانا) کیا جاتا تھا۔ لاٹ صاحب کا بچی۔" گرینی کو ٹون ایک دم بدل گئی اور وہ چلا کر بولیں۔

"نوکری جانے کے بعد کیا ہوا؟" فراز نے فساد کے اندیشے کو ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

"اس کا بعد ڈیوڈ کراچی چلا گیا' شِپ پر جاب کرنا واسطے۔ یونو ڈی سوزا بریڈ ادھر پور چوگال (پرتگال) میں بھی موسٹلی سیلرز کا جاب کرتا تھا۔"

ادھر ام اس کو کون سا گاربیج ہیپ Garbage Heap) پر پھینکے گا۔ ام بولا۔

جی چی (چھی چھی) جان تم اپنا ڈاٹر کو گاربیج پر پھینکے گا ہیل ود یو اینڈ یور سینٹیلی ارنڈ برٹش نیشنلٹی ام اس انوسنٹ اَنجل کا خود بروٹ اپ Brought up کرلے گا۔ ان فورچونیٹ جان للی لینا کو ہینڈ اوور کرنے کے بعد جب لنڈن ریٹرن ہوا تو روڈ ایکسیڈنٹ میں ایٹ دی سپاٹ خلاص۔"

"یہ غالباً تیسرا خلاص ہے یا شاید چوتھا۔" فراز نے دل ہی دل میں جمع تقسیم کرنے کی کوشش کی۔

"ہول لائف ٹریجڈی بن گیا' جب ای تو ام بولتا او للی گاڈ سب جانتا والا اے' ام ہیومن بینگ تو بڑا امیزریبل لاٹ اے۔"

گرینی نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اب سوچو کبھی ہمارا گرینڈ فادر لارڈ ولیم وڈ نے کبھی سپوز کیا ہوگا کہ اس کا نیکسٹ جنریشن اتنا پیتھیٹک (Pathetic) لائف لیڈ کرے گا۔"

دفعتہً گرینی کو محسوس ہوا کہ وہ جوش جذبات میں کچھ زیادہ ہی حقیقت بیان کرنے لگی تھیں سو سنبھلتے ہوئے قیمتی البم کا وہ لیف کھول لیا جس میں ان کے گرینڈ فادر بلیک تھری پیش سوٹ پہنے ہاتھ میں ہیٹ پکڑے اس منتقلی گرینڈ ماس میں شرکت کرنے جا رہے تھے جس میں رولنگ برٹش ایمپائر کے اہم آفیسر شرکت کرتے تھے۔

اس روز للی ڈی سوزا کے گھر سے رخصت ہوتے ہوئے فراز کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے کوئی بہت بڑا ٹارگٹ حاصل کرنے کی سیڑھی کے پہلے ڈنڈے پر پاؤں رکھ دیا ہو۔ وہ ضلع سیالکوٹ کے ایک قدرے پس ماندہ گاؤں کمال پور کا رہائشی تھا جو گریجویشن کر لینے کے باوجود ابھی تک اتنا سیدھا سادا تھا کہ اس ڈی سوزا فیملی کے نین نقش اور گھڑی گھڑائی رائل ہسٹری اس کو مرعوب کرنے کے لیے کافی تھی۔

اپنے تئیں اس نے ایک مخفی تاریخ کھوج نکالی تھی۔

دوسری طرف للی ڈی سوزا اپنی اسکیم اور پلان کے پہلے مرحلے کی کامیابی پر پھولے نہیں سما رہی تھی۔ اس نے گرینی کی خود ساختہ دنیا اور تاریخ سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ اس کی خوابوں کو دنیا کی باسی گرینی نے فراز کو مرعوب کر لیا تھا۔ اور گرینی' فراز کے جانے کے بعد سے شام گئے تک للی کو فاتحانہ نظروں سے دیکھتی رہی تھیں جیسے اس سے کہہ رہی ہوں۔

"دیکھا یہ وہی رئیل ڈائمنڈز کے موافق فوٹو البم ہے جس کے متعلق تم کہتی تھیں اس کی تاریخ لکھنے کون آئے گا۔"

سب اپنے اپنے دائرے میں کسی فتح کے نشے میں مبتلا تھے۔

......❁......

میز پر رکھا موبائل کب سے بج رہا تھا اور وہ سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھے اسے غور سے دیکھے جا رہے تھے۔ مگر اسے آن کرنے اور سننے کا قطعی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ انہیں خود بھی محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے اعصاب پر موبائل کی بپ کا یہ ردعمل غالب آتا جا رہا ہے اور ایسا کب سے شروع ہوا انہیں اچھی طرح یاد تھا۔

یہ ڈھائی پونے تین ماہ پہلے کی ہی تو بات تھی جب وہ اپنے آفس کی ایک اہم میٹنگ کی صدارت کے بعد چند فیصلے سنا چکے تھے جب موبائل کی بپ کے نتیجے میں ہونے والی گفتگو نے زندگی میں پہلی مرتبہ انہیں پیروں سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ فون کرنے والا نہ جانے کون تھا مگر اس کی آواز اس کا لہجہ اور اس کا دیا پیغام ان کے کانوں میں اب تک باز گشت کرتا تھا۔

"آفتاب صاحب! آپ کے بیٹے شہریار محمد کو شدید حادثہ پیش آ گیا ہے اینڈ ہی از نو مور' ہی از ڈیڈ۔"

اس پیغام نے ان کی سماعتوں کو چند لمحوں کے لیے ختم کر دیا تھا اور ان کا ذہن الفاظ کو ناپ تول کر دوبارہ دہرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ایٹ دی سپاٹ ہی فیل سائیلنٹ"! انہیں دوسرا پیغام بھی اسی موبائل پر ملا تھا۔

اور تب سے اب تک ان کے دل و دماغ پر جو گزری تھی سو گزری تھی مگر ایک چیز جو نمایاں طور پر انہوں نے اپنی شخصیت میں تبدیلی کے طور پر محسوس کی وہ تھی کہ موبائل کی بپ انہیں کسی انجانے خوف میں مبتلا کر دیتی تھی' ان کے دل و دماغ میں عجیب سی لرزش شروع ہو جاتی تھی۔ ان کے ہاتھ کپکپانے لگتے تھے اور وہ چاہنے کے باوجود اپنی اس کیفیت پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔ انہوں نے اس عرصے میں تین موبائل بدلے تھے مختلف ٹونز بدلی تھیں مگر ان کی یہ کیفیت پھر بھی نہیں بدلی تھی۔

اس وقت بھی انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے اس رنگ ٹون نے انہیں ساکت کر دیا تھا۔ ان کے اعصاب سن ہو چکے تھے۔ ان کے کالر نے غالباً مایوس ہو کر رنگ کرنا بند کر دیا تھا مگر انہیں اب بھی ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے سامنے دھرے موبائل سے آواز آ رہی ہو۔

"شہری مر گیا۔"

ان کے دماغ میں مختلف آوازیں گونجنے لگیں۔

''اوہ ویری سیڈ۔''

''واٹ اے ٹریجڈی۔''

''مجھے یقین نہیں آتا وہ اتنا خوب صورت گرم جوش خوش باش لڑکا ہم سے اتنی دور چلا گیا۔''

''وہ تو زندگی سے اتنا بھرپور تھا موت کو اس پر رحم نہیں آیا۔''

''آئی ایم ساری آفتاب صاحب!''

''میں آپ کو کن الفاظ میں تسلی دوں؟''

''مجھے علم ہے کہ آپ کا غم بہت بڑا ہے' مگر اس کو سہنا پڑے گا۔''

''آفی! شہری مجھے بھی اپنے بیٹوں کی طرح عزیز تھا' میرے لیے مانی اور شہری میں کوئی فرق نہیں تھا' میرا تو دل پھٹ رہا ہے۔''

''آفتاب صاحب! یہ یقیناً ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔''

گھبرا کر انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبالیا۔

یہ وہ آوازیں اور پیغام تھے جو وہ کتنے دنوں سے سن رہے تھے۔ ان کے گھر پر افسوس کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا تھا۔ ان کے بزنس یونٹس پر یہ حادثہ کئی ہفتوں تک چھایا رہا تھا۔ چیمبر آف کامرس کی تعزیتی قرارداد' بزنس کمیونٹی کے ریزولوشنز' ملنے ملانے والوں کے ای میل' فون...... کیا کچھ نہ ہوا تھا۔ مگر جانے والا جا چکا تھا۔ اس کے لیے یہ پیغام بے معنی تھے۔

اسے جا کر کون بتاتا کہ دیکھو تم کتنے اہم تھے' تم کتنے لوگوں کو کتنے عزیز تھے' تم سے کون کتنا پیار کرتا تھا۔ دیکھو اپنی موت کا ردعمل دیکھو۔ یہ بین یہ آہ و بکا سنو' یہ تمہارے لیے ہے' یہ التجائیں تمہیں واپس بلا لانے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ کیا تم کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے کچھ بھی نہیں سن سکتے۔

انہوں نے عینک آنکھوں سے اتار کر اپنی نم آنکھیں خشک کیں۔

''اور میں۔'' انہوں نے اپنی ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگالی' ''میں جس کے لیے تم کہتے تھے کہ آپ کے سینے میں دل نہیں بلکہ سائنس کیلکولیٹ کرنے والا ایک مکینیکل آلہ لگا ہوا ہے' ہی تو اس میں نہ احساس ہے نہ جذبات۔

مجھے علم نہیں کہ جب لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں تو ان کے ساتھ جن کو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں ان کا کتنا تعلق باقی رہ جاتا ہے۔ وہ ان کے محسوسات کو جذبات کو محسوس کر سکتے ہیں یا نہیں۔

وہ ان کے دکھ کو ان کے غم کو ان کی خوشیوں کو محسوس کر سکتے ہیں۔ یا نہیں مجھے علم نہیں شہری! کہ تم نے اس آلے کو جو سائنس کیلکولیٹ کرنے کے لیے میرے اندر لگا تھا۔ ایک جیتے جاگتے دل میں تبدیل ہوتے محسوس کیا یا نہیں مگر مجھے تو یہ علم ہے کہ جب سے تم گئے ہو اس عضو پر جسے لوگ دل کہتے ہیں زخم ابھر آئے ہیں' اور ان زخموں سے ہر دم خون رستا رہتا ہے۔ میری آنکھیں خشک رہتی ہیں شہری! میں اپنے کاموں میں اسی طرح مصروف ہوں جیسے پہلے تھا' میرا گفتگو میرا کاروبار سب ویسے ہی چل رہا ہے جیسے پہلے چلتا تھا مگر میری جان! میرے شہزادے میرا دل روتا رہتا ہے۔ میرا دل کسی بات میں نہیں لگتا مگر مجھے لگانا پڑتا ہے۔ میرا ذہن ہر دم تمہارے بارے میں سوچنا چاہتا ہے مگر مجھے نہ جانے کیا کچھ اور سوچنا پڑتا ہے۔

کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے جیسے تم ایک دم کہیں سے آ نکلو گے اور کہو گے۔ ڈیڈی! یہ ہی تو میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ چیز جو آپ کے سینے میں دھڑکتی ہے واقعی کوئی مکینیکل آلہ ہے یا سچ مچ کا دل ہے۔''

پھر ان کے احاطہ تصور میں ایک شبیہہ ابھری۔ یہ شبیہہ ایک ہنستے مسکراتے خوش شکل نوجوان کی تھی۔ دھیمے لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے' زیر لب مسکراتے ہوئے' اپنے کام میں مگن و مصروف۔۔۔

''ٹھیک ہے' بالکل ٹھیک ہے۔'' انہوں نے اپنے دل میں سوچا۔ ''میرے جیسے انسان کے ساتھ یہ ہی ہونا چاہیے' ایک عمر میں نے ان دونوں کی ذہنی و نفسیاتی ضرورتوں سے غافل گزاری' میرے ہاتھ ایک بار جو لکشمی لگی تو پھر میں نے اس کے چار آٹھ' دس بنانے کے جنون میں پیچھے مڑ کر دیکھا' نہ ہی اپنے ارد گرد' نہ کبھی یہ سوچا کہ میری بیوی' میری عمر بھر کی ساتھی کے چہرے پر تو خوشی اور آسودگی کا جو تاثر ابھرا تھا وہ اس لیے ہے کہ اس کے لیے یہ اسٹیٹس' یہ تام جھام ہی سب کچھ تھا' اس کی تو سوچ ہی اتنی تھی' اس سے آگے یا اس کے علاوہ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں نہ وہ سوچ سکتی تھی' مگر میری زندگی سے منسلک وہ دو بچے جن کی سوچ اور سمجھ کو نئی زندگی کے زیر سایہ پروان چڑھایا گیا تھا' ان کے لئے یہ سب کچھ ہی کافی نہیں تھا' انہیں اور بھی کسی چیز کی ضرورت تھی' جو میں انہیں نہیں دے پایا۔ میں نے انہیں بھی مکینیکل پرزوں والی مشینری بنا دینا چاہا جو وہ ناقابل یقین سی بات ہے کہ نہیں بنے۔ ان کی سوچ' ان کے مزاج ان کی پسند ناپسند میل ملاقات' گفتگو رکھ رکھاؤ سب مجھ سے اور اپنی ماں سے بالکل مختلف رہا' مگر ایک دوسرے سے جوان کی ذہنی ہم آہنگی تھی وہ شاید ہی کہیں کسی اور میں پائی جاتی ہو۔

پھر جیسے انہیں کچھ یاد آ گیا۔ وہی موبائل جس سے وہ خائف تھے ہاتھ میں لے کر انہوں نے مطلوبہ نمبر دبائے۔ دوسری رنگ پر کسی نے ان کی کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو سلمان! کیسے ہو بیٹے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''میں نے تمہیں اس لیے کال کیا تھا تاکہ معلوم کروں' اب صورت حال کیا ہے۔''

''دیکھو میں چاہتا ہوں سلمان! کہ اب وہ اس کنڈیشن سے نکل آئے' یہاں اتنے بکھیڑے ہیں کہ ایک میرے اکیلے سے سنبھالنا مشکل ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ جب یہ دونوں پڑھ رہے تھے تب بھی تو میں اکیلا ہی سنبھالتا تھا مگر تب شہری میرے ساتھ تھا' اور خود اس نے کام میں نت نئے تجربے کر کے بے شمار نئے بکھیڑے شروع کر رکھے تھے ان کو تو میں ہینڈل نہیں کر سکتا' اسفی کو اب یہ رونا دھونا ختم کر کے کام کی طرف لوٹنا چاہیے۔ یہ اس کو کسی طرح سمجھاؤ۔'' انہوں نے درشت لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

دوسری طرف سلمان فون ہاتھ میں پکڑے سوچ رہا تھا۔

''شہری! تم ٹھیک کہتے تھے' تمہارے ڈیڈی کے سینے کے اندر جو چیز دھڑکتی ہے وہ دل نہیں ہے' کوئی مشینی آلہ ہے۔''

وہ ایک چھوٹا سا محلہ تھا۔ جس میں تقریباً سارے گھر ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ گزشتہ شام کو بارش نے تنگ گلی کی نالیاں بھر رکھی تھیں اور جگہ جگہ رکاوٹ ہونے کی وجہ سے ان کا گندا پانی باہر کو ابل رہا تھا۔ گلی اس گندے پانی کے کیچڑ سے بھری ہوئی تھی۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یہاں کبھی نہ آتی۔ مگر اب یہاں آنا اس کی مجبوری تھی۔ اسی گلی میں بھاگتے پھرتے' کیچڑ اڑاتے چند بچوں نے کئی بار رک کر تجسس سے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو سرخ پھولوں والی زرد سلیولیس شرٹ اور

سرخ شلوار میں ملبوس تھی۔ اور جس نے آنکھوں پر سن گلاسز لگا رکھے تھے اور جس نے آدھا چہرہ شیفون کے دو۔ میں چھپا رکھا تھا۔ اپنی شلوار کو ٹخنوں سے اوپر اٹھائے وہ خود کو حتی الوسع کیچڑ سے بچاتی اپنے مطلوبہ مکان کی طرف رہی تھی۔ وہ اس سبز رنگ اڑے لکڑی کے دروازے والے مکان کے آگے جا کر رک گئی۔ اور باہر گھنٹی کے بٹن کو دبا

تین چار بار دبانے کے بعد بھی اندر سے کوئی باہر نہیں آیا۔ پھر اس نے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ تقریباً ساتھ منٹ کے انتظار کے بعد اندر سے کسی کی آمد ہوئی۔ اور وہ دروازہ کھل گیا۔ اندر نیم تاریک ڈیوڑھی میں ا قدرے فربہ عورت بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔

''اوہ آپ۔'' اس نے اپنی مہمان کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ ''آئیں' آئیں'' اس نے دروازہ مزید وا کر

''دراصل بارش کی وجہ سے کل رات سے بجلی خراب ہے' ہمارا ٹرانسفارمر ہی اڑ گیا' بس جی کیا کریں یہاں کے یہ عذاب ہیں دو قطرے پانی کے پڑ جائیں گلی میں کیچڑ الگ ٹرانسفارمر اڑ گیا۔ بڑے زور کی آواز آئی تھی ٹھاہ کر کے وہ بلا تکان بولے جا رہی تھی۔

''اسی وجہ سے تو میں نے بیل کی آواز نہیں سنی' میں پیچھے صحن میں کپڑے دھو رہی تھی' پتا ہی نہیں چلا' دروازے بجنے پر کاکا اٹھ گیا اور رونے لگا تو اسے دیکھنے آئی جب پتا لگا کہ کوئی دروازہ کھڑکا رہا ہے۔'' وہ مسلسل بو۔ ہوئے اسے اپنے ساتھ لیے ایک صاف ستھرے کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ اس گھر کی بیٹھک تھی۔

''آئیں جی بیٹھیں!'' اس نے ہاتھ سے صوفے کے کشن کی نادیدہ گرد صاف کی۔

''میں زیادہ دیر نہیں بیٹھوں گی' آپ میرا مطلب ہے کہ میں صرف......'' مہمان نے کھڑے کھڑے ہی کہا۔

''ہاں جی۔ مجھے پتا ہے آپ کاکے سے ملنے' اس کو دیکھنے آتی ہیں اور بھلا میں یہ بات نہیں سمجھ سکتی کہ آ اتنا وقت کیسے گزار سکتی ہیں اس کے بغیر' پر پھر بھی بیٹھیں' چائے پانی کا انتظام کرنے دیں' ایسے تو جی بری با ہے۔''

بات کرتے کرتے اس عورت کی نظر اپنی مہمان کے ہاتھ میں پکڑے شاپرز پر پڑی اور اس کی آنکھوں مزید چمک اتر آئی۔

''ادھر آ جائیں آپ۔''

وہ اس کو دوسرے کمرے میں لے آئی۔ ''آپ کاکے کے پاس بیٹھیں' میں چائے بناتی ہوں۔'' وہ اسے ایک صاف ستھرے بیڈ کور والے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بٹھا کر خود کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس صاف ستھرے بیڈ پر رنگ برنگے کارٹونز سے سجا چھوٹا بے بی سپریڈ بچھا تھا۔ چادر کے ہم رنگ چھوٹے گو تکیے اور اس پر لیٹے چھوٹے بچے کے اوپر بھی ایسی ہی چادر ڈالی گئی تھی۔ اس نے سوئے ہوئے بچے کو دیکھا۔ اس بے داغ معصوم سرخ و سفید چہرے پر فرشتوں جیسا نور اور اطمینان تھا۔ اس کی سیاہ گھنی پلکیں بند تھیں' دونوں اطراف میں اس کے بازو اوپر کی طرف تھے اور ہاتھوں کی مٹھیاں بند تھی۔ اس کے سر پر بال بہت کم تھے اور سر کے نیچے نخ لکڑی پر کپڑا اچڑھا کر رکھا گیا تھا۔ وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس بچے کو دیکھ کر اس کے دل میں کئی محسوسا جاگ رہے تھے۔ وہ اسے چھونا چاہتی تھی' اسے گود میں اٹھانا اور چومنا چاہتی تھی۔ وہ اسے محسوس کرنا چاہتی تھی۔ مگر ا نے ان میں سے کوئی بھی عمل نہیں کیا بلکہ خاموش بیٹھی اس معصوم فرشتے کو دیکھتی رہی۔ اپنی نیند میں مست اسے جانے کیا نظر آیا تھا کہ وہ کسمسا کر مسکرا دیا۔

''تم کتنے خوش قسمت ہو جو یوں اطمینان اور چین سے پڑے سوتے ہو' اور سچ جانو تو مجھے تمہاری خوش قسمتی

ل آئے جا رہا ہے' حالات اور صورتحال کی شدت سے بے نیاز و بے خبر تم اپنے دن رات جیے جا رہے ہو۔ وقت پر تے ہو' خوراک لیتے ہو' روتے ہو' ہنستے ہو' کھیلتے ہو اور پھر سو جاتے ہو۔ تمہیں کوئی ملامت نہیں کرتا' تم سے کوئی ناراض ں ہوتا' نہ تمہیں آنے والے حالات کا غم نہ کسی الجھن کا اندیشہ۔ تم بہت خوش قسمت ہو مائی ڈارلنگ بے بی!'' اس ، اس سارے عرصے میں پہلی مرتبہ اس کے شفاف سپید گال پر نرمی سے انگلی پھیرتے ہوئے سوچا۔ اور پھر اس کی ٹھی کی شکل میں دھرے ہاتھ کو اٹھا کر چوم لیا۔ اس کی آنکھوں سے پانی کے چند قطرے ٹپک کر بچے کے ہاتھ پر ے تو وہ کسمسایا اور پھر اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ اس نے اس کے ہاتھ کو ایک بار پھر چوما۔ اس کے د سے بے بی پاؤڈر اور بے بی لوشن کی بھینی بھینی مہک آ رہی تھی۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے سینے میں بھینچا۔ اب کی شاید اس کی گرفت سخت ہو گئی تھی جب ہی وہ ہلا اور اس نے ایک ہلکی سی چیخ جیسی آواز نکالی' اس نے ڈر کر فوراً اس کا ، چھوڑ دیا۔

''بڑا شریف بچہ ہے جی!'' اس کی میزبان ہاتھ میں چائے کی ٹرے اٹھائے اسی لمحے اندر داخل ہوئی ''نہ کبھی ں کو جاگا ہے نہ جگایا' آرام سے دودھ پی کر سویا رہتا ہے۔ جب جاگا بھی ہوتا ہے تو چپ چاپ اس کھڈونے کو ہار رہتا ہے۔''

اس نے ایک کھلونے کی طرف اشارہ کیا جو بچے کے عین اوپر لٹک رہا تھا۔ اور جس میں بلیاں' شیر' ہرن لٹک ہے تھے جو اس کا بٹن آن کرنے پر میوزک بجاتے گھومنے لگتے تھے۔

''یا پھر یہ سیٹی والے کھلونے بجاتی ہوں۔'' عورت نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے ربڑ کے ھلونوں کی طرف اشارہ کیا ''تو ہنستا ہے اور دیکھتا ہے۔ اب تو خوب ہوشیار ہو گیا ہے جی' مجھے تو پہچانتا ہے اچھی ح۔'' وہ پلیٹ میں بیکری کے بنے ہوئے بسکٹ اور نمکو ڈالتے ہوئے بولی۔

''تم اور بھی تو خوش قسمت ہو۔'' مہمان نے سوچا۔ ''تم اس کو دیکھتی ہو' سنبھالتی ہو' پالتی ہو' اس کو محسوس کرتی ہو' تنی خوش قسمت ہو۔''

''یہ میں کچھ چیزیں لائی تھی۔'' پھر اس نے شاپرز کھولنے شروع کیے۔ جس میں سے امپورٹڈ ڈائپرز کے ڈھیر رے پیکٹ' خشک بے بی ملک کے کئی ڈبے' چھوٹے چھوٹے کپڑے' بچوں کی باتھ روم میں استعمال کی چیزیں' ھلونے اور نہ جانے کیا کیا بھرا تھا۔

''ڈائپروں کے تو اگلے پیکٹ میں کتنے پڑے ہیں اور یہ لوشن اور یہ پاؤڈر یہ تو ابھی نئی شیشیاں بند کی بند رکھی ہا۔'' عورت نے ایک ایک چیز دیکھتے ہوئے کہا' اس کے لہجے میں کچھ مایوسی سی اتر آئی تھی۔

''اور یہ آپ کے لیے۔'' اس نے ایک پیکٹ اس عورت کی طرف بڑھایا جس کو اس نے سرعت سے جھپٹ ۔ اس پیکٹ میں دو عمدہ اور قیمتی سوٹ تھے۔ دو قیمتی پرفیوم اور ایک چھوٹی ڈبیا میں ہلکا سا لاکٹ سیٹ تھا۔

''اور یہ بھی رکھ لیں۔'' پھر اس نے ہزار ہزار کے کئی نیلے نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

''اس کا چیک اَپ جس ڈاکٹر کا میں نے آپ کو بتایا تھا اسی سے کروایئے گا اور حفاظتی انجکشن بھی وہیں سے وایئے گا۔'' اس نے تاکید کی اس کی مخاطب میزبان نوٹ گنتے ہوئے سر ہلا ہلا کر تائید کر رہی تھی۔

''آپ بڑی فراخ دل ہیں جی' بہت بڑا حوصلہ ہے آپ کا' اللہ آپ کی مشکلیں آسان کرے جی' اللہ آپ کو نی رکھے۔'' اب وہ جھولی پھیلا پھیلا کر دعائیں دے رہی تھی۔

اس کی توجہ بچے کی طرف تھی جو اب ہلکے ہلکے رو رہا تھا۔ میزبان عورت نے جھٹ بچے کو اٹھایا اور اللہ اللہ

کرتے ہوئے اس کا ڈائپر بدلنے لگی۔ اس کی مہمان ایک بار پھر اسے رشک سے دیکھ رہی تھی۔

.......✿.......

اپنی کسٹمر کے بالوں کی ٹرمنگ کرتے کرتے لینا نے یوں ہی سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ چہار طرف لگے قد آئینوں میں مختلف لوگ نظر آ رہے تھے' مگر اس کی نگاہ اندر آنے والے ایک چہرے پر رک گئی۔

''ارے یہ بہت دنوں بعد آئی۔'' اس نے دل میں سوچا اور ایک بار پھر دیکھا۔ وہ سامنے کی دیوار کے لگے صوفے پر بیٹھ گئی تھی اور صوفیہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور اپنی کسٹمر کے بالوں پر قینچی چلانے لگی۔

''لینا! ہری اپ پلیز۔ مس سارہ کہہ رہی ہیں کہ انہیں صرف تم سے فیشل کرانا ہے۔'' اس پارلر کی مالک ٹمی ساتھ والے کمرے سے نکل کر بولیں۔

''عجیب سی بات ہے۔'' لینا نے ایک بار پھر آئینے پر نظر ڈالتے ہوئے اسے دیکھا۔ اب وہ کسی میگزین کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ ''جبکہ فیشل پر میرا ہاتھ اتنا اچھا بھی نہیں ہے' یہ ٹمی باجی بھی جانتی ہیں۔'' اسے جھنجھلاہٹ ہوئی۔

''پھر ٹمی ٹوانہ اس کے قریب آ کر سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ ''اچھے اور مستقل کسٹمرز کا خیال رکھنا ہے۔''

''مگر ایسا کیا ہے جو یہ صرف مجھ سے ہی۔'' لینا کو نہ جانے کیوں الجھن ہو رہی تھی۔

اور یہ کوفت اس کے فیشل کے دوران بھی اس پر چھائی رہی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اپنے دھیان میں مساج کرتے ہوئے لینا نے سنا۔ ''تم نے ایک مرتبہ بتایا تھا۔ نام لیلیٰ تھا یا لیزا یا پھر......''

''لینا ڈی سوزا!'' اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

''میں سارہ شاہنواز ہوں۔'' پھر اس نے تعارف کروایا۔

''میں جانتی ہوں' میں نے ایک یا دو مرتبہ آپ کا انٹرویو پڑھا ہے مختلف میگزینز میں' آپ پچھلے دنوں ڈٹرجنٹ کے ایک ایڈ میں بھی تو آ رہی تھیں نا' گھر گھر جا کر انٹرویو کرتے ہوئے۔'' لینا کو خود حیرت ہو رہی تھی کہ خود پر چھائی انتہائی کوفت کے باوجود وہ کتنی تفصیل سے اس سے باتیں کر رہی ہے۔

''ہاں'' وہ۔'' سارہ شاہنواز کو جیسے شرمندگی سی تھی اپنے اس قسم کے ایڈ میں کام کرنے پر۔

''میں تم سے یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ تمہارا چہرہ خاصا فوٹو جینک ہے' تم اٹریکٹو ہو' سمارٹ ہو' کمرشلز میں کام کرو گی؟''

''اچھا تو یہ بات تھی۔'' لینا کو جیسے اپنے تجسس کا جواب مل گیا۔

''جب ہی یہ صرف مجھ ہی سے کام کروانے پر مصر تھی۔''

''مگر میرا تو بالکل رجحان نہیں ہے اس طرف۔'' اس نے اپنا کام ہنوز سنجیدگی سے کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں پتا ہے اس فیلڈ میں کتنا پیسہ ہے' اتنا جتنا تم یہاں سالوں کھڑے ہو کر اور کام کر کے بھی نہیں کما سکتیں۔'' سارہ نے نہ جانے کیوں ایسے پیسے کا لالچ دیا۔

''مجھے بہت زیادہ پیسے میں کبھی کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔'' لینا کی سنجیدگی اس کے کام میں نظر آ رہی تھی۔

''انکسار مت برتو' پیسے میں دلچسپی کسے نہیں ہوتی؟''

''مجھے نہیں ہے' اور شاید مجھ جیسے لوگوں کو ہی نہیں ہوتی۔'' لینا نے اس کا چہرہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

''لینا ڈی سوزا! میں تمہیں ایک اچھی فیلڈ کی طرف لے جانا چاہتی ہوں' میرے ایک دوست ہیں سجاد کریم' اپنے نئے پروجیکٹ کے لیے تمہارے جیسے یورپین لک والی لڑکی چاہیے' تم میری بات پر سنجیدگی سے غور کرو۔''

سارہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکی اس کی آفر کو اتنی بے نیازی سے رد کر سکتی ہے۔

''مجھے افسوس ہے مس سارہ......! میرے پاس تو سنجیدگی سے غور کرنے کا ٹائم ہی نہیں ہے' کسی بات پر بھی۔'' وہ اس کے چہرے پر ماسک پھیلا رہی تھی۔ جس کے خشک ہونے تک سارہ کو خاموش رہنا تھا۔

''لینا...... میں نے بڑے خلوص کے ساتھ تم سے کہا ہے کہ تم میری بات پر ضرور غور کرو۔'' فیشل سے فارغ ہونے کے بعد پارلر سے باہر جانے سے پہلے سارہ نے اپنا شولڈر بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ کو بتایا ہے مس سارہ کہ مجھے اس میڈیم آف آرٹ میں کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی۔ نہ ہی میں اس کے بارے میں سوچ سکتی ہوں۔ اگین آئی ایم سوری۔''

''ہوں!۔'' سارہ نے اتنی سی سختی سے کیے گئے انکار پر سوچتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری کوئی اور بہن ہے' تمہارے جیسی شکل و صورت والی؟''

لینا کی آنکھوں کے سامنے اپنی شوخ و شنگ کسی ایسے ہی موقع کی متلاشی بہن کا چہرہ گھوم گیا۔ ''کیا مجھے للی کے بارے میں بتا دینا چاہیے۔'' مگر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں کے آگے اپنی پھوپھی کا چہرہ آ گیا جو قطعی یہ نہیں چاہتی تھی کہ للی اس قسم کی فیلڈ میں آئے اور لینا جانتی تھی کہ وہ ایسا کیوں نہیں چاہتی تھیں۔

''آئی ایم سوری۔ میری کوئی بہن نہیں ہے۔'' اب کے اس نے ہلکی آواز اور نرم لہجے میں کہا۔ سارہ شانے اچکا کر باہر نکل گئی۔ لینا نے شیشے کے پار اسے باہر جاتے دیکھا۔ اُس کی پشت اس کی جانب تھی۔

''اس کو علم ہونا چاہیے کہ آج کی دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے جسے رنگ و بو کی وہ دنیا اٹریکٹ نہیں کرتی۔'' اس نے سوچا۔ ''اور تم لینا ڈی سوزا!'' باقی کے وقت میں وہ کام کے ساتھ ساتھ خود سے باتیں بھی کرتی رہی ''تم بتاؤ تمہیں اس میڈیم آف آرٹ میں کیوں دلچسپی نہیں' اور تمہاری پھوپھی جینس ڈی سوزا کو اس فیلڈ سے خوف کیوں آتا ہے؟''

پھر اس نے خود ہی جواب دیا۔ ''اس لیے کہ تمہیں اپنے بیک گراؤنڈ کا کامپلکیس "Haunt" کرتا ہے' تمہاری پھوپھی کو بھی یہ اچھا نہیں لگا کہ وہ کیبرے ڈانسرز کی اولاد کہلائیں۔

تمہیں شاید یہ بھی کبھی اچھا نہیں لگا کہ تم اینگلو انڈینز یا یوریشنز کہلاؤ' کیونکہ تم نے سن رکھا ہے کہ کسی زمانے میں دوسرے طبقے کے لوگ احاطے کے عیسائی کہتے تھے اور حقارت سے دیکھتے تھے۔ حالانکہ کوئی ان سے یہ بھی سوال کر سکتا تھا کہ یہ کیا اور کسی اور طبقے میں کیبرے ڈانسرز نہیں ہوتی تھیں۔ اور اب بھی اسی پس منظر کے ظاہر ہو جانے کا خوف ہے جو ہمیں ہماری حدود سے باہر نکل کر دوسروں سے گھل مل جانے نہیں دیتا۔''

اس شام لینا کے دل پر ایک عجیب سا غبار چھایا ہوا تھا۔ بہت عرصے بعد اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ جی بھر کر روئے۔ وہ اپنے حال پر ملامت کرنے والوں میں سے نہیں تھی' مگر اسے بعض اوقات اپنے ماضی پر غصہ آتا تھا۔ وہ ماضی جو اسے کبھی بھی اچھا نہیں لگتا تھا جس کی عظیم الشان داستانیں وہ بچپن سے لے کر اب تک اپنی دادی سے سنتی چلی آئی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ خیال پرست نہیں بلکہ شدت کی حقیقت پسند لڑکی تھی۔

بعض اوقات تو اسے ایسا لگتا جیسے اسے اپنے موجود ہونے پر بھی غصہ تھا۔ وہ اپنے مرے ہوئے باپ سے بھی نالاں تھی جو اسے اتنی کم عمری میں دوسروں کی ذمہ داری پر پھینک کر گیا تھا' صرف اس لیے کہ وہ سمجھتا تھا کہ وہ خود اس

کی صحیح طریقے سے پرورش نہیں کرسکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر اس کی پھوپھی جینس اس کی دیکھ بھال کی ذمہ لیتی تو وہ کسی گلی میں ہی خوار ہو کر مر جاتی۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اس کی دادی اپنی فطرت سے مجبور ہونے کی کبھی بھی اسے اپنی ذمہ داری نہ بناتی۔

اس سب کے علاوہ وہ اپنی عزیز ترین پھوپھی ''آنٹ جینس'' کی وجہ سے بھی زندگی سے شاکی تھی۔ پھوپھی اس وقت گنگا رام ہسپتال میں بطور نرس کام کر رہی تھی جب وہ اس کی تحویل میں آئی تھی۔ ہوش سنبھا‌لے نے اپنی پھوپھی اور کزن للی کو اپنے ساتھ ہی رہتے دیکھا تھا۔ للی کا باپ کون تھا۔ آنٹ جینس نے کس شخص ۔ کی تھی اس راز کا آج تک پردہ نہ اٹھ سکا تھا۔ کیونکہ اس کی خاموش طبع پھوپھی اس موضوع پر یوں ہونٹ سی جیسے کبھی بولی ہی نہ ہو۔ گرینی نے بھی کبھی خلاف طبع اس موضع پر اس کے علاوہ کوئی گفتگو نہیں کی تھی کہ للی سے پر بحث و تکرار کے دوران اسے اس کے نادیدہ باپ کے طعنے دینے سے باز نہیں آئی تھی۔

''نمبرون فراڈ' گینگسٹر' جھوٹا' حرام جادہ' باسٹرڈ'' گرینی اس ان دیکھے شخص کی خوبیاں ایک سانس جاتیں۔ مگر وہ کون تھا' کہاں سے آیا اور کہاں گیا اس کے متعلق کبھی گرینی نے بھی نہیں بتایا تھا۔ اور اب تو ا کہ گھر میں موجود ان چاروں افراد میں ایک خاموش معاہدہ طے پا چکا ہے کہ وہ اس موضوع سے متعلق کو جواب نہیں کریں گے۔

مگر پھر بھی کبھی جب لینا اپنی پھوپھی کی خاموش' تنہا اور سخت زندگی کو دیکھتی تو اس کا دل بھر آتا۔ اس اسے سفید لباس میں ملبوس دیکھا تھا۔ آف ڈیز پر کبھی وہ رنگین کپڑے پہنتی بھی تو ان کپڑوں کے رنگ ا ہوتے کہ نظر ہی نہ آتے تھے۔ وہ ہمیشہ کس کر جوڑا بنائے رکھتی تھی۔ گو اس کے بال سیاہ اور لمبے تھے۔ اس کی اپنی ماں کے برعکس غالباً اپنے باپ ''جان ڈی سوزا'' سے ملتی تھی اور خاصی گہری تھی۔ اس کے نین نقش بھی لائق ہی تھے' مگر پھر بھی لینا کو اس کے چہرے پر چھائی خاموشی اور اداسی میں عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوتا اسے ''ہولی میری'' کی ہدایت یافتہ بھیڑ کی طرح لگتی تھی۔ اس کے وجود اور زندگی میں روحانیت کا احساس جھ وہ سالہا سال سے دکھی' بیمار اور زخمی انسانیت کی خدمت کرتی چلی آ رہی تھی' اس نے اس سلسلے میں کبھی کسی تکلیف کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ جفاکشی کی زندگی گزار رہی تھی۔ اگر کبھی اس نے کسی بات سے پہنچنے والے دکھ کا تھا تو وہ للی کی لاپرواہ فطرت اور بے کار زندگی سے متعلق ہوتا تھا۔

''ہولی میری! میری بیٹی للی کو ہدایت کا راستہ دکھانا۔'' اور اس دعا کے دوران اکثر اس کی آنکھوں کے چمکتے قطرے بھی نظر آ جاتے تھے۔

دوسری چیز جس پر آنٹ جینس کو دکھ ہوتا تھا وہ گرینی کا ہاتھ نچا نچا کر للی کے باپ کو کوسنا تھا۔

''ٹم ٹو ڈی سوزا کھاندان سے بھی کوئی ریلیشن شپ ایز یچ نیٹس رکھتا (تم تو ڈی سوزا خاندان سے د کوئی رشتہ نہیں رکھتیں) وہ للی سے کہتیں۔'' یہ ٹو ڈیو ڈڈی سوزا کا فیملی گریٹ نیس اے جس نے ٹم کو ایدر بیتسمہ د فیملی کا نام بی۔ ادروائز تم اور پڑا رہتا گا بیج ہیپ پر اپنا فادر کا فیملی موافق۔ ٹمارا فادر گاڈ نوز کس تھرڈ کلاس د ریلیٹڈ تھا جو تم کو یوں ٹمارا مدر کا آسرے پر چھوڑ گیا' آئی فیل سوری فار مائی انوسینٹ ڈاٹر جینس جس کو فرسٹ اپنا ٹریپ میں کیچر کیا اور پھر زکھی نائٹ اینگل موافق اکیلا چھوڑ دیا' پکا فراڈیا' سن آف بیچ تھا باسٹرڈ۔''

(یہ تو ڈی سوزا خاندان کی عظمت ہے جس نے تمہیں اپنا نام دیا نہ جانے تمہارا باپ کیسا گھٹیا تھا جو تم کے آسرے پر چھوڑ گیا پکا فرڈ اتھا) لینا' آنٹ جینس کے چہرے پر چھائی بے بسی کو دیکھتی اس کی آنکھوں۔

نسو دیکھتی اور تڑپ کر گرینی کو چپ کرواتی۔

''بس کرو گرینی! ٹم کو جیزس کرائسٹ کا واسطہ۔'' مگر گرینی کا میٹر نان اسٹاپ ہوتا تو اپنے وقت پر ہی رکتا۔ اور س دوران لینا ہر سیکنڈ کے بعد اپنی بے بس پھوپھی کی طرف دیکھتی جس کے پاس شاید ان طعنوں اور گالیوں کا کوئی واب نہیں تھا۔ وہ للی پر بھی حیران ہوتی جسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ کس کی اولاد تھی۔ گرینی کی گفتگو کے نتیجے میں اپنے باپ کے متعلق جو خاکہ اس نے اپنے ذہن میں بنا لیا تھا وہ قطعی خوشگوار نہیں تھا اور غالباً وہ اس کے رے میں جاننے کی خواہش بھی نہیں رکھتی تھی۔ وہ اپنے حال میں مست تھی۔ اسے خود کو للی ڈی سوزا کہلوانے میں کوئی ار محسوس نہیں ہوتا تھا۔

''یہ اچھا ہے ورنہ یہ بھی کسی Identity Crisis کا شکار ہو جاتا اور ایک ڈاؤٹ فل (بے یقین) زندگی گزارتا۔''

انکل یڈنس' للی کے اس رویے پر تبصرہ کرتے تھے۔

یوں زندگی کی گاڑی چل رہی تھی۔ مگر للی کے برعکس لینا کو اپنی ماں کے بارے میں جاننے کا شوق بھی تھا اور بسس بھی۔ مگر بدقسمتی سے اس کے باپ نے اس کی ماں کے بارے میں کوئی نشانی نہیں چھوڑی تھی۔ حتیٰ کہ وہ خود ٹش نیشنلٹی رکھتی تھی مگر اس کے پاس اس کا کوئی بھی ثبوت نہیں تھا۔ وہ خود بھی آنٹ جینس کی طرح بے بس تھی۔ سو اپنی ندگی اسی ڈھنگ سے گزارے چلی جا رہی تھی جس ڈھنگ سے زندگی اس کے سامنے آئی تھی۔

فراز کو الحمرا میں شاہنواز زیدی کے لیکچر کے بہت دنوں بعد ایک روز خیال آیا تھا کہ انہوں نے اسے ملنے کی عوت دی تھی۔ مگر ان دنوں وہ مصروف تھا۔ اسے اپنے تئیں للی ڈی سوزا اور اس کی گریس فل مگر احمق دادی کی شکل میں ندی پر جانے کا ایک زینہ میسر آ گیا تھا۔ وہ گرینی سے اس ہیرے جیسے البم میں سے چند تصاویر لاتا اپنے ایک وست سے کمپیوٹر پر انہیں اسکین کرواتا اور ان کے پرنٹ آؤٹس نکال لیتا تھا۔ تصاویر کے خدوخال واضح ہو جاتے تھے۔ بلیک اینڈ وائٹ پرنٹ آؤٹس پر کیٹریج بھی زیادہ استعمال نہیں ہوتی تھی اور اس کا کام سستے میں ہو جاتا' ان پرنٹ آؤٹس کو وہ مختلف زاویوں سے دیکھتا۔ کچی پنسل سے ان پر نشان بناتا اور پھر غیر واضح حصوں کو اسی کچی پنسل سے واضح کرتا۔ اب تک اس کے پاس جو تصاویر آئی تھیں ان کو اب گرینی کی مدد سے تاریخ ترتیب دے رہا تھا۔

پہلی تصویر گریٹ گرینڈ فادر کی تھی۔

تیسری گرینڈ فادر کے بچپن کو جس میں وہ غیر واضح روز گارڈن میں پودوں کے کنج کے درمیان کھڑے تھے۔

چوتھی تصویر گریٹ گرینڈ فادر اور ان کی فیملی کی تھی۔ سر پر ہیٹ لگائے دو صاحبان اور ہیٹ پہنے دو خوش انداز خواتین ہاتھوں پر سفید دستانے چڑھائے وکٹورین چیئرز پر بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔

یہ جہاں فراز کے لیے نیا' انوکھا اور دلچسپ تھا۔ ایک تصویر میں ایک چھوٹی سی انگریز بچی چھوٹے پھولوں والا فراک پہنے' بالوں میں ربن لگائے ایک چھوٹا حبشی گڈا جس کے بارے میں فراز نے پڑھ رکھا تھا کہ اسے (ایسٹرن گولی ووگ) کہا جاتا تھا۔ بازوؤں میں دبوچے فوٹوگرافر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''یہ ام اے' اونلی سکس ایئرز اولڈ تھا اس ٹائم۔'' گرینی نے مسکرا کر بتایا تھا۔ فراز نے تصویر کے دوسری جانب پھیکی پڑتی مہر دیکھی۔ نارتھ ہال اسٹوڈیو لکھنؤ ۱۹۳۹ء اس نے اپنے دل میں گرینی کی عمر کیلکولیٹ کی اور مسکرا دیا۔

ایک اور تصویر میں ایک خوش شکل شوخ و شنگ لڑکی لانگ اسکرٹ اور فل سلیوز بلاؤز میں کھڑی تھی اس کے بال

دو چوٹیوں کی شکل میں گندھے تھے۔ اس کے عقب کی دیوار پر ہولی میری کی شبیہہ اور کارنس پر رکھی ٹرافیز تھیں۔

''آہ......کزن سیلیا!'' گرینی نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

گرینی ایک مرتبہ پھر پٹڑی سے نیچے اترنے لگی تھیں۔ فراز نے گھبرا کر تصویروں کی نئی سیریز کو اپنے بیگ میں ڈالا اور اس کا فیتہ پکڑ کر جانے کے لیے تیار ہوا۔

''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تمہاری ریسرچ اور کمپیوٹر ورک کب ختم ہوگا۔''

للی جواب تک اس ساری گفتگو اور طریقۂ کار سے اکتا چکی تھی۔ جھنجھلا کر بولی۔ یہ لڑکا اب تک صرف ایک ا[ب] تصویر کے پس منظر سے لے کر فوٹوگرافک مہارت کے نقطے ہی سپاٹ کر رہا تھا۔ اور جب بھی آتا تھا گرینی کو ما[ضی] کے نوسٹلجیا کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ وہ خوب دلچسپی سے گرینی کی گفتگو سناتا تھا اور اپنے نوٹس بھی لکھ لیتا تھا۔ مگر وہ کام ج[س] کے لیے للی نے یہ سارا ڈرامہ شروع کیا تھا ابھی تک نہیں ہوا تھا۔

''یہ آرٹ کی دنیا میں ایک نیا کانسیپٹ ہوگا للی؟ اس پر کام ہوتے اور مکمل کرتے بہت ٹائم لگ جائے گا۔ ظاہر ہے یونیک آئیڈیاز آسانی سے اور جلدی میں تو مکمل نہیں ہوتے۔'' فراز نے لاپروائی سے کہا۔

''اوہ یو راسکل!'' للی زیر لب بڑبڑائی اور اس نے زور سے پاؤں پٹخے' فراز تک اس کی کہی بات کی آواز نہ[یں] پہنچ پائی تھی مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ یقیناً اس کو کوس رہی تھی۔

گرینی نے غصے سے للی کو دیکھا ٹم کو نائیں مالوم۔

نائیں مالوم نا تو جان مت پکڑ و اس کا' اس کو اپنا ورک کرنے دیو' سم ٹائم کام کھتم ہونے کا ای اے نا۔''

فراز نے مشکور ہونے کے سے انداز میں سر ہلایا اور گرینی کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ اپنا کینوس بیگ سنبھا[ل کر] جب وہ دروازے پر لگا جالی کا پردہ ہٹا کر باہر نکلا تو اپنے سامنے کا منظر دیکھ کر ایک بار پھر مسکرا دیا۔ یہ کرسچن کمیونٹی[کی] بستی تھی۔ ان کے سامنے ایک وسیع کمپاؤنڈ تھا۔ فاصلے فاصلے پر بنے گھر۔ تنگ دھڑنگ کھیلتے' بھاگتے بچے۔ ادھر اُ[دھر] نظر آنے والے لوگ زیادہ تر شلواروں قمیصوں میں ملبوس تھے۔ ایک آدھ خاتون ساڑی اور لانگ چیمبر میں بھی ن[ظر] آ جاتی۔ مگر کسی کے چہرے کو دیکھ کر یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ اس ملک میں یا اس معاشرے میں اجنبی ہیں۔ اس بستی م[یں] غالباً یہ ہی ایک گھر تھا جس کی مالکن ایلس ڈی سوزا تھی جو یوروپین نین نقش والے مکینوں کا مسکن تھا۔ جب ہی گرینی کو اپنی نسل اور اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ پر غرور ہے۔

اس نے دل میں سوچا' اور پھر اس کے گھر اندرونی حصے کا تصور کیا۔ دو مختصر کمرے' ایک مختصر صحن' چھوٹا سا کچ[ن] باتھ روم۔ کوئی خاص فرق نہیں تھا اندر کی رہائش گاہ میں۔

''کتنی ٹریجڈی ہوئی اس عورت کے ساتھ جو تاریخ کی راکھ کریدنے یہاں رہ گئی اس قابل رحم حالت میں۔ فراز کو دکھ سا محسوس ہوا۔

''جی......آپ کو کسی سے ملنا ہے؟'' پھر اسے اپنے قریب سے آواز آئی۔ وہ چونک گیا۔ اسی طرح ک[ی] یورپین نین نقش اور صبیح رنگت والی ایک اسمارٹ سی لڑکی اس کے قریب کھڑی تھی۔ فراز نے اسے سر سے لے کر پاؤ[ں] تک دیکھا۔ بلیک ٹراؤزر اور سفید لائن دار شرٹ میں ملبوس وہ لڑکی للی ڈی سوزا سے بالکل مختلف لگی۔

''نہیں......'' اس نے اپنے بیگ کے اسٹریپ کو کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''پھر آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟'' لڑکی کے لہجے میں شک تھا اور تشویش بھی۔

''اس لیے کہ میں ابھی اس گھر کے مکینوں سے ملاقات کے بعد باہر نکلا ہوں۔'' فراز نے اس کے شک

[محس]وس کرتے ہوئے ذرا خفت سے کہا۔

اب کے لڑکی نے غور سے اسے دیکھا۔ ''کس سے ملنے آئے تھے آپ اور کس سلسلے میں؟''

''میرا خیال ہے کہ آپ گھر کے اندر داخل ہی ہونے والی ہیں۔'' فراز نے اس کو دیکھتے ہوئے اپنی بات کی [تا]ئید چاہی۔ اس کے سر ہلانے پر سکون سے اس نے اندر کی طرف اشارہ کیا۔ ''ان ہی خواتین سے پوچھ لیجیے گا کہ میں [ی]ہاں کیوں آیا تھا اور کس سے ملنے آیا تھا۔ مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ آگے بڑھ گیا اور لینا اس کی پشت پر جھولتے کینوس بیگ کو دیکھتی رہ گئی۔

......۞......

اس نے کانپتے ہاتھوں سے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور اندر داخل ہونے سے پہلے کافی دیر اندر داخل ہونے [ک]ی اہمیت مجتمع کرتا رہا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے دروازے کو اندر دھکیلا اور اب ایک قدم اٹھا کر کمرے میں داخل [ہ]و گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ سوئچ بوڈ کہاں تھا مگر وہ جان بوجھ کر اس اندھیرے میں [ک]ھڑا رہا۔ شاید وہ کمرے کے اندر کا منظر دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

''بی بریو۔ اب تم کو چاہیے کہ زندگی کو اس کی تمام تلخیوں سمیت قبول کر لو۔'' پھر کسی کی کہی بات اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''تو پھر یہ طے ہے کہ کسی کی زندگی ختم ہو جانے پر دنیا ختم نہیں ہو جاتی۔ دنیا کے کاموں کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو ہم لوگ اس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کر لیتے۔'' ایک دوسری آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''بی بریو اسفند! فیس دی لائف۔'' پھر اسے لگا جیسے ڈھیر ساری مختلف آوازیں اس کے کانوں میں گونجنے لگی [ت]ھیں۔ اس نے گھبرا کر لائٹ کا سوئچ آن کر دیا اور اس کے چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ اس نے پانچ منٹ کے بعد [آ]نکھیں کھول ڈالیں۔ اس کے سامنے کا منظر بالکل ویسے کا ویسا ہی تھا جیسا نے آخری بار دیکھا تھا۔ بیڈ' کرسیاں' کارپٹ' پردے' اسٹڈی ٹیبل' بک شیلف' وارڈ روب' ڈریسنگ روم کا پردہ' باتھ روم کا دروازہ سب کچھ ویسا ہی تھا' [ص]رف ایک وہ نہیں تھا جس سے یہ کمرہ عبارت تھا۔

''مجھے یہ بلو شیڈ بے حد پسند ہے۔ کتنی ٹھنڈک ہے۔ اس کلر کامبی نیشن میں' تمہیں پسند آیا۔'' ایک اور آواز [ا]س کی بازگشت سے ٹکرائی۔ یہ پچھلے سال ہی کی تو بات ہے' جب وہ مہینے بھر کی چھٹی پر پاکستان آیا تھا۔ جب یہ بات [ا]س نے کہی تھی۔

''مجھے Continuity (تسلسل) پسند ہے۔ عام لوگوں کی طرح مجھے موسموں کے بدلنے کے ساتھ کمروں کا انٹیریر چینج کرنے کا شوق نہیں۔ میں مانوس ہو جاتا ہوں چیزوں سے' رنگوں سے' لوگوں سے' فیلنگز سے اور اموشنز سے بھی۔ پھر میں ان میں ردوبدل پسند نہیں کرتا۔'' اس نے یہ بھی تو بتایا تھا۔ ''اور یہ جو تم ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہو' تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ ردوبدل ہمیں پسند آئے گا۔''

اسفند نے سوچا اور دل کڑا کر کے آگے بڑھا۔ یہ اس کی اسٹڈی ٹیبل تھی جس کو ماما کے بقول اس کے بعد ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا تھا۔

اس نے دیکھا' ٹیبل لیمپ کے عین نیچے پیپر ویٹ تلے دبے چند کاغذ رکھے تھے اور ایک قیمتی قلم یوں دھرا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کوئی استعمال کرتا رہا ہو۔

بک شیلف میں کتابوں کی ترتیب ویسی ہی تھی جیسی اس نے ایک سال پہلے دیکھی تھی۔ انسائیکلوپیڈیاز کے

والیومز اور اس کے پسندیدہ موضوع ''شکاریات'' پر بے شمار کتابیں۔ اسفند نے بک شیلف کے کنارے پھیری۔ گرد کی تہہ میں ایک لائن سی بن گئی۔ اس نے دھیان ہٹا کر کمپیوٹر کے پیچھے دیکھا۔ اس کا پلگ آن کیا۔ اسکرین پر مخصوص نشان اس کے سامنے تھا۔ اسے شہریار کا آخری پاس ورڈ معلوم نہیں تھا' اس لیے وہ اس کمپیو کچھ بھی دریافت نہیں کرسکتا تھا۔ اسے یوں ہی آن چھوڑ کر اس نے بے مقصد ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور پھر کر بیٹھ گیا۔

''شہری! اگر تم کہیں قریب ہو تو دیکھو' آج اگرچہ اتنے عرصے بعد ہی سہی مگر یہاں میں موجود ہوں او ہوں۔ میں تمہارے کمرے میں موجود ہوں شہری! تمہاری چیزوں کو چھو کر محسوس کر رہا ہوں اور مجھے کچھ ایسا نہیں جس کا نتیجہ موت ہوتی ہے جبکہ کل شام تک مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے جب میں یہاں آؤں گا تو زندہ نہیں رہ سکو ٹھیک ہی تو کہتے ہیں لوگ کہ زندگی اور موت انسان کے بس میں ہیں ہی نہیں۔ دیکھو نا' جب تمہارا ابلاوا آیا تو تم مزاحمت نہ کرسکے اور جب میں موت کی خواہش کرتا ہوں تو یہ میرا دور سے منہ چڑاتی ہے۔''

شہری! کتنی عجیب سی بات ہے کہ ہم نے عمر بھر اتنی باتیں کیں' بس ایک اس موضوع پر ہی کوئی بات نہیں ک موضوع کبھی دھیان میں ہی نہیں آیا۔ اگر کبھی ایسا ہوا ہوتا تو میں تمہیں بتاتا کہ پہلے تمہاری موت کی صورت میرے دل پر کیا گزرے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تم میرے منہ سے میری کیفیت سن لیتے تو اپنے سامنے آتی موت ایک بار یہ ضرور کہتے کہ تمہیں قبول کرنے کی صورت میں اسفی اکیلا رہ جائے گا یا تو اس کو بھی ساتھ لے چلو یا پھ اس کے پاس رہنے دو۔''

وہ کرسی کے بازو پر ہاتھ مسل رہا تھا اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا پھر اس نے اپنا چہرہ ہاتھ کی پ سے صاف کیا اور اٹھ کر وارڈ روب کا ہینڈل گھما دیا۔

اس کے سامنے راڈ پر لٹکے ہینگرز میں بے شمار سوٹ لٹک رہے تھے۔ پینٹ شرٹس' کوٹ' شلوار قمیص' ویسٹ اور ان کپڑوں سے اٹھتی مخصوص پرفیوم کی مہک جیسے ان کی جان نکالے دے رہی تھی۔

ایک خانے میں مختلف پرفیوم' لیونڈرز' ڈیوڈرنٹس کے ڈھیر لگے تھے۔ نیک ٹائیز کا ایک ڈھیر ایک سائیڈ پر رہا تھا۔ ایک دراز موزوں سے بھری تھی۔ شوریک پر مختلف جوتے دھرے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے شیلف کھولا۔ اس میں مختلف فائلز ترتیب وار رکھی تھیں۔ اس نے درمیان میں سے ایک فائل گھسیٹی' اس کے مختلف رزلٹ کارڈز لگے تھے۔ کالج کے مخصوص مونوگرام سے سجے ان رزلٹ کارڈز میں شہریار محمد اور اسفند یار محمد نام درج تھے اور وہ تمام نمبر جوان دونوں نے حاصل کیے تھے' ان کی تفصیلات درج تھیں۔

''اسفی! تم سے زیادہ لاپرواہ بندہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اگر میں تمہارے اہم ڈاکیومنٹس نہ سنبھال کر رکھ تو تم کورے جاہل کہلاؤ۔'' ایک اور آواز آئی۔ ایک فائل اور اس نے نکالی جس کے اندر سے فائل سائز لفافے سے ایک گروپ فوٹو باہر نکل آیا۔

چیفس کالج کے رائیڈنگ کلب کی تصویر۔ شہریار محمد اور اسفند یار محمد پچھلی رو میں کھڑے تھے۔ شانہ بشانہ جیسے قد و قامت والے نوجوان۔ دونوں فائلیں اسفند کے ہاتھ سے گر گئی تھیں اور اس پر وہی کیفیت طاری ہو چکی جس پر قابو پانے کے لیے اسے یہاں سے دور بھیج دیا گیا تھا۔ اس کی خبر گیری کو آنے کے لیے اس کمرے میں دا ہونے والے پہلے شخص آفتاب جمیل تھے جو اس کے اوپر شہریار کے کمرے میں آنے کے وقت سے لے کر اب ایک اضطراب کی کیفیت میں نیچے لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ اس کی پہلی چیخ پر ہی ان کے کان کھڑے ہو گئے تھے او

وپر آنے والے زینے کی طرف لپکے تھے۔ ان کی کمرے تک پہنچتے پہنچتے اسفند نیم بے ہوشی کی حالت میں نیچے گر چکا تھا۔

......✿......

انہوں نے آج کرسی پر چڑھ کر خود چھت کے پنکھے کی صفائی کی تھی اور چھت کے جالے بھی اتارے تھے۔ اس سارے عمل میں انہوں نے اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا تھا۔ صبح سے ان کے دروازے کی کنڈی اندر سے لگی ہوئی تھی جو پانچ چھ لوگ ان سے ملنے آئے تھے۔ وہ دروازہ اندر دھکیل کر اندازہ کر چکے تھے کہ آج بھی ماسٹر صاحب تنہا رہنے کے موڈ میں ہیں۔ انہیں اس گاؤں میں رہتے اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ گاؤں میں رہنے والا بچہ بچہ ان کے مزاج سے واقف ہو چکا تھا۔ کبھی کبھار ان پر تنہا رہنے کا بھوت سوار ہوتا تھا۔ ایسے میں وہ بہت سارے کام انتہائی تفصیل کے ساتھ کرتے تھے۔ حالانکہ یہ ہی وہ کام تھے جو اگر وہ کسی اور سے کرنے کو کہتے تو سارا گاؤں کا گاؤں اُمڈ آتا مگر وہ ایسا ہونے نہیں دیتے تھے۔ آگے پیچھے کوئی اکادکا شاگرد آتا' نظر پڑتی تو اوہو ماسٹر جی بڑی مٹی پڑ گئی ہے' کہہ کر صفائی کر دیتا۔ شاگردوں اور شاگردنیوں کی مائیں اپنی کچی چھتوں کی لپائی کرتیں تو ماسٹر جی کی چھت کی لپائی ساتھ ہی ہو جاتی۔ ان کا کھانا بھی دو ٹائم گاؤں کے چند مخصوص گھروں سے آتا تھا۔ خصوصاً جب سے ان کی جنت مکانی بیوی دنیا سے رخصت ہوئی تھی' جب سے وہ ریٹائر ہوئے تھے۔ گھر بیٹھے گاؤں کے بچوں بچیوں کو پڑھاتے' گویا ٹیوشن دیتے تھے۔ یہ کام وہ بغیر معاوضے کے کرتے تھے مگر ان بچوں اور بچیوں کے والدین کو ان کی اس مہربانی کی قدر و قیمت کا اندازہ تھا جس کا اظہار مختلف سوغاتوں کے تحفے کے طور پر ہوتا تھا۔

اور یہ سوغاتیں بھی کیا تھیں۔ لسی کا ڈول' مکھن کا پیڑا' میووں والا گڑ' مختلف قسم کے حلوے' گڑ والے چاول' بیسنی روٹیاں' لسوڑے اور آم کا اچار' آلو کے پراٹھے' انگلیوں کی پوروں سے بٹی رنگ برنگی سویاں' چارخانے کے تہہ بند' کڑھائی والے کرتے' گرم چادر اور سب سے بڑھ کر مختلف شکلوں والے حقے اور عمدہ تمباکو۔

ماسٹر ہدایت اللہ کو کسی چیز کا لالچ نہیں تھا' وہ کسی سے کوئی خاص فرمائش نہیں کرتے تھے۔ یہ سب چیزیں ان کے چاہنے والے خود ہی اپنی چاہت اور عقیدت کے اظہار کے طور پر لے آیا کرتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ جب کوئی شخص ان کے لیے کوئی سوغات لاتا تو وہ کبھی اس کا دل نہ توڑتے تھے اور بڑی خوش دلی اور تعریف کے ساتھ وہ تحفہ قبول کر لیتے تھے۔

مگر کبھی کبھی ان کا موڈ تنہا رہنے کو چاہتا۔ جس میں وہ کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے تھے اور یہ بات ہر شخص جانتا تھا۔ ایسے میں کوئی ان کے معمول میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ اب بھی یہ موڈ ان پر دو دن سے سوار تھا۔ ان دو دنوں میں انہوں نے مخصوص گھروں سے آنے والا کھانا بھی لوٹا دیا تھا۔ خود ہی اپنی حقے کی آگ بنانے والی انگیٹھی پر الم غلم پکاتے رہتے تھے۔ اپنے کپڑوں کی دھلائی بھی خود ہی کی تھی۔ اپنے بکسوں کی صفائی بھی خود ہی کی تھی۔ (یہ وہ واحد کام تھا جو ہمیشہ ہی خود کرتے تھے) تیسری شام تک وہ اپنے اس مزاج کے دائرے سے باہر نکل آئے تھے۔

اس کا اندازہ دین محمد ترکھان کو اس وقت ہوا جب وہ لکڑی کے ایک چھوٹی سی تپائی خاص طور سے ماسٹر صاحب کے لیے بنا کر لایا تھا' اور آزمائش کے طور پر دروازے پر دستک دینے کے خیال سے ادھر چلا آیا تھا۔ اس کے لیے خوشگوار حیرت کی بات یہ تھی کہ دروازہ از خود کھلا تھا اور صحن میں مونڈھے پر بیٹھے حقے کے کش لگاتے ماسٹر صاحب صاف نظر آ رہے تھے۔ دین محمد کا دل راضی ہو گیا۔ یہ اس کے لیے بڑی سعادت کی بات تھی کہ ماسٹر صاحب کے موڈ کا قفل کھلنے پر ان سے پہلی ملاقات کرنے والا شخص وہ تھا۔

"آ بھئی دین محمد! اندر آ جا۔" ماسٹر صاحب نے اسے کھڑے دیکھ کر خوشگوار لہجے میں کہا۔

"آ بھئی اندر آ جا، وہاں کھڑا کس کا انتظار کر رہا ہے۔" دین محمد کو تذبذب میں دیکھ کر انہوں نے اس طرح یقین دلانے کے سے انداز میں کہا جیسے بتانا چاہتے ہوں کہ یقین کر لو میں اب نارمل ہوں۔

"او انتظار کسی کا نہیں جی، پر ماسٹر صیب! میں سوچ رہا تھا کہ......" دین محمد نے ڈیوڑھی کی دہلیز پر جوتے اتار کر اندر آتے ہوئے کہا۔ یہ بھی گاؤں والوں کا دستور تھا۔ ماسٹر صاحب کی دہلیز وہ جوتے اتار کر ہی پار کرتے تھے۔

"کیا سوچ رہا تھا۔" ماسٹر جی نے ناک سے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ "چل شکر ہے، کسی بہانے تو اپنا دماغ تو استعمال کر رہا تھا نا۔" ماسٹر صاحب واقعی خوشگوار موڈ میں تھے۔

"میں سوچ رہا تھا کہ یہ والی میز یہاں کس جگہ پر اچھی لگے گی۔" دین محمد نے اس حسن مزاح کی تاب نہ لاتے ہوئے گھبرا کر بات گھڑی اور میز نہایت عقیدت سے ماسٹر صاحب کے آگے دھرتے ہوئے خود نیچے بچھی چٹائی پر بیٹھ گیا۔

"واہ بھئی، دین محمد! کام کی مہارت تو کوئی تجھ سے سیکھے۔" ماسٹر صاحب نے حقے کا نیچا چھوڑ کر تپائی ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا جوڑ ڈالتا ہے تو لکڑی میں، کہیں نظر نہیں آتا اور لکڑی پر رندا تو اس کمال کا پھیرتا ہے کہ کیا کہنے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ ماسٹر صاحب کی تعریف کرنے کا انداز اتنا جاندار اور بھرپور ہوتا کہ مخاطب پھولے نہ سماتا۔

"لے پھر اسی کے انعام میں واری لگا۔" انہوں نے کمال فراخدلی سے حقے کا رخ دین محمد کی طرف پھیرا۔

"ماسٹر صیب! باتیں تو بہت ساری سمجھ میں نہیں آتیں مگر ایک بات چھوٹی سی ہے، پر سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی۔" دین محمد اس عنایت پر مزید پھولے نہ سماتے ہوئے مزید عقل مندی بھگارنے کے چکروں میں پڑ گیا۔

"کون سی بات؟" ماسٹر صاحب نے اسے غور سے دیکھا۔

"یہ کہ یہ میز کہاں اچھی لگے گی۔" وہ دل کھول کر ہنسے۔

"اوئے جھلے، میز کے ایک نہیں، دسیوں مصرف ہیں۔ برتن رکھ لو، کتابیں رکھ لو، کپڑے رکھ لو۔ کبھی یہ میز، ٹیبل، کبھی سائیڈ ٹیبل تو کبھی ڈائننگ ٹیبل اور چاہو تو کبھی بک شیلف، کبھی اسٹڈی ٹیبل بھی بن جاتی ہے۔ اس میں نہ سمجھ میں آنے والی بات کیا ہے۔"

دین محمد، ماسٹر صاحب کے قہقہے اور ٹیبل کی گردان پر گھبرا کر وہ بات بھی بھول گیا جو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور جو وہ ماسٹر صاحب سے پوچھنا چاہتا تھا۔

"چل چھوڑ، یہ بتا کہ تیری گھر والی کا کیا حال ہے۔ مسماۃ رشیداں بی بی کا۔" ماسٹر صاحب اس کی جھینپ کو مٹانے کو بولے۔

"ٹھیک ہی ہے ماسٹر صیب! میرا تو خیال ہے کہ یہ جو اپنا حکیم صاحب ہے نا، حکیم فضل۔ اس کا دل ہی نہیں چاہتا کہ کسی مریض کو آرام آئے یا اس کا مریض کبھی سکون سے بیٹھے۔ کبھی کہتا ہے پتے کا درد ہے، کبھی کہتا ہے معدے میں تکلیف ہے۔ کوئی سمجھ نہیں آتی جب اس کی۔" دین محمد نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اوئے، سمجھ میں نہ آنے والی حرکتیں تو تم لوگ خود کرتے ہو۔" ماسٹر صاحب نے کش لگاتے ہوئے کہا۔

"دنیا کدھر کی کدھر پہنچ گئی تو لوگ ماسٹر ہدایت اللہ اور حکیم فضل کا دامن نہ چھوڑنا۔ اوئے زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے۔ اب ہر مرض کا علیحدہ ڈاکٹر ایک سے ایک موجود ہے۔ ہر مضمون کو پڑھانے والا علیحدہ سے ایک سے ایک ماسٹر۔ پر تم

لوگ ہو تو معدہ بھی حکیم فضل کو، کان بھی اسی کو، دانت بھی اسی کو، پتہ بھی اسی کو۔ ادھر فارسی پڑھائے ماسٹر ہدایت اللہ، انگریزی پڑھائے ماسٹر ہدایت اللہ، تاریخ پڑھائے ماسٹر ہدایت اللہ، جغرافیہ پڑھائے ماسٹر ہدایت اللہ، سائنس پڑھائے تو ماسٹر ہدایت اللہ۔ اوئے بس کر و یار! اب زمانہ نہیں ہے۔ ایک ہی بندے سے سارے کام چلانے کا، اب سپیشلسٹوں کا زمانہ ہے، اسپیشلسٹوں کا۔"

"ہیں، جی!" دین محمد گھبرا گیا۔ "کس کا زمانہ ہے جی؟"

"اوئے تیری سمجھ میں نہیں آئیں گی یہ باتیں۔" ماسٹر صاحب ہنس کر بولے۔ "تو بس ایسا کر صبح تانگہ جتوالا جٹ کا اور مسماۃ رشیداں بیگم کو لے جا شہر پسرور۔ وہاں دکھا اس کو ہسپتال کے بڑے ڈاکٹر کو۔ اسے کہنا، اس کی سکرین کرے، اسکرین۔"

"سرکین......" دین محمد مزید گھبرایا۔ "پر ماسٹر جی! انگریزی علاجوں میں تو پیسہ بھی بڑا لگتا ہے۔"

"تو لگنے دے نا۔ آرام تو آتا ہے کسی طرح۔ ایسا کر......" پھر انہوں نے سرگوشی کے سے انداز میں دین محمد کے کان کے پاس منہ کر کے کہا۔ "صبح آنا، پیسے مجھ سے لے جانا۔ پر لگ کے علاج کروا مسماۃ رشیداں بی بی کا۔ بہت ضروری ہے یہ کام، یہ جھلیاں ہی تو گھر بناتی سنوارتی ہیں۔ ان کی بیماریاں مانو گھر کو لگ جاتی ہیں۔ جو یہ بستر پر پڑ جائیں تو سمجھو، گھر بھر کا سارا انتظام بستر پر پڑ جاتا ہے۔ چھوڑ دے اب حکیم فضل کو اور لے جا اس کو شہر۔ آ کر مجھے بتانا ڈاکٹر کا نام کیا تھا۔ میں تجھے ڈاکٹر کے نام رقعہ لکھ دوں گا۔"

"بڑی بہتر بات ہے جی! ذرا انگریزی میں لکھ دینا ماسٹر جی!" دین محمد خوش ہو کر بولا۔

"انگریزی میں۔" ماسٹر صاحب نے ہنس کر کہا۔ "بڑا آیا انگریزی جی صاحب کا پتر۔" دین محمد بھی شرما شرمی ہنس دیا۔

"دروازہ کھلا ہے۔" دروازے کے باہر سے نسوانی آواز آئی۔

ان دونوں نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ شفیع محمد چپڑاسی کی بیوی سلیمہ کھانے کی ٹرے اٹھائے اندر آئی۔

"بڑی محنتوں سے مرغا بھونا تھا مانو نے دیسی گھی میں۔ ساتھ سوجی کا حلوہ بھی بنایا تھا۔ چاچے (سسر) کا ختم دلانا تھا نا۔" وہ اندر آتے ہی بولی۔ "بڑی مایوس تھی کہ ماسٹر صاحب کو معلوم نہیں پہنچتا ہے کہ نہیں، اسے پتہ تھا کہ دو دن ہو گئے دروازہ بند ہے۔ پر آس بھی بڑی تھی، کہتی تھی کہ دو دن سے زیادہ ماسٹر صاحب دروازہ بند نہیں رکھتے۔ دیکھا، کتنی سچی آس تھی اسے۔"

"اوئے جی آیاں نوں، جم جم آؤ، بہن سلیمہ!" دین محمد بھنے مرغ اور سوجی کے حلوے کا تذکرہ سنتے ہی خوش ہو گیا۔

"ہاں ہاں، بہتیرا ہے۔ تم بھی کھاؤ بھائی دین محمد!" سلیمہ نے ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"لو بن گئی اب یہ ڈائننگ ٹیبل۔" ماسٹر ہدایت اللہ نے ہنس کر دین محمد سے کہا۔ "ابھی پوچھ رہا تھا کہ اسے رکھیں گے کہاں، کبھی کہہ رہا تھا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اب سمجھ میں آ گئی بات؟"

دین محمد جو شریک دعوت ہونے کا سن کر گزشتہ تمام گفتگو بھول چکا تھا، خوامخواہ ہی سر ہلا کر ہنسنے لگا۔

"اور سنا بہن سلیمہ! کیا حال ہے لالے شفیع کا؟" اب وہ سلیمہ سے پوچھ رہا تھا، گو نظریں ہنوز ٹرے پر پڑے خوان پوش پر جمی تھیں۔

"اچھا ہے، آج کل مجریٹ (مجسٹریٹ) صاحب کے دفتر میں لگا ہوا ہے۔" سلیمہ نے فخر سے کہا۔

''مجسٹریٹ سلیمہ بی بی! مجسٹریٹ کہتے ہیں اس کو۔'' ماسٹر صاحب نے اٹھ کر صحن میں لگے ہینڈ پمپ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''آؤ بھئی' دین محمد ہاتھ دھولیں اور اڑائیں دعوت مبینہ کلثوم کے مرغے کی۔''

دین محمد فوراً سے پیشتر اٹھا اور ہینڈ پمپ کی جانب لپکا اور کچھ دیر بعد وہ دونوں مبینہ کلثوم کے سلیقے اور ہاتھ کے ذائقے کی دل کھول کر تعریف کر رہے تھے جسے سن سن کر سلیمہ بی بی پھولے نہ سما رہی تھی۔

......✿......

بچے ہل ہل کر سیپارہ پڑھ رہے تھے اور وہ خود نماز کی چوکی پر بیٹھی دیوار سے پشت لگائے تسبیح کے دانے گراتی منہ میں کچھ ورد کر رہی تھیں۔ گو ان کی آنکھیں بند تھیں مگر کان کھلے تھے۔ جیسے ہی کوئی بچہ زیر زبر میں کوئی غلطی کرتا' وہ فوراً اس کی تصحیح کرتیں۔

''بی بی جی! میرا سبق مجھے پکا یاد ہوگیا ہے۔'' ایک بچہ سینے سے سیپارہ چمٹائے ان کے سامنے کھڑا اب شاید جانے کی اجازت مانگ رہا تھا۔

''بیٹھ جا' بیٹھ جا'' تجھے ابھی جانے نہیں دینا۔ تیری ماں آئے گی تو تجھے ساتھ لے جائے گی۔'' انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نثار کے ساتھ چلا جاتا ہوں' اس کا گھر بھی تو میرے گھر کے اندر ہی ہے نا۔'' بچہ جانے پر بضد تھا۔ ''چپ کر کے بیٹھ جا' تیری ماں نے سختی سے کہا ہوا ہے کہ میں آؤں گی تو بچے کو لے جاؤں گی۔ اکیلے یا کسی اور کے ساتھ نہیں بھیجنا۔ میں تو تجھے کسی اور کے ساتھ نہیں بھیجوں گی' بھلے رات ہو جائے' اس لیے چپ کر کے بیٹھ جا اور سبق دہرا اپنا۔'' اب کے وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت لہجے میں بولیں۔

بچہ خاموش ہو کر ایک سائیڈ پر مایوسی سے بیٹھ گیا۔ اسے آسمان پر اڑتی رنگ برنگی پتنگیں نظر آ رہی تھیں اور اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ جھٹ سے اپنی چھت پر پہنچ جائے اور پتنگ بازی میں شریک ہو جائے مگر وہ اپنی وہمی ماں کا کوئی علاج نہیں کر سکتا تھا جسے پتنگوں کی دوروں' پتنگیں لوٹنے والوں کی گوٹیوں اور کھمبوں سے لٹکتی بجلی کی شکستہ تاروں سے بے حد خوف آتا تھا' اسی لیے وہ مصر تھی کہ وہ اسے سیپارہ پڑھنے کے لیے خود چھوڑ کر جائے گی اور خود ہی لینے آئے گی۔ ایک ایک کر کے سارے بچے چھٹی کر کے چلے گئے۔ بی بی زینب مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے وضو کرنے اٹھیں۔ اس وقت تک اس کی آنکھوں میں آنسو آ چکے تھے۔ جب ہی دروازے کے آگے لگا پردہ ہٹا کر تیز قدموں سے چلتی اس کی ماں اندر آ گئی۔

''اچھی آئیں تم ہاجرہ! بچہ بے چارہ انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا۔'' بی بی زینب نے صحن کے ایک طرف لگے واش بیسن پر وضو کرتے ہوئے کہا۔

''کیا کرتی بی بی زینب! بات ہی کچھ ایسی ہوگئی تھی۔'' ہاجرہ نے سانس لینے کی خاطر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا اور بچے کی پشت سہلانے لگی جو اسے دیکھ کر دوڑتا ہوا آ کر اس کی گود میں جا گھسا تھا۔

''کیوں' خیر تو ہے؟'' بی بی زینب نے صحن میں بندھی دھلے کپڑوں کی رسی سے تولیہ اتار کر چہرہ اور بازو خشک کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اچھا دس منٹ ٹھہر' تو سانس لے' پانی پی' میں نماز پڑھ لوں۔'' انہوں نے قمیص کی آستین سیدھی کر کے برابر کرتے ہوئے کہا۔ بچہ اس تاخیر پر مزید خفا ہوا۔ آسمان پر تاریکی پھیل رہی تھی اور چھتوں پر چڑھے اس کے ساتھی اپنی ڈوروں اور پتنگوں سمیت واپس نیچے اتر چکے تھے۔ اس نے خفت اور مایوسی سے آسمان کو دیکھا اور

ے گھر جانے کی ضد کرنے لگا۔

بی بی زینب کی نماز بھی ذرا طویل ہوتی تھی مگر وہ معمول میں پڑھے جانے والے نوافل میں کچھ کمی کر کے جلد ئیں۔ انہیں احساس تھا کہ ہاجرہ کو کچھ بتانے کی بے تابی تھی اور اسے گھر بھی واپس آ جانا تھا۔

''ہاں تو پھر کیا مسئلہ ہوا تمہارے ساتھ؟'' وہ سلام پھیر کر نماز کی چوکی سے ٹانگیں نیچے لٹکاتے ہوئے بولیں۔

''میرے ساتھ کاہے کو مسئلہ ہونے لگا۔'' ہاجرہ نے بچے کا سر گود سے اٹھا کر سیدھے کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تو ہ کی بات کر رہی تھی۔''

''کیوں' عائشہ کو کیا ہوا؟'' بی بی زینب نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

''بڑے دنوں کی بات ہے' وہ کہیں سے ایک چھوٹا سا بچہ لے آئی تھی۔'' اب کے ہاجرہ نے ذرا سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''ہم نے اور لوگوں نے پوچھا تو بولی۔ میری بھانجی کا بچہ ہے' بے چاری اس کے پیدا ہوتے ہی مر ۔بہن بہنوئی پہلے ہی دنیا میں نہ تھے۔ لڑکی کے سسرال والوں نے بھی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ میرے دل خدا کا خوف آیا۔ میں نے سوچا کہ بے چارہ بچہ کہاں جائے گا۔ میرا کون ہے دنیا میں' اکیلی رہتی ہوں' خاوند سے چند پیسے بھیج دیتا ہے' گزارا ہوتا ہے۔ چلو میں لے جاؤں ساتھ۔'' ہم نے کہا۔ ''ہاں بھئی! یہ تو نیکی کی بات ۔مسکینوں' یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنے والا تو ویسے ہی جنتی ہے۔''

''اچھا تو پھر اس میں کون سی پریشانی والی بات ہے؟'' بی بی زینب کو اس تفصیل سے مایوسی ہو رہی تھی۔

''ہے نا پریشانی والی بات۔'' ہاجرہ نے بچے کی گرفت سے اپنی چادر چھڑاتے ہوئے کہا۔ ''اب معاملہ گڑبڑ لگتا ۔جب سے بچہ آیا ہے' عائشہ کے گھر کے رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے ہیں۔ بچے نے ایک سے ایک مہنگا کپڑا پہنا ہے۔ ایک سے ایک کھلونا ہے۔ استعمال کے بعد پھینک دینے والے کلوٹ' کریمیں' لوشن' شیمپو' گھر مہک رہا ہوتا ۔خود عائشہ نئے سے نیا جوڑا پہننے لگی ہے۔ کھانا پینا سب اول نمبر پر ہوگیا ہے۔''

''تو ہو سکتا ہے کہ اس کے خاوند نے بچے کی وجہ سے زیادہ پیسے بھیجنے شروع کر دیے ہوں۔'' بی بی زینب نے لی سے کہا۔

''ہونہہ خاوند نے۔'' ہاجرہ نے ناک سکیڑی۔ ''اس نے تو ادھر کویت میں دوسری شادی کی ہوئی ہے۔ اس کو تو ۔ضرورت کے پیسے بھیجتا ہے۔ بھلا پرائے بچے جو گے نہ بھیجے گا پیسے۔''

''تو پھر اب مسئلہ کیا ہے؟'' بی بی زینب کو معاملے کی سمجھ اب تک نہ آئی تھی۔

''ادھر بچے کے باپ نے جب بچے کو پاس رکھنا ہی گوارا نہیں کیا تو اسے یہ سب چیزیں کیا بھجوائے گا۔'' ہاجرہ ایک اور خیال ظاہر کیا۔

''پھر......؟''

''پھر یہ کہ محلے کے کچھ لوگوں نے بتایا ہے کہ عائشہ کے پاس ایک بڑی جوان سی لڑکی آتی ہے' فیشن ایبل سی' رکیبری۔ وہ یہ بڑے بڑے شاپر ساتھ لاتی ہے چیزوں کے بھرے ہوئے' لوہ لڑکی کون ہے' عائشہ سے اس کا کیا ت ہے' یہی بات ہو رہی تھی ادھر نجمہ آپا کے گھر۔ جس کی وجہ سے مجھے عزیز الرحمٰن کو لینے آنے میں دیر ہوگئی۔'' ہ نے اپنا قصہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''توبہ ہے بھئی! تم لوگوں سے۔'' بی بی زینب کو اچانک ہی اپنی نماز مکمل نہ کرنے کا افسوس ہونے لگا۔ ''بھلا تم ل کو اس سے کیا مطلب کہ وہ لڑکی کون ہے اور عائشہ سے اس کا کیا تعلق ہے۔ عائشہ جانے اور اس کا کام۔ وہ لڑکی

اس بچے کی پھوپھی بھی ہو سکتی ہے' خالہ بھی ہو سکتی ہے۔ محبت کے مارے آ کر بچے کو دیکھنے آتی ہو گی۔ تم لوگوں لے کر اس بات کا بھی قصہ بنا ڈالا۔

"اچھی بات ہے بی بی زینب! سارا قصہ سنا دیا آپ کو' بات کی سمجھ نہیں آئی۔ عائشہ اس محلے میں کوئی نئی تو آئی' سالوں سے ادھر رہ رہی ہے۔ اس کے پاس کون آتا ہے' کون نہیں' ہمیں نہیں پتا۔ بھلا یہ نئی اور انہونی ہونے لگی ہے جس پر سب حیران ہیں۔"

"اچھا بی بی! اب ختم کر و اس قصے کو' بچے کو اٹھاؤ' گھر لے جاؤ۔ دیکھو تو سونے لگا ہے۔"

بی بی زینب نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تو ہاجرہ کو بھی اچانک گھر واپسی یاد آ گئی۔ بچے کو انگلی سے پکڑ کر ہوئے وہ چادر سنبھالتی باہر کی جانب چل دی و راس کے پیچھے بی بی زینب اس کی بات پر غور کرتی رہ گئیں۔

وہ عرصۂ دراز سے اس محلے میں رہ رہی تھیں۔ قدرت نے انہیں اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا۔ اپنے م خاوند کی زندگی میں بھی وہ محلے کے بچوں کو قرآن پڑھاتی تھیں اور ان کی وفات کے بعد تو یہ ان کے لیے ذریعۂ مع بھی بن گیا اور مصروفیت کا ذریعہ بھی۔ اس محلے میں رہتے ہوئے کئی بچے ان کی نظروں کے سامنے پلے بڑھے' ج ہوئے۔ محلے کی مختلف گلیوں میں رہنے والے لوگوں سے ان کی اچھی جان پہچان تھی۔ لوگ ان کی عزت کرتے وہ اپنے پاس آنے والی عورتوں کو مقدور بھر وعظ و نصیحت بھی کیا کرتی تھیں۔ یہ ہی محلے کے لوگ ان کے عزیز داروں سے بڑھ کر ان کے قریب تھے۔ وہ ان کے دکھ سکھ' خوشی غمی میں شریک ہوتی تھیں۔ دوسرے معنوں میں ا ایک خاموش سوشل ورکر بھی کہا جا سکتا تھا۔

جس عورت عائشہ کا ذکر ہاجرہ نے ان سے کیا تھا وہ اسے بھی اچھی طرح جانتی تھیں۔ وہ ایک سیدھی سا عورت تھی جو ان کی طرح اولاد کی نعمت سے محروم تھی۔ اس کا خاوند بیرون ملک مقیم تھا۔ اور عرصہ دراز سے ملک وا نہیں آیا تھا۔ بس کبھی کبھار اس کے نام کچھ رقم کا ڈرافٹ بھیج دیتا تھا۔ جس گھر میں وہ رہتی تھی وہ اس کی ذاتی ملکیہ تھا۔ اس لیے خاوند کی بھیجی ہوئی رقم سے اس کا گزارا ہو جاتا تھا۔ اس کا کوئی خاص عزیز رشتہ دار بھی اس سے ملنے آیا تھا۔ مگر اب جو کہانی ہاجرہ سنا رہی تھی وہ بی بی زینب کو بھی عجیب سی لگ رہی تھی اور ان کے دل میں ایک اُلجھن سی ہو گئی تھی۔ بہت دن گزر رے عائشہ ان سے ملنے بھی نہیں آئی تھی۔ اور اپنی مصروفیت میں انہیں اس بات کا دھیان نہیں آیا تھا۔ مگر اب ہاجرہ کی زبانی یہ قصہ سن کر انہوں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں مزید کوئی ا پٹانگ بات سننے اور دل میں شک لانے کی بجائے خود عائشہ کے پاس جا کر اس معاملے کی تحقیق کریں گی۔

......❁......

گرینی صبح سے صحن کی دھوپ میں چارپائی پر کپڑا بچھائے اس پر بڑیاں توڑ توڑ کر ڈالنے میں مصروف تھی۔ لینا نے سنڈے پریئر سے واپس آنے کے بعد واشنگ مشین لگا رکھی تھی۔ مشین میں واشنگ پاؤڈر ڈالتے ہوئے صحن کے پار نیچے برآمدے میں کرسی پر بیٹھی آنٹ جینس کو دیکھا جس کو تقریباً ڈیڑھ ماہ کے بعد سنڈے آف ملا شاید دنوں بعد وہ تسلی سے نہائی تھی اور اب اپنے سیاہ دراز بالوں میں کنگھا پھیر رہی تھی۔

"ابھی یہ اپنے بالوں کو لپیٹ کر بڑا سا جوڑا بنائیں گی' کپڑوں پر گرے اکا دکا بال چنیں گی' کنگھے میں ٹوٹے بال نکال کر انہیں پر لپیٹیں گی اور ایک چھوٹی پوٹلی میں رکھ دیں گی۔ اور بس ان کا بناؤ سنگھار ختم۔" لینا نے سو شاید ان کے چہرے پر چھائی خاموشی اور اداسی ہی ان کا سنگھار ہے۔ اسے خیال آیا۔ اور وہ اپنے اس خیال پر خو مسکرا دی۔

"ماما' کھانے میں کیا بنانا ہے" اپنے سنگھار سے فارغ ہو کر وہ اٹھ کر صحن میں آ گئی اور گرینی سے آہستہ آواز ں پوچھا۔

"ہم تم کو کیا بتاتا تم کھدای برین لڑاؤ نا۔"

آج گرینی پر بھی خاموشی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ اس لیے خلاف معمول شور مچانے کے بجائے بولیں۔ وہ جس رح خاموشی سے آئی تھی اس طرح خاموشی سے واپس کچن کی طرف مڑ گئی۔

"لینا ڈیر...... للی کیدھر کو گائب اے آج؟" اب کے گرینی نے بڑیاں توڑتے توڑتے لینا کو مخاطب کیا۔

"معلوم نہیں گرینی۔ اس کی وہ ہی جانے۔" لینا نے پانی سے نتھارے کپڑے تار پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اب اور اس ینگ مین کا پیچھے گیا ہوئیں گا' وہ ہنڈرڈ ٹائمز بولا للی ابی اس کام میں ٹائم لگیں گا ابی اس کام میں ھوڑا پیشن سے کام لینا مانگتا۔ مگر اس چھوکری کا تو مگج ای میٹر سے گھوم پڑا ہے' اس کو کون سمجھیں سمجھائیں۔"

للی کے موضوع پر گرینی بنا رکے بول سکتی تھیں اس لیے بولتی رہیں۔ لینا ان کی گفتگو سنتے ہوئے خاموشی سے کپڑے دھوتی رہی پھر وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر آنٹ جینس کے پیچھے کچن میں آ گئی۔ وہ چولہے پر ہنڈیا چڑھائے کچھ پکانے میں مصروف تھیں۔ کچن صاف ستھرا تھا۔ برتن دھلے دھلائے تھے۔ ہنڈیا سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"آج کتنا اچھا لگ رہا ہے سنڈے' آج آپ گھر پر ہیں نا۔" لینا نے محض کوئی بات کرنے کی خاطر کہا۔

"اچھا!" انہوں نے اخبار کے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سر جھکائے جھکائے کہا۔

"آنٹ جینس! للی آپ کو بتا کر گئی ہے کہ۔ وہ کہاں جا رہی ہے؟"

لینا نے سلاد بنانے کے لیے پیاز چھیلتے ہوئے ایک دفعہ پھر خاموشی توڑنے کی کوشش کی۔

"وہ پہلے بھی مجھے کبھی کچھ بتا کر نہیں گئی اور آج بھی ایسا ہی ہے۔"

"مگر آج تو ہم سب یہاں گھر پر ہیں، آج تو اس کو بھی گھر پر رہنا چاہیے تھا۔"

"سنڈے یا آف ڈے ان لوگوں کے لیے اسپیشل ڈے ہوتا ہے لینا ڈیر! جو باقی دنوں میں کوئی کام کرتے ہیں' جاب کرتے ہیں یا پڑھتے ہیں۔ للی کے ساتھ ایسی کوئی مصروفیت ہوتی تو اسے آف ڈے کی اہمیت کا پتا چلتا نا۔" اب کے ذرا مسکرا کر کہا۔ جس پر لینا کو لگا جیسے وہ طنزاً مسکرا رہی تھی۔

"مگر جب ہم اسکول میں پڑھتی تھیں اور اس کے بعد کالج میں جب ہم فرسٹ ایر میں اکٹھا پڑھتی تھیں تب بھی تو وہ سنڈے کو گھر میں نہیں رکتی تھی۔ اس کی اتنی زیادہ فرینڈز تھیں وہ ان ہی سے ملنے ملانے میں مصروف رہتی تھی۔" اس نے کٹی ہوئی پیاز پر نمک چھڑکتے ہوئے کہا۔

"جب ہی تو پڑھ کر نہیں دیا' جب ہی تو وہ کچھ کر نہیں سکی اب تک۔" اس کے لہجے میں غصے اور ناراضی کا تاثر ابھر آیا۔

"کر تو میں بھی کچھ نہیں سکی۔ پڑھ تو میں بھی نہیں سکی۔" لینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تمہاری بات اور ہے' تم نے تو حالات کو دیکھ کر اسٹڈیز چھوڑنے اور جاب کرنے کا سوچا' للی کے ساتھ کیا پرابلم تھا۔ للی کو سپورٹ کرنے کے لیے تو میں موجود تھی۔ مگر اس کا مغز اپنا ہی خراب تھا۔ اس کو پڑھنے سے خود ہی الرجی تھی۔ اوپر سے ماما کی باتیں' اپنے یوٹو پیاز پیک میں ڈال دیا انہوں نے للی کو بھی۔ اب بھی خدا جانے وہ کون لڑکا ہے جس کو گھر بٹھائے رکھتی ہیں دونوں اور وہ للی اس کے پیچھے پھرتی رہتی ہے۔ ہسٹری ریپیٹ کرے گا وہ "وڈ فیملی" کی ہونہہ!"

آنٹ کے پُرسکون چہرے کے خدوخال لہجے کی تلخی کے ساتھ ساتھ سخت ہو گئے تھے ان پر عجیب سی وحشت اتر

آئی تھی۔

''ہماری زندگیاں۔'' لینا نے تاسف سے سوچا۔ ''کیا ہیں ہماری زندگیاں۔ ایک وہ ہے جو حالات گھناؤنے رنگ ڈھنگ سے نجات حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر گھومتی پھرتی ہے۔ ماں سے لڑ جھگڑ کر پیسے لیتی اور اپنے لیے رنگا رنگ کپڑے اور میک اپ کی چیزیں خریدنے میں لگا دیتی ہے۔ موسٹ ماڈرن آؤٹ فٹس اوڑھ کر اور چہرے پر رنگ و روغن تھوپ کر نازک شولڈر بیگ کندھے پر ڈالے پنسل ہیل پر چلتی اپنے تئیں کسی لار جنریشن بنی جب باہر نکلتی ہے تو اس کمپاؤنڈ سے باہر کے بچے گڑھی شاہو کی میم پکارتے تالیاں بجاتے اس کے بھاگتے ہیں' اس کے ہونٹ سیکٹر کر انگریزی نما اردو بولنے پر اسے کرسٹی' کا لقب دے دیا جاتا ہے۔ یقینا اس کا دل طرح دکھتا ہوگا۔ یقیناً اس کی آنکھوں میں آنسو آتے ہوں گے مگر وہ اب شاید عادی ہو چکی ہے پروا نہیں کرتی اور زندگی کی واحد منزل ''شوبز کی اسٹار' بننے کے حصول کے لیے جوتیاں گھستی پھرتی ہے۔ کتنے جرنلسٹ' کتنے ٹی ایمپلائیز کتنے فلم میکرز کے کارندے ایسے ہیں جن کو وہ جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کر ہے مگر اب تک کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

اور ایک یہ میری زندگی ہے میرے باپ کے جانے کے بعد گرینی نے مجھے کوئین میری اسکول میں داخل ک یا۔ میری زندگی کا واحد شوق تعلیم حاصل کرنا تھا اور میں نے اچھے نمبروں سے میٹرک بھی کر لیا تھا۔ ان دس سالو میں گرینی نے جو میرے باپ کو گالی گلوچ کر کے چلتا کر چکی تھیں اور جنہوں نے میری پرورش کا ذمہ لیا تھا۔ کیسا میرا کلیجہ چھلنی کیا۔ میرے اخراجات کی تفصیل سنا کر۔ یہ میں ہی جانتی ہوں اور پھر جب میں فرسٹ ایئر میں گئ صاف ہاتھ اٹھا لیا۔ انہوں نے بھی اور آنٹ جینس تم نے بھی۔ پھر چارہ کیا تھا سوائے اس کے کہ اس پارلر میں ٹریننگ لی جاتی اور جاب کی جاتی۔ ہم کس چیز کا غم کریں' ہم کس کو قصوروار ٹھہرائیں آنٹ جینس! قسمت کو' اپنے والدین ک پھر گرینی کی وش فل تھنکنگ کو۔

اس نے دھلی ہوئی پلیٹیں صاف کپڑے سے خشک کرنے کے بعد آنٹ جینس سے کوئی بات کرنے کی خا پیچھے مڑ کر دیکھا' وہ کچن سے جا چکی تھی۔ وہ ان کو دیکھنے کی خاطر قریب لگے سلیب پر رکھے اخبار کے کاغذ کے ٹکڑے پر اس کی نظر پڑ گئی جو آنٹ جینس کے ہاتھ میں تھا اس نے یونہی اس پر نظر ڈالی وہ کسی آفیشل فنکشن کی تصو تھی جس کی پکچر سٹرپ میں چار پانچ مختلف لوگ شاعر ''جون ایلیا'' کے فن پر تقاریر کر رہے تھے۔ اس نے دیکھا آنٹ جینس نے اس تصویروں والے کاغذ پر جگہ جگہ بال پوائنٹ سے دستخط کیے ہوئے تھے۔ مگر وہ سائن یقیناً آنٹ جینز کے نہیں تھے۔ وہ اس کے دستخطوں کے پہلے حرف جے کی شکل سے اچھی طرح واقف تھی' مگر ان سگنیچرز کا پہلا حرف قطعی جے نہیں لگ رہا تھا' بلکہ اس کی شکل قطعی مختلف تھی۔ اس نے کچھ دیر ان کو سمجھنے کی کوشش کی اور پھر کندھے اچکا باہر آ گئی۔ وہ کاغذ اس کے ہاتھ ہی میں تھا اور بے دھیانی میں اس نے کمرے میں آ کر اپنے کپڑوں کا بکس ٹھیک کرتے ہوئے اسے کپڑوں کی تہہ میں رکھ دیا تھا۔

.....۞.....

قبلہ و کعبہ محترم ماسٹر صاحب

السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ بفضل خدا خیریت سے ہوں گے۔ بہت دنوں سے آپ کی نصیحت کے مطابق آپ کو خ لکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر دن بھر کی مصروفیت کے بعد رات کو تھکن اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ چاہنے کے باوجود خط لکھ

پا سکتا۔ آج اتوار ہے اور کام سے چھٹی اس لیے فرصت سے خط لکھ رہا ہوں۔

میں یہاں بالکل خیریت سے ہوں۔ ایک پرائیویٹ فرم میں جز وقتی نوکری مل گئی ہے۔ شام کو ایک وکیل کے پاس بیٹھتا ہوں' اور ان کا حساب کتاب دیکھتا ہوں۔ ایم۔ اے انگریزی کا آدھا کورس خرید چکا ہوں۔ ت کو پڑھنے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔ بہت خیال آتا ہے کہ آپ کے پاس ہوتا تو کئی چیزوں کو سمجھنے میں اتنی ہوتی مگر پھر بھی' بہت سی مشکل چیزیں صرف اس لیے آسان لگتی ہیں کہ بچپن سے آپ کا شاگرد رہا ہوں۔ مجھے رح یاد ہے کہ گرائمر آپ مجھے کس طرح پڑھایا کرتے تھے۔ جب ہی تو گرائمر کے سارے اصول میرے ذہن پلے نقش ہیں۔

نماز پڑھنے کے بارے میں آپ کی نصیحت پلے سے بندھی ہے۔ اس کی ادائیگی کی پوری کوشش کرتا ہوں۔ ا کہنا ''رب راضی تو سب راضی۔'' میرے دل پہ لکھا ہے اب کے گاؤں آیا تو ''رب راضی'' کرنے کے مختلف ں پر بحث ہوگی۔

آپ اپنی صحت کا حال سنائیں۔ اب موسم بدل رہا ہے اور سردیاں ننگے پاؤں آ رہی ہیں آپ کی جوڑوں کی بڑھنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ ماسی رشیدہ یا چاچی ہاجرہ سے کہہ کر ''سونٹھ'' والا نسخہ ضرور بنوا لیجیے گا۔ میری اماں کو ں اور بکریوں سے فرصت ملے گی تو آپ کی کوئی خدمت خاطر کرے گی نا۔

اور سنائیں گاؤں بھر کا کیا حال احوال ہے۔ چاچا شفیع' چوہدری سکندر' چوہدری سلیم' لالہ دین محمد اور ر لیے کے خوب بیٹھک ہوتی ہوگی۔ مجھے آج کل دھان کی سبز بالیاں اور کماد کے کھیت کے رنگ بہت یاد آ رہے ہیں۔ ہتا ہے کہ اڑ کر گاؤں پہنچ جاؤں مگر وقت عمر کو بہت آگے لے آیا ہے' محض دل چاہنے پر بچپن کی طرح عمل نہیں کیا ا۔ کبھی کبھار اردو بازار کے فٹ پاتھوں سے اور انارکلی کے اتوار بازاروں سے پرانے انگریزی ناول خرید کر کا موقع مل جاتا ہے تو آپ کے سنھائے ان ہی ناولوں کے ترجمے بہت یاد آتے ہیں۔ ماسٹر صاحب ہم کتنے عیب لوگ ہیں جو آپ کے زیر سایہ تعلیم اور تربیت دونوں ہی حاصل کرتے رہے۔ آج میں پیچھے نظر ڈال کر ہوں تو خیال آتا ہے کہ آپ کا سایہ نہ ملتا تو ہم کیا ہوتے۔

ابھی بھی یہ بات لکھتے لکھتے مجھے جھرجھری سی آ گئی ہے۔ ماسٹر صاحب آپ سے میری درخواست ہے میرے وصی دعا کریں کہ خدا میرے ہاتھ سے کوئی ایسا کام نہ کروائے جو آپ کے لیے دل آزاری کا سبب بنے۔

میں نے اماں اور بھائی دل نواز کو بھی خط لکھا دیا ہے اور اس کے ساتھ مبلغ دو ہزار روپے کا منی آرڈر بھی بھجوا دیا ان دکھوں کے زمانے میں یہ اگرچہ کم ہیں مگر غنیمت ہیں۔ میرے لیے یہ بھی دعا کریں کہ میں کچھ ایسا کر سکوں ں کی ساری عمر کی محرومیاں ختم ہو جائیں' بھائی دل نواز کو اتنی سخت محنت سے نجات مل جائے اور آپا شمیم کو اپنے یٹھے میکے سے اتنا کچھ مل جایا کرے کہ وہ سسرال میں سر اٹھا کر جیے۔

مجھے علم ہے یہ بات میں آپ کے سامنے کہتا تو آپ کہتے ''اوئے فرازیا' بس اتنی سی سوچ' اوئے آسمان تو بہت دور ہے۔''

یاد ہے آپ سے ایک بار میں نے کہا تھا "The Sky is Limit" (آسمان آخری حد ہے) تو آپ نے ا کہ ایسے بولو۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں

ماسٹر جی۔ میرے پلے میں میرے ساتھ یہ ساری باتیں بندھی ہیں۔ مجھے زبانی ازبر ہیں۔ مگر ماسٹر زندگی کی اصل کہانی ان کتابوں میں لکھی باتوں سے بہت مختلف ہے۔ مجھے یقین ہے آپ میری بات سمجھ گئے۔ آج کل میں کامیابی کے حصول کے لیے ایک کام پر بہت محنت کر رہا ہوں دعا کریں کہ میرا یہ کام بہت سے مکمل ہو جائے۔

گزشتہ دنوں بالاتفاق ایک بہت ہی دلچسپ خاندان سے ملاقات کا موقع ملا۔ آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی زبوں حالی کے بارے میں جو باتیں سناتے ہیں اور انگریزوں کی ہندوستان آمد کے بعد یہاں کے لوگوں سے ملاپ کے نتیجے میں نظر آنے والے جس دوغلی نسلی کے قصے سناتے تھے۔ یہ ایسی ہی کسی تاریخ کی باقیات ہے جب گاؤں آؤں گا آپ کو اس کی تفصیل سناؤں گا یقیناً آپ کو دلچسپ لگے

گزشتہ دنوں ایک ایسے ہوٹل کے اندر جانے کا اتفاق ہوا جو سراسر گاؤں کے مناظر کے مطابق سجایا وہی قدیم طاقچے' رنگ برنگی شیشے جڑی کھڑکیاں' باریک رسی سے بنی کرسیاں' مشرقی موسیقی کے آلات' چنگیر روٹیاں ہانڈیوں میں سالن مجھے اس پر بھی آپ کی بات یاد آ گئی۔ ثقافت کے نعرے مارتی یہ نسل ایک دن چھری کانٹے چھوڑ ہاتھ سے کھانے لگے گی' آپ ہوتے تو اس منظر سے بھی لطف اندوز ہوتے۔ اس سارے منظر میں صرف حقے کی کمی تھی شاید کچھ عرصہ بعد وہ بھی رکھ دیے جائیں۔

حقے سے یاد آیا۔ چاچا رب نواز جب پچھلی دفعہ گاؤں گیا تھا اس کے ہاتھ میں نے گوالمنڈی کا خا بھجوایا تھا مجھے بڑا تجسس ہے کہ آپ کو پسند آیا یا نہیں۔

میرا خیال ہے کہ ہر بات کی تفصیل آپ کو لکھ دی ہے۔ اب اجازت دیں۔ واپسی ڈاک' چاچا رب نواز کے پتے پر ہی بھجوایئے گا میں وصول کر لوں گا۔ میری جانب سے گاؤں بھر کو سلام۔

آپ کا تابع فرمان

فراز احمد

......❁......

ہیلو ڈیئر ڈائری!

کیسی ہو سہیلی!! اتنے دن جب کمرے میں آتا رہا ہوں بک شیلف کے ٹاپ پر ایک کونے میں دھری تم نظر پڑتی رہی ہے مگر ایسا ہے کہ دن بھر کی مصروفیت کے بعد ایسی تھکان غالب آ جاتی ہے کہ کوئی بات لکھنے نہیں رہتی۔ گو بہت سی باتیں تم سے کرنے کو اکثر دل چاہتا رہتا ہے۔

ڈیئر ڈائری' گزشتہ دنوں میں اتنا مصروف رہا۔ پوچھو کیوں! اس لیے کہ میری وہ تمام پینٹنگز جو میں اسکول کے قیام کے دوان بنائی تھیں ان کی نمائش جاری تھی۔ اس نمائش پر حسب معمول ریویوز لکھے گئے۔ ہوئے اس کے علاوہ اسلام آباد میں ایک لٹریری اینڈ کلچر قسم کی تقریب میں بھی شرکت کرنا پڑی۔ مقالے پڑھے گئے کیس' واٹ این ایکٹویٹی۔

مگر ڈیر ڈائری! یقین جانو یہ سب کرتے ہوئے کبھی کبھار تو اب ہنسی آنے لگ جاتی ہے یہ میں کہ ہوں۔ ان سب باتوں کا کیا مقصد ہے۔ الفاظ' الفاظ محض الفاظ ہم کون سا ایسا کام کر رہے ہیں جس کا پھل پھل جسے بابا ہدایت اللہ کرموں کا پھل اور کرنیوں پھل کہا کرتا تھا۔ دور دور تک نظر دوڑاؤں تو کہیں کوئی ایسا کرنی نظر نہیں آتی۔

تم یقین جانو ڈیر ڈائری کہ میں موت سے نہیں ڈرتا مگر موت کے بعد کیا ہونے والا ہے اس سے ڈرتا ہوں۔ نے کیوں آج کل مجھے بابے ہدایت اللہ کے ساتھ ساتھ ''نوسیرین'' بھی یاد آ رہی ہے۔ ''نوسیرین'' جو اصل رین تھی' مگر اپنے ہی لب و لہجے میں خود کو ''نوسرین'' کہہ کر پکارتی تھی۔ کبھی سوچتا ہوں کہ وہ اب کہاں ہوگی۔ لہ یہ بات مجھے اب سوچنا نہیں چاہیے۔ جو کچھ میں اس کے ساتھ کر چکا ہوں اس کے بعد مجھے یہ سوچنے کا حق ہی کہ اب وہ کہاں ہوگی۔

مگر یہ حق تو مجھے ہے نا کہ میں ''نوسرین'' کی بتائی کچھ باتیں یاد رکھوں جو مجھے جب اس نے بتائی تھیں میں ھیان سے سننے اور سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اب یاد یہ یاد آتی جا رہی ہیں۔ ''نسرین'' کہا کرتی تھی کہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو ابدی ہے عالم ارواح میں روحیں مل کر رہیں گی اور دنیا کے جھنجھٹوں کو وبال جان کر سے چھٹکارا پانے پر شکر ادا کریں گی۔'' وہ یہ بھی کہا کرتی تھی۔

ہمیں زندگی میں ایسے عمل کرنے چاہئیں کہ عالم ارواح میں ہمیں ناقابل برداشت نہ سمجھا جائے بلکہ ہمیں خوشی ت سے قبول کیا جائے۔

اب سوچتا ہوں ڈیر ڈائری! تو خیال آتا ہے کہ ''نوسرین'' کا فلسفہ حیات و موت اس فلسفے سے کتنا مختلف اور ہے جو بچپن سے ہمارے دلوں پر نقش کر دیا گیا۔ ''نمک مت گراؤ' آنکھوں سے پلکوں سے اٹھانا پڑے گا۔''

یوں بیٹھے یوں حساب دینا پڑے گا' یوں ہلے یوں حساب دینا پڑے گا۔ سپارہ پڑھو خوب ڈنڈے تڑواؤ خود پر یسا خوف طاری کرواؤ خود پر کہ نہ خود کے رہو نہ خدا کے رہو۔ معلوم نہیں ڈیر ڈائری! مجھے ایسا بغاوت پسندانہ ذہن عطا ہوا۔

مجھے لگ رہا سہیلی کہ میں کچھ ڈی ٹریکس ہو رہا ہوں۔ ہاں یاد آیا۔ ان دنوں میں' میں نے سارہ کی کچھ عجیب و ب ایکٹویٹیز نوٹ کی ہیں۔ وہ قوالیوں کی سی ڈیز سننے لگی ہے اور المیہ غزلیں بھی۔ ویسے تو ڈیر ڈائری آج کل کے انوں کا یہ کلچر سا بن گیا ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تصوف کا دورہ سا پڑ جاتا ہے ان کو یہ بھی ایک ردعمل ہے جو ہوا گویا اس کی شخصیت میں کوئی کمی رہ گئی۔ میڈیا تصوف کے راگ الاپ رہا ہے۔ ادب تصوف کی کہانیاں سنا رہا ٹ تصوف کے رنگ میں رنگا جا چکا ہے۔ مجھے تو کبھی کبھار یوں لگتا ہے جیسے ہم بحیثیت قوم کسی گہری نیند سے کر جاگے ہیں۔ اور ہمیں اچانک یاد آیا ہے کہ او ہو ہمارا کلچر تو یہ ہے ہمیں تو اس کے مطابق زندگی گزارنا چاہیے۔ ہے مجھے تو بہرحال اس نئے ٹرینڈ سے سخت اختلاف ہے۔

سارہ کی بات اور ہے ذہنی تنہائی کے جس فیز سے وہ گزر رہی ہے اس میں جھانکنے کی ہمت میں خود میں نہیں مبادا مجھے ایسی بات نظر نہ آ جائے' جس کو برداشت کرنا میرے لیے مشکل ہو۔ اسی لیے میں اسے اس حالت میں ہوں اور خاموش رہتا ہوں۔ وجہ جاننے کی کوشش کبھی نہیں کی کیونکہ میرا خیال ہے کہ یہ چند روزہ دور ہے ایک دن ہی ٹھیک ہو جائے گی۔

ایک اور عجیب بات ہے ڈیر ڈائری کہ مجھے اس نوجوان کا لاشعوری طور پر انتظار رہنے لگا ہے جو مجھے الحمرا میں ملا رجسے میں نے اپنے پاس بلایا تھا۔ وہ اب تک میرے پاس نہیں آیا۔ نہ جانے کیوں مجھے کچھ دنوں سے یہ وہم سا ہے کہ اس اتنے بڑے شہر میں اس سے بڑھ کر مزاج آشنا مجھے کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔ میں اس کا انتظار کرتا ہوں کثر ایسے سرکل میں لاشعوری طور پر اسے تلاش کرتا ہوں جہاں اس کے ملنے کے امکان ہوں۔ بدقسمتی سے مجھے کا نام بھی بھول گیا ہے۔ میں خود بھی اپنی اس کیفیت پر حیران ہوں۔

آج کل میں ''فیض'' پر کام کر رہا ہوں۔ اس موضوع پر پہلے بھی میں نے تھوڑا کام کیا تھا مگر آج کل ارتکاز کے ساتھ فیض کلام کی ''تصویر کشی'' کرنے کی کوشش جاری ہے۔ آج کل میں فیض کی جس نظم پر ورکنگ ڈیولپ کر رہا ہوں جانتی ہو ڈیر ڈائری کہ وہ کون سی نظم ہے۔ آؤ مل کر گنگنائیں۔

میرے دل میرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا۔

نجانے کیوں ڈیر ڈائری! میں جب بھی یہ نظم پڑھتا ہوں میرا اپنا آپ میرے تصور میں آ جاتا ہے۔ اور ہے کہ اس نظم میں' میں خود سے باتیں کر رہا ہوں۔

تمہیں کیا معلوم سہیلی! کہ میں زندگی میں کتنی بار کہاں کہاں زمیں بدر ہوا' کہاں کہاں محسوسات بدر ہو کہاں جذبات کی سرزمین سے مجھے در بدری کا حکم نامہ ملا۔ یہ جو سینے میں زندہ رہنے کی نشانی کے طور پر دھڑ اس دل کو کبھی کھول کر دیکھو تو خود ہی کہو گی۔ شاہنواز احمد عرف شاہو! تم کیسے سخت جان ہو؟

آؤ پھر مل کر گنگنائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کوئی یار نامہ بر کا
ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا ہے اپنے گھر کا
میرے دل میرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر

''کل شام میں نے فراز کو دیکھا تھا لالہ رحمت کے پاس کھڑے ہوئے' شیدے نائی کی دکان پر۔''

سعدیہ نے یہ خبر مانو کو اس وقت سنائی جب وہ اپنے گھر کے صحن میں بنے مٹی کے پرانے چولہے کو توڑ کر نیا چولہا نے میں مشغول تھی۔

''اچھا!'' مٹی کو گوندھتے ہوئے مانو کے ہاتھ لمحہ بھر کے لیے رکے اور پھر متحرک ہو گئے۔

''بڑے دن بعد آیا اس دفعہ۔'' اس نے مٹی پر ہاتھ سے پانی چھڑکتے ہوئے کہا۔

''ہاں' پہلے تو میں پوچھنے لگی تھی کہ اتنے دن بعد کیوں آئے ہو پر وہاں چوہدریوں کا لڑکا بھی کھڑا تھا اور چاچا بھی۔'' سعدیہ نے اس کی مدد کو آگے بڑھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ویسے مانو! اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فراز شکل سے ہی گاؤں کے دوسرے لڑکوں سے مختلف لگتا ہے۔''

''اچھا!'' مانو نے ہنسی روک کر دیا۔ ''وہ کیسے؟''

''پڑھا لکھا لگتا ہے' اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے بات کرتے ہوئے پتا لگتا ہے کہ کوئی پڑھا لکھا لڑکا ہے۔'' سعدیہ لیل پیش کی۔

''پر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی سعدیہ!'' مانو نے چولہے کی بائیں دیوار کی بنیاد بناتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے گاؤں اب بہت سارے پڑھے لکھے لڑکے ہیں' نوکریاں بھی کرتے ہیں' ماشاءاللہ کوئی کمی نہیں پڑھائی کی۔''

''پاگل' تو بات سمجھ نہیں رہی۔'' سعدیہ نے جھنجھلا کر کہا۔ ''پڑھے لکھے ہونے اور نظر آنے میں بڑا فرق ہے' سا کہ باقی لڑکے پڑھے لکھے ہیں، اتنے پڑھے لکھے نظر نہیں آتے مگر فراز نہ صرف پڑھا لکھا ہے بلکہ نظر بھی آتا
''

''کوئی اتنا خاص پڑھا لکھا بھی نہیں ہے' صرف بی اے پاس ہے۔ آگے اللہ جانے پڑھ رہا ہے کہ کیا کر رہا۔ اور بی اے کا کیا ہے۔ اس کا امتحان تو میں نے' تم نے بھی دے رکھا ہے۔ ویسے ہی لوگوں کے منہ پر ایک نام جاتا ہے۔ پہلے سنا ہے لوگ ماسٹر ہدایت اللہ کے شاہو کی مثالیں دیا کرتے تھے اور اب فراز کی۔ پہلے ''شاہو'' چاند چڑھائے تھے اب......''

مانو کو نجانے کیوں سعدیہ کی بات سے چڑ ہونے لگی تھی وہ کچھ کہنے ہی والی تھی جب سعدیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اللہ نہ کرے جو فراز کوئی چاند چڑھائے ماسٹر ہدایت اللہ کے بھتیجے جیسا۔ وہ ماسٹر صاحب کا جگرا تھا گئے۔ یہ تو بے چاری چاچی نور ہے جس نے محنتیں کر کر کے اور اللہ کے آگے منتیں مان مان کر فراز کو پڑھایا لکھایا تو کوئی دکھ سہنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ اور کیا ہم تم فراز کو جانتے نہیں ہیں اچھی طرح سے۔ اتنا تابع دار اور بزرگ عزت و آبرو رکھنے والا اور کون ہوگا اس گاؤں میں۔''

''بس اس گاؤں کو عادت پڑ گئی ہے ہیرو ورشپ کی۔'' مانو نے ناگواری سے سر جھٹکا۔ ''کبھی ان کا ہیرو دیت اللہ تو کبھی شاہنواز احمد تو کبھی فراز احمد۔''

''تو تیرے خیال میں گاؤں کے لوگ ''رلیے'' کی ہیرو ورشپ کریں یا پھر ''یا غفور'' کی جو سال میں ایک نہاتا ہے اور تین بار کپڑے بدلتا ہے۔'' سعدیہ نے ہنستے ہوئے کہا اور اپنے گھر جانے کے لیے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

مانو کو فراز سے کوئی چڑ نہیں تھی' بلکہ وہ اسے بچپن کے ایک ایسے ساتھی کی طرح عزیز تھا جس کے ساتھ بہت اچھی ذہنی ہم آہنگی تھی۔ گاؤں کیا ور لوگوں اور ماسٹر ہدایت اللہ کی طرح اسے بھی فراز کی کامیابیوں پر خوشی محسوس ہوتا تھا۔ مگر اس کے دل میں ایک وہ اور شک پڑا رہتا تھا۔ اسے شاہنواز عرف شاہو کی تاریخ سے خوف آ فراز عین ان ہی خطوط پر چل رہا تھا جن پر شاہو چلا تھا۔ اسے بی اے کے بعد فراز کے لاہور چلے جانے پر بھی ڈ ہوا تھا۔ وہ فراز کے لیے دعا گو تھی اور اس بات سے خوفزدہ بھی کہ لوگ فراز کی تعریف کرتے تھے کہیں اُس کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

اور عجیب سی بات تھی کہ اس شام جب وہ اماں کے ساتھ مزار پہ گئی تو فراز پہلے سے موجود تھا۔ اماں کو بھی سے دوسرے لوگوں کی طرح فراز سے پیار تھا۔ وہ اس سے سلام کرنے پر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دے رہی وہ انتہائی سعادت مندی سے وصول کر رہا تھا۔ اماں اندر گئی تو فراز نے ہنس کر مانو کی طرف دیکھا۔

''کیوں بھئی' مبینہ کلثوم! کیسا رزلٹ رہا اس دفعہ؟''

مانو کو معلوم تھا کہ وہ اس کے رزلٹ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اماں کے اندر جا وہ اس سے یہ ہی سوال کرے گا مگر اس مرتبہ اس نے اس فراز کی بات کا ذرا بھی برا نہ مانتے ہوئے عجیب سے سوال کیا۔

''فراز......'' تم لاہور میں کیا کام کرتے ہو؟''

یہ سوال فراز کے لیے چونکا دینے والا تھا۔ اس نے لحظہ بھر کو اس کی طرف غور سے دیکھا اور ابھی کوئی دینے والا ہی تھا کہ اماں کے باہر نکل آنے پر خاموش ہو گیا۔ فراز بابے سید سے گفتگو میں مصروف ہو گیا جبکہ ما طرف لگے رات کی رانی کے پودے کے پاس کھڑی اسے غور سے دیکھتی رہی۔ فضا میں اگربتیوں' گلاب کی پتیوں رات کی رانی کی ملی جلی مہک رچی تھی' اور دل کو افسردہ کر دینے والا ماحول تھا۔ مانو کا دل بوجھل ہو گیا' کس خیال کے تحت یہ وہ خود بھی جان نہ سکی تھی۔

مگر اس سے اگلے ہی دن جب وہ ماسٹر ہدایت اللہ کے ساتھ چھوٹے بچوں کو انگریزی قاعدہ پڑھا رہی تھی اس نے دیکھا۔ وہ ماسٹر صاحب سے ملنے چلا آیا تھا۔ ماسٹر صاحب کی یہ من پسند ملاقات تھی۔ وہ ان کے لیے خوبصورت پیکنگ میں بند پیٹھے اور ناریل کی مٹھائی لایا تھا۔ میٹھا انہیں ہمیشہ ہی سے پسند تھا۔ ایک تو فراز کی آمد

کے ذائقے نے ان کا دل باغ باغ کر دیا تھا۔ جب اچانک فراز نے وہی سوال ماسٹر صاحب سے کر ڈالا۔

''ماسٹر صاحب! یہ مانو آخر کب بی اے مکمل کرے گی؟'' وہ جانتا تھا' اس ایک سوال سے وہ کتنا چڑتی تھی مگر یہ سوال پوچھنے میں مزہ آتا تھا۔ جواب میں ماسٹر صاحب انگریزی زبان کے دھوکوں کی تفصیل میں پڑ گئے تھے۔

''ماسٹر جی! فراز سے بھی تو پوچھیں' یہ لاہور میں کیا کام کرتا ہے۔ ذرا اس سے ایم اے انگلش کے کورس کی تفصیل تو پوچھیں۔'' مانو نے بھی جواباً حملہ کیا۔

''تم نے کیا کرنا ہے کورس کی تفصیل جان کر۔ ایم اے کرو گی انگریزی میں' مبینہ کلثوم ان کمپلیٹ بی اے۔'' فراز نے اسے مزید چڑایا۔

''اوئے رہن دے فرازیا! مبینہ کلثوم کو نہ چھیڑ' یہ بڑی بی بی بچی ہے۔ اس کا اتنا بی اے بھی بڑے لوگوں کے ایم اے سے بہتر ہے۔'' ماسٹر صاحب نے اس نوک جھونک سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم اتنے عجیب انداز میں بار بار کیوں پوچھ رہی ہو کہ میں لاہور میں کیا کرتا ہوں' ماسٹر جی اٹھ کر باتھ روم گئے تو فراز نے اچانک مانو سے پوچھا۔ اس کے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا کہ اب وہ سنجیدہ ہے۔

''اس لیے کہ مجھے تجسس ہے کہ تم وہاں کیا کرتے ہو۔'' مانو نے صاف گوئی اور سادگی سے کہا۔

''شوکے کو لاہور گئے دس سال ہو گئے' چاچے فضل الٰہی کا بشیرا اتنے سال لاہور رہ کر کمائیاں کر کے آیا۔ پادل سال لاہور میں کام کرتا رہا' کسی ن ان سے نہیں پوچھا کہ وہ لاہور میں کیا کام کرتے ہیں۔ میری دفعہ ہی پوچھنا سب کو۔'' مانو کو لگا' وہ جھلایا ہوا تھا اور ناراض بھی۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''پر تم اتنے خفا کس بات پر ہو جن لوگوں کی مثال تم دے رہے ہو' وہ سیدھے سادھے لوگ تھے۔ سب کو پتا تھا مزدوری کر رہے ہیں لاہور میں۔ شوکے نے تو گھر بھی بنا لیا وہاں' کئی لوگ اس سے مل کر دیکھ کر آئے مگر تم تو ان سے مختلف ہو' پڑھے لکھے گاؤں بھر سے زیادہ ٹیلنٹڈ ہو۔ تمہاری بات دوسری ہے' تم سے تو ہم پوچھیں گے ہی نا کہ کیا کام کرتے ہو۔ ساتھ ساتھ پڑھتے بھی ہو یا نہیں۔ ہمارے گاؤں میں واحد تم ہی تو ایک بندے ہو اب تک دفعہ میں ہی بی اے پاس کر گئے' انگلش لٹریچر کے ساتھ۔ تمہارا مستقبل تو مختلف ہونا چاہیے نا باقیوں سے۔''

فراز نے اپنی بات کی وضاحت کرتی مانو عرف مبینہ کلثوم کو دیکھا اور سوچا۔

''یہ ہی تو وہ سادہ دل لوگ اور جذبات ہیں جن میں' میں پلا بڑھا ہوں پھر کیوں مجھے ان لوگوں کا یہ سوال چبھتا میں لاہور میں کیا کرتا ہوں۔ شاید میرے اندر چھپا میرے دل کا چور مجھے اس بات سے ڈراتا ہے۔ شاید اسی لگتا ہے کہ اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرتا ہے تو اس کے پیچھے ضرور کوئی خاص بات ہے۔ افوہ میں بھی کتنا احمق یوں مضطرب ہو جاتا ہوں۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''تمہیں للی ڈی سوزا کے متعلق بتاؤں؟'' اچانک ہی اس کا دل چاہا کہ مانو سے کوئی بات شیئر کرے اور بے ساختہ اس سے نکلا۔

''للی ڈی سوزا؟'' مانو نے چونک کر پوچھا۔ جب ہی ماسٹر جی حقے کی ٹوپی پکڑے ادھر چلے آئے۔

''لائیں ماسٹر جی! میں رکھ دوں آگ ٹوپی پر۔'' مانو نے سرعت سے اٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''لے۔'' ماسٹر جی نے عینک کے اوپر سے فراز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس لیے ہی تو معاملہ خراب ہو جاتا ہے' پرچوں میں۔ کہتی ہے آگ رکھ دوں ٹوپی پر۔ اس سے ہی اندازہ لگا لو کہ اسے اپنی زبان میں Prepos کا استعمال نہیں آتا تو انگریزی میں کیا آئے گا؟''

فراز بے اختیار ہنس دیا اور مانو جھینپ کر ٹوپی اٹھائے انگیٹھی کی طرف آ گئی۔
''کیا کہنا چاہیے ٹوپی پر' ٹوپی میں یا ٹوپی کے اندر؟''
سلگتی سرخ آگ پر نظریں جمائے وہ خود کو درست کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''مگر یہ فراز کیا کہہ ر
کیا ڈی لوایاز ائیلیما' اس بات کے کرنے کا کیا مطلب تھا؟''
اس کا ذہن الجھ گیا تھا۔

.......۞.......

وہ رابعہ ٹیکسٹائل ملز کی چیف ایگزیکٹو چیئر پر بیٹھا تھا اور پچھلا ریکارڈ چیک کرنے کی غرض سے کئی فا
پھیلائے ان میں سر کھپا رہا تھا۔ اسے اس آفس میں آتے ہوئے یہ تیسرا دن تھا اور وہ اپنی زندگی کی روٹیر
پلٹنے پر حیران بھی تھا۔ محض ساڑھے تین چار ماہ قبل اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ جو سی ایٹل یونیورسٹی میں
منسٹریشن کی کلاسز لے رہا تھا اور مستقبل کے بارے میں جو بھی منصوبے رکھتا تھا' ان میں پاکستان آ کر
بزنس کو سنبھالنا ہرگز شامل نہیں تھا بلکہ اسے تو اکثر شہری پر بھی حیرت ہوتی تھی۔ وہ کیسے مزے سے واپس لو
اس نے پاکستان کے بزنس کے ماحول کو اپنا بھی لیا تھا اور یہاں کے اسی سوشل سرکل میں سیٹل بھی ہو گیا تھ
زمانے میں وہ دونوں انتہائی ناگواری کے ساتھ ڈسکس کیا کرتے تھے۔ وہ وہاں بیٹھا شہری کے وینچرز اور ا
خبریں سنتا تھا اور حیران ہونے کے ساتھ ہنسا بھی کرتا۔
''تم کہاں خود کو ضائع کر رہے ہو شہری یار! بس کر دو اور ادھر واپس آ جاؤ۔'' اس نے کئی بار اس سے
یقیناً اس سے زیادہ ذمہ دار اور میچور تھا۔ شاید اس لیے کہ پندرہ منٹ بڑا تھا۔
''تم نے شاید کبھی ڈیڈی کی زندگی اور ان کی مصروفیت کا غور سے اندازہ نہیں کیا اسفی! اگر وہ اسی طر
اکیلے کام کرتے رہے تو معاملہ خراب ہو جائے گا۔ انہیں میرے سہارے اور ساتھ کی ضرورت ہے۔'' وہ
لیکن سہارے اور ساتھ کے لیے ہمیشہ میرے کا لفظ استعمال کرتا تھا۔ یہ بھی دلچسپ بات تھی کہ ہمیشہ شہری
ہم عمر ہونے کے باوجود اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھتا تھا جیسے وہ اس سے کہیں بڑا ہو۔ اسکول اور کالج کے زما
وہ ہمیشہ اس کی ضرورتوں کا خیال بڑے بھائیوں کی طرح رکھتا تھا۔ اس کی چیزوں کو ہمیشہ وہی سنبھالا کرتا
ساتھیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے' دوستی نبھانے کے معاملات ہمیشہ وہی نبٹایا کرتا تھا۔ اس نے اسفند کو ہ
داری اور فکر سے آزاد رکھا تھا۔ اس کی زندگی میں اسفند کو کبھی یہ سوچنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ وہ ایسا
مگر اب جب سے وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تھا اور شہری کی موت پر اپنے اندر پیدا ہونے والے ردعمل پ
قابو پا چکا تھا' اسے اکثر یہ خیال آتا تھا کہ شہری نے کیوں' یوں بڑے بھائیوں یا شاید پھر ایک ذمہ دار با
ہمیشہ اس کی ذمہ داریاں نبھائیں؟
شاید ڈیڈی کی لاپروائیوں اور ماما کے غیر ذمہ دارانہ رویوں کی وجہ سے ہم زندگی میں جس چیز کی ک
رہے تھے' اسے ہمیشہ وہی محسوس کرتا رہا اور مجھے اس کے احساس سے لاشعوری طور پر بچاتا رہا۔'' اب و
''مگر میں ہمیشہ یہی...... سمجھتا رہا کہ ہم دونوں ہم شکل ہی نہیں' ہم مزاج اور ہم عادات بھی ہیں۔ اب م
خیال آتا ہے کہ ہم مزاجی اور مزاج آشنائی میں کافی فرق ہے۔ وہ میرے مزاج سے واقف تھا اسی لیے ہ
میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جیسے میرا اور اس کا مزاج ملتا ہو اور میں نے کبھی اس بات کو اس کی زندگی میں محس
کیا تھا۔ میرا رویہ ہمیشہ اپنی ذات سے ہی متعلق رہا۔ کبھی میں نے کوئی ایسی چیز سنبھال کر نہیں رکھی جو ہمار

ی۔ یہ کام ہمیشہ وہ کرتا رہا۔ اس کے کپڑے' جوتے' پرفیومز دوسری چیزیں بلا جھجک استعمال کرتا رہا۔ جہاں کسی مشکل
ورتحال کا سامنا ہوا اسے بھیج دیا۔ ڈیڈی کو مدد اور سہارے کی ضرورت پڑتی تو میں...... توجہ ہی نہیں دیتا۔ پتا تھا میری
موشی پر وہ بغیر کچھ کہے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر بھی چلا آئے گا۔ میں یہ سب کرتا رہا اور مجھے نہ خود کبھی احساس ہوا نہ
ا اس نے کبھی یہ احساس دلایا۔ اور پھر جب وہ چلا گیا تو مجھ پر انکشافات کے بہت سے بند دروازے کھلے۔ میں تو
ں کی ذات کا عادی ہو چکا تھا' میں تو اس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ میں عدم تحفظ کا شکار ہو چکا ہوں شہری! میری تو گویا
ا کھی چھین لی گئی ہے۔ میں زندگی کا کس طرح مقابلہ کروں گا۔'' اس کے ذہن کو ایک لمحے کے لیے جھٹکا لگا۔ مگر
سرے ہی لمحے وہ سنبھل چکا تھا۔ پچھلے پندرہ دن کی مسلسل سائیکو تھراپی نے اسے اس قابل کر دیا تھا کہ اس نے اس
خ حقیقت کے ساتھ زندگی کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور اسی فیصلے کے تحت وہ آج اس ٹیکسٹائل مل کی اس چیئر
بیٹھا تھا جو شہری کی تھی۔ یہ مل شہری کا پروجیکٹ تھی۔ اور اس کی ابتدا سے اب تک اس کا تمام تر کام شہری کی زیر نگرانی
ا ہوا تھا۔ اسفند کے لیے ایک یہ ایک ایسا تجربہ تھا جس کے کرنے کو اس کا دل کبھی بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر اب اسے
رازہ ہو رہا تھا کہ ان چاہے کاموں کو کس طرح کیا جا سکتا ہے اور شہریار نے یہ ان چاہا کام قبول کرتے ہوئے اپنے
ہن اور سوچ کی کن سطحوں پر قربانی دی ہو گی۔
یونہی فائلز الٹتے پلٹتے ایک فائل کے ٹائٹل پر اس کی نظر پڑی۔ اشتہارات ۲۰۰۱۔ ''یہ جی لانچنگ ایڈز فائل
ہے۔'' نقوی صاحب جو سیلز پروموشن برانچ کے ہیڈ تھے اسے بریف کر رہے تھے۔ اخبارات کی کٹنگز' نیوز میٹریل اور
تہارات کی کٹنگز سے مزین وہ فائل خاصی کلرفل تھی۔ اس نے سرسری نظر ڈالتے ہوئے صفحات پلٹے۔
''ایک ایک کام میں شہریار صاحب خود دلچسپی لیا کرتے تھے' یہ لانچنگ ایڈز بھی خود بنوائے تھے۔ سارے
ئیڈیاز ان کے اپنے تھے۔'' نقوی صاحب نے اٹھ کر خود بھی صفحات پلٹتے ہوئے کہا۔ ''یہ دیکھیں جی اس بچی کا یہ
ہلا ایڈ تھا جو ہمارے لیے اس نے کیا' اس کے بعد یہ جو چڑھی ہے تو آج دیکھیں سب سے مہنگی اور سب سے زیادہ
یمانڈ ہے اس کی۔'' نقوی صاحب بتا رہے تھے اور اسفند کی نظریں جیسے ایک جگہ پر جم کر رہ گئی تھیں۔
''ماڈل گرل ہے' آج کل خاصی ان جا رہی ہے۔'' خشک دودھ کا پیک پکڑے مسکراتی لڑکی والا نیون سائن
ں کی نظروں کے سامنے آ گیا۔
''تھیا گلی کی اس دکان پر تنکوں والا ہیٹ پہنے وہ لڑکی جو مجھے دیکھ کر چونکی تھی یقیناً مجھے شہری سمجھی ہو گی۔'' وہ
سارے کلیوز جوڑتے جوڑتے کسی نتیجے پر پہنچا۔'' اسے کیا معلوم کہ شہری کا ہم شکل اس کا جڑواں بھائی بھی دنیا میں
وجود ہے۔ اس کے خیال میں تو شہری زندہ نہیں ہے۔'' اسے اچانک جیسے ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔
''اور اب ہمارے نئے ایڈ میں کون آ رہا ہے؟''
''یہ جی' یہ دیکھیں۔'' نقوی صاحب نے ایک اور صفحہ اس کے سامنے کیا۔ یہ کوئی اور چہرہ تھا۔ اسفند کو حیرت
ہوئی۔

''اور وہ جو سب سے مہنگی ماڈل ہے اور جس کی ڈیمانڈ سب سے زیادہ ہے وہ......''
''وہ تو جی شہریار صاحب نے منع کر دیا تھا' ہمارے کسی ایڈ میں وہ کام نہیں کریں گی۔''
''کیوں؟'' اسے حیرت ہوئی۔
''پتا نہیں جی۔ بس منع کر دیا تھا۔'' نقوی صاحب کا انداز قدرے عجیب سا تھا۔
اسفند نے کچھ دیر ان کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ اور پھر اپنا دھیان

وہاں سے ہٹا لیا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ ایسا کریں کہ یہ سب فائلز سمیٹ لیں اور اٹھوا دیں۔ ابھی حیدر کاٹن ملز کے جونمائندے ہمارے پاس آ رہے ہیں ان کے بارے میں مجھے ریاض صاحب سے کچھ ڈسکس کرنا ہے۔ اس کے بعد ان سے میٹنگ ہوگی۔''

اس کا لہجہ ایک دم بدل گیا تھا۔ نقوی صاحب نے فوراً محسوس کیا تھا۔

......۞......

جینس ڈی سوزا نے بیڈ نمبر پانچ کے مریض کے واویلا مچانے پر ناگواری کا اظہار کرتی سسٹر شازیہ کی طرف حیرت سے دیکھا۔ وہ عرصۂ دراز سے اس پیشے سے منسلک تھی اور اپنی نرم مزاجی' مشفقانہ برتاؤ اور میٹھی زبان کی وجہ سے مریضوں کی پسندیدہ سسٹر مشہور تھی۔ ہسپتال کی کچھ ڈاکٹرز تو اس کے ہاتھوں کو دیکھ کر اسے کبھی کبھار چھیڑتی تھیں۔

''جینس! تمہارے ہیلنگ ہینڈز (مسیحائی ہاتھ) ہیں۔ ایسے لگتا ہے تمہارا ہاتھ لگتے ہی مریض کو سکون مل جاتا ہے۔'' کبھی کبھی ڈاکٹر اسے Healer Spiritual بھی کہہ کر بلاتے تھے۔

''جینس کو الفاظ اور ہاتھوں کی نرمی کے ساتھ مریض کو بڑی سے بڑی تکلیف بھلا دینے کا فن آتا ہے۔'' اس کی ساتھی نرسیں بھی کہا کرتی تھیں۔ شاید یہ سچ ہی تھا جب ہی اسے سسٹر شازیہ کے بڑبڑانے پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا شازیہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں انجکشن لگانے کی تیاری کر رہی تھی۔

''اب یہ اسی غصے میں جا کر اس بے چارے کے بازو میں یہ سوئی گھسائے بلکہ بھونکے گی اور وہ مزید بلبلائے گا۔'' اس نے سوچا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی فائلز میز پر رکھ کر شازیہ کو روکنے چل دی۔

''لاؤ۔ میں لگاتی ہوں۔'' اس نے شازیہ کے ہاتھ سے سرنج لے لی۔

شازیہ کو اپنا کام اس کے حوالے کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا تھا۔ وہ راستے ہی سے واپس مڑ گئی۔ بیڈ نمبر پانچ کا مریض شازیہ کے بجائے اسے دیکھ کر حیران ہوا اور اس کی جاری ہائے ہائے ایک لمحے کے لیے رک گئی۔ دوسرے لمحے وہ ہلکا سا مسکرایا اور بازو اس کے سامنے کر دیا۔

''بڑا درد ہے۔'' اس کے انجکشن لگانے کے دوران وہ کسی کے بغیر اسے بتانے لگا۔ ''رات سے بہت درد ہے پیٹ کے نچلے حصے میں اس سسٹر نے ایک دفعہ بھی آ کر نہیں پوچھا۔ ہر بار ڈانٹ دیتی تھی شور مت کرو' شور مت کرو' ایک میں ہی تو شور نہیں کرتا اس پورے وارڈ میں۔ سارے شور کرتے ہیں۔ جب ادھر کسی کو کوئی پوچھے گا ہی نہیں۔ اپنی تکلیف کے ساتھ کمبلوں کے پسو کاٹیں گے' صاف پانی بھی نہیں ملے گا تو شور تو سارے ہی کریں گے نا۔''

''درد تو سب کو ہوتا ہے نا سلطان!'' جینس نے اس کے بازو پر اسپرٹ میں بھگوئی روئی رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔ ''مگر شور مچانے سے آرام تو نہیں آ جاتا نا۔ اب تم یا یہ سب مریض جو یہاں لیٹے ہیں بچے تو نہیں۔ ہمیں بڑی عمروں میں اپنی تکلیفوں پر ان کا اظہار کرنے کا طریقہ تو آ جانا چاہیے۔''

''تمہیں کیا پتا سسٹر! یہاں کیا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے ایسے علاج کروانے سے مر جانا ہی بہتر ہے۔'' مریض نے اس کی بات پر کان نہ دھرتے ہوئے کہا۔

''یہ بات تو تم یہاں لیٹے اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم زندہ ہو اور یہاں پڑے ہوئے ہر چیز کو محسوس کر سکتے ہو۔ موت کیا ہوتی ہے۔ کیسی محسوس ہوتی ہے۔ تمہیں کیا پتا۔'' جینس نے اسے نرم لہجے میں قدرے سخت بات کی۔

''پھر بندہ ایسی بات پر اور کیا کہے۔ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے' یہ ہم ہی جانتے ہیں۔'' ساتھ والے بیڈ پر لیٹے

ی نے جو اس وقت سے آنکھیں بند کیے سن رہے تھے بولے۔

جینس نے تھوڑی دیر بابا جی کی طرف غور سے دیکھا اور لمبا سانس لے کر واپس اپنی سیٹ پر جانے کو مڑ گئی۔

اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس نے کئی بار وارڈ میں لیٹے مریضوں پر نظر ڈالی۔ اونچی چھتوں اور قلعی اکھڑی ...وں والا یہ لمبا سا کمرہ اونچے اونچے بیڈز سے بھرا ہوا تھا۔ روغن اترے بیڈ اور شیلف' میلی پڑتی سفید چادریں' ...سے نہ دھوئے گئے سرخ کمبل اور اور ان بیڈز پر پڑے مختلف عوارض میں مبتلا مریض' شور مچاتے' بلبلاتے' نرسوں' ...بوائز اور ڈاکٹروں سے جھگڑتے وہ برسوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ کچھ عرصہ بعد چہرے بدل جاتے تھے مگر منظر رہتا تھا۔ اس نے ان ہی بیڈز پر کئی لوگوں کو دم توڑتے بھی دیکھا تھا۔ جب کبھی ایمرجنسی وارڈ میں اس کی ڈیوٹی ...تو ایسے ایسے منظر دیکھنے کو ملتے کہ عام آدمی کے ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے مگر جینس ڈی سوزا ...لیے شاید اب یہ روٹین کے معاملات بن چکے تھے۔ اس کے اعصاب مضبوط اور حواس ہر دم نارمل رہتے تھے۔ ...ہ ہسپتال کے سینئر اسٹاف کی ممبر تھی اور اپنے سے جونیئر نرسوں کے لیے ایک قابل تقلید مثال سمجھی جاتی تھی۔ یہاں ...ت کے نتیجے میں آنے والے مریضوں کی آمد پر جو افراتفری اور سراسیمگی نئے اور جونیئر اسٹاف میں پھیلتی تھی' ...نیس کے اعصاب بالکل نارمل ہوتے اور وہ سرعت اور سکون کے ساتھ اپنا کام کیے جاتی۔

''حادثات اور اتفاقات جن کی پوری زندگیوں کو کچل اور نگل جائیں ان کو یہ منظر کیا پریشان کر سکتے ہیں۔''

اپنی ساتھیوں کے اپنے بارے میں کمنٹس پر کبھی کبھی وہ دل میں سوچتی لیکن اس سوچ کا اظہار اس نے کبھی نہیں ...ا۔ اور اس شام بھی جب وہ نرسز روم کی عقبی لان والی کھڑکی کے قریب دھری کرسی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی اور ...نظریں باہر لان کی سبز گھاس اور اس کے چہار طرف لگی سنتھ کی ایک جیسی کٹائی میں کٹی باڑھ پر جمی تھیں' اسے ...دگی کی کتاب کے کچھ گزشتہ ابواب یاد آ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا اور کانوں میں کبھی سنے ...ماظ کی بازگشت گونج رہی تھی۔

''یہ سب کتنا خوبصورت ہے' یہ سبزہ' یہ پھول' یہ کنج اور اس میں بیٹھی تم' دل چاہتا ہے اس منظر کو ہمیشہ کے لیے ...رلو۔ مگر بھئی' میں کہاں کا جادوگر ہوں جو اس کو ہمیشہ محفوظ کر لوں ماسوائے اپنے دل نہاں خانے کے۔''

''دیکھ لو......'' اس نے اپنے دل کی دنیا میں آباد زندگی کے کسی گزشتہ باب کی مرکزی کردار سے دل ہی دل ...ب ہوتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب تو یہیں ہے' یہ سبزہ' یہ پھول' یہ کنج اور اس منظر میں گھومتی پھرتی میں۔ مگر یہ تم ہو ...ب ہو گئے ہو اپنے دل کے نہاں خانوں سمیت۔ خدا جانے اب اس نہاں خانے میں کون محفوظ ہے اپنی ...ا سمیت۔ انسان' الفاظ اور احساسات بھی بندے کو کیسا کھلا دھوکا دیتے ہیں۔ یہ تو جس پر گزرتی ہے وہی جانتا

اسے صبح والے مریض کی بات یاد آئی۔ اسے اپنے دل میں ٹیس سی اٹھتی محسوس ہوتی رہی تھی۔ اور باہر سامنے ...رآمدے میں کھڑی سسٹر رضیہ جو پچھلے پندرہ منٹ سے اسے یوں ساکت و صامت چائے کا کپ پکڑے باہر ...لگائے بیٹھے دیکھ رہی تھی' اپنے آپ سے مخاطب ہوئی۔

''یہ جینس بھی نجانے بیٹھے بٹھائے کہاں غائب ہو جاتی ہے۔ یوں کہ اسے گرد و پیش کا کوئی ہوش ہی نہیں

سسٹر رضیہ' جینس کی پرانی کولیگ تھی اور اس کی زندگی کے بیشتر اتار چڑھاؤ سے واقف تھی۔ اور اکثر و بیشتر ...گی کے بہتر طریقے گزارنے کا درس بھی دیا کرتی تھی۔ اس لیے جب اس نے پندرہ منٹ تک اس منظر کو

دیکھا اور جینس کو ہلتے نہیں پایا تو وہ اپنی موٹی ہیل والی جوتی پر کھٹ کھٹ کرتی اس کمرے کی طرف چلی آئی ا
طرح سے اس کا دروازہ دھڑ دھڑانے لگی۔ اس خوف ناک طریقے سے چونکائے جانے پر تو جینس کو چونک
تھا۔ اس نے کپ ہاتھ سے رکھا اور دروازے کی طرف مڑی جو پہلے سے کھلا تھا۔

''اگر تم فارغ تھیں تو باہر نکل کر بیٹھتیں۔ دیکھو تو باہر کتنی اچھی فضا ہے اور اندر اچھی خاصی گرمی ہے۔
رضیہ نے کمرے کی چھت سے لٹکتے گھر گھر کی آواز نکالتے پرانی وضع کے لمبے راڈ والے پنکھے کو دیکھتے ہوئے

''اب تو موسم اچھا خاصا بدل گیا ہے۔ اب اتنی گرمی محسوس نہیں ہوتی۔'' جینس نے خود کو اس بر
چونکائے جانے پر عود کر آنے والی کوفت کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''تم باہر نکل کر تو دیکھو۔ باہر کیسی اچھی ہوا ہے۔'' سسٹر رضیہ اپنی بات پر مصر رہی۔ اور ناچار اس اصرار
کو باہر نکلنا ہی پڑا۔

اس شام سسٹر رضیہ دیر تک اسے زبردستی باہر بینچ پر بٹھائے ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے اس کے کا
رہی۔ وہ اس سے ماما کا' للی اور لینا کا احوال دریافت کر رہی تھی۔ اور للی کی بے اعتنائیوں اور لاپروائیوں
افسوس بھی کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ للی کے باپ کو بہت سے واقعات کے لئے موردِ الزام ٹھہرا رہی تھی۔ ب
جینس کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ مگر اب تک اس کے اعصاب اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ وہ نا
ترین گفتگو کو بھی سکون سے سن لینے اور برداشت کر لینے کی عادت ہو چکی تھی۔

سسٹر رضیہ بلا تکان بول رہی تھی اور وہ غائب دماغی کی کیفیت میں اس سرخ سنگی بینچ پر انگلیاں پھیر۔
سوچ رہی تھی۔

''یہ ہی تو وہ جگہ ہے جہاں کبھی ہم تم بیٹھتے تھے۔ میں تمہیں واک کرانے کے لیے باہر لاتی تھی او
جانے کا بہانہ کر کے یہاں بیٹھ جاتے تھے۔ اور نجانے کہاں کہاں کی باتیں کیے جاتے تھے' دیکھو میں تو ان
روزانہ ہی یاد کرتی ہوں۔ تمہیں خدا معلوم کبھی ان میں سے ایک بات بھی یاد آئی ہے کہ نہیں۔''

.......✿.......

''فضل دین! ڈیڈی دوپہر کو گھر آئے تھے یا نہیں؟'' سارہ نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ڈا
کے قریب کھڑے فضل دین سے پوچھا۔

''صاحب تو بارہ بجے ہی واپس آ گئے تھے۔ کہہ رہے تھے طبیعت خراب ہے۔ اس وقت سے اب
کمرے میں لیٹے ہیں۔''

فضل دین کے جواب پر وہ اپنا بیگ اور سن گلاسز لاؤنج کی ٹیبل پر ہی چھوڑ کر ڈیڈی کے کمرے کی ط
گئی۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے ہینڈل دبا کر دروازہ اندر کی طرف دھکیلا وہ لاکس نہیں تھا' اسی
سے کھل گیا۔ کمرے کے اندر نیم تاریکی تھی۔ کھڑکیوں کے پردے برابر تھے۔ اس نے آنکھیں میچ کر دیکھنے
کی۔ وہ اپنے بیڈ پر نہیں تھے۔ کسی صوفے یا کرسی پر بھی نہیں تھے۔ اس نے وہیں کھڑے رہ کر اندازہ لگانے
کی۔ باتھ روم یا ڈریسنگ روم سے بھی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

اس وقت تک اس کی نظریں اس نیم تاریکی سے مانوس ہو چکی تھیں اور وہ کچھ کچھ دیکھ پا رہی تھی۔ ڈیڈ
میں موجود نہیں تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر کمرے کی دائیں دیوار میں جڑا سلائیڈنگ ڈور ہلایا۔ اس کی تو

مطابق وہ پچھلے کمرے میں تھے۔ جو ان کا اسٹوڈیو تھا' ان کی لائبریری تھا' ان کا انتہائی پرائیویٹ روم تھا۔ سارہ کو خود بھی کبھی اس کمرے میں آنے کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ بھی اسے معلوم تھا کہ وہ بھی اس کمرے میں کسی کا آنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر آج وہ بے اختیار ہی اس طرف آ گئی تھی۔ اگر فضل دین نے ان کی طبیعت کی خرابی کا نہ بتایا ہوتا تو وہ شاید کبھی ادھر نہ آتی۔ مگر اب جب کہ وہ انہیں اس ذرا سے ہٹے دروازے کے بیچ سے دیکھ سکتی تھی' اسے ان کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا۔ ان کی طبیعت یقیناً اب بہتر تھی وہ اپنے دھیان میں اپنے رنگوں اور برشوں میں الجھے ہوئے تھے وہ جانتی تھی یہ ان کی بے خودی کی کیفیت ہوتی تھی۔ ایسے وقت میں وہ صرف اپنے ساتھ ہوتے تھے۔ دوسرا کوئی بھی شخص اس طرح کے مواقع پر انہیں انتہائی برا لگ سکتا تھا۔

وہ اپنے باپ کی یہ کیفیت بچپن سے دیکھتی چلی آ رہی تھی۔ اور اب تو وہ اس کی عادی ہو چکی تھی۔ وہ چار سال کی عمر سے مسلسل کسی رشتے اور تعلق کے نام پر صرف اپنے باپ کو جانتی تھی۔

اس کی ماں کے ساتھ اس کے باپ کا تعلق اس کے ٹھیک طریقے سے ہوش پکڑنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے بعد میں سنا تھا کہ ان دونوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی کی کمی تھی۔ اس نے یہ بھی سنا تھا کہ علیحدگی کے بعد اس کی ماں اپنے باپ اور بھائیوں کے پاس آئرلینڈ چلی گئی تھی۔ اور اس نے یہاں سے جانے کے بعد کبھی مڑ کر اپنی بیٹی کا احوال بھی دریافت نہیں کیا تھا۔ جب وہ نویں جماعت میں پڑھ رہی تھی' اس نے اپنے باپ کے ایک دوست کی زبانی سنا تھا کہ اس کی ماں مر چکی تھی۔ اس عمر تک وہ ماں کے نام اور اس لفظ کے مفہوم سے اتنی ناآشنا ہو چکی تھی کہ اس نے خبر پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ مگر اس مسلسل صورتحال نے انہیں ایک مخصوص قسم کی زندگی کا عادی کر دیا تھا۔ وہ ایک نامور مصور' سنگ تراش' خطاط اور آرٹ کی دنیا کے ایک مشہور نقاد کی بیٹی تھی۔ اس کے باپ کا نام نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ بیرون ملک میں بھی جانا جاتا تھا۔ اس کے اردگرد ایک مخصوص ماحول تھا۔ نامور لوگوں سے میل ملاپ' انتہائی دانشورانہ اور ادبی قسم کی محفلیں اور گفتگو وہ دیکھتی اور سنتی چلی آئی تھی۔

اس نے بہت پہلے یہ بھی سنا تھا کہ اس کے باپ کا تعلق ''لبرل ازم'' کے پیروکاروں میں سے تھا۔ وہ آج تک اس لیبل کا مفہوم جان نہیں پائی تھی۔ اس کے باپ نے اس کو انتہائی پرآسائش اور اچھی زندگی دینے کی پوری کوشش کی تھی۔ اس نے بہت اچھے اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ گریجویشن تک وہ کینرڈ کالج کی طالبہ رہی۔ اس کے باپ کو اسے آرٹ اینڈ فیشن ماڈلنگ کے شعبے میں آگے بڑھانے کی خواہش تھی۔ وہ لندن اسکول آف آرٹ سے مختلف ڈپلومز لے چکی تھی۔ وہیں پر اس نے فارمنگ آرٹ اور ماڈلنگ کے کورسز اٹینڈ کیے۔ اور اب وہ اس فیلڈ کا ایک جانا پہچانا نام بن چکی تھی۔

اس سارے عرصے کے دوران اس کی انتہائی ذاتی زندگی میں کیا اتار چڑھاؤ آئے۔ اس سے اس کا باپ قطعی ناواقف تھا۔ اور خود وہ اپنے باپ کی زندگی کے بہت سے گوشوں کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی۔ بعض اوقات تو اسے ایسا لگتا کہ ان دونوں کے درمیان ایک خاموش سمجھوتا طے ہو چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے ایک دوسرے کے متعلق کچھ نہیں پوچھیں گے اور ایک دوسرے کا بھرم رکھتے رہیں گے۔

اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ کام وہ دونوں کامیابی سے کر رہے تھے۔ ان کی مصروف زندگیوں میں دونوں کی ملاقات دن کے کسی حصے میں اتفاقیہ ہی ہوا کرتی تھی۔ ایسی ملاقات میں وہ ایک دوسرے کا احوال پوچھتے' ایک دوسرے کے شعبے سے متعلق تبادلہ خیالات کرتے اردگرد کے لوگوں پر مختصر تبصرہ کرتے اور ایک دوسرے کو اپنا خیال رکھنے کی تلقین پر یہ ملاقات ختم ہو جاتی۔

اس روز بھی سارہ نے عادتاً فضل دین سے باپ کے بارے میں پوچھا اور طبیعت کی ناسازی والی بات وہ ادھر آ گئی تھی۔ وہ برش کو رنگ میں ڈبو کر کینوس پر چلا رہے تھے اور اپنے اردگرد سے بالکل بے نیاز تھے۔ا کچھ دیر دروازے میں کھڑے کھڑے ان کو دیکھا اور پھر ہونٹ بھینچ کر واپس مڑ گئی۔ اور واپس مڑتے ہوئے ا زندگیوں کی انتہائی ذاتی سطح پر تنہائیوں کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

......۞......

للی کو عادت تھی گھر اور چیزوں کی ترتیب بگاڑ دینے کی اور اس وقت بھی وہ یہ ہی کر رہی تھی۔ اس نے فو الماری کے لڑکھڑاتے شیلفوں میں ہاتھ مار کر اندر رکھے کپڑوں کو الٹ پلٹ کر دیا تھا۔ اس نے راڈ پر لٹکے ہینگر سلیقے سے لٹکے کپڑوں کو نکال کر باہر بستر پر پھینک دیا تھا۔ دیوار سے لگے آئینے کی شیلف پر رکھی میک اپ چیزیں بھی اس کا ہاتھ لگنے سے نیچے گر گئی تھیں اور اب وہ بیڈ سائیڈ ٹیبل کے درازوں میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ لی پندرہ منٹ سے افراتفری کا یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اٹھ کر للی کے کندھے پر ہاتھ ر

"تمہیں کیا نہیں مل رہا ہے للی! لاؤ میں ڈھونڈ دوں؟"

"تمہیں کیا کہ مجھے کیا نہیں مل رہا۔ تمہیں تو جب موقع ملے دبا کر صفائیاں کیا کرو اور چیزوں کو ادھر ادھ کرو تا کہ وقت پر کبھی نہ ملیں۔" جواب میں للی نے مزید جھنجھلا کر کہا۔

"تمہیں مل کیا نہیں رہا؟" لینا نے پھر اسی پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"گھنٹے بھر سے میں اپنا ریڈ کلپ اور ریڈ بریسلیٹ ڈھونڈ رہی ہوں اور وہ ہے کہ مجھے مل کر نہیں دے ر للی نے جھنجھلا کر ہاتھ میں پکڑا ہیئر برش بھی دراز میں پھینک دیا۔

لینا نے آگے بڑھ کر الماری کے اوپر والے خانے سے بسکٹس کا ایک پرانا ٹن نکالا اور اس کا ڈھکن کھول کے آگے کر دیا۔ ڈبے میں عام پہننے والی چھوٹی موٹی جیولری، کلپس اور پونیاں ترتیب سے سجی تھی۔

"یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں میں نے انہیں رکھا تھا۔" للی نے شرمندہ ہوئے بغیر کہا اور انتہائی بدسلیقگی سے کلپ اور بریسلیٹ نکالا کچھ یوں کہ باقی چیزوں کی ترتیب بگڑ گئی۔

لینا نے ڈبہ واپس رکھا اور پھر سے کرسی پر بیٹھ کر للی کو اپنا چہرہ سنوارتے دیکھنے لگی۔ وہ بڑی مہارت سے اپ کر رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس نے اپنا کام مکمل کر کے خود کو آئینے میں دیکھا اور مطمئن ہو کر اسپرے کرنے لگی۔ لینا کو اس کے اورنج لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں کو دیکھ کر الجھن سی ہو رہی تھی۔ اس نے ٹراؤزر اور سرخ شرٹ پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں سرخ ہائی ہیل کے سینڈلز تھے۔ اور بالوں کو سرخ کلپ میں باند تھا۔ اس کے سفید بازو پر سرخ بریسلیٹ البتہ اچھا لگ رہا تھا۔

"تم جا کہاں رہی ہو؟" لینا نے یہ سوال للی سے کبھی نہیں پوچھا تھا۔ مگر آج نجانے کیوں یہ سوال اس کی سے پھسل گیا۔

"آج میری حیدر فاروق کے ساتھ اپائنمنٹ ہے۔" للی نے خود کو ایک مرتبہ پھر آئینے میں دیکھتے ہوئے جواب دیا جیسے وہ کوئی بہت اہم شخصیت ہو اور اسے نجانے کتنے سارے کام نمٹانے ہوں۔

"یہ کون ہے حیدر فاروق؟" لینا کے لیے یہ نام نیا تھا۔

"لو......" للی پنسل ہیل پر پیچھے کی طرف گھومی "تم حیدر فاروق کو نہیں جانتیں۔ وہ تو اتنا بڑا فگر ہے شوبز کا۔ اور تم اس کو نہیں جانتیں؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے اس طرح کی باتوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ نہ ہی میں شوبز کے کسی فگر سے قف ہوں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔" لینا کے جواب پر للی استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"ہاں، میں جانتی ہوں کہ تمہیں اور تمہاری آنٹ جینس کو سوائے روزی روٹی کمانے کے اور کسی بات کی خبر یں۔ تم دونوں کو تو شاید یہ بھی علم نہیں کہ دن کدھر نکلتا ہے اور رات کہاں ہوتی ہے۔ ویسے لینا!" اچانک اس نے پنی ٹون بدلتے ہوئے کہ۔

"کیا کبھی تم اپنی اس روٹین سے بور نہیں ہوئیں۔ تمہارا دل نہیں چاہتا باہر نکلنے کو، لوگوں سے ملنے کو۔ تمہارا تو ب بھی بوائے فرینڈ نہیں ہے شاید، کیا تمہاری عمر کی لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں؟"

"پتا نہیں...... بلکہ شاید نہیں۔" لینا نے قدرے بے دلی سے کہا۔ "مجھے تو کبھی یہ بات بھی سوچنے کی فرصت یں ملی۔"

"اپنی آنٹ جینس کو آئیڈیالائز مت کرو لینا ڈیئر! وہ اپنی زندگی تو برباد کر ہی چکی ہیں تمہاری بھی کر کے رکھ دیں ں۔ اور کل کو تمہیں یہ کہہ کر چلتا کریں گی کہ لینا ڈیئر! تم ایسا کرو کہ Nunery جوائن کر لو۔ تم پہلے ہی کون سا کلرفل نف گزار رہی ہو۔"

للی نے اپنے لباس کی نادیدہ شکنیں درست کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

"وہ مجھ سے کیوں کہیں گی ایسا؟" لینا نے برا مانتے ہوئے کہا۔ "اور تم کو بھی چاہیے کہ ان کے بارے میں ایسی نول باتیں مت کیا کرو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ انہوں نے ہماری زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے کتنی قربانیاں دی ں۔"

"قر...... با...... نیاں۔" للی نے لفظ کو توڑ توڑ کر ادا کرتے ہوئے کہا۔ "تم بھی لینا ڈیئر کن خوابوں کی دنیا میں تی ہو۔ کون سی قربانیاں دی ہیں انہوں نے۔ یہ کہ ساری عمر بیمار مریضوں کی خدمت کرتے گزار دی۔ نو، نو لینا یہ ہوں نے ہمارے لیے نہیں بلکہ اپنے سروائیول کے لیے کیا تھا۔ اگر وہ ایک پروفیشن جائن نہ کرتیں تو اپنا اور اپنی اولڈ م کا پیٹ کیسے پالتیں۔ اور پھر وہ تو اپنے اس پروفیشن کی تھینک فل ہوں گی کہ جس میں ہونے کی وجہ سے کوئی سرپھرا ت ان سے ایسا بھی آن ٹکرایا جس نے ان سے شادی بنائی اور ایک عدد چائلڈ بھی گفٹ کیا ورنہ تم جانو ان جیسی کم ورت کو زندگی میں کوئی چانس کہاں ملتا۔"

"شٹ اپ للی!" لینا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ "تم دن بدن زیادہ ریوڈ اور ال مینرڈ ہوتی جا رہی ہو۔ ہارے لیے بہتر ہو گا کہ اب خود کو سدھانے کی کوشش کرو۔"

"ہیل و سدھرنا اور سدھارنا۔" للی نے پاؤں پٹخے اور اپنا سرخ بیگ شانے پر ڈال کر گھر سے نکلنے کے لیے بار ہوئی۔

"میں تم لوگوں کی طرح اخلاقیات کا اعلیٰ نمونہ بننے کی کوشش نہیں کرتی نا۔ میں تم لوگوں کی طرح ڈپلومیٹک ندگی نہیں گزارتی، میں تم لوگوں کی طرح ہولی سرمنز نہیں گنگناتی۔ میں تم لوگوں کی طرح لوگوں کے بے دلوں میں میل ر زبان پر میٹھی گولیاں نہیں دھرے پھرتی۔ اس لیے تمہیں ریوڈ اور ال مینرڈ نظر آتی ہوں۔ مگر میری ایک بات کان ھول کر سن لو ڈیئر کزن! آج سے دس سالوں کے بعد ہم تم فیس ٹو فیس بیٹھے ہوں گے اور تم مجھ سے یہ کہہ رہی ہو گی کہ اڈیئر دس سال پہلے تم بالکل ٹھیک بولتی تھیں۔ اور مجھے بھی اپنی زندگی تمہاری طرح ہی گزارنا چاہیے تھی۔" اس نے کہا رلہراتی بل کھاتی کمرے سے نکلنے لگی۔

''اور ہاں!'' جاتے جاتے وہ ایک دم رکی'' اھر وہ انکل جان کا بیٹا سیموئیل جو تمہاری محبت میں مرا میرا مشورہ مانو تو اس سے شادی بنالو۔ اچھی رہو گی۔ اپنی آنٹ جینس سے کم از کم ضرور ہی بہتر زندگی گزارو گ

وہ باہر نکل گئی اور لینا اس کے پیچھے دروازے پر پڑا آسمانی نیٹ کا پردہ جھولتے دیکھتی رہی۔

بعض اوقات کچھ انتہائی کڑوی باتیں بھی کتنی سچی ہوتی ہیں۔ اس نے سوچا۔ ''للی......! تم نے کوئی نہیں کی۔ تمہاری گڈ لک ہے جو تم دل میں آیا کہہ دیتی ہو جبکہ میں......''

اس نے للی کو دل ہی دل میں مخاطب کرتے ہوئے کہا اور اس کے گلے میں پھندا سا لگنے لگا۔

''میں نجانے کیوں ساری عمر اس پھوپھی کی تحویل اور ذمہ داری میں رہتے ہوئے بھی یہ بات دل ۔ پائی کہ جو کچھ اس کے لئے تم ہو وہ میں نہیں ہو سکتی۔ عدم تحفظ اور تنہائی کا احساس میرے دل سے نکلتا ہی نہیں ہی تو میں اس کا دامن پکڑے رکھتی ہوں جس چیز کو تم آئیڈیلائز کرتا کہتی ہو وہ ایک خوف کے مارے بچے ۔ خاطر بولے گئے جملے ہیں۔'' اس نے سوچا اور سر اٹھا کر سامنے دیکھا اس کے سامنے دیوار پر لگا آئینہ تھا۔ اس سفید رنگت سنہرے بالوں اور سبز آنکھوں کو غور سے دیکھا۔

''لوگ کہتے ہیں کہ میں تم سے زیادہ خوبصورت ہوں' مگر مجھ میں تمہارے جیسے گٹس نہیں۔ آتے سے۔ تمہیں تو بہر حال اپنی سگی ماں کے نام پر ایک ایسا تحفظ میسر رہا جس کے بل پر تم ایسی بن گئیں جیسی تم ا میں تو اب تک خود بھی سمجھ نہیں پائی کہ میں کون ہوں کس سے متعلق ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بس ہر آ اپنا مقدر سمجھ کر گزارے جا رہی ہوں۔ ساتھ میں یہ خیال بھی رہتا ہے کہ میری وجہ سے گرینی یا آنٹ جینی تکلیف نہ پہنچے۔ مگر تم بھی ٹھیک کہتی ہو للی! کیا میری عمر کی لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں؟''

اس کی نظروں کے سامنے اپنی جاننے والی بے شمار لڑکیوں کے چہرے گھوم گئے۔ زندگی سے بھر پو شنک ہنستی مسکراتی لڑکیاں۔ فیشن' لباس' میک اپ کی باتیں کرتی ہوئی' بوائے فرینڈز' لوافیئرز اور شادیوں کرتی ہوئی لڑکیاں۔ ''جبکہ میں خود یسوع کی بھیڑ جیسی زندگی گزارے چلی جا رہی ہوں۔ نہ مجھ پر سیمو ڈائیلاگز کا کوئی اثر ہوتا ہے' نہ وسیم اور ڈینس کے لوافیئرز کا۔ الٹا میرا دل چاہتا ہے کہ ان سب کو کسی کوڑے میں پھینک آؤں۔'' وہ شاید اسی طرف اوٹ پٹانگ باتیں سوچے چلی جاتی مگر اس کی سوچ کو باہر سے آتی آواز نے توڑ دیا۔ وہ چہرہ صاف کر کے باہر نکل آئی۔ صحن میں رکھی کرسی پر گرینی بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کے قریب کی ٹوکری رکھی تھی۔ اور وہ اپنا اسکرٹ گھٹنے تک اٹھائے گھٹنا مسل رہی تھی۔

''حرام جادہ۔ سن آف بچ۔ ایسا ٹکڑ مار کر بھاگا کہ ام ہاف تو اڈھر ہی گر گیا۔'' وہ نجانے کس کو گالیاں تھیں۔

''کیا ہوا گرینی؟ لینا لپک کر آگے آئی۔

''سارا لیگ اور نی (گھٹنا) سکریچ ہو گیا اور امارا لیفٹ سائیڈ پر سائیکل چلا رہا تھا ایک ڈم رائٹ سے گیا۔ کسی کمینہ آدمی کا اولاد۔ امارا لیگ بریک کر کے بھاگ گیا۔''

لینا نے آنٹ جینس کے میڈیسن باکس سے اسپرٹ اور روئی نکالی اور اسپرٹ میں بھیگی روئی زخم اسے صاف کرنے کے بعد بینڈ ایج اسٹرپ اس پر لگا دی۔ گرینی کی گالیوں کی گردان جاری تھی۔ وہ انہیں سہا اندر لے آئی اور بستر پر لٹا دیا۔

''میں تمہارے لیے دودھ پتی بنا کر لاتی ہوں گرینی! تم ریسٹ کرو۔'' اس نے نرمی سے گرینی کے

تے ہوئے کہا۔

'اونلی گاڈ نوز لینا ڈیر! اماڑا لائف اب کیسا گزریں گا۔'' گرینی اس شام بہت اداس ہو رہی تھیں۔

'بہت اچھی گزرے گی گرینی! تم کا ہے کو فکر کرتی ہو۔'' لینا نے محبت سے ان کا ہاتھ سہلایا۔

'ام کو تماڑا اوری (Worry) اے' ام کو للی کا وردی اے' اوور آل ام کو اپنا گم کا مارا جینس کا وری اے۔ ام کو بجھ آنے نہیں سکتا کہ ام تماڑا واسطے کیا کر سکتا۔''

'گرینی! دیکھو ہر کوئی اپنا لک ساتھ لے کر آتا ہے' وہ اپنا قسمت کا لکھا پاتا ہے۔ تم اور ہم وری کر لیں گے تو ت کا لکھا بدل لیں گے۔'' لینا کو ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی چھوٹے سے بچے کو بہلا رہی ہو۔

''بٹ یہ سمجھ میں آنے سکنا اے کہ نہیں کہ اماڑی لک اتنا ہارڈ کیوں اے۔ ففٹی ٹو ایرز ہو گیا ام کو ایدر کا نہیں کیا۔ کا کپڑا واش کیا۔ گھر کا فلور پوچا۔ کیا۔ ام نے دیسی فوڈ بھونا۔ ام نے سسٹر لوگ کا آگے بوتھ ہینڈز اینڈ نیز Kr) جوڑ کر تم لوگ کا ایڈمیشن واسطے ترلا کیا۔ ام نے جینس کا ٹریجک لائف سے گھبرا کر ٹم لوگ کا فیوچر سیو واسطے کیا کیسا لوگ کا ترلا مارا ذرا ڈینس سے پوچو تو وہ ٹم کو بتلائے گا' پر ام کو گڈ لک کا کوئی سائن نظر نہیں آتا۔ ری تھنگ از یڈن ان ایبسولوٹ ڈارکنس (ابھی بھی ہر چیز مکمل تاریکی میں چھپی ہوئی ہے) ماڑا لائف کا کتنا باقی اے ام نہیں جانتا پر آل دی ٹائم ام وریڈ (پریشان) رہتا۔ للی کا فیوچر کیا ہوئیں گا۔ لینا کا فیوچر کیا بنیں

گرینی نے اس قسم کی اموشنل باتیں اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھیں۔ لینا حق دق ان کی گفتگو سنتی رہی۔ اس فتگو کے پیچھے اسے گرینی میں چھپی وہ مدر یڈ نظر آ رہی تھی جس کا عام دنوں میں فقدان نظر آتا تھا۔

''کیسی بھی ہو' ماں ماں ہی ہوتی ہے۔'' اس نے سوچا اور دل میں ایک ٹیس محسوس کی۔

''ٹمارا باپ امار بیٹا پورسن اتنا برا انسان نہیں تھا لینا! جیسا تم اس کو دل میں سمجھتی ہو۔ وہ امارا پاس آ کر بہت ا۔

''ماما میں لینا کو چھوڑ کر جانا واسطے نہیں آیا پر وہاں اس کو لک آفٹر کرنا کوئی نہیں مانگتا' ام سسٹر جینس کی نیچر کو ہ سب کچھ بیئر کرے گی اس کا واسطے۔ اس وقت جینس ابی اب کھنزیر (خنزیر) کا وولاد کے ٹریپ میں نہیں ا۔ اس وقت ابھی نیا نیا ٹریننگ لے کر جوائن کیا تھا لیڈی ولنگڈن ہاسپٹل۔ جینس بولا او کے برادر ام اس بے اپٹ کریں گے۔ ام اس کا لک آفٹر کریں گا۔ وہ لک لیس سن آف مائن کھوش ہو کر واپس ہوم چلا گیا۔ ایڈر بینس ری راسکل کا جال میں پھنس گیا۔ رزلٹ ایز یو نو۔ یہ للی کو کنسیو (Concieve) کیا اور میرڈ لائف خلاص۔ وہ گاڈ نوز کہاں کو اسکیپ کیا۔ نہ امارے کو نام معلوم ہوا نہ اس کا کبھی فیس دیکھا۔''

''گرینی! کچھ تو علم ہو گا آپ کو ان کے بارے میں؟'' زندگی میں پہلی بار کسی بات میں لینا نے تجسس کا اظہار

''نو نو ناٹ ایٹ آل' کورٹ میرج کا بار ای تو جینس ام کو کانفیڈنس میں لیا۔ بولا ''ماما ام نے میرج بنالیا۔'' ام نے میرج بنالیا۔ اچھا کیا' پر وہ لڑکا ہے کدھر کون اے ام سے ملاؤ۔'' بولا ماما اس کو امارا بیگ گراؤنڈ کا بارے میں علوم نہیں۔ نہ ام کو بتانا مانگتا۔ وہ اونچے مکج کا آدمی اے۔'' ام بولا۔ او کے جینس اگر تم کھوش دین ڈیٹ از ویل ڈ! پر اونلی آفٹر سیون منتھ جینس ایک دن ملنے کا واسطے آیا بولا۔

''ماما! ایک نیوز سنانی ہے۔''

ام بولا ’’سناؤ۔‘‘

بولا۔ ’’ماما! میرا آدمی بھاگ گیا ہے۔‘‘

ام بولا ام کو تو یہ آل ریڈی معلوم تھا۔ ایسا میرج بنانے والا Only Temporily (صرف وقتی ط
لائف میں آتا اور پھر بھاگ جاتا۔

جینس کا کنڈیشن بہت پور تھا۔ ام کو ناراضی کا کوئی جگہ نہ بنتا تھا ام اس کو ویلکم بیک ہوم کیا۔ اونلی تھری
کے بعد للی کا برتھ ہوا۔‘‘

’’مگر گرینی کوئی اس شخص کا نام پتا؟‘‘ لینا نے ایک بار پھر اصرار کیا۔

’’کوئی نہیں۔‘‘ گرینی نے سر ہلایا۔ ’’اونلی جینس کا ساتھ والا سسٹر ام کو ایک بار بتایا وہ کوئی پیشنٹ تھا اس
جب گنگا رام جائن کیا تھا جینس نے۔ گاڈ نوز کون تھا کہاں دفعان ہو گیا۔‘‘

گرینی بولتے بولتے تھک گئی تھیں اس لیے سانس لینے کو سیدھے ہو کر لیٹ گئیں۔

’’اب تم آرام کرو گرینی! میں ڈنر کا کچھ انتظام کرتی ہوں۔‘‘

لینا نے انہیں ہلکا کمبل اوڑھا دیا اور خود کمرے سے باہر نکل گئی۔

......❁......

بی بی زینب کو سارے دن میں کوئی خاص کام نہیں ہوتا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنے ہر کام مقررہ وقت پر کر
کی عادی تھیں۔ گھر کی صفائی جھاڑو وہ صبح کی نماز پڑھنے کے فوراً بعد ہی کر لیا کرتی تھیں۔ برتن ان اکیلی کے استع
کے ہوتے ہی کتنے تھے۔ استعمال کے فوراً بعد دھو کر ان کی مخصوص جگہوں پر رکھ دیتیں۔ کپڑے ہر دوسرے دن دھو ل
اور ان کے خشک ہونے کے ساتھ ہی ان کو استری کر کے سنبھال لیتیں۔ یوں ان کا وہ مختصر سا گھر ہر وقت صاف
چمکتا رہتا۔ اگر کبھی وہ موسمی بیماری میں مبتلا ہو جاتیں تو ان کی شاگرد لڑکیاں جو چھوٹی بچیوں سے جوانی کی عمر تک
تھیں۔ ان کے سارے کام بخوشی نمٹا دیتیں۔ یوں ان کی زندگی تنہائی کے باوجود اچھی گزر رہی تھی۔ شاید ہی کوئی د
ایسا ہوتا جب ان کے گھر میں صرف وہ تنہا ہوتیں۔ غالباً رات کے وقت ہی وہ تنہا ہوتی تھیں باقی سارا دن تو محلے ک
عورتیں ان کے پاس مختلف مسئلوں کے حل میں پوچھنے بیماریوں کے گھریلو علاج دریافت کرنے' قرآن کا تلفظ در
کرانے یا پھر یونہی گپ شپ لگانے موجود رہتی تھیں قرآن پاک پڑھنے والوں کے بھی تین مختلف گروپ تھے۔
بچیاں جو اسکول نہیں جاتی تھیں۔ آٹھ' دس پڑھ کر گھر بیٹھ گئی تھیں۔ صبح دس...... بجے کے بعد آتیں۔ وہ بچیاں
اسکول سے آتے ہی منہ ہاتھ دھو کر ان کے پاس پہنچ جاتیں دوپہر ایک بجے سے دو بجے کا ٹائم ان کے لیے تھ
چھوٹے بچے تین بجے آتے اور سبق پڑھتے سناتے چار ساڑھے چار بجا دیتے۔ یہ اوقات موسموں کے ساتھ بدل
جاتے تھے۔ مگر برسوں سے ان کی یہ روٹین جاری تھی۔

اس روز بھی وہ پہلے گروپ کو اصلاح دے رہی تھیں۔ جب ان کے پاس فاطمہ پہنچ گئی۔ فاطمہ کی بیٹی کی کچ
دنوں ہی شادی ہوئی تھی۔ انہوں نے دروازے سے داخل ہوتی فاطمہ کو دیکھا اور مسکرا کر عینک اتار کر ہاتھ میں پکڑ لی

’’آؤ بھئی فرصت مل گئی تمہیں شادی سے اور بیٹی کے سسرال والوں کی آؤ بھگت سے۔‘‘

’’بس کچھ نہ پوچھیں بی بی جی! کتنی مہمانداری رہی۔‘‘ فاطمہ نے ان کے سامنے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا
’’کل شام مکلاوا بھیجا ہے تو کوئی فرصت ملی۔ کل شام سے لے کر اب تک گھر کی صفائیاں ہی ختم نہیں ہو رہی تھیں
ایسی الٹ پلٹ ہو گئی تھی گھر بھر میں۔ اب تک کسی کا بکس نہیں مل رہا تو کسی کے جوتے نہیں مل رہے۔‘‘

’’ہاں بھئی۔ تمہارا خاندان بھی چھوٹا تو نہیں نا۔ میکے والے سسرال والے' ماشاءاللہ بہتیرے جی ہیں۔‘‘ بی بی
ب نے مسکرا کر کہا۔ ’’یہ بتاؤ صائمہ خوش تو ہے نا شادی کے بعد؟‘‘

’’ہاں بی بی زینب! ماشاءاللہ بڑی خوش ہے صائمہ۔ شادی والے دن آپ نے تو دیکھا ہی تھا۔ کیسے دھوم
کے سے آئے تھے اس کے سسرال والے۔ بہتیرا کپڑا لتا ڈالا ہے انہوں نے' بہتیرا زیور بھی ڈالا ہے۔ دو دکانیں
ان کی سو ہے بازار میں۔‘‘ فاطمہ نے فخریہ انداز میں بتلایا۔

’’ہاں بھئی نظر آ رہا تھا۔‘‘ بی بی زینب نے اس کی تائید کی۔

’’یہ آپ کا جوڑا آیا ہے سسرال سے' سب سے فرسٹ کلاس جوڑا رکھا تھا انہوں نے قرآن پاک پڑھانے
ستانی کا۔‘‘

فاطمہ نے ایک شاپر سے سفید پلاسٹک کے لفافے میں سلیقے سے سجا سوٹ نکالتے ہوئے کہا۔ کناری لگے
پٹے کو پھول کی شکل میں سوٹ پر ٹانکا گیا تھا جس کے اوپر چھوٹی سی چٹ لگی تھی ’’استانی جی۔‘‘ خاصا قیمتی جوڑا تھا۔
زینب دل ہی دل میں مشکور ہوئیں۔

’’اور یہ آپ کے لیے مٹھائی کا ڈبہ۔‘‘ فاطمہ نے دوسرا شاپر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

یہ منظر اکثر ہی بی بی زینب کے سامنے ہوتا تھا۔ محلے کی بچیوں کی شادیاں ہوتیں۔ روایت کے مطابق اکثر ان
سسرال سے ان کے لیے جوڑے آتے۔ بچی کے ماں باپ بساط بھر ان کے لیے پھل مٹھائی لاتے۔ جو وہ اکثر
شاگردوں میں بانٹ دیتیں۔ جوڑے سنبھال لیتیں جو کئی مواقع پر دینے دلانے کے کام آتے تھے۔

’’اور پھر سارے مہمان آئے نا تمہاری طرف جن جن کو تم نے بلا لیا تھا؟ بی بی زینب ن دونوں شاپر اپنے
ب رکھتے ہوئے پوچھا۔

’’ہاں جی۔ سب ہی آئے تھے۔ ایک وہ میرا چھوٹا دیور ناراض تھا۔ سارے خاندان نے تھو تھو کی۔ بیٹوں کی
یوں پر تو کسی بات پر ناراض چاچوں' ماموں کو کوئی منائے' بیٹیوں کی شادیوں پر بھی کبھی کوئی ناراض ہوتا ہے۔
ں کوئی منانے نہیں آئے گا' سب نے کہا۔ پھر خود ہی شرما شرمی آ گیا۔ نہ آتا تو کسی نے بعد میں ملنا تھا بھلا اس
۔‘‘

’’محلے کے لوگ سارے آئے؟‘‘ بی بی زینب نے تسبیح پکڑتے ہوئے پوچھا۔

’’سارے ہی آئے' سب اپنی اپنی ہمت کے مطابق برتا اور مدد بھی کی۔ پر بی بی جی ایک بات ہے۔‘‘ فاطمہ کو
اچانک کچھ یاد آیا۔ ’’نہیں آئی تو عائشہ نہیں آئی۔ دو دفعہ میں خود بلانے گئی تیل پر بھی' مہندی پر بھی۔ پر اس بی بی
پاؤں گھر سے باہر نہیں نکالا۔‘‘

’’ارے۔ ایسی کیا بات ہو گئی۔‘‘ بی بی زینب جان بوجھ کر انجام بن گئیں۔

’’وہی بات' وہی والی۔‘‘ فاطمہ نے اب کے منہ ان کے نزدیک کر کے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

’’وہی بچے والی بات کی وجہ سے۔ سارا محلہ باتیں جو کرتا ہے پتا نہیں ایک دم بچہ کہاں سے ٹپک پڑا۔‘‘

’’یہ بتاؤ فاطمہ!‘‘ بی بی زینب کو بھی ایک دم کچھ سوجھا۔

’’یہ تم لوگ اس بات پر اتنی فکر کیوں کرتے ہو۔ عائشہ ساری زندگی تم لوگوں کے سامنے رہی ہے۔ اس کا ہر عمل
نا رہن سہن سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ پہلے سارے لوگ اس کے حوصلے اور صبر کی مثالیں دیتے تھے۔ اسے
والی عورت کہتے تھے۔ کپڑے سی سی کر محنت کر کر کے وہ گزارہ کرتی رہی' اس کے خاوند کا جب دل کرتا ہے چار

پیسے بھیج دیتا ہے جب نہیں کرتا تو پوچھتا بھی نہیں۔ کبھی تم لوگوں نے اسے کوئی غلط کام کرتے دیکھا؟"

"نہیں۔" فاطمہ نے سر ہلایا۔

"تو پھر اگر اب اس کے پاس ایک بچہ کہیں سے آ ہی گیا ہے تو تم لوگ اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ وہ عمر کی اولاد کو ترسی ہوئی عورت ہے۔ اس کے جینے کا دوسرا کوئی مقصد ہی نہیں۔ اب جو اس کو ایک مصروفیت مل گئی تم لوگ کیوں اس کی خوشی کو برباد کرنے پر تلے ہو۔

تمہارا کیا خیال ہے ساری عمر پیچھے اس نے کسی گناہ کے راستے پر چل کر یہ بچہ حاصل کیا ہے؟ اگر ایسا ہے استغفار کرو۔ بہتان باندھتے ہوئے تم لوگوں کو خدا کا خوف کیوں نہیں آتا۔"

"یہ بات نہیں ہے جی۔" فاطمہ نے گھبرا کر کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "ہم تو اس کے رہن سہن کو دیکھ کر ہیں۔ سارے رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے اس کے جی۔ کھانا پینا' پہننا اوڑھنا' وہ فیشن ایبل لڑکی آتی ہے بھر اسے دے جاتی ہے۔ وہ کون ہے' اس کی کیا لگتی ہے۔ عائشہ بتا دے ٹھیک سے تو کسی کو شک نہ ہو۔"

"وہ جو بھی ہے۔ تم لوگوں کو اس سے کیا مطلب۔ وہ غلط کر رہی ہے تو خدا کے آگے وہ خود جواب دہ ہے کر رہی ہے تب بھی۔ تم لوگوں سے' تو اس کے عمل کا سوال جواب نہیں ہوگا نا۔"

"نہیں!" فاطمہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر بس کر دو۔ بلاوجہ کسی پر شک کرنے اور الزام لگانے سے خدا سخت ناراض ہوتا ہے۔ تم لوگ کیوں گناہوں میں اضافہ کر رہے ہو۔ بس مسئلہ یہ ہے کہ تم عورتوں کے پاس فالتو وقت بہت ہے ایسی باتوں پر کرنے کے لیے۔ میں تو تم کو یہ ہی نصیحت کروں گی کہ اپنا وقت ضائع نہ کرو اور نہ ہی اپنے برے اعمال میں کرو۔"

بی بی زینب کو جوش چڑھ گیا تھا فاطمہ ان کی ناراضی پر گھبرا کر کانوں کو ہاتھ لگانے لگی۔

"توبہ جی توبہ۔ میں تو' چلی اب یہ بات دوبارہ نہیں کروں گی۔ پر آپ کس کس کو روکیں گی۔" اس نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔

اس کے چلے جانے کے بعد بی بی زینب اپنے دل کے ارادے کے سبب پہلے گروپ کی بچیوں کو فارغ چادر اوڑھ کر گھر سے باہر نکل آئیں۔ دروازے میں تالا ڈال کر وہ گلی کے آخری کنارے تک پہنچیں اور دائیں مڑ گئیں۔ دائیں گلی میں پانچواں گھر عائشہ کا تھا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے اس کے گھر کی سیڑھیاں پہنچیں۔ دیوار میں لگی کھڑکیوں سے کسی بچے کے رونے کی اور کسی بڑے کے بہلانے اور چمکارنے کی آوازیں تھیں۔ وہ دو سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئیں اور رنگ اڑا دروازہ کھٹکھٹانے لگیں۔

······❁······

فراز' ماسٹر ہدایت اللہ کے پاس کب سے بیٹھا ان کو ڈی سوزا فیملی کی کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے اس کہانی ذکر نہیں کیا کہ اس فیملی سے اس کی شناسائی کیسے ہوئی۔ اس نے ان کو یہ ہی بتایا تھا کہ لاہور میں رہائش ڈھونڈ ان تک پہنچا تھا۔ ماسٹر صاحب کو یہ باتیں دلچسپ لگ رہی تھیں۔

"بات یہ ہے فرازیا! کہ کسی جگہ سے متعلق ہونا اور پھر بھی غیر متعلق جانے جانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے" جی نے ان کی کہانی سننے کے بعد کہا۔ "ہمارے ہوش کا ہی واقعہ ہے ادھر چھوٹے علاقوں میں تو انگریز اس طرح آیا نا جیسے بڑا شہروں میں آباد ہوا۔ ایک دفعہ میں جب پڑھتا تھا گورنمنٹ کالج میں تو کالج سے بابوؤں کی

پیدل آیا کرتا تھا۔ ایک دن کیا دیکھا۔ ایک گوری میم صاحب سر پر چھتری اوڑھے بن سج کر چلی جا رہی ہے مال پر پیدل۔ چلتے چلتے پرس گر گیا غریب کا' اس کو پتا نہیں چلا۔ میں نے آگے بڑھ کر پرس اٹھایا۔ اور بڑے احترام جا کر اس کے آگے کھڑا ہوا۔ پرس دونوں ہاتھوں میں پکڑا جھک کر بولا "یور پرس پلیز۔" بھئی وہ آقا تھے ہم غلام' ام تو لازمی تھا نا۔"

فراز کے ہنسنے پر انہوں نے وضاحت کی۔ بڑے اسٹائل سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"شکریہ نوجوان! تم ایک ایماندار شخص نظر آتے ہو۔"

"نوجوان!" فراز پھر ہنسا۔

"تو تیرے خیال میں' میں بچپن سے ایسا بڈھا ہوں۔ میرے جوانی کا وقت آیا ہی نہیں۔ شاوش اے بھئی ش اے۔" (شاباش ہے بھئی شاباش ہے) ماسٹر صاحب بھی ہنستے ہوئے بولے۔

"اچھا پھر کیا ہوا؟"

"پھر بولی کہ میں تم سے' تمہاری ایمانداری سے بہت خوش ہوئی ہوں کبھی میرے گھر آنا۔ اپنے گھر کا پتا لکھ کر "

"واہ بھئی! فراز نے پھر سے مذاقاً کہا۔ "مال روڈ پر اتنا ٹائم مل گیا وہاں تو بندے کو کسی کام سے کھڑے ہونے موقع نہیں ملتا۔"

"یہ میں آج کی بات کر رہا ہوں۔" ماسٹر صاحب نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ "میں کس زمانے کی بات کر ہوں' انگریز کے زمانے کی۔ یہ آج کی مثالیں دے رہا ہے۔ اس زمانے میں مال روڈ پر کوئی رش وش نہیں ہوتا تھا۔ ذ ہی کوئی گاڑی گزرتی وہ بھی گورا صاحب لوگوں کی۔ ٹم ٹم البتہ چلتی تھی کبھی کبھار۔"

"اچھا پھر وہ گوری بی بی کیا ہوئیں؟" فراز نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا۔ ایک دن گزر رہا وا لٹن سے' ادھر کا ہی پتا دیا تھا اس نے۔ میرے ذہن میں کیا آئی کہ میں چل اس کا گھر ڈھونڈنے۔ کیا دیکھتا ہوں ایک لائن میں بنے لال لال کواٹر۔ دیسی کرسچن' ولایتی بچے گھومتے پھر رہے ں۔ دل میں سوچا ضرور غلط فہمی ہوگئی ہے۔ پھر بھی مطلوبہ نمبر والے کوارٹر پر پہنچا تو گوری بی بی تو نہیں اس کی والدہ ے ملاقات ہوئی اور ایک عدد ماموں سے بھی۔ دونوں فاقہ زدہ نیٹو کرسچن۔ بولا "مس صاحب کا تو آج شو ہے لورینز ں۔ ادھر گیا ہے۔ تم اندر آؤ۔ بیٹھو چائے وائے پیو۔" میں اجازت لے کر واپس آ گیا۔

"آپ کو کیسے معلوم کہ یہ ان ہی مس صاحب کا گھر تھا؟" فراز نے نقطہ اٹھایا۔

"ابے گدھے' معلوم کیسے نہ ہوتا۔" ماسٹر صاحب نے کش لگاتے ہوئے کہ۔ "ذرا سا دروازہ کھلا کمرے کی امنے دیوار والی دیوار پر مس صاحب کی یہ بڑی تصویر لگی تھی۔ گلابی پھولوں سے سر سجائے مسکراتی ہوئی۔"

"پھر مس صاب کا فادر بہار کے بارے میں نہیں معلوم؟" فراز نے دوسرا نقطہ اٹھایا۔

"پتا کیا' ریسرچ کی باقاعدہ۔ وہی اس زمانے کی مخصوص کہانی تھی۔ فادر بہار چند دن والدہ صاحبہ کے ساتھ لزار کے نجانے کہاں غائب ہوئے نتیجتاً یہ تحفہ پیدا ہوا۔ ان لوگوں کے کوارٹر ہی علیحدہ ہوتے تھے۔"

"اور یہ لوگ احاطے کے عیسائی کہلاتے تھے۔" فراز نے لقمہ دیا۔

"ہاں اور برٹش گورنمنٹ نے باقاعدہ قانونی بل پاس کیا ان لوگوں کے لیے یہ لوگ کلرک' چپڑاسی' سپاہی کے ہدے سے آگے ترقی نہیں پا سکتے تھے۔ مگر ادھر نیٹو کرسچن لوگوں کے ہاں ایسی صورت و رنگ والا بچہ پیدا ہوتا تو جانو

خوش قسمتی کا دروازہ کھل جاتا۔ ایسے بچے کو وہ اوپر جانے کا زینہ سمجھتے آج وہی لوگ رُل رہے ہیں جیسے تم بتا رہے ہو۔

''ہاں پر۔ یہ لیڈی ایلس ووڈ تو اپنا شجرہ نجانے کون سی رائل فیملی سے ملاتی ہے۔'' فراز نے سر کھجایا۔

''اوئے برخوردار۔ اس زمانے میں جب انگریز واپس چلا گیا تو یہ سارے ہی یہ دعوے کرتے تھے۔ تم بھوانی جنکشن نہیں پڑھی نا۔ وہ پڑھو تو ساری تاریخ معلوم ہو جائے ان لوگوں کی۔ ادھر پاکستان بنا' اور یہ لوگ فلمی ڈانس پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ اب ان کو کوئی کچھ سمجھتا ہی نہیں۔''

''انہوں نے تو اپنی زندگیاں جیسے تیسے گزار لیں ماسٹر جی! پر اب ان کی اگلی نسلیں ایک دو غلے پن کا شکار ہو چکی ہیں۔ وہ ہماری زبان بولتی ہیں۔ ہمارے جیسے لباس پہنتی ہیں۔ ہماری ثقافت میں رنگی گئی ہیں پھر بھی ان کو دیکھ بچے بڑے انگریز' انگریز کے نعرے مارتے ہیں۔''

''ہماری ثقافت تو انہوں نے پھر بھی نہیں اپنائی' ہمیں تو وہ شاید غاصب ہی سمجھتے ہوں گے۔ حالانکہ ہمارے بابے قائداعظم نے اوران کے ساتھیوں نے جھنڈے میں سفید رنگ انہی لوگوں کے لیے رکھوایا تھا۔'' ماسٹر جی گہری سوچ میں ڈوبے بولنے گے۔

''ایک شعر یاد آ گیا ہے علامہ صاحب کا۔''

''اندر آ جاؤں جی؟'' دروازے کے باہر سے آواز آئی۔ ان دونوں نے چونک کر دیکھا۔ چوہدری محمد مالک ہاتھ میں ایک پیلا شاپر پکڑے کھڑا اجازت طلب کر رہا تھا۔

''آ بھئی چوہدری! بڑے دن بعد شکل دکھائی۔'' ماسٹر صاحب نے اس بے وقت مداخلت پر جز بز ہونے کے باوجود تپاک سے کہا۔

''ماسٹر جی! اس دفعہ بڑے خوبصورت بینگن اور مولیاں ملی ہیں۔ آپ کے لیے میں نے پورا ٹوکرا چھانٹ کر نکالی ہیں۔'' چوہدری مالک اندر آ کر ماسٹر صاحب کی کرسی کے سامنے دھرے مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''مجھے پتا ہے آپ کو گول بینگنوں کا بھرتہ بہت پسند ہے۔ سوچا پہلے ماسٹر جی کو سلام کر کے گول لکشتے بینگن دکھا لوں پھر جا کر گڈو کو دوں گا بھئی ماسٹر جی کے لیے بھرتا بنا دے۔''

''یہ تو تو نے بڑا اچھا کیا چوہدری! میرا بھی بڑے دنوں سے دل چاہ رہا تھا کہ بینگنوں کا بھرتا کھاؤں۔'' ماسٹر صاحب نے حسب عادت خوش ہو کر کہا۔ ''اچھا یہ تو بتا تیری بھوری گائے کا کیا حال ہے؟ اس دن کہہ رہا تھا چارے کو منہ نہیں مارتی۔''

''آپ نے تو بس کہہ دیا اور بھول گئے۔ میں تعویذ لایا تھا جا کر ساتھ والے گاؤں کے شاہ صاحب سے۔ اس کے گلے میں ٹھونک دیا تو بس اگلے دن بھلی چنگی ہو گئی۔'' محمد مالک نے سادگی سے کہا۔

''پھر شاہ صاحب کے تعویذ تو بڑے تگڑے نکلے۔ لوگ یونہی اینیمل ہسبنڈری میں ڈاکٹر کرتے پھرتے ہیں۔'' ماسٹر صاحب نے ہنس کر کہا۔

"Animal Husbandry" فراز کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ماسٹر صاحب نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ دیکھ لو جی ماسٹر جی! آج کل کی نویں پود کو۔ بزرگوں کی کرامتوں پر ہنستے ہیں۔ اور ڈاکٹر مشینوں اور نسخوں پر غور کرتے ہیں۔ اس فراز کو آپ نے وہ بات نہیں سنائی ماسٹر جی! بڑے پیر رنگ علی شاہ صاحب والی۔'' چوہدری مالک نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

''تم سنا دو نا چاچا مالک' ماسٹر صاحب کو بات بھول گئی ہو گی۔'' فراز نے اپنی ہنسی کنٹرول کر کے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہمارے پیر رنگ علی شاہ صاحب کے والد نے انہیں شادی پر ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تو وہ چھلانگ لگا کر دیوار پر چڑھ گئے بولے۔ ''چل میرے گھوڑے شادی پر چل۔ ہاتھ میں کوڑیالے ناگ کا کوڑا پکڑا۔'' محمد مالک نے بڑے معتبرانہ انداز میں کہا۔

''لو جی دیوار چلنی شروع ہو گئی۔'' چوہدری نے اب کے فخریہ انداز میں کہا۔

''پھر کیا ہوا؟'' فراز نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا ہوا؟'' فراز نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''والد صاحب ناراض ہو گئے۔ بددعا دی رنگ علی شاہ جا مر جا؟ وہیں وفات پائی پر مرنے سے پہلے والد کو کہہ گئے مر تو میں جاؤں گا ہی پر زندہ تو بھی نہ رہے گا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ شادی پر بارات کے ساتھ پہنچتے ہی والد صاحب بھی وفات پا گئے۔''

''یہ کیسی بددعا والی کرامات ہے چوہدری!'' فراز نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ اور ماسٹر صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ اطمینان سے حقے کے کش لگا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

''نا فراز نا۔'' پھر انہوں نے حقہ پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''بزرگوں کی باتوں پر ہنستے نہیں۔ ہمارا ابا شہابو اس واقعہ کا عینی گواہ ہے۔ ہمارے سامنے ایک سو پچیس سال کی عمر میں مرا وہ خود یہ کہانی سناتا تھا۔ اس کی تو وہ بارات تھی جس پر جانا تھا رنگ علی شاہ کے والد نے۔''

فراز نے ''آپ بھی'' جیسی نظروں سے انہیں دیکھا۔

......✿......

سارہ کو اپنے باپ کی روٹین کے بارے میں زندگی بھر تشویش نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ خود اور ا
باپ اپنے اپنے جس محور میں زندگیاں گزار رہے تھے وہاں کسی دوسرے کی مداخلت کی ضرورت ہی نہیں تھی' اور
اگر کوئی دوسرا ان کی زندگیوں کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کرتا تو ان کو برا لگتا۔ مگر اب کچھ ع
سے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے باپ کی زندگی کے معاملات سے اتنی بے نیازی مزید نہیں برت سکتی
کیونکہ اسے نظر آ رہا تھا کہ اس کے باپ کی صحت' کام اور محسوسات کو کسی بہت قریبی تعلق دار کی توجہ کی ضرورت تھ
دیکھ رہی تھی کہ اس کے باپ کے بالوں میں سفیدی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ
آثار اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں طور پر نظر آنے لگے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ اپنے کام میں ا
انوالومنٹ بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھیں۔ وہ بے تحاشا سگریٹ پینے لگے تھے اور شام کے بعد زیادہ تر اپنے کمر۔
بند رہتے تھے۔

''شاید یہ میری اپنی زندگی میں آنے والے تلاطم کا اثر ہے' جو میں نے ان کی زندگی میں آنے والے غیر
رد و بدل کو محسوس کر لیا۔'' شام جلدی گھر آ جانے کے بعد یہ سن کر کہ ڈیڈی گھر ہی پر ہیں' اس نے لاؤنج کے صو
بیٹھے بیٹھے ان کے بیڈروم کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

''اور اگر میری زندگی بھی پہلے کی طرح ہی رہتی تو یقیناً مجھے پتا بھی نہ چلتا کہ جیسے مجھے کسی اپنے کو توجہ او
ضرورت ہے' اسی طرح نہیں بھی ہے۔''

اس نے بے دھیانی میں ٹی وی کے ریموٹ کنٹرول کو اٹھا کر ٹی وی آن کیا دوبارہ ان کے دروازے کو د
''مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ پوچھنے کی بات' تسلی دینے کی بات اور اپنائیت کے اظہار کی بات کہاں سے ا
شروع کی جائے۔ شروع ہی سے ہم لوگ اتنی فارمل (بے تکلف) بات کرنے کا طریقہ ہی بھول گیا ہے۔ ا
طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ جس کے ذریعے ڈیڈی آپ کیسے ہیں' آپ کی روٹین کیسی جا رہی ہے جیسی بات
نکل کر ڈ ڈیڈی آپ آج کل الجھے الجھے سے کیوں لگ رہے ہیں' آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ مجھ سے شیئر کیو
کرتے'' جیسی بات کر سکوں۔

سارہ کو محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ مگر اس نے ان کو خشک نہیں کیا بس ریموٹ کے بٹن دباتی
چلی گئی۔ پھر ڈرائیور سلیم نے باہر کسی کی آمد کی اطلاع دی۔

''صاحب سے ملنے آئے ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''ناممکن۔'' سارہ نے سر ہلایا۔ ''ڈیڈی اور اس وقت کسی سے ملیں۔''

''میں پتا کر لوں جی؟'' سلیم نے اس سے محض روایتی سی اجازت طلب کی اور سیدھا ان کے دروازے پر پہنچ گیا۔
کچھ ہی دیر بعد اندر سے با آواز بلند مغلظات کی آوازیں آنے لگیں۔ سارہ کو اسی بات کی توقع تھی۔ سلیم
سر جھکائے باہر کی طرف جانے لگا تو اس نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اسے مسکرا کر دیکھا۔ سلیم نے کھسیا کر سر کھجایا اور
باہر نکل گیا۔

''اگر دنیا دیکھے کہ اتنا مہذب اور مشہور آرٹسٹ اپنے گھر کے ملازموں کے ساتھ یہ رویہ رکھتا ہے۔''
ایک تلخ سی سوچ اس کے دماغ میں در آئی اور اس نے بے دلی سے ریموٹ ایک طرف ڈالا۔ پھر اٹھ کر اپنے
کمرے کی طرف چل دی۔

......❁......

بی بی زینب چہرے پر دنیا بھر کی سنجیدگی اور حیرت سجائے عائشہ کی کہانی سن رہی تھیں۔

''دنیا جینے کس کو دیتی ہے بی زینب!'' عائشہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''مجھ سے کہیں زیادہ دنیا تو آپ نے
دیکھ رکھی ہے' مجھ سے کہیں زیادہ تجربہ ہے آپ کا' آپ بتائیں' دنیا بندے کا حق سچ دیکھتی ہے یا اس کو پرکھے بغیر ہی جو
منہ اور دماغ میں آتا ہے' وہ بک دیتی ہے اس کے بارے میں۔'' اس نے تائید طلب نظروں سے انہیں دیکھا مگر وہ
خاموش رہیں۔

''یہ کیا ہے؟'' عائشہ نے بیڈ پر پڑے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میری نیکی نہیں' یہ میری مغفرت بھی نہیں۔
یہ تو بس ایک واجبی سی تسلی ہے۔ جب سے یہ یہاں آیا ہے۔ بس اتنا فرق پڑا ہے کہ مجھے گھر میں کسی دوسرے وجود
کے ہونے کا احساس رہتا ہے۔ ایک احساس ہے کہ کوئی ہے جسے میری ضرورت ہے' کوئی ہے جس کی نظریں مجھے
ڈھونڈتی ہیں۔ قسم اللہ پاک کی جب میں کمرے میں آتی ہوں اور یہ روتا روتا مجھے دیکھ کر چپ ہو جاتا ہے اور بڑی
آس کی ساتھ مجھے دیکھتا ہے تو مجھے احساس ہوتا ہے یہ اگر بھوکا ہے تو اسے دودھ مجھے دینا ہے' یہ اگر گیلا ہے تو اس کے
کپڑے میں نے بدلنے ہیں تو اس کی نظروں کی آس دیکھ کر جو ٹھنڈ میرے کلیجے میں پڑتی ہے' اس کا تو میں آپ کو
بیان نہیں کر سکتی۔ کتنا کرم ہے میری نمانی ذات پر۔''

اس نے اپنی آنکھیں چادر کے پلو سے خشک کیں۔ بی بی زینب ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھیں اور اس کی
بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''پر یہ دنیا والے۔'' پھر یکدم عائشہ کے لہجے میں نفرت تلخی اور دکھ کی آمیزش آ گئی ''یہ کب جینے دیتے ہیں یہ
آگا پیچھا' اوپر نیچا' دایاں بایاں پوچھتے ہیں۔ کہاں سے' کب سے' کیوں' کب تک جیسے سوال کرتے ہیں۔ اب
بتائیں بھلا' جب ساروں کو پتا ہے کہ زندگی دینے والی ذات کون سی ہے' یہ بھی پتہ ہے رزق پہنچانے والی ذات کون سی
ہے' جو سب کا پالن ہار ہے۔ اس کا تعارف بھی سب کو ہے تو پھر یہ کیوں نہیں سوچ لیتے کہ یہ بچہ جو بھی ہے' جہاں سے
بھی ہے' جب سے بھی ہے' اور جب تک یہاں رہے گا اسی ذات نے اسے رزق پہنچانے اور زندگی کی گرمی پہنچانے
کے لیے مجھ کم ذات کو ذریعہ بنا دیا ہے۔ پر نہیں سمجھتے جی' نہیں'' کلیجہ چھلنی کر دیا ہے میرا' جینا حرام ہو گیا ہے' ادھر رزاق

تک بھی خبریں پہنچادی ہیں باہر کے ملک۔ وہ بھی ٹیلی فون کھڑکا تا رہتا ہے۔ کون ہے؟ کہاں سے آیا؟ کیوا پھر بری بری باتیں کرتا ہے۔ طعنے دیتا ہے۔ کلیجہ چھلنی کرتا ہے۔'' وہ پھر سے رونے لگی۔

بی بی زینب کچھ دیر خاموش بیٹی اسے دیکھتی رہیں اور پھر انہوں نے ایک ٹھنڈی اور لمبی آہ بھری۔

''تیرا کوئی قصور نہیں عائشہ! پر قصور ان لوگوں کا بھی کوئی نہیں۔ یہ ہمارے جیسے ہی لوگ ہیں۔ تم خود سوچ کوئی اور عورت ایسے ہی اچانک چپکے سے ایک بچہ لے آتی کہیں سے اور یوں اسے پالتی جیسے تم پال رہی ہ ہوتیں اس کے محلے دار تو کیا ایسی ہی باتیں تم اس کے بارے میں نہ سوچتیں اور کرتیں۔ ہم میں سے کوئی بھی ایک سے باہر نہیں ہے۔ ہماری باتیں اور ہماری سوچیں اتنی حد تک ہی رہتی ہیں جب ہی تو ہم بہت سے کام صرف اس نہیں کرتے کہ ہمیں لوگوں کی باتوں سے ڈر لگتا ہے ہم اپنی جگہ درست ہوتے ہوئے بھی اپنے درست ہونے کی ایسی دلیل نہیں دے سکتے جس سے لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں۔''

''پھر آپ ہی بتاؤ بی بی زینب!'' عائشہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''میں کیا کروں' یہ نیکی تو میرے گلے پڑ گئی ہے۔''

''دعا کرو عائشہ! اللہ تمہارے اور اس معصوم بچے کے لیے کوئی اچھی سبیل بنائے۔'' بی بی زینب نے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

''دعائیں بھی تو ہم جیسے گنہ گاروں کی کہاں قبول ہوتی ہیں بی بی جی! یہ تو آپ جیسے نیک لوگوں کی دعا کا صدقہ ہے جو ہم چل پھر رہے ہیں۔'' عائشہ نے بھی ان کی تقلید میں اٹھتے ہوئے کہا۔ بی بی زینب نے سرہلا ہوئے اسے دیکھا اور چادر سنبھالتی دروازے کی طرف چل دیں۔

اس رات جب گرد و پیش سارا عالم سو رہا تھا۔ تسبیح کے دانے گراتی بی بی زینب نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

''اے اللہ! میں تجھ سے اس بچے کے لیے بہترین ٹھکانے کی دعا کرتی ہوں جس کی ماں اپنی مجبوریوں کے ہاتھوں اسے اپنے پاس رکھ کر پال نہیں سکتی اور جس کے باپ کا کوئی علم نہیں کہ کہاں ہے۔ اے اللہ! اس معصوم کو حفظ و امان میں رکھنا اور اس کی پرورش کے لیے ایسی گود کی گرمی عطا کرنا جس میں ممتا کی حدت بھی ہو اور زمانے کی برائیوں سے تحفظ بھی۔''

ایسی ہی دعائیں مانگتے مانگتے انہیں محسوس ہوا جیسے ان کے سینے میں ہوک سی اٹھی تھی اور یونہی دعا کر کرتے جب ان کی آنکھ لگی تو اسے نیند میں عرصے بعد بی بی زینب نے ایک بہت ہی سہانا خواب دیکھا۔ ایسا خو جسے دیکھنے کی انہیں ساری عمر ہی تمنا رہی تھی۔

.......✿.......

''آپ شعر سنانے لگے تھے جی علامہ صاحب کا۔'' چوہدری مالک کے جانے کے بعد فراز نے اس کی حکایت اور ماسٹر صاحب کی تائید اور تنبیہہ پر اپنی خفت چھپاتے ہوئے کہا۔

ماسٹر صاحب نے حقے کو پرے کرتے ہوئے فراز کو غور سے دیکھا اور دل کھول کر ہنسے۔

''واہ فرازیا! واہ بس اتنا سا حوصلہ ہے تجھ میں۔''

''آپ بھی ماسٹر جی!'' فراز نے خفگی سے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔ ''کیسی کیسی باتوں کی تائید کر ہیں۔''

''تو کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے؟'' ماسٹر صاحب نے دوبارہ سے حقہ قریب کرتے ہوئے کہا۔

''میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے غلط بات کی ہے' آپ خود سوچیں ماڈرن ٹیکنیکل اور سا...

تھیوریز کو مان سکتا ہے۔''

''اوئے جان دے۔'' ماسٹر جی نے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''ماڈرن ٹیکنیکل اور سائنٹفک ذہن۔ لعنت بھیجو جی ایسی سوچ پر جس میں نہ بزرگوں کی سنائی بات کا لحاظ ہو نہ مذہبی اپروچ۔ جو بات سناؤ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ناؤ کہ یہ جو تم لوگ موجود ہو اور جو اپنے اردگرد ہوتے دیکھ رہے ہو۔ یہ کیا ہے۔ اس پر تمہیں کیسے یقین آتا ہے۔''

''آپ ہی سناتے رہے ہیں ساری عمر ڈیکارٹ اور اس کا فلسفہ۔ ''میں سوچتا ہوں' اس لیے میں ہوں۔''

فراز نے اس غیر متعلقہ سوال پر بیزاری سے جواب دیا۔

''تو میاں! یہ بتاؤ کہ سوچتے کس طرح ہو۔'' اب کے ماسٹر صاحب جیسے باقاعدہ بحث پر اترتے ہوئے لے۔ ''اب کہو گے کہ دماغ سے سوچتے ہیں۔ ہے نا؟''

انہوں نے کچھ دیر کے لیے توقف کیا اور پھر فراز کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر بولے۔

''تو پھر یہی دماغ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ وہ اللہ جسے یہ خالق کل مانتا ہے۔ اس کی محبت کی انتہا پر پہنچے ہوئے ل بھی کبھار اس کے کرم سے ایسے معجزے بھی دکھا سکتے ہیں جس کا ذکر چوہدری مالک نے تم سے کیا۔''

''مگر یہ کسی بزرگ کی بزرگی کا قصہ نہیں ہے ماسٹر جی! یہ تو ایک بچے کے کارناموں پر مشتمل کہانی ہے۔'' فراز ہنوز وہی بیزاری طاری تھی۔

''یہ بچے کے کارنامے نہیں کسی کے فیضان نظر کا کمال تھا برخوردار۔'' اب کے ماسٹر صاحب قدرے سکون سے بولے۔

''گویا ان ڈائریکٹلی آپ اس بچے کے والد صاحب کو بزرگ تسلیم کروا رہے ہیں۔'' فراز نے چبھتے ہوئے جے میں پوچھا۔ ''تو پھر اگر وہ اس قدر بزرگ تھے تو خود کیوں مر گئے بچے کی بددعا پر۔ کیا معجزہ ہے ماسٹر جی! جو وات پر منتج ہوتا ہے۔''

''فزکس اور چیز ہے فرازیا! میٹا فزکس اور چیز' میری بات مان۔ معجزے ہمیشہ میٹا فزکس میں رونما ہوتے ہیں۔''

''خیر۔ آپ وہ شعر سنائیں علامہ صاحب کا۔'' فراز نے مطلق متاثر نہ ہوتے ہوئے کہا۔

''ماڈرن ٹیکنیکل اور سائنٹفک ذہن کے پیو صاحب آپ کو یہ باتیں کچھ عرصہ بعد سمجھ میں آئیں گی اور جب ئیں گی تو اللہ نے اگر مجھے زندگی بخشی تو یہ ہی جگہ ہوگی جہاں بیٹھ کر آپ فرمائیں گے۔'' کتنی سچی بات کی تھی چوہدری لک نے۔'' ماسٹر صاحب نے ذانت پیستے ہوء چہرے پر ہاتھ پھیر کر دعویٰ کرتے ہوئے کہا۔

فراز ان کے اس طیش پر دل ہی دل میں ہنس دیا۔ ''اس کا مطلب ہے شعر نہیں سنانا آپ نے علامہ صاحب ا۔''

''نہیں سنانا!'' ماسٹر جی نے بھی ناراضی سے کہا۔ ''بھول گیا ہے وہ تیری سہیلیوں' کیا نام بتایا تھا ان کا لارڈ دن سا اور لیڈی کون سی کے لیے آیا تھا ذہن میں تو نے اس فضول بکواس میں ذہن سے ہی نکال دیا۔''

''توبہ کریں ماسٹر جی!'' فراز نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں نے نکالا تھا یا چوہدری مالک اور اس کی معجزاتی کہانی نے۔''

''پھر کہانی کہا تو نے اسے؟'' ماسٹر صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

''یہ واقعہ ہے جناب واقعہ۔ گھر جائے گا تو پوچھنا اپنی ماں سے وہ نہ سنائے تجھے یہ ہی واقعہ من و عن تو میرا نام ٹر ہدایت اللہ ... دینا۔''

"بے ہدایتے آپ نہیں' بے ہدایتا تو وہ تھا آپ کا۔"

روانی میں کہتے کہتے فراز کو اچانک احساس ہوا کہ وہ احترام اور بے تکلفی کے درمیان جس سرزمین پر وہاں ایک آگے بڑھا ہوا قدم اسے عمر بھر کی شرمندگی سے دوچار کر سکتا ہے۔ وہ ایک قدم بے لحاظی بھی قرار د ہے اور وہ ایسا کرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اس نے دزدیدہ نظروں سے ماسٹر جی کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا یو انہوں نے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ اس نے دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا۔

......❁......

گرینی کی ذرا سی چوٹ ٹھیک ہوتے ہوئے کئی دن گزر گئے۔ ان کا گھٹنا چھل گیا تھا اور یقیناً گھٹنے کو بھی شدید ضرب آئی تھی۔ جب ہی آتے جاڑوں کی اوائل خنکی کے زیر اثر گھٹنا مزید بے کار ہوتا محسوس ہ گرینی بستر پر کیا پڑیں۔ جینس اور لینا کے گویا ہوش ٹھکانے آ گئے۔ دن بھر کے کاموں کے فکر اور اپنی اپنی کے درمیان توازن قائم رکھنے کے چکروں اور مزید گرینی کی تیمارداری نے دونوں کو دنوں میں تھکا ڈالا تھا۔

اس روز سردی اور تھکن کی وجہ سے لینا کی طبیعت بھی کچھ ست تھی۔ جینس نے رات ڈیوٹی پر جا۔ اسے صبح کام پر نہ جانے کی سختی سے تلقین کی تھی' اور شاید وہ اس کی تلقین کو نظرانداز کر دیتی اگر اگلی صبح اس کو اپنا سے ٹوٹتا ہوا نہ محسوس ہوتا۔ اس نے پارلر جانے کا پختہ ارادہ ترک کرتے ہوئے ساتھ والی چارپائی پر سوئی لل بڑھا کر ہلایا۔ للّی نے یوں ہلائے جانے پر بدمزہ ہوتے ہوئے کروٹ بدل لی۔

"للّی! اٹھو۔ میری طبیعت سخت خراب ہے۔ پلیز! ذرا روزی کو میسج دے آؤ۔ میں آج کام پر نہیں جا"

اس نے بے چارگی سے منت کرتے ہوئے کہا۔ للّی پر بار بار ہلائے جانے کا ذرا سا بھی اثر نہیں؛ تقریباً ساڑھے چھ بجے زچ ہو کر اس نے سوچا کہ اٹھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ وہ جھنجھلا گئی اور بڑبڑا۔ اٹھی اور لینا کی طرف دیکھے بغیر سلیپر گھسیٹتی باتھ روم میں گھس گئی۔ لینا آدھے گھنٹے تک اس کے باتھ روم۔ انتظار کرتی رہی اور اس وقت اس نے خود پر حاوی ہوتی بے بسی کو دل سے محسوس کیا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ کہ کیا کرنا ہے۔" باہر نکل کر وہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی وہ بہت ناراض نظر آ ر؟

"روزی کو بتانا ہے کہ میں۔" لینا نے بڑی بے چارگی سے اپنی بات دہرائی جسے اس نے درمیان دیا۔

"اتنی ٹھنڈ میں کون باہر جائے اور کسی کو پیغام دیتا پھرے' جب تم ٹائم پر اسٹاپ پر نہیں پہنچو گی تو وہ جائے گی کہ تم نہیں آ رہی ہو۔"

"مگر للّی! میڈم کو یہ بھی تو بتانا ہے کہ میں کیوں نہیں آ رہی۔"

"کون سی اہم بات ہے' کل جب جاؤ گی تو خود ہی بتا دینا۔" وہ سویٹر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"تم نے کبھی کسی کی نوکری کی ہوتو پتا ہوتا کہ کون سی بات اہم ہے اور کون سی غیر اہم۔"

لینا نے ایک منٹ یونہی بے بسی سے بستر پر پڑے پڑے سوچا اور پھر زندگی سے ہونے والی جنگ ہونے کے احساس کے تحت اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے قریب کرسی پر رکھا پل اوور اٹھا کر پہنا۔ اونی مفلر کو سر او کر دلپیٹا۔ پاؤں میں موزے پہنے اور شنیل کے سلیپر پہن کر باہر آ گئی۔ باہر اچھی خاصی ٹھنڈ تھی۔ اس کا

م کانپ گیا۔ مگر پھر نوکری جانے کا احساس غالب آ گیا اور وہ تیزی سے صحن عبور کر کے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ ہلکی دھند تھی اور فضا میں نمی بھی تھی۔ اس نے اس ہلکی نمی کو اپنے چہرے پر محسوس کیا۔ اور پھر روزی کے گھر کی طرف دی۔

روزی کے گھر سے واپسی پر اسے اپنے گھر کے کچن سے برتنوں کے کھڑکنے کی آواز آئی۔ اس نے کھڑکی سے انک کر دیکھا۔ للّی نے چولہے پر چائے بنانے کے لیے دودھ پانی اور پتی کا مکسچر رکھا ہوا تھا۔

"غنیمت ہے۔" اس نے سوچا۔

"لینا! لینا ڈیر!" اندر سے گرینی کی آوازیں آ رہی تھیں۔

للّی نے کچن میں کچھ پٹخا اور باہر نکلی۔

"اوہ!" لینا کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رکی۔ "تم کہیں گئی تھیں؟" کمال بے نیازی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے' اندر جا کر دیکھو' اولڈ لیڈی کب سے چیخ رہی ہے۔"

اس نے کہا اور کچن میں گھس گئی۔ لینا تھکے تھکے قدموں سے چلتی گرینی کی طرف آ گئی۔ اب تک بخار سے اس سر چکرا رہا تھا۔ اسے اپنے منہ میں کڑواہٹ محسوس ہو رہی تھی اور اس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔

"مجھے کب سے پیاس لگ رہی ہے۔" اس نے سوچا اور اس کا شدت سے دل چاہا کہ کوئی اسے پانی کا ایک اس پلائے۔

"ام کس ٹائم کا تم کو پکارتا' ٹم کان میں کاٹن وول رکھ کر سویا تھا کیا؟" گرینی نے اسے دیکھ کر چیخ کر کہا۔ اس ے گلے میں اب اتنی شدت کی تکلیف ہو رہی تھی کہ اسے جواب دینا مشکل ہو گیا تھا۔

"ام ٹم کو بول دیا تھا۔ ام فل بوائلڈ ایگ کھائیں گا۔ اس کا ساتھ میں اوولٹین ملا ملک پئیں گا۔ ٹم ام کو اتنا Carelessl پھینک دیا۔ ڈیڈ اینیمل موافق۔" گرینی کا غصہ عروج پر تھا اور لینا کی بے بسی بھی۔ اس نے گرینی کی ئنتی بیٹھتے ہوئے اپنا چکراتا سر بیڈ کی ٹیک کے ساتھ ٹکا دیا۔ اسے لگا وہ نیم غنودگی میں ساری باتیں سن رہی تھی۔

"ٹم امارا بات کو آنسر کرنا سے بھی گیا لینا ڈیر؟"

گرینی نے لحاف کے اندر سے اپنا پاؤں ہلا کر اسے ایک بار پھر متوجہ کیا۔ تو اس نے ہمت کر کے اپنی آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں کھولنے پر اسے ایسا لگا جیسے اس کے سامنے کا منظر ایک خوشگوار واہمہ ہو مگر ہاتھ بڑھا کر محسوس کرنے پر وہ اسے حقیقت لگی۔ اس کے سامنے پڑی ٹرے میں دھری پلیٹ میں ابلے ہوئے انڈے رکھے تھے۔ ایک پلیٹ میں جیم لگے ٹوسٹ تھے اور بھاپ اڑاتی گرم چائے کے تین مگ۔ لینا نے اس واہمہ کو حقیقت میں ڈھالنے کی خاطر ہاتھ بڑھا کر سب سے پہلے جو چیز اٹھائی' وہ پانی کا گلاس تھا۔ پانی پی کر اس کے حلق کے کانٹے کچھ کم ہوتے محسوس ہوئے۔ پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ للّی ہی تھی جو یہ سجی سجائی ٹرے تپائی پر رکھ رہی تھی۔ پھر اس نے دیکھا۔ للّی نے ابلے انڈے کے چھلکے اتارے' اس پر نمک اور کالی مرچ چھڑکا اور چھوٹی پلیٹ میں رکھ کر گرینی کے قریب رکھا۔

"امیزنگ!" اس کے دل نے کہا۔

"تم بھی لو۔" اب وہ اپنے لیے انڈا چھیل کر اس کے سلائس کرتے ہوئے لینا سے مخاطب ہوئی۔

انتہائی خوشگوار حیرت کے ساتھ یہ ناشتہ ختم ہوا۔

"تمہارے لیے ایک کپ چائے اور لاتی ہوں۔ تم ساتھ میں میڈسن لے لو۔"

گرینی کو دوا دے کر دوبارہ لٹاتے ہوئے للّی نے لینا سے کہا۔

''اپنے کمرے میں چلو۔ میڈسن لے کر بستر میں لیٹ جانا۔''

لینا گرینی کی طرف سے مطمئن ہو چکی تھی۔ اس لیے کچھ کہے بغیر اس کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی چل دی۔ دس منٹ کے بعد چاء کا دوسرا مگ' دوا اور گرم پانی کی بوتل اس کے سامنے تھی۔

''بس لو اور لیٹ جاؤ۔''

لینا کی آنکھیں تکلیف سے مندر رہی تھیں' ورنہ یقیناً حیرت سے پھٹ جاتیں۔ اسے قطعی یقین نہیں آ کہ وہ للّی تھی جو یہ سب کر رہی تھی جبکہ صبح تک تو اسے بستر سے اٹھنا بھی ناگوار لگ رہا تھا۔

''یہ تو تم ہو۔ جس کے لیے مجھے یہ سب کرنا اچھا لگ رہا ہے' اس لیے کہ تم بہت اچھی ہو۔ ورنہ تم تو مجھ ہی ہو۔''

للّی کو اس کی حیرت کا ادراک تھا جب ہی اس نے خود ہی کہہ دیا۔ لینا نے اپنی بند ہوتی آنکھیں بمشکل اور مسکرا دی کچھ دیر بعد اس کے کانوں نے ایک اور آواز سنی۔

''میں نے برتن دھو کر رکھ دیے ہیں لینا! اب میں جا رہی ہوں۔ دروازہ کھلا ہے۔''

اس نے آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں للّی کے مخصوص تیز خوشبو والے اسپرے کی خوشبو پھیلی تھی۔ للّی معمولی نک سک سے تیار ہو کر کہیں جانے کی تیاری میں تھی' پھر اس کی نظر سامنے کی دیوار پر گے کلاک پر پڑی وہ دو گھنٹے سوئی رہی تھی اور اس دوران للّی کیا کرتی رہی تھی۔ گرینی کس حال میں پڑی تھیں اسے کچھ پتا نہیں تھا خیال نے اسے ایک دم اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

گرینی صبح والے کپڑے بدلے' بال بنائے بیٹھی تھیں۔ ان کا کمرہ صاف ستھرا تھا۔ ان کے قریب چنے چاولوں کی ٹرے رکھی تھی اور اب وہ سرعت سے پیاز کاٹنے میں مصروف تھیں۔

''آج صبح سے ایسے کام ہو رہے ہیں جن کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔'' اس نے سوچا۔

کسی کے قدموں کی آہٹ گرینی نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''کیسی ہو لینا ڈارلنگ! ٹمپریچر ڈاؤن ہوا کہ نہیں۔'' انہوں نے پوچھا۔

''اب ٹوام کو بڑا پھرک (فرق) ہے۔ لینا ڈیرتم نے دیکھا آج للّی کتنا کام کیا نیور ٹائرنگ بٹر فلائی (er tiring butterfly) موافق۔ ایسا ادھلی اس واسطے ہوا کہ اس کو اپنا کام کرنا کے واسطے کوئی سیکنڈ پرسن نظر آیا۔ دس اس وٹ لائف از۔''

گرینی دل سے خوش نظر آ رہی تھیں اور یہ ایک ناقابل یقین منظر تھا جو لینا گرینی سے للّی کی تعریفیں سن رہی تھی۔ اس کے تھکتے جسم اور سوتے ذہن کو جیسے عرصے بعد سکون کا احساس ہوا۔

اسفند کو اس سوشل گیدرنگ میں کوئی خاص دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی جس میں کچھ حکومتی محکموں کے سیکر اور بزنس کمیونٹی کے سرکردہ افراد شریک تھے اور یہ سب لوگ کسی گروپ آف پبلشرز کی طرف سے منعقد کیے والے کلچرل ایوارڈز کے سلسلے میں مدعو تھے۔

اس کے سامنے رنگ اور روشنیوں کا سیلاب تھا۔ چمکتے چہرے تھے۔ مگر وہ خود بہت کم چہروں سے آشنا تھا گنے چنے چہروں سے جن سے وہ واقف تھا۔ وہ گئی چنی رسمی گفتگو بھی کر چکا تھا۔ پھر عوام کے سیلاب پر قابو پا کر ہال دروازے بند ہونے کے بعد پروگرام شروع ہوا۔ اس نے پاکستانی شو بزنس سے متعلق لوگوں کے چہرے کبھی

ات ہی میں دیکھ رکھے تھے اور اب بھی بہت کم کے ناموں اور چہروں کو وہ پہچان پا رہا تھا۔

''کمال ہے بھئی شہری' یہ تھی تمہاری سوشل لائف۔'' اس نے اس موقع پر بھی دل میں سوچا اور حیران ہوا۔

''کتنی عجیب سی بات ہے کہ اس مختصر عرصے میں جس کے دوران ہم دونوں ایک دوسرے سے دور رہے تمہاری فیات اور کام کے متعلق میں اب جانتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ کیا یہ سب تمہاری شخصیت سے میل کھاتی ہیں سے میں واقف تھا۔'' اسے دوسرا خیال آیا۔

اسٹیج سے اب کسی دھن کی آواز آ رہی تھی اور پھر ایک رقاصہ جس کے متعلق اس کے قریب بیٹھے ایک شناسا ب نے بتایا تھا کہ فلم انڈسٹری کی چڑھتی ہوئی اداکارہ تھی ڈانس کر رہی تھی۔ اسے ان خواتین و حضرات کے جو اسٹیج ار ہے تھے' ان کے لباس اور سجاوٹ دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ایوارڈز کی ایسی تقریب میں گھس آیا ہو جس پر ن فوک کلچر نے حملہ کر دیا ہو۔

وہ مسلسل خود کلامی میں مصروف تھا جب اسٹیج پر کسی اناؤنسمنٹ کے لیے وہ لڑکی آئی۔ اسے دیکھ کر وہ یقیناً چونک اتفاق ہی کی بات تھی کہ اس نئی زندگی میں ڈھلنے کے عرصہ میں یہ چہرہ بار بار اس سے ٹکرایا تھا۔ وہ سپر ماڈل یا ماڈل جو کوئی بھی وہ تھی' اس وقت سلور چمک کی کالی ساڑھی باندھے' کانوں میں سلور آویزے لٹکائے گولڈن ن اور کاپر اسٹریکس والے بالوں کو اسٹائلش انداز میں سیٹ کیے ڈارک میک اپ کے ساتھ کسی ایوارڈ کی نامزدگی ان کر رہی تھی اور ایوارڈ دینے کے لیے جب اس نے اسفند کے گروپ آف کمپنیز کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کو دعوت اسے حیرت ہوئی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا اور اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کے اسٹیج پر پہنچنے پر اس شعلہ جوالہ لڑکی ارے رنگ یکدم پھیکے پڑ گئے تھے۔

وہ ایوارڈ جیتنے والے کی آمد سے لے کر ایوارڈ دینے اور ونر کی مختصر تقریر کے اختتام تک وہاں کھڑا رہا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات کو گا ہے لگا ہے دیکھ بھی رہا تھا۔ یقیناً اس کے ذہن میں الجھن بھی پیدا ہو رہی تھی۔ جو اس ب کے اختتام تک اپنی جگہ موجود رہی۔

''کیا یہ لڑکی شہری کے متعلق نہیں جانتی؟'' اس کے دل نے سوال کیا۔

''یا پھر یہ اس بات پر حیران ہے کہ وہ تو مر چکا' یہ کون ہے؟'' پھر اس نے دوسری بات سوچی۔

''حالانکہ اب تک تو یہاں بہت سے لوگوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں کون ہوں پھر یہ۔''

اسی قسم کی سوچیں ذہن میں لیے وہ گھر واپس آیا۔ گھر میں ڈیڈی موجود تھے اور سوئے اتفاق جاگ رہے وہ کچھ دیر ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے کی طرف چلا آیا۔

آج بے اختیار اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ شہری کے کمرے میں جا کر ایک مرتبہ پھر اس کی چیزوں کو دیکھے۔ کمرے میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے کئی بار ایسا ہوا اور وہ جان بوجھ کر کچھ اور بات سوچنے کی کوشش کرتا رہا۔

''یقیناً اس لڑکی اور شہری کی ایک دو سے زیادہ ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔'' اچانک اسے خیال آیا۔ ''اور یقیناً یہ ملا ارمی ہیلو ہائے سے آگے کی گفتگو پر مشتمل تھیں' جب ہی تو اس کی آنکھوں میں مجھے دیکھ کر شناسائی کا احساس ہے' مگر مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں صرف شناسائی کا احساس ہی نہیں بلکہ ایک سے خوف اور کرب کا تاثر بھی ابھرتا ہے۔'' وہ اب ایک ہی لائن پر سوچے جا رہا تھا۔

''اور یہ سچ ہے کہ یہ صرف میری سوچ ہی نہیں ہے بلکہ حقیقتاً ایسا ہی ہے۔''

پھر اس نے سوچا اس لڑکی کے متعلق سوچنے کی اسے کیا ضرورت ہے جو سپر ماڈل تھی۔ اس کا شہریار سے کیا

تعلق تھا۔ اسے لگا جیسے اس کا دل کہہ رہا ہو۔
''تمہیں اس کے بارے میں جاننے کی ضرورت ہے۔''

……✿……

ڈیئر ڈائری!
تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمہیں اتنے دن سے نظر انداز کر رہا ہوں۔
نہیں نا۔
مجھے علم ہے کہ تمہیں اس بات کا پتہ نہیں۔ چلو میں خود ہی بتا دیتا ہوں اصل میں ڈیر ڈائری! میرا خیال واقعی کچھ عرصہ سے سینائیل (بوڑھا) ہوتا جا رہا ہوں۔ مجھے طرح طرح کے وہم ستانے لگے ہیں اور چھوٹی بات بھی میرے دل و دماغ پر بری طرح اثر انداز ہونے لگی ہے۔ یہ حیران کن بات ہے ڈیر ڈائری' کیونکہ کمینہ اور کروک قسم کا انسان ہوں' بدباطن اور پتھر دل۔ پھر کیوں میرے محسوسات اتنے نازک ہوتے جار میں اس بات پر بھی پریشان ہو گیا۔
بس یہ ہی وجہ ہے ڈیر ڈائری کہ میں نے اتنے دن تمہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ پچھلی دفعہ میں نے تمہیں بتا میں فیض کے کلام پر کام کر رہا ہوں۔ سو اتنے دن اسی کام میں لگا رہا۔
کل کی بات ہے روبندر سکسینہ جو میرا بہت اچھا دوست اور ہمسایہ ملک کا ممتاز مصور ہے اور آج کل آیا ہوا ہے۔ مجھ سے ملنے چلا آیا۔ ایسے دوستوں کو میں اپنے اسٹوڈیو میں بھی لے جاتا ہوں۔ اس لیے روا شپ اسٹوڈیو میں ہی ہوتی رہی۔ اس نے ''میرے دل میرے مسافر'' پر میرا ادھورا کام دیکھا تو کہنے لگا۔
''تھیم بہت اسٹرونگ ہے اور اسٹروکس زبردست۔''
میرا دل مطمئن سا ہونے لگا مگر رات جب میں دوبارہ اپنے کینوس کے سامنے کھڑا ہوا تو لگا کہ اس کام میں بہت سی غلطیاں ہیں' سوچا یہ کام تو بڑی امیر دو من مانگتا ہے۔
صبح روی سے بات ہوئی تو بولا۔
''شاہنواز! کسی سائیکاٹرسٹ سے رابطہ کرو۔ تمہارے خیالات تو سپر ہیومنز والے ہوتے جا رہے ہیں!
آہ ڈیر ڈائری! اس بات پر بھی مجھے بابا ہدایت اللہ یاد آ گیا جو کہا کرتا تھا۔
''کبھی کبھار بندے پر یہ اسٹیج بھی آ جاتی ہے' جب وہ دنیا بھر سے سیانی باتیں کرنے لگتا ہے۔ اس باریک اور تیز ہو جاتی ہے کہ اسے پرفیکٹ ترین کام میں بھی وہ خامیاں نظر آ جاتی ہیں جو عام نظر میں نہیں یہ بھی کہا کرتا کہ اس میں اس انسان کا کوئی کمال نہیں ہوتا بلکہ سارا کمال اللہ کی ذات کا ہوتا ہے جو اپنے دوسروں سے علیحدہ اور بہتر وصف عطا کرتا ہے اور اسی طرح اسے آزماتا ہے۔''
ڈیر ڈائری! جب سوچتا ہوں بابے ہدایت اللہ کی یہ بات کانوں میں گونجتی ہے' لیکن پھر کانپ جاتا کیا اس طرح کی باتیں مجھ جیسے گنہ گار بندے کے متعلق سوچی بھی جا سکتی ہیں۔ یہ تو کچھ اور ہے ہے یہ شاید میں حد سے زیادہ قنوطی اور کرٹیکل ہو گیا ہوں۔ جب ہی یا پھر۔
جو بھی ہے ڈیر ڈائری! خدا کرے میں اس کیفیت سے جلد باہر نکل آؤں ورنہ میرا نروس بریک ڈا سکتا ہے۔
میں آج کل سارہ سے زیادہ ان ٹچ نہیں ہوں۔ کچھ دن پہلے وہ جس تقریب میں اینکر پرسن کی

بھی مدعو تھا مگر میں وہاں نہیں گیا۔ آج تھوڑی دیر پہلے یونہی ٹی وی آن کیا تو کسی چینل سے اس
ل تھی' وہاں میں نے سارہ کو دیکھا۔ وہ مجھے ساری چمک دمک کے باوجود بجھی بجھی سی
ریب کی کوریج دکھائی جا رہی تھی۔ اس میں' میں نے سارہ کو دیکھا۔ وہ مجھے ساری چمک دمک کے باوجود بجھی بجھی سی
ا۔ پتا نہیں کیوں کچھ عرصے سے مجھے اس کی آنکھوں میں زندگی کا وہ رنگ نظر نہیں آ رہا جو کبھی اس کی آنکھوں کا
ہوا کرتا تھا۔
وہ آج کل کے دستور کے مطابق انگریزی ملی اردو بول رہی تھی۔ بار بار قہقہے لگا رہی تھی۔ اس کا لباس' میک
پ سب کچھ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ تھا۔ کہیں کوئی کمی نہیں تھی مگر کہیں بہت کمی تھی۔ بہت زیادہ۔ تم نے محسوس کیا
ڈائری! میری سوچ کتنی ڈپریسنگ ہوتی جا رہی ہے۔ شاید یونہی مجھے پرفیکٹ ترین چیز میں بھی خامیاں نظر آنے لگی
ا۔
میں اپنے لیے دعا کروں تو شاید ہی ہے جو مجھ جیسے گنہ گار کی کوئی دعا قبول ہو۔

……✿……

اس مرتبہ فراز کچھ دن گاؤں گزارنے آیا تھا۔ یہ درست تھا کہ اس کے ذہنی اور نالی تقاضے لاہور میں ہی
رے ہو سکتے تھے مگر اس کے قلبی اور جذباتی تقاضوں کو گاؤں آ کر جو آسودگی ملتی تھی' وہ کہیں اور نہیں مل سکتی تھی۔ وہ
ی قابلیت اور ذہانت سے بہت اچھی طرح سے واقف تھا۔ مگر اس کے دل میں کبھی بھی اپنے گاؤں کے لوگوں' ہم عمر
اتھیوں اور دوستوں سے اپنی برتری کا خیال نہیں جاگا تھا۔ یہاں آ کر اسے جس اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔ وہ کہیں
ر کبھی نہیں محسوس ہوا تھا۔
اسی بات پر اسے کبھی کبھی خیال آتا تھا کہ ماسٹر ہدایت اللہ کے شاہو نے ایک خاص عمر تک زندگی اسی گاؤں
ں گزاری تو پھر اس گاؤں کی مانوس فضا کے بغیر زندگی گزارنا اس نے کیسے سیکھا ہو گا۔ یہ چند دن جو اس نے کچھ
رصے کے وقفے کے بعد یہاں گزارے تھے۔ اسے ایک دل خوش کن احساس دے رہے تھے۔ وہ جی بھر کے اپنے
دستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ گھر والوں کے ساتھ اچھا وقت گزارا تھا۔ سب سے بڑھ کر ماسٹر ہدایت اللہ کی سنگت میں
ں نے بہت خوب صورت باتیں سنی تھیں اور سیکھی بھی تھیں۔
اب جب کہ وہ لاہور واپس جانے کے لیے بس میں بیٹھا تھا۔ اسے ان گزرے چند دنوں کی مختلف باتیں یاد
رہی تھیں۔ اماں کا زبردستی مختلف چیزیں کھلانا' اپنے بچپن کے جگری دوست امین کی منگنی میں شرکت ماسٹر صاحب کی
اتیں' چوہدری مالک کی سنائی داستان' پھر اسے مانو کی کی ہوئی باتیں یاد آ گئیں۔
''لاہور میں کیا کرتے ہو۔ ایم اے کا کورس دکھاؤ۔''
اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔
''کتنے سادہ دل' سادہ فطرت ہیں یہ لوگ۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات کا احساس کرتے ہیں۔ اس جگہ سے نکل کر یہ احساس کہاں ملے گا۔''
''اور وہ ماسٹر صاحب!'' اس نے سوچا ''ساری باتوں کا علم رکھنے کے باوجود یوں انجان بنتے ہیں جیسے کچھ جانتے ہی نہیں' اتنی معصومیت اور بھولپن کوئی سوچ سکتا ہے کہ یہ معصوم اور بھولا انسان اپنے اندر ایک جہان معنی سجائے بیٹھا ہے۔''
''یا خدا!'' اس نے اپنی سیٹ کو پشت سے سر ٹکاتے ہوئے دعا کی۔ ''میری راہنمائی کرتے رہنا۔ میں وہ سب کچھ بھی کرنا چاہتا ہوں جو میں جانتا ہوں کہ میں کر سکتا ہوں۔ مگر میں ان سب احساسات سے بھی جدا نہیں ہونا چاہتا

بلکہ ان سب سے جدا ہو کر شاید میں وہ نہ رہوں جو میں ہوں۔ تو مجھے ان دونوں احساسات کے درمیان ت رکھنے کی توفیق عطا فرمانا میرے اللہ۔"

اگلے لمحے وہ کسی خوش کن تصور کے زیر اثر نیند کی وادی میں گم ہو چکا تھا

......✿......

"بڑا مزہ آیا کل شام چاچی سیماں کے گھر۔" سعدیہ خوش خوش مانو کو بتا رہی تھی۔ "تو تو سر درد لیے نے تو خوب مزہ کیا پاء امین کی منگنی پر۔"

"کیا خاص مزہ آ گیا؟" مانو ایک ہی بات کی تکرار سن کر چڑ گئی۔ "پتہ ہے مجھے۔ چاچی سیما منگنیاں شادیاں کیسی ہوتی ہیں۔ میں کبھی گئی نہیں تھلا۔"

اس نے چارپائی کے پائے میں چڑھے دھاگے بن کر انہیں پراندے کی شکل دیتے ہوئے کہا۔

"تجھے کیا پتا' وہاں ماسٹر صاحب بھی تو آئے ہوئے تھے۔ چاچے رحمت نے ماسٹر صاحب کو جادرد بڑا ابنا کے پاء امین کا۔"

"یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ تقریباً ہر دوسری منگنی بیاہ پر یہی ہوتا ہے۔" مانو ہنوز اپنے کام میں مگن بیٹھی ہ

"فراز نے گھڑی تحفے میں دی ہے پاء امین کو۔ بڑا خوش تھا۔ بار بار کہہ رہا تھا پاء امین کو انگوٹھی پہن کر مارنا۔ میری بھی جلدی باری آئے۔ ماسٹر صاحب نے منع کر دیا۔ بولے نا اوئے امین ابھی اس کو ہاتھ نہ مار کل اس کا اٹھنا بیٹھنا میموں کے ساتھ ہے۔ کہیں اور کوئی کام نہ کر بیٹھے۔" سب اتنا ہنسے کہ حد نہیں۔

"میموں کے ساتھ۔" مانو کا ہاتھ جس دھاگے کو پکڑ رہا تھا اس کی تان ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گئی۔

"میں چلتی ہوں' اماں آوازیں دے رہی ہے۔" سعدیہ تیزی سے کہہ کر چھتیں پھلانگتی اپنی چھت بھاگ گئی۔

"تمہیں للی ڈی سوزا کے متعلق بتاؤں۔"

ایک آواز مانو کے کانوں سے ٹکرائی۔ یہ بات اتنے دن اسے بارہا یاد آتی رہی۔ مگر یہ نام اسے بھول آج اچانک پورا نام اسی آواز میں اس کے کانوں میں گونج گیا۔

"للی ڈی سوزا۔ میموں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ وہ کوئی بات بھی شاید ماسٹر صاحب سے نہیں چھپاتا تھا۔ بھی ضرور بتائی ہوگی۔ اور ماسٹر صاحب ہنس ہنس کر ذکر کر رہے تھے۔ جب کہ ایسی بات پر انہیں اسے چا لگانے چاہیے تھے۔"

اسے خوامخواہ ہی غصہ آ رہا تھا۔

"یہ کون سی مذاق والی اور ہنسنے والی بات ہے۔ کتنا ڈھیٹ' بے حیا ہے کیسی کیسی باتیں ماسٹر صاحب ہے۔"

دن بھر مانو کا دماغ ایسی ہی باتوں میں الجھا رہا اور اسے رہ رہ کر سعدیہ پر بھی غصہ آتا رہا۔ وہ کیوں ب اسے سنا گئی تھی۔

......✿......

ایلس ووڈ اس بڑھاپے میں بھی تقریباً سارے گھر کے کام خود ہی کیا کرتی تھی۔ جیس نے ہمیشہ ہی ا لا کر اس کے ہاتھ میں رکھی تھی۔ باقی خریداری کب ہوتی ہے' کہاں سے ہوتی ہے۔ اس سے اسے کوئی سروکار

حال لینا کا تھا۔ وہ بھی اپنے پیسے ایلس کو لا کر تھما دینے کے بعد ساری ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاتی تھی اور ایلس پنے گھر کی یہ سربراہی خوش رکھتی تھی۔ کچن کا سودا' کپڑا لتا اور دیگر ضروری سامان ایلس خود ہی خریدتی تھی اور اسے میں مزا بھی آتا تھا۔

گھر کے قریبی بازار میں وہ بہت مقبول بھی تھی۔ دکان دار بھی انگریزوں جیسی شکل کی اس گوری بی بی کو جو اکثر ٹ بلاؤز' انچی ہیل کے کورٹ شوز اور خوب صورت ہیٹ میں ملبوس بازو میں ٹوکری ڈالے کندھے پر بیگ لٹکائے داری کرنے آتی تھی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔

ایلس ان سے بحث تمحیص کے بعد خریداری کرتی اور عموماً آدھا دن اسی کام میں لگا دیتی۔ گھر واپس آ کر وہ ی ہوئی چیزوں کو مختلف کیٹیگریز کے حساب سے رکھتی اور پھر ان کو سلیقے سے سنبھالتی۔ وہ ایک سگھڑ اور سلیقہ مند ت تھی۔ سلائی کڑھائی اور بنائی میں اسے مہارت حاصل تھی کھانا پکانے میں بھی وہ طاق تھی۔ اس کے علاوہ اس عمر بھی وہ اتنی ایکٹو تھی کہ اسے کام کرنے میں کبھی دقت نہیں ہوتی تھی۔ مگر چند دن پہلے جب وہ سائیکل کی ٹکر کی وجہ ری تھی۔ اس وقت سے ٹھیک ہونے کے بعد بھی اس میں وہ ہمت نہیں آ پا رہی تھی جس کے بل پر وہ بہت سے کام م سے نمٹا لیا کرتی تھی۔

جینس اور لینا نے اتنے دن گھر کے سارے کام برابر بانٹ رکھے تھے اور تو اور ان دنوں میں للی کو بھی احساس تھا کہ کام کر کے دینے والی کے بستر پر پڑ جانے کے بعد دوسرا کوئی بھی اتنی مروت نہیں برتے گا کہ اسے اس کے ہوتے ملیں۔

اس لیے اس نے بھی چند دن اپنی تن آسانی کو تج رکھا تھا۔ گو ایلس کو اتنی اہمیت ملنے پر خوشی بھی تھی لیکن وہ اتنے ل یوں بے کار پڑے رہنے سے بور بھی ہو چکی تھی۔ سو اس روز جب لینا اور جینس اپنے اپنے کام پر جا چکیں اور سب معمول گھومنے پھرنے باہر نکل گئی تو اس نے اٹھ کر گرم پانی سے غسل کیا اپنا سرخ فرل والا چیک اسکرٹ اس نے گرم اونی بلاؤز سر پر گرم ٹوپی پہنی۔ گرم موزے اور چوڑی ٹو کے بند شوز۔ اپنے سلور گرے بالوں کو ے کی شکل میں لپیٹا اور ٹوکری اٹھائے گھر سے باہر نکلی۔

آج کئی دن بعد ہلکی ہلکی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ قریبی بازار تک جاتے جاتے اسے اپنی کمیونٹی کی کئی خواتین ۔ ان کا حال احوال دریافت کرتے وہ قریبی مارکیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ جب سوسن اسے ملی۔

"ارے ایلس! میں تو تم کو ڈھونڈ رہی تھی۔ تمہارے گھر پر تالا پڑا تھا۔ میں خود بھی مین مارکیٹ جا رہی تھی۔ آئرن بے بی کا واسطے بابا سوٹس خریدنے ہیں اچھے والے۔ میرے ساتھ چلتی ہو۔ کتنے دن ہو گئے تم کو باہر نکلے۔"

ایلس کو اور کیا چاہیے تھا۔ وہ گھومنے پھرنے کی شوقین تھی اور یہ موقع تو بہت دن بعد ملا تھا۔ سو فٹافٹ چلنے کو رضا دی۔ دونوں ویگن اسٹاپ پر آ کر گلبرگ جانے والی ویگن کا انتظار کرنے لگیں۔

سارا راستہ وہ اپنے اپنے مسائل' بیماریاں' خوشیاں ایک دوسرے کو سنائی رہیں اور ویگن کے دوسرے مسافران توں پر محظوظ ہوتے رہے۔

مین مارکیٹ کے سٹاپ پر ویگن رکی تو کئی مسافر اتر کر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ ایلس کی وہ ٹانگ جو پہلی چوٹ کے ے ابھی تک مکمل ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ اتنی دیر مسلسل بیٹھے رہنے کے بعد اتر کر چلتے ہوئے لڑکھڑا گئی۔ وہ فٹ پاتھ ر کر سڑک کراس کرنے ہی لگی تھی کہ پیچھے سے آتی تیز رفتار ویگن کی زد میں آ گئی۔

☆

اس روز گھر سے نکلتے ہوئے اسفند کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ دن اس کے لیے روٹین سے کتنا
ہوگا۔ اپنے وقت پر آفس پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ کوریا کا جو ڈیلی گیشن رات کو آنے والا تھا صبح چھ بجے کی
لاہور پہنچ چکا ہے۔ اس ڈیلی گیشن کو اسے خود ریسیو کرنا تھا جو وقت کی تبدیلی کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکا تھا۔
دفتر سے اس ہوٹل کی طرف جانے کے لیے نکلا جہاں اس ڈیلی گیشن کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ شیڈولڈ فارمل میٹنگ
ان سے ایک ان فارمل میٹنگ بھی کرنا چاہتا تھا۔

اس اطلاع سے پہلے ہی وہ اپنے ذاتی ڈرائیور کو سائٹ سے لوڈر لانے کے لیے روانہ کر چکا تھا او
عدم موجودگی کے باعث اسے گاڑی خود ڈرائیو کرنا پڑی۔ اس نے ہوٹل کی انتظامیہ کو فون پر ہدایت کر
ڈیلی گیشن کو ناشتے کی تیبل پر لانے سے پہلے وہ اس کا انتظار کرے اور اب اسے یہ طویل فاصلہ صرف بے
طے کرنا تھا۔ وہ گاڑی خاصی تیز چلا رہا تھا۔ جبکہ وہ اس طرح ڈرائیو کرنے کا عادی نہیں تھا نہ ہی ابھی تک
کے ٹریفک سسٹم کا عادی ہو سکا تھا۔ جب ہی مین مارکیٹ کا موڑ مڑتے ہوئے وہ یو ائنٹ پر رکتی ہوئی ویگن
اپنی اسپیڈ کنٹرول نہ کر سکا۔ گاڑی ویگن سے ٹکرانے سے تو بچ گئی مگر ویگن سے اترنے والی اس بوڑھی خ
ٹکرائی تھی جو سڑک کراس کر کے دوسری سائڈ پر جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے اندازہ ہوا وہ بوڑھی ع
ویگن سے ٹکر کھاتے کھاتے بچی تھی۔ مگر اس کی گاڑی کی اسپیڈ سے بچ نہ پائی تھی۔

اس افتاد پر اسفند کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کی گاڑی لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے رک گئی تھ
کھڑے تماشا دیکھتے لوگوں میں گھری وہ گرے بالوں والی بوڑھی عورت عجیب و غریب لہجے میں واویلا
اسفند نے گاڑی سے نکلنے سے پہلے موبائل پر اپنے پی اے سے رابطہ کر کے اسے اس نئی صورتحال سے
آگاہ کیا اور خود لوگوں کے ”بار بار باہر نکلو باہر نکلو“ کا شور مچانے پر گاڑی سے باہر آ گیا۔

”امارا فریکچر ہو گیا ہوئیں گا‘ ام اب چلنے پھرنے کا بی کابل نہیں‘ یہ سب اونچا دماگ کا لوگ ا
چلاتا دوسرا لوگ کو بلائنڈز موافق ہٹ کرتا‘ او گاڈ‘ ان کا کچھ جانے کا نئیں اے‘ امارا پور لوگ کا لیگ بر
ہے۔ امارا پور لوگ کے پاس تو ٹریٹمنٹ کا واسطے نوٹ بی نہ ہونے سکتا۔ ام پور لوگ کیا کریں گا‘ ہمارا فریکچ

کے قابل بھی نہیں۔ (یہ بڑی گاڑی والے لوگوں کا دماغ بھی اونچا ہوتا ہے اللہ جانتا ہے کہ میں
چلنے پھرنے کے قابل بھی ہوؤں کہ نہیں۔ گاڑی نہیں چلاتے بلکہ اندھوں کی طرح ٹکریں مارتے ہیں۔ ان کی تو کچھ
نے کے قابل بھی نہیں۔
ے گا مجھ غریب کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ہم غریبوں کے پاس تو علاج کرانے کے بھی پیسے نہیں۔)
اس دلچسپ واویلے پر ارد گرد کھڑے لوگ بھی محظوظ ہو رہے تھے۔ اسفند کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ اس موقع پر
کرنا چاہیے۔

”دیکھتے کیا ہو صاحب! مائی کو گاڑی میں ڈال کر کسی ہسپتال لے کر جاؤ۔“ ہجوم میں سے ایک دو آدمی بولے۔
”ام کسی اور ہاسپٹل میں نہیں جانے کا۔ ام امارا ڈاٹر جینس کا ہاسپٹل جائیں گا۔“ یہ بات سن کر بڑھیا تڑپ کر

”آپ انہیں اٹھائیں۔ میری ہیلپ کروائیں ذرا۔“ اسفند نے لب کشائی کی اور گاڑی کا پچھلا دروازہ
کچھ لوگوں نے اٹھا کر بڑھیا کو اندر ڈالا۔ اب اسفند نے غور کیا کہ اس کے ساتھ ایک اور سانولی رنگت والی
بھی تھی‘ جس کا رنگ اڑا ہوا تھا اور جو کچھ کہنے کی کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔
”آیئے‘ آپ بھی بیٹھے۔“ اسفند نے لوگوں سے جان چھڑانے کی خاطر جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے
کہا۔ وہ ہونق سی عورت بھی اسی پھرتی سے اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اسفند نے گاڑی کے تمام شیشے
ئے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
”ام تم کو بتایا سوسن! ام کسی اور ہاسپٹل میں نہیں جانے کا۔ ام اونلی اپنا ڈاٹر جینس کا ہاسپٹل جائیں گا۔“ پیچھے
ہلاتی بڑھیا نے ایک مرتبہ پھر کہا۔
”جلدی کرو‘ گاڑی تیز چلاؤ۔ ایلس گنگا رام جانے کا کہہ رہی ہے۔“ سانولی عورت نے ہدایات جاری کیں۔
”یہاں بہت سے پرائیویٹ ہاسپٹلز ہیں۔“ اسفند نے کہنا چاہا۔
”ام کچھ نہیں جانتا۔“ پیچھے سے آواز آئی ”ام اونلی گنگا رام جانے کا۔ ام اونلی جینس کا پاس جانے کا۔“
”جلدی کرو گنگا رام چلو۔“ اس سانولی عورت نے اپنی چھتری کی نوک یوں اسفند کی پسلیوں میں گھسائی‘ جیسے
ریوالور دکھا کر کہیں لے جانا چاہتی ہو۔
”ان کو کوئی سیریس چوٹ نہیں آئی ہے‘ میرے بہت سے جاننے والے یہاں بہت اچھے پرائیویٹ ہاسپٹلز
موجود ہیں۔ میں انہیں وہاں لے جاتا ہوں۔ ان کی بیٹی کو فون کر دیتے ہیں۔“ اسفند نے اب کے ذرا دھیمی آواز
میں۔ اسے بڑھیا کی دہائی سے ڈر لگ رہا تھا۔
”اچھا!“ سانولی عورت نے کچھ دیر سوچا‘ پھر اس کی چھتری کی نوک ذرا ڈھیلی ہوئی ”او کے‘ چلو کدھر لے کر
ہو۔“

اسفند نے گاڑی کا رخ ایک قریبی ہاسپٹل کی طرف کیا۔ یہ ایک خوب صورت پرائیویٹ ہاسپٹل تھا اور یہاں
ڈاکٹر اس کے جاننے والے تھے۔ بڑھیا کے واویلے اور ایک شناسا ڈاکٹر کے اسے حوالے کرنے کے دوران
کو اپنے اعصاب تنے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس سے کانٹیکٹ ہونے کے تقریباً بیس منٹ بعد اس کا پی
بھی اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ بڑھیا کا ایکسرے ہو چکا تھا اور اسفند کے اندازے کے مطابق اس کا کوئی فریکچر بھی
ہوا تھا‘ صرف گرنے کے باعث دباؤ کی وجہ سے کچھ جگہوں پر چوٹیں اور بازو پر کچھ زخم آئے تھے‘ جن کی فوری
بینڈ کر دی گئی تھی۔ درد کم کرنے والے انجکشنز کے سبب بڑھیا تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اپنا واویلا بند کر کے سکون

سے بیٹھی گفتگو فرما رہی تھی اس کے ساتھ والی خاتون کے چہرے کی ہوائیاں بھی غائب ہو چکی تھیں۔ اور بھی اپنے اعصاف کچھ پرسکون محسوس ہو رہے تھے۔

اس دوران جتنی مرتبہ بھی اس نے اپنے پی اے کو وہاں ٹھہرانے اور خود کھسک جانے کے بارے؛ بڑھیا اپنی تکلیف کے باوجود اس کا ارادہ بھانپ کر شور مچانا شروع کر دیتی۔

''تم ایدر سے گائب ہونے کا بارے میں سوچو مت۔ نیور ام ٹم پر کیس کرائیں گا' پولیس اسٹیشن جائیں لوگ اپنا دماگ میں رہنا جانٹا پر ام بی تم لوگ سے نبٹنا کے بارے میں اچی طرح جانٹا۔'' (تم یہاں سے غ کے بارے میں اچی طرح جانٹا۔'' (تم یہاں سے غائب ہونے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں ہم تم گے۔ تم بڑے لوگوں سے نمٹنا بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔)

اسے بڑھیا کی دھمکیوں سے زیادہ اپنی پوزیشن درست رکھنے کی خاطر یہاں رکنا پڑ رہا تھا اور اسے بڑھیا پر غصہ آ رہا تھا جو نجانے دنیا کے کس ملک سے تعلق رکھتی تھی' مگر گفتگو میں اردو انگریزی کے علاوہ کہیں کے ٹانکے بھی لگا رہی تھی اور جب وہ اپنے ٹریٹمنٹ کے بعد بے فکری سے اس کے دوست کی آفر کی گئی ساتھ چاکلیٹ کوکیز اڑا رہی تھی۔ پہلی مرتبہ اس وقت اسفند کو خیال آیا تھا کہ وہ بڑھیا ایک دلچسپ کردار اپنی اس پوری زندگی میں جو اس نے اس شہر میں گزاری تھی ایسا کردار نہیں دیکھا تھا۔ جبکہ بڑھیا اب دعویٰ کر وہ ہمیشہ سے ادھر کی ہی رہنے والی تھی۔ ذرا دلچسپی سے اس نے اپنی سماعتوں کا رخ بڑھیا کی طرف کیا وہ ہوئے بول رہی تھی۔

''ایر نائنٹین ہنڈرڈ اینڈ ففٹی سکس میں ام ایدر ایک اونچا گریڈ کا آفیسر کا بچہ لوگ کا گورنس بننے کا اس وقت ایدر کوئی آبادی نہ تھا۔ ٹوٹل اجاڑ ویرانا تھا۔ ایک نیچا باؤنڈری وال والا کاٹیج ٹائپ ہاؤس' امارا بولا نائیس ایلس جیزس کرائسٹ کا واسطہ ایدر جاب کرنے کا نائیں اے' امارا فیملی لارڈز کا فیملی تھا' اب ورلڈ نے جس میں کچھ لوگ کا واسطے صرف اندھیارا ای اندھیارا اے جس کرائس میں تم کو ڈالا اے۔ اس زکرنے کا یا کریکٹ ڈیسیشن کا سارا کنٹرول ٹمارا پاس اے۔ اپنا واسطے سیدھا راستہ سلیکٹ کرنا مانگٹا یا نئیں سے واپس باگ گیا۔ اب ایدر کا آباڈی دیکھو ایک دم ماڈرن لوکیلٹی دکھتا۔''

اسفند کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی۔ کچھ دیر پہلے وہ جس صورتحال سے انتہائی بے رین ڈیلی گیشن والے پروگرام کے راستے میں آنے والی جس رکاوٹ پر جی بھر کر بھنا رہا تھا اب وہی صو اسے دلچسپ لگ رہی تھی اور وہ خود کو کہتے سن رہا تھا۔

''اگر آپ نے کافی پی لی ہو اور آپ آرام محسوس کر رہی ہوں تو میں آپ کو آپ کے گھر پہنچا آؤں

……۞……

''میرا خیال ہے کہ اب تک تو اسفند اپنی روٹین میں بالکل سیٹ ہو چکا ہے۔'' رابعہ آفتاب پیالیوں میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

آفتاب جمیل خاصے پرسکون موڈ میں بیٹھے تھے انہوں نے غور سے اپنی اس شریک حیات کو دیکھا جو کی فراوانی کے باعث اپنی عمر سے بہت کم نظر آ رہی تھی۔

''ایک بار جب میں چھوٹا سا تھا میرا ایک ہم عمر دوست گردن توڑ بخار میں مبتلا ہو کر چل بسا' میں آنکھوں سے اس کی بالکل جوان ماں کو مہینوں میں بیمار اور بوڑھا نظر آتے دیکھا جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں

ے بالکل بھول چکی تھی' بار بار یاد آتی ہے۔'' انہوں نے انہیں دیکھتے ہوئے سوچا۔ یہ بات وہ پچھلے چند ماہ میں کئی بار چ چکے تھے مگر وہ یہ بات رابعہ سے کہہ نہ سکے کیونکہ ان میں ایسی بات ان سے کہنے کی ہمت نہیں تھی جواب میں ہیں شاید بہت کچھ سننا پڑ جاتا۔

''آپ نے جواب نہیں دیا؟'' چائے کی پیالی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے رابعہ نے پوچھا۔

''نہیں۔'' انہوں نے جیسے چونکتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' انہوں نے پھر سر ہلایا اور ہاتھ میں پکڑی عینک آنکھوں پر جمائی۔ ''میرا خیال ایسا نہیں کہ اسفند بارہ اس اپنی روٹین میں سیٹ ہو چکا ہے کیونکہ ایسا ہونے میں ابھی بہت وقت لگے گا۔''

''افوہ!'' رابعہ ان کی نفی پر جھنجھلا گئیں۔ ''کتنے اطمینان سے آپ کہہ دیتے ہیں۔ بہت وقت لگے گا' بہت ت لگے گا' میں زندگی کے اس جمود سے تنگ آ چکی ہوں' آپ ہیں تو اپنے کام سے فرصت ملنے پر گھر میں بھی یوں تے ہیں' جیسے کسی اجنبی جگہ پر آ گئے ہوں۔ اسفی ہے تو اس نے علیحدہ پاکھنڈ کھڑا کیا ہوا ہے۔ مجھے دیکھیں۔ میں ماں ں اس کی بھی جو دنیا سے جا چکا ہے اور اس کی بھی' جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی یوں رہتا ہے جیسے نہیں ہے۔ میں نے ی تو حقیقتوں کو قبول کیا ہے۔ اپنے دل کو صبر کی تلقین کی ہے۔ ہم اللہ کے ارادوں کے سامنے کچھ کر سکتے ہیں؟''

''ہم اللہ کے اردوں کے سامنے دم بھی نہیں مار سکتے رابعہ! مگر ہم خود یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انسان یوں ہو ئیں کہ ہمارے ارادوں' عزائم اور سوچ کے مطابق زندگی گزارنے لگیں اور یہ ہی کچھ شاید میرے اور تمہارے دماغ ں سمانے لگا ہے۔'' آفتاب صاحب نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' رابعہ نے مزید تنگ کر اپنی پیالی ٹیبل پر پٹخی ''میں تو صرف اتنا انتی ہوں کہ اب یہ ماتمی ماحول ختم ہو جانا چاہیے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم اسفند کی شادی کا کچھ کریں۔ اس کی عمر کے دسرے لڑکے جو اپنی زندگیاں اسٹیبلش کر چکے ہیں ان کی شادیاں ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں' اور ہم نے اس معاملے ں اب تک کچھ سوچا بھی نہیں۔''

''ہوں' تو یہ بات ہے۔'' ایک مرتبہ پھر عینک آنکھوں سے اتارتے ہوئے آفتاب صاحب نے سوچا اور وہ خبار ایک طرف رکھ دیا جسے پڑھنے کی کوشش میں وہ صبح سے ناکام ہو رہے تھے۔ ''اس طرح کی ایک بات تم سے پہلے بھی تو اس گھر میں ہوئی تھی رابعہ بیگم۔'' پھر انہوں نے کچھ یاد کرتے ہوئے سوچا۔

''اس بات پر کیسے کیسے طوفان اٹھے تھے اور کیسا ردعمل تھا تمہارا۔ کچھ یاد ہے تمہیں؟''

ان کی آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ رابعہ بیگم ان کے موڈ پر بھناتی ہوئی اٹھیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی ہر نکل گئیں۔

''اور اب سوچتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ اس وقت میں بھی کیسا بے حس اور کٹھور ہو چکا تھا۔ میرے بیٹے نے کیسی کیسی منتیں کی تھیں' ہاتھ جوڑے تھے' دلائل دیے تھے مگر نہ تم مانیں نہ میں مانا۔ کیا تھا جو اس کی یہ خواہش پوری ہو جاتی۔ شاید میرے دل کو کچھ تو سکون ہوتا یہ سوچ کر کہ میرے بیٹے کی خواہش پوری ہو گئی جو شاید آخری تھی' مگر نہیں۔'' پھر انہوں نے سر جھٹکا۔ ''اگر ایسا کچھ ہو جاتا تو پھر پچھتاووں میں کمی ہو جاتی اور میں کبھی نہ جان پاتا کہ تمام عمر میں اپنی ولاد سے ناانصافی ہی کرتا رہا۔ میں نے انہیں باپ والی شفقت تو کبھی دی ہی نہیں۔''

''اب یہ ماتمی شکل ہی بنا کر بیٹھے رہیں گے' یہاں سے اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے کیا؟'' رابعہ بیگم۔۔ باہ لیونگ روم میں داخل ہوئیں۔ اب کے وہ نک سک سے تیار تھیں۔ آفتاب صاحب چونک

گئے۔

"مجھے مسز ہاشمی کی برج پارٹی میں جانا ہے' میں اب نواز کو ساتھ لے جا رہی ہوں۔ فضل گھر ہی آپ کو کہیں جانا ہو تو......" انہوں نے اطلاع دی اور اپنا بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

آفتاب صاحب پیچھے بازو باندھے یونہی ٹہلتے ٹہلتے باہر نکل آئے۔ مالی لان میں لگی باڑھ کر کٹائ انہوں نے سرسری انداز میں اس کا حال پوچھا اور پھر یونہی چلتے چلتے گھر کے عقبی حصے کی طرف آ گئے یہاں کے ساتھ چند سرونٹ کوارٹرز بنے تھے اور ایک سائڈ پر چند اسٹور روم تھے۔

انہیں دیکھ کر دو تین ملازم اور ان کے بچے ان کی طرف آ گئے۔ ان کے لیے یہ بہت حیرت کی صاحب اس طرف آئے تھے' وہ یونہی سرسری انداز میں سب کا حال پوچھتے رہے۔ جب ہی فضل ڈالمیشن کی زنجیر پکڑے ان کی طرف آ گیا۔ شہری کے بعد پہلی مرتبہ وہ اس کے پالتو کتے دیکھ رہے تھے۔

"شہری صاحب کو بڑے پیارے تھے۔" عبدالرحیم کک کی بوڑھی ماں نے روایتی انداز میں بناتے ہوئے کہا۔

"ہوں!" انہوں نے کتوں کی جوڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس دن جب وہ مائی جی آئی تھیں افسوس کرنے تو کیا کہہ رہی تھیں کہ شہری صاحب کے دا جانوروں سے بڑی محبت تھی۔"

سلام نے نمبر بنانے کی خاطر فضل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور دانت نکالتے ہوئے تائید چاہی۔

"کون مائی جی؟" آفتاب صاحب کے لیے یہ بات نئی تھی۔

"وہ جی جو شہری' اسفی صاحب کو سپارہ پڑھاتی تھیں چھوٹے ہوتے۔" ان کے اس انداز پر سلام گڑبڑ

"سپارہ بڑھاتی تھیں؟" آفتاب صاحب سے گھر میں اس بات کا ذکر قطعی نہیں ہوا تھا۔

"وہ جی کیا نام تھا ان کا۔" سلام نے سر کھجایا۔ "وہ جی جو ادھر رہتی ہیں' اپنا پرانے علاقے میں۔"

"بی بی زینب!" آفتاب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں جی!" سلام کے ذہن کے جیسے الجھن دور ہو گئی تھی۔ ویسے یہ نام اس کو بھی یاد نہیں تھا۔

"بی بی زینب کب آئی تھیں؟" آفتاب صاحب نے اس سے پوچھا۔

"بڑے مہینے پہلے کی بات ہے جی' جب شہری صاحب والی بات نئی نئی ہوئی تھی۔ بڑی دیر بیٹھی رہ صاحب کے پاس۔ بڑا روتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ جی اخبار میں پڑھا تھا شہری صاحب کے متعلق۔"

سلام کو ایک معمولی ساذکر کرنے کے عوض لمبے قصے سنانے پڑ گئے تھے اور اب وہ گھبرا رہا تھا۔

"ہوں!" آفتاب صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا اور واپس مڑ گئے۔

"بی بی زینب کی آمد کا ذکر نہ کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ جبکہ ان دنوں تو وہ وزیٹرز بک بنائے جس میں اندراج ہو رہا تھا کہ کون آیا' کون نہیں آیا۔" وہ سوچ رہے تھے۔

......❁......

اسے خود بھی ایک مرتبہ پھر اس علاقے میں اپنی آمد پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دل میں محظوظ بھی ہو رہا تھا۔ اس روز جب وہ لیڈی ایلس ڈی سوزا کو بمعہ ان کی ہونق دوست کے یہاں ڈراپ تھا تو اسے یاد آیا کہ اگرچہ اسی شہر کا حصہ ہونے کی وجہ سے اس نے یہ علاقہ پہلے دیکھ رکھا تھا' مگر ایسا بہت بچپن

تھا اور اب وہ عرصے بعد ہی اس جگہ آیا تھا۔ اس پر مستزاد لیڈی ایلس کا رہائشی علاقہ جو ایک کمپاؤنڈ کی شکل میں تھا۔ اس روز وہ انہیں گھر کے باہر ہی اتار کر واپس چلا گیا تھا مگر آج جبکہ وہ ان کی عیادت کے لیے بمعہ خوب صورت کیک کے آیا تھا تو صرف اس لیے کہ اسے توقع تھی کہ یہ ملاقات دلچسپ ثابت ہو گی۔ اس کی توقع کے خلاف وہ ہونق عورت اسے ایلس ڈی سوزا کے گھر کے دروازے ہی پر مل گئی اور اسے اپنی معیت میں ہی گھر کے اندر لے آئی۔

اندر ایک چھوٹا صحن تھا جہاں چارپائی پر بستر بچھائے ایلس ڈی سوزا شان سے لیٹی تھیں۔ ان کے قریب کرسیوں پر ایک نوجوان لڑکی اور لڑکا بیٹھے تھے۔

"او یو ینگ مین!" لیڈی ایلس جو بڑے اسٹائل سے فروٹر کی پھانکیں منہ میں رکھ رہی تھیں۔ ایک دم الرٹ ہو کر سیدھی ہوئیں۔ ساتھ میں وہ لڑکی اور لڑکا بھی۔ لڑکی کی شکل انتہائی یورپین تھی۔

"خاتون لیڈی ایلس کی رشتہ دار ہوں گی۔" اس نے دل میں سوچا' لڑکا خالص پاکستان لگ رہا تھا اس لیے اسے قطعی اندازہ نہ ہوا کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔

"اب دیکھو اور اب امارا کیا حالات اے۔" ایلس کو اس اچانک آمد پر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کو کہاں بٹھائیں پھر اچانک ان کو یاد آیا کہ اپنی فیملی ٹریجڈی کا لیجنڈری قصہ تو وہ اسے اس روز ہی سنا چکی تھیں اب ان ہی خطوط پر کہانی آگے بڑھانے سے اپنے موجودہ حالات کا پردہ رکھا جا سکتا ہے۔

"کوئی بات نہیں۔" اسفند نے سر ہلایا اور آگے بڑھ کر بوکے انہیں پیش کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک خوب صورت کیک بھی لایا تھا۔

"او تھینک یو ینگ مین! یو آر سو سویٹ۔" ایلس نے اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور اپنے قریب رکھی کرسی پر اسے بیٹھنے کے لیے پیش کی۔

"للی! ام تم کو بتایا یہ وہی ینگ مین اے جو ام کو ہاسپٹل لے کر گیا' ٹریٹمنٹ دلوایا۔" ایلس نے گاڑی کی ٹکر مارنے کا قصہ گول کرتے ہوئے کہا۔

للی ڈی سوزا کی تو گویا لاٹری نکل آنے والی بات تھی۔ کرینی اس کو بتا چکی تھیں کہ وہ لڑکا جو اسے گاڑی میں ڈال کر ہاسپٹل لے گیا تھا۔ کوئی بہت پیسے والا بڑا آدمی تھا۔ اس کے لئے اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ...... لڑکا دوبارہ ان کے گھر آیا تھا۔

اس نے اس لڑکے سے بے تکلف ہونے میں حسب معمول بہت کم وقت لگایا اور جتنی دیر وہ بیٹھا رہا اسے افسوس ہوتا رہا کہ اس روز وہ اتنے اچھے طریقے سے تیار کیوں نہیں ہوئی تھی جیسے روز ہوتی تھی۔

اسفند کو اپنی توقع کے مطابق اس ملاقات میں مزا آیا۔ اس روز ایلس کی اینگلو انڈین زبان سن کر اسے بہت اچھا لگا تھا۔ یہ نین نقش اور رنگت اس کے لیے باعث کشش نہیں تھی۔ وہ عرصہ دراز ایسی ہی شکلوں اور رنگت کے درمیان رہا تھا' مگر اسے یہ پس منظر اور زبان اچھی لگی تھی۔ کچھ اپنے ہاتھوں ہونے والے حادثے کا ملال بھی تھا۔ جس کی شدت کم کرنے وہ یہاں چلا آیا تھا۔ لیڈی ایلس کی گفتگو' اس کی نواسی کے دو نمبر اسٹائلز اور اس گھر میں آئے مہمان کے بنائے ہوئے پورٹریٹس جو وہ لیڈی ایلس کی فیملی ہسٹری کی سیریز بنانے کی ابتدا کے طور پر اسے دکھانے کے لیے لایا تھا اسے اچھے لگے تھے۔

خصوصاً اس نوجوان کا کام' اس کی اپروچ اور انداز سب ہی اسے بہت سے لوگوں سے مختلف لگے تھے۔ اور وہ زیادہ تر اسی سے باتیں کرتا رہا جس کا نام فراز احمد تھا ایلس نے حسب عادت اپنی فیملی کی تاریخ' فوٹوز اور دکھا اسے

سنائے۔مگر اس نے اس سارے میں وہ دلچسپی ظاہر نہیں کی جو فراز نے ظاہر کی تھی۔ البتہ اس نے فراز آئیڈیے کو بہت سراہا تھا جس کے تحت وہ پورٹریٹس اور پس منظر کے ساتھ ایلس کی خاندانی تاریخ کی تصویر کُ تھا۔

"یہ ایک ونڈرفل آئیڈیا ہے اور تمہارا کام بھی خوب صورت ہے' تم اس کی نمائش ضرور کرنا۔ میں اِ کروں گا۔" اس نے فراز سے کہا۔

فراز کو علم تھا کہ وہ اس کا لکی ڈے نہیں تھا مگر اس روز قسمت اس پر یوں اس طریقے سے مہربان ہوگی' ا کبھی اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسفند نے اس کو اپنا کارڈ بھی دیا تھا اور اصرار کے ساتھ کہا تھا کہ وہ اس کے تکلف آئے۔ للّی کو اس سارے منظر میں خود کا یوں منفی کیے جانا کھلنے لگا۔ خصوصاً جب مہمان نے اس کی انتہا سے بنائی ہوئی چائے کو مہذب انداز میں منع کر دیا۔

"میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے' شاید کسی شوبز فنکشن میں۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر گفتگو میں ان ہونے کی خاطر کہا۔ یہ اس کی پرانی ترکیب تھی جہاں اسے بات کر موقع چاہیے ہوتا تھا وہ اپنے مخاطب کی توجہ اسی طرح اپنی طرف مبذول کروانے کی کوشش کرتی تھی۔

"یہ کب کی بات ہے؟" اسفند نے پوچھا۔

"شاید پچھلے سال کے آخری میں یا شاید اس سال کے شروع میں۔" للّی نے بڑے اسٹائل کے ر کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا ممکن نہیں' کیونکہ نہ تو میں پچھلے سال کے آخر میں یہاں تھا نہ ہی اس سال کے شروع میں۔" اسفند نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ مگر اس کا دل ایک مرتبہ پھر بے چین ہو گیا۔ "یقیناً کہیں اس نے دیکھا ہوگا۔" وہ سوچ رہا تھا۔

"ینگ مین! اف یو ڈونٹ مائنڈ تو پھر ایک ہم پر بڑا احسان والا کام کر دیو۔" للّی چائے کی ٹرے اٹھا میں گئی تو ایلس نے نیچی آواز میں اسفند کو مخاطب کیا۔

"جی فرمائیے۔" اسفند نے فراز سے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر کے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

"تم اس کو' امارا للّی کو' اید ترکہیں کسی جاب میں سیٹل کروا دو' ام اس کا بارے بوت ورید ریتا۔"

ایلس نے بھی مطلب کی بات کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ ایک عمر اس زندگی کے تجربات میں گز اسے خوب معلوم تھا کہاں کون سی بات کرنی ہے۔ اب بھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ نوجوان اس روز اپنے پیش آنے والے حادثے کی شرمندگی میں مبتلا ادھر آ گیا تھا اور جانے دوبارہ کبھی ہاتھ آئے یا نہ آئے' جوا اسفند کو قدرے تذبذب میں دیکھتے ہوئے اس نے دوسری بات داغی۔

"امارا مطلب اسٹینو ٹائپ کسی ریسپشنسٹ ٹائپ جاب کا اے اب اٹنا ویل ایجوکیڈڈ تو نائیں اے کہ جاب مانگتا۔"

"ٹھیک ہے' میں نے فراز کو اپنا کارڈ دیا ہے۔" اسفند نے سر ہلا کر کہا۔

"فراز! تم جب کبھی آؤ تو مس للّی کو بھی لے آنا۔ میں اتنے میں دیکھتا ہوں کہ یہ کہاں ایڈجسٹ ہو سکتی فراز کو اس کے انداز سے ٹالنے والی صورت حال کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ للّی کو واپس آنے پر بھی اندازہ نہیں ہوا کہ اس کے متعلق کوئی بات

۔ وہ اسفند کے اٹھنے تک رنجیدہ اور سنجیدہ ہی رہی۔ اسفند نے جھک کر ایلس سے اجازت مانگی اور فراز کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔

"میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔" للّی کے دل پر ایک اور گھونسہ پڑا۔ فراز اپنے کینوس سنبھالتا اس کے ساتھ ہی کے لیے باہر کی طرف مڑا اور اس نے للّی کو خدا حافظ بھی نہیں کہا۔

"ایسا والا لوگ اب بوت ریر (نایاب) ہو گیا۔" ایلس نے ان کے جانے کے بعد نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ آج سے ٹوینٹی فائیو ایر پیچھے کا بات اے کہ ایسا اچھا لوگ فنش ہو گیا۔ اب تو ایسا بندہ ایک دم اسٹرینج پرسن لگتا "

للّی اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ اس کا ذہن کوئی اور کھچڑی پکا رہا تھا۔ کسی طرح سے ہی سہی وہ اس معاشرے اسفند جیسی حیثیت رکھنے والوں تک رسائی حاصل کرنے کی متمنی تھی۔ وہ اخباروں میں' رسائل میں ٹی وی پر سینما ین پر چمکتے دمکتے' ہنستے مسکراتے اٹھلاتے چہرے دیکھتی تھی اور خوابوں میں خود کو ایسی ہی جگہوں پر وہی کچھ کرتے تھی' جو وہ لوگ کرتے تھے۔

آج سے پہلے اسے گرینی کے ایک مرتبہ پھر زخمی ہو کر بستر پر پڑ جانے پر غصہ تھا۔ وہ اس بے کار کی مصروفیت پر ملاتی تھی جو گرینی کے اس طرح لاچار ہونے پر اس کے حصے میں آئی تھی۔ جینس اور لینا اپنے اپنے کام نمٹا کر نکل تھیں' جبکہ اسے آج کل صرف اس لیے گھر میں رہنا پڑتا تھا کہ وہ کوئی کام نہیں کرتی تھی۔ لیکن آج اس کی ساری ملاہٹ ایک اسفند یار کی آمد سے ہوا ہو گئی تھی۔ پہلے اسے فراز پر بھی غصہ تھا جو اتنے روز بعد آیا تھا تو بھی صرف نی کی فیملی کی جھوٹی کہانی پر مشتمل تصویروں کے ساتھ۔ وہ اس کے لیے کوئی امید' کوئی اچھی خبر نہیں لایا تھا۔ اب کے خوش فہم دل نے اسفند یار کے حوالے سے نئی توقعات نئی امیدیں باندھ لی تھیں۔

پھر جب گرینی نے اسے بتایا کہ وہ اسفند یار سے اس کے لیے نوکری کی بات کر چکی ہیں تو اسے ایک اور قسم کی ت ہوئی۔ نوکری تو خیر اس نے کیا کرنی تھی۔ اسی بات کے حوالے سے وہ اس تک پہنچ سکتی تھی۔ اس سے واقفیت اسکتی تھی۔ اس تصور کے ساتھ وہ اتنی خوش تھی کہ رات کو وہ لینا کو ایک پڑھا پڑھایا سبق سنا رہی تھی۔

"وہ ہجویری گروپ آف انڈسٹریز کے ڈائریکٹرز میں سے ایک ہے' اتنا ڈیشنگ' اتنا ینگ' اتنا ہینڈسم کہ لگتا ہے ندنے اسے بڑی فرصت سے بنایا ہے۔ تم دیکھیں تو یقیناً تم بھی ایسا ہی کہتیں۔ لینا ڈارلنگ! کبھی کسی طرح اس بے تکلفی ہو سکے تو کیا ہی بات ہو۔"

"گرینی یہ بھی تو بتا رہی تھیں کہ وہ بہت انکسار پسند شخص ہے' اس میں اپنے اسٹیٹس سے متعلق کوئی اکڑفوں نہیں ۔" لینا نے کمرے کی مختلف چیزوں کی ترتیب درست کرتے ہوئے کہا۔

"گرینی ہر شخص کو اپنی آنکھ سے دیکھتی ہے۔ اس لیے کہہ رہی تھی ورنہ اس کی اکڑفوں اس بات سے ظاہر نہیں ا کہ اس نے ہمارے ہاں چائے نہیں پی۔"

للّی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"للّی! وہ چاہتا تو اس روز گرینی کو زخمی بے آسرا چھوڑ کر بھاگ لیتا یا پھر کم از کم آج تو ہرگز نہ آتا ہمارے گھر۔ نوں چیزیں بتاتی ہیں کہ وہ ایک انکسار پسند انسان ہے اور اخلاقی طور پر بھی اچھا ہے۔"

لینا نے اپنے کام سے فارغ ہو کر بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا عجب' وہ گرینی کے کہنے پر تمہیں کوئی جاب دے ہی دے۔"

''جاب تو اس سے مانگنا تم۔'' للی نے ذرا تلخ ہو کر کہا۔ ''ادھر کسے جاب چاہیئے۔''

''تو پھر تم اس سے کیا چاہتی ہو؟'' لینا کو اس کی بات پر حیرت ہوئی۔

''میں کیا چاہتی ہوں۔'' اب کے للی نے سامنے خلاؤں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو میں تمہیں کبھی بہ
کہ میں کیا چاہتی ہوں۔''

''للی! ہمارے پارلر پر ایک لڑکی آتی ہے۔'' لینا نے اس کے لہجے سے اس کے ارادے کو بھانپتے ہو
سے وہ بات کہہ دی جو وہ مہینوں سے دانستہ نہیں کہہ رہی تھی۔

''وہ آج کل سپر ماڈل کے طور پر جانی جاتی ہے۔ وہی جو واشنگ پاؤڈر کے اشتہار میں آتی تھی گھر گ
لوگوں کے انٹرویو کرنے۔ وہی جو اس نئے نیشنل سونگ میں آتی ہے۔'' لینا نے اپنی محدود معلومات میں
مثالیں دیں۔

''کون سی؟'' للی کو یاد نہیں آ رہا تھا۔

''ارے بھئی وہی انسیکٹ کلرز کے ایڈ میں بھی آتی ہے مچھروں کو بھگاؤ' لال بیگ بھگاؤ۔'' اب کے
ذرا گنگنا کر کہا۔

''آئی سی!'' للی کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ ''سارہ جسے انگلش میگزین سیلی لکھتے ہیں۔''

''ہاں شاید وہ آتی ہے ہمارے پارلر پر۔'' اب کے لینا نے شکر کرتے ہوئے کہا کہ للی کو یاد آ گیا۔

''پھر؟'' للی کے لہجے میں بے نیازی کا رنگ تھا۔

''وہ ایک روز مجھ سے کہہ رہی تھی کہ تمہاری کوئی بہن' کوئی کزن یا فرینڈ وغیرہ کہیں ماڈل بننا چاہے تو بتا

''او گاڈ!'' للی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ''پھر تم نے کیا کہا؟''

''میں نے منع کر دیا ایسا کون ہے میرے اردگرد جو ماڈل بننا چاہے۔'' لینا نے دانستہ طور پر بے نیازی بر

''جیزس کرائسٹ!'' للی نے ناراضی سے کہا۔ ''کمال ہے لینا! تمہیں پتا نہیں ادھر میں ماڈل بننے
مری جا رہی ہوں' تم نے منع کر دیا۔ تمہیں میں یاد نہیں آئی۔''

''مجھے خیال نہیں تھا کہ تم اتنی کریزی ہو رہی ہو گی اس معاملے میں' خیر اب آئی تو میں بات کروں گی ضرو
لینا کو لگا کہ وہ للی کے ذہن میں اشتہار کے علاوہ بھی ایک آئیڈیا بٹھانے میں کامیاب ہو گئی تھی' اس
نے اس موضوع کو لپیٹ لیا۔

ادھر للی کو لگ رہا تھا گو وہ آج اس کا لکی ڈے نہیں تھا مگر ایسا جیسے اس سے زیادہ لکی ڈے کوئی دوسرا نہ تھا

❁

بی بی زینب کو اس صبح سردی نے بستر سے نکلنے نہ دیا تھا۔ وہ صبح سویرے فجر کی نماز پڑھ کر دوبارہ اپنے بس
دبک گئی تھیں اور مختلف تسبیحات کرتے کرتے ان کی دوبارہ آنکھ لگ گئی تھی جب آنکھ کھلی تو یقیناً وقت دن چڑھے
مگر باہر چھائی دھند کی وجہ سے اندھیرا ہی محسوس ہو رہا تھا۔ اپنے لیے ناشتہ بنانے کی ہمت ان میں نہ ہو رہی تھی
لیے یونہی پڑی رہیں۔ انہیں امید تھی کہ ضرور حسب معمول کوئی بچہ یا بڑا ادھر سے گزرتے ہوئے ان کے پاس
گا' مگر ان کا انتظار کافی دیر تک فضول ہی رہا شاید ان کی طرح دوسرے لوگ بھی یونہی دبکے پڑے تھے۔

جب اچھی خاصی بھوک چمک اٹھی تو وہ ہمت کر کے اٹھیں اور الماری سے پیسے نکال کر صحن عبور کرتی
دروازے سے باہر نکل گئیں۔ دھند اور سردی کے باعث وہ اونی کپڑوں میں بھی کانپ رہی تھیں۔ دو تین گلیاں

بیرونی سڑک پر ساتھ ساتھ بنی مختلف دکانوں پر بھی خاص رونق نہ تھی۔

انہوں نے بشیر نہاری والے کی دکان کا رخ کیا اور اسے چنے اور کلچے پیک کرنے کا کہا۔ ساتھ کا دکان سے
کلو دودھ لیا۔ جب وہ بشیر سے چنوں اور کلچوں کا پیکٹ لے رہی تھیں تو انہیں محسوس ہوا کہ بشیر نے ان کے عقب
کسی کو دیکھ کر بھنویں چڑھا کر کچھ معنی خیز سا اشارہ کیا ہے۔ لاشعوری طور پر انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ ایک
جوان لڑکی جدید لباس جیکٹ مفلر میں ملبوس اندر گلی میں داخل ہو رہی تھی۔

''وہی ہے بی بی زینب! عائشہ کا کریڈٹ کارڈ' بینکوں کا بڑا نوٹ۔'' بشیر نے انتہائی لوفرانہ انداز میں کہا۔

''حیا کر۔'' بی بی زینب نے جھڑک کر کہا۔ بشیر بھی بچپن میں ان سے قرآن پڑھ چکا تھا۔ ''تیری زبان نہیں
ن۔ پرائی بہو بیٹیوں کے بارے میں یوں بات کرتے ہوئے۔''

''میری زبان کیا جلے اور کیوں جلے بی بی جی! یہ تو جو دیکھتی ہے بیان کر دیتی ہے۔''

''چل دفع ہو کم بخت۔ تیرے اپنے گھر بھی جوان لڑکیاں ہیں جو تیری بہنیں ہیں' برے وقت سے ڈر' استغفار
ما کر۔''

بی بی زینب ایک بار پھر ڈپٹ کر بولیں اور اندر والی گلی کی طرف چل دیں۔ اپنی گلی کی طرف جاتے جاتے
تک انہیں کسی خیال نے روکا۔ وہ دودھ اور ناشتے کی تھیلیاں یونہی پکڑے پکڑے اپنی گلی کے مخالف گلی میں گھس
یں اور قدرے تیز قدموں سے چلتی عائشہ کے مکان کے سامنے رک گئیں۔

سردی کے باعث یہ گلی بھی سنسان تھی۔ انہوں نے بیرونی سیڑھیاں چڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ کچھ جواب نہ
، پر بیل کا بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں دروازے کے ساتھ والی کھڑکی سے کسی نے جھانک کر دیکھا اور پھر
ازے کی کنڈی کھول دی۔

''بی بی زینب!'' ڈیوڑھی میں کھڑی عائشہ کا سینے میں دبا سانس جاری ہوا۔

''میں نے کہا۔ نجانے کون آ گیا۔'' عائشہ نے کہا اور دروازے سے ہٹ گئی۔ اندرونی کمرے سے بچے کی
اغاں اور اس سے گفتگو کرتے کسی کی نسوانی آواز آ رہی تھی۔

''بچے کی ماں ہے۔'' عائشہ نے سرگوشی سے کہا۔

''بڑے دن پیچھے آئی ہے۔ میں نے بھی کمرے میں اکیلا چھوڑ دیا۔ میں نے کہا۔ جی بھر کر کر لو باتیں اپنے
سے۔ آخر ماں ہے۔''

آخر میں عائشہ نے اپنے سارے عمل کی توجیہہ بیان کی۔

''یہ آتی ہے تو میرا دل ڈرتا ہی رہتا ہے کوئی محلے دار نہ آ جائے' ایک دفعہ کوئی دیکھ لے تو سو باتیں بناتا ہے۔''
عائشہ نے انہیں دوسرے کمرے میں لے جاتے ہوئے کہا۔

''عائشہ! میں آج دانستہ طور پر اس وقت آئی ہوں۔ مجھے اس لڑکی کی آمد کا پتا چل گیا تھا۔ مجھے اس سے ملنا
تم مجھے اس سے ملواؤ۔''

بی بی زینب نے عائشہ کی ساری باتوں کے جواب میں واضح طور پر کہا۔ عائشہ نے ایک دم ٹھٹک کر انہیں
ما۔

''آپ کیوں ملیں گی اس سے بی بی زینب؟'' اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور خوف بھی۔

''بس یہ میں اس کے سامنے ہی تمہیں بتاؤں گی۔''

بی بی زینب نے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئیں۔ ان کے اس حتمی انداز کی وجہ سے عائشہ کو بھی اٹھنا پڑا ساتھ کے کمرے میں لے جانا بھی پڑا۔ جب سے وہ بچہ یہاں آیا تھا بی بی زینب پہلی مرتبہ عائشہ کے گھر آ اس کمرے کا انداز ہی بدلا ہوا تھا۔ وہ وہاں موجود بیش قیمت چیزوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد کرسی پر بیٹھ گئ سے کھیلتی' باتیں کرتی لڑکی نے بھی چونک کر انہیں دیکھا اور خاموش ہو کر سوالیہ نظروں سے عائشہ کو دیکھنے لگی۔

''یہ بی بی زینب ہیں۔'' بدقت عائشہ کے خشک حلق سے آواز نکلی ''یہ یہاں رہتی ہیں' بڑی نیک بی بی والی ہیں۔ بچوں کو قرآن پڑھاتی ہیں' سب کے دکھ درد کی ساتھی' سب کی راز دار سب لوگوں میں بڑی عزت زینب کی۔''

لڑکی نے بی بی زینب کو دیکھتے ہوئے بچے کو گود میں بٹھالیا۔ وہ شاید اس تعارف سے ذرا مرعوب احتراماً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''بیٹی! تم کون ہو؟ مجھے بتاؤ' سمجھو اپنی ماں سے بات کر رہی ہو' مجھے وہ غم زدہ کہانی سناؤ جس کا ہے۔''

عائشہ کو باہر نکلنے کی جلدی تھی' وہ زیادہ دیر اس صورت حال کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی' اس کے باہر نکلنے زینب نے اپنی بات مختصر مگر جامع لفظوں میں کہی۔

''آپ کو اپنی ماں سمجھوں؟'' لڑکی نے ان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیسے سمجھوں۔'' پھر اس کا ہاتھ نیچے گرا اور اس کا لہجہ بے بس ہوا'' جبکہ مجھے یہ بھی پتا نہیں کہ ماں ہے۔''

''تمہارے ذہن میں ماں کا جو بھی خاکہ بنتا ہے سمجھو میں وہی ہوں۔ دیکھو کوئی بھی عائشہ کی بات نہیں کرتا۔ میں ان لوگوں سے ملتی ہوں جو عائشہ کے بارے میں باتیں کرتے ہیں؟ تمہارے یہاں آ آوازیں کستے ہیں۔ میں یہ سب ہونے نہیں دینا چاہتی۔ میں عقل مندی کا دعویٰ نہیں کرتی' مگر میری عمر اور شاید اس ساری صورتحال میں کہیں تمہارا مددگار ثابت ہو سکے۔ تمہارا بھی اور عائشہ کا بھی۔''

بی بی زینب کے لہجے میں انتہائی سنجیدگی تھی۔ لڑکی نے کچھ دیر خاموشی سے ان کا بغور جائزہ لیا۔ ان کے نقوش پرکھتے پرکھتے اس کی نظر ان کی آنکھوں پر پڑی وہ غور سے ان کی آنکھیں دیکھتی رہی اور پھر جیسے پہنچ گئی۔

''یہ بچہ میرا ہے' میں خود اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں آپ دیکھ کر کہہ سکتی ہیں کہ میرا تعلق ایک متمول خاندان سے ہے۔ میں نے تمام عمر اچھا کھایا' اچھا پہنا اور اچھا پڑھا۔ میری ہر خواہش ہمیشہ پوری میری ملاقات اس بچے کے باپ سے ہوئی' جس کا تعلق مجھ سے بھی زیادہ امیر گھرانے سے تھا۔ مگر ہم ان کے بعد دوستی اور پھر اس سے بھی آگے

شاید محبت کے رشتے میں بندھ گئے۔ ہمارا تعلق اتنا گہرا ہوا کہ ہم نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مہ نے مجھے اس ارادے سے اس لیے منع کر دیا کہ ان کا خیال تھا کہ اپنے سے برتر فیملی سے تعلق مجھے سوٹ نہیں جبکہ اس بچے کے باپ کے والدین سرے سے ہی اس خواہش کو نوعمری کا جنون کہہ کر مسترد کر چکے تھے۔ پہلی میں میرے گھر میں میری بات مسترد ہوئی تھی' جس نے مجھے ضد دلا دی۔ میں نے ہر قیمت پر اس سے شادی اور اسے بھی مجبور کیا کہ ماں باپ کی مرضی کے بغیر ہی سہی مجھ سے شادی کر لے۔ اسے میری محبت نے اور

طبیعت نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کورٹ میرج جس سے ہم دونوں کے والدین واقف نہیں تھے' کا نتیجہ ہے۔ جسے میں اپنا نہیں سکتی کیونکہ معاشرے میں میرا اسٹیٹس مجھے اس کی اجازت نہیں دیتا' مجھے اپنے نام اور دار کو بچانے کے لیے اس بچے کو کسی دوسرے کی گود میں ڈال دینے پر مجبور ہونا پڑا' کیونکہ اس کے علاوہ میرے اور کوئی چارا نہ تھا۔''

بی بی زینب ایک ٹک اور لڑکی کو بولتے' سنتی اور دیکھتی رہیں۔ انہیں اس کہانی کے کئی حصے جھول دار لگے' مگر انہوں نے ان حصوں پر کوئی سوال نہیں اٹھایا۔ لڑکی کے بات ختم کرنے کے بعد اسے اپنی جانب منتظر نظروں سے دیکھتے پا کر انہیں محسوس ہوا کہ وہ ان کی طرف سے کسی سوال کا انتظار کر رہی تھی۔

''اور وہ اس بچے کا باپ؟'' بے اختیار ان کے منہ سے وہی سوال نکلا جس کی غالباً وہ لڑکی توقع کر رہی تھی۔

''وہ۔'' اب کے اس پورے قصے میں پہلی بار لڑکی کی آنکھوں سے آنسو چھلکے۔

''بھاگ گیا نا تمہیں چھوڑ کر؟'' ایک عجیب طنزیہ سا تاثر بی بی زینب کے چہرے پر ابھرا۔ ''وہ جسے تم مخلص اور ... دار کہہ رہی ہو' اس نے تم سے منہ موڑ لیا بچے کو دیکھ کر' یہی ہوتا ہے ایسی کہانیوں کا انجام اب جبکہ تم نے ماں ... سے چوری بیاہ کر لیا' بچہ پیدا کر لیا تو اس کے بھاگ جانے پر منہ ہی چھپاؤ گی نا خود سے بھی' اور بچے سے بھی۔ ... لیے سوچا کسی غریب' بے آسرا عورت کے حوالے کر کے پیسے اور آسائشات کے ساتھ اس کا منہ بند کرنے کا ... کام کیا جا سکتا ہے۔''

لڑکی ساکت بیٹھی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''یہ تو اب لگتا ہے ریت سی بن گئی ہے تمہارے طبقے کے لوگوں کی۔ نجانے کس کس کے جائز اور ناجائز بچے ... ان پل رہے ہیں۔''

ان کے انداز میں حقارت تھی۔ اس آخری بات پر لڑکی تڑپ اٹھی۔

''میں کوئی بہت مذہب پرست انسان نہیں ہوں۔ مجھے مذہب کے بہت سے اصولوں کا علم نہیں ہے' مگر یہ بچہ ... آپ لوگوں کے قائم کردہ جائز ناجائز معیار کے مطابق ناجائز ہرگز نہیں' ہم نے باقاعدہ کورٹ میرج کی تھی' میرے پاس سرٹیفکیٹ آف میرج بھی ہے۔''

''پھر اس جائز اولاد سے زیادہ کیا تمہیں اپنا نام اور کردار عزیز ہے۔'' بی بی زینب نے طنزیہ لہجے میں گویا ... کہا۔ ''بھاگ گیا تھا اس کا باپ تو پھر تمہیں کس بات کی پروا تھی کرنا تھا دعا اس شادی کا' کرنا تھا اعلان اس بچے کی پیدائش کا' کیوں چوروں کی طرح منہ چھپاتی پھر رہی ہو' علم ہونا چاہیے تمہارے اور اس کے ماں باپ کو کہ بے جا ... آزادی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے گناہ دونوں کا برابر ہے تو ایسا کیوں ہو کہ وہ عیش کرتا پھرے اور گھٹ گھٹ کر ترس ترس کر ... بچے کا بوجھ تم اکیلی اٹھاؤ۔''

''وہ عیش نہیں کر رہا۔'' لڑکی بے اختیار رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز میں بے چارگی' بے بسی اور شکست ... تھا۔ ایسا دکھ ایسا کرب تھا کہ بی بی زینب کا دل کٹنے لگا۔

''وہ......'' ہچکیوں کے درمیان اب جو انکشاف اس لڑکی نے کیا وہ بی بی زینب کے ہوش اڑا دینے کو تھا۔

''کیسے؟'' ان کے منہ سے نکلا۔

اس سوال پر بعد میں انہیں پچھتانا پڑا کیونکہ اس کے جواب سے انہیں جس دکھ بھرے انکشاف سے دوچار ہونا ... تھا۔ وہ زندگی بھر اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی تھیں۔ اس بات کا انہیں یقین تھا۔

پندرہ بیس منٹ ساکت بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھیں اور لڑکی کے قریب جا کر اسے ساتھ لگا کر روئیں۔ دیر تک روتے رہنے کے بعد جیسے ان دونوں کو ذرا حوصلہ ہوا اور پھر وہ بچے کی طرف متوجہ ہوئیں مسلسل رو رہا تھا۔ بی بی زینب نے بچے کو گود میں لیا اور اس کا ماتھا' آنکھیں' چہرہ اور ہاتھ چومنے لگیں۔ لڑکی ان جذبے پر حیران بھی تھی اور متاثر بھی' خاموشی سے بیٹھی انہیں دیکھتی رہی۔

''بس تم فکر مت کرو۔'' پھر انہوں نے بچے کو چمکار کر سلانے کے دوران اس سے کہا۔ ''اب یہ عائشہ میری بھی ذمہ داری ہے۔ یہ تو میرا اپنا ہے' بہت اپنا۔''

لڑکی اس کایا پلٹ پر حیران تھی۔ گود میں ہاتھ دھرے وہ آنکھیں کھولے انہیں تکتی رہی۔ دونوں ک عائشہ کی آمد نے توڑی عائشہ سہمی ہوئی تھی۔ وہ چار مرتبہ کمرے میں جھانک کر یہ میلوڈرامہ دیکھ چکی تھی اس کی یہ سارا منظر نہیں آیا۔ اب کمرے میں چھائے سکوت نے اسے اندر آنے کی ہمت عطا کر دی تھی۔ مگر اب بھی زینب کے خفگی کا تاثر لیے لہجے سے خائف تھی۔ ''نجانے اب وہ کیا کہیں۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''عائشہ! میں تو صبح سے خالی پیٹ ہوں' کیا کچھ کھلاؤ گی نہیں؟''

کمرے کے سوکت میں اس کے آمد پر بی بی زینب کی آواز گونجی ''کیوں نہیں' کیوں نہیں۔''

عائشہ نے اس بات پر دل ہی دل میں شکر ادا کرتے ہوئے باورچی خانے کا رخ کیا۔ اپنی توقع کے خا بی بی زینب کی عدالت کے کٹہرے سے بچ گئی تھی۔

......❁......

ڈیئر ڈائری!

آؤ آج ہم تم ایک قصہ دہرائیں۔ پتہ ہے یہ قصہ کس کا ہے۔ میں بتاتا ہوں یہ قصہ ہے کہ ایک چھو۔ کا۔ تمہیں علم ہے ڈیر ڈائری! یہ بچہ بن ماں باپ کا بچہ تھا۔ کبھی کبھی مجھے خیال آتا ہے کہ دنیا کے اکثر لیجنڈری قصے مسکین کرداروں پر مبنی کیوں ہوتے ہیں۔ خیر چھوڑو ہم اس قصے کا آغاز کرتے ہیں۔ یہ بھی مزے کی بات ہے: کوئی درویش ہوں نہ تم درویش ہو مگر ہم دونوں کے قصے ختم نہیں ہوتے۔

دیکھو میں پھر موضوع سے ہٹ رہا ہوں۔ چلو شروع کرتے ہیں۔ یتیم و یسیر بچے کا قصہ۔

حسب روایت اس بچے کو کسی نے تو پالنا ہی تھا۔ کوئی ماموں' کوئی خالہ' کوئی پھوپھی' کوئی چچا' نانا نانی دادی۔ تو جناب اس بچے کی پرورش کا قرعہ پڑا اس کے چچا کے نام۔ اب یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس بیچار۔ لیس (بدنصیب) بچے کا دوسرا کوئی رشتہ دار تھا ہی نہیں تو پھر چار و ناچار اکلوتے چچا کو ہی یہ بوجھ اٹھانا تھا۔

پر اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ چچا باقی سب سے ذرا مختلف تھا' چچا ہی کیا چچی بھی بالکل مختلف تھی' یا پھر اس دلچسپ پہلو یہ ہے کہ چچا چچی دونوں تھے بے اولاد' پھر تو بھی مختلف ان کو ہونا پڑا۔ سو انہوں نے یتیم و یسیر بچے کی پ کا ذمہ لے لیا۔

بچہ اپنی فیملی ہسٹری سے قطعی نابلد تھا۔ اُسے دنیا میں روشنی کا' خواہش کے حصول کا' ناتوانی میں طاقت کا' میں مسیحائی کا' اندھیرے میں راہ نمائی کا غرض ہر چیز کا ایک ہی مرکز نظر آتا تھا۔

اور وہ مرکز تھا اس کا چچا۔

اب یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ چچا صاحب۔ صاف اس کا ہی راہ نما نہیں تھا بلکہ وہ جگ راہ نما تھا۔ وہ اس ماحو تاریکی میں' جس میں اس بچے نے ہوش سنبھالا واحد مینارہ نور سمجھا جاتا تھا۔ ایک زمانہ آیا کہ وہ بچہ اسی چچا کو ما

ں اور نافرمانی کے ایک بجھتا دیا کہنے لگا۔ خیر یہ اسٹیج تو ہمارے قصے میں بہت بعد میں آئے گی۔ ابھی تو ہم اس نے کا ذکر کر رہے ہیں جب وہ چچا نہ صرف اس بچے کے لیے بلکہ اردگرد کے جہاں کے لیے بھی لائٹ اور (روشنی کا) کا کام دے رہا تھا۔

بچہ اپنی زندگی میں مگن تھا۔ چچا چچی نے اسے زمانے کی سختیوں اور ماں باپ سے محرومی کے احساس سے بچائے۔ وہ ہنستا کھیلتا' کھاتا پیتا' پڑھتا لکھتا تھا اور پھر چین کی نیند سوتا بھی تھا۔ تمہیں علم ہے ڈیر ڈائری! کہ چین کی نیند سونا ہے۔ چین کی نیند سونا اس چیز کا نام ہے جسے نعمت کہا جاتا ہے۔ تم تو معصوم' بے ضرر بے جان ڈائری ہو تمہیں کیا علم بات کا یہ بات تو میرے جیسے کمینے چار سو بیس زمانہ ساز کو بھی اب جا کر پتہ چلی ہے۔

خیر ایک دن کا ذکر ہے کہ بچے کی چچی جب رات کے وقت اسے اپنے ساتھ لٹائے ایمان مفصل اور ایمان مجمل رہی تھی تو بچے نے اس سے ایک سوال پوچھا۔ بولا۔

''چاچی! قیامت پر' تقدیر پر' ایمان لانا تو کوئی خاص ضروری نہیں ہے۔''

چاچی ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی ہے۔ ''ہے پتر یہ کیا کہہ رہا ہے۔''

''تو اور کیا۔'' بچے نے لاپروائی سے کہا۔ ''قیامت تو جب آئے گی اگر آئی تو کس نے منہ در منہ اس کا سامنا ا ہے۔ ہم سب جو ایمان لانے کی بات کرتے ہیں پتہ نہیں کب کے مر کھپ گئے ہوں گے اور۔''

وہ کچھ کہتے کہتے رکا' دراصل وہ چاچی کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔

''اور؟'' چاچی نے یوں کہا جیسے کہہ رہی ہو اور بک لے جتنا بکنا ہے۔

''اور تقدیر تو چاچا کہتا ہے انسان سنوارتا ہے' اپنی بھی' قوم کی بھی اور ملک کی بھی' پھر ان دیکھی تقدیر پر ایمان لیسے ضروری ہے؟''

''کیسے بیان کروں ڈیر ڈائری کہ! چاچی کا ایمان کیسا کانپا۔ وہ دو روز تک مسلسل استغفار کا کلمہ پڑھتی رہی۔ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ نماز کے بعد ہچکیوں سے روتی دعا مانگتی رہی۔

''کم عقل' کم عمر ہے نمانا' اللہ جی اس گستاخی کی سزا اسے ہرگز نہ دینا۔''

بچے کے ذہن میں اس بات پر شیطانی خیالات نے حملہ کیا۔

''احمق ہے چاچی' بھلا کفر کا کلمہ بولا میں نے' معافیاں یہ مانگتی پھر رہی ہے۔''

اس کے چچا نے جو خود بیکن آف لائٹ تھا اس کو قرآن پاک پڑھنے کے لیے مسجد کے قاری کے پاس بھجوانا ع کر دیا۔ وہ قاری صاحب جو تھے نا ڈیر ڈائری! انہوں نے اپنا کمرہ ٹارچر سیل میں تبدیل کر رکھا تھا۔ ذرا سی ...... طی پر کھال ادھیڑ کر رکھ دیتے۔ اس جسمانی سزا نے بچے کے ذہن پر مزید شیطانی خیالات کا حملہ کروایا اس کا دل کلام سے دور ہونے لگا جس کے پڑھنے کی ذرا سی غلطی پر بجائے آرام سے سمجھائے جانے کے کتنی چھڑیاں پڑتیں ٹر رسید ہوتے۔

ایک روز اس نے صاف چچا سے کہہ دیا کہ اسے قرآن پاک نہیں پڑھنا۔ یہ ایک ایساری ایکشن تھا' جو لبرل ایافتہ چچا کے لیے بھی ناقابل قبول تھا۔ وہ پہلی مرتبہ اس بچے کی کسی بات پر مشتعل ہوئے۔

''آپ مجھے اپنی کتابیں پڑھایئے' جتنی دل چاہے پڑھایئے مگر مجھے مسجد جا کر نہیں پڑھنا۔'' بچے نے اس ال کی پروا کیے بغیر کہا۔

''یہ بات تو تم مت کرو۔ اس کے علاوہ کچھ اور کہو تو مانوں۔'' چچا صاحب نے صاف انکار کیا۔

غرض اسی ایک نکتے پر اس بچے کی ذہنی کشمکش کا آغاز ہوا۔ اس نے قاری کی سزا سے بچنے کے لِ
داد یادداشت اور ذہانت کو استعمال کر کے خود کو اس کی مار پیٹ سے محفوظ کر لیا اور بظاہر قرآن پاک بھی
مذہب کے معاملے میں اس کی بغاوت کا آغاز یہیں سے ہوا۔

قرآن پاک ختم کرنے پر مسجد کے قاری صاحب کے طرف سے ایک اسٹیٹمنٹ یہ بھی جاری ہوا کہ
ذہین ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو بھی میدان اپنے لئے منتخب کرے گا اس میں کامیابی اس کے قد
گی۔

یہ گویا اس بات کی دلیل تھی کہ بچے نے اتنی لگن اور توجہ سے قرآن پڑھا کہ اپنے ہم عمر ساتھیوں کی نسبت
جلد ختم کر لیا گویا وہ بہت ذہین ہے اس بات پر ارد گرد رہنے والے لوگ بھی بچے کی ذہانت کے قصے سنانے
صاحب خوامخواہ اس کارنامے پر سینہ پھلانے لگے۔

''اوئے تو اویں کہتا تھا کہ نہیں پڑھنا۔ دیکھا پڑھ لیا اور ختم کر لیا گویا وہ بہت ذہین ہے اس بات
رہنے والے لوگ بھی بچے کی ذہانت کے قصے سنانے لگے۔ چچا صاحب خوامخواہ اس کارنامے پر سینہ پھلانے
''اوئے تو اویں کہتا تھا کہ نہیں پڑھنا۔ دیکھا پڑھ لیا اور ختم کر دیا۔ آج تیری واہ واہ ہو رہی ہے۔ پڑھ
پڑھے بنا کیا انسان، کیا مسلمان۔''

ہر طرف تعریفیں ہو رہی تھیں پر بچے کے دل کی حالت سے سب بے خبر تھے۔ پھر بھرپور توجہ دنیاو
طرف دی جانے لگی۔ چچا صاحب خود ہر مضمون کے بڑے عالم تھے۔ ایک عمر اس شعبے میں گزار چکے تھے سوا
کسی اور سے راہنمائی لینے کی ضرورت نہ پڑی۔

اب دن رات پڑھائی ہو رہی تھی۔ اردو، انگریزی، حساب، جغرافیہ، معاشرتی علوم، دینیات بڑے قاعد
کتابیں پڑھائی گئیں۔ تختیوں پر لکھائی کی مشقیں ہو رہی ہیں۔ چچا صاحب از خود تختیاں دھوتے، نجانے کہاں
گئی ملتانی مٹی کا پوچا لگاتے۔ قلمیں تراشتے اور ایک قسط، دو قسط، تین قسط کے حساب سے لکھائی سکھاتے۔ اس
بچے کو تقریباً خوش خط بنا دیا۔

یہ ہنر بہر حال آئندہ چل کر اس کے بہت کام آیا۔ اردو، انگریزی کی کتابیں وہ اپنے باقی ہم جماعت
سے ایک ایک دو دو درجے آگے کی پڑھتا۔ حساب میں طاق ہو گیا، سائنس کی معلومات چچا حساب میں طا
سائنس کی معلومات چچا صاحب کے طفیل بے حد تھیں۔ جغرافیہ، معاشرتی علوم تو گویا گھر کی لونڈیاں تھیں۔ دین
پڑھتا۔

پر سب سے زیادہ دل اس کا جس مضمون میں لگتا وہ ڈرائینگ تھا۔ جس میں چچا صاحب کی دلچسپی نہ ہو
برابر تھی۔ کتابوں کے سیٹ کے ساتھ ڈرائنگ کی جو کتاب آتی۔ وہ اسے بہت شوق سے دیکھتا۔ خاکوں میں ر
اور انہی خاکوں جیسی تصویریں بنانے کی مشق خالی جگہوں پر کرتا۔ اسکول میں چچا صاحب کے علاوہ جو ماسٹر
تھے ان کے پاس بیٹھ کر مٹی کے کھلونے بنانا سیکھتا اور پھر ان پر رنگ بھی پھیرتا۔ اس کے بنائے مٹی کے پھل خ
انار، سنگترے، آم بہت سراہے جاتے۔

وہ مختلف سبزیاں بناتا اس پر رنگ پھیرتے ہوئے دل میں یہ احساس۔ رہتا کہ اس کے چچا کو اس کا یہ
گز پسند نہ تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ اسکول کے بعد جب وہ گھر پر ہوتا تو وہ اسے ہرگز اتنی فرصت
دیتے تھے کہ وہ اپنا یہ شوق پورا کر لیتا۔ اسی لیے اگلے دن اسے ماسٹر دین محمد کے پاس بیٹھ کر علم و فنون کا کام

قع مل جاتا۔

ایک اور بات اس نے محسوس کی تھی کہ اس کے چچا صاحب اسے جو بھی مضمون پڑھاتے چاہے وہ اردو ہوتا یا
یزی، حساب یا سائنس اور ان تمام مضامین کا جو بھی موضوع ہوتا اسے گھما پھرا کر اس کا تعلق ایک اللہ کے وجود سے
دیتے۔ وہ ان کے لفظوں اور ان کے گھماؤ پھراؤ اور پھر ان کے ڈائریکٹ اللہ سے تعلق کی گھمن گھیریوں پر جی بھر
غور کرتا اور چاہتے ہوئے بھی ان میں کوئی جھول نہ ڈھونڈ سکتا۔

اسے اچھی طرح یاد آتا انگریزی کے پہلے حرف اے سے بھی انہوں نے یہ ہی نتیجہ نکالا اردو کے پہلے حرف
بھی۔ اے سے ایک کے لیے، جیسے اللہ۔ ان گنت ایسی مثالیں تھیں جن میں گھوم پھر کر بات وہیں آتی۔ اس کے
وہ وہ باتوں باتوں میں کچھ باتیں ایسی کر جاتے جو ان کے بہت سے مخالفین کی سمجھ میں نہ آتیں مگر جوں جوں عقل
ہوتے کھلتے گئے بچے کی عقل میں بیٹھنے لگیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس خاص کمپنی اور خداداد اَن گنت صلاحیتوں کے سبب اس بچے نے اس عمر میں اتنا کچھ سیکھ لیا۔
س کے ہم عمر ساتھی شاید اب تک نہ سیکھ پائے ہوں۔

''بچہ جی! یہ اتنی بڑی بڑی آنکھیں کھول کھول کر دیکھتے ہو۔ ان کا کچھ نہیں۔ وہ جو اندر ایک آنکھ بند پڑی ہے
کو کھول کر کچھ دیکھو تو جانوں۔''

یہ بات وہ اپنے سارے شاگردوں کو پڑھاتے پڑھاتے کہتے لیکن اندر کی آنکھ کیا تھی۔ یہ کبھی نہ کسی نے پوچھی
انہوں نے بتائی۔

''اس کی اتنی بڑی بڑی باتیں نہ بتایا کریں ماسٹر جی! مجھے ان کی باتوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔''

ممتا کی ماری چاچی کے دل میں عرصے سے موجود شک اور خوف اکثر اس وقت جاگ پڑتا، جب چچا صاحب
ے موڈ کے ساتھ اسے انگریزی ادب کی کہانیاں اور مشہور فلسفیوں کے فلسفے سنا رہے ہوتے۔

''او ڈرتی رہنا تو۔ اسے لڑکیوں کے ساتھ کھیلنے بھیج دیتی ہے کہ کہیں لڑکوں کے ساتھ بیٹھ اٹھ کر بری باتیں نہ
جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ چھوکریوں کی طرح ککلیاں ڈالتا پھرتا ہے۔ نہیں بنانا ہم نے اسے زنخا۔ رہن دے تو
بے ڈر خوف۔''

ماسٹر جی یوں ٹوکے جانے پر اشتعال میں آ کر بولے۔ اور چاچی کی دعائیں، دم بڑھتے گئے۔

ان ہی اتار چڑھاؤ کے درمیان وہ بچہ قدرے بڑا ہوا۔ بڑے ہونے کے ساتھ اس کے فطری تقاضے بھی
ے ہوئے۔ چچا صاحب کی کڑی نگرانی اور چاچی کی جذاتی اپیلوں کے سبب وہ بہت ساری علتوں میں تو نہیں پڑا مگر
ہی اسے علم ہوا کہ وہ فطری طور پر ذرا عاشق مزاج واقع ہوا تھا۔ جب ہی اپنے ساتھ تمام عمر کی پلی بڑھی، کھیلی کودی
م عرف چھوماں اسے اچانک ہی اچھی لگنے لگی۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب وہ ابھی صرف جماعت نہم کا طالب علم
۔ اس کے علاوہ بھی اسے زنانہ مجلسوں میں بیٹھنے میں مزا آتا جو چاچی کا گھر ہارٹ آف نالج، ہونے کے سبب اکثر
ھر میں بپا رہتی تھیں۔ وہ بچپن کی تمام ہم جولیاں جن کے ساتھ وہ ککلیاں ڈالتا تھا۔ اب وہ بڑی ہو چکی تھیں اکثر
اس کی نظر کے سامنے رہتی تھیں۔ ماسٹر صاحب کا فرزند ہونے کے سبب اور کچھ اس کی اپنی قابلیت کے طفیل اس کی
ب عزت کی جاتی تھی۔ مگر اس کے من کا چور یا شیطان جو بھی کہہ لو اسے عجیب عجیب باتیں ''سمجھانے'' لگا تھا۔

ادھر چچا صاحب کا اصرار تھا کہ میٹرک کے بورڈ کے امتحان میں ٹاپ کرنا ضروری ہے۔ اس بچے کے جواب
لڑکا بن چکا تھا ذہن کے دو حصے بن چکے تھے تعلیمی جھنڈے اور من کی مرضی کے روز و شب، وہ کبھی ادھر کھنچتا کبھی

ادھر۔ اس کے دوسرے یار دوست ہمجولی بھی اب قدرے سیانی سیانی باتیں کرنے لگے تھے' مگر اتفاق کی اس کی موجودگی میں ان کی گفتگو انتہائی شائستہ ہوا کرتی۔ ماسٹر صاحب کے گھر کا سپوت ہونے کے نا سامنے صرف گنے چنے موضوعات پر بات ہوتی۔ کتابیں' اسلامی قصے' دنیاوی معلومات عامہ' وہ کبھی کہ جھنجھلاتا اس کے ساتھ نارمل انسانوں والی باتیں کیوں نہیں کی جاتیں۔ اوتار تھے تو ماسٹر جی تھے وہ تو نہیں اس کے سامنے یہ بھی کہا جاتا۔

"یہ بات اس کے سامنے نہیں کرنی' یہ ماسٹر جی کو بتا دے گا شامت آ جائے گی۔"

اب تم بتاؤ ڈیر ڈائری! اتنے سارے نفسیاتی پہلوؤں کے درمیان گھرے اس لڑکے کی سوچ کیا تھی۔ اس کے دوست بہت تھے مگر اس کے ذہن کا کوئی دوست نہ تھا۔ اسے اپنی حدود' اپنے فرائض کے اندر رہنے کی ہر وقت تلقین کی جاتی تھی پھر چچا صاحب کے فرمودات جو اسے اس عمر میں بھی دنیا بھر کے اور فلسفیوں کے قول سناتے اور اسے ڈھکے چھپے الفاظ میں ہر وقت ان کی تقلید کرنے کی نصیحت کرتے۔ ا جب وہ کبھی گھبرا کر ان سارے حقائق سے نجات چاہتا تو کہیں نہ مل پاتی۔

اس کے ذہن اور دل کا ساتھی جو کوئی نہ تھا۔ اگر سوچیں ڈیر ڈائری! تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ گوتم بد کے اتنے سارے سال محل کے اندر گزار کر باہر جنگلوں میں فرار کیوں ہوا؟ اس کے من کی حالت کون جا صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ نروان کی تلاش میں بھاگا۔ نروان کس بات میں تھا یہ تو صرف وہی جانتا تھا نا۔ ا بات بھی سوچو ڈیر ڈائری! کہ ہر وقت خود پر تہذیب و اخلاقیات' علمیت فضیلت کا خول چڑھائے انسان اس ظاہر سے نکل کر اپنے اصل کی طرف آنا چاہتا ہوگا تو وہ کیا کرتا ہوگا۔ نہیں سمجھیں نا تم۔ سمجھ بھی کیسے سکتی یہ قصہ تو میں تمہیں سناؤں گا بھی اور سمجھاؤں گا بھی۔ پر ابھی نہیں۔ آئندہ جب کبھی فرصت ملی ا ساتھ باتیں کرنے کا وقت آیا تو بتاؤں گا۔ اب تمہیں اور اس قلم کو بند کرتا ہوں۔ میرا ہاتھ اور دماغ دونوں ہیں۔

گڈ بائے ڈیر ڈائری۔

……۞……

مانو کو اس بار اپنے پرچے کی حد سے زیادہ فکر تھی۔ یہ اس کا آخری چانس تھا۔ اب کی بار فیل ہونے کا کہ اگلی بار سارے پرچے دوبارہ دیے جائیں۔ وہ دن رات کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہتی تھی۔ گھنٹے گھنٹے گائیڈز اور ٹیسٹ پیپرز پر جملے انڈر لائن کیے ماسٹر جی کی طرف بھاگتی۔

"ماسٹر جی ایڈیمز بھول جاتے ہیں بار بار' ڈائریکٹ ان ڈائریکٹ کے زیادہ مشکل اصول سر میں ہی نہیں بیٹھتے۔ اردو میں تو آسانی سے یاد ہو جاتے تھے فعل اور اس کی قسمیں اور زمانے پر انگریزی میر بھول جاتے ہیں۔"

ماسٹر ہدایت اللہ اس مرتبہ خود بھی اس کے لیے پہلے سے زیادہ فکر مند تھے۔ اس کی غلطیوں پر بوکھا ڈانٹتے۔

"اوئے مبینہ کلثوم جھلیے! یہ تو نے ایکٹو وائس کو پیسو وائس میں بدلنے کا کون سا طریقہ اپنایا ہے اور یہ (Let) کا استعمال ہونا تھا تو نے سیدھے طریقے سے تھرڈ فارم لگا دی۔"

بانو کی اماں اس بھاگا دوڑی سے سخت تنگ آ چکی تھی۔ جھنجھلا کر ایک ہی بات کرتی۔

"چھڈ دیو ماسٹر جی' ایس نے کیہڑی وی بی آ کرنا۔"

اس کا خیال تھا کہ جیسے گاؤں کی باقی لڑکیاں ایک بار ایف اے لے کر ٹھنڈی پڑ گئی تھیں' ویسے ہی مانو کو بھی اب مزید ش نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مگر یہ مانو کی لگن تھی اور ماسٹر جی کا شوق' دونوں ہی جی بھر کر محنت کر رہے تھے۔

"لے بھئی مبینہ کلثوم! سیانے کہتے ہیں بلی نے شیر کو سارے گر سکھا دیے پر ایک درخت پر چڑھنا نہیں سکھایا۔ آج میں نے تجھے گرائمر کے وہ سارے شارٹ کٹ اور اصول بتا دیے ہیں جو تجھے سیدھا سیدھا پاس کروائیں پھر بے شک بعد میں تو ماسٹر دیت اللہ کو کسی امتحان میں فیل را دینا' یہ کہہ کر کہ مجھے تو درخت پر چڑھنا بھی آتا "

پیپر کی تیاری کے آخری دنوں میں ایک روز ماسٹر جی نے سارا دن سر کھپانے کے بعد اس سے۔

"نہ ماسٹر جی! اس پڑھائی کا کیا فائدہ اس کی شکل دیکھیں' منہ پر۔" پتہ نہیں کیا برس رہا ہے۔ رنگ چھپکلی کی ح پیلا زرد ہو گیا ہے۔ یہ بی اے کر کے کون سا تیر مار لے گی۔

مانو کی اماں جو خود ادھر ادھر بھاگنے اور سارا دن اس کے سر پر بیٹھنے کی مشقت سے اکتا چکی تھی جل کر بولی۔

"اسے ایم اے کروائیں گے۔ اسے بی ایڈ کروائیں گے۔ یہ بنے گی بڑی استانی اور پھر علم کے دیے جلتے ں گے' اب بول۔" ماسٹر جی نے اسے تسلی دی۔

"لو اس نے ادھر ہی بیٹھے رہنا ہے اس گاؤں میں۔" مانو کی اماں نے منہ پر انگلی رکھ کر کہا۔ "اس کے باپ تو انتظار کر رہے ہیں کب اس کا یہ بی آ ختم ہو تو اس کا بیاہ کریں۔ ذمہ داری پوری ہو خیر سے' بوجھ اترے۔"

"یہ تم لوگوں پر بوجھ ہے کیا؟" ماسٹر جی نے چمک کر کہا۔

"نہیں جی۔" مانو کی اماں ڈر گئی۔ "پر ماسٹر جی! آپ سے زیادہ کون سیانا ہے جہاں بھر میں' خود سوچو' دھیانی کا تو بدلنا ہی ہوتا ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے ایسی فضول باتیں سوچنے کی۔ میں بات کر لوں گا مبینہ کلثوم کے باپ سے یہ فکریں نے کا ابھی کوئی وقت نہیں۔ مبینہ کلثوم اسی گاؤں میں رہے گی۔"

ماسٹر جی نے تحکم بھرے انداز میں کہا۔ مانو کی اماں کی اب کیا مجال تھی جو اس موضوع پر مزید بات کرے۔ نو کے سینے میں جیسے ٹھنڈ پڑ گئی۔ ہر دم اسے اپنے گھر میں پکنے والی کھچڑی سے ڈر لگا رہتا تھا۔

بچپن سے ماسٹر ہدایت اللہ اسے جن خطوط پر چلا رہے تھے' گھر میں پکنے والی کھچڑی اس کے برعکس تھی۔ اس دبھی اپنے آنکھوں میں وہ خواب سجا رکھے تھے۔ جن کا ذکر ماسٹر جی نے اس کا ماں کے سامنے برملا کر دیا تھا۔ وہ ؤں میں رہے گی' یہاں کی لڑکیاں اس سے پڑھیں گی اور دیے سے دیا جلتا جائے گا۔ اس نے دل کی گہراؤں دن ہوتے ہوئے ماسٹر جی کی طرف دیکھا جو خود بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اسے ان کی مسکراہٹ ئی' اس مسکراہٹ میں بچے کا سا بھول پن تھا اور دنیا اس بندے کو جو مانتی تھی اس کا تاثر دور دور تک کہیں نہیں

"شاید میں عمر بھر کبھی اس شخص کی ذات کی گہراؤں کو نہ سمجھ سکوں۔"

اسی رات اس کے چاچے نے ایک پرانی بات کا ذکر کرتے ہوئے ماسٹر صاحب کی ایک بات سنائی۔

"میں نے اپنے مخالف چوہدری کو خوشامد کے جال میں پھنسانے کی کوشش کی اور اسے راضی کر لیا۔ ماسٹر جی چھا۔ شفیع لالہ یہ کیا کر رہا ہے تو میں نے کہا یونہی ماسٹر جی ان کو بنا رہا ہوں۔ کچھ وقت تو گزرے۔" بولے۔"

لالہ! ان کو تو بنا لے گا‘ وقت بھی ٹال لے گا پر اس کی سوچ جس کے سامنے جانا ہی جانا ہے۔ اسے کیسے بنا
ویلے کو کیسے ٹالے گا۔ میں تجھے بتا دوں اس سوہنے کو کوئی نہیں چار سکتا۔ وہ ہماری برائیوں‘ چنگائیوں کا جا
اسے نہیں چارا جا سکتا۔ اس کے حضور حاضری کا ویلا نہیں ٹالا جا سکتا۔ چوہدریوں کی نہ سوچ لالہ! اس کی سو
اس کی۔“ لے پھر اس کے بعد سے آج تک میں نے یہ ہی ایک بات پلے سے باندھ لی۔ جو بھی کرنے کا ا
میں خود سے سوال کیا۔ وہ اس عمل کے بارے میں کیا کہتا ہے‘ اسے پسند ہے یا نہیں اور وقت ٹالنے کے لیے
چاہتا ہوں جب کر لوں گا تو اسے کیسا لگے گا۔ بس اس ایک چھوٹی سی بات نے عمل سنوار دیا میرا‘ اب اپ
جیتا اس کے لیے جیتا ہوں۔“

مبینہ عرف مانو پر معنی کا ایک اور در کھلا اور ماسٹر جی کی ذات کا ایک اور پہلو بھی۔

”یہ کون ہے؟“ اس نے سوچا معلم‘ درویش‘ بزرگ یا پھر ولی۔

اس سے آگے اس سے سوچا نہیں گیا اور اس نے اپنا سر کتاب میں دے لیا۔

......۞......

وہ پچھلے ایک ہفتے سے شہری کے کمرے کا تفصیل سے جائزہ لے رہا تھا۔ اسے بہت سی چیزوں ک
تھی۔ ایسی چیزیں جو شہری کی ملکیت ہی میں مل سکتی تھی۔ اس نے جتن کر کے خود پر سے خوف اور نفسیاتی از
اتار پھینکا تھا اور شہری کے کمرے میں چھانکنے اور پھر اس میں گھس آنے کی بھی جرات کر لی تھی اور رفتہ رفتہ ا
ہونے لگا تھا کہ اب وہ شہری کی موت سے پیدا ہونے والے اس اعصابی تناؤ سے نکل آیا تھا۔ جس نے
سے اس کی شخصیت کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

اب تک اس نے شہری کے کپڑے‘ وارڈ روب میں موجود شیلف اور دراز دیکھے تھے اور آج وہ اس
ٹیبل اور کمپیوٹر...... کھوج رہا تھا۔ کمپیوٹر ٹیبل کی دراز سے شہری کی پرسنل ڈائری ملی تھی۔ اس ڈائیری میں کچھ
میل ایڈریس‘ فون نمبرز اور کوڈ رائٹنگ میں لکھے کمنٹس موجود تھے۔ یونہی ڈائری کے صفحے کھنگالتے اس کی
مخصوص رائٹنگ میں لکھے جملے پر پڑی۔

And only to whom I belong The one

وہ اس جملے کو پڑھ کر بری طرح چونکا۔ ڈائری کے اس صفحے پر کسی کا نام‘ پتہ نہیں لکھا تھا مگر وہ پورا صفحہ
جملے سے بھرا پڑا تھا۔

ایک اور صفحے پر انگلش میں ایک اور جملہ لکھا تھا۔

”اگر مجھے شاعری کرنا آتی تو میں ضرور تمہارے لیے کچھ لکھتا مگر اب ایسا ہے کہ میرے لفظ بے
وزن ہو جاتے ہیں۔“

ایک صفحے پر اسی طرح ایک اور جملہ لکھا تھا جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

”تمہارا وجود میرے لیے بہار کی مانند ہے۔“

اسفند کے ہاتھ لرزنے لگے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس سے زیادہ شہری کو دوسرا کوئی نہیں جانتا تھا‘ مگر
کو جانتا تھا اس میں اس کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جس میں اس قسم کے جملوں کی گنجائش ہوتی۔ اس
گیا۔ اب وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شہری کی چیزوں کو تلاش کر رہا تھا۔ اس نے پوری ڈائری دیکھ ڈالی۔ ایسی
اسے نہیں ملی۔

آخری صفحے کے کونے پر لکھے الفاظ نے اسے چونکا دیا۔ اس نے کمپیوٹر آن کیا اور وہ الفاظ ٹائپ کیے یہ یقیناً
ری کا پاس ورڈ تھا۔ یہ وہ چیز تھی جس کی اسے کب سے تلاش تھی۔ کمپیوٹر اس کے بہت سے سوالوں کے جواب دے
تھا۔ اس نے شہری کی پرسنل فائلز اور ڈاکومنٹس دیکھنے چاہے۔ اس میں سب کچھ اس کے بزنس کے متعلق تھا۔ اس
ے اس کی میلز چیک کیں۔ اس کی میلز پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھیں اور دماغ دکھنے لگے تھے۔ پھر وہ ان میلز تک
پا جو کب سے محفوظ کی گئی تھیں۔

”تم نے کہا ہے نا کہ میں ہر جگہ سایہ بن کر تمہارا تعاقب کروں گا‘ لو میں نے خود کو دنیا کے بے کنار سمندر میں
راد چھوڑ دیا اب تم میرا تعاقب کرو۔“

یہ میل پرانی تھی اور محفوظ تھی۔ اس نے بھیجنے والے کا نام پتہ چیک کیا۔ جو کچھ اسے سمجھ میں آیا۔ اس نے اسے
ں محفوظ کر لیا۔ اب وہ شہری کی پرسنل فائلز کو مزید ایکسپلور کر رہا تھا۔

The world ends here

پھر اس کے سامنے ایک فائل آئی جس پر یہ جملہ تحریر تھا اور اس کے نیچے ایک تصویر بھی تھی۔ اس پیج کو دیکھ کر
فند نے اپنے ہونٹ شدت کرب سے بھینچ لیے تھے۔

......۞......

لینا کئی دن سے للّی کو کرسمس کی تیاری کرتے دیکھ رہی تھی۔ یہ سال بھر میں واحد موقع ہوتا تھا جب گر
مل کر گھر کی صفائی کرتی تھیں اور سال بھر کی ہوئی چھوٹ موٹی بچت بڑی فراخدلی سے خرچ کر دیا کرتی تھیں
جینس کو یہ برا نہیں لگتا تھا ان کا خیال تھا کہ صرف اسی دن تو ان کی فیملی میں اجتماعیت کا رنگ نظر آتا ہے۔ با
سال تو وہ چاروں انفرادی زندگیاں گزارتے رہتے تھے۔ مگر ان چاروں میں سے واحد لینا کی ذات تھی جو اس
خود کو تنہا' بے بس اور زخمی محسوس کرتی تھیں۔ اس کے سارے سوئے ہوئے محسوسات ان دنوں میں جاگ
تھے۔

ماں باپ سے محرومی۔
ایک مکمل گھر سے محرومی۔
دوغلی نسلیت کا احساس۔ وہ کون تھی اور یہاں اس کی حیثیت کیا تھی۔ ایسے بہت سارے سوالات اس
اٹھتے تھے اور وہ اس سارے ملے گلے میں شامل رہ کر بھی خود کو شامل نہ پاتی تھی۔ گھر میں ہونے والی گفتگو
نے اندازہ لگایا تھا کہ اس سال عرصے کے بعد للّی اور گرینی اپنی اردگرد کی مخصوص کمیونٹی' مخصوص انکلز اور آنٹیز (
وہ صرف اس لیے کرسمس کے موقع پر دعوت دیتی تھیں کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا ملاقاتی تھا ہی نہیں) سے آگے
افراد سے شناسائی حاصل کر چکی تھیں جنہیں وہ انتہائی فخر و مسرت سے کرسمس کے موقع پر بلا سکتی تھیں اور انہوں
بھی رکھا تھا۔ اسی تناظر میں کرسمس کی تیاریاں بھی خصوصی تھیں۔

لینا کو حیرت ہوئی۔ فراز نامی لڑکا جیسا بھی تھا' وہ شاید اس دعوت نامے پر خوش ہوا ہوگا اور ممکن تھا کہ
بھی جاتا مگر اسفند یار جو بقول للّی کے شہر کی ایلیٹ کلاس کا فرد تھا۔ وہ کیسے ان کے ہاں ان کا مذہبی تہوار منا
تھا۔ اسے گرینی اور للّی کی خوش فہمیوں پر ہنسی بھی آتی اور کبھی کبھی دکھ بھی ہوتا۔ نجانے یہ دونوں اپنی ان خوش فہ
کب باہر آئیں گی۔ وہ گرینی کی کبھی کبھار کی کہی ہوئی مایوس کن باتوں کو یاد کرتی اور پھر ان کی نارمل زندگی کا
جس میں وہ اکثر خوش باش رہا کرتی تھیں اور ہلا گلا کرنے میں مگن رہتی تھیں۔

''یہ کیسا کرسمس سیلیبریٹ کرتا ہے تم لوگ' کرسمس تو ام سیلی بریٹ کرتا تھا اوادر اپنا مام اینڈ ڈیڈ

آتا اس کرسمس ڈِنر میں جو امارا ڈیڈ ہوسٹ کرتا۔ اپنا کنٹونمنٹ والا بنگلو میں' سارا انگلش
ما اونچا والا لوگ پارٹی میں
ریم کا گیٹ ٹوگیدر کرنا واسطے انویٹیشن کارڈ بھیجا جاتا۔ یہ کیا کرسمس ٹری تم لوگ رکھتا' ایدر کھالی پیلی پلاسٹک کا ٹکلیوں
لا اور ڈیسی بتیوں والا' کرسمس ٹری اگر کبی تم وہ دیکھتا جو امارا امام اور آنٹ لوگ ڈیکوریٹ کرتا۔ کرسمس گفٹس ہینگ کرنا
سطے اسپیشل گفٹ ریپرز ادھر ہوم سے منگواتا لنڈن ہوم سے۔ فادر کرسمس یہ چھوٹا موٹا بیگرز موافق چیزیں دینا نہ مانگتا'
خاص گفٹ دینا مانگتا کھاص گفٹ۔''

گرینی سستے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے انگلش ٹوبیکو کو یاد کرتیں' ان لوگوں اور ان تحائف کو یاد کرتیں جو بچپن
ں انہیں کرسمس کے موقع پر اپنے انکلز اور آنٹس سے ملتے تھے۔ وہ نیو ایئر ڈنرز کو یاد کرتیں جس میں ٹرکی روسٹ کیے
اتے۔ خاص پڈنگ بنائی جاتی اور کوئین کے جام صحت نوش کیے جاتے تھے۔

لینا نے ایک بات جو گرینی کی اس قسم کی باتوں کے دوران نوٹ کی تھی وہ ایسے فنکشنز پر مس فلاں کا فلاور ڈانس'
م صاحب فلاں کا اسپیشل بیلے اور ولایتی تھیٹر کے زندہ ناچوں کا تذکرہ تھا۔ وہ اس سلسلے میں بہت سے ایسے لوگوں کو
د کرتیں جو انکل ڈینس کے بقول ہندوستان میں تھیٹر آرٹ سے متعلق وہ اولین لوگ تھے جو مقامی ایشیائی لڑکیوں کی
وایتی جھجک کے باعث یوریشن طبقے سے سامنے آئے تھے۔

''تمہاری گرینی اس ہسٹری کی لیفٹ اوور ہے۔'' انکل ڈینس اپنی چھڑی کی نوک فرش پر مارتے ہوئے کبھی
کبھار لینا کو بتاتے۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کی ماں ٹینا کے جو ایک خواجہ صاحب کے بچوں کی آیا تھی اس کی اور اس کی
ہنوں اور اس کی ہم نقوش کزنز کی پرورش اور تربیت اسی نقطۂ نظر سے کی تھی کہ یہ بڑی ہو کر روپیہ کمانے کے لیے اس
ن رقص اور اپنے نین نقش کو استعمال کر سکیں گی۔ ایلس ذرا مختلف خیالات کی مالک نکلی' جنہیں ہم باغیانہ خیالات کہہ
سکتے ہیں۔ اسے بجائے پر تعیش' رنگا رنگ زندگی کے گھر گرہستن والی زندگی زیادہ اچھی لگی' اس وقت اس کمیونٹی میں
سٹیٹس اسی رنگ و روپ کو سمجھا جاتا تھا جو ایلس کو اپنے ان دیکھے باپ سے وراثت میں ملا تھا۔ اس کے علاوہ اعلیٰ
پوسٹس' نوکریاں' پیسہ سب کچھ تو انگریز ساتھ لے گیا تھا۔ بس اس آپا دھاپی کے زمانے میں ایلس کو ڈی سوزا مل گیا جو
میرا بھی بہت اچھا دوست تھا۔ ڈی سوزا نے ایلس کے ساتھ اور ایلس نے اس کے ساتھ بہت وفا کی۔ ایلس نے اپنی
ڈانس کی دنیا چھوڑ دی حالانکہ اس دور میں اچھا خاصا نام ہونے لگا تھا اس کا' ڈی سوزا نے اسے ایک ہاؤس وائف والا
سٹیٹس دینے کی پوری کوشش کی مگر مشکلات نے ان کا گھر دیکھ لیا۔ خداوند کو ایلس کے امتحان مقصود تھے سو جی بھر کر
لیے۔ بے چاری ایلس۔ وہ ایک بہادر لیڈی ہے۔'' انکل ڈینس تاسف سے سر ہلاتے۔

''گرینی سے متعلق ہر چیز روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے مگر ابھی بھی وہ اپنی تصوراتی دنیا میں مگن ہیں اور
ہم ان کی خوشی میں خوش ہیں۔''

لینا نے گرینی کو کرسمس کیک بنانے کے لیے اخروٹ اور میوہ صاف کرتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ کرسمس کے موقع
پر گرینی ہر سال آنٹی سوسن سے بڑا سا اوون ادھار لیتیں اور انتہائی شاندار کیک بیک کرتی تھیں۔ گھر کو آرائشی مصنوعی
پھولوں اور رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجاتیں۔ کمپاؤنڈ کے بچوں کو سویٹس کے پیکٹس تقسیم کرتیں۔ کرسمس ٹری سجاتیں۔
کرسمس کے موقع پر گرینی کو نجانے کہاں کہاں سے کارڈ موصول ہوتے۔

گرینی کی وہ کزنز جو دنیا کے مختلف ملکوں میں رہتی تھیں' مشنری فرینڈز اور نجانے کون کون لوگ جو آگے پیچھے
کبھی نظر آتے نہ کبھی خط تار بھیجتے۔ ان ہی لوگوں کے لیے گرینی بھی کئی کارڈ خریدتیں اور پوسٹ کرتیں۔ آنٹ جینس

کی بھی کئی ایسی دوستیں تھیں جو اس موقع پر انہیں کارڈ بھیجتیں اور للّی کی فرینڈز کا تو شمار ہی نہیں تھا۔ ایسے میں لیزا کے نام خصوصیت سے کبھی کوئی کارڈ نہیں آیا تھا اس کو ایک انجانے کارڈ کا' ایک گرمجوش دعا کا' ایک چاہت کے اظہار کسی رنگ ہی میں سہی' ہمیشہ انتظار رہتا تھا۔

مگر ایسا کوئی نشان اس بار بھی اسے نہیں ملا تھا۔

کرسمس سے ایک رات پہلے اس نے دور افتادہ سرد ملک کی باسی اپنی ماں کو بہت یاد کیا جو خود تو اپنی دنیا اور زندگی میں مگن تھی مگر اسے دوسروں کے رحم و کرم پر یہاں پھینک رکھا تھا۔ اس نے مقدس مریم کی تصویر کے سامنے رکھے کینڈل اسٹینڈ میں جلتی موم بتیوں کے لرزاں سائے میں مقدس مریم کی شبیہ کو غور سے دیکھا۔ اس کے آنسو لڑھک رہے تھے اور اسکے دل نے شدت سے کسی بات کی تمنا اور دعا کی تھی۔ دعا کرتے کرتے اچانک اسے لگا جیسے مقدس مریم کی شبیہ ہولے سے مسکرائی تھی۔ اس کا دل پرسکون ہونے لگا۔ اسے ہولے ہولے قرار سا ملنے لگا تھا۔ اس نے پرسکون ہو کر آنکھیں بند کیں اور اپنے بستر کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے اس رات ایک بہت ہی سہانا خواب دیکھا تھا۔

……❂……

اس روز اسفند کے آفس میں اس سے ملنے کے لیے ایک غیر متوقع مہمان کی آمد ہوئی تھی۔ یہ غیر متوقع مہمان منی باجی تھیں۔ منی باجی کی آمد اس کے لیے بہت خوش گوار تھی۔

''میں یہاں لاہور میں ہونے والے ایک ڈرامہ فیسٹیول کے لیے اپنے گروپ کا ڈرامہ لے کر آئی ہوں۔ تم سے ملنے کو بہت دل چاہا تو آج یہ وقت دیکھ کر تمہارے آفس چلی آئی۔'' وہ بتا رہی تھیں۔

''آپ بتایئے کہ آپ ٹھہری ہوئی کہاں ہیں؟'' اسفند نے انٹرکام پر ان کے لیے کافی کا آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

''یہاں ایک نہیں کئی دوست ہیں ہمارے۔ ہم ادھر ادھر ہی ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ ہمارے ٹھہرنے کے لیے فائیو اسٹار ہوٹلز میں بھی انتظام ہے فیسٹیول کے آرگنائزرز اور اسپانسرز کی جانب سے۔'' منی باجی نے اپنی روایتی بے نیازی اور انکساری کے ساتھ کہا۔

''کیا مجھے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔'' اسفند نے قدرے لگاؤ اور اپنائیت کے ساتھ کہا۔ ''کیا آپ کو یہاں آنے سے پہلے یا پھر یہاں آ کر سب سے پہلے مجھ سے رابطہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''بے شک۔'' منی باجی نے تائید کی۔ ''مگر تمہیں علم ہے اسفند! کہ تم خود' تمہارے والد اور تمہاری ماما تم سب اتنے مصروف لوگ ہو کہ میرے جیسے بے وقت کے بندے کی میزبانی تمہارے لیے سر درد بن سکتی ہے۔ اس لیے میں نے اپنی ہی فیلڈ سے متعلق لوگوں کے ساتھ ٹھہرنا مناسب سمجھا۔''

اسفند کو ایک لمحے کے لیے خود پر اور اپنے سیٹ اپ پر ترس سا آیا۔

''منی باجی! اگر آپ کسی بھی قسم کی مصلحت سے بالاتر ہو کر میری چند باتوں کا جواب دے دیں تو میری ایک بڑی الجھن دور ہو جائے گی۔

کافی کے دوران ادھر ادھر گپ شپ کرتے ہوئے اچانک اسفند نے کہا

''کیسی باتیں؟'' منی باجی اپنی چھٹی حس کی وجہ سے جس طرح چونکی تھیں اسے اسفند نے بھانپ لیا تھا۔

''منی باجی! میں نہیں جانتا تھا کہ اپنی زندگی میں شہری آپ سے اتنا قریب تھا' یہ تو مجھے اب پتا چلا ہے۔''

اپنی بات شروع کرتے ہوئے اسفند نے دانستہ طور پر ایک لمحے کے لیے رک کر منی باجی کے تاثرات دیکھے۔ ان سے یہ بات عیاں تھی کہ وہ منتظر تھیں کہ وہ اب کون سی اہم بات کرے گا۔

''میں جب یہاں آیا تو یقین جانیے مجھے اپنا آپ اس سیٹ اپ میں' ان لوگوں میں' اس کام میں' غرض ہر جگہ اجنبی سا لگا۔ پہلے پہل میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی میں یہاں سٹیل ان ہو پاؤں گا۔ شہری سے ہمیشہ کی جدائی کا احساس اس سارے میں ایک بڑا فیکٹر تھا مگر آج مجھے احساس ہوتا ہے کہ بچپن سے ہم جو ایک کہاوت پڑھتے آئے ہیں کہ وقت بڑا استاد ہے تو یہ بالکل صحیح ہے۔ میں نے اس نئے اور اپنے لیے قطعی اجنبی سیٹ اپ میں سیٹ ہوتے ہوئے زیادہ ٹائم لگایا۔ شہری مجھ سے زیادہ جلدی ہر نئی صورتحال سے مانوس ہو جاتا تھا جب ہی وہ جلد اس جگہ سیٹ ہو گیا۔ مگر اب میں بھی اسی سوسائٹی میں اٹھتا بیٹھتا' کام کرتا' ملتا جلتا ہوں۔ یہاں کے لوگ' ان کی عادات' گفتگو' اخلاقیات، کام کا طریقہ سب کچھ جو پہلے مجھے اجنبی محسوس ہوتا تھا' اب میں ان سے مانوس ہوتا جا رہا ہوں۔ میں آپ سے شہری کے متعلق اس لیے پوچھ رہا ہوں کیونکہ اس کی دلچسپیوں کے متعلق' اس کے معمولات کے متعلق میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ کسی نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ حتیٰ کہ میرے والدین نے بھی۔ آپ ڈیڈی اور ممی سے بھی واقف ہیں۔ ان کے خیالات اور روٹینز سے بھی آگاہ ہیں۔ آپ سمجھ سکتی ہیں کہ میں کس ذہنی اسٹیج پر کھڑا ہوں۔''

اسفند کو لگ رہا تھا کہ اس کی کہی باتوں میں اتنا الجھاؤ ہے اور تسلسل کا اتنا فقدان ہے کہ اس کی مخاطب شاید ہی اس کا مدعا سمجھ سکی ہوں۔ مگر منی باجی اس کی بات نہ صرف سمجھ رہی تھیں بلکہ ان کے پاس اس کی باتوں کا جواب بھی تھا۔

''مگر تمہیں یہ خیال کیسے آیا اسفند! کہ میں تمہیں شہری کے متعلق کچھ بتا سکتی ہوں اور شہری کے متعلق تم جاننا بھی کیا چاہتے ہو۔ وہ تو تم سے اتنا قریب تھا کہ میرا خیال نہیں کہ اس کی ذات کا کوئی پہلو ایسا ہو گا جس کا تمہیں علم نہیں۔'' انہوں نے اس کی بات سمجھ لینے کے باوجود گول مول سا جواب دیا۔

''آپ یہ بات نہیں کہہ سکتیں کیونکہ آپ کو تو علم ہے کہ اس کی ذات کا ایک پہلو ایسا بھی تھا جس کے متعلق اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ ہاں اگر وہ یوں چلا نہ جاتا تو شاید نہیں بلکہ یقیناً مجھے کچھ بتاتا۔'' اسفند نے منی باجی کے چہرے پر پھیلے سکون کو بغور دیکھا۔

''مثلاً وہ پہلو کیا ہو سکتا ہے؟'' یہ منی باجی کا سوال تھا۔

''سارہ شاہنواز کون ہے منی باجی؟ اس کا شہری سے کیا تعلق تھا؟''

اسفند کی توقع کے عین مطابق منی باجی کے چہرے کا سکون ایک لمحے کے لیے غائب ہوا۔ ان کی پیشانی پر بھی کچھ دیر لکیریں نمودار ہوئیں اور آنکھوں کے گوشے سکڑ گئے تھے۔

''سارہ شاہنواز کا شہری سے تعلق؟'' دوسرے لمحے ہی وہ اپنے تاثرات پر قابو پا چکی تھیں اور انہوں نے یہ بات ایسے کی تھی جیسے وہ سمجھ ہی نہ پائی ہوں۔

''آپ جانتی ہیں' آپ سمجھتی ہیں میرا مطلب' آپ انجان نہیں بن سکتیں۔'' اسفند کی آواز قدرے بلند تھی۔

''آئی ایم سوری اسفند! میں واقعی سمجھ نہیں پائی۔'' اب کے منی باجی کے چہرے کا سکون دیدنی تھا۔

''میں نے شہری کے سب پرسنلز چیک کیے ہیں۔ وہ کن لوگوں سے زیادہ ملتا تھا۔ کس سے اس کا کتنا تعلق تھا۔ میں نے ہر چیز کو بغور دیکھا ہے' میں اسی لیے پوچھ رہا ہوں۔ منی باجی پلیز۔'' اب کے اسفند کا لہجہ التجائیہ تھا۔

''اسفند! اس سارے میں تمہیں میرا خیال کیسے آیا؟'' منی باجی اس کے محسوسات کو سمجھتے ہوئے بھی رہی تھیں۔

''اس لڑکی سارہ شاہنواز کا شہری سے کوئی خاص تعلق تھا' بہت گہرا تعلق۔'' اسفند نے یقین سے بھر میں کہا۔ ''اس کا مجھے یقین ہے' شہری کے پرسنلز چیک کرنے کے دوران مجھے ایک بات کا پتا چلا ہے کہ ان د باتوں' ملاقاتوں اور تعلق کا کوئی سرا آپ سے بھی ملتا ہے' کیونکہ اس سلسلے میں آپ کا ذکر بار بار میری نظر ہے۔''

''میرے لیے تو خود بھی یہ انکشاف ہے۔'' منی باجی ابھی بھی ٹس سے مس نہیں ہوئی تھیں۔

''لیکن میری رائے یہ ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان دوستی کا کوئی تعلق تھا بھی تو شہری کی ڈیتھ کے باب اب ختم ہو گیا۔ اب تمہیں اس پر تحقیق کرنے کی کیا ضرورت ہے' تمہارا کیا خیال ہے شہری کا تعلق صنف میں سے صرف اسی لڑکی سے تھا؟''

''میں نے تعلق کی بات نہیں کی منی باجی! صرف تعلق تو بہت سے لوگوں سے ہو سکتا ہے مگر میں نے کہا کوئی بہت خاص اور گہرا تعلق تھا۔ جب سے مجھے اس کے بارے میں کچھ باتوں کا علم ہوا ہے۔ میں آپ سے سوچ رہا تھا۔ آج آپ خود آ گئیں تو بغیر تاخیر کے آپ سے پوچھ بیٹھا۔''

اسفند نے جیسے بہت بڑی توقع سے مایوس ہو جانے کے سے انداز میں سر جھٹکا۔

''خیر آپ نہیں جانتیں یا نہیں بتانا چاہتیں تو دوسری بات ہے۔ مگر شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ شہری کو ہر چیز سے مجھے کتنا لگاؤ' کتنی محبت ہے۔ ایسی کسی بھی چیزوں میں میری دلچسپی کوئی حیران کن بات تو نہیں ہے۔''

اس کے لہجے میں دکھ تھا' مایوسی تھی اور آنسوؤں کی آمیزش بھی۔ منی باجی کو ایک دم وہ اس معصوم چھوٹے بچے کی طرح لگا جو کسی خیالی پری کے تصور میں گرم ہو اور پھر اس تصور کے خیالی ہونے کے انکشاف پر صد کیفیت میں آ جائے۔

''اسفند! میری خواہش ہے کہ کبھی میں تمہارے کسی ذہنی الجھاؤ کو سلجھانے میں کام آؤں' مگر اس سلسلے شاید میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔'' انہوں نے دل گیر ہو کر کہا۔ ''میری مانو تم کسی قسم کی الجھن میں مت پڑو۔ ابھی بتایا ہے کہ تم اس سوشل سرکل اور اس اسٹائل آف لائف سے مانوس ہو چکے ہو۔ پچھلے دنوں مانی سے بات بتا رہا تھا کہ تمہاری ممی تمہاری شادی کا کوئی سلسلہ کرنا چاہتی ہیں لیکن تم نہیں مان رہے۔ میرے بچے! تمہاری ماں بڑا شاک سہہ چکی ہے ان کے حوصلے کو مزید مت آزماؤ۔ اس کی بات مان لو۔ اپنی زندگی آباد کرو شہری ازا چیپٹر ناؤ' ڈونٹ ٹرائے ٹو اوپن اٹ اگین (شہری کا باب بند ہو چکا' اس کو دوبارہ کھولنے کی کوشش مت کرو)۔''

منی باجی کے لہجے میں لگاؤ تھا' نصیحت اور محبت تھی۔ اسفند نے نم آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ایک خوردہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی۔

''میری ماں میں بہت صبر اور حوصلہ ہے منی باجی! میرا بھائی مر گیا اور میرا باپ اب تک روتا ہے' ان ہے کہ وہ شہری کی بہت ساری پرسنل خواہشات کو ٹھکرانے اور ان کے حصول کے راستے میں دیوار بننے کے مجر وہ وقت کو پیچھے لے جانے کے خواہش مند ہیں' مگر میری ماں کو ایسی کوئی بات ہانٹ (Hunt) نہیں کرتی۔ وہ موت کو تقدیر کا لکھا کہتی ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ بہت بزرگ ہستی ہیں۔ اس لیے کہ وہ اس سانحے پر یقین ہیں۔ انہیں علم ہے کہ وقت کو پیچھے نہیں لے جایا جا سکتا۔ وہ موجودہ وقت اور آنے والے وقت پر یقین رکھتی ہیں

زندگی کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں۔ جو نہیں ہے' ان کے نزدیک وہ بھی حقیقت ہے' جو ہے اس کو موجود نہ ی کی ٹک ٹک کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں۔ وہ بہت خوش قسمت ہیں منی باجی! جبکہ بدقسمتی سے میں نہ ایسا ہوں' نہ ہو سکتا ہوں۔ ماں باپ کی نا بے وقوفی ہے۔ میں جواب میں یہاں موجود ہوں تو اس لیے نہیں کہ میں ان کی شات پر قربان ہو جانا شہری کا موٹو تھا' میرا نہیں۔ شات پر عمل کر رہا ہوں' بلکہ اس لیے ہوں کہ میرے اس بھائی نے ایسا کیے جسے غالباً تمام تر دعوؤں کے باوجود بھی سمجھ نہ پایا۔ اس نے اپنی زندگی میں مجھے ہر تلخی' ہر پریشانی سے بچائے رکھا حتی کہ یہ بات بھی جس کی کھوج میں کل میں لگا ہوا ہوں اس نے مجھے اس لیے نہیں بتائی کہ مجھے لگتا ہے اس کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ تھی' کوئی پریشانی اور وہ مجھے کسی پریشانی سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اب میں نے زندگی سے آنکھیں چار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں شہری جیسی زندگی تو نہیں جی سکتا مگر ایسا کوئی کام بھی نہیں کروں گا جس سے اس کی روح کو تکلیف ہو۔ آپ کو بتاؤں کہ جب سے یہاں آیا ہوں اس کی ذات کے کیسے کیسے پہلو میرے سامنے آئے ہیں۔ کتنے لوگوں کے روں میں وہ راشن ڈلواتا تھا' کتنے لوگوں کے بچوں کی فیس دیتا تھا' کتنے لوگوں کے قرض اس نے اتارے۔ کتنے نوں کے علاج کروا رہا تھا۔ آپ سوچ نہیں سکتیں کہ اس کے چلے جانے کے بعد اس کی شخصیت سے جب میرا ف ہوا تو میں کیسا دنگ رہ گیا۔'' اس کی آواز رندھ گئی' وہ خاموش ہو گیا۔ منی باجی کچھ کشمکش کی سی کیفیت میں ں۔

''آئی ایم سوری منی باجی! میں بہت بول رہا ہوں۔'' ذرا توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔ ''میں شاید آپ کو تھکا ہوں۔''

''نہیں۔ قطعی نہیں۔'' منی باجی نے چونک کر کہا۔

''میں نے اس کی ذات کے سارے پہلو دریافت کر لیے۔'' اسفند نے گلاس اٹھا کر پانی کا گھونٹ پیا۔ ''مگر ہ شاہنواز۔''

اس نے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مکا مارتے ہوئے کہا۔ ''وہ ابھی تک ایک اسرار ہے۔'' اس نے ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ نہ بتائیے' میں خود ہی اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ پہنچ جاؤں گا۔''

جواب میں منی باجی نے کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ اپنے بیگ کے اسٹریپ سے کھیل رہی تھیں۔

''آپ کب تک یہاں ہیں؟'' اب اسفند نے موضوع بدلا۔

''نئے سال کی دوسری تاریخ تک۔'' منی باجی نے بیگ کا اسٹریپ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''کل ۲۵ دسمبر ہے۔ دوپہر الحمرا میں ہمارا پلے ہے۔ پھر ہم باقی کا فیسٹیول اٹینڈ کریں گے۔ یکم کو ایک خاص فنکشن ہے یہاں۔ وہ اٹینڈ کرنے کے بعد جاؤں گی۔''

''کل ۲۵ دسمبر ہے۔'' اسفند نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''کل دوپہر کو آپ کا پلے ہے تو شام میں تو فارغ ہوں گی نا آپ؟''

''ہاں تقریباً ویسے تو ایسے دنوں میں فارغ ہونا ممکن ہی نہیں۔''

''نہیں۔ آپ کل شام کو فارغ رہیے گا۔ آپ کا تعلق ورلڈ آف آرٹ سے ہے نا۔ آپ کو کل میں ایک نیک قسم کی چیز دکھاؤں گا۔ بہت نایاب قسم کی چیزیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ انجوائے کریں گی۔ بس جہاں ٹھہری

ہیں وہاں کا ایڈریس بتا دیجیے۔ میں خود آپ کو پک کرلوں گا' چلیں گی نا؟'' اسفند کو گویا اس نئے آئیڈیے کا لط سے آ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ تم کہتے ہو تو ضرور۔'' منی باجی نے اپنے وزٹینگ کارڈ کے پیچھے ایڈریس لکھتے ہوئے کہا

......۞......

''میرا خیال ہے کہ میں کئی دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

شاہنوار احمد نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھے فراز کو دیکھا۔ جو اتفاقاً اس رہائشی علا کسی کام سے نبٹنے کے بعد ان کے دراز ے تک صرف یہ آزمانے آیا تھا کہ اگر وہ گھر پر ہوئے تو اسے دیکھ کر عمل کیسا ہوگا۔ مگر اس بات کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اپنا تعارف اندر بھجوانے پر وہ نہ صرف احترام اندر بلایا جائے گا بلکہ اپنے میزبان کے ساتھ ایک طویل نشست کا موقع بھی اسے ملے گا۔ شاہنواز اسے دیکھ ہوئے تھے۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ ان کا چہرہ مضمحل تھا۔ ان کا لباس شکنوں سے بھرپور اور ملگجا تھا' ان کی شیو بڑھی مگر اس سے وہ ان سب باتوں کی پرواہ کیے بغیر ملے تھے۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ مجھے دیکھ کر خوش ہوئے ہیں اور یہ بھی کہ آپ کو میرا انتظار تھا۔'' ف صاف گوئی سے کہا۔

''اس وقت الحمرا میں تمہیں دیکھ کر میں بہت سال پیچھے اپنے ماضی میں چلا گیا تھا۔ میں تم سے دوبارہ ما تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔''

انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ فراز محسوس کر رہا تھا کہ ان کی یہ کیفیت کیوں ہوئی مگر وہ انجان بن کر وی لاؤنج کی سجاوٹ پر غور کرنے لگا جس میں اسے بٹھایا گیا تھا۔ اس کی دیواروں پر شاہنواز احمد کی ہی پینٹنگز سجی تھیں اور ان پینٹنگز کو دیکھ کر اسے امپریشنٹ دور کی مصوری کا خیال آ رہا تھا۔ ایک بڑے پوسٹر بورڈ حسین لڑکی کی تصویر ماؤنٹ کی گئی تھی۔ وہ تصویر فن فوٹوگرافی کا شاہکار تھی۔

''بڑا اشنا سا سا چہرہ ہے' اسے میں نے کہاں دیکھا ہے؟'' وہ اپنی یادداشت پر افسوس کرنے لگا۔

''تم کیا کر رہے ہو آج کل؟'' شاہنواز احمد نے اس سے پوچھا۔

''میں بل بورڈز پینٹ کرتا ہوں۔ میں نے آپ کو اس روز بتایا' کبھی کبھی کانٹریکٹ پر بھی کام مل جا سعید رضوی صاحب کے اسٹوڈیو میں جانے کا موقع مل جائے تو دوسری طرف بھی ہاتھ چلا لیتا ہوں۔ اب وہ کہ تھے کہ میری ایک آدھ پینٹنگ مکمل ہوگئی تو وہ حمائل آرٹ گیلری میں ہونے والی گروپ ایگزیبیشن مد انٹرڈیوس کروا دیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگلے ماہ الحمرا میں ہونے والی تین روزہ آرٹ ورکشاپ مد

''اور وہ کہہ رہے تھے کہ ''فراز'' کی فرفر چلتی زبان کو شاہنواز احمد نے ہاتھ اٹھا کر روکا ''تمہیں وہ ورکشاپ اٹینڈ کروائیں گے' پھر وہ تمہیں ہسٹری آف آرٹ پڑھائیں گے' بڑے بڑے آرٹسٹوں سے ملوائیں تمہیں بتائیں گے کہ تمہیں کون سا اسکول آف آرٹ فالو کرنا چاہیے' تمہیں تھیمز بتائیں گے' تم سے کام کروا ان کی نمائشیں لگوائیں گے۔ تمہاری نظروں میں بہترین رتبہ پائیں گے' خود کو ورلڈ آف آرٹ کا ''پیر بابا'' کروائیں گے' تمہاری ساری کی ساری موومنٹ' تمہارا سارا ٹیلنٹ' تمہارا سارا پوٹینشل اپنی مرضی کی بھٹی میں دیں گے۔ پھر اس بھٹی میں تپ کر ایک مصور برآمد ہوگا۔ جسے باور کرایا جائے گا کہ وہ پیدائشی مصور ہے جسے بتایا

اس جیسے سلیف میڈ انسان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اسے سر اٹھا کر جانچنا پڑتا ہے۔ جسے سمجھایا جائے گا کہ معاشرتی ذہبی حدود و قیود انسان کے اندر موجود پیدائشی فنکار کو مار ڈالتی ہیں۔ سو عظیم مصور بننے کے لیے ضروری ہے کہ ان بارڈرز کو کراس کر جاؤ داد و تحسین کے ان ڈونگروں میں جھولتے جلاتے تم۔''

انہوں نے فراز کی طرف اشارہ کیا۔

''تم مستقبل کے ''عظیم'' مصور۔'' انہوں نے عظیم کو لمبا کھینچتے ہوئے کہا۔ ''تم ہر چیز پیچھے چھوڑ جاؤ گے مذہب' معاشرہ ہر چیز اور نام' عزت' عظمت' ترقی' اسٹیٹس' مستقبل اور اوراور تمہارا اوڑھنا بچھونا بنا دیا جائے گا۔ ب سائن بوڈر تم سے ترقی کے نام پر نیوڈز بنوائیں گے' برہنہ مجسمے بنوائیں گے' بے لباس شبیہیں' پھر تمہاری وں اپنے قصیدوں پر مبنی ریویوز پڑھیں گے' مقالے پڑھیں گی اور تمہارے کردار اور اخلاقیات کا بیڑا غرق ہوتا ائے گا' دلدل دیکھی ہے کبھی؟ دلدل میں پھنس جانے کی کیفیت میں مبتلا ہوئے ہو کبھی؟'' ان کا انداز سوالیہ ہوا۔

''نہیں نا۔'' پھر انہوں نے خود ہی جواب دیا۔ ''دلدل میں پھنس جاؤ گے' ینگ مین! بھاگ جاؤ' ہیو این پ (فرار ہو جاؤ) ورنہ سامنے نظر آنے والی پرفریب دنیا کے اشارہ پر ناچو گے' تاک دھنا' دھن دھن۔'' انہوں لڑے ہو کر ایڑیوں کے بل گھومتے ہوئے نرت کا مظاہرہ کیا۔

فراز بغیر آنکھیں جھپکے ملک کے اس نامور مصور' محقق' مجسمہ ساز' خطاط' تنقید نگار کو بولتے سن رہا تھا' دیکھ رہا تھا ت سارے نوجوانوں کا استاد بھی تھا۔ اس وقت وہ ان سب چیزوں سے قطع نظر ٹریڈیشنل تھیٹر کا وہ کردار لگ رہا تھا وکیریکٹر ڈرامے پیش کرتے تھے۔ ان کی زبان' لب و لہجہ اور حرکات و سکنات آغا حشر کے تھیٹریکل ڈراموں کے اروں کی یاد دلا رہے تھے جن کے بارے میں ماسٹر ہدایت اللہ نے اس کو بہت کچھ سنا رکھا تھا۔

''چھوڑو یار!'' پھر وہ جیسے ٹھنڈے پڑ گئے۔ دوبارہ سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے سر ہلایا۔ ''کافی پیو لواؤں؟''

''نہیں سر! فراز کو اس سارے میں پہلا کپ بھی بھول چکا تھا۔ اس نے اسی ٹھنڈی کافی کو ایک گھونٹ میں اندر

''یہ بتاؤ۔ کبھی واپس گئے ہو اپنے گاؤں یا وہاں سے لڑ کر آئے ہو پڑھنے؟'' ان کا یہ سوال بھی غیر متوقع اور ب تکا تھا۔

''میں اکثر ہی جاتا رہا ہوں سر! اور میں وہاں سے لڑ کر پڑھنے نہیں آیا' بلکہ وہاں سے سب کی اجازت اور کے ساتھ پڑھنے آیا ہوں۔'' فراز نے اعتماد سے جواب دیا۔

''کیا پڑھنے آئے تھے یہاں' یہ ہی جو پڑھ رہے ہو' سیکھ رہے ہو' کچھ کر رہے ہو یا کچھ اور؟'' اب انہوں نے است اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا اور یقیناً اسے بری طرح گڑبڑانے میں کامیاب ہوئے۔

''وہ دراصل کوئی کام کرنے اور اس کے ساتھ پڑھنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ اب ذرا کام اور آمدنی میں ل آیا ہے۔ تو ارادہ ہے کہ کہیں داخلہ لے لوں۔''

''کہاں داخلہ لو گے؟ کسی آرٹ انسٹی ٹیوشن میں یا پھر......''

''میں ابھی فیصلہ نہیں کر پایا سر! ابھی دیکھ رہا ہوں۔'' فراز کو اس سوال کا جواب خود بھی معلوم نہیں تھا۔

''تم کس حد تک انٹرسٹڈ ہو اس فیلڈ میں؟'' فراز نے محسوس کیا کہ اب وہ خاصی حد تک نارمل ہو چکے تھے۔

''بس ایسے ہی۔'' وہ اس سوال کا جواب دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"صرف شوق ہے یا کیریر بنانا چاہتے ہو؟" وہ اس سوال کا جواب ہر حال میں جاننا چاہتے تھے۔

"کیریر کیسے بنتا ہے۔" اس نے ایک بے تکا سوال کیا۔

"ویسے نہیں بنتا جیسے تم بنانا چاہتے ہو۔ بل بورڈ پینٹ کر لیے' کانٹریکٹ ملا تو کمرشل قسم کے کام کر لیے' کے میدان میں "سوچ رہا ہوں" قسم کی باتیں کر لیں۔ صاحبزادے! کیریر ایسے نہیں بنتے۔"

فراز نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے سامنے بیٹھے شخص اور ماسٹر ہدایت اللہ کے طرز گفتگو میں کس قد مشابہت تھی۔ وہ دنگ رہ گیا تھا۔ اس کا یوں چونکنا شاہنواز احمد کو بھی چونکا گیا تھا۔ کچھ دیر انہوں نے اس کی محسوس کیا۔

"میرے سر پر سینگ ہرگز نہیں اگے' کیوں الوؤں کی طرح منہ اٹھا کر دیکھ رہے ہو۔" ماسٹر ہدایت کی ایک اور جملہ داغا گیا۔

"یہی سوچ رہے ہو نا کہ اس شخص کو مجھ میں کیا دلچسپی ہے جو یوں مجھے نصیحتیں کر رہا ہے۔" انہوں لگایا۔ فراز نے اس بات کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

"اس کی وجہ میں خود نہیں جانتا میاں صاحبزادے! اللہ جانے کیوں میں تمہیں ان ممکنہ حالات سے ہونے سے بچانا چاہتا ہوں جو تمہیں پیش آ سکتے ہیں۔ میں کوئی بہت اچھا انسان نہیں ہوں۔ سوشل ورکر تو ہوں' نہ ہی میں نے کوئی سول سیونگ ہوم (soul saving home) کھول رکھا ہے۔ بس عجیب سی با کہ تمہیں دیکھ کر پہلی مرتبہ یہی خیال آیا تھا کہ اس لڑکے کو کسی ڈھنگ کے راستے پر لگانا ہے۔ اسی لیے تو جب تک تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ آیا کچھ عقل شریف میں؟"

"واللہ' بالکل ماسٹر ہدایت اللہ۔" بے اختیار فراز کے منہ سے الفاظ پھسلنے لگے تھے جنہیں کوشش کر کے لبوں تک آنے سے روکا۔

"بی اے کن سبجیکٹس کے ساتھ کیا تم نے؟" اب وہ قدرے سنجیدہ ہو کر بولے۔

"انگلش لٹریچر اور اکنامکس کے ساتھ۔"

"ماشاءاللہ...... کیا نسائی قسم کا بی اے کیا ہے تم نے۔ اب مشرقی لڑکیوں کی طرح ایم اے کر لو ان میں مضمون میں اور الگ ۔۔۔ ماسٹر اپنے پیچھے پنڈ میں" انہوں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ فراز کو بے اختیار ہنسی آ

"یہ کوئی مذاق نہیں ہو رہا۔" وہ یکدم دھاڑے۔ وہ گھبرا کر چپ ہو گیا۔

"اگر تم برا نہ مانو تو اپنے کیریر کے منہ زور گھوڑے کی باگیں مجھے تھما دو اور جہاں' جیسا میں کہوں' چل پڑ یہ صورت حال مشکل' غیر متوقع اور شاید ناقابل قبول تھی۔ فراز کو اس بات کا جواب دینے میں تذبذب

"نہ سہی۔" اس کی خاموشی پر وہ بے نیازی سے بولے۔ "تمہاری مرضی۔ ویسے سوچ لو' آفر بری نہیں وہ پھر قدرے مسخرے پن پر اترنے لگے تھے۔ فراز ان بدلتی سچویشنز سے اب تک خاصا گھبرا چکا تھا۔ اٹھ کھڑا

"میں سوچ کر بتاؤں گا۔"

"سوچ کر بتاؤں گا۔" وہ ہونٹ لٹکا کر اس کی نقل اتارتے ہوئے بولے۔ "سو فیصد' تم آج کے بعد شکل بھی نہیں دکھاؤ گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ آپ یقین رکھیے' میں آپ سے پھر ضرور ملوں گا۔"

فراز نے پہلی مرتبہ پر اعتماد لہجے میں کہا اور اس گھر ۔۔۔ ب و غریب مالک سے رخصت ہو کر باہر نکل

چ رہا تھا کہ اسے کیوں یہ ملاقات کسی اجنبی سے ملاقات نہیں لگی؟۔ اسے کیوں وہ طرز گفتگو عجیب اور نیا نہیں لگا؟ اسے احساس نہیں ہوا کہ وہ جس شخص کے روبرو بیٹھا ہے جس کا شمار ملک کے نامور لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ کیوں بے تکلفی سے اس گھر میں بیٹھا رہا تھا۔ پھر اس نے شاہنواز احمد کی گفتگو اور آفر کے بارے میں سوچا۔

"یہ دو طرفہ سودا ہے۔" اس کے دل و دماغ نے اسے بتایا۔ "اپنی جڑوں سے اکھڑے ہوئے اس شخص کو کسی ذہنی دلاسے اور سہارے کی ضرورت ہے جو اس کی جڑوں سے متعلق ہو۔ وہ ہر نوجوان کی طرف کیوں نہیں ۔۔۔ وہ ہر نئے ملنے والے نوجوان کو مدد اور راہنمائی کی آفر تو نہ کرتے ہوں گے۔ میرے ساتھ' میرے لیے ہی ۔۔۔؟"

اس نے خود سے سوال کیا اور پھر اسے اس سوال کا جواب اس کے ذہن نے دے دیا۔ اس کا اشارہ اس مرکز ۔۔۔ رف تھا جو یقیناً ان دونوں کے لیے ہی مشترکہ تھا۔

......❁......

بی بی زینب نے دھوپ میں بچھی ہوئی چارپائی پر لیٹے اس صحت مند گل گوتھنے بچے کی طرف دیکھا جو کمرے باہر کی فضا میں موجود تازہ ہوا میں سانس لے رہا تھا وہ نیلے آسمان کو دیکھ کر خوشی سے ٹانگیں اور بازو چلاتے ہوئے ریاں مار رہا تھا۔ اسے یقیناً یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ نیلا آسمان' فضا میں اڑتے پرندے' تازہ ہوا' سورج کی ۔۔۔ بں۔ وہ بے حد خوش تھا۔ وہ اسے خوش دیکھ کر ہولے سے مسکرائیں اور اپنے سامنے بیٹھی بچے کی ماں سے مخاطب ۔۔۔ ں۔

"قدرتی طور طریقے ہر ایک کو بھاتے ہیں' چاہے وہ چھوٹا سا بچہ ہو یا بڑی عقل رکھنے والا صاحب علم۔ یہ ہم ہی جو مصنوعی طرز زندگی کو قدرتی طرز زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اور پھر اپنے اس چناؤ کے حق میں دلیلیں بھی دیتے ۔۔۔"

بچے کی ماں جواب تک ان سے خاصی مانوس ہو چکی تھیں اور اپنے دل کے بہت سے راز ان سے کہہ بھی چکی مسکرا کر بولی۔

"کتنی دلیلیں ہیں جو آپ کے فہم کے سامنے کھڑی کی جا سکتی ہیں' آپ کے پاس ہر بات کا جواب موجود ہے' حیران ہوں کہ آپ یوں ڈھکی چھپی کیوں بیٹھی ہیں۔ آپ کو تو دنیا کی نظروں میں آنا چاہیے' بطور عقل کی راہ نما۔"

"ارے میری کیا بساط ہے بیٹا! اس دنیا میں تو ایسے ایسے صاحب عقل بستے ہیں کہ ان کے قصے سنو تو حیران ہو ۔۔۔" بی بی زینب نے معصومیت اور بے نیازی سے کہا۔

"بات تو ساری انسان کے ذاتی تجربے کی ہے۔" ان کی مخاطب نے شانے اُچکا کر کہا۔ "میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ مجھے آپ سے بڑی راہ نما عمر بھر نہیں ملی۔ آپ نے مجھے ڈر اور خوف کی جس کیفیت سے نکالا ہے۔ اس نے ۔۔۔ ی زندگی کٹھن بنا رکھی تھی۔ میں نے تو شاید پہلی مرتبہ آپ سے سنا' آپ سے سمجھا۔ آپ کے کہنے کے مطابق عمل کیا سکون پایا۔ اس سے پہلے میری زندگی میں کتنی بے سکونی تھی' یہ میں ہی جانتی ہوں کتنا خوف تھا' یہ میں ہی جانتی ہوں ۔۔۔ ر شاید عائشہ آپا۔"

وہ چائے کی ٹرے اٹھا کر صحن میں آتی ہوئی عائشہ کو دیکھ کر مسکرائی اور مسکرا کر کہا۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ بی بی زینب کا وجود لوگوں کے لیے تکلیف میں سکون کا باعث ہے' میری اپنی کیا ۔۔۔ ت تھی۔ محلے والوں کی باتوں کی وجہ سے' پر اب بی بی زینب کا آسرا ہے۔ محلے والوں کی بولتی بھی بند کر دی ہے بی بی

زینب نے۔ جس کو یہ برا نہ کہیں۔ اس کو کوئی برا نہیں کہتا۔ جس کو یہ غلط نہ کہیں' اسے کوئی غلط نہیں کہتا۔
یہاں کے لوگوں کو ان کی بات پر۔ اب یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا نا کہ بی بی زینب نے عائشہ سے یا اس لڑکی
لیے ہیں۔ اس لیے برا نہیں کہتیں دونوں کو۔"

عائشہ اپنے گیلے ہاتھ چادر سے خشک کرتے ہوئے بولی۔

"بندوں سے ڈر کر رہا کرو عائشہ!" ان کی زبانوں کی کوئی ضمانت نہیں' کوئی بھروسا نہیں۔ انہو
مریم کو نہیں بخشا تھا۔ ہم تم کیا چیز ہیں؟" بی بی زینب نے سر پر چادر درست کرتے ہوئے کہا۔

"بس اپنا آپ ٹھیک رکھو' سیدھی راہ پر' پھر اگر کوئی بولے بھی تو کچھ دیر بعد چپ ہونا پڑتا ہے اسے
بہت سی مشکلوں سے بچاتی ہے۔ بندہ بلاوجہ کی پریشانیوں میں الجھنے سے بچ جاتا ہے۔ ذرا سا دھوکا' وقتی
سا مفاد' پل بھر کی بے ایمانی زندگی بھر کی الجھن بن سکتی ہے اور الجھن کی یہ ڈوریں پھر الجھتی ہی جاتی ہیں
ہیں کہ زندگیاں برباد ہو جاتی ہیں اور بندہ گناہگار کا گناہگار دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے' الجھنوں کو سلجھ
آپ سچا ثابت کیے بغیر۔ بس لمحے کی پکڑ سے بچو۔ یہ نہ پکڑے تو عمر بھر نہیں پکڑتی۔ پکڑ لے تو لمحے بھر میں
استغفار پڑھتی رہا کرو۔ ذہن کے شیطان پر لاحول پڑھا کرو اور اللہ سے اس کی محتاجی کی دعا مانگو۔ دنیا کی
بچنے کی استدعا کیا کرو۔"

ان کے سامنے بیٹھی لڑکی کہنی گھٹنے پر جمائے اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھے محویت سے ان کی باتیں
عائشہ برتن اُلٹتے پلٹتے کان ان کی طرف لگائے بچے کو بھی بہلا رہی تھی۔ انہیں یہ منظر بھی اچھا لگا۔

لڑکی اٹھ کر ان کے قریب آئی اور دھیرے سے ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"پتا ہے بی بی زینب! آج کل نئی روایات چل پڑی ہے۔ لوگ گناہ کی دلدل میں پھنستے ہی جار
لیے کہ باعث کشش چیزوں کی بھرمار ہو گئی ہے دنیا میں۔ دنیا میں بہت اٹریکشن ہے لوگوں کے لیے
طرف وعظ و نصیحت کرنے والے' اللہ اور رسول کی باتیں بتانے والے' مذہب کی طرف راغب کرنے وا
ہیں۔ وہ غلط صحیح' سچ جھوٹ علیحدہ علیحدہ کر کے بتاتے ہیں۔ تاریخ سے مثالیں دیتے ہیں۔ لوگوں کی کہا
ہیں۔ مگر کیونکہ ٹرینڈ ہے نا۔ اس لیے لگتا ہے محض ٹرینڈ کی تقلید میں ایسا کر رہے ہیں۔ آپ اخبار پڑھیں ٹی
بڑے لوگوں کی نجی محفلوں میں پائیں۔ ہر طرف ایسا ہی نظر آتا ہے۔ لیکن لگتا ہے کہ جس طرح تیزی سے
رہے ہیں۔ یہ بھی بدل جائیں گے۔ ہمیشہ ایسی باتیں کہنے والے' عمل کر کے دکھانے والے وہ لوگ جن
خصوصی کوشش کے لوگوں کی زندگیاں بدل دے' وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔"

بی بی زینب اس کی آنکھوں کی الجھن' تذبذب اور شک دیکھ کر سمجھ رہی تھی کہ اصل میں جو بات وہ
تھی وہ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اسے اپنی بات سمجھنا مشکل ہو رہا تھا۔ انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

"بیٹی! یہ بات کہنے کی روایت چل نہیں پڑتی۔ یہ تو ہمیشہ سے ہی ہے۔ پہلی نسلیں اپنے سے بعد آ
کو اللہ کا پیغام منتقل نہ کریں تو پھر کون ان تک یہ پیغام پہنچائے۔ ہر دور میں اللہ ایسے لوگوں کو دنیا میں پیدا
جو اللہ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اپنے دور کے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ قرآن و سنت کو
بلاغت سے بیان کرتے ہیں اور اپنے دور کے لوگوں کی برائیوں اور خامیوں کی نشان دہی کر کے درستی
بتاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو تو پھر معاشرے کیسے قائم رہیں اور تاریخیں کیسے لکھی جائیں۔ رہا آج کا دور تو بیٹا آج
چیز کی ضرورت ہے' اس سے پہلے شاید نہ تھی۔ سو میرے رب سوہنے نے اس دور کی باعث کشش چیزوں

ائی کرنے والے' مثالیں دینے والے اور غلط کو صحیح سے جدا کر کے دکھانے بھی زیادہ پیدا کیے ہیں۔ تمہیں لگتا
ہا رہے ایسے لوگوں کی تو ایسا اس لیے ہے کہ باخبر رہنے کے ذریعے بڑھ گئے ہیں۔ لوگ ان ذریعوں سے
آ جاتے ہیں۔ ان کو وقتی روایت کے پیروکار سمجھ کر نظر انداز مت کیا کرو۔ یہ لوگ ہدایت کے واسطے بھیجے گئے
ں روشنی کے مینار ہیں ان کو سنو۔ ان کی کہی کو سمجھو۔ ان ہی لوگوں کے وجود کا صدقہ ہے جو ہم اب تک قائم
ہمارے کرتوت تو ہمیں کب کے نیست و نابود کر چکے ہوتے۔"

بچے کے رونے کی آواز سن کر لڑکی اس کی طرف متوجہ ہو گئی اور گفتگو کا یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ بی بی زینب کو عائشہ کی
ے آئے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اب ظہر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ اس کے بعد ان سے قرآن پڑھنے والے
آنے کا ٹائم ہو جانا تھا۔ وہ اٹھ کر ان دونوں سے رخصت ہوئیں۔

......۞......

بی بی زینب آئی تھیں شہری کے افسوس کے لیے' تم نے مجھے بتایا بھی نہیں؟"
فتاب جمیل نے رابعہ آفتاب سے کہا۔ وہ دونوں رات کے کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔
یہ کون سی اتنی اہم بات تھی بتانے والی۔" رابعہ نے گلاس میں جگ سے پانی انڈیلتے ہوئے لاپروائی سے

یہ اتنی غیر اہم بات بھی نہیں تھی۔" آفتاب جمیل کے لہجے میں تیزی آئی تھی۔
کمال ہے آفتاب! بھی کیسی معمولی معمولی باتوں پر اُلجھنے لگے ہو۔ ہزاروں لوگ آئے شہری کے افسوس کے
ہی ایسے ہوں گے جو صرف تم سے ملے اور تم نے مجھ سے ذکر نہیں کیا ہو گا پھر یہ کون سی اہم بات ہے جو میں
ں کیا اور تمہیں برا لگا۔" رابعہ نے جواب میں ذرا جھنجلا کر کہا۔
وہ کوئی نہیں' بی بی زینب تھیں' تمہیں علم ہے کہ ہمارے بچوں کی ان سے کیسی جذباتی وابستگی تھی۔" آفتاب
ے بعد اپنے کسی مؤقف پر اڑے تھے۔
تو پھر کیا ہوا' وہاں سے چلے آنے کے بعد کتنی مرتبہ تم خود یا تمہارے بچے ان سے ملنے گئے۔ وہاں کے
ب تو جب ہی ختم ہو گئے تھے۔"
بعہ آفتاب نے اب کے قدرے بلند آواز میں کہا۔
اور یہ سبق تم نے خود مجھے پڑھایا تھا۔ اب تم خود ہی بھول رہے ہو اپنی کہی ہوئی بات اور پھر وہ بی بی زینب
تھیں۔ جتنی دیر بیٹھی رہیں مجھے جتلاتی رہیں کہ ہم پہلے کتنے معمولی لوگ تھے اور یہ کہ شہری کی موت پر ہم
اپ ہیں جو جیے چلے جا رہے ہیں ہم مر کیوں نہیں جاتے۔"
ں کے لہجے کی خفگی اور آواز کی بلندی سے آفتاب جمیل قدرے خائف ہوئے اور بغیر جواب دیے اپنی پلیٹ
نے لگے۔

ویسے یہ ان کے آنے کی خبر اتنے عرصہ بعد تمہیں اب کس نے دے دی۔" ان کی خاموشی پر رابعہ مزید شیر ہو

کس کی آنے کی خبر ہو گئی ممی؟" اسفند کی اچانک آمد پر ان دونوں نے کمال پھرتی سے اپنے تیور بدلے اور
م مسکراہٹ پھیلا لی۔
کسی کے نہیں۔" رابعہ نے جواب دینے میں پہل کی۔ "آج تم کیسے آ گئے اس وقت؟"

''برا تو نہیں لگا آپ کو؟'' اسفند کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی اور اس کے اس نارمل سے انداز
صاحب نے دل میں سکون اترتے ہوئے محسوس کیا۔

''ہمیں برا کیوں لگے گا' آج تم اور تمہارے ڈیڈی یوں اکٹھے ہوئے ہو تو مجھے تو بہت اچھا لگ
رابعہ آفتاب نے اسفند کو اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ممی! میں اور ڈیڈی تو کبھی کبھار اکٹھے ہو ہی جاتے ہیں' کبھی گھر میں' کبھی کسی آفس میں' کبھی کسی
مگر آپ کبھی شاید ہی موجود ہوتی ہیں ہمارے اکٹھے ہونے میں۔'' اسفند کا لہجہ شگفتہ سا تھا۔ آفتاب صاحب
بار پھر محسوس کیا۔

''میری مصروفیات مختلف ہیں اس لیے۔ میں تم لوگوں کی طرح مشینوں والی زندگی نہیں گزار سکتی۔
لوگوں کو اندازہ نہ ہو کہ فیملی کا کبھی یوں اکٹھا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔''

''اچھا......'' اسفند نے اچھا کو ذرا لمبا کھینچتے ہوئے کہا۔ ''بڑی بات ہے ممی! کم از کم ہم تین میں
اس بات کا خیال ہے نا۔''

''مجھے بہت سی ایسی باتوں کا خیال ہے جن کا تم دونوں کو احساس تک نہیں۔'' رابعہ آفتاب نے مز
ذمہ دارانہ انداز میں کہا۔

''مثلاً'' آفتاب صاحب کو لگ رہا تھا جیسے اسفند ہر بات سے حظ اٹھا رہا تھا مگر انہیں یہ اندازہ کرنا
تھا کہ وہ مذاق کر رہا تھا سنجیدگی سے ماں سے گفتگو میں لگا ہوا تھا۔

''مثلاً'' سب سے اہم بات تو تمہاری شادی ہے' جس کی طرف نہ تمہارا نہ تمہارے باپ کا دھیان
جبکہ میں اس بات پر سنجیدہ ہوں۔''

''اچھا!'' اسفند نے ایک بار پھر یوں کہا جیسے یہ بات اس کے لیے ایک انکشاف ہو۔

''اور کیا؟'' رابعہ کو لگا جیسے ان کی باتیں اہمیت اختیار کرنے لگی تھیں وہ مزید تفصیل میں جاتے ہو
''تم دونوں کے پاس تو اس موضوع پر بات کرنے کے لیے بھی ٹائم نہیں ہے جبکہ میں تو کئی ایک لڑکیاں
رکھے ہوئے ہوں۔''

''یہ بھئی یہ کون سا وقت ہے ایسی باتیں کرنے کا۔''

آفتاب صاحب نے پہلی مرتبہ اس گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا۔ ان کا قطعی دل نہیں چاہ رہا
ایسی بات کرنے کا۔

''تو اور کب کی جائے ایسی بات' مشکل اور اتفاق سے تو ہم اکٹھے ہوئے ہیں اتنے دن کے بعد
چمک کر کہا۔

''یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے ممی! آپ نے لڑکیاں نظر میں رکھی ہوئی ہیں۔'' اسفند نے ان
اظہار اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے افسوس ہو رہا ہے' میں اتنے دن سے آپ کے پاس بیٹھا کیوں نہیں۔ آپ بتائیں گے
رکھی لڑکیوں کے بارے میں۔''

جواب میں رابعہ آفتاب مختلف لڑکیوں ان کے والدین' اسٹیٹس اور اسٹینڈرڈ کی تفصیل بیان کر
اسفند سلاد کی پلیٹ سے باریک کٹے کھیرے اور گاجریں کھاتے ہوئے بڑے دھیان سے ان کی باتیں

میں سر بھی ہلاے جا رہا تھا۔ ''اسفی! مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے تم کچھ نہیں رہے ہو۔''
اپنے دھیان میں منتیں کرتے کرتے رابعہ کو نجانے کیوں شک ہوا۔

''ارے نہیں ممی! میں تو بڑے دھیان سے سن رہا ہوں۔ آج ہی تو مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میری ماں بھی کچھ
ں کے بارے میں اتنی ٹپیکل ماؤں جیسی سوچ رکھتی ہے۔''

آفتاب صاحب نے دیکھا' اسفند کے چہرے کا تاثر عجیب سا تھا۔ یہ کرب تھا' اطمینان تھا طنز تھا' یا ایک نارمل
بات۔ وہ ایک مرتبہ پھر اندازہ نہیں لگا پائے تھے۔

''بس یہی باتیں وہ کیا کرتا تھا' اب تم بھی ویسی ہی باتیں کر رہے ہو۔ ٹھیک ہے کر لو' کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے
ماؤں کی طرح لاڈ بھرے ڈائیلاگ بولنے نہیں آتے۔ اس لیے تم سمجھتے ہو کہ مجھ میں ماؤں والی بات کوئی نہیں۔''
رابعہ بری طرح مشتعل ہو گئیں۔ ''گھر سے باہر میری باتوں کو معمولی سمجھا جاتا ہے' گھر کے اندر نہ باپ کی نظر
میری کوئی قدر ہے نہ بیٹے کی نظر میں۔''

''ارے ارے ممی! آپ برا مان گئیں۔'' اسفند اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب چلا گیا۔ اس نے ان کے
کھڑی ہو کر ان کے شانے دبائے۔ ''مائی گاڈ! اس وقت آپ بالکل مڈل کلاس عورتوں جیسا سین کری ایٹ کر رہی
۔ میرا نہیں خیال کہ آپ کو ایسا لگنا پسند ہو گا۔''

''چھوڑو مجھے۔'' انہوں نے اپنے شانے اس کی گرفت سے چھڑائے اور ٹیبل نیپکن سے منہ صاف کیا۔

''ماں ہر جگہ ماں ہی ہوتی ہے' تم لوگ نجانے کس بات کی توقع کرتے ہو۔'' ان کے اٹھ کر چلے جانے سے
ر ہو رہا تھا کہ وہ ناراض ہو گئی تھیں۔

''دوہرا غصہ چڑھ گیا آج انہیں۔'' ان کو لاؤنج سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے دیکھ کر آفتاب صاحب نے
ہلا کر کہا۔

''ایک تو میں نے چڑھایا' دوسرا کس نے؟'' اسفند نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ہنوز مسکرا کر کہا۔

''دوسرا میں نے۔ یونہی بی بی زینب کا ذکر کر دیا' مجھے اندازہ نہ تھا کہ ناراض ہو جائیں گی۔'' آفتاب صاحب کا
تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''بی بی زینب!'' اسفند نے سوچتے ہوئے دہرایا اور پھر جیسے اسے یاد آ گیا۔ ''ارے ہاں ڈیڈی! وہ بھی تو دا
تی تھیں ایک بی بی زینب۔ ان کا کیا ذکر ہوا؟'' اس کے چہرے پر اشتیاق۔

''وہ آئی تھیں شہری کی ڈیتھ پر' مجھے معلوم نہیں ہوا۔ یونہی پوچھ بیٹھا تھا۔'' آفتاب صاحب نے اٹھ کر کھڑے
تے ہوئے بتایا۔

''شہری مجھ سے زیادہ اچھی طرح یاد کرتا سبق' اسے زیادہ پیار کرتی تھیں اور ان کی باتیں مجھے اب تک یاد ہیں۔''
سفند نے ان سنی کرتے ہوئے یاد کیا۔ ''ڈیڈی کیا وہ ابھی بھی وہیں رہتی ہیں' جاؤں گا ان سے ملنے؟''

''اپنی ماں سے پوچھ لینا کہ وہاں جانا چاہیے یا نہیں۔ کہیں پھر ناراض نہ ہو جائیں۔''

آفتاب صاحب نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ اسفند ان کی بات میں چھپا اشارہ سمجھ رہا تھا اور وہ خود سوچ
رہے تھے کہ ماضی اور پس منظر سے پیچھا چھڑا لینے کا منتر تو انہوں نے خود رابعہ کو سکھایا تھا۔ وہ اب اس بات پر دل میں
ناسے ناراضی کیوں محسوس کر رہے تھے۔

لینا نے بجھتی ہوئی کینڈلز کو تاسف سے دیکھا۔ اس کے سامنے بکھرے ہوئے ریپرز، پلیٹس، کاغذ، گلیزڈ پیپر سے بنے ڈیکوریشن آئٹمز پڑے تھے۔ یہ ایک یادگار کرسمس تھی۔ جس میں ان کی حیثیت سے بہت مہمانوں نے شرکت کی تھی اور وہ سب خوش تھے۔ گرینی، للی اور آنٹ جینس۔ اس نے سب کے چہرے دیکھے۔

"تمہیں پتا ہے کہ تم ان سب لوگوں سے خوبصورت ہو، بہت خوبصورت، بہت معصوم۔"

گرینی سے ٹکرانے والی کار کا مالک اور اس کی ایک شناسا خاتون اس کرسمس ڈنر کے خاص مہمان تھے او یوں ٹریٹ کیا گیا تھا جیسے بونوں کی بستی میں کوئی دیو آ گیا ہو۔ انہوں نے بھی بظاہر بہت بے تکلفی سے اس تق میں شرکت کی تھی اور مالی حیثیت کے فرق کو ایک لمحے کے لیے بھی محسوس نہیں ہونے دیا تھا۔ گرینی کے فیملی پینٹنگز کی سیریز بنانے والا آرٹسٹ بھی اس تقریب کا مہمان تھا۔

لینا کی ان لوگوں سے پہلی تفصیلی ملاقات ہوئی تھی۔ اسے اس خالص پرسنل تقریب میں موجود وہ لوگ سے لگ رہے تھے یوں جیسے کسی ترقی یافتہ ملک کے باسی کسی ترقی پذیر ملک کا کوئی کلچرل پروگرام دیکھنے آئے ہ اسے یہ بھی لگ رہا تھا جیسے ان اجنبی مہمانوں کی آمد سے ان کے اپنے ملنے والے، ان کے کمپاؤنڈ کے لوگ دب خاموش اور پیچھے پیچھے رہے تھے۔

وہ اپنی سوچ سے بچنے کی خاطر انکل ڈینس، انکل سیموئیل، ان کے بیٹے اینڈریوز، سسٹر کیتھرین، سسٹر اسٹ آنٹی روز کے درمیان گھسی رہی تھی۔ گرینی نے جو اپنی بساط کے مطابق کرسمس بال منعقد کیا تھا۔ وہ اس میں بھی نہیں ہوئی تھی اور اسے اس ہال میں دیسی دھنوں والے نغمے شامل کرنے پر بھی اعتراض تھا۔ جبکہ اس کے برعکس اپنی چوٹوں کی تکلیف بھلائے چمکتا ریشمی ایوننگ گاؤن پہنے، نقلی جیولری کانوں اور گلے میں سجائے اونچے کور پر گھومتی پھر رہی تھیں۔ آنٹ جینس نے بھی پھولدار اسکرٹ اور ربنز سے سجا گلابی لیس کا بلاوز پہن رکھا تھا۔ وہ عرصے بعد زندگی سے بھرپور رنگ کا لباس پہننے پر تیار ہوئی تھیں اور للی کا لباس تو ایسے موقع پر زبردست ہونا ہی تھا۔ سرخ چمکتے کپڑے کا سلیولیس لانگ ڈریس بالوں میں مختلف رنگوں کے گلیٹرز لگائے اور انہیں مختلف رنگوں موتیوں سے سجائے، شوخ بھڑکیلا میک اپ کیے وہ سب میں نمایاں لگ رہی تھی۔

"للی تو مانو کوئین آف دی ایوننگ کے موافق دکھ رہی ہے۔"

آنٹی سوسن نے بری طرح مرعوب ہوتے ہوئے کئی بار کہا تھا اور وہ خود بھی نمایاں نظر آنے کی کوشش میں والے مہمانوں کے گلے کا ہار بنے جا رہی تھی۔ خصوصاً گاڑی کے مالک نوجوان بزنس مین کے جو انتہائی شو مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی بہت سی ناپسندیدہ حرکات بھی مسکرا کر برداشت کرتا رہا تھا۔ اس کے ساتھ آنے خاتون نے اس تقریب کی تصویریں بھی بنائی تھیں اور ان دونوں نے خوبصورت کرسمس گفٹ بھی دیے تھے۔ تق کے اختتام پر مہمانوں کے رخصت ہو جانے کے بعد سب تھکے ہوئے تھے لیکن بہت خوش تھے۔ گرینی اور للی کی خ انداز مختلف تھا جبکہ آنٹ جینس شاید عرصہ بعد اسی گہما گہمی میں کھو کر مسرور تھیں۔ تھکن کی وجہ سے سب کچھ چھوڑ کر وہ سب سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں جبکہ لینا اسی طرح اس کمرے میں جہاں تقریب کا اہتمام کیا گ افسردگی سے بیٹھی بجھتی شمعوں کو دیکھ رہی تھیں اور بکھری چیزوں کو۔ اس نے چمکیلا آرائشی فیتہ اٹھایا اور اسے انگلیوں پر لپیٹنے لگی۔ اس کا دل ہمک ہمک کر کوسوں دور اس سرد ملک میں موجود اپنی ان دیکھی ماں کو یاد کر رہا تھا جو اس شام کو منا رہی تھی مگر کس رنگ میں، یہ اسے معلوم نہیں تھا۔

"تمہیں پتا ہے کہ تم ان سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔"

کسی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"بہت حسین اور بہت معصوم۔"

یہ الفاظ اس وی آئی پی مہمان کے ساتھ آنے والی مہمان خاتون نے رخصت ہوتے ہوئے اس کے کان میں کہے تھے۔

"میں بہت جلد تم سے پھر ملوں گی، میرا خیال ہے کہ تم بھی مجھ سے ملنا ضرور پسند کرو گی۔" اس نے یہ بھی کہا

پھر اسے یاد آیا کہ وی آئی پی مہمان ان خاتون کو منی باجی کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ اس کی روتی آنکھوں نے لمحے کو پانی برسانا بند کیا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

۞

ہیلو ڈیئر ڈائری!

اب کیا کیا جائے کہ سال کی آخری تاریخیں ہیں اور بہت جلد ہم تم ایک دوسرے سے رخصت ہو جائیں مگر تم فکر مت کرو۔ میں تمہیں اپنی قیمتی متاع کے طور پر ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گا۔ میری اگلی ڈائری تو میری اگلی ہی بھی جائے گی نا۔ سمجھنا سمجھانا بھی کس نے ہے ڈیر ڈائری۔ یہ تو ہمارے تمہارے آپس کے راز اور ہمارے آپس کے قصے ہیں۔

کبھی کبھار میں سوچتا ہوں کہ کچھ لوگوں کی زندگیوں میں کچھ بھی نہیں بدلتا۔ بس کیلنڈر اور ڈائریاں بدل جاتی ہیں اور کچھ لوگوں کی زندگیوں میں مانو ایک دن میں کئی سال گزر جاتے ہیں۔ اب سارہ ہی کو لو، میرے دیکھتے ہی دیکھتے کیسے اس کی زندگی کا انداز بدلتا جا رہا ہے کچھ ایسے کہ میرے جیسا زمانہ شناس، عیار شخص بھی سمجھ نہیں پا رہا کہ ایسا کیوں اور کیسے ہو رہا ہے۔ ویسے آپس کی بات ہے ڈیر ڈائری! کہ میں سمجھنا ہی نہیں چاہتا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر میں نے سارہ کی ذاتی زندگی اور اس میں آنے والی تبدیلیوں کی وجوہات کھنگالنے کی کوشش کی تو مجھے بہت تکلیف دہ حقائق کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور یہ ڈائری! مجھے زندگی کے اتنے برس گزار لینے کے بعد پہلی مرتبہ پتا چلا ہے کہ انسان کتنا ہی کمینہ، چارسو بیس، ظالم، وحشی بن جائے، اپنی اولاد کے معاملے میں اس کا دل اور ہی ہوتا ہے۔ اولاد کا دکھ دیکھنا اور سہنا بہت مشکل کام۔ سو ڈیر ڈائری! میں خود غرض شخص اس طرح کے دکھوں کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے سارہ سے روایتی گفتگو سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔

دیکھا...... میں نے باتوں ہی باتوں میں کیسے پتے کی بات کر دی تم سے۔ خیر چھوڑو، ہم اپنا قصہ شروع کرتے ہیں جو پچھلی دفعہ شروع کیا تھا۔

ہم اس بچے کی نفسیات پر بات کر رہے تھے ڈیر ڈائری جو کمپلیکس قسم کی صورت حال میں پل بڑھ کر بڑا ہوا تھا۔ ان تمام نفسیاتی پہلوؤں کے ری ایکشن کے طور پر اس کے اندر یہ خیال تقویت پکڑنے لگا کہ اسے اس ماحول میں کسی قسم کی آزادی حاصل نہ تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے اسے بولنا ہے تو چچا کی زبان بولنی ہے، دیکھنا ہے تو چچا کی آنکھ سے دیکھنا ہے، اسے چلنا ہے تو چچا کے اشارے پر چلنا ہے۔ جب ایسی صورت حال ہو تو پھر ردعمل تو لازمی تھا نا۔

بس ڈیر ڈائری! اس بچے نے لاشعوری طور پر یا پھر شاید شعوری طور ہی ایسے کام کرنے شروع کر دیے جو چچا کی مرضی کے عین خلاف تھے۔ اس نے اپنا دھیان کھیل کود کی طرف زیادہ کر لیا۔ اس نے عین نماز کے وقت پر مسجد کے سائے سے دور بھاگنا شروع کر دیا اور سب سے بڑھ کر روغنی چاک لے کر تصویریں بنانا شروع کر دیں۔ ہاں یہ

ایک ایسا میدان تھا جس میں اس بغاوت کے بعد اسے فائدہ پہنچنا شروع ہوا۔ اس کے اس چوری چھپے نکھار پیدا ہونے لگا۔ اس کی چاچی جب گھر کی لپائی کے لیے مٹی گوندھتی تو وہ اس گندھی مٹی سے مختلف صو ایسی ایسی شبیہیں کہ جب چاچی کو دکھاتا اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ جاتیں۔

''دیکھو چاچی! یہ تم ہو۔ دیکھو یہ چاچا۔ یہ پاء شفیع ہے یہ دیکھو میں نے رشیداں کی گڑیا جیسی گڑیا بنائ

وہ مٹی سے شکلیں بناتا اور توڑتا جاتا۔ چاچی دیکھتی اور حیران ہوتی۔ پر اس کا کیا جاتا کہ چاچی صاحب کے وعظوں کا بڑا اثر تھا۔ وہ اس کی مہارت پر حیران تو ہوتی پر ساتھ میں نفی میں سر ہلاتی جاتی' کا لگاتی۔

''نہ وے کاکا' یہ گناہ ہے' مورتیں بنانا اللہ کا کام ہے' کیوں اس کے کاموں کا شریک بنتا ہے۔''

اب بھلا یہ کیا فلسفہ تھا ڈیئر ڈائری! کہ یہ اللہ کے کاموں کا شریک بنتا ٹھہر گیا۔ اللہ کا کام تو بے ج میں جان ڈالنا ہے۔ مورتیں تو کافر بھی بناتے تھے' اب بھی بناتے ہیں پر ان میں جان ڈالنے کا کام کون کر کوئی دعویٰ کر سکتا تھا۔ لیکن ان لوگوں کے نظریات تھے کہ اپنی جگہ اٹل تھے۔ ان کو کوئی بدل سکتا تھا نہ وہ خود۔

پر ہوا یہ کہ اس لڑکے کے اس کام میں زیادہ مزا بھی اس لیے آنے لگا کہ اس سے چاچا صاحب کو تھی اور یہ ان کے ناپسندیدہ افعال میں شامل تھا۔ چاچی ممتا کی ماری اپنی محبت میں چچا صاحب کو اس بارے میں کبھی نہیں بتاتی تھی مگر اس چھوٹے سے گاؤں اور اس چھوٹے سے گھر میں ایسے کام کہاں تک تھے۔

آئے دن اس کی ایسی کوئی حرکت چچا صاحب کی نظر میں آجاتی اور وہ اپنی ساری محبت بھلا کر سخ اسے تنبیہ کرتے۔ اس کا دھیان مختلف دینی ودنیاوی علوم کی طرف لگاتے۔

''شیکسپیئر پڑھا کر' علامہ صاحب کا کلام پڑھا کر' قرآن کی تفسیر پڑھا کر' شیخ سعدی کی حکایات پڑھ زندگی کا کوئی ڈھنگ آئے۔ کیوں بیکار کاموں میں وقت ضائع کرتا ہے۔''

جواب میں ہوتا یہ کہ شیخ سعدی کی حکایات پڑھتے پڑھتے ایسے ایسے شیطانی خیالات ذہن میں آ چاچا صاحب کو پتا چل جاتا تو وقت پر ہی ایسا پکڑتے کہ بعد میں جو کچھ ہوتا اس کی نوبت نہ آتی۔ مگر ایسا ہوا اور وہ اپنے ذاتی خیالات و سوچ چھپانے میں اتنا ماہر ہوتا گیا کہ کوئی اس پر بدگمان کر ہی نہیں سکتا تھا۔

پھر چاچا صاحب کی محنت اور کچھ اپنی ذہانت کے بل بوتے پر اس نے دسویں کا امتحان انتہائی امتیا سے پاس کر لیا۔ چاچا صاحب کو لگا ان کے خوابوں کو تعبیر ملنے کا وقت آ گیا۔ وہ فخر سے اس کو ملا گولڈ میڈ پکڑتے اور اپنی امیدوں کا بلیٹن جاری کرتے۔

''اس بچے نے بہت آگے جانا ہے۔ یہ انگریزی ادب میں ماسٹرز کرے گا اور پھر سی ایس پی افسر۔

گاؤں بھر میں اس معرکہ سر کرنے والے کی کم' کروانے والے کی زیادہ واہ واہ ہو رہی تھی۔ ہر شخص کو اشارے کر کے بتاتا تھا۔

''اگر اس گاؤں کا یہ بچہ ماسٹر صاحب کی وجہ سے یہ معرکہ سر کر سکتا ہے تو تم لوگ کیوں نہیں کر سکتے۔

خوب! ڈیئر ڈائری تم نے دیکھا۔ سارا کریڈٹ جا رہا تھا چچا صاحب' ان کے امیج کو پروموشن مل ر بچہ مزید ری ایکشنری ہو رہا تھا۔

''مجسمے بنانا' تصویریں بنانا خدائی کام کی برابری کرنے کے مترادف ہے اور انگریز جو اسلام کا پکا دشم

ی زبان میں ماسٹرز کرنا اور اس کے بنائے نظام پر چلنے والا سی ایس پی افسر بننا مومن ہونے کی دلیل ہے؟''

اس کے اندر اسی قسم کے خیالات سر اٹھاتے۔

''اگر میں تصویریں نہیں بنا سکتا' مٹی کی مورتیں نہیں بنا سکتا تو پھر میں نے انگریزی ادب میں ایم اے بھی نہیں لرنا اور نہ ہی سی ایس پی افسر بننا ہے۔''

وہ جھلا کر اپنے دل میں فیصلہ کرتا۔ پھر چچا صاحب نے اسے سیالکوٹ شہر کے ایک پرانے اور معروف کالج ں داخلہ دلوا دیا۔ وہ روزانہ قریبی قصبے میں اپنے چند ساتھیوں سمیت ٹرین پر سوار ہوتا اور سیالکوٹ پہنچ جاتا۔

اب گاؤں سے باہر چچا صاحب کی کڑی نگرانی سے دور اس کے سامنے ایک نئی دنیا نے اپنا چہرہ کھولا۔ لبرل نیا' ترقی یافتہ دنیا اور اس دنیا کے نئے نئے رنگ اسے بہت اچھے لگے۔ اگرچہ اسے انگریزی ادب' نفسیات اور کنامکس کے مضامین دلوائے گئے تھے۔ مگر ساتھ کے ساتھ وہ دوسرے مضامین کے اندر بھی جھانکتا' خصوصاً ان کے ندر جو اس کے ازلی شوق سے متعلق تھے۔ اپنے گاؤں سے اس کے ساتھ شروع شروع میں صرف ایک لڑکا جاتا تھا' وہ ھی بعد میں کسی وجہ سے کالج چھوڑ گیا۔ یوں وہ اس بڑی نگرانی کے ایک آخری پہلو سے بھی آزاد ہو گیا۔

اب اس کے ساتھ صرف ساتھ کے گاؤں کے لڑکے جاتے تھے۔ صبح جس ٹرین پر وہ چڑھتا' اس میں چند ایک ڑکیاں بھی شہر کے کالج میں پڑھنے جاتی تھیں۔ اگرچہ ان کا سامنا جب ہی ہوتا جب وہ کسی ویک اینڈ کے بعد واپس وسٹل اور کالج جانے کے لیے ٹرین میں بیٹھتیں۔

ایک روز اسی طرح جب وہ برقعہ پوش لڑکیاں ٹرین میں بیٹھیں تو اس لڑکے کی نظر میں سے ایک کے بازوؤں میں دبی ڈرائنگ بک اور واٹر کلر بکس پر پڑ گئی مگر یہ نظر اس عاشق مزاج شخص کے لیے ذرا بھاری ثابت ہوئی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہارا مزاج شہری سے اتنا زیادہ ملتا ہے۔ منی باجی' اسفند سے ڈی سوزا فیملی
مس لیو کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔

''آپ کا اندازہ درست تھا۔'' موڑ کاٹتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔

وہ انہیں ان کی دوست کے گھر ڈراپ کرنے جا رہا تھا۔ شہری کا طرز زندگی' اس کی زندگی میں میرے
ہی رہا' یہ بات تو میں جانتا تھا کہ اس کا مزاج مجھ سے مختلف تھا' مگر اس کے اس مزاج سے بھی میں اسی حد تک و
تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ ذمہ دار تھا' مزاجاً میچور تھا۔ اس میں لاابالی پن نہیں تھا' مگر اس کی ڈیتھ کے بعد جس شہریا
میری واقفیت ہوئی وہ تو اس سوچ سے بالکل مختلف تھا' جو اس کی زندگی میں میں نے قائم کی تھی۔

''مثلاً۔'' منی باجی نے اس کی بات پر چونکتے ہوئے کہا۔

''آپ کو معلوم ہے منی باجی! ہماری فیملی کا اسٹیٹس کیا ہے' یہ سیٹ اپ کیا ہے؟۔'' منی باجی نے اس کی
نتے ہوئے' نور اس کے چہرے کی سنجیدگی کو دیکھا۔ اس وقت انہیں ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ شہری کے ساتھ بیٹھی تھ
''ایک وقت تھا جب ہم ویسے لوگ تھے جنہیں ٹاپ اسٹارٹس کہتے ہیں' میں اور شہری اس وقت بھی بہت
نہیں تھے۔ ہمیں اس ہائی اسٹیٹس تک پہنچے بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا' اگرچہ ہم نے زندگی کے گوشہ کئی سال،
نازونعم کے ساتھ گزارے مگر وہ جو ابتدائی وقت تھا۔ میں شاید اسے بھول گیا' مگر شہری کی روح میں سرایت کر گیا تھا
اس وقت کو اس سے منسلک چیزوں کو ان ایسوسی ایشنز کو نہیں بھولا یہ ہی وجہ تھی کہ وہ میرا ہم شکل ہونے کے باوجو
سے بہت مختلف تھا۔ اس کی ڈیتھ کے بعد جب میں ذہنی تناؤ سے باہر نکلا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس کے کتنے لوگوں
کیسے کیسے تعلقات تھے۔ یہ لوگ جو میڈیا یا پبلسٹی کے بل پر سخاوت کرتے ہیں' نیکیاں کرتے پھرتے ہیں' این جی
بناتے ہیں' سوشل ورک تقریبات کے فیتے کاٹتے ہیں وہ ان سب سے بالکل مختلف تھا۔ میں نے اب جانا ہے ک
کیسے کیسے لوگوں کی کس کس طرح مدد کرتا تھا۔ لوگوں سے اس کا برتاؤ اپنائیت سے بھرپور تھا۔ وہ لوگ جسے ہماری
نام نہاد ہائی سوسائٹی منہ بھی نہ لگائے اس کے کتنے قریب تھے۔ وہ اب جہاں بھی ہے نا منی باجی! ان سب لوگوں
دعاؤں کی وجہ سے بڑے سکون میں ہے۔ اس کا مجھے یقین ہے' یہ ہی لوگ اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور ا۔

خوابوں میں بہت اچھے مقام پر' بڑی اچھی حالت میں دیکھتے ہیں۔ اور ان ہی لوگوں کے خوابوں میں وہ آتا بھی ہے''
اس کی آواز بھرانے لگی۔ منی باجی نے ہولے سے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ وہ اسے دلاسہ دینا چاہتی تھیں مگر ان
کے حلق سے آواز نکل نہ پا رہی تھی۔

''لوگ کہتے ہیں کہ بڑی مختصر زندگی پائی اس نے۔'' خود پر قابو پاتے ہوئے وہ دوبارہ گویا ہوا'' مگر مجھے یقین
ہے کہ اس مختصر زندگی کے نامکمل اعمال سے بھی اس نے بڑا لمبا اجر پایا ہوگا' شہری سے اس تعارف نے میری اپنی
زندگی' سوچ' ترجیحات' خوشی و غم کے پیمان بدل دیے ہیں منی باجی! میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس کو قابو کر سکوں' میں
چاہتا ہوں کہ اس جیسا بن سکوں۔ کیا میں ٹھیک کر رہا ہوں؟۔''

''ایسی سوچ غلط ہو ہی نہیں سکتی اسفی!'' منی باجی بالآخر بولنے میں کامیاب ہو گئیں۔ جس شہری کو میں جانتی
ہوں وہ اس شہری سے بالکل مختلف تھا جسے عام لوگ جانتے ہیں۔ تم اگر اس جیسا بن سکو تو بہت بڑی اچیومنٹ ہوگی۔''

''یہی تو۔'' مجھے علم ہے کہ شہری کی زندگی کے کچھ ایسے پہلو تھے' جو کسی اور کو معلوم نہیں سوائے آپ کے یا پھر
شاید ایک آدھ دوسرے شخص کے۔'' منی باجی کو اچانک اپنی کہی گزشتہ بات پر پچھتاوا سا ہے۔

''اسفی! میرا خیال نہیں کہ میں کسی ایسی بات سے واقف ہوں جس کا صرف مجھے ہی علم ہو۔'' ذرا توقف کے
بعد انہوں نے کہا۔'' ہم دوستوں کا ایک گروپ ہے' مختلف شعبوں سے متعلق لوگ اس گروپ کے ممبر ہیں' شہری
ہمارے اس گروپ کا باقاعدہ ممبر تھا۔ ہم لوگ مختلف چیزوں کے بارے میں اپنے خیالات ڈسکس کرتے تھے۔ سال
میں ایک مرتبہ ہم پورے ملک سے کسی ایک ممبر کے گھر اکٹھے ہوتے تھے اور اچھا وقت گزارتے تھے۔ میں اس گروپ کے
ممبر شہریار محمد سے واقفیت کی بات کر رہی ہوں۔''

''آپ کہتی ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا۔'' اسفند نے ذرا مسکرا کر کہا' اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اسے ان کی
بات کا بالکل بھی یقین نہ آیا ہو۔

''اچھا یہ بتائیں کہ میری نئی فرینڈ مس ایلس ڈی سوزا اور ان کی فیملی آپ کو کیسی لگی؟''

''جس روز تم ان کے ہاں لے کر گئے تھے' اسی روز تو میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اب تم شہری کی لائن پر چل
رہے ہو' یا کم از کم کوشش کر رہے ہو چلنے کی۔''

منی باجی نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

''آپ کو وہاں جانا کیسا لگا؟۔''

''بہت اچھا!'' منی باجی نے پرسکون ہو کر سیٹ کی پشت پر ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ ''اسفی! اتنے برس کی زندگی
میں' میں نے یہ سمجھا ہے کہ زندگی کے کینوس پر رنگ ہر طرح کے لوگ ہی بکھیرتے ہیں۔ کسی بھی طرح کے لوگوں کو منفی
کر دیں تو کینوس مکمل نہیں ہو پاتا۔ ہم احمق ہوتے ہیں جو اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ فلاں سے ملنا ہے' فلاں سے
نہیں ملنا۔'' مجھے دیکھو' میں ہر طرح کے لوگوں سے ملتی ہوں' ان کی زندگیوں کا مشاہدہ کرتی ہوں ان ہی لوگوں سے
مجھے کردار ملتے ہیں' کہانیاں ملتی ہیں' میرے کینوس پر رنگ بکھرتے ہیں' میں مصروف رہتی ہو جس میرا ذہن اور دل
مصروف رہتا ہے۔ اب انہی مسز ڈی سوزا کو ہی لو' اگر یہ تم کو نہ ملتیں تو کیا زندگی کا یہ رنگ تمہارے مشاہدے میں آ سکتا
تھا؟ مجھے تو وہاں زندگی کے ایک نئے رنگ کے مشاہدے کا موقع ملا' نئے کردار ملے' نئی کہانی' وہ تمہارا مصور دوست
ایک اچھے آئیڈیے پر کام کر رہا ہے۔ اسے پروموٹ کرنے کے لیے جتنی مدد کر سکتے ہو ضرور کرو۔''

''تھینک یو منی باجی!'' اسفند نے اس طویل راستے کی منزل پر پہنچ کر گاڑی کو بریک لگاتے ہوئے کہا۔

''آپ سے باتیں کر کے میرے دل کا کافی بوجھ ہلکا ہو گیا' اب میرے ذہن میں اپنے راستے کے متعلق بہچ ہو گئی۔''

''ماسٹر صاحب! اوپر سے میرے امتحان سر پر آئے ہیں اور آپ بیمار پڑ گئے' یہ کیا بات ہوئی۔'' ا بکھری چیزیں سنبھالتی یہ مانو بھی جو دھوپ میں چار پائی بچھا کر لیٹے ماسٹر ہدایت اللہ سے مخاطب تھی۔

''اب یہ جو سردی گرمی کا زور ہے' اس سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہو بندے میں تو کیا کرے وہ۔ صاحب نے اپنی کھانسی پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا۔

''لیں۔'' مانو دھلے ہوئے کپڑے تہہ کرتی ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی' سردی گرمی ہمارے لیے بھی آپ کو تو کوئی کام نہیں کرنا پڑتا۔ ہم تو اندر باہر سارے کام کرتے پھرتے ہیں سارے موسموں میں۔''

''اپنی عمر دیکھ مبینہ کلثوم جھلیے' اور میری طرف دیکھ' میرا تیرا کیا مقابلہ' میں تو اب بونس پر جی رہا ہوں کے بہتیرے سال موسموں کی شدت کا مقابلہ کیا۔ اب یہ تبدیلیاں تگڑی ہیں اور ہم کمزور۔ قدرت کے سارے کو ماننا پڑتا ہے۔''

''واہ ماسٹر جی! آپ کے منہ سے یہ باتیں کسی کو اچھی لگ سکتی ہیں بھلا۔ ہمارے لیے تو آپ نشان ہیں اور بہادری کا' ہم آپ کو دیکھ کر حوصلہ پکڑتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے ہی کمزور' کم زور باتیں کرنے لگے مانو نے ان کے لہجے میں جھلکتی شکستگی کو محسوس کرتے ہوئے جان بوجھ کر منہ پھلا کر کہا۔

''اچھا زیادہ بحث نہ کر ماسٹر جی سے۔'' اس کی اماں' ماسٹر جی کے برتن دھو کر ہاتھ خشک کرتے ہوئے آئی ''جی مندا ہے ان کا' زیادہ باتیں نہ کر' اندر کمرے کی صفائی کر دے جلدی سے شاباش' ماسٹر جی! آپ چھینٹ کر گرم دودھ میں ڈال کر دیتی ہوں' وہ پیو ایک دم سردی نکل جائے گی اندر سے۔'' اب وہ ماسٹر جی سے ہوئی۔

گاؤں کے دو چار اور لوگوں کو اندر آتے دیکھ کر مانو نے ماسٹر جی کے کپڑے اٹھائے اور اندر کمرے کی چل دی۔

''کیا زندگی ہے اس شخص کی بھی۔'' کمرے میں بکھری چیزیں سنبھال کر ٹھکانے پر رکھتے ہوئے صاحب کے بارے میں سوچ رہی تھی ''اتنی ساری محبتیں اور اتنی ڈھیر ساری تنہائی۔ کبھی جو ماسٹر جی ان محسوسات باہر نکلے ہوں' لوگوں میں رہ کر بھی تنہا ہونے کا احساس' کسی بہت اپنے کے نہ ہونے کے باوجود اتنے سارے بھرے احساسات۔ بڑی ہمت ہے ماسٹر جی کی' اتنے مختلف احساسات میں توازن رکھتے ہیں۔

ان ہی سوچوں میں گم چیزیں سمیٹتے سمیٹتے اچانک ان کی نظر ماسٹر صاحب کے اس ٹرنک پر پڑی' جس تالا پڑا رہتا تھا اور جس کی صفائی وہ ہمیشہ خود ہی کرتے تھے۔ اس ٹرنک کے کھلے تالے نے اسے بری طرح چونکا دیا۔ تجسس کا چور اس کے اندر ایک دم جست لگا کر اترا' جس نے خود بخود اس کو اس ٹرنک کی طرف بڑھنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا دل اچانک ہی زور سے زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے اس ٹرنک کو یوں ہاتھ لگایا تھا جیسے کوئی ممنوعہ چیز کو پہلی بار ہاتھ لگاتا ہے۔

ٹرنک کا ڈھکن کھولتے ہوئے وہ چور نظروں سے دروازے کو بھی دیکھ رہی تھی۔ اس کے کان باہر آوازوں پر لگے تھے۔ ٹرنک میں چند پرانے کپڑے' خراب ہونے کے بعد بند پڑی دو گھڑیاں' زیورات کا ایک ڈبہ اور ایک مومی لفافہ موجود تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے کپڑے کو الٹ کر دیکھا۔ لفافہ کھول کر اندر جھانکا

تصویریں تھیں اور خطوط۔

تجسس کے چور نے اسے وہ لفافہ اٹھانے پر بھی مجبور کر دیا۔ جستی ٹرنک کے ڈھکن کی اندرونی پاکٹ سے چھوٹے سائز کا ایک براؤن لفافہ بھی ملا۔ اس نے وہ بھی نکال کر مومی لفافے میں رکھ لیا اور ڈھکن بند کر کے اس سفید لٹھے کا کور اس کے اوپر برابر کیا۔ تالا اسی طرح کنڈی میں جھول رہا تھا۔

اس نے وہ لفافہ اپنی اونی چادر میں چھپایا اور سر پر چادر برابر کرتی تیزی سے باہر نکل آئی۔ اب اس کا رخ اوپر جاتی سیڑھیوں کے نیچے رکھے کوڑے کے چھوٹے ڈبے کی طرف تھا۔ اس کی اماں نے ابھی صحن کی صفائی کر کے چند تنکے اور مٹی' کوڑے کے اس ڈبے میں ڈالی تھی۔ اس نے لفافہ اس ڈبے میں رکھ کر آگ جلانے کے لئے رکھی سوکھی شاخوں سے اسے ڈھک دیا۔ اسے یقین تھا کہ اس ڈبے کی طرف کوئی نہیں آنے والا۔ اپنے دھڑکتے دل کو قابو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ اماں کے اشارہ کرنے پر صحن میں بنے مٹی کے چولہے کی طرف چل دی۔

اماں' ماسٹر جی کے کہنے پر ماسی نور' لالہ یونس' چاچا مالک اور چاچی صغرا کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ یہ ماسٹر جی کی عیادت کے لیے آئے تھے اور یہی وہ لوگ تھے جن کی محبتیں ماسٹر جی کو زندہ دل بنائے رکھتی تھیں۔ جب ہی اس وقت وہ چہرے پر بشاشت لیے سب کی باتیں سن رہے تھے اور انہیں جواب بھی دے رہے تھے۔

آہستہ آہستہ اور لوگ بھی اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر ادھر آئے گئے اور آنگن میں رونق بڑھتی گئی۔ آنے والی خواتین اپنے ساتھ دودھ' گاجر کا حلوہ' گڑ' پاپڑ' اور نہ جانے کیا کیا لا رہی تھیں۔ مانو' اس کی اماں اور کچھ دوسری عورتیں چائے بنا رہی تھیں اور برتن دھو رہی تھیں۔ دیواروں سے اوپر جاتی دھوپ اور ڈوبتے سورج کے عکس میں مانو نے ہینڈ پمپ کی گرتی دھار کے نیچے برتن دھوتے ہوئے کمرے کے اندر جانے کی تیاری کرتے ہوئے ماسٹر جی کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر سکون اور اطمینان تھا۔ دن بھر انہوں نے آنے والے لوگوں کے مسائل' خوشیاں اور غم سنے تھے اور انہیں کئی مشورے بھی دیے تھے۔

''مبینہ کلثوم! آج آٹھویں اور دسویں کے بچوں کو تو نے پڑھانا ہے۔ اب برتن چھوڑ دے ان کا سبق سن۔'' وہ حقہ اٹھاتے ہوئے اس سے مخاطب تھے۔

مانو نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس شام اماں کے ساتھ ماسٹر جی کے گھر سے رخصت ہوتے ہوئے مانو سیڑھیوں کے نیچے سے کوڑے کا ڈبا اٹھانا نہیں بھولی تھی۔ اسے کچرے کے بڑے ڈھیر پر کوڑا پھینکنا تھا اور اس کے اندر سے وہ لفافہ نکالنا تھا جو اس کے تئیں ماسٹر جی کی شخصیت پر پڑے اسرار کے کئی پردے اٹھا سکتا تھا۔ اس کا دل انجانی مسرت بھی محسوس کر رہا تھا جس کے تحت اس کا خیال تھا کہ گاؤں بھر میں وہ واحد شخصیت تھی جسے ماسٹر جی کی تنہائی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ پتا چلنے والا تھا' ساتھ ساتھ اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف بھی تھا۔ کہیں ماسٹر جی کو پتا نہ چل جائے۔

......✿......

''فراز! یار تم تو کمال کے آرٹسٹ ہو۔'' اسفند نے رضوی صاحب کے اسٹوڈیو میں رکھے فراز کے کینوس دیکھتے ہوئے بے اختیار تعریف کی۔

''ارے اسفند بھائی! اس سیریز میں میرے فن سے زیادہ لیڈی ایلس کی فیملی ہسٹری کا کمال ہے۔'' فراز نے مسکرا کر اپنے اس محسن نما دوست کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس جیسے لوگوں سے اتنی بے تکلفی ہو جانے کا کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

''چھوڑو یار! لیڈی ایلس کی فیملی ہسٹری کو۔'' اسفند نے بے نیاز سے کہا۔

''تم اپنی بات کرو' تم نے جوان مضحکہ خیز تصویروں کو انتہائی آرٹسٹک بیک گراؤنڈ دے کر ان
ہے یہ تمہارا ہی کمال ہے' ورنہ لیڈی ایلس جیسی فیملی ہسٹریز میں کئی دکھا سکتا ہوں' تم کیا سمجھتے ہو یہ لیڈی
تاریخ کی مالک ہے جیسی وہ بتاتی ہے؟۔''

''اس کی بات پر یقین کر لینے میں حرج ہی کیا ہے''

فراز نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہی ضروری ہے کہ ہم اس کی بات کو جھٹلائیں اور اسے یہ باور
اس کی تاریخ یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو لوگ سناتے ہیں۔''

اسفند نے فراز کو یوں جذباتی ہوتے دیکھ کر حیرت سے سر ہلا دیا۔

''ارے فراز! تم بڑے غصے والے آدمی ہو' لیڈی ایلس کی بات پر یوں جذباتی ہو جاؤ گے میرا خیا

''جذباتی ہونے کی بات نہیں ہے اسفند بھائی!''

فراز نے یوں سر ہلایا جیسے کسی بات سے مایوس ہوا ہو' پتا نہیں ہم لوگوں کی نفسیات کیوں اتنی عجیب
مزا آتا ہے لوگوں کے چہروں پر سے وضع داری کے نقاب نوچنے میں' ان کی کہی باتیں جھٹلانے میں۔ اِ
نسل کو کسی بھی قسم کے احساس کمتری سے بچانے کے لیے احساس برتری پر مبنی کوئی مفروضہ بھری کہانی گ
اس پر فخر بھی کرنے کی جسارت کر لیتا ہے اور اس کی اس بے ضرر کہانی سے کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچتا تو پ
پہنچتا ہے کہ ہم اس کی اس تصوراتی دنیا کو آگ لگاتے پھریں۔''

''اوہو!'' اسفند نے بے اختیار کہا۔ ''مسٹر اسپیکر.......... براوو۔'' اس کی تالی کی آواز بلند تھی۔

فراز نے سر جھکا لیا جیسے شرمندہ ہو رہا ہو۔

''تم نے اتنا قانع اور اعلیٰ ظرف ہونا کس سے سیکھا ہے فراز! پہلے بھی کئی بار میں تمہارے منہ سے
سنی ہیں جو تمہاری عمر کے لوگوں سے توقع نہیں کی جا سکتیں۔'' اسفند بھی سنجیدہ ہو گیا۔

''یہ کوئی ایسی قناعت اور اعلیٰ ظرفی والی بات بھی نہیں۔'' فراز نے اسی احساس شرمندگی سے
''ہمارے گاؤں میں ہمارے استاد ہمیں رواداری کا سبق البتہ خوب رٹاتے تھے اور ماسٹر جی تو یہ بھی کہا کر
کسی کی بات کو جھٹلانا ہے تو دلیل سے جھٹلاؤ' اول تو اگر کسی کی کہی بات بے ضرر ہے تو اسے جھٹلانے کی
نہیں۔ ایک بار انہوں نے مجھے کہا فراز' جب نبی پاک e کو پتہ چلا تھا کہ ان کی تقلید کرنے والوں میں
سے تھے جو منافق تھے اور پھر بھی انہوں نے انہیں منافق نہیں کہا تو پھر ہم عام انسانوں کو یہ حق کیسے پہنچ
لوگوں کو جھٹلائیں اور جھوٹ کے فتوے ان پر لگائیں۔''

''دلچسپ۔'' اسفند نے ایک مرتبہ پھر بے اختیار کہا۔ ''فراز! یہ جو ماسٹر جی ہیں جن کو تم اکثر کوڈ ک
کون صاحب ہیں؟۔ جب بھی میں تم سے کسی بات کا ریفرنس پوچھتا ہوں تم ان ماسٹر جی کا نام لے دیتے
نے بتایا تھا' یہ کون صاحب ہیں جو ایک پس ماندہ علاقے کے انتہائی چھوٹے سے گاؤں میں اتنا سارا علم
ہیں۔''

''اسفند بھائی!'' فراز نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''ماسٹر جی کہتے ہیں' سوچ اور علم کے لیے
قصبہ' ملک حد نہیں رکھتے کہ اس سے پار نہیں جانا' یہ دونوں چیزیں کہیں بھی' کبھی بھی مل سکتی ہیں۔''

''فراز! یار تم کبھی مجھے ان ماسٹر جی سے ضرور ملواؤ' آج یہ وعدہ کرو مجھ سے پلیز۔'' اسفند کے لہجے

''ضرور' مگر ایک بات آپ بھی مجھے بتائیں اسفند بھائی!'' فراز نے اسٹوڈیو کے ایک کونے میں دھرے
ل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں' ضرور پوچھو۔'' اسفند اس کے سامنے والے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

''آپ کون ہیں؟''

''میں؟'' اسفند چونکا۔ ''یہ کیا سوال ہوا' کیا تم مجھے جانتے نہیں' اب تو اچھا خاصہ عرصہ گزر گیا شناسا ہوئے۔''

''اب میں ماسٹر جی کو کوڈ کروں گا تو آپ ہنسیں گے۔'' فراز نے قدرے جھینپ کر کہا۔

''نہیں ہرگز نہیں۔'' اسفند نے یقین دلانے کے سے انداز میں کہا۔ ''بلکہ اب تو میرا دل چاہنے لگا ہے کہ تم
کے فرمودات کا حوالہ مجھے ضرور دو۔''

''ماسٹر جی کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں' جن سے ہم ایک بار میں ہی بڑی تفصیل سے مل لیتے ہیں' مگر
لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کئی بار کی ملاقات کے باوجود بھی مل پاتے' کبھی کبھی تو عمر بھر کے تعلق کے باوجود ہم کچھ
ں سے اصل تعارف حاصل نہیں کر پاتے۔''

''تمہارا خیال کیا ہے' میں کس قسم کے لوگوں کی کیٹگری میں آتا ہوں۔'' اسفند کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے

''ابھی تک جتنی ملاقاتیں آپ سے میری ہوئی ہیں ان میں سے یہ ہی اندازہ لگا پایا ہوں کہ جو آپ نظر آتے
اصل میں آپ یہ نہیں ہیں۔ آپ کا تعارف ابھی باقی ہے۔''

''ہوں؟'' اسفند نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ لوگ کیسے ہوتے ہیں جن سے ایک ملاقات میں ہی
ی ملاقات ہو جاتی ہے؟۔''

''للی ڈی سوزا جیسے لوگ۔'' فراز نے کھل کر ہنستے ہوئے کہا۔ ''للی ڈی سوزا جیسے لوگوں سے بندہ ایک ملاقات
ں ماضی' حال' مستقبل' اندر باہر ہر طرح کا تعارف حاصل کر سکتا ہے۔''

''للی' ڈیٹ پور گرل۔'' اسفند نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے سنجیدگی سے کہنے کی کوشش کی۔ ''لیڈی ایلس مجھ سے
بار اس کے لیے نوکری کی بات کر چکی ہیں مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ کس بھی کام کے کس خانے میں فٹ
تا ہے۔ ویسے وہ لڑکی اپنی فیملی کے لیے ایک ہیڈک بنی ہوئی ہے۔''

''ماشاء اللہ ہر فن مولا ہیں میم صاحب اور آپ کہتے ہیں کہ سمجھ نہیں آتا کس خانے میں فٹ بیٹھتی ہے۔'' فراز
اٹھ کر اپنے کینوس کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھ رہے ہیں لیڈی ایلس کا یوتھ ایج۔'' اس کا لہجہ ایلس ڈی سوزا کی طرح ہو گیا۔ ''بالکل للی ڈی سوزا کا
ن ہوا کرتا ہوگا یہ اپنا ینگ ایج میں' کوئی بیس کے قریب تو نوجوان پھانس رکھے ہیں خاتون نے تقریباً ہر روز کسی
ل کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہی ہوتی ہیں سج سنور کر اور ایسے میں اگر کوئی شناسا نظر آ جائے تو بڑی معصومیت سے
ان جاتی ہیں۔ ویسے خیر سے آج کل ان کی نظر کرم آپ پر ہے۔''

''مجھ پر؟۔'' اسفند نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ ''رحم کرو بابا' اتنی ادائیں تو میں غریب اکیلا برداشت ہی
کر سکتا' مجھے تو عجیب سا خلجان ہونے لگتا ہے اس کی موجودگی میں۔''

''خود ہی کوئی تدبیر کرنا پڑے گی آپ کو' کیونکہ ایک روز وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اگر تم مجھے نہیں لے کر جاتے

اسفند صاحب کے آفس تو میں خود ہی چلی جاؤں گی۔ میرے لیے وہاں تک پہنچنا کوئی ایسا مشکل کام نہیں، تصویر کے اوپر انگلی پھیر کر رنگ کی نمی چیک کرتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

''بھئی مجھے اس سے بچائے ہی رکھو۔'' اسفند سچ مچ ڈر گیا۔ ''میرا سرکل ایسا کمپلی کیٹڈ ہے کہ اس قسم میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ میں تو اپنے اردگرد کے لوگوں کی دوستیوں اور اسکینڈلز کا مذاق اڑانے والوں میں سے اگر یہ دیسی میم ادھر کہیں میرا نام لیتی نظر آ گئی تو...... میں اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتا۔

''آپ نیکیاں کریں دیسی میموں سے اور شولری کا مظاہر کریں ہیومن رائٹس کے تحت۔ پھر کچھ بھگتنا ہی پڑے گا۔'' فراز پوری طرح مذاق کے موڈ میں آ گیا۔

''یہ کوئی گناہ نہیں تھا۔ لیڈی ایلس کو میری وجہ سے چوٹ آئی۔ اسے گھر پہنچانا میرا فرض تھا۔'' ا وضاحت کی۔

''پھر اس کے ہاں پھول لے کر جانا اور عیادت بھی فرض کے دائرے میں آتا ہوگا؟'' فراز نے ہوئے کہا۔

''میرا خیال تو یہی تھا۔'' اسفند نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

''اور لیڈی ایلس کے انویٹیشن پر دیسی کرسمس ایوننگ پارٹی اٹینڈ کرنا مزید فرض تھا؟''

''وہ صرف اس لیے تھا کہ مجھے یہ مکسڈ کلچر اور وہ بقول تمہارے وضع داری قائم رکھنے کی کوشش کا مظاہ لگا تھا۔ میں اسے دیکھنے اور ساتھ میں منی باجی کے چونکہ کام سے ریلیٹڈ ایک آئیڈیا ڈیولپنگ ایونٹ تھا ار تھا۔'' اسفند کی وضاحتوں سے فراز کو لطف آ رہا تھا۔

''تو پھر بھگتیں اس مروت کو، شولری کو، دلچسپی کو، اب للی ڈی سوزا جیسی لڑکی سے پیچھا چھڑانا جو ایک درد آپ کو فیس کرنا پڑے گا۔'' اسفند کی نظر اچانک سامنے لگے شیشے میں نظر آتے فراز کے اپنی ہنسی چھپاتے پڑی۔

''اوئے تم مجھے اس وقت سے ڈرا رہے ہو۔ اور کوئی حل نہیں بتاتے اس سے پیچھا چھڑانے کا۔'' وہ ہنسنے پر بھڑک کر بولا۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب دیا تھا؟'' فراز اس کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ ''میں نے آ پوچھا تھا آپ کون ہیں۔ آپ بات گول کر گئے۔ اب آپ ہی کون کون سی ڈگریاں لیے ہوئے، دنیا کی یونیورسٹیز، کالجز سے پڑھا ہوا، تقریباً تمام دنیا گھوما ہوا بندہ ایک دیسی میم کی اداؤں سے یوں ڈرے گا تو کہ جیسا مسکین یہ نہیں سمجھے گا کہ یہ شخص وہ نہیں جو نظر آتا ہے۔ آپ کی گھبراہٹوں نے میرا یہ خیال مزید پکا کر دیا۔''

''اچھا چلو ماسٹر جی کے چیلے، یہ بتاؤ کہ کس طرح ڈی سوزا کی چھٹی کروائی جائے۔'' اسفند اسی اطمینان گویا ہوا۔

''بات یہ ہے اسفند بھائی! اب فراز بھی سنجیدہ ہو گیا، لیڈی ایلیس، اس کی بیٹی جینس، اور وہ لڑکی لیتا یہ بالکل بے ضرر ہیں۔ اگر کبھی آپ ان سے مروت سے مل لیتے ہیں تو یہ سادہ لوح لوگ اس کو اپنے لیے اعز ہوئے خوش ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ خیال پختہ تر ہو جاتا ہے کہ کیونکہ وہ اس ملک میں موجود اپنی کمیونٹی سے ذرا لیے ہیں کہ ان کی رنگت نین نقش بہتر ہیں، اس لیے سوسائٹی کے بڑے لوگ ان سے ملنا برا نہیں سمجھتے۔ آپ ہے ان لوگوں کو خوش ہو لینے دیں۔ رہی بات للی ڈی سوزا کی تو آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ ایک

لڑکی ہے۔ ایسے لوگ بے چارے خواہشات کے حصول کی خواہش تو کر سکتے ہیں'' مگر کیسے اور ظاہر پرست لڑکی ہے۔ اگر یہ لڑکی اتنی تیز اور ہوشیار ہوتی جتنی خود کو ثابت کرنے کی کوششیں کر چکی کرنا ہے یہ عمر بھر نہیں جان پاتے۔ آپ کو لیڈی ایلس سے کی گئی کمٹمنٹ ہانٹ کرنی ہے نا تو پھر...... پھر ہی جو بس سروس شر کہیں پہنچ نہ چکی ہوتی۔ اس میں کسی سے کہہ کر کوشش کریں کہ اسے جاب مل جائے۔ لیڈی ایلس کو بتا دیجیے گا، لڑکی دی ہے ایر یسز جیسی، لیکن آپ کا احسان ہو جائے گا، لیڈی ایلس دوبارہ آپ سے یہ فرمائش نہیں کرے گی اللہ اللہ ہے کہ مان جائے۔ ں!''

''کمال ذہین اور باخبر لڑکے ہو تم۔'' اسفند نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا ایسی چالاکیاں بھی ماسٹر جی نے سکھائی ہیں؟''

''یہ آپ کے شہر کی دین ہے، ماسٹر جی بے چارے تو میری ایسی باتیں سن لیں تو بٹھا کر سر پر جوتیاں دس لگائیں، یں ایک بھی نہیں۔''

''شکل سے تو بڑے معصوم لگتے ہو۔'' اسفند نے کی رنگ انگلی میں گھماتے ہوئے کہا۔ ''فارغ ہو چلو سجاد ب سے مل لیں رکھواتے ہیں اس بار تمہاری پینٹنگز ''شاکر علی'' میں۔''

''ضرور، ضرور۔'' فراز نے کھڑکیوں کے آگے پردے برابر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے جیسے پچھلی مرتبہ کونیس کیا تھا، میرے خیال سے مان ہی جائیں گے۔''

''ویسے اسفند بھائی!'' باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھنے کے بعد فراز نے مسکرا کر کہا ''ایک بات آپ بھر گول کر میرا سوال ابھی بھی قائم ہے۔ آپ کون ہیں؟''

اسفند نے سر ہلاتے ہوئے چابی اگنیشن میں گھمائی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

......❁......

مانو نے اس رات اپنے بستر میں بیٹھ کر وہ لفافہ کھولا جس میں ماسٹر ہدایت اللہ کی خفیہ زندگی پوشیدہ تھی۔ اس ماسٹر ہدایت اللہ کی جوانی کی تصویر دیکھی۔ کوٹ پتلون میں ملبوس کالے بالوں اور مونچھوں والا خوش شکل نوجوان، خاتون کی تصویر، چادر کی بکل مارے جس میں کنپٹیوں کے سفید بال جھانک رہے تھے۔ مرنجان مرنج، معصوم شکل ن رقیہ بی بی زوجہ ہدایت اللہ، زمان منڈی، بہاولپور۔ تصویر کے پیچھے نیلی روشنائی میں لکھا ہوا تھا اور اس کے اوپر ں افسر کی مہر بھی تھی۔

پھر ایک چھوٹے لفافے میں ایک ہی شکل کے بچپن اور جوانی کی تصویریں تھیں۔ نیکر شرٹ میں ملبوس، نوجوان یت اللہ کے ساتھ کھڑے بچے کی تصویر جو کسی اسٹوڈیو فوٹو گرافر کا کمال تھی۔

ایک دبلے پتے نوجوان کی تصویر گلے میں تلے کا ہار پہنے کھیتوں میں کھڑے، پھیکی پڑتی روشنائی میں اس تصویر پشت پر اس کا موقعہ درج تھا۔ ''چوہدری رحمت کی بارات کے موقع پر۔'' اسی شخص کا ایک ہیرو نما سائیڈ زپوز۔ لمبی یں اور بڑھے ہوئے بال، شاہنواز احمد بی اے۔'' جس کی پشت پر درج تھا۔ مانو کو اپنی اب تک عمر میں اس شخص کو ھنے کا بے حد شوق تھا، اس شوق کی تکمیل پر اس کے دل میں ایک بے چینی کی لہر سی اٹھنے لگی۔

''کیا ان آنکھوں میں ذہانت کی وہ چمک ہے جو فراز کی آنکھوں میں ہے؟'' اس نے خود سے سوال کیا اور سر نک کر اگلی تصویر دیکھنے لگی۔ وہی نوجوان گھٹنوں تک پینٹ کے پائنچے چڑھائے ساحل سمندر پر کھڑا تھا۔

''۱۹۶۲ء ہاکس بے (کراچی) دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح کے موقع پر۔'' تصویر کی پشت پر درج تھا۔

"کچھ خاص خوش شکل بھی نہیں' فراز شکل وصورت میں بھی اس سے کہیں اچھا ہے۔" اس نے
کیا۔

اسی طرح کی کئی اور تصویریں نجانے کون کون سے مقامات کی تھیں جن کے پیچھے مقام' تاریخ تھے۔ مانو نے جلدی جلدی سرسری نظر ان پر ڈالی اور پھر ان کو دوبارہ واپس لفافوں میں رکھ کر پہلے پڑے لگانے سے شکستہ ہو رہے تھے احتیاط سے کھولے۔

پہلا کاغذ ایک بل تھا۔ جو انار کلی لاہور کے کسی بک ڈپو کا تھا اور جس میں تین کتابوں کا۔عو اندراج تھا۔ دوسرا کاغذ ڈاکٹر کا نسخہ تھا جو سیالکوٹ سی ایم ایچ کے کسی ڈاکٹر کے ہاتھ کا لکھا تھا۔ مریضہ زوجہ ہدایت اللہ ہی تھا۔ تیسرے کاغذ پر بہت خوب صورت لکھائی میں ایک شعر درج تھا۔

رو میں ہے رخش عمر دیکھیے کہاں جا تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اگلا کاغذ ایک خط تھا۔

محترم ماسٹر صاحب!

آپ کا نصیحت نامہ ملا۔ جس کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس قسم کے خطوط ار زحمت نہ کیجیے تو بہتر ہے۔ ماضی بعید کا کوئی ایسا موقع ناچیز کو یاد نہیں' جب آپ نے اس قسم کی نصیحتوں مگر فدوی پر جن کا ذرہ بھر اثر ہوا ہو۔ وجہ اس گستاخی کی یہ ہے کہ ناچیز کا خیال ہے کہ قدرت کی پیدا کرد الگ مٹی سے اٹھا ہے۔ سو جب میٹریل میں ہی فرق ہو تو پھر سوچ ایک جیسی کیسے ہو سکتی ہے۔ لہذا حضور پھر دست بدست عرض ہے کہ پند ونصائح کے ٹوکرے جو آپ مجھے ارسال کرتے ہیں بے فائدہ ثابت ہ ہے کہ خرچہ ڈاک کے عوض حالات' صحت' طبیعت وغیرہ وغیرہ ہی سے آگاہ کریں۔ کیونکہ فدوی پ چڑھاؤ کا اثر زیادہ بہتر ہوگا۔

بستی بھر میں سب کو درجہ بدرجہ سلام عرض۔
چچی اماں کی خدمت میں سر جھکا کر سلام۔
فدوی شاہنواز احمد

"میرے خدا! کس قدر گستاخ' بے ادب اور بدقسمت شخص ہے یہ۔" بے اختیار مانو نے سوچا۔ ہیں گاؤں کے لوگ اور ٹھیک کرتے ہیں ماسٹر جی اس کے متعلق کوئی تبصرہ وغیرہ نہ کر کے' بہت اچھا ہے کی یادیں اور تصویریں یونہی ٹرنکوں میں مقفل رکھی جائیں' ان کو کھول کر دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" میں سخت خفا ہوئی اور شائد اسی خفگی کے مارے دیگر خطوط کو ہاتھ بھی نہ لگاتی مگر تجسس نے ایک بار پھر نقد خط بھی ماسٹر صاحب کے نام تھا۔

"چلیں آپ کے میٹا فیزیکل ڈریمز میں سے ایک کی تعبیر تو ملی۔ آپ حج کر آئے۔ اب بقول سکون سے ہو سکتا ہے۔ کیسے کیسے تصورات میں وہ اپنے تئیں ان تمام زیادتیوں اور اذیتوں سے بری الذ ہیں جو وہ دوسروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ معاملات تو ہم اس خدا پر چھوڑتے ہیں جس پر ہما یقین ہے جتنا آپ کا ہے' یہ اور بات ہے کہ آپ اس بات کو نہیں مانتے دیگر تمام حالات سے خیریت ک علاوہ مطلع ہو کہ فدوی نے ڈیزائننگ کا ایک سمسٹر پاس کر لیا ہے اور آج کل مجسمہ سازی کا کورس پڑھ

جو آپ پر قیامت بن کر برس سکتی ہیں' کبھی نہ سناتا اگر یہ خیال دل میں نہ ہوتا کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کی کے دائرے سے نکل کر اتنا لاچار ہو چکا ہے کہ کچھ کرنے سے قاصر ہی ہو گیا ہے۔ دل وجاں باقی' امکان احساب ہے۔

والسلام ایک گستاخ اور بے ادب' شاہنواز احمد

"کیسے کیسے صدموں سے گزرنا پڑا ہوگا ماسٹر جی کو اس نالائق بھتیجے کے ہاتھوں' اور لوگ کہتے ہیں کہ وہ نہایت ین اور کامیاب شخص تھا۔ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے ایسا شخص جو ایسا پیار بھرا دل رکھنے والے شخص کے حضور یوں ال کرے۔"

مانو کے اپنے تبصرے دل ہی دل میں جاری تھے۔ پھر ایک اور خط اس نے کھولا۔

قبلہ ماسٹر صاحب!

بعد از سلام عرض ہے کہ آپ اگرچہ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ ایسے نالائق اور نافرمان کا یہ نصیب کہاں کہ کسی دوسرے خوشی میں شریک ہوں اور اپنے احساسات کا اظہار کروں۔ مگر ناچیز کا مدعا یہ ہے کہ یہ اطلاع جو مجھے موصول ترمہ ومکرمہ چچی صاحبہ کی رحلت کی دوسرے کا غم نہیں میرا اپنا دکھ ہے۔ اور اسے میں تنہا مناؤں یا تعزیت کے نے والوں کے ساتھ یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔

چچی صاحبہ کے دنیا سے چلے جانے پر جہاں میرا احساس یہ ہے کہ میں اب اس دنیا میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں' سوال بھی دل میں اٹھتا ہے کہ اب بستی کمال پور سے میرا تعلق بھی کیا رہ گیا ہے۔ مٹی کے ایک بے جان ڈھیر پر ں دور بیٹھا فاتحہ پڑھوں یا وہاں جا کر کیا فرق پڑتا ہے۔

آپ تو عرصہ پہلے مجھے اپنی دعاؤں' رہنمائی اور غم وخوشی میں شرکت سے عاق کر چکے ہیں لہٰذا میری موجودگی ی کونے میں بھی ہو' فرق نہیں پڑتا۔ آپ کی کتاب میں تو میں ناخلف' گستاخ اور بے ادب ہوں مگر وہ دو ہاتھ یری تمام تر گستاخیوں اور بے ادبی کے باوجود صرف میرے لیے دعا کرنے کو اٹھتے تھے' وہ بھی رخصت

آپ خوش ہو جائیے۔ اب آپ کے تئیں میرے جیسے انسان کا جو انجام ہونا چاہیے' اس تک پہنچنے سے مجھے کوئی ا سکتا۔

ناخلف' بے ادب' شاہنواز احمد

ٹرنک کی پاکٹ سے نکلنے والے چھوٹے براؤن کاغذ میں اسی نوجوان اور ایک سیاہی مائل رنگت کی حامل ی تصویر تھی۔ شاہنواز احمد ہمراہ نسرین کلثوم ۱۰ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۳ء پشت پر درج تھا۔

"ماشاءاللہ کیا جوڑی ہے' صاحبزادے نے لٹیا ڈبوئی۔"

مانو کے دل نے ایک اور تبصرہ کیا۔ زوجہ شاہنواز احمد بے حد مسکین شکل خاتون تھیں اور جتنا اونچا مزاج شاہنواز جاتا تھا اس کے مطابق وہ ان کی اپنی چوائس ہرگز معلوم نہ ہوتی تھیں۔

ساتھ والے کمرے سے اماں کے اٹھنے کی آواز پر مانو نے تیزی سے بکھری ہوئی تصویریں اور خطوط سمیٹے اور ی لفافے میں ڈال دیے۔

"بس کر مانو؟ اتنا پڑھ کر یہ نہ ہو کہ دماغ میں بجائے کچھ بیٹھنے کے سب کچھ نکل جائے۔" اماں نے بلب جلتے رے میں جھانکا۔

''سوچا میری بیٹی؟ لوگ پڑھائی ہی نہیں شکل وصورت بھی دیکھتے ہیں۔''

یہ وہ جملہ تھا جو اماں نجانے دن میں کتنی مرتبہ دہراتی تھی۔

مانو چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ ماں' باپ اور بھائیوں کی لاڈلی تھی اور اس کی اماں اس کی ش کے متعلق بہت فکر مند رہتی تھی۔ اسے اتنی بار بی اے کا امتحان دینے کی اجازت بھی اماں نے ماسٹر صاحب دی تھی۔ کیونکہ اس کے اپنے گھر تھے اور ان کی کہی بات سے منہ موڑنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ مانو اگرچہ پرچے میں پاس نہ ہو پاتی تھی' مگر اسے معلومات حاصل کرنے کا اور مختلف علوم کے متعلق بحث مباحثے شاید یہی وجہ تھی کہ طالبات میں سے وہ ماسٹر صاحب کی چہیتی طالبہ تھی اور وہ اسے اعلیٰ تعلیم دلوانے کا ء تھے۔

لائٹ بند کر کے اپنے گرم بستر میں لیٹتے ہوئے نجانے کیوں مانو کے دل میں ایک اطمینان سا تھا. تھایا ہے یہ شاہنواز احمد' فراز بہر حال اس سے ہر معاملے میں بہت بہتر ہے۔'' اسے خود بھی علم نہیں تھا کہ کیوں کر رہی ہے۔

......۞......

فراز کو بھائی دل نواز سے ماسٹر صاحب کی بیماری کی خبر ملی تھی۔ بھائی دل نواز نے اسے لاہور سے اسپرے کے کسی برانڈ کے دو ڈبے بھجوانے کے لیے خط لکھا تھا ساتھ میں ماسٹر صاحب کی طبیعت کی خرابی میں بھی بتایا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ایسی اطلاع ملتے ہی فوراً گاؤں کی طرف روانہ ہو جاتا' مگر یہ وہ اسفند کی دلچسپی اور تعلقات کی وجہ سے اس کی حال ہی میں مکمل ہونے والی سیریز حمائل گیلریز میں نمائش تیاری اپنے عروج پر تھی۔ اسے اتفاقیہ یہ موقع ملا تھا وہ ایک دن بھی شہر سے غائب ہونا نہیں چاہتا تھا۔

اسفند کے مشورے پر اس نے ایک آرٹ انسٹی ٹیوٹ کی ایوننگ کلاسز میں ایڈمیشن بھی لے لیا وقت اسفند کی وولن ملز میں ایک کلیریکل جاب بھی اسے اگلے ماہ کی پہلی تاریخ کو جوائن کرنا بھی۔ یہ ایسا جسے وہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ جب ہی بھائی دل نواز کے خط کی آخری لائن کو اس نے دانستہ جس میں لکھا تھا۔

''ماسٹر صاحب اکثر تمہارا پوچھتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ کیا تمہارا ادھر آنے کا کوئی پروگرام تمہیں دعائیں بھی دیتے ہیں۔''

اس نے ایک خط بنام ماسٹر صاحب لکھ کر کسی امتحان کی وجہ سے فوری پہنچنے اور بالمشافہ ان کی خیر کرنے سے معذرت کر ڈالی تھی۔ اگرچہ اس سرد مہری پر دل میں ایک خلش کی چبھن وہ کئی دن محسوس خصوصاً یہ جملہ جب اسکے کان میں بازگشت کرتا۔

''وہ تمہیں دعائیں دیتے ہیں۔''

اسے لگتا اسفند سے اتفاقیہ ملاقات اور زندگی میں اس کے نتیجے میں آنے والی تبدیلیاں سب دعاؤں کا نتیجہ تھیں۔ ایک ڈیڑھ ماہ پیشتر تو وہ اس سب کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اسے اسفند پر بھی حیرت ہوتی اور وہ اکثر سوچتا کہ اس مصروف دور میں معاشرے کے سب سے تعلق رکھنے والا وہ کون شخص تھا جو یوں اس جیسے ہاتھ پاؤں مارتے لوگوں کا گاڈ فادر بننے کو تیار رہتا ملاقات میں ہونے والی شاہنواز احمد کی گفتگو بھی یاد آتی' اسے خیال گزرتا کہ وہ اسی قسم تجربات کی

شکل میں ڈھلے ہوں گے جس میں سے وہ خود گزر رہا تھا۔ انہوں نے اسے بھاگ جانے اور فرار حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا' مگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے خداداد ٹیلنٹ سے آگاہی تھی وہ اس ٹیلنٹ کو آزمانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے ٹیلنٹ کو اسفند جیسے گاڈ فادر کی ضرورت تھی اور وہ غالباً ماسٹر جی کی دعاؤں کی بدولت اسے مل چکا تھا۔

اس روز بھی وہ صبح دس بجے اسفند کے آفس میں اس سے ملنے گیا تھا اور اس کی سیکریٹری کے کہنے پر کہ اسفند مصروف ہے اس نے ڈیڑھ گھنٹہ باہر ریسپشن پر رکھے صوفے پر بیٹھے گزار دیے۔

''بھئی عجیب شخص ہو تم!'' اپنے اندر بلائے جانے پر اسفند سے جھاڑ بھی کھانا پڑی۔

''باہر بیٹھے کس کی شکل دیکھ رہے تھے' تم نے مجھے میسج کیوں نہیں بھجوایا کہ یہ تم ہو جو آئے ہوئے ہو۔'' اسفند کہنے لگا۔ اس کی ڈانٹ میں بھی اپنائیت تھی۔

''اس شخص کو مجھ میں کیا نظر آیا جو اس کی نظر کرم میں مستحق ہو گیا۔'' فراز نے اسے بولتے دیکھ کر سوچا۔

''تم میرے لیے قطعی اجنبی نہیں ہو فراز! میں تمہارے ساتھ ایک رشتہ محسوس کرتا ہوں جو کچھ عرصہ پہلے میں نے کھو دیا تھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے تمہاری شکل میں وہ مجھے دوبارہ مل گیا ہے۔'' اس کے کانوں نے اسفند کی بات سنی۔ ''کوئی تکلف' کوئی جھجک اگر تم محسوس کرو گے تو مجھے تکلیف ہو گی' میرا دل چاہتا ہے میں تمہارا اسی طرح خیال رکھوں جیسے میرا بھائی میرا رکھتا تھا۔''

وہ لب بھینچے اسفند کی بات سن رہا تھا۔

''یہ تو تمہارا اصرار تھا کہ تم جاب کرنا چاہتے ہو اور یہ تمہارا اندازہ تھا کہ تم ناتجربہ کار ہو اور فی الحال چھوٹی موٹی جاب ہی کر سکتے ہو' ورنہ میں تو تمہیں اس تردد سے بچا کر تمہارا کیریر بنانا چاہتا ہوں' ویسا ہی جیسا تم چاہتے ہو۔ اگر میرے خلوص میں کوئی کمی محسوس کرتے ہو تو بتاؤ۔'' فراز نے ایک مرتبہ آنکھ اٹھا کر اس شاندار دفتر کے طمطراق کا جائزہ لیا اور اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔

''لوگ کہتے ہیں کہ کبھی یہ شخص بددماغ اور اونچی شان والا سمجھا جاتا تھا۔ واقعات و حادثات شخصیتوں اور زندگیوں میں ایسی بڑی بڑی تبدیلیاں لاتے ہیں کبھی صرف پڑھا تھا' اب دیکھ بھی لیا۔'' وہ چپ چاپ سوچے گیا۔

''لیڈی ایلس نے مجھے وہ کارڈ دکھایا جو آپ نے نیو ایئر پر اسے بھجوایا' اسفند بھائی! یہ مجھے بڑا ہی بالا کارڈ بھجوانے کا سلسلہ کیا ہے؟''

اس نے ماحول کی سنجیدگی اور آزردگی دور کرنے کی خاطر حسب عادت مزاحیہ انداز میں کہا۔

''اوہ کم آن فراز!'' اسفند بھی بے اختیار مسکرا دیا۔ ''اس رات مجھے اچانک خیال آیا کہ فون کال میں ان کو کر نہیں سکتا' جانے کا ٹائم نہیں تھا کوریئر سے کارڈ ہی بھجوا دوں۔ تم ہی تو کہتے ہو اگر ہماری توجہ سے وہ لوگ خوش رہتے ہیں تو ایسا کرنے میں کیا حرج ہے۔''

''تائیں یہ تو بڑا بلیسنگ والا بات اے کہ تمہارا جیسا لوگ کو ایسا کرنے کا خیال آیا اوپر والا ٹم کو اس نیکی کا بڑا بدلہ دینا والا اے۔ اونالی اس کو مالوم اے کہ کس والا آدمی کو کیسا والا ریٹرن کرنا اے۔''

فراز نے ایلس کے انداز میں جواب دیا' اسفند کو اپنی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

''پورے مسخرے ہو تم' کیسی زبردست کاپی کرتے ہو۔ اصل میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا ان لوگوں میں بہت ہو گیا ہے نا۔'' اس نے کہا۔

''چہ چہ۔'' فراز نے ایک مرتبہ پھر ایلس کی طرح کہا ''تم ان کا جیسا لوگ کے ساتھ ریلیشن شپ ڈ
کولاف آؤٹ کرتا' ینگ میں دس ازاے پورا ایگزامپل۔''

''اچھا لیڈی ایلس کے میل ورژن صاحب غلطی ہوگئی ہے معاف کیجیے۔'' اسفند نے مسکرا کر ہاتھ
آ تمہیں ایک خاص کام سے بلایا تھا' کہو کرو گے؟''

''کیوں نہیں' آپ کہیں۔'' فراز نے فوراً سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''ہماری ایک استانی صاحبہ ہوا کرتی تھیں بچپن میں' جو ہمیں سپارہ پڑھایا کرتی تھی۔ یہ اس زمانے کی با
جب ہم اندرون لاہور میں رہتے تھے اور دھن کی یہ اندھی بارش ہم پر ابھی نہیں ہوئی تھی۔''

اسفند اس معاملے میں چند لوگوں کے سامنے بے حد صاف گوئی سے کام لیتا تھا۔ فراز بھی ان میں
تھا۔

''بہت نیک عبادت گزار خاتون تھیں۔ جب تم ماسٹر ہدایت اللہ کا ذکر کرتے ہو تو مجھے اچانک وہ یا
ہیں۔''

''پھر؟'' فراز نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''جب سے اس محلے سے دانہ پانی اٹھا مارے اسٹیٹس کے بخار میں مبتلا ہو کے ہم نے وہاں کے لوگو
ملانا چھوڑ دیا۔ یہ ہمارے والدین کا اصول نمبر ایک تھا۔ نئی تمدنی زندگی کے آغاز پر۔''

''ایک منٹ اسفند بھائی!'' فراز نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کو قطع کیا ''یہ آپ اتنی گاڑھی اردو کیسے
ہیں جبکہ تعلیم آپ نے باہر سے حاصل کی ہے۔''

''یہ چیفس کالج کے ایک استاد مکرم کا کمال ہے۔
منی باجی' جن سے تم ملے بھی ہو۔ ان کے میاں جو تاریخ ہم کو انگریزی میں پڑھاتے تھے' مگر نجی محف
ہم سے خالص اردو بولتے تھے۔'' اسفند نے اسی روانی سے جواب دیا۔

''ہاں تو ذکر ہو رہا تھا بی بی زینب کا جو ہمیں سپارہ پڑھاتی تھیں۔ اب اتنے سالوں بعد یہ سن کر کہ
وفات پر وہ تعزیت کے لیے ممی کے پاس آئی تھیں' اور کچھ تم سے تذکرۂ ہدایت اللہ سن کر دل چاہا کہ ایک م
ان سے ملوں' دیکھوں وہ کیسی ہیں۔ بہت پتہ کروانے پر معلوم ہوا کہ ہمارے ایک سابقہ ڈرائیور صاحب ان
میں رہتے تھے۔ شہری کی تعزیت کے لیے بھی وہی ان کو گھر لائے تھے۔ ان کو ڈھونڈ کر پتہ' گلی نمبر' مکان نمبر وغ
معلوم کیا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ آج ادھر جاؤں۔ چلو گے؟''

''کیوں نہیں' ضرور۔'' فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

لاہور فراز کے لیے بھی بہت پرانا نہیں تھا۔ خصوصاً جن راستوں پر اسفند اسے لے جا رہا تھا۔ وہ ان۔
ناواقف تھا اسے کہتے ہیں Lahore of city walled' اسفند نے موچی دروازے میں داخل ہو
کہا۔ اس کی گاڑی باہر ایک کھلے سے احاطے میں کھڑی تھی۔ اندرون شہر کا مخصوص ماحول تھا۔ تنگ گلیاں'
مکان' مخصوص رہن سہن کے حامل لوگ۔ سروں کو چھوتے بجلی کے تار، گندی نالیاں' ننگے پاؤں بھاگتے کھیلتے۔

''اسے کلچر کہتے ہیں' بڑے آرٹسٹ لوگ یہاں کے بارے میں پینٹنگز بناتے ہیں اور فوٹو گرافر نص
بڑا نام ہے اس ثقافت کا۔'' فراز نے اسفند کو مطلع کیا۔

''تم اب کوئی نئی سیریز نہ بنانے لگ جانا پینٹنگز کی۔'' اسفند نے ایک نالی سے باہر بہتے غلیظ پانی۔

کہا۔

''آپ مجھے اتنا محدود کرنا چاہتے ہیں۔'' فراز نے فوراً جواب دیا۔

''میرا خیال ہے کسی سے پوچھ لیں گلی نمبر' مکان نمبر۔'' اسفند نے بھاگتے دوڑتے بچوں کو دیکھ کر کہا۔

''وہ زمانہ زیادہ دور کا نہیں ہے اسفند بھائی! جب آپ بھی یونہی یہاں ان گلیوں میں بھاگتے پھرتے ہوں
ذرا تصور کریں۔ اے بھائی صاحب! آپ ذرا یہ گلی نمبر' مکان نمبر بتائیں گے؟''

اسفند پر جملہ کستے ہوئے فراز نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک شخص سے پوچھا اور اسے کاغذ دکھایا۔ اس
نے جس طرف اشارہ کیا۔ اس کی سمت دیکھتے ہوئے اچانک اس کی نظر اس مخصوص ماحول سے یکسر مختلف ایک
پر پڑی۔ اسفند بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا اور بے جان سا ہو رہا تھا۔ وہ لڑکی اس گلی سے نکل کر سامنے والی گلی میں
ہوگئی۔ یہ شکل شناسا تھی مگر اس نے کہاں دیکھی تھی' اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

''اسفند بھائی!'' اس نے اسفند کو بلایا۔

''ہوں!'' وہ جیسے ہوش میں آ گیا۔

''ادھر والی گلی کا بتا رہے ہیں یہ صاحب!'' اس نے کہا اور آگے چل دیا۔ اسفند اس کے پیچھے ہو لیا۔ مکان نمبر
طابق مکان ڈھونڈ کر اس کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے بھی اپنے دھیان میں گلی سے گزرتی اس لڑکی کی
اس کے ذہن میں تھی۔

''میں نے اسے کہاں دیکھا ہے؟'' وہ سوچ رہا تھا اور دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کے ذہن میں ایک منظر نے
کر اسے یاد دلا دیا تھا کہ وہ مانوس شکل اس نے پہلے کہاں دیکھی تھی۔

بی بی زینب کا اسفند کی آمد پر ردعمل فراز کی توقع سے کہیں بڑھ کر پرجوش تھا۔ ان کی سمجھ میں
اسفند کو کہاں بٹھائیں۔ وہ اپنے اکلوتے کمرے میں موجود چیزیں سمیٹتے ہوئے مسلسل باتیں کر رہی تھ
بچپن کی باتیں' چھوٹی چھوٹی یادیں' ایسے واقعات جن پر ہنسی آتی تھی۔ اسفند کے دادا' اس کے وال
محلے والوں کی باتیں' ان میں سے بہت سے لوگوں کو اسفند نہیں جانتا تھا۔ پھر بھی دلچسپی سے ان کی با
ان کی باتوں کے جواب بھی دے رہا تھا اور فراز خاموشی سے بی بی زینب کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ ج
منظر پیش کر رہا تھا۔ پھر وہ شہریار کا ذکر کرنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور لہجے میں لرزش
''میں تمہاری ماں کے پاس گئی تھی' لیکن اسے شاید میرا وہاں آنا اچھا نہیں لگا۔'' انہوں ۔
دیکھا۔ اسفند نے شرمندہ سا ہو کر سر جھکا لیا تھا۔

''اب شہری کی موت پر میرا جو حال ہوگا' اسے وہی جان سکتا ہے جو شہری اور تمہارے ساتھ می
ہو۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔ ''رابعہ جانتی تھی مگر اسے شاید یاد نہیں رہا کہ ہمارا' اس کا کبھی کوئی تعلق تھا' وقت
گیا۔'' ان کے لہجے میں مایوسی آ گئی۔ ''مگر اب یہ تمہارا آنا ظاہر کرتا ہے کہ کہیں اپنائیت تھی ضرور۔ پھ
کچھ خیال آیا۔ وہ خوش ہو کر بولیں۔

''تمہیں یاد تھی میں؟ تمہیں یہاں آنے کا خیال کیسے آیا؟'' انہوں نے اسفند کو محبت بھری نظ
ہوئے پوچھا۔ تو شہریار انہیں دیکھ کر رہ گیا بی بی زینب بھی شاید جواب نہیں چاہتی تھیں وہ چائے بنا
گئیں۔

''بی بی زینب! پچھلے کچھ سالوں میں کبھی شہری سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے؟''
بی بی زینب چائے بنا کر لائیں تو اسفند نے ان سے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔ اس ۔
اور توقع تھی' فراز کو لگا جیسے وہ اتنی دور سے چل کر یہاں صرف یہ ہی بات پوچھنے آیا تھا۔
''نہیں۔ ایک بار بھی نہیں۔'' بی بی زینب نے نظریں جھکا کر کہا۔ ''اسی بات کا تو مجھے غم ہے
میں نے اسے ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ جبکہ تمہاری نسبت اسے مجھ سے زیادہ پیار تھا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' اسفند نے صاف گوئی سے کہا۔ ''وہ ہر اس شخص سے پیار کرتا تھا جو پیار کرنے
لائق تھا۔ جبکہ اپنے بارے میں میرا خیال ہے کہ میں نے زندگی کے اتنے سال بے کار ضائع کر دیے۔''
''ایسے نہیں کہتے اسفند!'' بی بی زینب نے تڑپ کر کہا۔ ''اللہ نے جو زندگی ہمیں دی ہے' وہ ہم اس کی رضا سے
ار رہے ہوتے ہیں۔ اگر تمہارے اتنے سال ضائع ہوئے ہوتے تو اب تم اس قابل کہاں ہوتے کہ اس کی جگہ
سکو۔''
''کوئی کسی کی جگہ لے سکتا ہے کبھی؟'' اسفند نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ ''یہ ناممکن سی بات ہے۔''
''تو پھر تمہارے خیال میں تم کیا کر رہے ہو؟'' بی بی زینب کو اس کے جواب کی معصومیت پر ہنسی آئی تھی۔
''میں محض خالی جگہ پر کر رہا ہوں۔ میں ہم شکل ضرور ہوں' ہم معنی نہیں۔''
''بس اس بحث کا کیا فائدہ' اس دنیا میں جس انسان کے لیے جو کام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہوتا ہے۔ وہ وہی
تا ہے۔ ہمیں اسی بات پر قانع اور مطمئن ہو جانا چاہیے۔''
''ہاں' یہ ہی ایک دلیل ہے' جس سے خود کو مطمئن رکھا جا سکتا ہے۔'' اسفند نے مسکرا کر کہا۔
''کیوں فراز! تم تو بالکل خاموش ہو گئے یہاں آ کر؟'' اس نے فراز کو مخاطب کیا جو اس اثناء میں اس کمرے
موجود ہر چیز کا باریک بینی سے مشاہدہ کر چکا تھا۔
''میں اس محلے کے بارے میں سوچ رہا تھا اسفند بھائی!'' فراز نے اس افسردہ گفتگو کا تاثر زائل کرنے کے
کہا۔ ''ہم سوچ رہے تھے کہ زمانہ بدل گیا مگر ان محلوں کا کلچر نہیں بدلا مگر میرا خیال ہے کہ ہماری سوچ صحیح نہیں تھی
ں کے رہنے والے کچھ باسی خاصے ماڈرن ہو چکے ہیں۔''
''اے ماڈرن واڈرن کیا ہونا ہے یہاں کے لوگوں نے' بس سارا دن ٹیلی ویژن پر چلتے تماشے دیکھتے ہیں اور
بھی ویسا بننے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ گھر میں چاہے بھوک مجسم ناچ رہی ہو۔'' بی بی زینب نے تلخی سے کہا۔
''ابھی ہم نے جدیدیت کا ایک نمونہ تو باہر دیکھا ہے بی بی زینب! کیا یہاں رہنے والی لڑکیاں اتنی آزاد خیال
جدید ہیں؟''

فراز اپنے تئیں شہریار کے ذکر سے پیدا ہونے والے تناؤ کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے لگا جیسے اس
سے اسفند کے چہرے پر پھیلا تناؤ مزید گہرا ہو گیا تھا۔
''کس کو دیکھ لیا بیٹا؟'' بی بی زینب نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
''کچھ نہیں بی بی زینب! یہ جو فراز ہے نا۔ اسے باتیں بنانا بہت آتی ہیں' نجانے کس کو دیکھ لیا جو محلے کی
یدیت نظر میں آ گئی۔ جبکہ مجھے تو لگتا ہے اتنے سال وقت اس محلے' اس علاقے پر ٹھہرا ہی رہا ہے۔ تبھی آگے نہیں
ا۔''

اسفند نے خوب صورتی سے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔
''جن لوگوں پر وقت ٹھہرا نہیں بلکہ انہیں لے کر آگے کو بھاگا وہ تو محلہ چھوڑ کر ہی چلے گئے اور وہ لوگ جو وقت کا
ھ نہیں دے سکے یا پھر اپنی سست روز زندگی پر صابر و شاکر ہیں ان ہی کے دم سے محلہ آباد ہے۔ اگر کبھی یہاں کچھ
ار ہو تو دیکھو گے کہ بہت سے ایسے احساسات کا جن کا وجود تم لوگوں کی زندگیوں سے ختم ہو چکا ہے وہ کتنی گہرائی
یہاں کے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے دم کے ساتھ وابستہ ہیں' ان کی خوشیاں' غم
جھے ہیں' یہاں ذات برادری' حسب نسب کا کوئی چکر نہیں۔ یہاں تو بس سب لوگ ایک خاندان کی طرح ہی رہتے

ہیں۔'' بی بی زینب نے تفصیل سے جواب دیا۔

''آپ مجھے سنا رہی ہیں۔'' اسفند مسکرایا۔

''نہیں بیٹا!'' بی بی زینب نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا ''جن کو اللہ توفیق دیتا ہے وہ کیوں نہ اپنی حالت بہتر کی کوشش کریں، محلوں، بستیوں، شہروں اور ملکوں کی تاریخیں یونہی تو بنتی ہیں۔ کبھی نئے لوگ آ کر آباد ہوتے ہیں پرانے انہیں چھوڑ کر کہیں اور جا بستے ہیں۔ یہ تو کاروبارِ زندگی کے اصول ہیں۔''

''آپ کیا سوچ رہے ہیں اسفند بھائی؟'' بی بی زینب کے کمرے سے نکلنے پر فراز نے سوچ میں گم اس مخاطب کیا۔

''سوچ نہیں رہا ہوں، یاد کر رہا ہوں۔'' اسفند نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے کی دیوار کے ساتھ رکھی جس پیٹی اور اس کے اوپر رکھے چھوٹے ٹرنک اور بکس کو چھوتے ہوئے کہا۔ ''اتنے سال گزر گئے۔ وقت، زمانہ اور حا کتنے بدل گئے۔ انسانوں کی عمریں اور شخصیتیں بدل گئیں مگر اس گھر کا نقشہ، یہاں رکھی یہ چیزیں سب سے بڑھ کر کی واحد مکین کا دل بالکل بھی نہیں بدلا۔ فراز! جب ہم یہاں پڑھنے آتے تھے تو شہری تو بڑے سکون سے جو جاتا تھا، اسے پڑھ کر دہراتا رہتا تھا مگر مجھے جیسے کسی کل چین نہیں تھا۔ کبھی اس پیٹی پر چڑھ جاتا، کبھی اس اوپر روشن دان سے باہر جھانکنے کی کوشش کرتا اور شہری نیچے مجھے تنبیہ کرتا رہتا۔ اسفی نیچے اترو، بی بی زینب ماریں گی یاد کر لو ورنہ انہوں نے گھر نہیں جانے دینا۔''

فراز دیکھ رہا تھا کہ اسفند کے چہرے پر تاسف، دکھ تھا۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ بہت دور ماضی جھلملاہٹوں میں کھویا ہوا تھا۔

''باہر دیکھیں اسفند بھائی! بی بی زینب کا صحن بچوں سے بھر گیا ہے۔ سال، وقت، زمانہ، حالات تو بدل گئے منظر ابھی بھی نہیں بدلا۔ دیکھیں کتنی اچھی قسمت والی ہیں بی بی زینب، اتنے برسوں سے لوگوں کو روشنی اور علم کی د ٹرانسفر کر رہی ہیں۔'' اس نے اسفند کا دھیان بٹانے کی خاطر کہا۔

اسفند اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ ''کیسی ٹپیکل کتابی باتیں کر رہے ہو۔''

''آپ یوں ہی سمجھ لیں۔'' فراز جھینپ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ اب چلیں۔'' اسفند نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ بی بی زینب جو جلدی جلدی بچوں کو دے رہی تھیں۔ انہیں باہر نکلتا دیکھ کر سیدھی ہوئیں۔

''ارے اتنی جلدی چل پڑے، ابھی کچھ دیر تو بیٹھو۔'' وہ اسفند سے مخاطب ہوئیں۔

''میں پھر آؤں گا بی بی زینب! اب تو آتا ہی رہوں گا'' اسفند نے ان کے سامنے جھک کر کہا تو بی بی ز نے اس کا سر چوم لیا۔

اور جب وہ دونوں شام کی پھیلتی تاریکی میں اس پرانے محلے کی تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے واپس گاڑی طرف جا رہے تھے تو نیم تاریکی کی گہری خاموشی کو توڑتے ہوئے فراز نے اسفند کو مخاطب کیا۔

''اسفند بھائی! اب آپ پر میرا دوسرا سوال واجب الجواب ہو گیا۔''

''وہ کیا؟'' اسفند نے گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے پوچھا۔

''پچھلی گلی میں سے گزرتی اس لڑکی کو دیکھ کر آپ ٹھٹکے کیوں تھے؟''

اسفند نے گاڑی کا کھلا دروازہ پکڑ کر کچھ دیر اسے غور سے دیکھا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا ''چلو

ہیں۔'' اس نے کہا تھا۔

واپسی کے سفر میں ان دونوں کے درمیان پھر کوئی بات نہیں ہوئی۔ گاڑی میں مسلسل خاموشی رہی تھی۔ ہیلو ڈیئر نیو (نئی) ڈائری! اتنے سالوں میں نجانے کتنی ڈائریاں بھر چکی ہیں اور اب تم میرے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنے جا رہی ہو اور یہ سال تو ایسا چڑھا ہے کہ مجھے دنوں سے خوف سا آنے لگا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وقت تیزی سے بھاگ رہا ہے اور زندگی کے دن رفتہ رفتہ کم سے کم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ زندگی کے دنوں کے تصور کے ساتھ مجھے پرانے ابتدائی وقتوں کی بیتی گھڑیاں یاد آتی ہیں ریت اوپر کے حصے سے نیچے گرتی جاتی تھی اور دن ختم ہو جاتا تھا۔ ایسا ہی زندگی کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ لمحہ لمحہ کم ہوتی جاتی ہے اور پھر اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ زندگی کا نیا چکر نئے دن کی طرح کبھی شروع نہیں ہوتا اور ہم انسان اسی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہوئے نجانے کیا کیا منصوبے بنائے جاتے ہیں، منافقت کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، دھوکا دیتے ہیں۔ کچھ حاصل کرنے کے جنون میں پاگل رہتے ہیں اور جب وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو پھر کسی نئی چیز کے حصول کو تمنا بنا لیتے ہیں۔

ڈیئر نیو ڈائری! مجھے آج کل دن رات ایسے ہی خیال ستاتے ہیں۔ نجانے کیوں ان دنوں میرا دل چاہنے لگا ہے کہ زندگی کی اس ریت گھڑی کو ڈاؤن سائیڈ اپ کر دوں تاکہ پھر سے یہ چکر شروع ہو سکے۔ ہاہاہا پیاری نئی سہیلی! اگر میرے حلقے کے لوگ میرے ان نادر خیالات کو سن لیں تو ایک عہد آفریں مصور مجسمہ ساز، نقاد، مبصر، مصنف اور نجانے کیا کیا کا سارا امیج کس بری طرح مسخ ہو جائے۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں جب ہی تو ڈائریوں پر ڈائریاں لکھتا ہوں، دل کی باتیں بے جان صفحوں کو سناتا ہوں اور پھر اپنے چہرے پر کوئی دوسرا نقاب چڑھا کر مجمع میں جا ملتا ہوں۔ مجھے اس بات پر خود بھی ہنسی آ رہی ہے، مگر ساتھ ہی نجانے کیوں مجھے اپنی آنکھوں میں نمی بھی محسوس ہونے لگی ہے۔ ٹھہرو ذرا، میں خود کو حواس میں لے آؤں۔ ڈیئر ڈائری! لوگ کہتے ہیں کہ شراب جتنی پرانی ہو جائے اتنی ہی اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ کرانتی کا جو پیگ میں نے ابھی چڑھایا ہے، یہ پانچ سال پہلے مجھے میرے انڈین دوست پروفیسر رام ناتھ نے تحفے میں دی تھی۔ پروفیسر رام ناتھ کو سورگباش ہوئے، تیسرا سال چڑھنے والا ہے۔ میں ان کی آتما کے سکون کے لیے دعا کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کے دیے اس تحفے نے مجھے اس وقت سکون بخشا۔

میری پیاری نئی سہیلی! تمہاری پچھلی بہن بند کو میں ایک کہانی سنا رہا تھا۔ ایک بچے کی کہانی اور اس کے آخری صفحے پر یہ کہانی ایک بہت اہم موڑ پر پہنچ چکی تھی۔

میں اس بچے کے لڑکپن یا پھر شاید نوجوانی تک پہنچا تھا۔ جب وہ اپنے عاشقانہ نمبر کے ٹارگٹ نمبر دو تک پہنچا تھا۔

ڈیئر ڈائری! اس طالب علم نوجوان کو صنف مخالف کی اس نوجوان حسینہ کے رنگوں اور برشوں نے اپنے دام الفت میں الجھا لیا اور عشق کی تاریخ کے نئے باب کا آغاز ہو گیا۔ ہر ویک اینڈ پر نوجوان ویمن کالج کے گیٹ پر پایا جانے لگا اور پھر گاؤں کی طرف واپسی کا راستہ ٹرین کے ایک ہی ڈبے میں بیٹھ کر طے ہونے لگا۔

لڑکی ایک قریبی گاؤں کی باسی تھی اور کسی مشہور زمانہ چوہدری صاحب کی بیٹی تھی۔ وہ شہر جہاں وہ تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے نیا نہیں تھا۔ وہ علاقہ نیا نہیں تھا مگر اس سستے عشق کا جادو چند ملاقاتوں ہی میں سر چڑھ کر بولنے لگا تھا۔ یوں کہ اردگرد کے حالات سے بے خبری بڑھنے لگی۔

اس داستان عشق کا آغاز ہوئے دوسرا ماہ ہی شروع ہوا تھا کہ چوہدری صاحب کے بھتیجے اور اس کے بندوں نے نوجوان کو دوران سفر دھر لیا۔ اور اچھی طرح خبر لی وہ چار چوٹ کی مار عرصہ دراز تک نہ بھولی اس کو اور معاملہ قبلہ چچا

صاحب تک بھی پہنچا دیا گیا۔ زخموں سے چور جب وہ گھر پہنچا تو چچا صاحب کی لاٹھی جو آج تک صرف تہ کے نشان کے طور پر پڑھائی کے دوران قریب دھری رہتی تھی۔ پہلی مرتبہ اٹھی اور جی بھر کر معصوم نوجوان بیچارا قریب المرگ تھا جب ماں' ٹھنڈی چھاؤں جیسی چاچی نے اسے بمشکل اس صورتِ حال سے بچایا او تک گرم پانی میں نمک گھول گھول کر اس کی ٹکور کرتی رہی۔ تیل میں ہلدی جلا کر زخموں پر پھاہے رکھتی رہی

چچا صاحب کی غیرت و غصے کا کوئی حال نہ تھا۔ وہ اعلان کر رہے تھے کہ اپنی منقولہ و غیرہ منقولہ نا سے معصوم نوجوان کو عاق کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر گاؤں کے بزرگوں کے سمجھانے پر اور چاچی صاحبہ کی ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے ارادے سے باز آ گئے۔

یہ واقعہ اخلاقیات کی کون سی حدود کو عبور کر گیا تھا' یہ بات اس نوجوان کو عرصے تک سمجھ میں نہیں آئی جو بات بیٹھ گئی' وہ صرف یہ تھی کہ یہ کیسی زندگی ہے جس کو گزارنے کے لیے انسان کو دوسروں کے اصولوں ہے۔ اسے معاشرے کے لوگوں' اخلاق و روایات کی حدود قیود' غیرت و حیا کے اصولوں سے نفرت ہونے پہلے سے باغی دل مزید بغاوت پکڑ گیا۔

''یہ یہاں رہے گا تو یہاں کے آوارہ مزاج لڑکوں کے رنگ میں رنگا جائے گا۔ اسے یہاں کا ہوئے تو شرم آتی ہے' پھر چچا صاحب نے ایک اور نادر شاہی فرمان جاری کیا۔

اس نوجوان کے تصور میں کئی خوفناک خواب ابھرے۔

''گھر سے دور' گاؤں سے دور' ماؤں جیسی چچی سے دور' زندگی کے ہر مانوس احسان سے دور وہ مح بھیج دیا جائے گا کہ اس کی کفالت ظالم چچا کے سپرد تھی۔'' اس کی آنکھوں میں خون اترنے لگتا اور دل احساس ابھرنے لگتا۔

جبکہ خلق خدا کی رائے بالکل مختلف تھی۔

''کہاں پائے جاتے ہیں ایسے چاچے' یہ تو اس بچے کی خوش نصیبی ہے جو اسے ایسا چاچا ملا' اتنے خ شہر لاہور میں پڑھنے بھیج رہا ہے۔ ہم تو یہاں سے سیالکوٹ بھیجنے سے بیزار ہیں اپنے بچوں کو۔ یہ بچہ کیسا ہے جو ماسٹر صاحب اس کو لاہور بھیج رہے ہیں۔'' لیجنڈری ہیرو ماسٹر صاحب کے قد میں اور اضافہ ہو گ جوان کے دل پر گرتے آنسوؤں کو کسی نے نہیں دیکھا۔

جس روز اس کو لاہور بھجوایا جانا تھا۔ اس روز وہ اور اس کی چاچی ساری رات روتے رہے۔ دل کی زبان میں ایک دوسرے سے کہنے کے بعد وہ صبح اٹھے تھے۔ اسے رخصت کرنے لوگ یوں آئے جیسے ملک رخصت کیا جاتا ہے۔ اس کے ننھے سے اٹیچی کیس میں چھوٹے چھوٹے تحائف کا ڈھیر لگ گیا مگر اسے اور پیار زہر لگ رہا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہ سب اسے چچا صاحب کے طفیل مل رہا تھا اور اس کا اپنا کمال نہیں تھا۔ دوسرے اسے اپنا اس مانوس ماحول سے کہیں دور جانا بری طرح محسوس ہو رہا تھا۔ مگر وہ لب کچھ دیکھ رہا تھا اور ان تمام کیفیتوں سے گزر رہا تھا' جبکہ اس کے اندر کہیں کوئی بہت بری طرح چلا چلا کر داستانیں سنا رہا تھا۔ انتقام کی کہانیاں بیان کر رہا تھا اور اسے سرکشی پر مائل کرتی یہ آوازیں بھلی محسوس ہو رہ

اب تم خود سوچو ڈیئر ڈائری! کیا اسے یہ سب اچھا لگ سکتا تھا؟ کیا اسے اپنے چچا کی شخصیت قابل لگنا چاہیے تھی کیا وہ سب کچھ سمجھنے میں حق بجانب نہیں تھا جوان سارے حالات سے اس نے سمجھا؟ میں وہ قطعی حق بجانب تھا۔ اسے ایسا سوچنا چاہیے تھا۔ سو اس نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کر لیا۔

لاہور جیسے بڑے شہر میں پہنچ کر اس نے خود سے عہد کیا کہ وہ ان خطوط پر ہرگز نہ چلے گا جو اس کے چچا نے اس لیے بھیجے تھے۔ وہ زمانہ کم ذرائع آمد و رفت کا زمانہ تھا۔ نہ کوئی گھر سے آ کر بار بار خیریت دریافت کرنے والا' نہ ادھر کی خبر ادھر دینے والا۔ سو اس نے چچا صاحب کے بتائے مضامین سے لے کر خود سے متعلق ہر شے بدل

دانستہ طور پر ہر وہ کام کیا جو چچا صاحب کی منشاء کے عین خلاف تھا۔ وہ بزعم خود چچا صاحب سے انتقام لے رہا مہینوں مہینوں واپس گاؤں نہ جاتا تھا اور شہر کے ہر نئے رنگ کو قبول کیے جا رہا تھا۔ چاہتا تو وہ یہ تھا کہ خود کو افن ری کی دنیا میں ایک عظیم نام کے طور پر منوائے مگر جانتا نہیں تھا کہ اس مقصد کے حصول کے لیے اسے کن کن لات سے گزرنا پڑے گا اور وہ کن کن مشکلات سے گزرا' یہ پھر کسی ملاقات میں بتاؤں گا۔ ڈیئر ڈاری! ابھی تو نیند آ رہی ہے۔ سو چلو سوتے ہیں۔ اوکے گڈ نائٹ مائی ڈیئر ڈائری۔

مانو نے دور آسمان پر اڑتے پرندوں کے غول کو شام پڑے واپس اپنے بسیروں کی طرف جاتے دیکھا۔ بڑھتی م کی آمد پر دن کے سارے رنگ مدھم پڑ رہے تھے۔ وہ سہ پہر سے چھت پر کتاب لیے بیٹھی تھی اور اس کتاب کے رجات رٹنے میں اتنی مشغول تھی کہ اپنے اردگرد سے بے خبر رہی تھی۔ اب اس نے سر اٹھا کر شام کے پھیلتے دں کو دیکھا تھا اور چہار طرف کے منظر کو بھی۔ اس کے اردگرد مکانوں کی کچی چھتوں پر چڑھے بچے' بڑے باتیں کر ہے تھے۔ اوپر نیچے آ جا رہے تھے۔

پچھلے محلے میں بنی مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اس نے اپنا دوپٹہ سر پر ڈالا اور خاموشی آنکھیں بند کر کے اذان سننے لگی۔

''آؤ بھلائی کی طرف' آؤ نماز کی طرف۔''

اسے اچانک یاد آیا۔ بہت پہلے ایک مرتبہ ماسٹر ہدایت اللہ نے اسے اذان کے الفاظ کا مفہوم سمجھایا تھا۔

''ہوتا تو ہر مسلمان' مسلمان ہی ہے' پر یہ جو اذان ہے نا یہ کنفرم کرنے کے لیے ہے کہ کیا مسلمان کو خدا یاد ہے؟ کیا اسے یاد ہے کہ اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے کیا اسے یاد ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کے نبی ہیں اور اس بات اہ گواہی دیتا ہے۔

کیا اسے یاد ہے کہ اسے نماز کے ذریعے سجدۂ تسلیم کا عادی بننا ہے۔

اذان کنفرمیشن کے لیے ہے۔ یہ آواز دیتی ہے خدا کے بندوں کے دلوں پر ہاتھ ڈالتی ہے کہ وہ سنیں نہ سنیں' بے نیازی برتیں یا رجوع کریں۔ وقت مقررہ پر اس کی آواز سے اپنی سماعت کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

اور اکثر تو جب سنتے رہتے ہیں تو رجوع بھی کرتے ہیں' احترام بھی دیتے ہیں۔ سجدۂ تسلیم بھی بجا لاتے ہیں۔ تنے مانوس ہو جاتے ہیں اس آواز سے کہ دیارِ غیر جہاں مسلم آبادی کم ہوتی ہے اگر کبھی اذان کی آواز کانوں میں ے تو چونک اٹھتے ہیں۔ مانیں یا نہ مانیں انہیں یہ لفظ بھلے لگتے ہیں۔ یہ ہی تو میرے رب سوہنے کے حسین جلوے ا جو مختلف رنگوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔ مبینہ کلثوم! مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اور چیزوں کے ساتھ ساتھ ان کا فلسفہ بھی سمجھے۔''

''! تو یہ اللہ ماسٹر جی' آپ کو تو ہر چیز میں' ہر بات میں فلسفہ ہی نظر آتا ہے۔'' مانو کو اپنی ہی کہی بات یاد آئی۔

''ہر چیز اور ہر بات کا اپنا ایک فلسفہ ہوتا ہے مبینہ کلثوم جھلیے! اگر فلسفہ نہ ہو تو اسے سمجھنے کی کوشش کون کرے۔'' ں وقت مانو کو ماسٹر جی کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی' مگر اب اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی سمجھ میں یہ بات اب

آنے لگی تھی۔ اس نے ایک بار پھر تاریک پڑتے آسمان کو دیکھا۔

"روشنی اور تاریکی میں چیزوں کے رنگ بدل جاتے ہیں لیکن بصارت سے محروم شخص کے لیے کرنا ناممکن ہے۔ سوچنے والے' غور کرنے والے اور رک کر نہ سمجھنے والے شخص کے درمیان یہ ہی فرق ہے

اس نے سوچا اور پھر خود ہی مسکرا دی۔ ماسٹر جی سے ہر بات میں فلسفہ نکالنے پر الجھنے والی خود فا باتیں سوچ رہی تھی۔

"اور بھئی۔ کیا عجیب زندگی ہے ان ماسٹر جی کی بھی' ایسا لگتا ہے جیسے ہمارے سامنے جو شخص رہتا ہے اور جو شخص ان خطوط کی تحریروں کے عکس میں جھلکتا ہے' وہ کوئی اور ہے۔"

اچانک اسے ایک دوسری بات سوجھی اور اس کی نظروں کے سامنے وہ پیلے پڑتے کاغذ جن پر خط ناچنے لگے۔ کتنے دن لگے تھے اسے یہ ہمت اپنے اندر جمع کرنے میں کہ وہ خطوط واپس ان کی جگہ پر رکھ جب اس نے موقع دیکھا تو اس کے دل کو یقین تھا کہ مخصوص ٹرنک کا تالا بند ہوگا مگر اس توقع کے بالکل اسی طرح ٹرنک کی کنڈی میں جھول رہا تھا۔ اور جس روز اس نے وہ خطوط واپس رکھے تھے۔ اس شام جب ماسٹر صاحب کی طرف شام والے بچوں کو پڑھانے گئی تو اس نے دیکھا' ٹرنک کا تالا بند تھا۔

"یہ تو گویا جادو ہو گیا؟"

اس نے اپنے دل میں سوچا تھا۔ اور چور نظروں سے ماسٹر جی کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھے قطعی کسی انہونی کے ہونے کا تاثر نہیں ابھرتا تھا۔ وہ کئی دن بیمار رہے تھے اور کمزور ہو رہے تھے۔ جبکہ تقر گاؤں ان کی خدمت میں لگا تھا۔

"اور اس کو دیکھو فراز کو" پھر اسے ایک نیا خیال آیا۔ "اتنے پیغام بھیجے اسے خود ماسٹر جی نے او بھی کہ ماسٹر جی بیمار ہیں اس کے لیے اداس بھی ہیں ان سے آ کر مل جائے مگر مجال ہے بھئی' یہ کون سا ماسٹر وفا' بے مروت' بے ادب شاہو سے مختلف ہے۔"

اس نے دل ہی دل میں خفگی کا اظہار کیا اور کتابیں اٹھا کر سیڑھیاں اتر آئی۔

......۞......

اور میلوں دور عین اسی وقت اپنا کام کرتے فراز کے دل میں یکا یک گاؤں سے دوری کا احساس جاگا تھا۔ اس وقت وہ حمائل گیلریز میں جاری اپنے فن پاروں کی نمائش سے متعلق خبروں کے تراشے کاٹ نمائش اس کی توقع سے بڑھ کر کامیاب رہی تھی۔ منی باجی کے ایک ملنے والے بزنس مین نے مری میں وکٹورین طرز کے کاٹیج میں سجاوٹ کے لیے اس کی تین پینٹنگز خرید بھی لی تھیں۔ اور ان کے اس عمل پر وہ خو منی باجی تینوں ہی بہت محفوظ ہوئے تھے۔

"لیڈی ایلس اور ان کی فیملی کی ان تصویروں کا وہ صاحب کریں گے کیا؟۔ ان کو ان میں کیا دلچسپی؟ بس یہ ہی ہے نا کہ ایک اچھا تاجر طبقہ اس نمائش کو اسپانسر کر رہا ہے تو ضرور اس میں کوئی خاص بات ہوگی' ایک فینٹی کے ہاتھوں ٹریپ ہو گئے وہ صاحب۔"

منی باجی نے اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"جبکہ ان کو معلوم نہیں کہ اچھا خاصا تاجر طبقہ ان پینٹنگز کے بنانے والے کو صرف اس کی فنانشل خاطر اسپانسر کر رہا ہے۔" فراز نے یہ بات قطعی مذاق میں کہی تھی۔

"یہ کیا احمقانہ بات ہوئی فراز! تم کو خواہ مخواہ کا شوق ہے۔ سیلف پٹی میں مبتلا ہونے کا۔" اسفند نے اس کی پر ناراض ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"تم یوں بھی تو کہہ سکتے تھے کہ تاجر طبقہ اس نمائش کو اس لیے فنانس کر رہا ہے کہ یہاں کے ماحول میں نیچرل ٹ اور آرٹسٹ کا پروموشن ہو سکے۔"

"آپ کہتے ہیں تو ایسا ہی ہوگا۔" فراز نے سر ہلا کر کہا تھا۔ "جبکہ میرا یہ حال ہے کہ میرے لیے تو یہ جیک کی طرح ہے' جیسے بھی ملا' جس مقصد کے تحت بھی اسے بیک کیا گیا' میں تو اتنی بڑی نعمت کا تصور بھی نہیں کر سکتا مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے میں نے سب کچھ پا لیا۔"

"زندگی یہاں پر ختم نہیں ہو گئی احمق لڑکے!" اسفند نے ہنوز ناراضی کے عالم میں اسے ڈانٹا تھا۔ "یہ تو صرف از ہے' اگر تم کسی کام میں ماہر ہو تو اس کی خوبصورتی کو اس کی انتہا تک پہنچانے کا عزم کرو۔"

اب جب وہ خبروں کے تراشے کاٹ رہا تھا اور اس کی جیب میں خریدی جانے والی پینٹنگز کا چیک پڑا تھا' اسے اری باتیں یاد آتے آتے اچانک ہی گاؤں کی یاد ستانے لگی تھی۔ اس کے ارد گرد کھیتوں' سبزے اور درختوں کی زک مانوس سی خوشبو پھیل گئی۔ دو دن پہلے ہی اسے اماں کا خط ملا تھا جو اس نے کس سے لکھوایا تھا یہ وہ اس خط کی ائی سے اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اماں نے اتنے دنوں سے اس کے گاؤں کا چکر نہ لگانے پر اس سے ناراضی کا اظہار تے ہوئے بڑی اپنائیت سے لکھوایا تھا۔

"سرسوں کے پھول کھلے بھی دن گزر گئے فراز! مگر تو نہیں آیا۔ ہر بار جب میں ساگ کاٹنی اور پھر اسے پکا کر بنا لگاتی تھی تو میرے دل میں تیری یاد ابھرا ابھر آتی تھی۔ تجھے گھی کے بجائے مکھن کا تڑکا پسند ہے نا' اس دفعہ میں لسی کو مکھن کا تڑکا لگا کر ساگ نہیں دیا۔ دل نواز اور تیری بھابی نے کئی بار کہا بھی "اماں! تازہ مکھن کا پیڑا گرم ب پر رکھ دو۔ میں نے ان کی بات نہیں سنی۔ تو خود سوچ تیرے بغیر ایسا کرنا کیا مجھے اچھا لگتا؟۔

میری بھوری اور سفید مرغیوں نے اس مرتبہ انڈوں کے ڈھیر لگا دیے مگر میں نے انڈوں کا حلوہ نہیں بنایا۔ بس ا والی ٹوکری میں جمع کرتی گئی۔ اب آ کر دیکھ' کتنے درجن انڈوں کا ڈھیر لگا چکی ہوں ٹوکری میں۔ سیدو ہر روز اپنی ا پر چاول اور مکئی بھونتی ہے۔ جب ان کی خوشبو میری ناک تک پہنچتی ہے تو مجھے تیری کتنی یاد آتی ہے' کیسے بتاؤں۔ فراز! تو اتنا مصروف کہاں ہو گیا ہے جو اتنے مہینوں سے ادھر نہیں آیا۔ ادھر تیرے ماسٹر جی نے بچوں جیسی لگا رہی ہے' فراز کو بلاؤ۔ انہیں تیرے بغیر چین کہاں پڑے' چاہے ساری دنیا کے شاگرد ان کی عیادت کو آ جائیں' تو یوں کر کہ میرا خط ملتے ہی فوراً گاؤں آ جا' یہاں سب تیرے لیے اداس ہیں اور تیرا انتظار کر رہے ہیں۔"

فراز نے اس خط کو پڑھا تھا اور اس میں موجود ممتا کی تڑپ کو محسوس کیا تھا۔ مگر اب وہ اپنے کام اور ان سے ملنے لے ثمرات کے حصول میں اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ چاہتے ہوئے بھی اماں کے خط کے جواب میں فوراً گاؤں نہیں کا تھا۔ اسفند کے آفس میں اس کی نوکری پکی لگ گئی تھی۔ اس نے انگلش میں ایم اے کرنے کے لیے ایک یٹ کالج میں داخلہ بھی لے لیا تھا اور ویک اینڈ پر وہ ایک پرائیویٹ انسٹی ٹیوشن میں آرٹ کی کلاسز بھی لیتا تھا۔

اس کی حالیہ نمائش نے اسفند کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا تھا اور وہ اس دوران دنیا کے نئے نئے رنگ لمک دیکھ رہا تھا۔ اس نمائش میں اس نے ایسے لوگوں کو دیکھا تھا جو آرٹ اور اس کی گہرائی سے قطعی ناواقف تھے' سنہ ٹیڑھے کر کے بزبان انگریزی تنقید کرنے کے ماہر تھے۔ اور ان کی باتیں سن کر سننے والا متاثر ہو جاتا تھا کہ ان سے زیادہ آرٹ کو کوئی نہیں جانتا۔

اس نے اس نمائش میں شاہنواز احمد کو بطور خاص بلایا تھا بلکہ اس کی اوپننگ بھی ان سے کروائی تھی۔ جاننے والے حیران تھے کہ ایک غیر معروف نو جوان آرٹسٹ کی نمائش کا افتتاح کرنے کے لیے شاہنواز مغرور، نک چڑھا شخص کیسے آ گیا تھا۔

"اس صورت حال کی اصل حقیقت کو کوئی بھی نہیں جان سکتا۔"

اس نے اسفند اور منی باجی کے استفسار پر کہا تھا مگر اس نے محسوس کیا تھا کہ اسفند کو شاہنواز احمد کی آمد اچھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ غالباً اسی لیے وہ اس نمائش کے لیے ہونے والی ساری بھاگ آگے آگے ہونے کے باوجود افتتاح پر نہیں آیا تھا۔ وہ اس بات پر حیران بھی تھا مگر اس سلسلے میں اس نے اپنا استفسار ملتوی کر دیا تھا۔ ایک اور چیز جو اس نے محسوس کی تھی' وہ یہ تھی کہ افتتاح پر آئی لیڈی ایلس جو ا وقار لباس اور متاثر کن گفتگو کے ساتھ آنے والے لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہی تھیں کہ وہ کسی ش گراؤنڈ کا آخری ہیرا ہیں انہیں...... دیکھ کر شاہنواز احمد بری طرح چونکے تھے۔

"آئیڈیا تمہارا بہت نادر ہی کیوں نہ ہو مگر جس بیک گراؤنڈ کو تم نے پورٹر کیا ہے۔ وہ انتہائی لغو ا ہے۔"

انہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے اسے سیدھا سیدھا جھاڑا تھا۔

"یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ آج کل کی دنیا میں لوگ صرف شو شاد یکھتے ہیں ورنہ اگر کوئی تمہاری ہسٹری سیریز کی تحقیق میں چلا جائے نا تو پتا لگ جائے تمہیں صاحب زادے۔"

وہ بے اختیار مسکرا دیا تھا۔

"او پ ے ہنستے ہو۔ شرم آنا چاہیے تمہیں پوسٹ پارٹیشن ہسٹری (تقسیم سے قبل کی تاریخ) کی خ طوائفوں عرف جادوگر بلاؤں کو رائل سیریز کے نام پر پورٹر کرتے ہوئے۔"

"آپ مجھے شرم دلا رہے ہیں۔" اس نے اپنی ہنسی چھپاتے ہوئے دل میں سوچا تھا۔ نیوز بنانے زمانے میں آپ کا شہرہ تھا۔ اب آپ ایکسپریشنزم کی طرف آ گئے تو کیا ہوا۔ آپ کے پچھلے کاموں کے جسم سے علیحدہ تو نہیں کیے جا سکتے نا۔ رہی ہنسنے کی بات تو آپ کی ڈانٹ سن کر مجھے بے اختیار ماسٹر ہدا آ گئے۔ اچھا ہوا آپ نے مجھے ڈوز پلا دی ورنہ اس اسٹائل میں جھاڑ کھائے بغیر تو ایسا لگتا ہے جیسے نشہ ٹوٹ ر

اب گاؤں میں بیٹھی مبینہ کلثوم کیسے سوچ سکتی تھی کہ جس فراز کے نہ آنے پر وہ اداس بیٹھی اس کو کوس ا اسے کیسے مختلف تجربات اور محسوسات نے گھیرا ہوا ہے۔ ان میں گھر کر وہ ان سے سیکھتا کہ گھر آنے کی فکر کے پاس تو اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ اماں کے خط کے جواب میں وہ ایک خط ہی لکھ دے۔ خط لکھنا تو وہ ماسٹر بھی چاہتا تھا مگر وہی وقت کم ہونے کے سبب اس چاہنے کو بھی عملی جامہ نہ پہنا سکا تھا۔

......✿......

وہ اندرون شہر میں واقع ایک مشہور و معروف حویلی کا خوبصورت صحن تھا۔ اسفند نے اس صحن اور اندرونی حصے کی طرز تعمیر کو غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔ خوبصورت گول ستونوں اور اونچی چھتوں والے برآمد کے نقش و نگار والے آرائشی چوبی چھتوں کے باڈر۔ خوبصورت نقوش کھدے پتھر سے مزین دیواریں اسے کسی اور ہی دنیا میں لے جا رہے تھے۔

اس حویلی کے مالک نے کسی معروف فیشن ڈیزائنر کو اسپانسر کرتے ہوئے یہاں ایک ڈریس شو منعقد

ٹرن مسٹریز" کا نام دیا گیا تھا۔ حویلی کے کھلے بڑے صحن میں خوبصورت اسٹیج لگا تھا۔ جس کے اوپر لائٹس کا بردست تھا۔ اسے پہلے بھی کئی بار اس قسم کے شوز میں بلایا گیا تھا مگر دلچسپی نہ ہونے کے باعث وہ کبھی بھی ان ب نہیں ہوا تھا۔

مگر اس روز وہ بطور خاص اس حویلی کے طرز تعمیر کو دیکھنے آیا تھا۔ اور نیچی شہ نشینوں اور اونچے چبوتروں والی ے صحن اور اس کے گرد اگرد کی تعمیر دیکھ کر متاثر ہو رہا تھا۔ پھر خوبصورت بیک گراؤنڈ میوزک کے ساتھ ڈریس شو ہوا۔ مختلف رنگوں اور روشنیوں کے امتزاج کے ساتھ ساتھ خوبصورت مشرقی لبادوں میں ملبوس ماڈلز کیٹ ی اسٹیج کے تین پورشنز پر آ جا رہی تھیں۔ ان کے لباس مغلیہ دور کی یاد دلا رہے تھے۔ رنگوں اور ڈیزائننگ کا واقعی خوبصورت تھا۔ ان ماڈلز میں سے کئی ایک کو وہ ذاتی طور پر جانتا تھا۔ وہ کتنی ماڈرن لڑکیاں تھیں۔ اس ے بھی اچھی طرح واقف تھا مگر اس وقت ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اسی قدیم زمانے سے اٹھ کر اچانک جدید آ گئی ہوں۔

وہ محویت سے ان رنگوں' روشنیوں کو آتے جاتے دیکھ رہا تھا۔ جب اچانک اسٹیج پر سارہ شاہنواز قدیم ں کا سا لباس پہنے بھاری زیور اور میک اپ کے ساتھ نزاکت سے قدم اٹھاتی نمودار ہوئی' اس کا لباس بیش اور پہلے آنے والی تمام ماڈلز سے مختلف بھی' اسفند نے اپنے ارگرد زوردار تالیوں کی گونج سنی۔ بیک گراؤنڈ پر ے معروف گلوکار کے مقبول نغمے کا میوزک سنائی دے رہا تھا۔ اور شاہنواز ماڈلنگ کے روایتی تاثرات کے ج پر گھوم رہی تھی۔ اسفند نے اس سارے عرصے میں پہلی مرتبہ اسپاٹ لائٹ کے عین نیچے چمکتے اس کے دیکھا۔ وہ بلاشبہ ایک خوبصورت لڑکی تھی' یا پھر حد درجہ مہارت سے کیا میک اپ اسے خوبصورت بنا رہا تھا۔

The world ends here

کمپیوٹر مانیٹر پر ابھرتے الفاظ اچانک اس کی نظروں کے سامنے آ گئے۔

"یہ تمہارے دیارِ دل کی مکین تھی شہری!" اس نے سارہ شاہنواز کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا۔ اور میں اسے دیکھتا ہوں تو اس سے مکمل ناشناسی کے باوجود اس کے لیے نجانے کیسا احترام کا جذبہ اٹھتا ہے۔ مگر اُلجھن کو سلجھانا چاہتا ہوں کہ اس سے تمہارا کیا اور کتنا تعلق تھا۔" اس نے اس شو کے اختتام پر دانستہ طور پر ست سے شاہنواز کا موبائل نمبر لیا تھا۔

......✿......

"ایدر سارا لوگ اونلی ان لوگ کو آنر کرنا جانتا جو پیسہ والا ہوتا' بادشاہ لوگ ہوتا' چھوٹا چھوٹا جگہ پر رہنا والا امارا ے کا کوئی عجت نہ ہوتا' بٹ تم دیکھا اونلی گاڈ سب کو سب کا رائٹ دیتا والا اے' رائٹ دیتا کا اکھتیار اگر اس پٹ ک کا پاس ہوتا تو گریب آدمی کو کبھی کوئی رائٹ نہ ملتا بلائنڈز کا ما پھک سب اپنا اپنا لوگ کو سارا رائٹ دینے کا لی ون منتھ اگو لیڈی ایلس کو کوئی جانتا نئیں مانگتا تھا' اب یہ اس ینگ مین کا ایگزیبیشن کا کمال ہے کہ اونچا لاؤنجز میں لیڈی ایلس کا پورٹریٹ لگا۔ اے' اس کا گرینڈ مدر اور سٹیپ سسٹر کا پورٹریٹ لگا اے' اسی لیے تو ام اونلی گاڈ ہی رائٹ بانٹنے والا ہے۔"

(یہاں سارے لوگ ان کو عزت دیتے ہیں جن کے پاس پیسہ ہوتا ہے' ہمارے جیسے چھوٹی چھوٹی جگہوں پر لوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ لیکن تم نے دیکھا اللہ سب کو اس کا حق دیتا ہے۔ اگر دینے کا اختیار اس دنیا کے کے پاس ہوتا تو غریبوں کو ان کا کوئی حق نہیں ملتا۔ اندھوں کی طرح سب اپنوں کو ہی بانٹ دیتے۔ ایک ماہ پہلے

لیڈی ایلس کو کوئی نہیں جانتا تھا اب یہ اس نوجوان کی پینٹنگ کی نمائش کا کمال ہے کہ بڑے لوگوں کے لیڈی ایلس کا پورٹریٹ لگا ہے۔ اس کی دادی اور سوتیلی بہن کا پورٹریٹ لگا ہے۔ اسی لیے تو میں کہتی ہوا اس کا حق دیتا ہے۔)

یہ ایلس تھی جو مالک بناتے ہوئے جتنی تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی' اتنی ہی تیزی سے اس کی زبان تھی۔ اور اس کے سامع انکل ڈینس اور لینا تھے۔ جو خاموشی سے سر جھکائے اس کی لن ترانیاں سن رہے

''ام ادھر گیا اے ایگزیبشن میں' وہاں گیسٹ لوگ ام کو ہاتھوں ہاتھ لیا' امارا انٹرویو کیا' ایک بوا یو ریئلی آر اے جیم۔

(''You realy are a gem)

دوسرا بولا'' اتنا اولڈ ہسٹری میں تم اکیلا لیفٹ اور اے اور کبھی شوشا کرنا نہیں مانگتا کہ تم کتنا اونچا کرتا تو ہم نے میلی (عاجزی سے) بولا اور امارا کو گرور کجرنا نہیں مانگتا' ام تو اپنا گاڈ سے صرف اتنا وش کرتا کے ساتھ اس ورلڈ سے اٹھا لے' کے ساتھ زندگانی گزارا عجث کے ساتھ مرے گا بھی۔''

(وہاں نمائش میں سب نے ہم کو ہاتھوں ہاتھ لیا' ہمارا انٹرویو لیا' کسی نے کہا۔ لیڈی ایلس تم سچ مچ دوسرا بولا'' اتنی پرانی تاریخ سے تعلق رکھنے کے باوجود تم نے کبھی ظاہر نہیں کیا کہ تم اتنی اونچی فیملی ہو تو ہم نے انکساری سے بتایا ہم کو کوئی غرور نہیں ہے۔ ہماری تو صرف اللہ سے ایک دعا ہے کہ اللہ عزت سے اٹھا لے۔ عزت سے زندگی گزاری ہے۔ عزت کی موت بھی نصیب ہو۔)

''ایلس!'' انکل ڈینس اس بڑ پر خاموش نہ رہ سکے۔ ''یہ ایک حسین اتفاق ہے کہ اس بچے نے مہارت کو ثابت کرنے کا واسطے تمہارا فوٹوز کو سلیکٹ کیا اور اس کے آرٹ کو لوگوں نے سراہا بھی' مگر بات کرتے وقت اتنا اوور بھی مت ہو جاؤ کہ تمہاری ساری باتیں آرٹی فیشل (مصنوعی) لگیں۔''

''اونہہ یہ ڈینس!'' ایلس نے اس بات پر سخت جھنجلائے ہوئے انداز میں سبزی کی ٹوکری اٹھائی سے'' امارا بیک گراؤنڈ سے جیلس ہوتا رہا۔ اور سارا لوگ کو امارا بارے میں جھوٹی اسٹوریز گھڑ کر سناتا نام کو اور امارا فیملی کو لوگ اپریشیٹ (Appreciate) ہوتا۔''

وہ فوں فاں کرتی اندر کچن میں چلی گئی۔

''پورا ایلس۔'' انکل ڈینس نے اسے اندر جاتے دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا۔ ''اگر کبھی حقیقت کی سیکھ لیتی تو اپنی فیملی کو بڑے ایڈوانٹیجز دلوا سکتی تھی۔'' انہوں نے ایک بار پھر افسوس کا اظہار کیا۔

''لینا ڈیر! تم سناؤ پھر کوئی دوسری جاب کی امید ہوئی؟'' تھوڑی دیر بعد انہوں نے لینا کو مخاطب انکل! ابھی تک تو ایسی کوئی بات نہیں بنی۔'' لینا اپنے حالات پر پریشان تھی۔ افسردگی سے بولی۔'' تمہارے پارلر کی اونر کے ساتھ کیا پرابلم تھا جو اس نے تمہیں جواب دے دیا؟''

''کچھ نہیں۔ صرف دو مرتبہ میں لیٹ ہو گئی۔ وہ بھی وین بدلنے کی وجہ سے' اور ایک مرتبہ مڈ شفٹ میں کام کرنے سے منع کیا سخت فلو اور ٹمریچر کی وجہ سے تو اس نے مجھے چلتا کیا۔'' لینا نے افسردگی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

''تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ ادھر کہیں اپنا چھوٹا سا پارلر کھول لو' آخر کام تو تمہیں آتا ہی ہے۔''

''آپ کے مشورے انکل ڈینس!'' لینا بے اختیار بولی۔ ''آپ کو معلوم ہے کہ چھوٹا سا پارلر کھو

یہ چاہیے' اتنا۔ آپ نے دیکھا اتنا؟'' اس نے اپنے بازو پھیلا کر بتانے کی کوشش کی۔

اور پیسہ!'' اس نے شکست خوردہ انداز میں بازو گرا دیے۔ ''پیسہ میرے پاس' ہم میں سے کسی کے پاس

ایلس کے پاس بھی نہیں؟'' انکل ڈینس اس کی پریشانی پر برہم ہو گئے۔ ''کیا کرے گی ایلس پیسہ جمع کر کے' سالوں سے جوڑ رہی ہے۔ کیوں نہیں دے دیتی تم لوگوں کو کچھ کرنے کے لئے۔''

گرینی کے پاس پیسہ۔'' لینا حیران رہ گئی۔ ''اس کے پاس کہاں سے آیا پیسہ' وہ بیچاری تو خود اپنے اسکر رفو کر کے پہنتی ہے۔ اس کے جوتے کتنی بار سلائی ہوئے ہیں۔ جانتے ہیں آپ۔ ہم سال میں ایک بار نے پر کرسمس منانے کے بعد پورا سال اس چھوٹی سی خوشی کا جرمانہ کیسے بھرتے ہیں۔ آپ کو علم ہے؟''

لینا اپنے موجودہ حالات کی وجہ سے چڑچڑی اور بدمزاج ہو رہی تھی اور اسے چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اکثر جاتی تھی۔

ایزی مائی لٹل چائلڈ' ایزی!'' انکل ڈینس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''کہتی تم بھی غلط نہیں ہو' کہتا میں بں ہوں مگر جو نظر آتا وہ ہی درست ہے۔

''seeing is always believing'

م لوگ کا حالات جیسا بھی ہے بہت سوں سے بہتر ہے' خود کو یوں کرس نہ کرو لینا ڈارلنگ! تم تو صبر والا بچہ ل سنڈے پریئر میں تمہارے واسطے اسپیشل پرے کرتے ہیں!''

ہونہ سنڈے پریئر۔'' لینا مزید بھڑکی۔ ''اتنے سال گزر گئے مجھے ہر سنڈے پریئر میں اپنے وا ... دعا داد بھی مجھے آسانی عطا فرماتا تا اب تک کی کتنی پریئرز قبول ہوئیں۔ الٹا جو تھوڑا بہت آسرا تھا۔ و... چھن پ کو نہیں معلوم انکل ڈینس! میں آج کل کیسا فیل کر رہی ہوں۔ میں کھانا کھانے بیٹھتی ہوں تو لگتا ہے۔ یہ میرا گرینی مجھے کوئی چیز لے کر دیتی ہے تو لگتا ہے یہ میرا حق نہیں۔ دن گزرتے پر آرام کرنے لیٹتی ہوں تو شوچتی ارا دن میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں پھر اس آرام کی حقدار کیسے ہوئی؟

یہ اولی تمہارا سوچ کی بات ہے لٹل ڈاٹر! ورنہ للی بھی تو تمہاری عمر کی ہی بچی ہے نا' وہ ایسا کچھ کیوں نہیں

مجھ میں اور للی میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اس کو لک آفٹر کرنے کے واسطے اس کی ماں ہے جبکہ میرا ایسا کوئی ہے۔''

بنا نے اپنے تئیں انکل ڈینس کو ایک بھیانک سچائی بتائی۔ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی آنسو تیر رہے تھے۔

لینا کی مایوسی سے بھرپور گفتگو کا سلسلہ فراز کی آمد نے توڑ دیا۔ وہ پینٹنگز کی فروخت سے گر
آیا تھا۔ لینا اور انکل ڈینس اس کی اس ''شدید'' ایمان داری پر حیران ہوئے۔

''میرا خیال نہیں کہ تمہارے اور ایلس کے درمیان ایسا کوئی معاہدہ ہوا تھا۔'' انکل ڈینس۔
اظہار بھی کیا۔

''اور میرا خیال نہیں کہ میں یہ نمائش منعقد کر پاتا اگر لیڈی ایلس کے فوٹوگرافس اور ان کی
میرے ساتھ نہ ہوتیں۔''

فراز نے مسکرا کر جواب دیا۔ گرینی اس شیئر پر اترا رہی تھیں اور اپنی مسرت کا اظہار کرنے کے
قریب مارکیٹ کی بیکری سے کیک لینے چلی گئی۔ فراز، انکل ڈینس سے گفتگو کرتا رہا۔ لیڈی ایلس کے
حقیقت پسند اور حق گو تھا۔ ان دونوں کی گفتگو کے دوران لینا خاموشی سے بیٹھی اپنے ہاتھوں کے ناخن
تھی۔ اس کا ذہن ایک ہی نقطے پر اٹکا ہوا تھا۔

''ہر ایک کے لیے سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے کیا؟'' فراز نے لینا کو مخاطب کیا۔ انکل ڈینس نے
اخباری تراشوں کے چارٹ پڑھنے میں مصروف تھے۔ وہ ان ساری ملاقاتوں میں غالباً پہلی مرتبہ
سے مخاطب ہوا تھا۔

کچھ ماہ پہلے تک یہ شخص گم نام تھا، اب اسے ذرا سی کامیابی حاصل ہوئی ہے تو یہ کیسا پراعتماد سا نظ
لینا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''اور یہ ہے ساری بات۔''

''مس لینا! میں آپ سے مخاطب ہوں۔'' فراز نے ایک مرتبہ پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے
کے سامنے اپنا ہاتھ لہرایا۔

''یہ بے چاری بچی اپنی بے روزگاری کی وجہ سے پریشان ہے۔'' انکل ڈینس نے عینک کے ا
ہوئے اس کی خاموشی کی وجہ بتائی اور دوبارہ مطالعے میں گم ہو گئے۔

''بے روزگاری۔'' فراز نے زیرلب دہرایا۔ ''لینا! آپ تو کہیں جاب کر رہی ہیں غالباً کسی

''
''کر رہی تھی۔'' لینا نے ایک سرد آہ کے ساتھ کہا۔

''اوہ...... اس کا مطلب ہے کہ اب آپ جاب نہیں کر رہی ہیں۔ کیوں؟'' فراز کے چہرے پر تجسس ابھرا۔

''دو دن چھٹی کی وجہ سے اس پارلر والی مس صاحب نے بے چاری لینا کو جاب سے آؤٹ کر دیا۔'' انکل
ں نے ایک مرتبہ پھر لقمہ دیا۔

''بس اتنی سی بات پر آپ اتنی اداس ہیں۔'' فراز نے یہ بات یقیناً لینا کے چہرے کے تناؤ کو کم کرنے کے
ہی تھی۔

''اتنی سی بات ہے یہ۔'' لینا نے حیرت سے کہا۔ ''یہ اتنی سی بات نہیں ہے مسٹر فراز! آپ نے سنا نہیں ایک
ب کے چلے جانے کی وجہ سے انکل ڈینس نے دو مرتبہ مجھے بے چاری کہا ہے۔ کوئی خاص بات ہے تو انہوں نے
کہا ہے۔''

''گویا جب آپ جاب کر رہی تھیں اس وقت آپ بے چاری نہیں تھیں؟'' فراز نے محفوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''تمہارے لیے یہ یقیناً ایک فنی بات ہوگی، مگر میرے لیے یہ بہت اہم بات ہے۔'' لینا بری طرح برا مانتے
ہوئے اٹھ کر اندر چل دی۔

''ارے سنیے مس لینا!'' فرااز نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں تو صرف آپ کا موڈ بہتر کرنے کے لیے
باتیں کر رہا تھا۔ اگر آپ کو برا لگا تو مجھے افسوس ہے۔'' لینا اس کی بات کا جواب دیے بغیر اندر کمرے میں چلی
ا۔

''لینا انوسنٹ بچہ ہے، للی کے قطعی برعکس، اس کو جاب لیس ہونا اپنا انسلٹ لگتا ہے۔ اس لیے وہ اس قدر
یس ہو رہا ہے۔'' انکل ڈینس اب کے لیڈی ایلس کے سے اسٹائل میں بولے۔

''مس لینا، للی سے بالکل مختلف ہیں، یہ تو مجھے بھی علم ہے۔'' فراز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ویسے یہ للی کہاں
جاتی ہیں آج کل؟''

''یہ تو صرف گاڈ کو معلوم ہے یا للی ڈی سوزا کو یا پھر اس کی گرینی ایلس ڈی سوزا کو۔'' انکل ڈینس نے سر ہلا کر
ہا۔

''ام للی کا معاملہ میں کبھی ٹانگ نہیں ڈالا نہیں، اس واسطے ام کو بی مالوم نہیں کہ للی کیدر گھومتا گھماتا۔'' یہ لیڈی
س کی آواز تھی جو کیک کا ڈبہ ہاتھ میں پکڑے تشتم پشتم گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

''گاڈ نہیں مالوم ام سے اور کتنا سیکریفائس مانگتا، کتنا پیشنس ڈیمانڈ کرتا ایس واسطہ ای للی ویگا باؤنڈز جیسا
ندگانی گزارتا پھرتا اور لینا کا جاب خلاص ہو گیا۔ او للی گاڈ نوز ام کتنا پیشنس والا اے۔''
کیک والا ڈبہ ہاتھ سے رکھ کر ایلس نے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے دکھی لہجے میں کہا۔

''ام بوت ٹریجڈی دیکھا لائف میں، ڈینس! تم تو آئی وٹنس اے امارا ٹریجڈیز کا، ام اب یوز ٹو ہو گیا ایں، اس
یجڈی آفٹر ٹریجڈی کا۔'' (ہم نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں، ڈینس! تم تو اس بات کے گواہ ہو، اب تو ان
ںوں کو سہنے کی عادت پڑ گئی ہے) اس نے ایک سرد آہ بھری اور کیک کا ڈبہ اٹھا کر کچن کی جانب چل دیں۔

''آئی وٹنس کا بات مت کرو ایلس! ہم تو نجانے کا کیا جانتا مگر بولنے کا چاہت نہیں کرتا۔''
انکل ڈینس زیرلب بڑبڑائے۔ فراز محویت سے یہ ساری گفتگو سن رہا تھا۔ اس کے لیے یہ باتیں نئی تھیں۔

ایلس کے کیک باہر لانے سے پہلے گھر میں جینس داخل ہوئی تھی۔ وہ انتہائی تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس بھی پرشکن تھا۔ فراز نے اس کے سفید لباس پر بھی شکن تھا۔ فراز نے اس کے سفید لباس کالے بند جوتو کے جوڑے پر سجے نرسنگ ہڈ کو دیکھا۔ ''کیسا ٹپیکل کیریکٹر ہے۔''

اس نے سوچا۔

''جینس ڈارلنگ! یہ ایگزیبیشن کا فوٹو دیکھو، ساتھ میں نیوز بھی لکھی ہے۔'' انکل ڈینس نے اس ش پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

جینس اور لینا دونوں ہی اس نمائش کو دیکھنے نہیں گئی تھیں۔ سو جینس نے جوڑے کی پنیں کھول دیکھنا شروع کیے فراز کو لگا جیسے ان تصویروں میں کچھ ایسا تھا جو جینس کو ناگوار گزر رہا تھا۔ یا پھر اس کو کسی چیز پریشانی ہوتی تھی۔

''چھوڑیں انکل ڈینی! مجھے غیر حقیقی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔''

محویت سے تصویریں دیکھتی یکا یک وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے اس فوٹو اسٹرپ کو ہاتھ سے مر

''ارررے کیا کرتی ہو جینس! بچے کا ریکارڈ خراب کر رہی ہو۔'' انکل ڈینس نے فوراً اس تصویروں کا چارٹ پکڑتے ہوئے کہا۔ جینس اپنے جوتوں کی ایڑیوں پر گھومی اور ٹھک ٹھک کرتی ا طرف چلی گئی۔

''پور جینس۔'' انکل ڈینس نے فراز کو مخاطب کرتے ہوئے جیسے معذرت چاہی۔ ''اپنی مدر کے غ سے اکثر ناراض رہتی ہے۔ جب ہی اسے یہ اچھا نہیں لگا شاید۔ ڈونٹ مائنڈ ینگ مین! اس گھر کے ہر سائیکی ہے، اس سے فرار ان کے لیے امپاسبل ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' فراز نے انکل ڈینس کے ہاتھ سے چارٹ لے کر اس پر آئی شکنیں ہاتھ کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ہوجاتا ہے، ایسا اکثر ہوجاتا ہے۔''

''ام عمدہ والا چاکلیٹ کیک لایا، جلدی سے کھانا مانگتا ورنہ میلٹ ہوجائیں گا۔''

گرینی شور مچاتی کچن سے برآمد ہوئیں۔ اور اندر اپنے حالات پر کڑھ کڑھ کر آنسو بہاتی لینا کو اپنی پرشور آواز زہر سے بھی زیادہ بری لگی۔

''ہر وقت شوخی چڑھی رہتی ہے گرینی کو، ایک دم جھوٹی ہیں، کیسا اس لڑکے کو پھنسا کر پیسہ اینٹھ لیا انکل ڈینس کہتے ہیں ان کے پاس بڑا پیسہ ہے۔ دنیا کو دکھانے کے لیے اپنی غریبی کا رونا روتی ہیں۔ ا بھی ایک دم ہوشیار ہے اچھا بننے کی ایکٹنگ کرتا ہے، ایمانداری کا ٹھیکے دار، کچھ اور فائدہ اٹھانا ہوگا اب ا دینے آیا ہے۔ ایڈرا سٹوپڈ گرینی اس کو مزید نجانے کیا آئیڈیا دیں گی۔ کیا پٹی پڑھائیں گی۔''

وہ غصے میں کھولتی اوٹ پٹانگ باتیں سوچتی رہی۔

......۞......

''کیا بوریت ہے بھئی؟''

''دراصل دنیا کے سارے مزے تمہیں اتنی آسانی سے مل گئے کہ اب تمہیں کوئی بات، کوئی چیز نئی نہیں

''کچھ نیا ہو تو نیا لگے نا۔''

''اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ کوئی تازہ خبر ہے باہر کی دنیا کی۔''

''بہت سی ہیں، مگر نیا پن کسی میں نہیں کیونکہ ہر خبر میں تمہیں کسی پچھلی بات کی مماثلت نظر آئے گی۔''

''سارہ کی سناؤ، کیسی جا رہی ہے؟''

''سارہ دودھاری تلوار پر چلنے کا کرتب سیکھ رہی ہے۔ پریکٹس از ایٹ اٹس فل سوئنگ۔''

''اور اس تماشے کی خاص بات یہ بھی ہوگی کہ یہ کرتب وہ روشنی میں نہیں اندھیرے میں سیکھ رہی ہے۔''

''چلو اچھا ہے، اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتی وہ پرفیکشن کے کسی درجے تک پہنچے گی نا۔''

''ٹرانسفارمین تو اس کی کب کی ہو چکی، شہر یار محمد کی نیکیوں کو سینے سے لگانے کی سعادت حاصل کرنے کی بھی اس نے حاصل کرلی، اب دیکھو دنیا کی آلائشوں سے نجات کب حاصل کرتی ہے۔''

''شاہنواز احمد کے گھر میں رہتے ہوئے تو ہرگز نہیں کرسکے گی، ہاں ذاتی شناخت کے مسئلے سے نبٹ لے تو ممکن

''سچ......سچ......کتنی بڑی ٹریجڈی ہے، سارہ شاہنواز اپنا پارسائی دکھانے کے عمل سے گزر رہی ہے اور کسی اور خود اس کو بھی معلوم نہیں ہے۔''

''تم نے آج کچھ زیادہ ہی چڑھا لی ہے، جب ہی حد سے زیادہ بہکی بہکی باتیں کررہے ہو۔ سارہ شاہنواز اور ئی میرا خیال ہے کہ تم بیسمنٹ والے بیڈ روم میں جا کر سو جاؤ، پولیس چھاپہ مارے بھی تو وہاں ہرگز نہیں پہنچ ''

''ہاں یہ اچھا آئیڈیا ہے، تمہارے باپ نے بھی اپنی کالی کمائی سے ایک اچھا Maze palace بنایا ہے، بھول بھلیوں میں کھو کر انسان باہر کا رستہ بھول سکتا ہے۔ اچھا بھئی......ہم تو چلے......ٹاٹا......''

''بائے بائے تم سو جاؤ جا کر، میں ذرا بار کی طرف جاؤں، والد صاحب کا نیا اسٹاک چیک کروں۔ آج میرے اس کی ڈپلیکیٹ چابی بھی ہے۔''

......۞......

''ہیلو......کیا یہ مس سارہ شاہنواز کا نمبر ہے؟''

''جی ہاں آپ کون؟''

''آپ سارہ شاہنواز ہیں۔''

''جی ہاں، مگر آپ کون؟''

''مجھے اسفندیار محمد کہتے ہیں۔''

سارہ کے ہاتھ میں پکڑا موبائل گرنے کو تھا مگر اس نے خود پر کمال قابو پایا۔

''کیا آپ مجھے جانتی ہیں؟'' دوسری طرف سے انتہائی پرسکون اور پراعتماد لہجے میں پوچھا گیا۔

جواب میں سارہ کے دل کی دھڑکن رک سی گئی۔ ''گھبرانے کی کیا بات ہے سارہ شاہنواز! تم تو جانتی تھیں کہ یہ تم پر آئے گا، یہ کوئی انوکھی صورت حال تو نہیں ہے۔'' اس نے خود کو حوصلہ دیا۔

''جی ہاں، میں آپ کو جانتی ہوں۔ آپ رابعہ ٹیکسٹائل ملز کے......'' اس نے کہنا چاہا مگر اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی گئی۔

''میں اس تعارف سے ہٹ کر آپ سے بات کر رہا ہوں مس سارہ......! اور یقیناً آپ جانتی ہیں کہ کیوں کر رہا ہوں۔''

''مجھے غیب کا علم ہرگز حاصل نہیں ہے۔'' پہلی مرتبہ سارہ کے لہجے میں غصے اور تیزی کی آمیزش شامل
''یہ کوئی غیبی بات نہیں ہے۔ اس بات کا تعلق تو ظاہر سے ہے یہ اور بات ہے کہ آپ نے اسے بنا رکھا ہے۔''

''شاید آپ نہیں جانتے کہ میں ایک پبلک فگر ہوں۔ اور مجھے اس قسم کی فون کالز کا اچھی طرح تج ہے۔ آپ مجھے چونکانے اور پریشان کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔''

''میں نہ تو آپ کو پریشان کرنا چاہتا ہوں' نہ ہی چونکانا چاہتا ہوں۔ میں آپ کا پرستار نہیں ہوں' نہ پریس سے ہے۔ میں آپ سے کسی اور حوالے سے بات کر رہا ہوں' ممکن ہے جو آپ کو یاد نہ ہو۔'' اسفند ایک چبا کر کہہ رہا تھا۔

''مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

سارہ کا لہجہ پہلی مرتبہ گھبرایا ہوا لگا۔

''مجھے آپ سے صرف اتنا معلوم کرنا ہے کہ جس روز ایکسیڈنٹ میں میرے بھائی شہریار محمد کی ڈیتھ روز ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی فرنٹ سیٹ کا دروازہ ہی لاک ہونے سے بچا تھا' اس سے اتر کر آپ اندھیرے میں کہاں غائب ہو گئی تھیں؟ کیا آپ کو ایک مرتے ہوئے شخص کو بچانے کا خیال ایک مرتبہ بھی تھا۔''

سارہ کے ارگرد تیز چلتی آندھیوں کا سا شور بپا ہوا۔ اور یقیناً اس سے کوئی جواب بھی نہ بن پایا تھا' جس نے ایک دم موبائل آف کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے اسے خیال آیا کہ اس سے کڑا وقت شاید پہلے کبھی اس میں نہیں آیا تھا۔ موبائل دوبارہ سے بجنے لگا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے دوبارہ اسے نظروں کے سامنے کر پر ایک ایک نیا نمبر جگمگا رہا تھا اس نے کال رجسٹر سے اس نمبر کو میچ کیا۔ کچھ دیر پہلے آنے والی کال بھی اسی نمبر تھی۔ اس نے موبائل آف کر دیا۔ اب وہ خالی کمرے میں بیٹھی اپنے اردگرد کی ایک ایک چیز کو وحشت بھر سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ کو ایک مرتے ہوئے شخص کو بچانے کا خیال ایک مرتبہ بھی نہیں آیا؟''

رہ رہ کر ایک ہی جملہ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ پچھلے ایک سال سے وہ کیسا کیسا خود کو بہلا رہی کیسا حوصلہ خود کو دینے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ اس نے کتنی راتیں جاگتے ہوئے گزاری تھیں۔ گاڑی کے چرچراہٹ' دھماکہ اور پھر بہتے خون اور بند ہوتی سانسوں کا منظر اس نے کتنی مرتبہ خوابوں میں دیکھا تھا۔ کے ایک مہیب سمندر میں کتنا عرصہ ہاتھ پاؤں مارتی رہی تھی' یہ وہ ہی جانتی تھی۔ چند لمحوں نے اس کی زند نقشہ بدل ڈالا تھا۔ اور اب جب اس کی سوچیں' اس کی تنہائی' اس کی نیند اور اس کے خواب سکون پذیر ہونے تو ایک اور شخص یادوں کے مقفل اسٹور روم کو ٹٹولتے ہاتھ میں سرچ لائٹ پکڑے چلا آیا تھا۔

اسے سال پہلے کا نتھیا گلی کا قیام یاد آ گیا۔ جب اسی شخص کے اچانک سامنے آنے سے بہت سے دوچار کیا تھا۔ اس کی وہ ساتھی جو اس کی زندگی کے بہت سے مخفی پہلوؤں سے آگاہ تھی' وہ بھی اس درجہ دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

''کیا وہ مرا نہیں تھا' کیا وہ بچ گیا تھا' کیا لوگوں کو غلط اطلاع ملی تھی؟''

اس نے شپٹا کر اس سے کئی سوال پوچھ ڈالے تھے۔ اور اسے مطمئن کرنے کے لیے اسے کئی کہانیاں

ں۔ وہ اسی وقت سے کسی انجانے اندیشے اور خوف میں مبتلا تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ اس شخص سے اس کا سامنا مگر کسی قسم کے استفسار کے سامنے نہ آنے پر وہ مطمئن ہو گئی۔ ''اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد جب کوئی بات سامنے ں آتی تو پھر اب کیسے ممکن ہے؟'' اس نے کئی مرتبہ سوچا تھا۔

''اوہ میرے خدا!'' اس نے سوچوں کی یلغار سے گھبرا کر اپنا سر میز پر دھرے بازوؤں پر ٹیک دیا۔ ''میں کہاں ں' میں کیا کروں' میری زندگی میں کیسی کیسی آزمائشیں در آئی ہیں۔ میں ان سے نجات کیسے حاصل کروں' تو تو جانتا کہ میں کتنی کمزور' کتنی تنہا ہوں میں کس کے پاس جا کر اپنا دکھ روؤں' کس کو سناؤں؟ جب بھی محسوس کرتی ہوں کہ مجھے کچھ سکون ملنے لگا ہے۔'' تب ہی کوئی نہ کوئی ایسی انہونی بات ہو جاتی ہے کہ ذرا کی ذرا میں سکون غارت ہو تا ہے۔''

وہ اسی خاموشی اور تنہائی میں بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔ اور پھر بھاری سر اور متورم آنکھیں لیے بیڈ پر جا لیٹی۔ اس ت بہت دنوں بعد اسے بغیر سلیپنگ پلز لیے گہری نیند آ گئی تھی۔

......۞......

''ہیلو فراز! تم کیسے ہو؟'' وہ آواز منی باجی کی تھی' جو اس موبائل فون پر ابھری تھی' جو اسفندیار نے اسے کچھ دن لے دیا تھا۔

''ارے منی باجی! آپ کو میرا نمبر کس نے بتایا؟'' وہ حیرت اور مسرت کے ساتھ بولا۔

''ظاہر ہے' اسفند کے علاوہ کون بتا سکتا ہے۔ میں نے سوچا تمہیں وش کر دوں۔'' منی باجی ہمیشہ کی طرح خوشگوار موڈ میں تھیں۔

''یہ سب اسفند بھائی کی مہربانی ہے' یقین جانیے' میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اللہ مجھے اس رنگ میں نوازے گا۔'' اس نے عاجزی سے کہا۔

''اسفند واقعی دعائیں دیے جانے کے لائق ہے۔'' منی باجی نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بتاؤ کیا اپنی پینٹنگز کو یہاں پنڈی میں کسی ایگزیبیشن میں رکھنا چاہتے ہو؟

''اللہ کی اایک اور کرم نوازی۔'' فراز کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

''یہ پوچھنے والی بات تو نہیں ہے غالباً۔'' اس نے رک کر کہا۔

''تو بس پھر اگلے پیر کو پینٹنگز لے کر چلے آؤ۔ دو سے زیادہ نہیں ہونی چاہئیں۔ وہ جو تم نے ادھوری چھوڑ رکھی تھی' جس کا عنوان بلینگر تھا' وہ ان چند دنوں میں مکمل کر لو' اور دوسری وہ تھی ''صبح نو'' وہ لے کر آنا' اب لیڈی ایلس کی سیریز سے تو نجات ہی حاصل کر لو تو بہتر ہے۔'' منی باجی غالباً سب کچھ پہلے سے طے کیے بیٹھی تھیں۔

''میں بہت مشکور ہوں منی باجی! بہت مشکور۔''

فراز کو جواب نہیں بن پا رہا تھا۔

''اوکے' پھر میں انتظار کروں گی تمہارے اگلے رسپانس کا۔ اور تمہارے اردگرد کا کیا حال ہے لیڈی ایلس اور ان کی فیملی کی کچھ نئی تازی سناؤ۔''

''کچھ خاص نہیں سوائے اس کے کہ مس لینا ڈی سوزا جاب سے خلاص ہونے کے بعد زندگی سے اتنی مایوس ہو چکی ہیں کہ مایوسی کے عالم میں ''Nunnery'' جوائن کرنے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں۔''

''ارے نہیں! منی باجی کو یقین نہیں آیا۔ ''لینا تو بہت سویٹ لڑکی ہے اس کی انتہائی سوچ کیسے ہوئی؟''

نہیں۔ وہ اسی وقت سے کسی انجانے اندیشے اور خوف میں مبتلا تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ اس شخص سے اس کا سامنا ہوا مگر کسی قسم کے استفسار کے سامنے نہ آنے پر وہ مطمئن ہوگئی۔ "اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد جب کوئی بات سامنے نہیں آئی تو پھر اب کیسے ممکن ہے؟" اس نے کئی مرتبہ سوچا تھا۔

"اوہ میرے خدا!" اس نے سوچوں کی یلغار سے گھبرا کر اپنا سر میز پر دھرے بازوؤں پر ٹیک دیا۔ "میں کہاں جاؤں' میں کیا کروں' میری زندگی میں کیسی کیسی آزمائشیں در آئی ہیں۔ میں ان سے نجات کیسے حاصل کروں' تو تو جانتا ہے کہ میں کتنی کمزور' کتنی تنہا ہوں میں کس کے پاس جا کر اپنا دکھ روؤں' کس کو سناؤں؟ جب بھی محسوس کرتی ہوں کہ اب مجھے کچھ سکون ملنے لگا ہے۔" تب ہی کوئی نہ کوئی ایسی انہونی بات ہو جاتی ہے کہ ذرا کی ذرا میں سکون غارت ہو جاتا ہے۔"

وہ اسی خاموشی اور تنہائی میں بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔ اور پھر بھاری سر اور متورم آنکھیں لیے بیڈ پر جا لیٹی۔ اس رات بہت دنوں بعد اسے بغیر سلیپنگ پلز لیے گہری نیند آ گئی تھی۔

"ہیلو فراز! تم کیسے ہو؟" وہ آواز منی باجی کی تھی' جو اس موبائل فون پر ابھری تھی' جو اسفندیار نے اسے کچھ دن پہلے دیا تھا۔

"ارے منی باجی! آپ کو میرا نمبر کس نے بتایا؟" وہ حیرت اور مسرت کے ساتھ بولا۔

"ظاہر ہے' اسفند کے علاوہ کون بتا سکتا ہے۔ میں نے سوچا تمہیں وش کر دوں۔" منی باجی ہمیشہ کی طرح خوشگوار موڈ میں تھیں۔

"یہ سب اسفند بھائی کی مہربانی ہے' یقین جانیے' میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اللہ مجھے اس رنگ میں نوازے گا۔" اس نے عاجزی سے کہا۔

"اسفند واقعی دعائیں دیے جانے کے لائق ہے۔" منی باجی نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اپنی پینٹنگز کو یہاں پنڈی میں کسی ایگزیبیشن میں رکھنا چاہتے ہو؟"

"اللہ کی اک اور کرم نوازی۔" فراز کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"یہ پوچھنے والی بات تو نہیں ہے غالباً۔" اس نے رک کر کہا۔

"تو بس پھر اگلے پیر کو پینٹنگز لے کر چلے آؤ۔ دو سے زیادہ نہیں ہونی چاہئیں۔ وہ جو تم نے ادھوری چھوڑ رکھی تھی' جس کا عنوان بلیسنگز تھا' وہ ان چند دنوں میں مکمل کر لو اور دوسری وہ تھی "صبح نو" وہ لے کر آنا' اب لیڈی ایلس کی سیریز سے تو نجات ہی حاصل کر لو تو بہتر ہے۔" منی باجی غالباً سب کچھ پہلے سے طے کیے بیٹھی تھیں۔

"میں بہت مشکور ہوں منی باجی! بہت مشکور۔"

فراز کو جواب نہیں بن پا رہا تھا۔

"او کے' پھر میں انتظار کروں گی تمہارے اگلے رسپانس کا۔ اور تمہارے اردگرد کا کیا حال ہے لیڈی ایلس اور ان کی فیملی کی کچھ نئی تازی سناؤ۔"

"کچھ خاص نہیں سوائے اس کے کہ مس لینا ڈی سوزا جاب سے خلاص ہونے کے بعد زندگی سے اتنی مایوس ہو چکی ہیں کہ مایوسی کے عالم میں "Nunnery" جوائن کرنے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں۔"

"ارے نہیں! منی باجی کو یقین نہیں آیا۔ "لینا تو بہت سویٹ لڑکی ہے اس کی انتہائی سوچ کیسے ہوئی؟"

"زندگی کی بے اعتنائیوں کی وجہ سے۔" فراز نے مذاقاً کہا۔

"ویری سیڈ۔" منی باجی کی آواز دھیمی ہوگئی۔

"وہ تو شاید ایک عدد خط بھی ارسال کر چکی ہے۔ اپنی کسی آنٹ کو' جو مری میں یسوع کی بھیڑ کے سے رفاہی کام کر رہی ہیں۔"

"او کے فراز......! ہم پھر بات کریں گے۔ مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ اللہ حافظ۔" منی با آواز دی تھی' جب ہی انہوں نے عجلت میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

"ایک اور جیک پاٹ۔ پنڈی میں ایگزیبیشن۔"

فراز نے موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے سوچا۔ "اللہ بے نیاز ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ و جو میرے اپنے خیال کے مطابق مجھے نجانے کتنے پاپڑ بیل کر ملتا یا شاید کبھی نہیں ملتا' کیسے خود سے چل کر آ رہا ہے۔ اللہ کی بے نیازی' اس کے کرم اس کی رحمت میں کوئی شک نہیں' ہم انسان اس کے بھید کبھی سکتے۔" سوچتے سوچتے اس کے کانوں میں ایک آواز گونجنے لگی۔

"اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں فراز! اتنے ہی اس کے نبی پاک ﷺ کے جو ایک ایک اسم کے کی کوشش کرو تو ہزار ہزار معنی کے تجھ پر در کھلیں گے۔ دیکھ ذرا' اس کے طریقے' ہر اسم کے ورد کرنے والے انعام اس کے معنی کے حساب سے عطا فرماتا ہے۔"

"آپ بھی کیسے آدمی ہیں ماسٹر جی! اس روز وہ جو اسسٹنٹ پروفیسر صاحب آئے تھے چوہدری کے گھر دعوت پر' ان کے سامنے لہک لہک کر کہہ رہے تھے۔ آئی ایم تو جی ناٹ این آرتھوڈوکس۔" اس کے کا کہی بات گونجی۔

"لو جی تو جھلے ماسٹر! یہ جو میں نے اسمائے ربانی کے معنی کی بات کی تو اس میں آرتھوڈوکس والی با سے آ گئی؟"

"آپ ورد کی بات نہیں کر رہے۔ وہ جو پیر صاحب ہیں ساتھ والے گاؤں کے وہ بھی تو پھونک مار کہتے ہیں لے بچہ' میں نے ورد پڑھ کر دم کر دیا۔ اب بتائیں یہ کیا آرتھوڈوکس نظریہ ہے۔ جس پر ہجوم کا ہجوم آتا ہے کہ جو کچھ بھی پیر صاحب نے منہ میں بدبدایا اس کا کرم ہے۔"

"او جھلیا! میری سمجھ میں تیری بک بک ابھی بھی نہیں آئی' اس میں آرتھوڈوکسی کہاں سے آئی؟"

"آپ حقیقت کو نہیں جانچتے۔ نیت کے بغیر ایمان نہیں مکمل ہوتا۔ پیر صاحب کی نیت دم کر کے پیسہ کی ہے ان کے ورد میں یا جو بھی وہ بدبداتے ہیں۔ اس میں خلوص اور جذبہ کیسے آ سکتا ہے جو اسمائے ربانی حق ہے۔ آپ ہر طرح کے عمل کو ایک ہی پیمانے پر تول رہے ہیں۔ یہ خالی تعصب نہیں تو کیا ہے۔ میں اس اس لیے کہتا ہوں کہ اس میں عالم باعمل اور عالم بے عمل میں کوئی فرق واضح نہیں کیا جا سکتا۔ بس جو کوئی کہہ رہا کہہ رہا ہے جو اس کو جھٹلائے گا وہ خارج از دائرہ دین ہو جائے گا۔"

"ایک فلسفیانہ تحریک "Scepticism" کہلاتی ہے' یہ دانشوروں کا وہ گروہ تھا جو تشکیک پسن مشتمل تھا' ہر بات کی کھال اتار کر جانچنے والے لوگ' پھر یہ لوگ معدوم ہو گئے۔ مجھے لگتا ہے تو آ گئے جا کر اس از سر نو زندہ کرے گا۔" چل اٹھ۔ چلم بھر' بڑا آیا لوگوں کی نیتوں اور عمل کو جانچ کر غلط درست قرار دینے والا۔ سے پچھلی نسل کے لوگ تو سارے نمانے پاگل ہی ہیں نا' جو ورد کر کے دم کرنے والوں پر بلا سوچے سمجھے اعتبار

''زندگی کی بے اعتنائیوں کی وجہ سے۔'' فراز نے مذاقاً کہا۔

''وری سیڈ۔'' منی باجی کی آواز دھیمی ہوگئی۔

''وہ تو شاید ایک عدد خط بھی ارسال کرچکی ہے۔ اپنی کسی آنٹ کو' جو مری میں یسوع کی بھیڑ کے سے رفاہی کام کررہی ہیں۔''

''او کے فراز......! ہم پھر بات کریں گے۔ مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ اللہ حافظ۔'' منی باجی آواز دی تھی' جب ہی انہوں نے عجلت میں کہتے ہوئے فون بند کردیا

''ایک اور جیک پاٹ۔ پنڈی میں ایگزیبیشن۔''

فراز نے موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے سوچا۔ ''اللہ بے نیاز ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ وہ جو میرے اپنے خیال کے مطابق مجھے نجانے کتنے پاپڑ بیل کر ملتا یا شاید کبھی نہیں ملتا' کیسے خود سے چل کر میرے آرہا ہے۔ اللہ کی بے نیازی' اس کے کرم اس کی رحمت میں کوئی شک نہیں' ہم انسان اس کے بھید کبھی نہ سکتے۔'' سوچتے سوچتے اس کے کانوں میں ایک آواز گونجنے لگی۔

''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں فرار! اتنے ہی اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ایک ایک اسم کے کی کوشش کرو تو ہزار ہزار معنی کے تجھ پر در کھلیں گے۔ دیکھ ذرا' اس کے طریقے' ہر اسم کے ورد کرنے والے کو انعام اس کے معنی کے حساب سے عطا فرماتا ہے۔''

''آپ بھی کیسے آدمی ہیں ماسٹر جی! اس روز وہ جو اسسٹنٹ پروفیسر صاحب آئے تھے چوہدری کرم کے گھر دعوت پر' ان کے سامنے لہک لہک کر کہہ رہے تھے۔ آئی ایم تو جی ناٹ این آرتھوڈوکس۔'' اس کے کان کہی بات گونجی۔

''لو جی تو جھلے ماسٹر! یہ جو میں نے اسمائے ربانی کے معنی کی بات کی تو اس میں آرتھوڑوکس والی بات سے آ گئی؟''

''آپ ورد کی بات نہیں کررہے۔ وہ جو پیر صاحب ہیں ساتھ والے گاؤں کے وہ بھی تو پھونک مارتے کہتے ہیں لے بچہ' میں نے ورد پڑھ کر دم کردیا۔ اب بتائیں یہ کیا آرتھوڈوکس نظریہ ہے جس پر ہجوم کا ہجوم ایمان لے آتا ہے کہ جو کچھ بھی پیر صاحب نے منہ میں بدبدایا اس کا کرم ہے۔''

''او جھلیا! میری سمجھ میں تیری بک بک ابھی بھی نہیں آئی' اس میں آرتھوڈوکسی کہاں سے آئی؟''

''آپ حقیقت کو نہیں جانچتے۔ نیت کے بغیر ایمان نہیں مکمل ہوتا۔ پیر صاحب کی نیت دم کرکے پیسہ بنانے کی ہے ان کے ورد میں یا جو بھی وہ بدبداتے ہیں۔ اس میں خلوص اور جذبہ کیسے آسکتا ہے جو اسمائے ربانی کا حق ہے۔ آپ ہر طرح کے عمل کو ایک ہی پیمانے پر تول رہے ہیں۔ یہ خالی تعصب نہیں تو کیا ہے۔ میں اس کو اس لیے کہتا ہوں کہ اس میں عالم باعمل اور عالم بےعمل میں کوئی فرق واضح نہیں کیا جاسکتا۔ بس جو کوئی کہہ رہا ہے کہہ رہا ہے جو اس کو جھٹلائے گا وہ خارج از دائرہ دین ہوجائے گا۔''

''ایک فلسفیانہ تحریک ''Scepticism'' کہلاتی ہے' یہ دانشوروں کا وہ گروہ تھا جو تشکیک پسند مشتمل تھا' ہر بات کی کھال اتار کر جانچنے والے لوگ' پھر یہ لوگ معدوم ہوگئے۔ مجھے لگتا ہے تو آگے جا کر اس تحریک کو ازسرِنو زندہ کرے گا۔' چل اٹھ۔ چلم بھر' بڑا آیا لوگوں کی نیتوں اور عمل کو جانچ کر غلط درست قرار دینے والا۔ سے پچھلی نسل کے لوگ تو سارے نمانے پاگل ہی ہیں نا' جو ورد کرکے دم کرنے والوں پر بلاسوچے سمجھے اعتبار کر

''مجھے ساری زندگی سمجھ میں نہیں آئے گا ماسٹر جی کہ آپ کس اسکول آف تھاٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔'' اسے جھنجلانا یاد آیا۔

''بس سوچتا رہ ساری عمر' بھلیا لوکا۔ میں کسی اسکول آف تھاٹ سے منسلک نہیں ہوں۔ میں تو ایک کھلا آدمی عقل کو جو بات درست لگتی ہے۔ اس کی حمایت کردیتا ہوں جو غلط لگتی ہے اس کو جھٹلاتا نہیں ہوں۔ خاموش ہوجاتا کیا پتا مجھ کج فہم کو ہی سمجھ میں نہ آئی ہو۔''

''ارے یہ میں سوچتا سوچتا کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔'' موبائل بجنے کی آواز پر وہ چونکا' اور حقیقت کی دنیا میں آ گیا۔

''ہیلو فراز! یہ میں ہوں للی۔'' اس بار کال کرنے والی مخاطب کے لہجے کی شوخی فون پر بھی محسوس کی جاسکتی

''یہ میرا نیا نمبر ہے دوسرا والا فی الحال میں نے بند کردیا ہے۔ وہ بہت سے لوگوں کو معلوم ہوچکا تھا۔ بہت کالز نے لگی تھیں۔'' وہ بتا رہی تھی۔

''اور یہ نمبر بھی تمہیں تمہارے کسی فرینڈ نے لے کر دیا ہوگا حسب معمول۔'' فراز نے تمسخرانہ لہجے میں پوچھا۔

''یونو۔'' مختصر اجواب ملا۔ ''آج میں جمیل ساغر سے ملنے جارہی ہوں' میری ایک فرینڈ کے ویڈنگ البم میں ں نے میرا فوٹو دیکھا تھا۔ وہ شاید مجھے پیپر ماڈلنگ کے لیے تیار کرہی لیں۔''

''ایک اور اطلاع۔'' فراز نے سوچا۔ ''وہ تمہیں تیار کریں گے' یا تم ان کو کروگی' خیر جو جیسا بھی کرے گا' میری ئیں تمہارے ساتھ ہیں' خدا کرے تم اپنی زندگی کے اس خواب کا کوئی حصہ تعبیر میں ڈھال سکو۔''

''تھینک یو۔ مجھے تم سے یہ ہی امید تھی' او کے گڈ بائے مجھے یہ خبر ابھی چند اور لوگوں کو بھی سنانا ہے۔''

''اور پھر یہ نمبر بھی اور پاپولر ہوجائے گا' پھر تمہیں ایک نیا کنکشن لینا پڑے گا۔'' فراز نے مذاق کیا۔

''ڈونٹ وری' ایک بار مجھے یہ چانس ملنے دو۔ پھر تو ساری موبائل کمپنیز کے کنکشن میں اپنے پاس رکھوں گی۔'' فر سے بولی۔ اور فون بند کردیا۔

''گڈ لک للی ڈی سوزا۔ ایک طرح سے تمہارا بھی احسان ہے مجھ پر۔ یہ تمہارا ہی تو واسطہ تھا جس کے سہارے کر میں آج یہاں کھڑا ہوں۔ گڈ لک اگین۔'' فراز نے تصور میں للی کو مخاطب کرکے کہا اور خود سعید رضوی کے ڈیو کی طرف جانے کے لیے وین کے انتظار میں سڑک کے کنارے اسٹاپ پر جا کھڑا ہوا۔

......۞......

''آپ جب خود کسی کے گھر جاتے ہیں تو اس گھر کے آنگن میں مانو روشنی سی پھیل جاتی ہے۔''

مانو نے چاچی نوراں کو کہتے سنا جو ماسٹر ہدایت اللہ کے سامنے بیٹھی بڑے شوق اور خوشی سے کہہ بیٹھی تھی۔ آج دنوں بعد ماسٹر جی گھر سے نکلے تھے اور چاچی نوراں کے گھر ہونے والے ختم میں شریک ہوئے تھے۔

''اوئے اتنی بڑی بڑی باتیں مت منسوب کیا کرو میرے ساتھ' روشنی آجاتی ہے' اندھیرے چھٹ جاتے ہیں' کوئی جگنو ہوں' فاسفورس سے بھرا کوئی گڈا ہوں جو روشنیاں پھیلا دیتا ہوں۔''

ماسٹر صاحب نے خفگی سے کہا' مگر ان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ اپنی کہی بات سے محفوظ بھی ہے ہیں۔

''چلو چھڈو ماسٹر جی! آپ ہر بات کو مخول میں اڑا چھوڑتے ہو' یہ ہمارے دل کو پتا ہے۔ کہ آپ کے آنے سے

روشنی آنے کا مطلب کیا ہے۔" چاچی رشیدہ نے صحن لگے تنور پر روٹیاں لگاتے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"تو اور کیا' ادھر کتنی بار ہم اکٹھے ہوتے ہیں خوشی میں غمی میں' آپ کبھی آتے ہو۔ کبھی نہیں آتے، آتے ہو قسم اللہ پاک کی دل کو دوہری خوشی ہوتی ہے۔ ہمارے بچوں کو آپ نے پڑھا دیا۔ جتنی جتنی جس کی تر علم کی روشنی لے لی' آپ ادھر نہ ہوتے تو رب جانے ہمارے بچے کبھی کتاب کی شکل بھی دیکھ سکتے کہ نہیں" اماں نے کھیر ٹھنڈی کرنے کے لیے پیڈسٹل فین چلاتے ہوئے لقمہ دیا۔

"چل چھوڑ اب ان باتوں کو' جو اگر میں کہوں کہ میرا کیا کمال ہے یہ تو تم ساروں کی اچھی پیاری سوچ میرے لیے یہ تو تم ساروں کی اچھی پیاری سوچ ہے جو میرے لیے ایسا سوچتی ہے تو پھر بتاؤ' مبینہ کلثوم پر فارسی سی مثال صادق آئے گی۔" ماسٹر صاحب نے چاچے مالک کے لائے حقے کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں۔" مانو کو قطعی یاد نہیں آیا۔

"دیکھ لیں ماسٹر جی! آپ کی سب سے ہونہار شاگردہ کو آپ کے سوال کا جواب نہیں آیا۔ ہم تو یونہ ہیں۔" چاچی رشیدہ کی شہناز ہنس کر بولی۔

"پتا نہیں میرے کس کس شاگرد نے مجھے ابھی یوں مایوس کرنا ہے شہناز! میں غم نہیں کرتا اس بات کا اگر لگوں تو غم میں ہی ڈوبا رہوں۔" مانو نے پہلی مرتبہ ماسٹر ہدایت اللہ کے منہ سے یوں مایوسی والی بات سنی تھی کران کے قریب آ گئی۔

"میں تیرا حاجی بگویم تو میرا حاجی بگو' آپ یہی پوچھ رہے تھے نا ماسٹر جی؟" اس نے جیسے بروقت انہیں کے سمندر میں ڈوبنے سے بچالیا۔

"لے پھر شہناز!" ماسٹر جی کو جیسے خوشی کا جھونکا چھو گیا۔ "کیسے کہتی ہے تو کہ مبینہ کلثوم کو جواب نہیں آ ایسے ہی تو اس کی ذہانت اور قابلیت کی تعریف نہیں کرتا۔ تیری طرح تو نہیں کہ الف کا نام لکھ نہیں آتا اور دوسروں پر۔ سنا' تیری ساس کا کیا حال ہے اور جٹھانی کا؟"

"وہ تو ماسٹر جی سدا والا ہی حال ہے" شہنا بچے کو گود میں اٹھائے اٹھائے ان کے قریب نیچے فرش پر میری ساس نے تعویز کروا دیے ہیں مجھ پر۔ نہ میرا میاں کمائے نہ میرے ہاتھ پر رکھے۔"

ماسٹر صاحب نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ مانو اور اس کی ساتھی لڑکیوں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ "ہو گئی ماسٹر جی؟" سعدیہ نے تجسس سے پوچھا۔

"یہ...... یہ شہناز! ماسٹر جی بے اختیار اتنی زور سے ہنسنے کے بعد ہانپنے لگے تھے اور بات ان کے منہ نکل پا رہی تھی۔

"شہناز بادٔ......!" کچھ دیر بعد خود پر قابو پا کر وہ بمشکل بولے۔ "تعویز بہو کا تو کام تمام کرتے بیٹے کو بے کار کروا دینے والے تعویز تو کسی خاص فقیر کی عطا ہوں گے۔"

"لو...... آپ کو یقین نہیں آتا۔" شہناز نے جوش میں آ کر بچہ چارپائی پر پٹخ دیا۔ "دس تعویز تو میر کی نواڑ سے نکلے ہیں' پانچ تعویز پیٹی کے کپڑوں میں' میں باورچی خانے میں جاتی ہوں تو خون کے چھینٹے دیواروں پر' دال کی بارش ہوتی ہے اچانک۔"

"پہلے پلنگ کی نواڑ ادھیڑتی ہے پھر اندر سے تعویز نکالتی ہے' کیا خوب بات ہے۔ وہ کون سا عامل پروین! جو بند پیٹی کھول کر تعویز اندر رکھنے کا کام اتنے چپکے سے کرتا ہے کہ تجھ گھر بیٹھی کو کانوں کان خبر نہیں ہو چھینٹے پڑتے ہیں' دال کی بارش ہوتی ہے۔ او بابا اپنا ایمان قائم رکھ۔ مت پڑ ان وہموں میں۔ کیوں عاقبت خراب لی ہے۔"

"اچھا۔ اب ہفتے والے دن میں آپ کو بلاؤں گی اپنے گھر۔ آنا ضرور ہے۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا بزوں کا چکر۔ بجائے اس کے کہ کوئی دم درود کرو آپ تو مذاق اڑاتے ہو۔" شہناز نے ہونٹ لٹکا کر کہا۔

"چل تو ٹھیک ہی کہتی ہوگی۔" ماسٹر صاحب نے اس کا موڈ دیکھ کر معصومیت سے کہا۔ "پھر بھی میں کہتا ہوں ایمان قائم رکھ' توبہ استغفار پڑھا کر' شیاطین کے واہموں سے بچنے کی دعا کیا کر' نماز پابندی سے پڑھا کر اور بزوں گنڈوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لے۔ ان کے چکر میں پڑی رہی تو بالکل ہی کام سے جائے گی۔"

"رزق کی بندش ہوئی ہے جی!" شہناز کی ماں ماسی سیماں نے گفتگو میں کودتے ہوئے کہا۔ "میں نے خود ے پیر سرکار سے پوچھا تھا مسئلہ' انہوں نے بتایا تھا۔"

"بندش کھولنے کا طریقہ بھی تو بتایا ہوگا۔" اب کے ماسٹر جی ہلکی آواز سے بولے۔

"پانی دم کر کے دیا تھا چھڑکنے کے لیے گھر کی دیواروں پر' تعویز دیا تھا گھر کے کسی درخت کے ساتھ باندھنے "

"چلو جی...... پھر موج کرو۔ مسئلہ حل ہو جائے گا' کاہے کو واویلا کر رہی ہو ماں بیٹیاں؟"

"پر آپ کی بات بھی تو موڑی نہیں جا سکتی نا' نی شہناز! جو ماسٹر جی کہتے ہیں پلے سے باندھ لے۔ نماز کی ری کیا کر۔ ماسٹر جی نے کبھی کوئی غلط بات کہی ہے۔" ماسی سیماں کو اچانک خیال آیا کہ ماسٹر جی کی بات رد کرنا بھی مندی نہیں ہے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ آج تک ماسٹر جی کا کوئی مشورہ حکمت سے عاری نہیں رہا تھا۔ رجی کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ اور اپنا دھیان کسی اور طرف کر لیا۔

"یہ جادو ٹونا تعویذ جھوٹ ہوتا ہے کیا ماسٹر جی؟" اسی شام بالائی کا پیالہ اور باداموں والے زردے کی پلیٹ رجی کے سامنے رکھتے ہوئے مانو نے معصومیت سے پوچھا۔

"کسی چیز کی حقیقت نہ جاننا بھی بہتر ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم ہر بات کو جاننے کی کوشش کریں۔ باقی طانی وہموں اور وسوسوں سے بچنا بہت ضروری ہے۔" ماسٹر صاحب نے زردے پر بالائی ڈالتے ہوئے سنجیدگی کہا۔

"آگاہی بری چیز تو نہیں ہوتی ماسٹر جی! آپ دنیا بھر کے علم ہمارے دماغوں میں گھول گھول کر ڈالتے ہیں۔ تو یہ بھی تو ایک علم ہے نا۔" مانو نے دانستہ اصرار کیا۔

"کچھ باتوں سے آگہ نہ ہونا زیادہ بڑی نعمت ہے بہ نسبت آگاہی کے یہ جن باتوں کے بل پر قدم قدم پر بنائے بابے اور سائیں بیٹھے ہیں نا یہ محض واہمات شیاطین ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اب یہ ہمارے کلچر کا حصہ گئے ہیں۔ ان کے بغیر کچھ جگہوں کے رنگ ادھورے لگتے ہیں۔ اور ویسے بھی یہ دلوں کی تسلی کے اچھے بہانے ہیں ال کسی کا کوئی کام نہ ہوا وہاں عذر پیش ہو گیا تعویذ کا' دل کو مطمئن رکھنے کا ناچھا بہانہ ہے۔"

"تو پھر اس کے اثر کو ختم کرنے کے لیے جو یہ لوگ اتنا خرچا کرتی ہیں وہ؟" مانو کو تسلی بخش جواب ابھی بھی نہیں تھا۔

"بس مصروف رہتی ہیں نا' یہ نہ کریں تو نجانے کیا کیا فساد برپا کریں' یہ عورتیں بڑی سازشی ہوتی ہیں مبینہ ثوم! ان کا ذہن فارغ رہے تو شیطان کا گھر بن جاتا ہے۔" آخری بات ماسٹر جی نے سرگوشی کے انداز میں کہی۔

"اونور بی بی! کدھر ہے تیرا افرزندار جمند بھئی۔ بڑا افسر لگ گیا ہے کہیں جو ادھر آنے کا نام نہیں
سے پہلے کہ مانو کوئی اور سوال کرتی ماسٹر جی نے چاچی نور کو با آواز بلند مخاطب کیا۔

"آپ کے سامنے ماسٹر جی اتنی چٹھیاں لکھی ہیں۔ نہ جواب آیا نہ ہی خود آیا۔" بھائی دل نواز سامنے فرش پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کوئی امتحان شمتحان ہوگا نا ماسٹر جی! نئیں تو میرا افراز اتنا بے مروت نہیں کہ وہ گاؤں کا راستہ بھو[ل] چاچی نوراں ماں تھی' فٹافٹ بیٹے کی صفائی دینے آگے آئی۔

"اب سوچ رہا ہوں کہ خود جا کر اس کا پتا لے کر آؤں' اب تو کتنے دن سے اس نے پیسوں کا تقا[ضا بھی نہیں] کیا۔" بھائی دل نواز نے ماں کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"اونہہ!" ماسٹر جی نے کچھ سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ "چٹھی میں خود لکھوں گا اس کو۔ دیکھو اس پر [اثر ہوتا ہے یا] کہ نہیں۔"

بانو نے محسوس کیا کہ ماسٹر جی کے لہجے میں اعتماد اور یقین جھلک رہا تھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ ان کے فراز کا نہ آنا ناممکن تھا۔

"دیکھو۔ اب ماسٹر جی کب خط لکھتے ہیں۔" اس رات دیر تک وہ بستر پر لیٹی سوچتی رہی۔

"مجھے آنے والے وقتوں سے' انجانے لمحوں سے ڈر لگتا ہے بی بی زینب! میرا دل چاہتا ہے کہ بس [میں] کیسے پڑی رہوں تا کہ وقت کے گزرنے کے عمل کو نہ دیکھ پاؤں۔"

عائشہ کے گھر میں بیٹھی چھوٹے بچے (جس کا نام بی بی زینب نے مہد یار رکھا تھا) کی ماں' بی بی زینب تھی جو بچے کے کرتے پر کشیدہ کاری کر رہی تھیں۔

"ایسا کرنے سے بلی بھاگ جائے گی کیا؟" بی بی زینب نے ٹانکا بھرتے ہوئے کہا۔

"خوف اور دہشت کی بلیاں ہمیشہ خوفزدہ اور دہشت زدہ کبوتروں پر حملہ کرتی ہیں' ان سے بچنے ک[ا] ہے' میری تو سمجھ میں نہیں آیا۔" مہد یار کی ماں نے صحن میں گھٹنوں کے بل چلتے مہد یار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ان سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ایک بار آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کا مقابلہ [کرو] پھر یہ خود ہی قریب نہیں آتیں۔"

بی بی زینب نے عینک کے اوپر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ڈالی جاتیں آنکھوں میں آنکھیں' نہیں ہوتا مقابلہ۔" ان کی مخاطب روہانسی ہو کر بولی۔ "لڑنے کے لیے ہتھیار بھی چاہئیں ہوتے ہیں۔ وہ نہ ہوں تو کوئی کیسے لڑے۔"

"خود پر اعتماد اور اللہ پر کامل ایمان جیسے ہتھیار خریدنے سے نہیں ملتے یہ تو انسان کو خود کمانے پڑتے [ہیں]" بی بی زینب نے کمال سکون سے کہا۔

"کمانے پڑتے ہیں؟" لڑکی حیران ہو کر بولی۔ "وہ کیسے؟"

"بی بی زینب!" لڑکی یک دم اٹھ کر ان کے قریب آ گئی۔ "آپ مجھے یہ کمائی' کمانے کا طریقہ بتا دیں [ورنہ میں] سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی۔"

"مگر لڑکی یہ تو بتاؤ تمہیں واہمہ کس بات کا ہے' کیا ہے جو تمہیں اس قدر پریشان رکھتا ہے؟" بی بی [زینب]

[پو]چھ کر انجان بن گئیں۔

لڑکی کچھ دیر ان کو خاموشی سے دیکھتی رہی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے تو کچھ بھی نہیں ہے' میں تو بڑی خوش قسمت ہوں' سونے کے چمچ میں نوالے کھاتی ہوں اور چاندی کے [بستر] پر سوتی ہوں۔ غم' فکر' فاقہ' دکھ' رنجش' پریشانی' مصیبت' وہم' اندیشے میری ڈکشنری میں ان الفاظ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں تو خوشیوں کے جھولے میں جھولتی ہوں اور بے فکری کے دن رات گزارتی ہوں۔ میں...... میں......" اس کی آواز بھرانے لگی۔ "میں انسان نہیں ہوں نا۔ میں سپر ہیومن ہوں۔ سنا آپ نے بی بی زینب! میں سپر ہیومن ہوں' مجھے کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے کبھی دکھ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ میں ان سب سے ماورا ہوں۔"

بی بی زینب کام چھوڑ کر اس کا میلو ڈرامہ دیکھنے میں محو ہوئیں اور جب وہ خاموش ہوئی جیسے گہری محویت سے [نکل]یں۔

"میں نے اسی لیے تمہیں بہت پہلے کہا تھا بی بی کہ اپنا قصہ سنا ڈالو' اپنے واہموں کا اعلان کرو۔ جو سہتی ہو' اس کا [اعلا]ن بھی کرو۔ یوں دنیا کے سامنے بچی سجائی اور اپنے اندر گھٹی گھٹی زندگی گزارو گی تو تمہارے ذہنی بحران کا یہ ہی عالم [رہے]گا۔ اب جو یہ سارا کچھ تم اول فول بول رہی ہو۔ اس کے سننے سنانے سے مجھے یا عائشہ کو کیا فرق پڑتا ہے۔ فرق تو ان [کو پ]ڑنا چاہیے جو تمہیں اس مقام پر لا دھرنے کے قصوروار ہیں۔ ان کو سناؤ تا کہ ان کی آنکھیں اور کان کھلیں اور تمہیں [بھ]ی کہیں یکسوئی حاصل ہو۔"

"کیسے سناؤں؟" لڑکی شکست خوردہ انداز میں بیٹھ گئی۔ "نہیں سنا سکتی۔ میں نہیں کہہ سکتی۔" اس نے نفی میں [سر] ہلایا۔ "اتنی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔ مگر میں یہ دوروپیہ زندگی بھی گزارنا نہیں چاہتی۔ بی بی زینب! آپ میرے لیے [ک]چھ کریں۔ وہ جو ہمارا آپ کا سب کا خدا ہے اس سے میرے لیے دعا مانگیں ورنہ میں۔ مجھے لگتا ہے کسی روز خودکشی [ک]رنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔ آپ دعا کریں بی بی زینب! اللہ بھی تو نیک لوگوں کی دعائیں سنتا ہے نا۔ وہ مجھ گناہ گار کی [د]عا کہاں سنے گا۔"

"توبہ کرو بچی!" بی بی زینب نے اس سے یوں ہاتھ چھڑایا' جیسے کسی نے ڈنک مارا ہو۔ "تم اللہ کے بارے [می]ں ایسے گمان رکھو گی تو اس تک رسائی کیسے حاصل کرو گی۔"

"پھر میں کیا کروں' مجھے ایک عجیب سی وحشت کا احساس ہوتا ہے' میں سخت پریشان ہوں۔" اس کے لہجے میں بے چارگی اتر آئی۔

"جو بات زینب بی بی تمہیں سمجھا رہی ہیں۔ وہ سمجھنے کی کوشش کرو بی بی! ان کی گفتگو میں کب سے خاموش بیٹھی [عائشہ نے خاموشی]اں توڑتی نے پہلی بار حصہ لیا۔ "اللہ کا سیدھا سچا راستہ اپناؤ' نماز پڑھا کرو' سکون خود بخود مل جائے گا۔ بڑی بڑی [باتی]ں تو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ مگر یہ میں جانتی ہوں کہ پریشان بندہ اگر سچے دل سے اللہ کے سامنے جھک جائے تو [مس]ئلہ حل ہو نہ ہو دل کو سکون ضرور آ جاتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اب چلوں۔" عائشہ کی بات ختم ہوتے ہی لڑکی ایک جھٹکے سے اٹھی۔ اس نے کرسی پر [ر]کھا اپنا بیگ اٹھایا۔ سن گلاسز میز سے اٹھائے۔ جھک کر بچے کو پیار کیا جو گھٹنوں کے بل چلتا ہوا عائشہ کے پاس پہنچ گیا [او]ر اس کی گود میں چڑھنے کی ضد کرنے لگا تھا۔

"آپ اس منظر پر غور کریں بی بی زینب! لڑکی جو لب بھینچ کر یہ منظر دیکھ رہی تھی مڑ کر ایک بار پھر بی بی زینب سے مخاطب ہوئی۔ "اور پھر غور کیجیے گا کہ ڈپریشن کیا ہوتا ہے؟ اور سکون کیسے نہیں ملتا۔"

''ہے تو بدقسمت نا؟'' اس کے چلے جانے کے بعد عائشہ نے بچے کے ہاتھ صحن میں لگے نل کے دھوتے ہوئے کہا۔

''یقیناً۔ بی بی زینب گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے بولیں۔ ''جو کچھ اس نے پا کر کھو دیا' وہ بدقسمتی ہے مگر اس سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جو ہے یہ اس کا شکر ادا کرنا نہیں جانتی' بلکہ جاننا چاہتی ہی نہیں لیکن جو کا واویلا کرنا اسے بہت اچھی طرح آتا ہے۔''

......۞......

سارہ نے تہمینہ اور عثمان کی ہاؤس وارمنگ پارٹی میں شریک مسز رابعہ آفتاب کو دیکھا اور دانستہ ط کے لیے رکھی عقبی نشستوں کی طرف چل دی۔ مسز رابعہ آفتاب' تہمینہ کی ساس مسز کریم قزلباش کی قریبی د یہ بات اگر اس کو یہاں آنے سے پہلے معلوم ہوتی تو وہ ہرگز اس فنکشن میں شامل نہ ہوتی' مگر اب جبکہ و تھی' فوراً واپس لوٹنا بھی مناسب نہیں تھا۔ سو عقبی نشستوں پر بیٹھی اکادکا شناسا مہمانوں سے گپ شپ لگاتی

مسز ایمی مترا گزشتہ ایک ہفتے سے انڈیا سے آئی ہوئی تھیں اور وہ انہیں بہت اچھی طرح جانتی تھی جب وہ اپنا تھیٹر گروپ لے کر پنجاب لوک تھیٹر فیسٹیول میں شرکت کے لیے آئی تھیں تو اس نے بھی ان کے فوک ڈرامے میں کام کیا تھا' اور چند ماہ پہلے خواتین کا جو وفد ایک ہفتے کی انڈیا یاترا کے لیے گیا تھا' اس شامل تھی۔ مسز مترا کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ اس روز ان سے اچانک ملاقات اچھی لگی تھی۔

''سارہ! تم بہت کمزور ہو رہی ہو اور تمہارا کامپلیکشن بھی خراب ہو رہا ہے۔'' باتیں کرتے کرتے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وائل یو نو ویٹ ٹو اسٹے ایکٹو ان دس لائم لائٹ یو ول ہیو ٹو اسٹے فریش۔'' (جبکہ تم جانتی ہو کہ روشنیوں کی اس دنیا میں متحرک رہنے کے لیے ضروری ہے کہ تم تروتازہ نظر آؤ

''یہ تو بڑا اہم سوال ہے آج کل کا کہ سارہ کیوں اتنی مرجھائی مرجھائی لگ رہی ہے۔''

تہمینہ نے جو دو سال پہلے ملک کی ٹاپ ماڈل تھی اور جس کی جگہ اب سارہ نے لے لی تھی' انتہائی میں کہا۔

''اس کا جواب بہت سادہ ہے۔'' یہ ابراہیم تھا جس کا نام ٹاپ فیشن ڈیزائنر کے طور پر لیا جاتا بہت زیادہ کام کرنے لگی ہے۔ اتنا زیادہ کام' ہر وقت میک اپ میں رہنا اور کیمرے کی لائٹ کے سامنے ر بے بی! تمہیں تھوڑا سا چوزی ہونا چاہیے۔ تم حد سے زیادہ کام لینے لگی ہو' اس طرح تو تم بہت جلد خراب کی مانند ہو جاؤ گی۔ ایک دم سکڑی ہوئی' ناٹ ایٹ ایبل۔''

'پیسہ کمانے کی دھن اور...... اور پیسے کی ہوس ان لوگوں سے اتنا کام کرواتی ہے ابی!'' ایک ت ابراہیم کو مخاطب کیا۔ سارہ نے اپنی بوجھل ہوتی آنکھیں بند کر لیں۔

''ہر کوئی شوق کی خاطر نہیں آتا اس فیلڈ میں' کچھ لوگوں کو پیسہ کمانے کی دھن لے آتی ہے ادھر۔ آفتاب کو غالباً عرصے سے اس موقع کی تلاش تھی' وہ بات کو طول دینا چاہ رہی تھیں۔

''اور کچھ لوگوں کا تو فیملی بیک گراؤنڈ ہی ایسا ہوتا ہے۔ پیسے' نام اور شہرت کی خاطر کچھ بھی کر لوگ۔ دنیا کی نظر میں چاہے جتنی مرضی عزت بنائیں' کچھ لوگوں کے سامنے اچھی طرح ایکسپوزڈ ہوتے ہیں

''او کے آنٹی! ہوتا ہوگا یہ سب کچھ۔'' تہمینہ کو صورت حال کی سنجیدگی نے پریشان کیا تو وہ ان کو کروانے کے لیے انہیں زبردستی دوسری طرف لے گئی' جبکہ سارہ کو لگ رہا تھا وہ چکرا کر گر جائے گی۔ ا۔

نٹرول ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

''اوہ کم آن سارہ!'' ایمی مترا اس کی حالت کو بھانپ گئی تھی۔ چپکے سے اس کے قریب آ کر بولی۔ ''آؤ یہاں نکلیں' میں تم کو گھر ڈراپ کرواتی ہوں۔''

اس سے پہلے کہ ساری صورت حال سوالیہ نشان بنتی' ایمی خوبصورتی سے اسے وہاں سے باہر نکال چکی تھی۔ کے میزبان کی گاڑی بمع ڈرائیور پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھی۔ گاڑیوں کی طویل قطار سے نکلنے میں اس کے منٹ لگے اور جب وہ گاڑی پارکنگ لاٹ سے نکال کر ریورس ہو رہی تھی' ایک نئی گاڑی اس کی جگہ لینے کو آ کر یب رکی۔

''واٹ اے کوانسی ڈینس۔''

''یہ سارہ شاہنواز بھی نا' ایسا لگتا ہے بے ہوش ہے یا شاید اوور ڈرنک ہو گئی ہے۔ یہ انڈین لیڈی اسے کسی نے ٹریک پر چڑھائے گی۔ اب۔'' گاڑی کے ایک سوار نے دوسرے سے کہا۔

''چچ...... چچ...... سارہ!'' دوسرے نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ''نو وے آوٹ بھول بھلیاں' گتھیاں ہی تھیاں۔ زندگی سارہ شاہنواز کے لیے ڈیڈی کے ولا جیسا Maze بن گئی ہے۔ جس میں وہ شہر یار محمد کی الجھائی دریں سلجھاتی باہر کا راستہ ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔''

''اور واٹ اباؤٹ اسفند یار محمد؟'' دوسرا بولا۔ ''ہی از ریئلی آفٹر ہر۔ وہ ڈٹیکٹ کرنے پر تلا ہوا ہے۔''

''اور تمہارا خیال ہے وہ ڈی ٹیکٹ کر لے گا؟'' پہلے نے کہا۔

''جب تک دھاگے کا وہ سرا جو شہر یار محمد نے اس بھول بھلیوں کی انٹرنس پر اٹکایا تھا' اس کے ہاتھ میں نہیں آتا' اس بھول بھلیوں میں موجود سارہ تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔''

''ہا...... ہا...... ہا......'' خاموش فضا ان دونوں کے قہقہوں سے گونج اٹھی اور سارہ کے گھر کا راستہ بتاتی ایمی ترا سوچ رہی تھی کہ فنکشن میں آنے والے یہ نئے مہمان کون تھے۔ وہ ان کے حلیے اور شکلیں یاد کر رہی تھی۔

......۞......

از بستی کمال پور
ڈاک خانہ خاص' تحصیل پسرور
ضلع سیالکوٹ

عزیزم فراز احمد!

''بعد از سلام و خیریت دیگر آغاز کرتا ہوں۔ تقریباً عرصہ تین ماہ سے تمہاری خیر خیرت کی خبر اخبار سے پا کر نران ہیں۔ باوجود کئی پیغامات کے ارسال کرنے کے تمہاری جانب سے کوئی جواب نہ آنے کے باعث تمہاری والدہ سماۃ نور فاطمہ کو دلاسہ دے بیٹھا ہوں کہ میں خود خیریت نامہ تحریر کروں گا جس کا مجھے یقین ہے کہ جواب ضرور آئے گا۔

دراصل عزیزم فراز احمد! وثوق سے کوئی بات کہی نہیں جا سکتی اور توقع لایعنی ہے' مگر اس بستی کے سادہ لوح وگوں کا اعتماد مجھ ناچیز پر اس قدر ہے کہ اکثر پریشان ہو جاتا ہوں کہ اگر اس بے پناہ اعتماد پر پورا نہ اتر پایا تو یہ معصوم وگ تو شاید سمجھ نہ سکیں اور چاہت کا اظہار اس طرح ہی کیے جائیں مگر اس پکڑنے والے کی پکڑ سے کیسے بچ پاؤں گا' اس کے سوالنامے کا جواب کیسے دے پاؤں گا۔ سو درخواست گزار ہوں کہ مجھ بندۂ حقیر پُر تقصیر پر مہربانی فرماؤ اور یہ عریضہ وصول پاتے ہی بستی کی طرف آنے کا قصد کرو۔ اگرچہ تمہیں یہ سفر گراں ہی کیوں نہ گزرے۔

تمہاری والدہ نور فاطمہ توقع کا پیالہ بھرے بیٹھی ہے۔ تمہارا بھائی دل نواز امید کے خواب د
بھروسے کے گھونٹ پیتا ہے۔ ان دونوں کی مشقت بھری صبر وقناعت سے بھرپور زندگی میں نے اپنی آ
دیکھی ہے۔ نہ دل نواز نے تمہیں یتیمی کا احساس ہونے دیا' نہ نور فاطمہ نے غربت ومحروی کا۔ عزیزم! یہ ک
قطعی طور پر نیا نہیں ہے۔ کئی کتابیں ایسی کہانیوں سے بھری پڑی ہیں جن میں بیوہ ماں اور جانثار بھائی کا
یونہی وقت آنے پر اپنی غرض پوری کرنے کے چکر میں ان دونوں کو توقع کے بھنور میں الجھا وہیں چھوڑ د
خوردار! نجانے کیوں مجھ بوڑھے قریب المرگ کم عقل کو گمان گزرتا رہا ہے کہ تم ایسی کہانیوں کے مرکزی
سے مختلف ہو گے اور قدیم قصوں کی متھ کو توڑ دو گے۔ اب یہ تم پر ہے کہ ہمیں گمان کی منزل تک پہنچاتے ہ
کی بھول بھلیوں میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہو۔ میاں صاحبزادے! توقع ہے کہ تم اس تھوڑے کو بہت ج
نادیدہ کامیابیوں کے حصول کے جس سراب کو پانی سمجھ کر اس کا تعاقب کرنے میں مصروف ہو' اس کو چند
لیے موقوف کرنے کو برا نہ سمجھو گے۔

میرے ہاتھوں میں عمر کی زیادتی کے باعث قدرتی لرزش بڑھتی جا رہی ہے' سو بہت تفصیل نہیں لکھ
اب مجھے اجازت دو' میں تمہارا ارسپانس آنے تک توقع اور امید کے سمندر میں چند چپو چلاتا رہوں گا۔

والسلام

خیراندیش

ہدایت اللہ احقر

حال مکین بستی کمال پور تحصیل پسرور' ضلع

لالے حمید نے جواب انارکلی میں فٹ پاتھ پر بچوں کے ریڈی میڈ کپڑے بیچتا تھا' یہ خط فراز کو اس
آمد پر دیا تھا۔ فراز نے پیچھے گاؤں میں کسی کو اپنا درست پتا ٹھکانا نہیں بتا رکھا تھا۔ تمام پیغامات اور خطوط وہ
اکادکا ایسے لوگوں کے ذریعے وصول کرتا تھا جو سلسلۂ معاش کی خاطر لاہور آن بسے تھے۔ وہ گاہے بگاہے
کے پاس ملاقات کے لیے آتا رہتا تھا۔ ہر بار اسے ان سے وصول ہونے والی کسی نئی خبر' کسی نئے پیغام کی
تھی جو اسے اس بار اس غیر متوقع خط کی صورت میں ملا تھا۔ لالے حمید نے بھی یہ خط انتہائی عقیدت سے اے
کیونکہ نیلے لفافے کے پیچھے ماسٹر صاحب کے مخصوص دستخط موجود تھے۔

"اور نہ جا مہینہ مہینہ پیچھے پنڈ' فراز باؤ! تیری پیشی ہو جانی ہے اس دفعہ ماسٹر جی کے سامنے۔ بڑا نا خا
دو دفعہ تو چاچی تجھے خط بھیج چکی ہے' اب ماسٹر صاحب نے جو بھیجا ہے نا تو یہ تو تجھے بٹھائے گا شام والی گڈی
حمید اس سے کہہ رہا تھا۔ "ویسے لکھا کیا ہے؟" پھر اس نے تجسس بھری سرگوشی کی۔

"خط میں الفاظ نہیں ہیں لالہ! ماسٹر جی نے بھگو بھگو کر جوتے مارے ہیں۔"

فراز کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی خط کے مندرجات پڑھ کے۔ وہ ماسٹر جی کے اپنے لکھے خط کی تو
نہیں کر رہا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اسے بھائی دلنواز کے ذریعے پیغام ہی بھجوائیں۔
اس خط کے الفاظ اس کے دماغ پر مسلسل سنگ باری کر رہے تھے۔ وہ جو صحیح معنوں میں زندگی میں کامیا
حصول کے سلسلے میں الجھ چکا تھا اور نت نئے تجربات سے گزر رہا تھا' ایک دم اپنی تمام موجودہ اور آنے والی مہ
ترک کر کے گاؤں جانے کو تیار ہوا۔

"باقاعدہ اور طریقے سے پروگرام بنا کر جاتے یار! یوں دیکھو تمہارے کتنے پلان ملتوی ہو جائیں گے"

ز اسفند کو اپنی روانگی کے بارے میں بتایا تو وہ بھی اسے سمجھانے لگا۔
"نہیں اسفند یار! اور بہت سے تقاضے تو میں نظر انداز کر سکتا ہوں مگر یہ بلاوا ایسا ہے جس کی سرتابی کی مجال
ں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔
"جیسے تمہاری مرضی۔" اسفند بھی اس کے لہجے کی سنجیدگی کو محسوس کر کے خاموش ہو گیا۔ ہاں اس نے اس کے
نے سے پہلے اس کی دو ماہ کی تنخواہ اس کو ایڈوانس دلوا دی تھی۔ "تمہاری مدر کو تسلی قلب کی ضرورت ہے' اس خبر کو سن
کہ تم برسرروزگار ہو گئے ہو' وہ یقیناً مطمئن ہو جائیں گی۔" فراز کے تامل پر اس نے اپنے تئیں ایک منطق پیش کی۔
"آپ بے چارے نیکیاں کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینے کے فیز سے گزر رہے ہیں۔ آپ
تئیں ایک مثال کی تقلید کرنے کے لیے کوشاں ہیں کیونکہ آپ کو شواہد ملے ہیں کہ آپ کے مرحوم بھائی نے ایسی
ی اپنائی اور وہ اب بھی لوگوں کے لیے امر ہے مگر آپ کیا جانیں' آپ کی عطا کردہ اس دو ماہ کی تنخواہ کو دیکھ کر مجھ پر
کیسے جرح کی جائے گی۔ میں تو بہت سے لوگوں کے خیال میں یہاں پڑھنے آیا ہوں اور مجھے فنانشل سپورٹ بھی
دل نواز سے ملتی رہی ہے۔ اب میں اگر بتا دوں کہ میں وہاں کیا کیا کر رہا ہوں تو ماضی کے شاہوں کی جھلک مجھ
دیکھ کر کیسا کیسا فضیحتہ نہیں ہو گا میرا۔ آئی ایم سوری اسفند یار بھائی! میں یہ فنانشل ایڈ نہ تو اپنی ماں کی تسلی قلب کے
اسے دکھا سکتا ہوں اور نہ ہی بھائی دل نواز کو امداد کے طور پر دے سکتا ہوں۔"
گاؤں جانے کے لیے بس میں بیٹھے بیٹھے وہ سارا راستہ ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں سوچتا آیا۔

"لینا ڈی سوزا۔" سفید کاغذ پر لکھے اس مختصر تعارف نامے کو اسفند نے تین مرتبہ پڑھا۔ اس کی سیکریٹری کے
یہ لڑکی ڈیڑھ گھنٹے سے اس کی مصروفیات ختم ہونے پر اس سے ملاقات کی منتظر تھی۔ اس کے دماغ میں نام گڈ
ئے۔ "وہ تو للی ڈی سوزا تھی غالباً یا پھر نام بدل لیا اس نے۔" اس کے ذہن میں لیڈی ایلس کی دوسری گرینڈ ڈاٹر
ی نہیں اور وہ اپنے دماغ میں جاری اس کشمکش میں الجھ رہا تھا کہ اس مہمان سے مل لے یا انکار کر دے اسے فراز کی
یاد آئی۔
"بھجوا دو۔" آخرکار اس نے انٹرکام پر اپنی سیکریٹری سے کہا۔ اس وقت وہ نسبتاً فارغ تھا اور کسی بھی عجیب و
ب صورت حال سے نبٹ سکتا تھا۔ اندر آنے والی وہ لڑکی للی ڈی سوزا تو ہرگز نہیں تھی۔ ہاں اس کا چہرہ دیکھتے ہی
یاد آ گیا کہ وہ لیڈی ایلس کی کم گو' معصوم صورت' لیے دیے رہنے والی یورپین نین نقش کی حامل پوتی تھی۔ جو' ان
املاقاتوں میں جو' ان کے درمیان ہوتی تھیں۔ ایک بار بھی براہ راست اس سے مخاطب نہیں ہوئی تھی۔ اب اس
ہاں اچانک آمد۔ وہ متعجب ہوا۔
"آپ لینا ڈی سوزا ہیں۔" اس نے بات کا آغاز کرنے کی خاطر کہا۔
"جی ہاں!" لڑکی نے نیچی آواز میں جواب دیا۔
"جی فرمایئے۔ کیسے آنا ہوا؟" وہ اپنے مخصوص شوکرس انداز میں بولا۔ لینا نے ایک لمحے کے لیے نظر اٹھا کر
یکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔
"گرینی کا اصرار تھا کہ میں ایک بار آپ کے پاس جاؤں۔ وہ کہتی ہیں کہ شاید آپ میری مدد کر سکیں۔"
"اوہ!" اسفند نے گہرا سانس لیا۔ "مثلاً کیسی مدد؟" اب کے اس نے اپنی سیکریٹری کو کولڈ ڈرنک لانے کو بھی
یا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ لڑکی کے چہرے پر کمرے کی خنکی کے باوجود پسینہ چمک رہا تھا۔ اور بات کرنے

کے دوران اس نے تھوک نگل کر اپنے حلق کو تر بھی کیا تھا۔

''وہ جو لڑکا ہے فراز...... اس نے بھی کہا تھا کہ آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔'' لینا نے اپنی آمد کا
بتایا۔

''اور کس کس نے ایسا کہا تھا۔ آپ ایک مرتبہ ہی بتا دیجیے'' اسفند محفوظ ہو کر بولا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' اس نے چہرہ ذرا سا ٹیڑھا کر کے کان اسفند کی طرف کیا۔ جیسے اس کی بات
ہوئی ہو۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے آپ لیڈی ایلس ڈی سوزا کی پوتی ہیں۔ بیٹے کی بیٹی۔'' اچانک اس
خیال آیا۔

''جی ہاں!'' اسے مختصر جواب ملا۔

''آپ کے فادر اور مدر۔'' اب اسفند نے یہ بات اٹک اٹک کر پوچھی تھی جیسے جھجک رہا ہو۔

''گرینی نے آپ کو یہ نہیں بتایا؟'' لینا نے اپنی پلکیں جھپکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ اسفند
ہلایا۔

''میرے فادر کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور مدر......'' اس نے آہ بھرتے ہوئے چھت پر نگاہیں گاڑ
خاصے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''میں اپنی مدر کے بارے میں خود بھی کچھ نہیں جانتی۔ اس سے آگے ان مختصراً اپنے گزشتہ حا
گوش گزار کیے۔

''اوہ ویری سیڈ!'' اسفند نے روایتی سے افسوس کا اظہار کیا۔ جس کو محسوس کر کے لینا ذرا

''میں...... آئی مین۔ اس نے جھجکتے ہوئے اپنا مدعا واضع لفظوں میں بیان کیا۔'' میں آج کل جاب لیس
نے ایک مرتبہ آپ سے للّی کے لیے جاب کا بولا تھا' مگر للّی کا مزاج مختلف ہے۔ اگر آپ میری مدد کر
آپ کی مشکور ہوں گی۔''

لینا جو زندگی میں پہلی مرتبہ اس طرح کسی سفارش پر کوئی کام کروانے نکلی تھی اسے اس قسم کی بات
تجربہ نہیں تھا۔ اس کی بات کے جواب میں اسفند خاموش رہا۔ اس کی خاموشی لینا کو اپنی انتہائی توہین مح

''او کے۔ پھر میں چلتی ہوں۔ مجھے افسوس ہے میں نے آپ کا وقت ضائع کیا۔'' بیگ کند
کمرے سے باہر نکلنے کے لیے مڑی تو اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ اس کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔

''ٹھہریے مس لینا!'' عقب سے آواز آئی۔ ''آپ تو فوراً ہی چل دیں۔ میں نے انکار تو نہیں

''یہ بڑے بڑے دفتروں میں بیٹھے لوگ یوں ہی کسی کو جاب نہیں دے دیتے' جاب دینے
ڈیمانڈز کچھ اور ہی ہوتی ہیں۔ جو ان کی ڈیمانڈز پوری کر دیتا ہے اسے جاب مل جاتی ہے۔'' اس لمحے
دوست زرین کی کبھی کی کہی بات یاد آئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

''آپ رکیے مس لینا! میں اپنے ایک دوست سے بات کرتا ہوں' ممکن ہے آپ کا مسئلہ ابھی
لینا نے رخ موڑا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔ پھر اسے اپنی مطلو
خاموشی سے کال ریسیو کیے جانے کا منتظر تھا۔ اور پھر وہ گویا ہوا۔ اس کی گفتگو انگریزی زبان میں ہو
اسے بالکل ٹھیک طرح سمجھنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ گوری رنگت اور مغربی نین نقش رکھنے کے باوجو

بھی تھا کہ انہیں انگریزی زبان پر عبور حاصل نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی تعلیم وقفوں کے ساتھ حاصل کرتی رہی
ں اور انٹرمیڈیٹ سے آگے پڑھ ہی نہیں پائی تھیں۔

''یہ میرا کارڈ ہے مس لینا؟'' موبائل بند کر کے اسفند نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ ''اور یہ اس جگہ کا
رلیں اور اس کمپنی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کا نام ہے جہاں آپ کو جانا ہوگا جاب کے لیے۔ یہ ایک لگژری کوچ سروس
ہے جو پاکستان کے بڑے شہروں میں ٹریولنگ کی جدید سہولتیں دے رہی ہے۔ اس کا سسٹم انتہائی جدید ہے۔ آل
سٹ ایئر سروسز والا۔ ان کو سروس ہوسٹز بھی درکار ہوتی ہیں۔ اگر آپ کا دل مانے تو یہاں چلی جایئے گا۔ آپ کی
ب وہاں پکی ہے۔ کچھ عرصہ آپ ٹریننگ لیں گی اور پھر مستقل جاب پر رہیں گی۔ تنخواہ اور الاؤنسز معقول ہیں اور
ں مراعات بھی ایئر ہوسٹز جیسی ہیں۔ آپ کی کوالی فیکیشن کی وجہ سے فی الحال اس سے معقول جاب بلکہ اس سے محفوظ
ب میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' اسفند اسے تفصیل بتا رہا تھا اور وہ اسے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

''اس سے محفوظ۔'' وہ زیر لب بولی۔

''جی ہاں۔ یہ میں نے اس لیے کہا کہ کیونکہ کچھ دیر پہلے ہی آپ نے کہا تھا کہ للّی کا مزاج مختلف ہے۔ اس کا
ی مطلب ہے کہ تا کہ آپ کا مزاج للّی سے مختلف ہے۔ میں آپ کو ایک محفوظ جاب ہی دلوانا چاہتا ہوں۔'' اسفند
ے سنجیدگی سے وضاحت کی۔

''میں انتہائی ان فارمل ہوں۔ اور انتہائی ان سوشل بھی مجھے وہ روایتی باتیں نہیں آتیں جو ایک سمجھ دار لڑکی کو
نا چاہئیں۔ اس لیے میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آ رہا کہ آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔'' لینا نے سادگی سے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' اسفند نے ہاتھ ہلا کر لاپروائی سے کہا۔ ''میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ ایک
م میرے اختیار میں تھا۔ سو کر دیا' اس میں کیا کمال ہے' باقی اس بات کا مجھے واقعی افسوس ہے کہ آپ کی فیملی سے
نے عرصے کے تعلق میں' میں نے آپ کو نوٹس نہیں کیا۔ آپ اپنی فیملی سے بہت مختلف ہیں۔''

لینا کے لیے یہ رائے نئی نہیں تھی۔ یہ بات ان کو جاننے والے اکثر ہی لوگ کہتے تھے۔

اسفند کے دفتر سے واپسی کے سفر میں لینا کے دماغ میں کئی نئی نئی باتیں گردش کرتی رہی تھیں۔ کوئی شک نہیں
کہ وہ اسفند کی شخصیت سے متاثر ہوئی تھی۔۔ اور اسے اس کی وضع داری بہت بھائی تھی۔

''وہ یقیناً کسی بھی ٹین ایج رومنٹک لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا ہے۔'' اس کے بارے میں للّی کا تبصرہ اسے یاد آیا
اس کے دل نے اس بات کی نفی کی۔

''ٹین ایج رومینٹک لڑکی کا تو ہرگز نہیں' وہ تو کسی بہت ہی سلجھی ہوئی سو بری لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا ہے' وہ بہت
سے مختلف ہے' تقریباً ہر ایک سے۔'' پھر اسے یوں مایوسی کے عالم میں اسفند کے آفس تک چلے آنا یاد آتا رہا'
بات کی ترغیب گرینی اسے کئی دن سے دے رہی تھیں مگر وہ ٹال رہی تھی۔ مگر جب رات گرینی نے صاف لفظوں
اس سے کہا۔

''لینا......! امارا تو کچھ ایسا ویسا نائیں اے' امارا لیے تو تم ویسا ای ڈارلنگ اور جیسا تمارا ساتھ کا للّی اور جینس'
امارا واسطہ ایک بڑا پرابلم کا بات یہ اے کہ ام اپنا لائیولی ہڈ کے لیے خود جینس ایسا دیا اس بات کر دے وہ الون اس
کو کیا سپورٹ کر سکنے کا اے۔'' (لینا! مجھے تو کچھ فرق نہیں پڑتا' میرے لیے تو تم بھی للّی اور جینس کی طرح ہو'
ممی خود اپنی بزربسر کے لیے جینس پر انحصار کرتی ہوں ایسا نہ ہو کبھی جینس سوچے کہ وہ تنہا پوری فیملی کا بوجھ اٹھا
ہے۔)

یہ بات وہ خود نجانے کب سے سوچ رہی تھی مگر گرینی نے اسے حسب عادت ظالم دنیا کی ظالم حقیق
میں بتادی تھی۔ یہاں ہر کوئی اپنا ذمہ دار خود ہے۔'' اس نے سوچا تھا اور صبح تک وہ یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اپنی اِ
حال سے نبٹنے کے لیے مدد کے واسطے جس کسی کے سامنے اسے دست طلب دراز کرنا پڑا وہ کرے گی۔ اس کا
شناسا کوئی نہیں تھا سو وہ آزمائش کے طور پر سب سے پہلے اسفندیار محمد کے پاس پہنچی تھی۔ اور جس بات کی وہ
نہیں کر رہی تھی وہ ہو گئی تھی۔ اسے انشورڈ جاب مل گی تھی معقول تنخواہ کے ساتھ۔

''تم ٹھیک کہتے تھے انکل ڈینس! اوپر والا دیر ضرور کرتا ہے اندھیر نہیں کرتا۔'' اس نے انکل ڈینس
مخاطب کیا اور مطمئن ہو کر وین کی نشست کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

......✿......

''اوئے فرازیا۔ تو تو باؤ فراز ہو گیا ہے بھئی بالکل۔'' فراز کو گاؤں کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر ا
مل گیا تھا اور وہ اس وقت سے اسے تین مرتبہ گلے مل چکا تھا اور اسے بار بار دیکھ کر یہ تبصرہ بھی تین بار کر چکا تھا۔

''پا امین...... میں کوئی بدل کر آیا ہوں جو تجھے باؤ لگ رہا ہوں۔ میں تو ویسا کا ویسا ہی ہوں۔''

فراز نے لاشعوری طور پر وہ نامحسوس گرد جھاڑتے ہوئے کہا جو پا امین کے کپڑوں سے اس کے خیال
کے کپڑوں پر منتقل ہو چکی تھی۔

''اوئے بڑی ٹوریں ہیں۔'' پا امین نے اس کی پینٹ شرٹ کو دیکھ کر کہا جو نئی تھیں اور اس نے اس
گاؤں میں نہیں پہنی تھیں۔ پھر اس نے اس کی گھڑی کو ٹٹولا۔ اس کے جوتے دیکھے۔ شرٹ کی جیب سے
موبائل کے فیتے کو کھینچا۔ ''بلے بھئی بلے فراز! تجھے تو بھاگ لگ گئے ہیں جب ہی تو تو ادھر آنے کا نام نہیں
تھا۔''

''او بس کر پا امین یار۔'' فراز نے جھینپ کر کہا۔ ''مجھے کیا بھاگ لگنے ہیں۔ ویسا کا ویسا ہی ہوں' چلو
ہیں گاؤں کی طرف۔''

''اور خوشبوئیں بھی آ رہی ہیں۔ کرفیموں (پرفیوموں) کی۔'' اب کے پا امین نے لمبا سانس کھینچ
بس بھئی لگ سمجھ گئی تو اب ادھر کیوں نہیں آتا۔ چاچا کہتا ہے وہ جو شاہو تھا نا ماسٹر ہدایت اللہ کا اس کی بھ
ٹوریں بن گئی تھیں۔ جب ہی اس نے ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دیا تھا۔''

''او معاف کرو پا امین! فراز نے ڈر کر ہاتھ جوڑے۔'' ''مجھے اس سے تو نہ ملاؤ۔ میں تمہیں ویسا لگتا ہ
اس سے پہلے کہ امین کچھ اور ارشاد فرماتا چاچا رلیا اپنی گدھا گاڑی چلاتا ادھر آ گیا۔

''آ بھئی فراز...... تیرا میرا اٹا کرا ادھر ہی ہونا ہوتا ہے۔ میں بھی اس وقت ہی شالا (چارا) کتر کرلا
چلو بھئی جوانو! بیٹھ جاؤ دونوں۔'' گاڑی پر بیٹھے بیٹھے فراز کو گلے سے لگا کر تھپکتے ہوئے رلیے نے کھلی آفر دی

''میں تو بیٹھ جاؤں گا چاچا رلیا۔ پر فراز شاید نہ بیٹھے اس کے کپڑوں کو رول (سبزے) کے داغ نہ لگ
نا۔'' پا امین اب بھی کمنٹ کرنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔ فراز نے ہاتھ میں پکڑا بیگ گدھا گاڑی پر رکھا اور خو
اس پر بیٹھ گیا۔

''لے کپڑوں کے خراب ہونے کا ڈر کسی اور کو ہو گا۔ اپنے فراز کو نہیں۔ وہ جب بھی آتا ہے یونہی ہم
پر ہی بیٹھ کر گاؤں تک جاتا ہے۔'' رلیے نے گدھے کو چابک رسید کرتے ہوئے کہا۔

فراز نے امین کو مسکرا کر دیکھا جیسے کہتا ہو ''اور سناؤ'' امین نے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

گاؤں میں اس کی آمد ایک خبر کے طور پر پھیل گئی تھی۔ نجانے کتنے دنوں سے انتظار میں ڈوبی اماں کا بس نہیں
اسے اپنے دل میں گھسا لے۔ بھابھی اور بھائی دل نواز اسی محبت' خلوص اور پیار بھری ناراضی کا اظہار کر
رہا تھا' مل چکا تھا مگر سب سے اہم اور مشکل ملاقات اسے ماسٹر جی
تھے جس کی وہ توقع کر رہا تھا وہ سب سے مل رہا تھا' مل چکا تھا مگر سب سے اہم اور مشکل ملاقات اسے ماسٹر جی
کرنا لگ رہی تھی۔ ان کے متوقع سوالات سے اسے ڈر لگ رہا تھا۔ اگلی صبح اس نے ہمت باندھ کر ان کے گھر کی
جانے والے راستے پر قدم رکھا۔ اماں اس کے ساتھ ساتھ تھی اور اس کی باتیں بھی جاری تھیں۔

''کسی کے بلانے پر بھی نہ آیا تو' دیکھ لیا ماسٹر جی کہتے تھے رہنے دے نور فاطمہ دل نواز کو نہ بھیج میں خود چٹھی
ا ہوں۔ اب بتاؤ کبھی ماسٹر جی نے خود بھی کسی کو چٹھی لکھی ہے۔ میرے تیرے کو کہہ کر جو بات کہنی ہوتی ہے لکھوا
ے ہیں۔ اور پھر ان کے لفظوں کی تاثیر دیکھو تو ان کی چٹھی ملتے ہی چلا آیا۔ اب انہیں پتا چلے گا کہ تجھے نوکری بھی مل
ہے اور تو پیسے کما کر بھی لایا ہے تو کتنے خوش ہوں گے۔''

''ہونہہ! خوش ہوں گے۔'' فراز نے دور دور تک پھیلے کھیتوں میں لہراتی گندم کی سنہری بالیوں کو دیکھتے ہوئے
پا۔ ''اچھی طرح کھال کھینچیں گے ہر بات کی۔ وہ کیسے مانیں گے کہ نوکری بھی ہو رہی ہے اور پڑھائی بھی۔''

اماں اور بھی بہت سی باتیں سنا رہی تھی مگر اب اس کا دھیان اس کی باتوں میں نہیں تھا' ارد گرد پھیلے منظر پر تھا۔
ت' پگڈنڈیاں' ٹیوب ویل' جھونپڑیاں ان ہی مناظر کو اگر پینٹ کیا جائے تو بڑے بڑے لوگ کیسی کیسی تعریفیں
تے ہیں۔ اگر یہاں آ کر رہنا پڑ جائے تو۔''

وہ اپنے خیال پر خود ہی مسکرا دیا۔

راستے میں انہیں مانو کی اماں بھی ملی' جو نجانے کس کام سے جا رہی تھی مگر گاؤں کی روایت کے عین مطابق اپنا
کام چھوڑ کر ان کے ساتھ چل دی تھی۔

''بہتیرا کہا تھا میں نے ماسٹر جی سے مانو جتنا مرضی پڑھ لے اس نے نہیں پاس ہونا۔ لوگ کہتے ہیں جو ایک
ہ اڑ جائے وہ بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔ پر ماسٹر جی نہیں مانے' پڑھا کر لڑکی کی مت مار دی۔ اتنی سی شکل نکل آئی۔
ا اتنے دن ہو گئے امتحان ختم ہوئے' پر ابھی تک ویسی ہی کمزوری ہے۔ پر بات یہ ہے جہاں سر دیا وہاں چوں چرا کیا
رنا۔ ماسٹر جی کا حکم تو پھر ماسٹر جی کا حکم ہے' نا موڑیں تو کیسے موڑیں۔''

''خود ہی سوال خود ہی جواب۔'' فراز نے خاموشی سے سوچا۔ یونہی گفتگو میں مگن وہ ماسٹر جی کے گھر تک پہنچ
ئے تھے۔

''آ جا بھئی آ جاؤ نور فاطمہ! میں تو انتظار کر رہا تھا تو شکر پاروں کا ڈبہ ساتھ لے کر آئے گی۔ تیرا ہونہار بیٹا
مائیاں کر کے جو آیا ہے دبئی سے۔''

ماسٹر جی صحن میں پیپل کی گھنی چھاؤں تلے کرسی بچھائے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ اماں اور مانو کی اماں کی موجودگی
ں ماسٹر جی نے صرف ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گزارا' پھر وہ دونوں اٹھ کر چلی گئیں تو فراز کا دل دھڑکنے لگا۔

''اچھا تو پھر باؤ فراز اب سناؤ۔ کیا حال چال ہے'' ماسٹر جی نے اپنے بہترین دوست حقے کے کش لگاتے
دئے کہا۔

''ٹھیک ہے جی۔'' اس نے سر جھکائے جھکائے کہا۔

''فرازیا! تو نظریں اونچی کر کے کیوں نہیں بات کر رہا۔ کچھ چوری کر کے بھاگا ہے کہیں سے۔''

''نہیں جی۔'' اس نے پھر اسی طرح نظریں جھکائے جھکائے کہا۔

''فراز یا...... مجھ بڈھے کو اب اس سے کیا غرض رہ گئی ہے کہ کون کیا کرتا ہے کیا نہیں۔ میرا دم نہیں۔ آج زندگی کے سارے جمع تقسیم کروں تو مجھے پتا چل جائے کہ میری کون سی بات غلط ثابت ہو درست۔ بس اسی ڈر سے نہیں پڑتا' اس جمع تقسیم کے چکروں میں تو' نظریں نہیں ملا رہا مجھ سے کہ تیرے وہاں شہر میں جیسی زندگی گزار رہا ہے جو کام کر رہا ہے' وہ ماسٹر جی کو پسند نہیں۔'' فراز نے چونک کر انہیں دیکھ

''نہ برخوردار نہ...... اس طرح تو میں بھی شرمندہ ہو جاؤں گا خود اپنے آپ سے' تیئس چوبیس سال دیتا رہا تجھے جو وہ تیرے کسی کام نہ آئے۔ مجھ بڈھے کی سوچ میرے تک رہنے دے اور کرتا جا وہ کام جو میں تیرا بھلا کرتا ہے۔ نہ میں تجھ سے کوئی سوال کروں گا نہ تو اس ڈر سے نظریں جھکا کہ تجھے کسی بات ہوگی۔ چل ویسے ہی بات کریں جیسے پہلے کرتے تھے۔ میں تو پہلے ہی شکر کر رہا ہوں کوئی بات کرنے والا تو ملا

فراز کو گاؤں آنے سے پہلے کسی انجانے لمحے سے خوف آ رہا تھا۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ اسے ماسٹر ناراضی سے ڈر لگ رہا تھا مگر اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ وہ انجانا لمحہ کون سا تھا جب کوئی آپ کو کچھ نہ کہتے سب کچھ کہہ جائے تو کیسا لگتا ہے' یہ فراز کو اب سمجھ میں آیا تھا۔

''نہیں ماسٹر جی۔'' فراز نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس طرح تو میری تسلی نہیں ہوئی۔ بہتر ہے کہ آپ پوچھیں میں اتنے دن کیوں نہیں آیا' آپ مجھے ڈانٹیں اگر میری کوئی غلطی ہے تو۔''

''چل جھلیا۔'' ماسٹر جی نے قہقہہ لگایا۔ ''اسے کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا۔ اگر تو کوئی ایسا کام کر تیرے خیال میں تجھے' تیری ماں کو' تیرے بھائی دل نواز کو اچھا نہیں لگے گا تو پھر تو پاس ہو گئی نا ہماری تربیت۔ پہلے بھی ایک دفعہ تجھے سمجھایا تھا کہ یہ جو ضمیر کا تھانیدار ہے' اگر ہتھکڑی لگاتا ہے کسی فعل پر تو سمجھ لو کامیاب ہے کیا بتاتا ہے۔''

''بتانا کیا ہے ماسٹر جی! کام تو وہی ہیں جو مجھے کرنا تھے۔ بس ان کا آرڈرز ذرا تبدیل ہو گیا ہے۔'' ہچکچاتے ہوئے کہا اور پھر بہت سی تفصیل انہیں سنائی' بہت سی باتیں وہ صرف اس لیے کھا گیا کہ وہ ان کو آزار نہیں پہنچانا چاہتا تھا پھر بھی وہ ان کے ردعمل کا منتظر تھا۔

فراز احمد!'' اس کی ساری بات سن کر وہ سنجیدگی سے بولے۔ ''تمہاری ماں نور فاطمہ بڑی سادہ عورت۔ اللہ رسول کرنے والی۔ اس نے بڑی مشکل سے جوانی کاٹی ہے۔ تین چھوٹے بچوں اور جوانی میں بیوگی کے سا نے اسے محنتیں کرتے' مشقتیں کرتے دیکھا ہے پر بڑے وقار کے ساتھ۔ دل نواز تو جیسے اونچا ہوا اس کے گیا۔ پر تمہاری باتیں سن کر مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے تمہیں یہ سارے سبب لگ رہے ہیں نا وہ سارے تمہاری ماں اور نیکیوں کا صلہ ہیں۔ بچو جی! یونہی خدا انہیں نواز تا جاتا۔ پیچھے کسی کی بوئی فصلیں ہوتی ہیں جو اگلے کاٹتے ہیں۔''

فراز کا دل ایک دم ہلکا ہو گیا۔ ماسٹر جی نے اس کے لیے وہ جواز فراہم کر دیا تھا جو اس کے دل کی تسلی کافی تھا۔

''اگر اس طرح سے اپنی زندگی بہتر بنانا برا نہیں ہے تو پھر ماضی میں آپ اسی طرح کی ایک کوشش ناراض ہو گئے تھے۔'' بے اختیار ایک بات فراز کے منہ سے نکل گئی تھی' جو وہ کبھی بھی کہنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ نہیں ماسٹر جی نے اس کی بات سنی نہیں تھی مگر وہ جواب نہیں دے رہے تھے۔ بس حقے کے کش لگاتے رہے تھے۔

''سلیم اور کالے سے ملے ہو کہ نہیں' سب سے ملنا ضرور' کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ فراز دماغ والا ہو گیا تھوڑی دیر بعد وہ بولے۔

کہ تونے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تیری انگریز سہیلیوں کا کیا حال ہے۔'' پھر انہیں نجانے کیا خیال آیا۔

''وہ بالکل ٹھیک ہیں' آپ کو بتایا تو ہے۔'' فراز نے بے دھیانی میں کہا پھر اسے چانک یاد آیا کہ تصویروں کی والا قصہ تو وہ پوری کہانی میں سے گول کر چکا تھا۔ اس نے تو صرف اسفند کے ملنے کی داستان انہیں سنائی تھی۔ اس کا موڈ بن گیا اور اور محض ماسٹر جی کو ہنسانے کے لیے اس نے لیڈی ایلس کے مخصوص لہجے میں انہیں دو چار نائیں جو انہوں نے معصومیت سے سنی بھی اور جی بھر کر قہقہے بھی لگائے۔

''میرا تو خیال تھا کہ تم نے پیچھے سے ماسٹر جی کو خوب بھڑکا رکھا ہوگا مگر دیکھ لو وہ مجھ سے کبھی ناراض نہیں

''اس شام جب وہ لالہ شفیع کے گھر ملنے کے لیے گیا تو اس نے ہینڈ پمپ کے نیچے برتن دھوتی مانو سے دانستہ لہا۔

''وہ کسی کے بھڑکانے سے نہیں بھڑکتے' نہ ہی کسی کے منانے سے منتے ہیں۔ ان کی اپنی مرضی ہوتی ہے۔'' مانو وص انداز میں جواب دیا۔

''ان کا خیال ہے کہ یہ جو میری نوکری شوکری لگ گئی ہے نا یہ اماں کے صبر کی وجہ سے ہے۔'' وہ اس بات پر بھی ے دوسری رائے لینا چاہتا تھا۔

''فراز! تم کتنے بے وقوف ہو۔'' اب کے مانو نے برتن چھوڑ کر اسے گھورا۔ ''تم نے محسوس نہیں کیا۔ کتنی آسانی وں نے کس کا کریڈٹ کس کو دے دیا ہے۔''

''کرے...... ڈٹ۔'' فراز نے اس کے منہ سے انگریزی زبان کا لفظ سن کر کہا۔ ''مبینہ کلثوم! لگتا ہے اس بار تم رہی جاؤ گی۔ ہماری ہیں نا وہ مس للی ڈی سوزا' انگریز ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود انگریزی بڑی کمزور ہے۔''

''ہماری مس للی ڈی سوزا۔'' اس رات مانو کے کانوں میں یہ چند الفاظ گونجتے رہے۔

''ڈیئر ڈائری! آج شروع کرتا ہوں اس مقدس نام کے ساتھ جس کی مہربانیوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ ڈیر! اگر تم پاکستانی ہوتیں تو تمہارے کسی نہ کسی صفحہ پر تو اس کا ذکر ہوتا مگر تم بے چاری تو پردیس سے آئی ہو۔ تم تو توں سے بھرپور ہو' تمہیں بھی کیا کہوں۔

......❁......

ڈیئر ڈائری! آج عرصے بعد مجھے ''نوسرین'' یاد آ رہی ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ تغیر زمانہ کے سبب کتنے رگی میں آئے اور گئے۔ کچھ کو میں نے کھویا کچھ نے مجھے کھو دیا' جنہوں نے مجھے کھویا' اس لسٹ میں نوسرین کا شامل تھا مگر آج میں اس نام کو دوسری لسٹ میں منتقل کرتا ہوں' ان لوگوں کی لسٹ میں جن کو میں نے کھو دیا۔ نوسرین کون تھی' کہاں سے آئی' کہاں چلی گئی' یہ قصہ تو کبھی بعد میں سناؤں گا۔ آج تو اس کی کہی ایک بات رقم ں وہ کہا کرتی تھی۔

''زندگی ایک لمبی تاریک سرنگ کی مانند ہے۔ کبھی کبھی کسی انسان کو یہ سرنگ روشنیوں کے جہان میں پہنچا دیتی ی انسان کو خود میں کھلا چھوڑ دیتی ہے بھٹکنے اور ٹکریں مارنے کے لیے۔'' اس وقت میں اس کی اس بات پر اسی ساتھا جیسے ہم کسی کو احمق جان کر اس پر ہنستے ہیں مگر آج لگتا ہے' میں اسی بات پر رو رہا ہوں۔

Let me weep (مجھے رونے دو) ڈیئر ڈائری!

......❁......

ڈئیر ڈائری!

میں کافی رو چکا۔لہٰذا اب بس کرتا ہوں۔دراصل میں اکیلا ایسا نہیں ہوں ڈیر ڈائری! میرے جیسے اندر ہی اندر روتے ہیں۔خود سے باتیں کرتے ہیں' ماضی کو یاد کرتے ہیں' حال پر آنسو بہاتے ہیں اور مستقبل سے خوف کھاتے ہیں۔مگر جو کبھی ہم لوگوں کو دن کی روشنی اور شام کی روشنیوں میں دیکھو تو ہم سے زیادہ چمکتے دمکتے ہشاش بشاش ہنستے مسکراتے لوگ نظر نہیں آئیں گے۔اب مجھے ہنسی آ رہی ہے۔ٹھہرو' میں ذرا جی بھر کر ہنس لوں۔

ڈئیر ڈائری! اب میں سوچ رہا ہوں کہ کیا مجھ جیسے لوگوں ہی کو سائیکک نہیں کہتے؟ لو میں سنجیدہ ہوتا ہوں۔اور خود کو جواب دیتا ہوں۔نہیں کہتے۔بالکل نہیں کہتے۔میرے جیسے کرو ک عیار' مکار' دنیا دار کو سائیکک کیسے قرار دیا جا سکتا ہے ڈیر ڈائری! میں تو وہ ہوں جس کا سرا کوئی آج تک نہ ... ہے۔بہر حال یہ تو ساری معمول کی باتیں ہیں۔تمہارے صفحے کالے کروں یا نہ کروں' حرکتیں تو روزانہ ہی یہ ... اس وقت' جب سارے گھر پر گھپ اندھیرا چھایا ہے۔اور صرف گیٹ اور پورچ کی لائٹس جل رہی ہیں۔ ... گارڈ اونگھ رہا ہے۔

سارہ کچھ دیر پہلے ہی اپنے کسی شو سے واپس آئی ہے۔مجھے اس کے قدموں کی آواز آئی تو میں کمرے کے پردے کو سرکا کر دیکھا۔وہ اپنی گاڑی پر نہیں۔آئی اسے کوئی اور چھوڑ کر گیا ہے۔

میں نے دیکھا کہ سارہ تھکی تھکی' ننگے پیر چلتی آ رہی تھی' اس کے ہائی ہیل سینڈلز اس کے ہاتھ میں تھے۔اس کے بال بے ترتیب تھے اور کپڑوں کے نام پر جو چند دھجیاں اس نے اپنے جسم پر اٹکا رکھی تھیں وہ بھی بے ترتیب اور پر شکن تھیں۔جو خیال میرے دل میں اچانک آیا' وہ یہ تھا کہ اگر بابا ہدایت اللہ کو۔(اگر وہ زندہ ہیں) یہ سن گن مل جائے کہ ان کی لولی لنگڑی نسل اس طور زندگی گزار رہی ہے تو کیا ردعمل ہو ان کا۔

''بڑے سلیقے اور پلاننگ کے ساتھ اپنی عاقبت خراب کی تو نے شاہو۔مبارکاں بھئی مبارکاں' تو بندوبست کرنے میں میں بالکل کامیاب رہا کہ کہیں کوئی نیکی تیری بخشش کا سامان نہ بن جائے۔تجھے ا... ہٹ کر کچھ کرنے کا شوق تھا نا' سو تو نے سوچا ہوگا۔سب لوگ تو جنت میں جانے کی خواہش کرتے ہیں۔

... میں کیوں وہاں جاؤں جہاں سارا ہجوم جانے کی تگ و دو کر رہا ہے۔

... ہوں۔چلو جی بچو شاہنواز صاحب! جہنم کا داروغہ جی جان سے آپ کا منتظر ہے۔جہنم کے سارے لوازمات آپ کے نام پر پورے ہو چکے۔اب تو بس جانے کی دیر ہے۔شاوا وئی شاد بھلیا لوکا' خوب کمائیاں کر لیں تو۔''

مجھے یقین ہے کہ مائی ڈیر ڈائری۔کہ وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے۔(ایک بار پھر اضافہ کروں گا کہ اگر ... حیات ہیں) خیر! اب کیا کیا جائے ڈیر ڈایری! کہ جو بھی سارہ کا لباس اور حلیہ تھا۔وہ آج کل کے اس طبقے میں ... سے سارہ کا تعلق ہے' اسی کا ٹرینڈ ہے اور اس کے پروفیشن کی ڈیمانڈ بھی۔میں خود آئے روز ایسی تقریبات میں ... ریک ہوتا رہتا ہوں ... حال حلیے کی لڑکیاں شریک ہوتی ہیں اور میں ایک مڈل ایجڈ سوبر' سوفسٹیکیٹڈ انسان ... ہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہوں۔ان میں سے کئی میری فرینڈز کہلانا بھی بہت پسند کرتی ہیں ... اور مجھے واللہ بہت مزا بھی آتا ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ڈیر ڈایری کہ یہ ماسٹر ہدایت اللہ کا بھوت رات ہی کو کیوں اتنا ستاتا ہے میں کئی بار ... شکر ادا کرتا ہوں کہ اس دنیا میں کوئی عدالت ایسی نہیں لگے گی جہاں کٹہرے میں کھڑا مجرم میں ہوں اور جرح کرتا وکیل ... ماسٹر؟ ہدایت اللہ' مجھے علم ہے کہ میں اس دنیا کے ہر انسان کے ساتھ شاعرانہ چالیں چل سکتا ہوں ماسوائے اس شخص کے جب ہی تو وہاں سے آنے کے بعد میں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا جب بھی سوچا لگا بابا جی ٹوکرا اٹھائے ہاتھ میں تلی پکڑے آ...... آ...... کر رہے ہوں گے جیسے ہی جاؤں گا' تلی ہاتھ سے چھوڑ دیں گے اور میں ٹوکرے کے اندر قید۔

ابھی چند دن پہلے میں ایک اہم مذاکرے میں شریک ہوا جس میں لوگوں نے مجھے بطور ایک معزز ہستی بلایا تھا ... جہاں مہذب اور جدید دنیا کے متشابہ خطوط کا موازنہ کرتے ہوئے میرے اندر بیٹھا آدمی مجھ سے کہہ رہا تھا۔

''شاہنواز! اور کتنے فریب دو گے' یہ دنیا کے لوگ تمہیں مذہب کا ایک بڑا ٹھیکیدار سمجھ رہے ہوں گے' عالم' دانش ... اور تم کیا ہو؟۔

میرے پاس اپنا جواب موجود تھا' میں نے نہیں دیا۔دیکھا ڈئیر ڈائری! میں کتنا چالاک ہوں۔

ابھی کچھ دیر پہلے میں تمہیں نسرین عرف نوسرین کے بارے میں بتا رہا تھا۔نوسرین۔اس کہانی کا ایک کردار ہے جو میں تمہیں عرصے سے سنا رہا ہوں۔چچا کے ہونہار بھتیجے والی داستان۔چچا کے یہ بھتیجے روایات سے بغاوت کر کے مستقل شہر میں بیٹھ رہے۔یہاں فن مصوری میں اس کے ہاتھ کی پختگی دیکھ کر اسے نئی دنیاؤں میں لے جانے والے کئی کردار ملے۔مگر ایک عرصے تک ہوتا یوں رہا کہ وہ دوسروں کے ہاتھوں ایکسپلائٹ ہوتا رہا۔پھر اسی دنیا نے اسے سکھایا کہ گھی ہمیشہ ٹیڑھی انگلیوں سے نکلتا ہے۔سو اس نے اپنی سیدھی انگلیاں ٹیڑھی کر لیں۔

آرٹ کا ایک سیدھا سادا طالب علم پیسے کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ناخلفی کی بنا پر چچا صاحب کی سرپرستی سے بے دخل ہوا اور اس نے اپنے ازلی شاطر ذہن کو استعمال کر کے پیسہ کمانا شروع کیا۔سب سے پہلے وہ کیا بنا۔بتاؤں تمہیں ڈئیر ڈائری وہ اپنے ایک شاعر دوست کے ہمراہ روزینہ بائی کے بالا خانے پر پہنچا اور پھر جب اس نے دیکھا کہ اس زمانے کی مشہور مغنیہ روزینہ بائی کا ٹاؤٹ بن کر گاہک گھیرنا اسے ہفتوں میں وہ پیسہ کمانے کا سبب بن سکتا ہے' جو فرمائشی تصویریں' پنسل اسکیچ اور تراشے مجسمے اسے سالوں میں بھی نہیں دلا سکتے تو اس نے خود کو اس منافع بخش کاروبار سے منسلک کر لیا۔اب اس منافع بخش کاروبار کے ساتھ کیسی کیسی علتیں اس نے ساتھ پائی ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی شعور کر کے ...

روزینہ بائی۔ وہ اس شخص کی کامیابیوں کی پہلی سیڑھی' مرحومہ بہت خدا ترس عورت تھی۔ رکوڈ ٹیر!!
روزینہ بائی کی یاد میں ایک کاک ٹیل ہو جائے۔

......✿......

اس اتوار کو وہ عرصے بعد قدرے فارغ تھا۔ اس لیے دن چڑھے تک سوتا رہا۔ جب وہ جاگا' اس وقت
دوپہر ہو چکی تھی۔ خانساماں نے اسے بتایا تھا کہ ممی کسی لنچ میں شرکت کے لیے جا چکی ہیں۔ ڈیڈی کو ٹی وی لاؤ
بیٹھے دیکھ کر وہ ذرا ٹھٹکا اور اس نے یاد کیا کہ ڈیڈی سے ملاقات ہوئے کتنے دن ہو گئے تھے۔ اسے دنوں کی درر
یاد نہیں آئی۔ پھر وہ قمیص کی آستینیں فولڈ کرتے ہوئے سیدھا ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ ایزی
جھولتے ہوئے ٹکٹکی باندھے سامنے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔

وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا اور یہ سوچتا رہا' وہ اچانک اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑے اور کمزور نظر آنے لگے!

"آپ کیا سوچ رہے ہیں ڈیڈی! اس نے سوال کیا۔ وہ حسب توقع چونک گئے تھے۔

"کچھ بھی نہیں۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑی عینک اور گود میں رکھا اخبار میز پر رکھتے ہوئے کہا۔"
صرف سامنے کی دیوار پر چڑھی بیل کو دیکھ رہا تھا۔ اسے ریلوے کریپر کہتے ہیں غالباً۔"

'ریلوے کریپر۔" چھن سے اسفند کے دماغ میں ایک یاد ابھری۔ اسے پودوں میں کچھ زیادہ
نہیں تھی۔ مگر یہ نام پہلی مرتبہ اس نے شہری کے منہ سے سنا تھا' جب یہ گھر بن رہا تھا اور جب اس کے لان کی آ
جاری تھی تو وہ بطور خاص یہ بیل کہیں سے ڈھونڈ کر لایا تھا۔

"صرف یہ ہی بیل کیوں؟" اس نے دل میں سوچا۔

"لان میں تو بے شمار درخت' پودے' پھول ہیں۔ واہ رے میرے باپ! اب تم کیسے بتاؤ گے کہ تم صر
بیل ہی کو نہیں دیکھ رہے بلکہ نجانے تمہیں کیا کیا یاد آ رہا ہے۔" اس نے تاسف سے سوچا۔

"آپ اچانک اتنے بوڑھے کیوں لگنے لگے ہیں؟" اس نے بے اختیار ایک ایسا سوال پوچھا' جس کو!
کی اس کی قطعی نیت نہیں تھی۔ جواب میں انہوں نے کچھ دیر اسے دیکھا۔

"میری عمر کا اندازہ ہے تمہیں؟" پھر وہ بولے۔

"بالکل۔ مگر آپ اس عمر سے زیادہ بڑے لگ رہے ہیں' آپ کے ساتھ کے لوگ تو ابھی ینگ لگتے!
جواب میں وہ قدرے افسردگی سے مسکرائے۔

"آپ ممی کو دیکھتے ہیں۔" اب کے اسفند نے سوچا کہ بات شروع ہو گئی تھی تو کیوں نہ اسے آگے
جائے۔

"انہیں کون نہیں دیکھتا۔ انہیں تو سب دیکھتے ہیں۔" وہ ذرا شرارت کے انداز میں مسکرائے۔

"وہ آپ سے کہیں زیادہ ینگ لگتی ہیں' آدھی عمر کی۔" اسفند ہنوز سنجیدہ تھا۔

"لگنا چاہیے۔ وہ ڈیز رو کرتی ہیں۔" وہ پھر مسکرائے۔

"آپ ڈیز رو نہیں کرتے' آپ بھی تو ویسی ہی زندگی گزار رہے ہیں پر تعیش اور کیئر فری۔" وہ اپنی جگہ
کر ان کے قریب چلا آیا۔ "ڈیڈی! آج آپ فارغ ہیں اور میں بھی۔ میں آج آپ سے چند باتیں پوچھ لوں؟"

"کہو......" وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔

"مگر شرط یہ ہے کہ آپ کچھ چھپائیں گے نہیں' سچ بات کہیں گے۔"

"مجھے کٹہرے میں کھڑا کرو گے کیا؟" وہ دھیمی آواز میں بولے اور اسفند کو محسوس ہوا کہ اس کے باپ کی
بیت میں بے انتہا فرق آ چکا ہے' زمین آسمان کا سا فرق۔

"کٹہرا تو نہیں مگر توقع کا میدان ضرور ہے کہ آپ سچ بتائیں گے۔"

"چلو' کوشش کرتے ہیں۔" وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"ڈیڈی......! جب شہری نے آپ سے کہا تھا کہ وہ سارہ شاہنواز سے شادی کرنا چاہتا ہے تو آپ کیوں نہیں
نے تھے؟" اسفند کو یقین تھا کہ اس کی کہی یہ بات ان کی توقع کے خلاف ہے' اس کا خیال تھا کہ وہ بری طرح چونک
یں گے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح پر سکون بیٹھے تھے۔

"میرا خیال تھا کہ اس کا یہ فیصلہ یا خواہش غلط ہے" انہوں نے تحمل سے جواب دیا۔

"آپ کیوں سمجھتے تھے ایسا؟"

"اس کیوں کا میں تمہیں کیا جواب دوں۔" وہ تذبذب میں پڑ گئے۔

"ظاہر ہے کہ کوئی وجہ تو ہو گی اس خیال کی۔"

اسفند کے لہجے میں عجیب سی ناراضی تھی۔

"سچ بات بتاؤں۔" انہوں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"کہیے۔"

"وہ لڑکی ایک بڑے ہی چار سو بیس قسم کے شخص کی بیٹی تھی' اور اس کی ماں کا تعلق بھی ریڈ لائٹ ایریا سے تھا۔"

"آپ کو کیسے پتا ہے؟"

"لوگ کہتے ہیں کہ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے"

"اس کا باپ ملک کا ایک بڑا آرٹسٹ ہے' اس پر آرٹ کی دنیا میں تھیسس بھی لکھے جا چکے ہیں۔ میں نے کسی
یہ بات نہیں سنی۔"

"وقت گزر جائے تو بڑے سے بڑے شرمناک حقائق لمحوں کی گرد کے نیچے دب جاتے ہیں' ممکن ہے۔ اس
سلسلے میں بھی ایسا ہی ہوا ہو' وہ ویسے بھی انتہائی اسمارٹ آدمی ہے۔" انہوں نے پورے تیقن سے کہا۔

"اگر یہ شرمناک حقیقت اس شخص کی چالاکی کے باعث لمحوں کی گرد کے نیچے دب چکی تھی اور وہ خود معاشرے
یک اچھا خاصا اسٹیٹس بنا چکا تھا۔ تو پھر اس انکار کا کیا جواز تھا۔" اسفند بحث پر اتر آیا۔

"وہ اتنا چالاک آدمی ہے کہ مجھے یقین تھا کہ کسی بھی قسم کے تعلق کی جان لینے کے بعد وہ ہمارے ماضی کو سب
سامنے عیاں کرتا اور ہمیں ایکسپلائٹ کرتا' وہ دوسروں کی گندی لینن پبلک میں دھونے کا ماہر ہے۔" بوکھلا کر یہ
ان کے منہ سے نکل گئے تھے۔

"لیجیے۔ یہاں پکڑے گئے آپ۔" اسفند نے بے اختیار کہا۔ "اصل بات یہ تھی۔ وہ شخص آپ کے پس منظر
تی طور پر واقف تھا اور آپ دونوں اس سے ڈرتے تھے مگر ڈیڈی! آپ کے ماضی سے تو کوئی شرمناک حقیقت
ب نہیں ہے۔ آپ کا پس منظر آج سے مختلف ضرور تھا' باعث شرم ہرگز نہیں تھا۔ ریڈ لائٹ ایریا سے شادی کرنے
لے چار سو بیس شخص سے جمیل مرچوں والے کے بیٹے کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ جب اس کی اپنی گندی لینن پبلک میں
ہو چکی تو وہ دوسروں کی سستی مگر صاف ستھری کاٹن کیسے کسی کے سامنے دھو سکتا تھا۔"

"تم بر...

م ہوا اسفی! اس معاشرے میں رہتے انتہا عرصہ ہو چلا تمہیں مگر اس کے مزاج سے آشنائی نہ ہو

سکی۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔ "شاہنواز احمد ہنرمند اچھا آرٹسٹ ہے' مگر یہ جو آج اس کے پاس دولت ہے یہ اس کے ہنر' اس کے آرٹ کی وجہ سے نہیں آیا' اس کا کام نامور لوگوں کے اسکینڈل ڈھونڈنا' ان کی معلومات حاصل کرنا۔ اور پھر انہیں زبان زدعام کر دینے کی دھمکی دے کر ان لوگوں سے روپیہ وصول کر... اب وہ ایسا کرتا ہے یا نہیں' یہ مجھے معلوم نہیں۔ اس کا ماضی بہرحال ایسے ہی کارناموں سے بھرپور ہے۔ ا... نے پیسہ کمایا اسی طرح اس نے مقام بنایا' یہ آرٹ وارٹ تو اس کی وجہ شہرت بعد میں بنا۔ پہلے اچھے ا... لوگ اس کے نام سے ہی خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے۔"

"مگر اس سارے میں اس کی بیٹی اور شہری کا کیا قصور تھا' آپ کو معلوم ہے' شہری اس کے لیے کتنا... وہ زندگی کی خوشیوں سے کتنا مایوس ہو گیا تھا۔ آپ کی سختی اور انکار کے بعد۔"

اسفند پر اس ساری داستان کا مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

"اس کی بیٹی جس کا کوئی قصور نہیں تھا' شاہنواز اسے بھی دولت سمیٹنے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ ... وہ اسے ماڈلنگ کی دنیا میں کیوں لایا تھا۔ تمہیں کچھ معلوم نہیں اسفی! کہ یہاں کس کام کی آڑ میں کیا ہو رہا...

"نہیں۔ مجھے کچھ علم نہیں۔" اسفند کو ان کے سارے دلائل برے لگ رہے تھے بے بنیاد اور جھو... صرف اتنا علم ہے ڈیڈی کہ میرے بھائی کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش آپ دونوں کے اس خوف... کہ کوئی آپ کے ماضی کو جان نہ لے۔ یہ خوف آپ کی زندگیوں کو حصار میں لیے بیٹھا ہے نہ آپ اس سے باہر نکل سکتے ہیں نہ نکلیں گے۔ یہ خوف آپ کو پرانے محلے کی سائیڈ پر جانے نہیں دیتا' یہ خوف کسی... سے ملنے نہیں دیتا' حتیٰ کہ بی بی زینب تک یہاں آتی ہیں تو یہ خوف آپ کو ان سے ڈھنگ سے بات نہیں... رہی بات علم ہونے یا نہ ہونے کی تو یقیناً مجھے بہت سی باتوں کا علم نہیں مگر مجھے یہ علم ضرور ہے کہ مجھے اور میر... جو اس دنیا میں نہیں ہے۔ ہمیں کسی قسم کا کوئی کامپلیکس نہیں رہا۔ ہم فخر سے کہتے رہے کہ ہم جمیل مرچ وال... پوتے ہیں جس کی مشین سے کبھی ملاوٹ بھرے مرچ مسالے کسی گھر میں نہیں گئے تھے۔ جو درویش منش... وار شخص تھا۔ ہمیں کبھی یہ خوف لاحق نہیں رہا کہ لوگ ہماری اصل شناخت کو جان لیں گے تو کیا ہوگا۔" ا... بلند ہونے لگی تھی۔

"درست ہے صاحبزادے! تمہیں کوئی خوف نہیں اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔" آفتاب صاحب کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "خوف دلوں میں تب اترتا ہے جب انسان کلرک کے اسٹیٹس سے راتوں... بن جاتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں۔ ایسا کیسے ہوا۔ خوف تب دلوں میں اترتا ہے جب موچی گیٹ کے ایک... کرا چانک کوئی ماڈل ٹاؤن یا ڈیفنس میں آبستا ہے تو لوگوں کی انگلیاں اٹھتی ہیں' تب وہ ذرا ڑکے "تب... حقیقتیں چھپانے کی سعی کی جاتی ہے' شناسا لوگوں سے منہ موڑا جاتا ہے۔ اور شاہنواز احمد جیسے شخص سے انکار کیا جاتا ہے۔ سمجھتے تم......"

وہ اپنی بات مکمل کر کے تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے گئے۔ اور اسفند وسیع لاؤنج کے وسط... تنہا کھڑا رہ گیا۔

......۞......

مانو کو فراز کے اتنے عرصے بعد گاؤں آنے کی بہت خوشی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ افسو... اب وہ پہلے کی طرح فراز کے ساتھ بہت گھل کر بات نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دونوں بچپن۔ کر ساتھی تھے' ان...

...تھے' ان کی مائیں پکی سہیلیاں تھیں' سب سے بڑھ کر وہ ماسٹر ہدایت اللہ کے مکتب میں پڑھ لکھ کر بڑے ہوئے... مگر اب وہ محسوس کرتی تھی کہ جیسے پہلے وہ بے تکلفی سے ایک دوسرے سے بات کر لیتے تھے' لڑ جھگڑ لیتے تھے' ...خیالات کا تبادلہ کر لیتے تھے۔ ویسا اب نہیں ہو پاتا تھا۔

...بہت سی نئی نئی باتیں تھیں جو فراز کے ساتھ وہ کرنا چاہتی تھی۔ جن میں سب سے اہم بات ماسٹر صاحب کے ...خزانے سے آگاہی کی اطلاع تھی مگر جب چار دن سے وہ یہاں تھا وہ اس سے کوئی بات ماسوائے چند رسمی باتوں ...نہیں کر پائی تھی۔ اور اس کا بہت شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی طرح یہ بات فراز کو بتا سکے۔ فراز کی واپس... سے ایک شام پہلے اسے یہ موقع تب ملا جب وہ فراز کے گھر کھیر دینے خود گئی۔ فراز کی بھابھی آمنہ نے اسے ...بٹھا لیا۔ فراز اپنے کپڑے بیگ میں رکھ رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر شرارت کے بہت پرانے سے انداز میں ...رایا۔

"کیا دیکھ رہی ہو اتنے غور سے؟"

"دیکھ رہی ہوں کہ تمہیں اتنا سلیقہ کس نے سکھا دیا ہے۔ پہلے تو کبھی تم اس طرح کپڑے نہ رکھ پاتے۔" اس ...فوراً جواب دیا۔

"جب انسان اکیلا اپنے سر پر رہنے لگے تو سلیقہ خود بخود ہی آ جاتا ہے۔" بھابھی آمنہ نے فراز کی طرف پیار ...دیکھتے ہوئے کہا اور خود مانو کی لائی پلیٹ اٹھا کر باہر چل دی۔ مانو اسی موقع کی تلاش میں تھی۔

"فراز......! تمہیں پتا ہے' ماسٹر جی کے ٹرنک کا تالا ایک دن کھلا رہ گیا تھا۔"

بیگ بند کرتے فراز کے ہاتھ ایک دم رک گئے۔

"پھر؟" یہ ایک ایسی بات تھی جس میں دلچسپی نہ لینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

بچپن سے ٹرنک کا وہ بند تالا انہیں ستا رہا تھا۔

تجسس کا سمندر دل میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر یہ اطلاع تو بہت اہم اور دلچسپ تھی۔

"پھر!" مانو نے خطوط' تصاویر کا لفافہ اٹھانے سے واپس رکھنے تک کا قصہ بلاکم وکاست سنا دیا۔ فراز خاموشی ...غور سے سن رہا تھا۔

"انہیں پتا نہیں چلا؟" ساری بات سن کر بجائے اس کے متعلق کوئی سوال کرنے کے اس نے ایک ہی سوال ...یا۔

"نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔" مانو نے سر ہلایا۔

"اور تم کہتی ہو جب تم نے لفافہ واپس رکھا تو اگلے ہی دن تالا واپس لگ گیا۔"

"او...... مبینہ کلثوم!" فراز نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"پاگل' یہ کیسے ممکن ہے کہ انہیں پتا ہی نہ چلا ہو اور وہ یوں تالا واپس لگا ئیں جیسے منتظر ہوں کہ تم کب واپس ...تی ہو لفافہ۔"

"اگر انہیں پتا نہیں چل گیا ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مجھ سے پوچھتے ہی نہیں' مجھے ڈانٹتے بھی نہیں۔" مانو ...معصومیت سے بولی۔

"مبینہ کلثوم! اتنے سالوں میں تم ان کے مزاج سے واقف نہیں ہو پائیں۔ وہ ایسی باتوں کے جواب سوال ...نہیں کرتے' پھر کبھی پر ٹال دیتے ہیں اور جب پھر پوچھتے ہیں نا تو ایسی حرکت کرنے والے کے مزاج ٹھکانے

آ جاتے ہیں۔" فراز نے اسے اچھا خاصا ڈرا دیا۔

"جی نہیں جناب! ایسا ممکن ہی نہیں کہ انہیں پتا چلا ہوا اور وہ مجھے کچھ نہ کہیں' تو اب تم چغل خور ہو جاؤ گے۔" مانو نے پرانے لڑاکا انداز میں کہا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ یہ دونوں اکیلے ہوں اور لڑیں نہیں یہ کیسے ممکن ہے۔" بھابی آمنہ دھلی پلیٹ لیے آئیں تو مسکرا کر بولیں۔

"یہ ہے ہی ایسا لڑے بغیر رہ نہیں سکتا۔" آمنہ نے کھسیا کر کہا۔ فراز نے مسکرا کر بیگ کی زپ بند کی۔

......۞......

اس مرتبہ گاؤں جانے پر فراز کئی قسم کے احساسات سے دوچار ہوا تھا۔ وہ جب یہاں آ رہا تھا تو اس کے بوجھ تھا۔ اور یہ بوجھ ان سب باتوں کو چھپانے کا تھا جو وہ سب کو بتانا چاہتا تھا۔ گھر والوں اور خصوصاً ماسٹر صاحب سامنے آدھی حقیقت بیان کرنے کے بعد اس کے دل کا آدھا بوجھ کم ہو گیا تھا۔ واپسی کے سفر کے دوران وہ میں قیام کے بارے میں ہی سوچتا رہا تھا۔ جو باتیں اس نے کہنے سے خود کو روک لیا تھا ان کا آدھا بوجھ ابھی بھی کے دل پر تھا۔

"ماسٹر جی نے اتنی ساری باتوں کے جواب میں مجھے کچھ کیوں نہیں کہا۔" گاڑی میں بیٹھا وہ سوچ رہا تھا۔ "ان کی طبیعت کے کس قدر خلاف بات ہے کہ انہوں نے میری خاموشی کو بھانپ کر مجھ سے بہت کچھ اگلوا لیا اور کچھ نہیں کہا' بلکہ خوش ہوئے اور اس سارے کو اماں کی نیکیوں کا صلہ کہہ دیا۔"

اسے یہ سب عجیب' بالکل خلاف متوقع لگ رہا تھا بلکہ شاید اسے یہ سب اچھا ہی نہیں لگ رہا تھا۔ اسے ا کا بدلا مزاج بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے اپنے گھر والوں کا اپنے سامنے بچھ بچھ جانا بھی نیا اور نامانوس سا تھا۔ اب تک وہ یہاں آنے پر نصیحتیں سننے اور جھاڑیں کھانے کا عادی تھا۔ اسے یہ بھی محسوس ہوا جیسے اس کے گھر بھی اس سے دور دور اور کھنچے کھنچے رہے تھے۔ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا مگر پھر بھی ایسا ہوا تھا۔ اس بار اسے گاؤں کی جمود سے بھرپور محسوس ہوتی تھی۔ وہ شہر کی مصروف دوڑتی بھاگتی زندگی کا عادی ہو چلا تھا نئے نئے تجربات سے گ تھا۔ وہ اپنی ان ساری کیفیات کو سمجھتے ہوئے بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے پاس اپنے سوالوں کے جواب تھے بھی نہیں بھی تھے۔ اسے لگا جیسے وہ کسی انجانی کشمکش میں پڑ گیا تھا۔ پھر اسے مانو کی باتیں یاد آئیں۔

"دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور وہ بے چاری معصوم لڑکی ماسٹر جی کے ٹرنک خزانے کا راز کھل جانے کو ہی بڑا معرکہ سمجھ رہی ہے۔ کیا اسرار ہے ماسٹر جی کی زندگی میں جس کو جاننے کا تجسس اتنے سالوں سے ہمارے دل تھا۔ گاؤں گاؤں بچوں کو پڑھاتے وہ کبھی اس گاؤں میں آ پہنچے اور پھر یہاں تعلیم کا بدترین حال دیکھ کر اور لوگوں سادگی و محبت پا کر یہیں کے ہو رہے۔ کنبے میں فقط ایک بیوی اور ایک یتیم بھتیجا تھا۔ اور کوئی نہ آگے نہ پیچھے۔ یہاں کے بچوں کو پڑھانے کے لیے وقف کر دی۔

بھتیجے صاحب نے بغاوت اور غداری کی اور ان کی ساری امیدوں اور توقعات پر پانی پھیر کر چلے گئے۔ بیوی کا انتقال ہوا۔ تب سے دوسروں کے رحم و کرم پر پڑے اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی سادگی ہے کہ اپنا اتنا وسیع علم اور صلاحیتوں سے بھرپور ذہن بستی کمال پور کی نذر کر دیا اور گاؤں والوں کی سادگی یہ ہے کہ سارے کے بدلے انہیں ولی اوتار کا درجہ دے دیا۔" فراز نے یاد کیا۔

"مگر کیا ماسٹر صاحب کو علم کو اپ ڈیٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

"نئی معلومات' نئی ٹیکنالوجی' نئے انکشافات وہ ان سب کے بارے میں کہاں سے جان لیتے ہیں جبکہ اخبار' ٹی وی شاید ہی کبھی ان تک ان کی رسائی ہوتی ہو' پھر بھی کبھی کبھی نئے زمانے کو نئی باتوں کو اس طرح سناتے ہیں ان حیران رہ جاتا ہے۔

جو مرضی کہہ لو' ان کی کوئی بھی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے انہیں کشف ہو جاتا ہے۔ اسے بھائی دل نواز کی ماسٹر صاحب کے بارے میں کہی کی بات یاد آئی۔

"اسے کیا کہتے ہیں۔ اعتماد' یقین یا پھر اعتقاد' ایک اور سوال اس کے ذہن میں ابھرا۔ جس کا جواب اس کا دل دونوں ہی دے نہ پائے۔

اور وہ مانو جو ماسٹر جی کے بھتیجے کے بھیجے خط اور ان تصویروں کے بارے میں جو ٹرنک کے خزانے سے نکلے تھے رے میں کتنی ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔ مانو' مبینہ کلثوم اور للی ڈی سوزا حتیٰ کہ لینا ڈی سوزا میں کتنا فرق ہے۔ سب حالات کے مطابق ہی مزاج رکھتے ہیں۔ اور وہ لڑکی جو شاہنواز احمد عرف شاہو کی بیٹی ہے۔"

ایک اور سراپا اس کی نظروں کے سامنے لہرایا۔

"ارے! وہ بھی تو اس گاؤں کی بیٹی ہے' کبھی جو وہ اپنے پس منظر کو اکسپوژر (دریافت) کرے تو کیا بستی کمال ں میں سے منفی کر سکے گی۔" ایک اوٹ پٹانگ سوچ اس کے دل میں آئی۔

اس لڑکی اور مبینہ کلثوم میں بھی تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ اوہ خدایا! انسانی تحقیق و جستجو کتنا دلچسپ مگر کتنا ل ہے۔ انسان اس پر سوچنے لگے تو عمر ہی گزر جائے۔

......۞......

"بڑے دن گزر گئے بی بی زینب! کاکے کی ماں نہیں آئی؟" عائشہ نے اس روز بی بی زینب کی آمد پر اپنی کا اظہار کیا تھا۔

"پچھلی مرتبہ کچھ بتا کر نہیں گئی تھی۔" بی بی زینب کو بھی حیرت ہوئی۔

"پچھلی مرتبہ آپ کے سامنے ناراض ہو کر نہیں چلی گئی تھی' اس کے بعد کب آئی ہے۔" عائشہ کے لہجے سے پتا تھا کہ وہ خاصی پریشان ہے۔

"اس کا کوئی گھر ٹھکانا' کوئی ٹیلی فون کا نمبر نہیں ہے تمہارے پاس۔" بی بی زینب نے عہدیا کو انگلی سے پکڑ کر ہوئے کہا۔

"کوئی ٹیلی فون نمبر نہیں' ایک نمبر ہے موبل ایل (موبائل) کا' اس دن پی سی او سے کتنی دفعہ کیا' لڑکا کہتا تھا' ہے۔"

"اس کا گھر کہاں ہے' کچھ پتا نہیں ہے تمہیں۔"

"نہیں' مجھے کیا پتا۔ وہ کہاں رہتی ہے۔" عائشہ کی سادگی قابل دید تھی۔

"ائے ہائے' شاباش ہے عائشہ۔ تمہاری عقل کے کیا کہنے' یہ لڑکی تم تک پہنچی کیسے تھی؟" بی بی زینب کو حیرت ہو گا۔

"اس کو فیروز لایا تھا میرے پاس' فیروز جیدے کا جاننے والا تھا' جیدا جو میری سہیلی صابرہ کا بیٹا ہے۔" عائشہ کر کر رہی تھی۔

"تو ا برا؟" بی بی زینب نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

''وہ تو اب باہر چلا گیا ہے۔ کینیڈا' اپنے بیوی بچوں سمیت' وہ مل گئی تھی اسے' پتا نہیں کیا کہتے ہیں ا
(امیگریشن)۔

''اور صابرہ کدھر ہے' تمہاری سہیلی؟''

''صابرہ تو مدت ہوئی مر چکی' تین سال ہو گئے شاید اس کو۔ بس یہ جیدا ہی میرے پاس آتا جاتا تھ
ساتھ ہی ایک دفعہ فیروز آیا تھا۔ کہنے لگا' ماسی عائشہ چل تیری ساری عمر کی خواہش پوری کر دوں۔ تجھے بچ
غم ہے نا' لے دیکھ' اللہ نے بچے کا بندوست کر دیا تیرے لئے۔''

''اور تم مان گئیں۔'' بی بی زینب کو اب واقعی غصہ آنے لگا تھا۔

''نہیں۔ میں کب مانی تھی' میں نے کہا۔ میں یہ پرائی ذمہ داری کیسے اٹھاؤں۔ بچہ ہے کس کا؟ جا
ہے مجھے کیا پتا' بولا۔ یہ گارنٹی میں تجھے دیتا ہوں' بچہ بھی ملے گا' پیسہ بھی۔ تیری تو ساری خواہشیں پوری ہو
آئی کاکے کی ماں اسے لے کر' ساتھ فیروز تھا اور جیدا۔ اس نے مجھے رو رو کر اپنی کہانی سنائی۔ میں تو قسم
زینب! اس کے رونے پر اور پھر جس طرح وہ بچے کے ہاتھ' پاؤں چوم رہی تھی اسے دیکھ کر سارے سوال
کچھ میری ممتا ترسی ہوئی تھی۔ کچھ اس کی مجبوری سنی۔ سوچا دکھیا کا ساتھ دوں گی تو اللہ نجانے کتنے
دے۔ یہ ہی سوچ کر بچہ گود میں لے لیا۔ پھر وہ باقاعدگی سے آتی رہی۔ بلا ناغہ۔ چیزوں سے لدی پھندی
لاڈ کرتی۔ اس سے دوری پر روتی۔ یوں اس کے آنے میں وقفہ تو کبھی نہیں آیا تھا۔''

''نہیں' کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی' موبل ایکل کا نمبر تھا' جب کبھی کاکے کو کوئی بخار' کھانسی' بیمار
کیا۔ وہ فوراً آ جاتی پھر سچی بات ہے کہ میں نے کبھی فالتو بات ہی نہیں کی اس سے۔''

''ہاں بھئی' تمہیں کیا ضرورت تھی فالتو بات کرنے کی اس سے' ہم پر تو گھر بیٹھے ہن برس رہا تھ
کر رہی تھیں اپنے تئیں اچھا کھانے کو اچھا پہننے کو مل رہا تھا۔ کیا ضرورت تھی پھر فالتو بات کرنے کی۔''
بس نہیں چل رہا تھا' وہ عائشہ کو کیا کچھ سنا دیں۔

''نا نا بی زینب!'' عائشہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''یوں گناہ گار نہ کریں' قسم لے لیں' جو کبھی یہ خیال آیا ہو کہ اس کے آنے سے عیاشی آ رہی
تھی۔ بچے کے لیے کرتی تھی۔ اور جو میں کرتی ہوں' اس بچے کے لیے کرتی ہوں۔ یہ کھانا پینا' یہ پہننا
اصرار تھا نہ بھی کرتی تو میں نے کیا بچہ باہر پھینک دینا تھا۔ آپ کو کیا معلوم اس بچے کی خاطر میں نے کیسی
ہیں۔ کیسے کیسے طعنے ملے ہیں مجھے اپنوں سے بھی' غیروں سے بھی۔ میرے خاوند نے مجھے بالکل ہی
طرح سے۔ عزیز' رشتہ دار چھوٹ گئے۔ محلے والوں کی زبانیں آگ اگلتی رہیں۔ آپ نے خود سنا
آپ کا آسرا تھا جو تھوڑے دن سکون کے گزر گئے ورنہ جو کچھ میں نے سہا ہے اس نیکی کے بدلے' یہ
ہے۔''

''ہوں!'' بی بی زینب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ عائشہ کی باتوں کی ساری حقیقت سے
انہیں اچھی طرح پتا تھا کہ عائشہ نے پہلے بچہ محض لالچ میں آ کر گود لیا تھا' مگر پھر انسانی فطرت کے
انسیت ہر بات پر حاوی ہوتی گئی۔ اس کی ممتا کے سوتے خشک رہے تھے اتنے سال۔ اب وہ جاری
عورت ہو سکتی تھی جس کا دل نہ بدلتا۔ دل عائشہ کا بھی بدلا تھا۔ ہاں اس کے ساتھ ساتھ معاشی مسائل
گر تھے تو یہ اضافی فائدہ تھا۔ عائشہ معصوم' سیدھی سادی اور ان پڑھ عورت تھی اسے یہ خیال آ ہی نہیں

بچے کی ماں آنا چھوڑ دے۔ سو اس نے اس پہلو پر نہ کبھی سوچا تھا نہ ہی اس کے لیے کوئی پیش
بھی آ سکتا تھا جب
ی تھی۔
''اس لڑکے کا نام بتایا تھا تم نے جو جیدے کے ساتھ آیا تھا۔'' بی بی زینب نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد

''فیروز......'' مہد یار کو تھپکتی عائشہ نے جواب دیا۔
''ہاں......اس کا کوئی پتا ٹھکانا معلوم ہے تمہیں؟۔ وہ کون ہے؟۔''
''پتا ٹھکانا تو میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ صرف جیدے کا معلوم تھا۔ وہ لڑکا فیروز تو مجھے ویسے بھی اچھا نہیں لگا
لڑکیوں جیسے لمبے بال تھے۔ اس کے جن پر ربر بینڈ چڑھا کر رکھتا تھا۔ ایک کان میں بالی اور دوسرے میں ٹاپس
رکھتا تھا۔ سوکھا سڑا منہ' اس پر پتلی سی لمبی سی عجیب سی داڑھی تھی اس کی۔ مجھے تو اس سے ڈر لگتا تھا' میرا تو دل ہی
چاہتا تھا کہ وہ میرے گھر آئے۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ یہ اس بچے کی ماں کا کیا لگتا تھا۔''
بی بی زینب اب بال کی کھال اتارنے پر اتر آئی تھیں۔
''کچھ بھی نہیں' جیدے نے بتایا تھا کہ وہ اس کی ماں کا دوست تھا۔'' عائشہ نے بچے کو بستر پر لٹاتے ہوئے کہا۔
''دوست!'' بی بی زینب نے ناگواری سے کہا۔
''اوہو!'' عائشہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ''آپ کو تو پتا ہے ان بڑے لوگوں کے کام' ان میں لڑکے لڑکیاں
ت ہی ہوتے ہیں۔ انہیں نہیں کوئی فرق پڑتا' لڑکے لڑکی ہونے کا۔''
''ہاں جب ہی ایسے کارنامے بھی بہت ہوتے ہیں ان بڑے لوگوں میں۔'' بی بی زینب نے سوئے ہوئے
یار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''ہائے' بی بی زینب ایسے نہ کہیں۔ یہ تو جان سے پیارا بچہ ہے۔ اللہ اسے جگ جگ زندگی دے' نیک نصیب
ے۔ یہ تو کسی بڑے ہی نیک شخص کا خون ہے' بچے کی ایک ایک حرکت سے ہی پتا چلتا ہے۔ میں تو چوبیس گھنٹے
دیکھتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ جیسا یہ بچہ ہے اسے ایسی ماں کی اولاد نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' عائشہ نے بے خبر مہد
کے ماتھے سے بال ہٹا کر اسے چومتے ہوئے کہا۔
''پر عقل کی اندھی۔ اب یہ سوچ کہ اگر چار دن اور نہ آئی اس کی ماں تو تیرا اور اس کا کیا بنے گا۔ خاوند تیرا تجھے
ڑ چکا۔ کمائی کا کوئی ذریعہ ہے نہیں تیرے پاس۔ تو کرے گی کیا؟'' بی بی زینب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح
شہ کو لتاڑیں۔
''اس کی فکر نہ کریں۔ جو پیسے وہ مجھے دیتی رہی ہے' وہ بہت سے میرے پاس جمع ہیں' کئی جگہ میں نے کمیٹی
ڈالی تھی پھر بھی اگر یہ نہ بھی ہوتا تو کیا تھا۔ دو ہاتھ دیے ہیں اللہ نے۔ آنکھیں پیر سلامت ہیں۔ بچے کے لیے
ت مزدوری بھی کرنا پڑ جائے تو پروا نہیں۔'' عائشہ نے بے نیازی سے کہا۔ ''پر بی بی زینب! یہ تو سوچیں کہ آخر وہ رہ
ہاں گئی' آئی کیوں نہیں۔ اللہ خیر کرے' کہیں بیمار شمار نہ ہو۔ کہیں کسی پریشانی میں نہ ہو۔''
''اللہ رحم کرے گا۔ اس بدقسمت کو بھی راستہ نہیں مل رہا۔ کبھی ادھر بھٹکتی ہے کبھی ادھر۔ نہ دین کے لیے کچھ کرتی
ہے اور دنیا چھوڑتی نہیں' چاہتی ہے دونوں ہی مل جائیں۔ بھلا یوں بھی کبھی ہوا ہے۔ بس دعا کرو اس کی جان کی'
ت کی خیر ہو۔ اس بچے کو شاید کبھی کسی معجزے کے نتیجے ہی میں وہ ماں سچ مچ مل جائے۔ اتنی دیر تم پر جو اتفاقاً اللہ کی

طرف سے یہ ذمہ داری پڑی ہے اسے نبھاتی جاؤ۔ پر اپنے دل کو یہ سمجھ مالک اسے تم سے لے بھی سکتا ہے۔ تمہارے پاس تو یہ امانت ہے" بی بی زینب نے ٹریک بدلا۔

"بڑا سمجھا کر رکھتی ہوں۔ بار بار خود کو یاد کراتی ہوں۔ پر پھر بھی جب کبھی اچانک سوچتی ہوں تو ا پڑتا ہے۔

عائشہ نے سرخ ہوتی ناک چادر سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

••••••

"ایک ڈم ساڑا کا ساڑا گھر کھالی ہوگیا لگتا اے۔" (ایک دم سارا کا سارا گھر خالی لگتا ہے) لیڈ صحن میں رکھے گملوں پر سرخ روغن سے لتھڑا برش پھیرتے ہوئے سوچا۔ "جینس کا تو کبھی مالوم نئیں آیا بھی گھر نہ ہونے کا بھی۔ لینا کبھی جب شام کو آتا تھا تو چار باتیں کر لینے کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ للّی کا ہے۔ وہ تو ہوا نہ ہوا برابر۔ ہوا بھی تو ایک دم جھگڑا امافق بات کرتا۔ پر امارے کو تو ایسا مالوم ہوتا جیسا سارا پھ صرف لینا کا جانے سے پڑا اے۔"

(جینس کے تو گھر میں ہونے نہ ہونے سے فرق ہی نہیں پڑتا تھا للّی کا بھی ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ر کے جانے سے پڑا ہے۔")

"نو ڈاؤٹ۔ وہ جاب سے لگا امارا وی کھتم ہوا۔ پر جب سے وہ گیا اے آل ٹائم اس کا یاد آ جاب سے ہماری پریشانی ختم ہوگئی لیکن ہر وقت اس کی یاد آتی ہے۔)

"اے گرینی! چاول کا پھوک صاف کر دیا اے اب کتنا پانی رکھنے کا اے ابالنا کا واسطے۔ (گری دیے ہیں اب ابالنے کے لیے کتنا پانی رکھوں)

"گرینی! تماڑا ہیٹ کا ربن پرانا ہوگیا ایں لاؤ ام اس کو نیو کر دیویں۔ نیا ربن لگا کر بو بنا کر ادھر فیدرز بھی لایا اس میں لگانا کے واسطے۔ (گرینی تمہارے ہیٹ کا ربن پرانا ہوگیا لاؤ میں اسے نیا کر دوں! لگانے کے لیے رنگین پر بھی لائی ہوں۔)

گرینی! دیکھو تماڑا ٹانگ ابھی ٹھیک سے چلنے کا نئیں سکتا۔ ابھی اس پر مساج کرنا مانگتا۔ پام آ آنٹ ایمی نے بتایا تھا۔ ہینڈز اور فنگرز کا موومنٹ ام ویسا ای سیکھ گیا' تم ایک دم فٹ ہو جائیں گا ایسا سا (گرینی! تمہاری ٹانگ ابھی ٹھیک نہیں ہوئی ابھی اس کو پام آئل کے مساج کی ضرورت ہے۔ تم بالکل ٹھیک مساج کے بعد)۔

"گرینی! دیکھو ام تماڑا واسطے کیسا لپ اسٹک لایا۔ ساتھ میں لوز پاؤڈر اور باڈی ڈیو۔ ورنٹ بھی مالوم تم کو ایسا کاسمیٹکس کا کیسا شوق ایں۔"

(گرینی دیکھو میں تمہاری واسطے کیسی لپ اسٹک لائی ہوں ساتھ میں پاؤڈر اور ڈیوڈرنٹ بھی۔ ہے تم کو ایسی چیزوں کا کتنا شوق ہے)" اس کو سب مالوم ام کیا لائیک کرتا۔ کیا تائمیں۔ (اس کو سب پتا پسند ہے کیا نہیں) ایلس نے گملے سے سوکھے پتے نکال کر ہاتھ میں مسل دیے۔" پر جب وہ اماڑا پاس تھا مالوم نئیں ہوا کہ وہ امارا واسطہ کیا کیا کرتا۔ اب ٹو مانو۔ جیسا رونق رہا ہی نہیں۔ اولینا ڈارلنگ گڈ بلیس یو۔ یو آ سوانوسنٹ' ام تم کو خدا کی حفاظت میں دیا' تم اپنا لائیولی ہڈ ارن کرنا واسطے گھر سے دور ہوا۔ خدا اوا تماڑا ا کریں۔ گا۔"

(مگر جب وہ ہمارے پاس تھی تو ہم کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ ہمارے لیے کیا کیا کرتی ہے۔ اب تو جیسے ی ہی نہیں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے تم بہت اچھی اور معصوم ہو' ہم نے تمہیں اللہ کی حفاظت میں دیا۔ تم صرف کمانے لیے گھر سے دور ہوئی ہو' اللہ تمہاری حفاظت خود کرے گا۔")

اس نے گلے میں جھولتے سلور کراس کو چوما اور سینے پر بھی انگلی کے اشارے سے صلیب کا نشان بنایا۔ اس کی ں سے آنسو گر کر گملے کی مٹی کو گیلا کر رہے تھے۔

"کم آن ایلس Are you weeping" (کیا تم رو رہی ہو) اچانک اسے عقب سے آواز آئی۔ ے لتھڑا برش اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا' وہ بری طرح چونک گئی تھی۔

"وہ یو ڈینی! تم آل ویز ایسا ای کرتا۔ یو نو دس از ٹوٹلی اگینسٹ دی سوشل میرز۔ ٹم اگین بغیر ناک کیے گھس (اوہ ڈینی! تم ہمیشہ ایسا کرتے ہو تم جانتے ہو یہ مینرز کے بالکل خلاف ہے) وہ خفگی سے بولی۔

"ایلس ڈارلنگ! اس گھر میں کون سات بہت آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ایک میں' ایک سوسن' کبھی کبھار جان اور ن اور مہینے میں شاید ایک بار ماسٹر گل۔ تمہارے ٹوٹل گیسٹ' یہ ہی ہو سکتے ہیں نا"

ڈینس نے واکنگ اسٹک کے ساتھ چلتے چلتے صحن میں دھری کرسیوں کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"اونہہ!" ایلس کا ازلی طنطنہ ایک دم عود آیا۔ "ٹم آل ویز ام کو ڈی گریڈ کرنا والا بات کرتا۔ یہ تو ٹم کمپاؤنڈ کا اِب کرتا نا۔ کمپاؤنڈ کا لوگ کا سوشل سرکل اونلی اتنا ای اے۔ پر اماڑا سرکل گریٹ اے اتنا گریٹ۔" (تم ہمیشہ ہو لیکن یہ تو کمپاؤنڈ کے لوگوں کا سوشل سرکل اتنا ہے ہمارا سرکل تو اتنا بڑا ہے) اس نے بازو پھیلاتے ہوئے

"امارا سے ملنا کا واسطہ شہر کا آرٹسٹ لوگ آتا' شہر کا بڑا بزنس میں آتا' امارا سے ملنے کا واسطہ مشن کا اونچا لوگ کھد بتاؤ ڈینی! جب مشن کا صاحب لوگ اور میم صاحب ایدر آتا تو پورا کمپاؤنڈ میں سے اونلی ایلس ڈی سوزا کا نا کو کیوں نظر آتا' آرام کرنا کے واسطے۔ ایوری ایر وہ امارا کو ایونٹ گریٹنگ کارڈز بھیجا پورا سال۔ امارا پاس رڈ اے۔ کیوں' بتاؤ۔ (ہم سے ملنے کے واسطہ شہر بھر سے آرٹسٹ' بزنس مین اور مشن کے بڑے لوگ آتے خود بتاؤ مشن کے لوگ جب آتے ہیں تو انہیں آرام کرنے کے لیے صرف ایلس ڈی سوزا کا گھر کیوں نظر آتا بہال وہ ہم کو ہر موقع پر کارڈ بھیجتے ہیں۔ ہمارے پاس پورا ریکارڈ ہے اسے کیوں بتاؤ۔")

"کیونکہ تم خود بھی گریٹ ہو' سب سے اچھی' سب سے بہتر۔" "تمہارا کوئی جواب نہیں ایلس!" انکل ڈینس ، جوش کو بھانپ کر اسے ٹھنڈا کرنے کی خاطر بولے۔

"اُفوہ ڈینی!" پھر ایلس نے کسی گہری سوچ میں گم ہوتے ہوئے کہا۔ "پر اب ام سوچتا اے کہ یہ ساڑا کا ساڑا ری ہی اے اور کچھ نئیں۔ اب ٹم دیکھو اماڑا فیملی ہسٹری ام کو کیسا کیسا چانس دلوایا۔ نہیں تو نیٹو کرسچن تو ٹم بھی را کھاندان بھی ٹھا۔"

"اب میں کچھ بولوں گا تو تم مائنڈ کر جاؤ گی ایلس!" ڈینس نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں خوب معلوم ہے تمہارا ساتھ اونلی ایک گڈ لک ہوا۔ وہ جو بھی تمہارا باپ تھا' اس نے تمہارا ماں کی کمائی پر عیش کرنے کے واسطے ہ ٹائم گزارا۔ مجھے ابھی بھی یاد ہے۔ تمارا ماں آیا گیری کرتا تھا صاب لوگ کا بچہ کا۔ اور وہ تمارا نشے باز ا قیمتی برٹش آرمی میں جانے بینڈ ماسٹر تھا کیا تھا' نوکری چھوڑ کر ادھر تمارا کوارٹر میں پڑ رہا۔ اب اس فرق کا کرن تم اور طریقے سے گروم ہوا۔ اس کا ملنا ملانا والا آدمی تم لوگ کا گائیڈ بن گیا۔ مگر الٹی میٹ لی کیا ہوا۔ کیا تم لوگ

اس قسمت کو اسکیپ کر سکے جو تمارا تھا۔ کیسا بھاگا وہ تم لوگ کو چھوڑ چھاڑ جب اس کو جان صاحب کا میم کا واسطہ آفر کیا۔ ادھر تمارا ماں وہ آیا صاب جواب بوڑھا ہونے کو تھا' اس کے پاس اور کیا راستہ تھا سوا تم لوگ کو اس زمانہ کا ولایتی ناچ کا واسطہ بھیجتا۔ تمارا سسٹر ایملی' تمارا کزن روز لین' تمارا اینگر سسٹر کیتھ سسٹر نینسی بتاؤ۔ کون نئیں ناچا ولایتی چکر کے زندہ تماشوں میں۔ کیتھی اور روز لین نے تو سرکس کے مو میں سائکلیں چلانے کا کرتب بھی کئی برس کیا۔ وہ اپنی اپنی لک ساتھ لائی تھیں۔ اسی طرح کے تھیٹر یکل ساتھ لنڈن چلی گئی' کوئی آسٹریلیا' ایملی نے نرس جوائن کر لی۔ اور وہ مشن کا کام کرتی ہے او خداوند ہے۔ تم اپنا لک لے کرمیا۔ تم پر ڈی سوزا کا عشق سوار ہوا۔ گھر گرہستن کی زندگی گزانے کا جنون۔ تم کا کو لگ گیا۔ اس کا رزلٹ سامنے اے۔ اب اگر تم خود اپنے اور لینا و للّی کے فیچرز کو فیملی ہسٹری کی سپور اس حد تک تو نظر آتی ہے۔"

"اب میں کچھ کہوں گا تو تم برا مان جاؤ گی ایلس! تمہیں خوب معلوم ہے کہ تمہاری ایک ہی خوش جو تمہارا باپ تھا اس نے تمہاری ماں کی کمائی پر عیش کرنے کے لیے اس کے ساتھ وقت گزاری کی۔ مجھ ماں آیا تھی اور تمہارا باپ جو برٹش آرمی میں بینڈ ماسٹر تھا انہیں نوکری چھوڑ کر تمہارے کوارٹر میں آ گیا کی وجہ سے تم لوگ ذرا مختلف طریقے سے پلے بڑھے۔ مگر آخر کار کیا نتیجہ نکلا۔ تم اپنی قسمت سے نہ تمہاری ماں کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ تمہیں اس تھیٹر میں بھیجتی۔ تمہاری بہن ایملی روز لین' تمہاری چھوٹی بہن جڑواں بہن نینسی سب نے ہی یہ ناچنے کا کام کیا۔ کیتھی اور روز لین۔ کنوئیں میں سائکل چلانے کا کرتب بھی کئی برس کیا۔ وہ اپنی اپنی قسمت ساتھ لائی تھیں۔ کوئی اسی طر گروپس کے ساتھ لندن چلی گئی' کوئی آسٹریلیا' ایملی نن بن گئی۔

تمہاری قسمت تھی کہ تمہیں ڈی سوزا سے عشق ہو گیا اور گھر گرہستن بن کر رہنے کا شوق سوار ہوا۔ دیا۔ اس کا نتیجہ سامنے ہے۔ اب اگر تم خود اپنے آپ کو اور لینا اور للی کے نقوش کو فیملی ہسٹری کی سپور اس حد تک تو نظر آتی ہے۔"

ایلس خلاف معمولی خاموش بیٹھی ڈینس کی لن ترانی سن رہی تھی۔ آج اس نے اس کی بات کاٹی نہ ہی برا مانا تھا۔ شاید اسے علم تھا کہ اس وقت وہ ڈینس کی اکیلی سامع تھی اور اس کے پوشیدہ راز نہیں تھا۔

"تم جانتے ہو ڈینس! ام یہ سارا ڈرامہ کیوں رچایا؟" پھر وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولی جنریشن کو (آئیڈنٹیسٹی کرائسس) سے بچانا کے واسطے۔ یہاں تم سے سچویشن دیکھی ہے۔ مائینر فلیگ میں وائٹ کلر دے کر جان چھڑا لیا ان لوگ نے۔ اب تم کھد بتاؤ' امارا میں اور ان لوگ میں کتنا ان لوگ نے ام لوگ کو کھا کرب کے اسٹیٹس سے اوپر جانا۔ کیوں ان کا کمیونٹی میں کھا کروب بنا کھا کروب سے ان لوگ کا مگج میں اونلی کرسچن کیوں آتا۔ ڈفرنیس اے کہ نائیں اے۔ اور اگر کوئی گرل اونچا کوالیفکیشن والا ڈاکومنٹ لے کر جاب کرنا واسطہ جائے تو کوٹہ کوٹہ بولتا۔ ہیل ود آل دس ام

پھر اس نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فخر سے کہا۔

"ام جانتا تھا آنا والا جمانہ (زمانہ) میں یہ ای ہونے والا۔ ایس واسطہ ام اپنا بچہ لوگ کو بتایا اے۔ دیکھا تم نے کیسا رزلٹ دیا اس بات نے۔ ادھر اس لڑکا پھراج (فراز) کا ایگزیبیشن میں

اور نلی ام یہ سارا ڈراما کرتا پھرتا اور تم بات کرتا ولایتی ناچ کا ہا' ام مانتا امارا مدر میگی آیا نے اپنا ...ٹ پر۔ فاردس ...ی کو ڈانس کا ٹریننگ دیا۔ ولایتی چکر کا زندہ ناچ میں بھیجا۔ سرکس میں وہ سوب کا سوب نا' چا پر ام کو بتاتا یہ سارا ...میں دیکھنا والا کون ہوتا۔ کون ٹکٹ کھرید کر اندر آنے کو تڑپتا۔ یہ عجت والا اونچا نام والا نیٹو ازا سپیشلی مسلم لوگ۔ ...ت والا بی بی کو برخا (برقع) میں مانگتا۔ ویل ڈال (نقاب) کر باہر نکالتا۔ خود اسکارلٹ ویمن کا پاس جاتا کھلم ...زندہ ناچوں کی بیلے ڈانسرز کے پاس روپیہ دے کر وقت گزارتا تا ان کے پاس۔ ادھر ٹوائف لوگوں کا کوٹھا پر جاتا ...یکھنا واسطہ۔ کون جاتا' یہ جاتا عجت والا لوگ اور باتیں بناتا پھر اسی فیکشن کو' کرسچن بیلے ڈانسرز کو۔ ام سے پوچھو ...دم ان عجت والا لوگ کا عجت اتار کر پھینکتا۔"

(تم جانتے ہو ڈینس! ہم نے یہ سارا ڈرامہ کیوں کیا۔ اپنی آئندہ نسل کو بچانے کے لیے۔ یہاں اقلیتوں کا کیا ...ہے۔ تم خود بتاؤ کہ ان لوگوں میں اور ہم میں کتنا فرق ہے۔ کبھی ان لوگوں نے ہمیں خاکروب کے درجے سے ...ں رکھا۔ ان کی قوم میں کوئی خاکروب کیوں نہیں بنتا؟ خاکروب سے ان کے ذہن میں ہمیشہ کرسچن کیوں آتے ...اگر کوئی کرسچن اعلیٰ تعلیمی قابلیت لے کر جائے تو کوٹہ کا چکر پڑ جاتا ہے۔)

(ہمیں پتا تھا کہ آنے والے زمانے میں یہ ہی ہونے والا ہے اس لیے ہم نے اپنے بچوں کو یہ بتایا کہ ہم اعلیٰ ...ن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے دیکھو کیسا نتیجہ سامنے آیا۔ پھر اس لڑکے فرچاز کی۔ نمائش میں بھی بڑے لوگوں ...ں بات پر یقین کیا۔ صرف اسی لیے ہم نے یہ ڈراما کیا۔ اور تم جو بات کرتے ہو ولایتی ناچ کی ہاں ہم جانتے ...ہاری ماں نے اپنی بیٹیوں کو ڈانس کی ٹریننگ دی۔ کون ہوتے ہیں۔ کون ٹکٹ خرید کر آتے ہیں۔ یہ عزت والی ...ا کو پردہ میں رکھتے ہیں خود بیلے ڈانسرز کے پاس جاتے ہیں۔ ادھر طوائف کے کوٹھے پر کون جاتا ہے۔ یہی ...والے لوگ۔)

ایلس جذبات کی حد پھلانگ رہی تھی اور اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔

"اوکے' اوکے۔ ایلس ڈالنگ! غصہ مت کرو۔"

ڈینس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے' آج کچھ زیادہ چڑھا گئی ہے" انہوں نے دل میں سوچا۔

"ام اتنا سال صبر کیا ڈینی! ام اس سوسائٹی سے اسٹیٹس ایکسپیکٹ کیا۔ ام اپنا بچہ لوگ کا پرائڈ کا واسطہ ڈی سوزا ...پیشہ چھوڑا' ڈانس چھوڑا۔ آیا گیری کیا' صاب لوگ کا گھر کام کیا۔ پر ام اپنا بچہ لوگ کو ان کا Ultimate ...سے نائیں بچا سکا۔" ایلس پھر چیخی۔

(ہم نے اتنے سال صبر کیا۔ اس معاشرے سے مقام کی توقع رکھی۔ اپنے بچوں کی عزت کے لیے ڈانس آیا گیری کی۔ لیکن ہم اپنے بچوں کی قسمت نہیں بدل سکے)۔

"ایلس! وہ سب خوش ہیں' بزی ہیں اپنی اپنی لائٹ میں۔ دیکھو تم غم کرنے کا نئیں اے' بس تم ایک ٹیبلٹ ...اینگزائٹی کو کل کرنے والا۔ تم ریسٹ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائیں گا۔"

ڈینس نے جینس کے میڈیسن باکس کو کھول کر ایک ٹیبلٹ نکالی اور پانی کے گلاس کے ساتھ ایلس کو تھما دی۔

"پور ایلس! خوش رہنے کا اور فخر سے جینے کا ڈرامہ کرتے کرتے توڑ پھوڑ کا شکار ہو رہی ہے۔ اسے فوری طور پر ...تی پرائڈ کی ضرورت ہے' ورنہ یہ ذہنی توازن کھو دے گی۔"

اس شام سوئی ہوئی ایلس کو تنہا گھر چھوڑ کر واپس جاتے ہوئے ڈینس سوچ رہا تھا۔

.......✿.......

''مس سارہ شاہنواز! میں آپ کو کئی روز سے اس نمبر پر کال کر رہا تھا جو میرے پاس تھا مگر وہ نمبر
کا کیا خیال تھا آپ کا نیا نمبر لینا میرے لیے ناممکن ہوگا۔''

یہ کس نے اس کو مخاطب کیا تھا' وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ اسی آواز سے بھاگنا چاہتی تھی مگر اس
پکڑ لیا تھا۔

''آپ کو کیا ضرورت ہے میرا نمبر ٹریس کرنے کی۔'' اس نے بہت کوشش کے بعد اپنا لہجہ سخت کر
کہا۔

''میں نے ایک روز آپ سے ایک سوال پوچھا تھا۔ مجھے صرف اس کا جواب دے دیجیے' میں آ
کال نہیں کروں گا۔''

''آپ کا سوال کیا تھا؟'' اس نے بے نیازی سے کہا۔ ''ہم لوگ دن بھر میں اتنے لوگوں کے
جواب دیتے ہیں کہ رات تک سارے سوال بھول چکے ہوتے ہیں۔''

''بڑی پرسنالٹی ہیں آپ۔ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں مگر میرا سوال آپ کی ساری بھاگ دو
کے باوجود آپ کو یقیناً یاد ہے۔ لیجیے۔ میں پھر بھی دہرا دیتا ہوں۔ جس روز میرے بھائی شہریار محمد کی روڈ
میں ڈیتھ ہوئی' آپ اس کو چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھیں۔ اس بھیڑ' ہجوم اور اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر۔''

''نان سینس۔ آپ کے بھائی سے میرا کیا تعلق؟''

''میرے بھائی سے آپ کا جو تعلق تھا' اس کو سارا شہر جانتا ہے۔'' اسفند کی آواز غصے اور جذبات
لگی۔

''تو پھر سارے شہر سے ہی جا کر اپنے سوال کا جواب مانگیے کیونکہ میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے
سوالوں کے جواب دینے کا۔'' حسب توقع فون بند ہو گیا۔

اسفند نے ہونٹ بھینچتے ہوئے موبائل کی اسکرین کو دیکھا۔

''کوئی یوں بھی مانتا ہے اسفی! کم آن یار! لوگوں سے بات منوانے کے طریقے یہ نہیں ہوتے
سامنے بیٹھے شخص نے جو دیر سے اس کی باتیں سن رہا تھا' ہاتھ ہلا کر کہا۔

''میرے خیال میں تو تم بالکل حماقت کر رہے ہو۔''

سلمان جو صبح ہی اس کے پاس پہنچا تھا' ناراضی سے بولا۔ ''ہیل ود۔ وہ کون ہے' کیا تھی' شہری
کیا تعلق تھا۔ زیادہ سے زیادہ دوستی ہوگی نا اس کے ساتھ۔ تم یہ کیوں نہیں سوچ لیتے کہ شہری کے جانے
ایک کلوزڈ چیپٹر بن گیا۔ اب اس کو کھولنے کی کیا تک ہے بھلا۔''

''میں نے اس کو کھولنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا اور نہ ہی کبھی میں سوچتا۔ اگر یہ مجھے آ
بتاتا۔''

اسفند نے سامنے بیٹھے شخص کی طرف اشارہ کیا۔ سلمان کو پہلے ہی اس اجنبی شکل یہاں موجودگی
رہی تھی۔ اس کا حلیہ یا سا تھا جس سے اسے ہمیشہ بہت چڑ رہی تھی اور وہ اسفند کے حلقہ احباب میں
موجودگی کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نوجوان کے بال بڑھے ہوئے تھے' داڑھی کی شکل عجیب
چہرہ' سبز آنکھیں اور اس نے کانوں میں ایررنگز پہن رکھے تھے۔

''کیسے فیکٹس بتائے ہوئے ہیں اس نے تمہیں' مجھے ہی تو بتاؤ۔ دیکھو اتنے سال سے شہری میر

نہی اکثر کسی نہ کسی جگہ ملاقات ہوتی تھی۔ مجھے ایسی کوئی خاص بات نظر نہیں آئی اس کے معمولات میں۔''
زانہ نہ
اس موضوع کو وائنڈ اپ کرنا چاہتا تھا۔
لمان
''آئی تھنک اسفند! مسٹر سلمان کو یہ بات اچھی نہیں لگ رہی۔ تم ان کو انٹرٹین کرو۔ میں پھر مل لوں گا تم سے۔
اس اجنبی شخص نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کم آن مانچ میں احمق لگتا ہوں تمہیں شکل سے۔'' اس کے کمرے سے باہر نکلتے ہی اسفند سلمان پر برس
ال ''تمہیں علم ہے جب سے میں تمہارے اس ورڈ آف رچیز میں آیا ہوں' شہری اور اس لڑکی کی داستان عشق کے
کتنے چیپٹرز میرے سامنے آ چکے ہیں۔''

''سواٹ' یہ کوئی غیر معمولی بات تو نہیں ہے۔'' سلیمان نے شانے اچکائے۔

''ہے' غیر معمولی بات ہے۔ یہ لڑکی شہری کے کتنی نزدیک تھی' اس کا اندازہ ہم تم نہیں کر سکتے تھے' اگر یہ فیکٹس
و مجھے اس لڑکے نے دکھائے ہیں۔ میرے سامنے نہ آتے۔''

''اسفند تم کن پیچیدگیوں میں الجھ گئے ہو' اپنا دماغ مت ضائع کرو۔ جو زندگی ہے اسے گزارو۔'' سلیمان نے
ں سے مزید کوئی تفصیل پوچھے بغیر کہا۔

''مانی! پچھلے ہفتے میں دبئی میں تھا۔ وہاں جس ہوٹل میں' میں ٹھہرا تھا اس کی کسٹمر سروس ڈیپارٹمنٹ کی انچارج
بی شہری کی اچھی فرینڈ رہ چکی ہے' اس نے مجھے بتایا تھا کہ اپنی ڈیتھ سے دو ماہ پہلے شہری اور یہ لڑکی ان کے ہوٹل میں
کٹھے ٹھہرے تھے۔ اس لڑکی کو وہاں کسی فیشن شو میں حصہ لینا تھا اور شہری صرف اس کے ساتھ کے لیے وہاں گیا تھا۔
پھر یہ دونوں وہاں سے مصر گئے جہاں اس لڑکی کو کسی بیوٹی سوپ کے ایڈ کے شاٹس مکمل کروانا تھے۔''

''اگین آئی ول سے سو واٹ' یہ ایک معمولی سی بات ہے۔'' سلمان نے اس کو پھر گھرکا۔

''اسٹاپ اٹ مانی!'' اب کے اسفند بلند آواز میں بولا۔ ''جس شہری کو میں جانتا ہوں' جسے تم جانتے ہو۔ کیا وہ
ایسا تھا کہ لڑکیوں سے دوستی میں اس حد تک بڑھ جائے کہ ان کے ساتھ کھلم کھلا ایک ہی کمرے میں راتیں گزارے۔ نا
ممکن' یہ ناممکن تھا۔'' کمرے میں اس بات کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی۔

''اسفی! زندگیوں میں' زندگیوں کے معمولات میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ ہم کسی کے بارے میں قسم نہیں کھا
سکتے۔'' طویل خاموشی کے بعد مانی نے بہ دقت بات مکمل کی۔

''افواہیں' افواہیں' کہتے ہو نا تم ان سب کو۔'' اسفند نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیتے ہوئے اپنے ٹیبل
کے لاکر سے فائلز کا ایک پلندہ اس کے سامنے پھینکا۔ ''یہ دیکھو...... افواہیں نہیں یہ۔ ان میں کچھ حقیقت بھی ہے۔''
وہ فائلز سارہ شاہنواز کی مختلف اخبارات و رسائل میں چھپنے والی تصاویر اور انٹرویوز سے بھری ہوئی تھیں۔ کچھ
خبروں اور تصویروں پر ہائی لائٹر بھی استعمال کیا گیا تھا۔

''Sara expecting a baby'' ایک تصویر کے نیچے سوالیہ نشان کے ساتھ ایک جملہ درج تھا۔
جس کے نیچے کی خبر بتا رہی تھی کہ سپر ماڈل سارہ شاہنواز ایک ملینئر کے ساتھ اس حدت انوالو ہو چکی تھی کہ رپورٹس
کے مطابق وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔'' سلمان پر دوبارہ شدید قسم کی خاموشی چھا گئی۔

''ضروری ہے کہ یہ کروڑ پتی بزنس مین شہریار ہی ہو۔'' اس کے پاس اور کوئی جواب نہیں تھا۔

''باقی کی خبریں اور انٹرویوز بھی پڑھ لو۔'' اسفند نے اب کے ذرا ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے اس لڑکی
سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' نہ ہی مجھے اس کے شہری کے ساتھ کسی تعلق دوستی کی پروا ہوتی اگر مجھے حقیقت میں بات اس حد

تک بڑھی ہوئی نظر نہ آتی۔ تمہیں معلوم ہے' یہ لڑکی پچھلے سال کے شروع میں لنڈن کے ایک میٹرنٹی ہو
رہی ہے۔ کیوں۔ یہ ہی تو میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تم نے انکل یا آنٹی سے نہیں پوچھا' کیا یہ سب ان کے علم میں ہے؟'' سلمان کو اور خیال آیا۔

''انکل اور آنٹی!'' اسفند نے زیرلب دہرایا۔ ''تمہیں معلوم ہے سلمان! میرے ماں باپ انسا
جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں اگر ایسی باتیں کان میں پڑ بھی جائیں تو دوسرے کان سے اڑا دی جاتی
کچھ جانتے بھی ہیں تو مجھے ہرگز نہیں بتائیں گے۔ خاص طور سے ممی کیونکہ وہی شہری کی اس خواہش کی کہ
شادی کرنا چاہتا ہے سب سے بڑی مخالف تھیں۔ صرف اس لیے کہ اس لڑکی کا باپ ہمارے جمیل مرچوں
گراؤنڈ سے واقف تھا۔''

''اسفی...... تم کچھ باتیں فرض بھی تو کر سکتے ہو نا۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ خبریں جھوٹی بھی ہو
اس مافیا سے واقف نہیں ہو جو شوبز کی اس قسم کی شخصیات کو بلیک میل کرتا ہے' جو جھوٹی خبریں بنانے کا ماہر
لوگوں کو کسی کے ساتھ بھی اٹیچ کر کے دونوں طرف سے منہ بند رکھنے کے منہ مانگے دام لیتا ہے۔ یہاں ا
ہے تم نہیں جانتے۔'' سلمان نے اس کو سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔

''تم اور منی باجی۔ تم دونوں بھی جانتے ہو اس سارے قصے کو' مگر مجھے نہیں بتاؤ گے۔ خیر کوئی فرق
مجھے یقین ہے' میں خود ہی معلوم کر لوں گا۔'' اسفند نے انٹرکام بجنے پر ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''بھیج دیر
نے سنا وہ کہہ رہا تھا۔

اس کی اجازت پر اندر آنے والا ایک نوجوان لڑکا تھا اسفند اٹھ کر اس سے مل رہا تھا گلے لگا رہا تھا۔
چہرے سے بھی ناواقف تھا۔ مگر یہ چہرہ بہرحال پہلے والی شکل سے بہت بہتر تھا۔

''یہ فراز مانی! تم اسے میرا دوست سمجھو' چھوٹا بھائی سمجھو۔ بے شک اسے میرا استاد ہی سمجھ لو' گرو'
نا تم!''

سلمان اسفند کے منہ سے نکلنے والے الفاظ پر حیران رہ گیا۔ وہ فراز کو سلمان کے بارے میں بتا رہا
ساتھ اس کے کسی گاؤں کے قیام کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ اس نوجوان لڑکے سے گفتگو میں اتنا مگن تھ
کو اپنی شخصیت کہیں پس منظر میں جاتی محسوس ہوئی۔ فراز کو بھی اتنے دنوں بعد اسفند سے ملنا بہت اچھا لگ
اسے گھر کی' ماں کی' بھائی کی اور ماسٹر جی کی باتیں سنا رہا تھا۔ مگر سلمان نے محسوس کیا تھا کہ اس گفتگو کے دو
بگا ہے وہ میز پر بکھری فائلز اور اخبارات کی کٹنگز وغیرہ پر چونک جانے والوں کی طرح نظر ڈال رہا تھا۔

''اسفی! یہ فائلز میرا خیال ہے' پاس رکھ دیں۔''

سلمان نے اسفند کو مخاطب کرتے ہوئے اس کی توجہ اس طرف دلائی۔ اسفند نے فوراً ان کو سمیٹ کر
رکھنے کے بعد دراز لاک کر دی۔

فراز کے ذہن میں بہت سی باتیں گھومنے لگیں۔ وہ ان سارے فوٹوگرافس والی شخصیت کو اچھی طرح
تھا۔ وہ اس سے کبھی ملا نہیں تھا۔ مگر اسے یاد آ رہا تھا۔ گاؤں سے واپسی پر وہ اسے گاؤں کی دختر قرار دے رہا
یاد آیا تھا کہ پہلی بار شاہنواز احمد کے گھر اس نے اس کا پورٹریٹ دیکھا تھا' اسے یاد آیا تھا کہ سمن آباد والے
رہائش کے دنوں میں شام کو جس تھڑا ہوٹل پر وہ کھانا کھانے جاتا تھا اس کے مالک کو یہ لڑکی بہت پسند تھی۔ اس
کی بہت ساری تصویریں اور پوسٹر اپنے ہوٹل کی دیواروں پر لگا رکھے تھے۔ اس کے ہوٹل پر چلنے والے ٹی وی

پکچرائز ہوا کوئی نمبر چلتا تھا تو وہ واہ واہ کے ساتھ اس کی خوبصورتی کی تعریفوں کے پل باندھتا تھا۔
بھی اس لڑکی پر
''کیا نام ہے اس لڑکی کا؟'' اس نے کئی بار سوچا۔ مگر اسے یاد نہ آیا۔

''ماسٹر ہدایت اللہ کی بے حد بے ہدایتی پوتی۔'' اس کے دل نے ایک اور کمنٹ دیا۔ اس بار ماسٹر جی کے پاس
بیٹھے بیٹھے کئی بار اسے اس لڑکی کا خیال آیا تھا۔ جس کے بارے میں کچھ عرصہ پہلے ہی اس کے ایک آرٹسٹ دوست
نے بتایا تھا کہ آج کل اس کی دوستی فیروز بھٹی کے ساتھ عروج پر تھی۔ فیروز جو ''پورٹر گرافی بزنس'' میں انوالوڈ تھا۔ اور
صاف ہاتھوں کے ساتھ ناجائز کام کا دھندا کامیابی سے چلا رہا تھا۔ ماریہ شاہنواز' ماہرہ شاہنواز' رابعہ شاہنواز' یا خدا کیا
نام تھا اس کا۔ وہ سوچ رہا تھا تو اسے اس لڑکی سے متعلق ایک اور بات یاد آئی۔

''اسفند بھائی! اس روز بی بی زینب کے گھر جاتے جس کو دیکھ کر آپ ٹھٹکے تھے۔ وہ ہی تھی نا؟'' اس نے بے
اختیار پوچھا۔

...... ✡ ......

اس روز اس کی ڈیوٹی ایمرجنسی وارڈ میں تھی اور شہر میں دو بڑے حادثوں کے نتیجے میں وہ لوگ جو آن ڈیوٹی
نہیں تھے وہ بھی ڈیوٹی پر موجود تھے۔ ایک حادثہ شہر سے باہر کوسٹر اور کوچ کے مابین ہوا تھا' دوسرا سیاسی جلسے میں گولی
چلنے کے واقعے کی وجہ سے۔ زخمی مریض' حادثے کی شدت سے ماؤف ذہن مریض' ان کے لواحقین۔ ہر طرف چیخ و
پکار تھی۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جو یہ منظر دیکھ کر ہراساں ہو چکے تھے مگر جینس کے لیے یہ منظر نیا نہیں تھا۔ اس کے
لیے یہ معمول کی بات تھی۔ وہ برسوں سے ایسے منظر دیکھتی چلی آ رہی تھی اور ایسے زخمیوں کی مسیحائی کر رہی تھی۔

اس روز بھی وہ اسی طرح تندہی سے بے تاثر چہرہ لیے اپنا کام کرنے میں مصروف تھی۔ وہ مریضوں کے
لواحقین کے استفسارات کا جواب بھی بہت سختی سے دے رہی تھی۔ وارڈز میں' طویل برآمدوں میں ادھر ادھر جاتے
لوگوں کا ایک ریلا آتا اور اس کو پکڑ پکڑ کر اپنے عزیز کے متعلق پوچھتا۔ وہ درشتی سے جواب دیتی' ان کو پیچھے ہٹ جانے
کا کہتی وہاں سے گزر جاتی۔ کئی نوجوان ڈاکٹر لڑکے اور لڑکیاں انڈر ٹریننگ نرسز ایسی تھیں جو اپنے کام کے ساتھ
زخمیوں کے کٹے پھٹے اعضاء اور زخموں کو دیکھ کر اشک بھی بہا رہی تھی مگر جینس اور اس جیسے پرانے لوگ ہمیشہ کی طرح
نارمل تھے۔

اس رات وہ دن بھر کی اس شدید مصروفیت کے باعث شدید تھک چکی تھی۔ سسٹر ماریہ نے اسے چائے کا بڑا
کپ تھمایا تھا' جس میں بھاپ اڑاتی چائے کو دیکھ کر ہی اس کی تھکن دور ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ماریہ کے کوارٹر میں
بیٹھی تھی۔ اس کوارٹر کی کھڑکی سے سامنے ایمرجنسی وارڈ کا منظر نظر آ رہا تھا۔ جہاں اب دن کی نسبت ذرا سکون
تھا۔ ''سارا دن کا ہی ہنگامہ یہاں' زخمی' ڈیڈ باڈیز' ان کے عزیز' پریس رپورٹر' فوٹوگرافرز' وزیر' مشیر پورے سال میں ہر
دوسرے تیسرے مہینے یہ منظر ضرور دہرایا جانا ہوتا ہے۔ اب تو کبھی ایسا نہ ہو تو عجیب سا لگتا ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ پھر
اسے یاد آیا کہ اس ہنگامے میں ہی اس نے لینا کی کال سنی تھی۔

وہ آج لاہور آ رہی تھی۔ اور اسے بھی رات گھر آنے کا کہہ رہی تھی۔ ''گھر جانے کا یہاں کیا سوال پیدا ہوتا
ہے آج'' اس نے سوچا۔ اور پھر اس کا دھیان دوسری طرف چلا گیا۔

''کتنا اعتماد تھا آج لینا کی آواز میں۔ کتنے برس گزر گئے۔ وقت بھاگتا چلا گیا۔ لینا اب اپنی زندگی میں سیٹ
ہو رہی ہے۔ برسوں پہلے لینا کے باپ نے جب اسے ہمارے حوالے کیا تھا تو میں نے کتنے اعتماد سے اس سے کہا تھا
کہ میں پالوں گی لینا کو اور اسے ایک اچھا مستقبل بھی دوں گی۔ مگر پھر نجانے کیا کیا ہوتا چلا گیا۔''

ماضی کے کئی منظر ایک ایک کر کے اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے۔

"آج وقت کتنا بدل گیا ہے۔ ماما نے جیسی بھی زندگی گزاری۔ اب وہ اپنا بڑھاپا اپنے تئیں اسی سے گزارے گی جس کے یوٹوپیا میں اس نے سارا وقت گزارا۔ لینا اپنی لگژری کوچ سروس والی جاب سے خوش ہے۔ پنڈی سے بہاولپور آتی جاتی ہے۔ پنڈی میں اسے ایک ایسی خاتون کی سرپرستی حاصل ہو گئی اولاد ہے اور سوشل ورک کرتی ہے۔ للّی کو اتنے عرصے کی تگ و دو کے بعد اسٹیج ڈراموں میں رول ملنے لگے کا سارا وقت وہیں ریہرسلز اور شوز میں گزر جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک ڈرامے میں کسی ایسی کردار ادا کر رہی ہے جو پاکستان آئی ہوئی ہے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ڈرامہ تھرڈ کلاس ڈائیلاگز اور لباس میں ملبوس کرداروں سے بھرپور ہے۔ مگر میں للّی کو منع نہیں کر سکتی۔ کیونکہ للّی مجھے ماں کم دشمن زیادہ جس نے ساری عمر دوسروں کے لیے جدوجہد میں گزار دی نہ ہی مامتا میں نہ ہی توجہ میں اسے وہ حصہ دیا تھا۔ سو میں نے اسے منع نہیں کیا اور نہ ہی کروں گی اس لیے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ماما اپنے گھر پر نجا۔ بلاتی ہے۔ ایونگز مناتی ہے اور خوش رہتی ہے۔ اور میں......"

سوچتے سوچتے عرصے بعد اسے اپنی آنکھیں گیلی محسوس ہوئیں۔ اپنی ذاتی زندگی کے کئی باب میں دہرائے۔ میں کہاں ہوں، اس سارے منظر میں نہ یہاں، نہ وہاں، گھر جاؤں تو اپنا آپ اجنبی لگتا ہے بھی شاید تنہا رہنے کی عادی ہو چکی ہے میری موجودگی اسے کھلتی ہے اور یہاں میری ضرورت تو شاید ہر میں ہوں کہاں؟"

اچانک زمین آسمان اسے گھومتے محسوس ہوئے۔ پہلے چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے گرا، پھر وہ سینے کو دبانے لگا وہ اپنی جگہ سے ذرا دیر کو اٹھی اور پھر لڑکھڑا گئی۔

......۞......

فراز کے لیے لینا ڈی سوزا کی وہ کال غیر متوقع تھی۔ لینا نے اسے بتایا تھا کہ وہ گنگا رام ہاسپٹل رہی ہے۔ اس کی آنٹ جینس کو برین ہیمبرج ہو گیا تھا اور وہ سخت پریشان تھی۔ یہ بات فراز کی سمجھ میں بھی اس ایمرجنسی کے موقع پر لینا نے اسے فون کیوں کیا تھا۔ مگر پھر بھی اس کے نتیجے میں وہ گنگا رام ہاسپٹل میں

"میں نے گرینی کو کچھ نہیں بتایا، وہ تو کچھ کر نہیں کر سکتی سوائے رونے اور واویلا کرنے کے۔" لینا تھی۔

"ڈاکٹر ظفر احسان نے مجھ سے کہا ہے کہ آنٹ جینس کو اتفاق ہاسپٹل شفٹ کرنا پڑے گا، وہ پرائ ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔" اس نے اصل مسئلہ بتایا۔

"وہ کہاں ہے تمہاری کزن؟" فراز نے اس کی بے چارگی کو دیکھ کر پوچھا۔

"للّی!" اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "خدا جانے کہاں ہے، میں اس سے کانٹیکٹ کرنے کی مسلسل ہوں، وہ نہیں مل رہی۔"

"لینا! تم اپنی آنٹی کو اتفاق ہاسپٹل لے جاؤ، اس کے بینک اکاؤنٹ میں اتنا پیسہ ہے کہ اس کا سکے۔ اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔ تمہیں یہ فیصلہ کرنا پڑے گا۔" لینا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ آنٹ جینس کی کولیگ سسٹر ماریہ تھی۔

"ہم ان کو لے جا رہے ہیں۔" فراز نے آگے بڑھ کر کہا۔ اور جب آنٹ جینس کی ایمبولنس

نکل رہی تھی۔ سسٹر ماریہ نے کچھ کاغذات اور آنٹ جینس کا پرس لینا کو پکڑایا تھا جو وہ اس کے کوارٹر میں ہی رکھ کر آ گئی تھی۔

اتفاق ہاسپٹل کے خوبصورت ویٹنگ لاؤنج کے صوفے پر وہ دونوں بیٹھے تھے اور ایک دوسرے سے کوئی بات ں کر پا رہے تھے۔ جہاں کے ڈاکٹرز کے مطابق مریضہ کی حالت سیریس تھی۔

فراز نے یونہی اپنی توجہ ادھر ادھر کرنے کی خاطر سامنے دھری میز کے گلاس ٹاپ پر پڑے لفافے سے ذات نکالے۔ اس میں آنٹ جینس کے سروس پیپرز تھے۔ اور ایک نکاح نامہ، چند تصویریں اور ایک دو کارڈز

فراز ساکت نظروں سے اس نکاح نامے اور چند پیلے پڑتے کاغذ والی بلیک اینڈ وائٹ تصویروں کو دیکھ رہا

"انکشاف، انکشاف۔" وہ سوچ رہا تھا۔ "آخر ان کی کوئی حد بھی ہے۔"

اس نے اپنے دائیں جانب دیکھا۔ لینا کی حالت بھی اس سے چنداں مختلف نہیں تھی۔ وہ اتنی شاک کی نیت میں تھی کہ اس سے کوئی بات کرنا ناممکن تھا۔

......۞......

لکڑی کا دروازہ دھکیلنے پر اندر کی طرف کھل گیا' حمیدہ بی بی کے لیے یہ غیر متوقع تھا۔ وہ اپنی چپل
صحن میں داخل ہوگئی۔ صحن کا منظر اجاڑ اور ویران تھا۔ ہر طرف پیلے سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے اور
دوپہر کی افسردگی اور خاموشی کا پہرہ تھا۔ وہ دبے قدموں چلتی اندر بنے دو کمروں میں سے ایک کی طرف
دروازہ بند تھا۔ اس نے درواز پر دستک دینا چاہی مگر اندر سے آتی آوازوں کو سن کر رک گئی۔ اس نے حیر
پر انگلی رکھی جیسے سوچ رہی ہو اندر کون ہوسکتا ہے پھر وہ کمرے کی بند کھڑکی کی طرف مڑی۔ کوئی روزن اس
تھا مگر کمرے میں سے آواز آرہی تھی۔ اس نے کھڑکی کے بند پٹ سے کان لگا دیے۔

''اوئے بھلا کیا کہا تھا میں نے تجھ سے بھلیا لوکا؟''

اندر سے آواز آئی۔ ''او میں نے تو صرف یہی کہا تھا کہ شرع شریعت کے خلاف جو بات ہے' وہ نہ
بچ۔ پر تو نے ایسا عہد کیا دل میں کہ کرنا وہی ہے جو تیرے من میں آئے' اور ایسے کرنا ہے کہ جیسے کبھی کسی کر
نے کیا نہ ہو۔ او ٹھیک ہے بھئی' ٹھیک ہے۔ تجھے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا' شاید پر دیکھ تو اس کا نتیجہ کیا نکلا تو بہار
ہے' اکیلا ہے' اتنے سارے لوگوں کے بیچ۔ میں یہاں ہوں اکیلا اتنے سارے لوگوں کے بیچ۔ اوئے تجھے تو
بھی ہوش نہ آیا ہوگا' پر یہی بات تو یہ ہے کہ وہ جو غیر فطری ہے۔ اس عمل کا نتیجہ شاید ہی کبھی اچھا نکلا ہو۔''

حمیدہ بی بی کے قطعی پلے نہیں پڑا کہ ماسٹر ہدایت اللہ جن پر اتنے دنوں سے تنہائی کا دورہ پڑا ہوا
علامت گھر کا بند دروازہ تھا' بیرونی دروازہ کھول کر اندرونی دروازہ بند کیے کس سے مخاطب تھے۔ اس نے
ماسٹر ہدایت اللہ کے مخاطب کا جواب سننے کی کوشش کی مگر وہاں خاموشی طاری تھی۔

''او دیکھ بھلیا لوکا! تیری چاچی مرگئی' تیری صورت دیکھنے کو ترستی۔ پر تیری ضد نہ ٹوٹی۔ نہ اسے آ کر پا
پلایا نہ اس کی میت کو کندھا دیا۔ تجھے کیا خبر کیسی جنتی بی بی تھی وہ نیک بخت' اس کی قبر پر جا کر کبھی فاتحہ پڑھتا
کیسی خوشبوئیں آتی ہیں قبر سے' او میں تو گناہ گار تھا پتر!! اس کی گواہی تو دوں گا خود روز آخر اگر مانگی گئی تو
گاری تو ظاہر ہے اس بات سے کہ میں یہاں یاد کرنے کو رہ گیا ہوں۔ اکیلا بڈھا اور تم دونوں اللہ جانے کو
دنیاؤں کے باسی بنے ہوئے ہو۔''

حمیدہ بی بی کو لگا جیسے ماسٹر جی اونچی آواز میں مدور ہے ہیں۔ وہ گھبرا کر اکھڑکی سے ذرا دور ہٹی۔ زرد پتوں کا
بر اس کے قدموں تلے روندا گیا اور اس کے شور نے خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ حمیدہ بی بی جلدی
ں جانے کے ارادے سے مڑی اور تقریباً بھاگتے ہوئے صحن عبور کر کے باہر نکلی۔ اپنی چپلیں اس نے ہاتھ میں
اور دوسری گلی کی جانب بھاگ گئی۔

''کیا بات ہے' بہن حمیداں! کیوں ایسے بھاگ رہی ہو' خیر تو ہے؟''
راستے میں اسے سر پر چارے کا گٹھڑ لادے مانو کی اماں مل گئی۔ حمیدہ بی بی سے قطعی بات نہیں ہو پا رہی تھی۔
رح ہانپ رہی تھی۔

''اِدھر اُدھر......'' بمشکل اس کے حلق سے آواز نکلی اور اس نے ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ہے ادھر؟'' مانو کی اماں نے اس دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ماسٹر جی کو......؟'' مانو کی اماں اب گھبرا گئی تھی۔

''ماسٹر جی اکیلے میں خود سے باتیں......'' حمیدہ بی بی ہانپتے ہوئے بولی۔ ''ہائے۔'' اس نے پھر دم بھر کو سانس
دے باتیں کر رہے تھے۔ ''ہائے۔''

''تو کیا ہوا۔'' مانو کی اماں کو اس کی بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''تمہیں کیا پتا۔'' حمیدہ بی بی ناراض ہو کر بولی۔

''تمہیں کیا پتہ کیا باتیں کر رہے تھے۔ پتہ نہیں کس سے باتیں کر رہے تھے۔''

''چل جھلیے۔'' مانو کی اماں نے چارے کا گٹھڑ سنبھالتے ہوئے اپنے راستے کی سمت دوبارہ قدم بڑھائے۔
م' اکیلا بندہ خود سے باتیں کرنے کو بھی تو دل چاہتا ہے نا کبھی۔''

''جھلی!'' حمیدہ بی بی نے مانو کی اماں کا دیا خطاب دہرایا۔ ''تو سن لیتی نا تو جوتا بھی وہیں چھوڑ آتی۔'' وہ اس
ہی چل دی۔ راستے میں اس نے کانوں سنی ساری باتیں مانو کی اماں کو بھی سنائیں۔

......۞......

''اوہ ہولی فادر' امارا پور جینس کا واسطہ نیو لائف بیگ کرتا ام' اور خداوند' ام امارا اپنا لائف سیکریفائس کرنے
بائی بیسا گنگ بابر کیا تھا اپنا سن کا واسطہ۔ او گاڈ! ام امارا جینس کا واسطہ' کچھ بھی کرنے سکتا' تم او نلی تم ترسی
مرکا کر خداوند پر رحم کر۔''

یڈی ایلس نے سی سی یو کے دروازے سے سر ٹکائے نجانے کتنی دعائیں مانگ لی تھیں۔ لینا کو ڈر تھا کہ جب
جینس کے بارے میں معلوم ہوگا تو وہ نجانے کتنا واویلا کریں گی مگر اس کی توقع کے برعکس وہ خاموش تھیں'
موش۔ ان کی نیلی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے' اور گرے بال جوڑے سے نکل کر بکھر گئے تھے۔ ان کا
ئی جگہ سے مسک گیا تھا مگر وہ ان سب سے بے نیاز دل ہی دل میں اپنے خدا سے مخاطب تھیں۔

''گرینی! تم ادھر آ جاؤ' بیٹھ جاؤ۔'' کتنی دیر تک انہیں اسی حالت میں کھڑے دیکھتے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر
ریب آئی اور ان کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ اس کی بات کے جواب میں گرینی نے انکار میں سر ہلا دیا۔
ے کچھ نہ بولی تھیں۔

''یو جسٹ سٹ ڈاؤن پلیز' اسٹینڈ ہیئر۔''
یک نوجوان ڈاکٹر ان دونوں کو غیر ملکی سمجھ کر ادھر سے گزرتا ہوا ان سے مخاطب ہوا۔ لینا نے زبردستی گرینی کو

وہاں سے گھسیٹا اور باہر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر لا کر بٹھا دیا۔ گرینی سر جھکا کر بیٹھ گئیں، وہ منہ میں کچھ پڑھ رہی تھیں

"میں نہیں جانتا لینا ڈارلنگ! خداوند کی اس میں کیا مصلحت ہے مگر میری دعا ہے کہ جینس کو صحت نہ اتنی جلد جتنا ہم چاہتے ہیں۔"

ان دونوں کو دیکھ کر باہر کھڑے انکل ڈینس اپنی واکنگ اسٹک کے سہارے چلتے ہوئے قریب آئے ا مواقع پر بولے جانے والے رسمی الفاظ دہرانے لگے۔

"اوہ یہ غریب بیچارے نجانے کب سے یہاں کھڑے ہیں۔" لینا کو انہیں دیکھ کر خیال آیا۔

"ایلس ڈیئر! یہ سب کچھ خداوند کی جاب سے آزمائش کے واسطے آتا ہے، گریٹ انسان آزمائش اترتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم ڈر نہیں رہی ہو۔"

انکل ڈینس نے چرچ کے پادریوں کی طرح وعظ شروع کر دیا۔ گرینی نے اس بات کا جواب بھی محض دیا جبکہ لینا باہر سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ گزشتہ دو دنوں سے وہ ایمرجنسی یونٹ میں جو کچھ دیکھ رہی تھی، آنٹ جینس کی حالت علاوہ اس سب کا اثر بھی اس کے ذہن و دل پر تھا۔ وہ اپنے خیال میں ایک اچھا ویک اینڈ منانے لاہور آئی تھی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں آنے پر وہ اتنی بڑی آزمائش میں پڑ جائے گی۔ دو دن کی بھاگ دوڑ، بے خوابی، تھکن، بھوک اس وقت اسے ان سب چیزوں کا احساس ہو رہا تھا جو اس سے پہلے اب تک نہیں ہوا تھا۔ گھوم رہا تھا اور گزرے دو دن کے سارے مناظر اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ چیختے چلاتے مریض، مریضوں کی مختلف قسم کی بیماریاں، لواحقین، نرسز، ڈاکٹرز، دوائیں اس کا خالی معدہ اُلٹنے لگا۔

"کیا کبھی میں نے سوچا تھا کہ میں ایسی ذمہ داریاں بھی پوری کروں گی، ایسے کرائسس تو ہمیشہ آنٹ ہی فیس کیا کرتی تھی۔ آنٹ جینس جو اندر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق اس کا ذہن دس فیصد کام کر رہا تھا۔ اس کے دل کے دو والوز بند تھے اور دوران خون ٹھیک نہیں تھا۔ وہ خطرے کی حالت نہیں آ پا رہی تھی۔ صبح کھڑے کھڑے اسے آنٹ جینس کو دیکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ وہ مشینوں میں جکڑی چادر اوڑھے اس بے ہوش عورت کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی جو کہیں سے بھی آنٹی جینس نہیں لگ رہی تھی۔ وہ تو رسیدہ بڑھیا لگ رہی تھی۔ دو دن میں اس کا رنگ و روپ بدل چکا تھا۔

"پرسوں تک یہ عورت خود ایسے مریضوں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی اور آج خود اس حال میں ہے۔ پرسوں زندہ، متحرک اور خوش باش اور آج جامد ہے۔ ہوش و حواس سے بے گانہ اور سکوت سے بھر پور" نے افسوس سے سوچا۔

"لینا! آپ کیسی ہیں؟" خود کو مخاطب کیے جانے پر اس نے سر اٹھایا۔ اس کے سامنے فراز کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا اور وہ بے حد فریش لگ رہا تھا۔ وہ گزری رات کو چلا گیا تھا اور لینا اس کی بے تھی۔ اس نے اس بھیانک حقیقت سے مقابلہ کرنے میں اس کی بے حد مدد کی تھی۔ اگرچہ یہ اس کا فرض نہ تھا اس وقت جو اس کی حالت ہو رہی تھی، اس وقت بھی فراز کی آمد اس کی طبیعت میں بہتری لائی تھی۔

"آیئے، ادھر چل کر بیٹھتے ہیں۔" فراز نے بیرونی راستے پر رکھے بینچ کی طرف اشارہ کیا۔ لینا خاموشی سے کر اس کے پیچھے چل دی۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے کل سے کچھ کھایا نہیں ہوگا۔" بینچ پر بیٹھ کر وہ ایک دم ہی آپ سے تم پر اُتر

جواب کی اس کو ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ اس کا چہرہ خود پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

"یہ میں تمہارے لیے لایا تھا کچھ۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا شاپنگ بیگ کھولتے ہوئے کہا۔ لینا کے حلق سے گرم گرم برگر اور چپیز اترے تو اس نے انتہائی ممنونیت سے فراز کو دیکھا۔

"شکریہ کی کوئی بات نہیں۔" وہ جان گیا تھا کہ وہ کیا کہنے والی تھی۔ "میں ابھی ڈاکٹر سے مل کر آیا ہوں جو آنٹی کو اٹینڈ کر رہا ہے، وہ پرامید لگ رہا تھا۔ بس کچھ دنوں کی بات ہے، وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"وہ پیرالائز ہو چکی ہیں۔ جسمانی طور پر بھی اور شاید ذہنی طور پر بھی۔ ان کے دل کی شریانوں میں بھی خون کے لوتھڑے جمع ہو چکے ہیں۔ کیسے پرامید ہے ڈاکٹر؟" لینا تقریباً پھٹ ہی پڑی۔

"مگر امید تو پھر بھی ہر وقت باقی ہے نا لینا!" وہ نرمی سے بولا۔ "تم تو بہادر لڑکی ہو، ہمت والی، سمجھ دار، تم کو تو اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔" وہ اسے بچوں کی طرح تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ "اچھا یہ بتاؤ، منی باجی کا فون آیا؟ سے اب تک دوبارہ مجھ سے پوچھ چکی ہیں؟"

"میرے موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو چکی ہے، میں چارجر ساتھ نہیں لائی تھی۔ یوں بھی افراتفری میں یہ سب یاد رہتا ہے" لینا نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"لاؤ، میں تمہارا موبائل چارج پر لگا دوں۔" فراز نے ہاتھ بڑھایا۔ "تمہیں یقیناً چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہوگی۔ ٹھہرو میں تمہیں کینٹین سے چائے لا دوں؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"فراز! بے ساختہ ہی لینا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ خود بھی اس حرکت پر ٹھٹک گیا۔ "آئی ایم سوری۔" لینا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "فراز! مجھے تم سے ایک ریکویسٹ کرنا ہے۔"

"بولو۔" فراز نے نرمی سے کہا۔

"اس روز جو پیپرز تھے آنٹ جینس کے، وہ ہم نے نہیں دیکھے تھے۔" فراز نے وہاں کھڑے اس کے لفظوں پر غور کیا پھر اس کا چہرہ دیکھا، اس کی آنکھوں میں اذیت، تذبذب اور بے چارگی تھی۔

"تم فکر مت کرو، میں اس کا ذکر کسی سے نہیں کروں گا۔" وہ ایک بار پھر نرمی سے بولا۔ "میں تمہارے لیے چائے لے کر آتا ہوں۔"

لینا اسے کینٹین کی طرف جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ آف وائٹ جینز اور چیک والی شرٹ میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ جس فراز کو اس نے پہلے دن دیکھا تھا اس میں اور اس فراز میں بہت فرق آ چکا تھا۔

❁

"اچھا تو یہ بات ہے" اسفند نے مختلف فائلز پر سائن کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں کہا۔

"اسفند بھائی!" اس کے سامنے کی کرسی پر بیٹھا فراز مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں پچھلے آدھے گھنٹے سے آپ کو ڈی سوزا فیملی پر آ پڑنے والی نئی مصیبت کی کہانی سنا رہا ہوں اور آپ بغیر سنے پانچ مرتبہ کہہ چکے ہیں اچھا تو بات ہے۔"

"اوہ سوری فراز!" اب کے اسفند کو بھی احساس ہوا۔ "دراصل میرا ذہن اس وقت اتنا الجھا ہوا ہے کہ میرے ذہن میں کوئی نئی بات سما ہی نہیں رہی۔" اس نے سادگی سے اعتراف کیا۔

"تو یوں کہیں نا، میں ایسے ہی آپ کو ایک مزید دکھ بھری داستان سنا رہا ہوں۔ فراز نے بات کو سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ "شاید میں آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں۔" پھر اس نے بغور اسے دیکھا۔

''یہ ہیں' یہ بات نہیں ہے۔'' اسفند نے میز کی سطح پر کہنیاں ٹکا کر ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہو
لہجے میں ابھی بھی پریشانی اور چہرے پر اضطراب تھا۔
''میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا آپ کے پاس۔'' فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔
''نہیں پلیز' تم بیٹھو۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس سے کہتے ہوئے دروازے پر نظر ڈ
''کیا پریشانی ہے اسفند بھائی! آپ مناسب سمجھیں تو مجھ سے کہیں' شاید میں آپ کی کچھ مدد
نے اس کی آنکھوں میں ابھرے سرخ ڈورے دیکھ کر جھجکتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔ اسفند نے
پھیرتے ہوئے اسے غور سے دیکھا۔
''اس سے شیئر کروں' یہ جو عمر میں بھی چھوٹا ہے' ناتجربہ کار ہے' اس کی کلاس بھی مختلف ہے۔
کے مسائل کو کبھی سمجھ بھی نہیں سکتا۔
اس بے چارے سے میں کیا شیئر کروں جس سے میرا تعلق احسان مند اور مربی قسم کا ہے۔''
''ڈونٹ بی سلی اسفی!'' ایک دم اس کے کانوں میں ایک مانوس سی آواز گونجی۔ ''گدھے ہو تو
سوچ رہے ہو' تجربہ' عمر کا محتاج نہیں ہے اور یہ کلاس ڈفرنس کا سودا تمہارے سر میں کہاں سے سما گیا۔ کیا
کہ انسانوں کا شعور اور آگہی اپنی اپنی کلاس کے مسائل تک ہی محدود ہوتی ہے۔ یاد کرو' اسی لڑکے نے
پر تم سے ایسی باتیں کی ہیں کہ تمہاری عقل اس کے شعور کی پختگی پر دنگ ہوتی ہے۔ اسفی! اپنے دل سے
زیادہ اپنا اور ہمدرد بھی تم کو اپنے اردگرد کوئی دوسرا ملے گا۔؟''
اس نے دل میں جھانکا تو اسے نفی میں جواب ملا۔
فراز یقیناً ایک سچا دوست اور ہمدرد انسان تھا۔ جوڈی سوزا فیملی سے کوئی تعلق نہ ہونے کے
مشکلات میں مقدور بھر ان کی مدد کرتا تھا۔ اسے ان سے کوئی غرض نہ تھی' اس کا اب کوئی مفاد ان سے وابستہ
وہ ماضی قریب کے ایک معمولی احسان کو نہیں بھولا تھا۔ گو اسفند کو معلوم تھا کہ فراز کے کچھ دوست اور سا
نبھانے پر اس کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔
''اسفند بھائی!'' خود کو اتنے محویت سے دیکھے جانے پر فراز نے ایک لمبا سانس بھرتے ہوئے
کیا۔ ''میرا خیال ہے کہ مروت اتنی ہی اچھی لگتی ہے جتنی ہم نبھا سکیں۔ تعلق میں اتنی گنجائش تو ہونا چاہیے
چاہیں کہ کوئی ہمارے قریب بیٹھ کر گفتگو کرے تو ہم اس سے معذرت کر لیں' یہ کوئی بری بات تو نہیں ہے۔
اسفند شرمندہ سا ہو گیا۔
''یہ بات نہیں ہے فراز! میں دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ جو الجھن میرے ذہن میں ہے۔ کیا تم
گے۔ ابھی میرے دل نے جواب دیا ہے کہ کیوں نہیں فراز سے زیادہ میری بات اور مسائل کو کون سمجھ
''پھر مروت۔'' فراز مسکرایا۔ ''اسفند بھائی! مجھے علم ہے کہ آپ جیسے لوگوں کو ہر وقت یہ ڈر رہتا
نادانستگی میں کسی کا دل نہ توڑیں مگر یقین جانیئے نہ تو میرا دل ٹوٹے گا' نہ ہی برا مانوں گا۔''
''تم شرافت سے بیٹھ جاؤ اور میری بات سکون سے سنو۔''
اسفند نے انٹرکام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ اپنی سیکریٹری کو منع کر رہا تھا کوئی انہیں ڈسٹرب نہ
''اب فرمایئے کیا مسئلہ ہے؟'' اس ساری کاروائی کے بعد فراز سنبھل کر بیٹھا۔ ''میں ہمہ تن گوش ہوں
''پہلے یہ بتاؤ کہ ایک ایسا شخص جسے بقول تمہارے ہر وقت یہ پریشانی لگی رہتی ہو کہ وہ نادانستگی میں

ے۔ اگر اسے کبھی ہر طرف سے ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑے تو وہ کیا کرے۔ کیا ایسی کسی صورت
بارے میں تمہارے ماسٹر صاحب نے کبھی کچھ ارشاد فرمایا ہے۔''
اسفند نے پیپر ویٹ گھماتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔
فراز نے کچھ دیر اس پر غور کیا اور پھر ایک گہری نظر اس پر ڈالی
''بالکل فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت حال میں انسان کو چاہیے' خود سکون سے وقت گزارے' اپنے
دعا کرے مگر یقین کامل اور امید واثق کے ساتھ۔ حالات خود بخود اس دھارے پر چلنے لگیں گے جس کا وہ
مند ہوگا اور پھر اس کے ہاتھوں یقیناً کسی کا دل نہیں ٹوٹے گا۔''
''کیا تمہیں نہیں لگتا کہ یہ سب کتابی باتیں ہیں' پریکٹیکل لائف سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اسفند نے
سے پوچھا۔
''یہ تو جو پریکٹیکل کرتا ہے' اسی کو معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا بندہ تو صرف تبصرہ کر سکتا ہے۔'' فراز مسکرایا۔
''تم نے کبھی کیا پریکٹیکل؟''
''کرتا ہوں' ہر وقت کرتا ہوں۔ میرے سامنے تو آپ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حالات آتے ہیں' جہاں صبر
کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔''
''مگر میرا مسئلہ کچھ اور ہے۔'' اسفند نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''فراز! اگر میں یوں صبر اور انتظار والے کھیل
تو سارے معاملات ہی چوپٹ ہو جائیں گے۔''
''آپ کہیں تو سہی' مسئلہ کیا ہے؟''
''مسئلہ۔'' اسفند نے پیپر ویٹ گھماتے ہوئے دھیرے دھیرے اسے ساری بات بتا دی۔
''ایک تو میری فوری رائے یہ ہے اسفند بھائی کہ آپ نے خواہ مخواہ خود کو چند ایسے مسائل میں الجھا رکھا ہے
اگر آپ نہ بھی الجھیں تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔''
ساری بات سن کر فراز نے اطمینان سے کہا۔
''میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ وہ جو جب ہوا' جیسے بھی ہوا' آپ کا براہ راست اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔
سے لاعلم بھی تھے پھر آپ کیوں دردِ سری مول لے رہے ہیں۔''
''اس کا مطلب ہے کہ میری یہ سوچ غلط تھی کہ تم میری بات کو سمجھ سکو گے۔'' اسفند قدرے مایوسی سے بولا۔ ''
شہریار کی سحر انگیز پرسنالٹی سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اس کی شخصیت میں جینا چاہتا ہوں۔ میں اس جیسا ہو جانا
ہا۔ میں اس کی زندگی کے کسی بھی معاملے سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ تم دیکھو یہ سب کیا ہے۔'' اس نے فائلز کا
اس کے سامنے رکھا جو سلمان کو دکھایا تھا۔
''اور یہ بھی دیکھو' اس نے ایک اور پلندہ اس کے سامنے رکھا۔
''ارے اللہ میاں!'' فراز نے بے اختیار دل میں سوچا۔ اتنی کہانیاں' اتنے قصے سامنے آتے ہیں اور سب
ہیں جا کر ایک نقطے پر اکٹھے ہو جاتے ہیں جبکہ وہ نقطہ سب باتوں سے لاعلم ہے۔ میں اسے اتفاق کہوں یا کیا
ں کا کوئی ٹوٹا' جھولتا سرا میرے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ اب تو مجھے یقین ہونے لگا کہ اس ڈور کی ساری الجھنیں
کے لیے تو مجھ سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے۔''
''یہ سارہ شاہنواز ہے اسفند بھائی!'' اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''ابھی پرسوں ہی میں نے کسی سے اس کا

پورا نام کنفرم کیا ہے۔ آپ کے بھائی سے اس کا اتنا گہرا تعلق ہو گا یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا بہر
تعلق فیروز بھٹی سے ہے اور اسی کے ساتھ یہ آج کل فرانس گئی ہوئی ہے' فیشن شوز میں حصہ لینے کے
ہے اسفند بھائی! جو گزر چکا اس پر مٹی ڈالیں۔"

"نو وے۔" اسفند نے سختی سے کہا۔ "اگر تم اس کہانی کو سمجھنے میں میری مدد نہیں کر سکتے تو م
کے ایک واضح اختتام تک پہنچنا ہے۔"

فراز نے اسفند کے لہجے میں ارادے کی مضبوطی محسوس کی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں' مگر وعدہ کریں کہ آپ اس بات میں براہ راست ملا
گے۔ آپ کام کریں اس بات کو سر پر سوار کرنے کی ضرورت نہیں ہے' رہ گئی آپ کی ممی کے اصرار
شادی کر لیں تو اسفند بھائی! اس میں کیا حرج ہے۔ شادی تو آپ کو بہر حال کرنا ہی ہے۔ مائیں اپ
غلط تو کبھی نہیں سوچتیں۔"

"ہا!" اسفند نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "مائیں...... وہ مائیں اور ہوتی ہوں گی فراز! جو اپنے ب
نہیں سوچتیں۔ ہماری ماں نے تو ہمیشہ وہ سوچا جو ہمارے لیے کبھی بھی صحیح نہیں تھا۔ انہوں نے نہ صر
اپنی سوچ کو ہم پر مسلط بھی کیا۔ مجھ پر' ڈیڈی پر' شہری پر سب سے بڑھ کر شہری پر۔ تم اندازہ کر سکتے ہو
کی پرسنل ڈائری میں' میں نے یہ جملہ پڑھا تو میرا کیا حال ہوا ہو گا بلکہ جب بھی پڑھتا ہوں تو کیا
اسفند نے ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر اس کے سامنے رکھا۔

"ممی! مہربانی کر کے مجھے اپنی زندگی جینے دو' میں مزید قربانی نہیں دینا چاہتا۔"

"اور یہ۔" اسفند نے ایک اور صفحہ پلٹا۔

"میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ بغاوت کی ہے۔ اے اللہ صرف تو جانتا ہے کہ میں ایسا کرنا نہ
ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا۔"

انتہائی خوبصورت لکھائی میں لکھے ہوئے یہ الفاظ فراز کو ششدر کر گئے۔

"تم تاریخ دیکھو جب یہ الفاظ لکھے گئے۔ شہری کی ڈیتھ سے ایک سال پچھتر دن پہلے۔" ا
انداز میں کہا۔ "وہ کیا بغاوت ہو گی جس کا اس نے ذکر کیا جبکہ دنیا کی نظر میں وہ ماماز بوائے کی حیثی
تھا۔ وہ ماما جس نے اس بوائے کی ڈیتھ پر جو ایک پرفیکٹ جنٹلمین تھا' کوئی پلے بوائے نہیں تھا۔ رکی
اور پھر دوبارہ اس کا ذکر بھی کبھی کیا تو سرسری سے انداز میں۔ صرف اس لیے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ
کوئی بات ماننے کے بجائے اپنی منوانے کی ضد کی تھی۔ کیا خامی تھی اس لڑکی میں؟ اس سارہ شاہنواز
میز پر بکھری تصویروں میں سے ایک پر انگلی مارتے ہوئے کہا۔

"صرف یہ کہ وہ ایک ماڈل گرل تھی اور شاہنواز احمد کی بیٹی تھی۔ تمہیں بتاؤں فراز! جن لڑکیو
سے کرتی ہیں نا شادی کے سلسلے میں' وہ اس سے بھی زیادہ بے باک ہیں اور ان کے پس منظر شاید شا
زیادہ فضول ہیں۔"

"پلیز اسفند بھائی!" فراز کو جیسے کسی نے ڈنگ مارا تھا۔ "آپ اس کے پس منظر کو برا کیسے کہ
کہیں ایسا۔"

اسفند نے ٹھٹک کر اسے غور سے دیکھا۔ "تم جانتے ہو یہ شخص کیسے کیریکٹر کا مالک ہے؟"

روں تو اس کے اسکینڈل مشہور ہیں دوسروں کو بلیک میل کر کے پیسہ کمانا اس کا پیشہ رہا ہے۔ آج یہ ایک نامور مصور'
یہ ساز' تنقید نگار اور نہ جانے کیا کیا مشہور ہے تو کیا اس کا پس منظر اس سے جدا ہو جائے گا؟ جیسے ہماری ممی کو یہ خوف
نے نہیں دیتا کہ وہ کچھ بھی بن جائیں' جمیل مرچوں والے کے پس منظر سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔ بس یہی بات

"جیسے آپ کے لیے "جمیل مرچوں والا" کا بیک گراؤنڈ آپ کے لیے یا آپ کی فیملی کے لیے کچھ زیادہ با
نہیں ہے مگر شرمندگی کا باعث بھی تو نہیں ہے نا' آپ کو فخر ہونا چاہیے کہ آپ ایک نیک' ایمان دار اور متقی شخص کی
ل ہیں' اسی طرح شاہنواز احمد کا کیا پتا' وہ کیسے پس منظر کا حامل ہو۔ آپ کے والد کے اعمال جمیل مرچوں والے
کھاتے میں ڈالنا بے انصافی ہو گی' اسی طرح شاہنواز احمد کی بداعمالیوں کو ہم اس کے آباؤ اجداد کے کھاتے میں
ڈال سکتے ہیں۔"

"فراز! تمہارا شاہنواز احمد سے کوئی تعلق ہے۔ میرا مطلب ہے کیا تم اس کو جانتے ہو۔" اسفند نے اس کی
ت اور لہجے پر غور کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب!" فراز کو فوری طور پر کوئی جواب نہ سوجھا۔

"مطلب' تمہاری ایگزیبیشن کا افتتاح کرنے بھی تو وہ آیا تھا' وہ تو سنا ہے کہ بڑا بدمزاج شخص ہے۔ تمہاری
ایگزیبیشن پر کیسے آ گیا؟" اسفند نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں نے چند کلاسز لی تھیں ان سے الحمرا میں اور انہوں نے میرے کام کو سراہا بھی تھا' اس لیے جب ایگزیبیشن
وقت آیا تو میں نے ان سے افتتاح کرنے کی درخواست کی۔ میری توقع کے برعکس وہ مان بھی گئے۔"

"اس کے بعد کب ملاقات ہوئی تمہاری ان سے؟" اسفند اب باقاعدہ تفتیش پر اتر آیا۔

"کئی مرتبہ' اب کون کون سی ملاقات یاد کروں۔ وہ مجھے جانتے ہیں گائیڈ کرتے ہیں' اور مزے کی بات یہ ہے
مجھے مخاطب کرتے ہوئے ان کا لہجہ بڑا ان تحکمانہ ہوتا ہے۔" فراز نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"جب ہی تو اس شخص کی اتنی حمایت کر رہے ہو' کیا تم اس کے پس منظر سے بھی واقف ہو؟"

"پاکستانی آرٹ کے متعلق کئی کتابوں میں ان کا تعارف شائع ہوتا رہتا ہے' اسی میں پڑھا ہے۔ اور بقول ان
کے وہ اسی شہر کے کسی گمنام خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ والد معلم تھے غالباً کچھ زیادہ تفصیل سے یاد نہیں۔" بولتے
لتے فراز کو لگا وہ بہت زیادہ تفصیل میں جا رہا تھا' سو اس نے بات مختصر کر دی۔

"ہوں۔" اسفند نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"بہر حال جیسا تم کہہ رہے ہو اس سلسلے میں جو کر سکتے ہو کرو۔ اب یہ تمہارا ہیڈک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فراز سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"وہ اسفند بھائی......" اسے جیسے پھر کچھ یاد آیا۔ "ممی آپ کو جینس ڈی سوزا والی ٹریجڈی سنا رہا تھا۔ اگر ممکن
ہو تو بھی وزٹ کر لیجیے گا۔ ان غریبوں کو حوصلہ ہو جائے گا۔"

"ایک تو بھئی ہماری تمہاری دردمند روحیں۔"

اسفند اس ساری گفتگو میں پہلی مرتبہ مطمئن نظر آیا۔ "اچھا بتاؤ کب چلیں لیڈی ایلس کے پاس' آج شام یا
کل؟"

"ڈیٹس گریٹ۔" فراز نے دانت نکالے۔ "ورنہ میں تو خوف محسوس کر رہا تھا کہ کہیں آپ کی دردمندی کو کسی

کی نظر تو نہیں لگ گئی اگر آپ کہتے ہیں تو آج شام ہی چلتے ہیں۔ ممکن ہے مس للی ڈی سوزا میم صاحب ا
ڈانسنگ کوئین سے بھی ملاقات ہو جائے' ورنہ تو سنا ہے کہ آج کل وہ اتنی مصروف ہیں کہ ان سے ملاقات
قاعدہ ٹائم لینا پڑتا ہے۔ ناز تھیٹر' محفل تھیٹر' گوجرانوالہ' فیصل آباد نجانے کہاں کہاں ان کے ڈرامے چلتے ر
اسے کہتے ہیں معجزہ۔''

''ایک تو بھئی' تمہیں ہر طرف کی خبر ہوتی ہے۔''

اسفند مسکرایا۔

''آپ نے اخبار میں شائع ہونے والی اس کی وہ تصویر تو دیکھی ہی نہیں جس میں اس کے چہرے
مورنی کا دھڑ لگا ہوتا ہے۔''

پانی پیتے اسفند کو اچھولگ گیا' ''ڈونٹ ٹیل می۔'' وہ بمشکل بولا۔

''چلیں شام کو دکھاؤں گا آپ کو وہ تصویر۔'' وہ اپنا تھیلا سنبھالتے ہوئے بولا اور سلام کرتے ہوئے
اسفند نے کچھ دیر بند دروازے کو دیکھا اور پھر میز پر رکھے پلندوں کو سمیٹ کر دراز میں رکھنے کے بعد کر
سے ٹکا دیا۔

''او ہولی فادر' تمارا پاس سب اختیار اے' تم خداوند سے سفارش کرنا والا اے' امارا جینس کو اس ک
کنڈیشن سے نکالنا کا واسطے ام تم سے پرے کرتا' امارا ہیلپ کرو' یو جیز کس کرائسٹ' ام اپنا بچہ کا لائف ما
سے۔''

اپنے سامنے روشن مومی شمعوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کیے ایلس ڈی سوزا نے دل میں کہ
کیا ساتھ لینا تھیں اور للی بھی تھیں۔ وہ کہا تھا۔ ان کے ساتھ لینا تھیں اور للی بھی تھیں۔ وہ اسپیشل سنڈے ماس
ہوئی تھیں اور اب خصوصی دعا مانگ رہی تھیں۔

''سب کا سب اختیار اس اوپر والے کے پاس ہے۔ وہ سب جہانوں کا بادشاہ ہے۔ اس کی تعریف ا
اس کی حاکمیت بڑی ہے۔ انسان کا کام اس سے مانگنا ہے' سو ازل سے انسان اسے سے مانگتا آ رہا ہے او
مانگتا رہے گا۔'' فادر جان نے وعظ شروع ہوا۔

''چنانچہ تمام انسانوں کے واسطے لازم ہے کہ اپنے اعمال کی سمت کو درست رکھیں' اس کی خوشنودی کی
کی قربانی دیں۔ وہ جو بلاشبہ تمام آسمانوں کا زمینوں کا مالک ہے اور جس کے ملک کی کوئی انتہا نہیں ہے۔
تمام انسانوں پر یہ بھی لازم ہے کہ دکھ اور آزمائش کے زمانے میں بھی اس سے آسانی مانگیں اور آ
زمانے میں مزید آسانی اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو جان لیں کہ وہ نکل گئے' اس محبت کی محبت کے دائرے سے
محبت جسے اس نے اختیار دیا' مردوں کو زندہ کرنے کا اور بیماروں کو شفا دینے کا' جب ہی وہ مسیحا کہلایا۔ مسیحا
گواہی دی اس کے ساتھیوں نے اور خود خداوند نے۔'' یہ وہ باتیں تھیں جو انہوں نے کئی بار سنی تھیں مگر ان تیز
لگ رہا تھا جیسے ان سب باتوں کا مفہوم ان کو آج ہی سمجھ میں آ رہا تھا۔

''او خداوند' ام تم کو پکارتا' تم جو پکار پر رجوع کرنا والا' تم جو بڑا کنگ اے' سب سے بڑا والا لارڈ ا
خدائی میں کچھ بھی کم ہونے کا نہیں اے۔ ایک لائف کا سوال اے خداوند ایک لائف کا۔''

آنسو ایلس کی آنکھوں سے موتیوں کی لڑی کی طرح گر رہے تھے۔ کچھ ایسا ہی حال لینا کا بھی تھا۔ جبک

بلیو کلر کی ہاف شرٹ میں ملبوس سر پر بلیک اسکارف باندھے للی ڈی سوزا خاموش تھی' مگر دیکھنے والے کو اس کے
کا کرب محسوس ہو سکتا تھا۔

''کم آن ایلس! چلو اب گھر چلیں۔'' دعا کے بعد انکل ڈینس اور آنٹ سوسن ان کے قریب آ گئے۔ کمپاؤنڈ
لوگ ان کے قریب آ کر جینس کی طبیعت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

''ایلس! لینا کم آن۔ بی بریو۔'' آنٹ سوسن نے لینا کی پشت سہلاتے ہوئے کہا اور ان دونوں کے بازو پکڑ
گے دھکیلا۔ واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا۔

''تم لوگ بیٹھو' سوسن ابھی چائے بنا کر لاتی ہے۔ انکل ڈینس نے دروازے کا لاک کھول کر اندر آتے ہوئے
سوسن کے بارے میں بتایا جو راستے میں اپنے گھر پہ رک گئی تھیں۔ ایلس اندر آتے ہی اپنے کمرے میں گھس
جبکہ لینا اور للی وہیں صحن کے ایک طرف بنے برآمدے میں دھری کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''لینا ڈارلنگ! تم نے لیو اپلائی کر دی تھی؟'' انکل ڈینس نے ماحول کی خاموشی توڑی۔

''جی انکل! میں نے کیا منی باجی نے ہی سارا لیو والا پروسس کیا ہے۔''

''بہت لوونگ لیڈی ہیں یہ تمہاری منی باجی' شی از گریٹ' دیکھو آج کل۔ بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔''

''واقعی انکل ڈینی! مجھے بعض دفعہ خود بھی یقین نہیں آتا کہ کوئی اتنا بھی اچھا ہو سکتا ہے۔ آپ یقین جانیے کہ وہ
کی طرف ٹریٹ کرتی ہیں مجھے۔ جب کبھی مجھے پنڈی میں رات رہنا ہوا' اپنے ہاں ٹھہراتی ہیں۔ ان کے اتنے
دوست ہیں پورے پاکستان میں' بہاولپور میں بھی ان کی دوست کے ہاں ٹھہرتی ہوں۔ کوئی مذہب و ذہب کا
نہیں چلاتے وہ لوگ۔ کبھی دن کا آف ملے تو مجھے اپنے پروجیکٹس اپنے کام دکھاتی ہیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ
میں کتنے لوگ کتنی خاموشی سے کتنے اچھے اچھے کام کر رہے ہیں۔ وہ تو دنیا ہی اور ہے انکل ڈینی!''

لینا ان سے بے حد متاثر تھی۔

''اور صرف ان کی کیا بات ہے' ادھر وہ جو اسفند یار صاحب ہیں وہ بھی منی باجی کے سرکل میں شامل ہیں۔ وہ
سوشل ویلفیئر پروگرام چلا رہے ہیں' ان کی تفصیل بتانا ناممکن ہے۔ اتنے سارے لوگ ہیں جو ہر ماہ ان کے
جیکٹ سے یہاں لاہور میں گھر کا پورے ماہ کا راشن لیتے ہیں۔ ان کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اب تو
لا ایک ہاسٹل بھی بنوانے کا ارادہ ہے ان کا یہیں لاہور میں' جہاں پہلے بھی وہ رہتے تھے اگر پیسہ ان کے پاس
ل! تو وہ اسے عام لوگوں کے بھلے کے لیے خرچ بھی کر رہے ہیں۔ نہ شو شا' نہ نام وام۔ بس خاموشی سے' یہ جو
او غیرہ کے چکر ہیں یہ بھی نہیں' بس سب کچھ بالکل پرسنل ہے۔''

''گریٹ لینا' ڈارلنگ' گریٹ!'' انکل ڈینی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''یہ تو میں اس روز ہی سمجھ گیا تھا
اس لڑکے فراز کے ساتھ آیا تھا جینس کو دیکھنے کے واسطے۔ کتنے ڈاکٹرز اس کے واقف کار تھے' کتنوں نے
دن کا یقین دلایا تھا اور اس روز سے کتنا فرق آیا لوگوں کے رویے میں' میں اسی روز سمجھ گیا تھا ایسے لوگ
سے کام کرتے ہیں اور اپنے لیے ہیون میں بڑی جگہ بناتے ہیں۔''

''نو ڈاؤٹ جو میں نے دیکھا ہے نا انکل ڈینی! وہ ریمارک ایبل ہے۔ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور اوپر سے
ندگیاں بالکل مختلف ہیں۔ ان کے سوشل سرکل دیکھیں' ان کی کلاس دیکھیں' لیونگ اسٹینڈرڈز دیکھیں' کیا
ھ ہیں۔ آج پاکستان میں ہیں' کل لندن' پرسوں کہیں اور مگر عاجزی اور انکساری...... ہم لوگ تو اسلام کے
ل پڑھتے ہیں' ان کے درمیان رہتے رہے ہیں۔ منافقت سے بھرپور زندگیاں دیکھتے ہیں' لیکن اگر وہ اسلام

جوہم پڑھتے ہیں' اگر کہیں نظر آتا ہے تو ان لوگوں کے ہاں جو کم سے کم رواداری تو برتتے ہیں۔ Equalitly
مساوات کہتے ہیں' اس کا سبق تو پڑھ رکھا ہے۔ نا انہوں نے۔"

انکل ڈینس نے جوش وخروش کے ساتھ بولتی اس لڑکی کو دیکھا جو اس وقت اس لڑکی کا جو کبھی وہ تھی صرف
سایہ ہی نظر آرہی تھی۔ اس کی شخصیت میں بے پناہ فرق آیا تھا۔ وہ پراعتماد نظر آتی تھی۔ اسے بات کرنے کا ڈھنگ
آچکا تھا۔ وہ پہلے بھی ڈیسنٹ اور سوبر لگتی تھی۔ اب وہ اور زیادہ لگ رہی تھی۔ دوسری نگاہ انہوں نے للی پر ڈالی
اس وقت بھی بے نیاز اور غیر متعلق نظر آرہی تھی۔ پراعتماد اور باتونی تو وہ پہلے بھی تھی مگر اب اس کی ساری شخصیت
کی شخصیت کے سامنے دبتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

"اور تم للی! تم بھی تو خاصی معروف ہو آج کل' تم نے دنیا کے اس نئے تجربے سے کیا سیکھا؟" انہوں
صرف اس سے بات کرنے کی غرض سے کہا۔

"کوئی نئی بات نہیں ہے اس دنیا میں سیکھنے والی انکل ڈینی!" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔ "چانس لینے کی
بات ہے' چانس مل جائے تو سب کچھ آپ کے قدموں میں ڈھیر۔ لینا اسلام کی بات کرتی ہے' مسلمانوں کے کریکٹر
کی بات کرتی ہے' میرا تجربہ تو ٹوٹلی مختلف ہے۔ میں نے تو جسے دیکھا جسم کا پجاری دیکھا۔ جتنا خود کو ایکسپوز کرو
ہی ٹوٹے پڑتے ہیں۔ پیسہ بھی لٹاتے ہیں' خواہ جیب میں ہو نہ ہو۔ ادھار ہی کیوں نہ مانگنا پڑے۔ سفید چمڑی
مرنے والی' غلام ذہنیت رکھنے والی قوم' ان کی ساری کمزوریاں میرے ہاتھ میں ہیں اور میں نے ان کو اپنی کامیابی
زینہ بنانا ہے۔ آج اسٹیج ہے' کل فلم آئے گی' ٹی وی آئے گا۔ یہ ہمارے ولگر ڈانسرز کی سی ڈیز بناتے ہیں۔ ایکسپورٹ
بھی کرتے ہیں' اور چسکے لے لے کر دیکھتے ہیں جس قسم کی مخلوق کا ذکر لینا کررہی ہے' وہ میں نے تو کہیں نہیں دیکھی۔"
اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"نگاہ جو دیکھنا چاہے للی ڈیر! وہی نظر آتا ہے' اسی لیے تو تمہارا اور لینا کا ایکسپیرینس ڈفرنٹ ہے'
ڈفرنٹ۔"

ان کے عقب سے آواز آئی۔ یہ آنٹ سوسن تھیں جو چائے کی ٹرے اٹھائے نجانے کب سے ان کی گفتگو سن
رہی تھیں۔ للی نے ناگواری سے منہ پھیرا۔ آنٹ سوسن نے ٹرے میز پر رکھ دی۔

"ایلس کہاں ہے؟" انہوں نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اندر گئی تھی' شاید چینج کرنے۔" انکل ڈینی نے ٹرے میں رکھی پلیٹ سے ایک بسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔
آنٹ سوسن تیز قدموں سے چلتی کمرے میں داخل ہوگئیں۔ ایلس اپنے پلنگ کی پٹی سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔

"ایلس!" انہوں نے اس کا کندھا ہلایا۔ ایلس نے سر اٹھایا' ان کا چہرہ سرخ اور بھیگا ہوا تھا۔ ان کے
چکے تھے۔ آنٹ سوسن نے دیکھا ان کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ انہوں نے نرمی سے وہ چیز ان کے ہاتھ سے لے لی
ہاتھ سے بنایا گیا ایک دلکش فوٹو فریم تھا۔ چیک دار شرٹ اور وائٹ اسکرٹ پہنے' دو چوٹیاں بنائے مسکراتی ہوئی
جینس کی وہ تصویر چنٹ ڈال کر اسے ٹائٹ کیا گیا تھا اور اس پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت پھول بھی ٹانکے
تھے۔

"ایلس! آنٹ سوسن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہیں۔ "تم تو سمجھ دار ہو' ایسے کرو گی تو یہ بچیاں کیا کریں
"امار پور جینس' سوسن! اس نے سارا لائف کوئی کھوشی نائیں دیکھا۔ ام اس کا لائف کا وٹنس اے' وہ کھوشی کا
ویٹ کرتا رہا۔ رابٹ! کھوشی نے اس کا ڈور پر کبھی ناک نائیں کیا۔" ایلس نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

"اٹھو ایلس! باہر چلتے ہیں سب تمہارا ویٹ کررہے ہیں۔" آنٹ سوسن نے ان کا دھیان بٹانا چاہا۔ ایلس'
کی اس تصویر کو سینے سے لگائے معصوم بچوں کی طرح ان کے پیچھے چل دیں۔ باہر انکل ڈینس اور لینا اور للی
پی رہے تھے۔

"تم ام کو اکثر لائف ریمائنڈ کراتا تھا نا ڈینس!" باہر آتے ہی ایلس نے انکل ڈینس کو مخاطب کیا۔ ان کے
ں سختی تھی اور چہرے پر وحشت۔ انکل ڈینس نے چائے کا کپ پرچ میں رکھ کر ان کی طرف دیکھا۔ ایلس اس
منے کھڑی تھیں۔

"تم ام کو ریمائنڈ کراتا تھا۔ ایلس ٹمارا بیک گراؤنڈ' وہ نئیں اے جو ٹم سب لوگ کو بتاتا پھرتا۔ ٹم کسی رائل فیملی
نیں اے' ٹم اولی ایک برٹش بینڈ ماسٹر کا ڈاٹر اے' ٹم ایک نیٹو کرسچن آیا کا ڈاٹر اے' جس نے ٹمارا یورپین شکل کا
لیا۔ ٹم کو تماشوں میں ڈانس کروایا' ٹم سے پیسہ کمایا' کس کا واسطہ۔ پیسہ کا واسطہ۔" انہوں نے دو انگلیاں
ا۔ "پیسہ بڑا ایفیکٹ ٹھا نا اس واسطہ' ایلس واسطہ ڈینس صاحب!" وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔

"اور آفٹر ڈیٹ کیا ہویا' ام پر ڈیول نے اٹیک کیا' یس ام اس کو این اٹیک آف ڈیول ای کہیں گا' ام پر بھوت
ونے کا تھا کہ ام پائس لائف لیڈ کریں۔ وہ ڈی سوزا تھا جو ام کو بولتا تھا۔ "ایلس لیڈ اے نوبل لائف' اے پائس
اولی تب اوپر والا ٹمارا خلاصی کرنے کا اے۔ ام ڈر گیا' ام کو اوپر والا کا کھوف (خوف) سوار ہوا' ام پیشہ چھوڑا'
چھوڑا' ویڈنگ بیل شیک کیا اور نوبل اینڈ پائس لائف اسٹارٹ کیا' ہاؤس وائف کا لائف۔ بٹ یو نو اس بار کیا ہوا'
ئی ڈنس اے ڈینس! ٹم تو کھدا اپنا آنکھ سے یہ زندہ ٹماشا دیکھا' بیڈ لک۔ ٹوٹل بیڈ لک۔ کروک پور لک کا بھوتنا
بچھا لگ گیا۔ ڈی سوزا کا جاب خلاص' ڈی سوزا خلاص' پور جان خلاص۔ پور جینس کا بد معاش ہزبینڈ اسے چھوڑ
خلاص' انوسنٹ لینا کا چائلڈ ہڈ' اس کا یوتھ' سارا لائف خلاص' للی کا لائف میں کوئی گائیڈنگ اسٹار نئیں آیا۔
باروں میں بلائنڈز موافق ٹکر کھاتا پھرا رزلٹ تم دیکھ رہے ہو۔"

اس نے للی کی طرف اشارہ کیا۔ "اور ام۔" انہوں نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ام اوپر والا کا بلیسنگز ویٹ کرتا رہا' وہ جھوٹا چالباز چھٹن لومڑ فادر براؤن صاب ام کو جھوٹا اسٹوریز سناتا رہا۔

"لک ایلس! اوپر والا کو جو پسند آجاتا ہے اس کو ہی وہ پرابلم فیس کرواتا ہے۔ ٹم ٹو لکی اے ایلس! ٹمارا سر کا
نارتھ اسٹار شائن کرتا اے' اینجل آف بلیسنگز اپنا باسکٹ اٹھائے ٹمارا ساتھ ساتھ رہتا اے۔"

"جھوٹ ایک دم جھوٹ۔" وہ زمین پر زور سے پاؤں مار کر چلائیں۔ "سب جھوٹ۔ سب دین کا باٹ
ٹ' اس لک لیس کنٹری نے ام سب کمیونٹی والا کو اپنا سڑک کا کھاک (خاک) سمجھ کر برتا۔ ام کو کبھی اڑ اڑایا کبھی
"انہوں نے دائیں بائیں اشارہ کیا۔

"ام کو کھا کروب والا اسٹینڈرڈ سے اوپر کبھی سمجھا ای نائیں' چاہے ام پروفیسر بن جائے' چاہے بیرسٹر بن
چاہے تو جرنیل بن جائے' ام ان کا نظر میں دھول جھاڑنے والا ان کا باتھ روم واش کرنا والا ہی رہا۔ اب امارا
وہ پور جینس نے سارا زندگانی اپنا نوبل لائف لیس کیا' اولی ونس وہ ایک حرام جادہ کا ہتھے چڑھ گیا' ورنہ تو وہ
لائف جیزس کرائسٹ کو فالو کرتا کرتا زخمی لوگ کا کھدمت کرتا رہا۔ اس کا اچیومنٹ۔ دیکھا ٹم نے' ٹوٹل لاس' ٹوٹل
آج وہ مرتا جیتا کنڈیشن میں ہیلپ لیس پڑا اے۔ آج میرا اسٹوری کھتم۔

لب ام انڈر اسٹینڈ کیا' اب ام جانا سارا کھوشی سارا انجوائے منٹ سب کا سب اس لائف میں تھا جس کو ہم نے
اوپر والا کا فیور حاصل کرنا کا واسطہ۔ لی! لینا!" وہ اچانک دونوں لڑکیوں سے مخاطب ہوئیں۔ "ام ٹم کو ایڈوائز کرتا

ہیپی نیس کو حاصل کرو، جہاں سے بھی ملے۔ تھنگ از دس۔ دس سو کالڈ مور یلٹی، پائس نس، ہیلو دآل دس۔م لائف لیڈ کرو۔ یہ سارا لوگ ام کو آ کر رپورٹ دیتا، للی سموکنگ کرتا، للی ڈرنک کرتا، للی دوستی پالتا، گندا کا ناچ ناچتا، ام کہتا ٹھیک کرتا، للی بالکل ٹھیک کرتا جس بات میں اس کو پرافٹ ملتا وہ اِی بات سارا کریکٹا کس اوپر والا سے کوسچن کرے، ام لال کوارٹر چھوڑ کر ایدر کمپاؤنڈ کا میز ریبل چھوٹا ہاؤس میں گزارہ کرتا۔ کھاطر، تم نے دیکھا ڈینی! کتنا ڈیرڈفل اینڈ ہوا۔ امارا سارا وش فل تھنکنگ کا اور جینس کا پائس لائف کا۔"

وہ روتے ہوئے مسلسل بول رہی تھیں۔

وہ سب کے سب ششدر بیٹھے تھے۔

"پور ایلس، اس کا دماگ گھوم گیا غم کے مارے۔"

آنٹی سوسن سوچ رہی تھیں۔

"اب سمجھ میں آیا، مجھے ویگا باؤنڈ کہتی تھیں۔"

للی سوچ رہی تھی۔

"او خداوند، کیا ہو رہا ہے ہمارے ساتھ، او گاڈ۔ رحم کر ہم سب پر۔" لینا کی آنکھوں سے آنسو بہہ ر

"خداوند، تم نے کڑی آزمائش میں ڈال دیا اب کے ایلس کو، اب تک تو وہ اپنی ول پاور استعمال کر کو اور اپنے تئیں ساری دنیا کو دھوکا دیتی رہی مگر اب اس کی عمر اور اس کی ول پاور جواب دے رہی ہے۔ا لیس ہو رہی ہے۔ او خداوند اس کی مدد کر۔"

انکل ڈینس چھڑی کی نوک زمین پر مارتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ آنٹ سوسن گرینی کو سنبھا میں ہلکان ہو رہی تھیں۔ "بس ایلس بس۔"

وہ اسے چمکار رہی تھیں۔

"ام سارا لائف اپنا بچہ لوگ کے سامنے جھوٹا شان بنایا، ام لارڈز کا فیملی والا اے۔" کچھ توقف نے اپنی آستین سوسن کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

"ام تم سب کا سامنے کنفیس کرتا، برٹش بینڈ ماسٹر کا ڈاٹر اے، امارا مدر ایک نیٹو کرسچن آیا تھا۔ ام امارا سارا کزن لوگ ناچتا گاتا۔ پیسہ ارن کرنگ واسطہ، یہ چٹی چمڑی پر مرتا والا لوگ دیتا تھا ام کو پیسہ۔ لے پیار لے کر آنکھوں میں باہاڑ جاڈونگری سے آیا اے کوئی جاڈوگر۔" وہ لہک لہک کر گاتا گاتے ہوئے ناچ

"ایلس! تم یہ لو۔" انکل ڈینس نے ہتھیلی پر رکھی دو گولیاں اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گ سامنے کیا۔

"سوسن! تم اس کا شولڈرز دباؤ، اس کو لمبی نیند کی ضرورت ہے، اس کو سکون کی ضرورت ہے۔"

جب سوسن نیم غنودگی کی حالت میں اونگھتی ایلس کو کمرے میں لے گئی تو للی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہوئے کہا۔

"ڈریڈفل اینڈ، اس ساری فیک اسٹوری کا جو ہمارے، ہماری پرائڈ کو زندہ رکھنے کے لیے بنائی گ آپ خود فیصلہ کریں ڈیر آ ڈینس کہ جینے کے لیے کون سا طریقہ، کون سا راستہ درست ہے؟"

وہ اپنی پنسل ہیل پر ٹک ٹک کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"تم تھوڑا ریسٹ کر لیتیں لینا ڈارلنگ! پھر تم کو ہاسپٹل بھی جانا ہوگا۔" انکل ڈینس نے لینا کو مخاطب

"کچھ نہیں انکل ڈینی!" اس نے اپنے آنسو پونچھنے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کیا ہوتے ہیں ہم انسان کیا ہوتے ہیں ہمارے ارادے۔ دیکھا آپ نے لمحے بیتتے ہیں، ارادے ٹوٹ جاتے ہیں، پلان فیل ہو جاتے ہیں ں انسان کے سارے پلان ہی فیل ہو جائیں اس کا کریک ڈاؤن یونہی تو ہوتا ہے جیسے گرینی کا ہوا ہے نا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو مگر ڈارلنگ! اپنے اپنے سوچنے کا انداز ہے نا۔" انکل ڈینس نے پرسکون آواز میں کہا۔

"تم ریسٹ کرو، سوسن ادھر ہی ہے۔ جب ہاسپٹل جانا ہو دروازہ ناک کر دینا، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" ڈینس اٹھتے ہوئے بولے۔

"کتنے نائس ہیں انکل ڈینی! انہیں چھڑی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتے دیکھ کر لینا نے سوچا۔ "ہمیشہ ہماری ں مصیبتوں اور خوشیوں میں انہوں نے ہمارے ساتھ برابر کی حصہ داری کی گرینی ان سے اکثر ناراض ہی رہتی کیونکہ وہ گرینی کو ان کی خوابوں کی دنیا سے نکال دیا کرتے تھے، مگر آج تو گرینی جیسے فادر کنفیسر کے سامنے بیٹھی مگر کتنی عجیب سی بات ہے کہ یہی وہ حقیقتیں تھیں جن پر وہ تمام عمر پردہ ڈالتی رہیں اور آج یوں بغیر جھجکے بیان کر یہی تو ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ انسان کا اصل دیکھنا ہو تو اسے غم میں مبتلا دیکھو، وہ کیسا ردعمل ظاہر کرتا ہے یا جب حد نشے میں ہو۔ او گرینی! گاڈ بلیس یو، تم نے ٹھیک کیا یا غلط مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر تم یہ سارا کچھ نہ کرتیں تو شاید ، وہ کچھ بھی نہ ہوتے جو ہم ہیں۔"

اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں اور بیگ سے موبائل نکال کر کوئی نمبر پریس کرنے لگی۔

......❁......

"وہ جو فیشنی لڑکی آتی تھی نا عائشہ کے گھر میں، اب نہیں آتی۔ بڑے دن ہو گئے ہیں۔" یہ حاجرہ تھی جو بی بی کے پاس بیٹھی ان کو محلے بھر کی کہانیاں سنا رہی تھی۔

"اچھا!" بی بی زینب نے ناک کی نوک پر آتی عینک کو انگلی سے اونچا کیا اور ہاتھ میں پکڑا کروشیا اونچا کر کے ٹی لیس کو غور سے دیکھا۔

"آپ تو اس کی حمایت کرتی تھیں۔" نا دیکھ لیا، اگر اچھی لڑکی ہوتی تو بچہ چھوڑ کر یوں تو نہ بھاگتی۔" حاجرہ نے ٹھنڈے جواب پر ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں۔" بی بی زینب کا ردعمل ابھی بھی بالکل بے تاثر تھا۔

"وہ ٹیلی وژن پر بھی آتی ہے۔" ہل ہل کر سپارہ پڑھتی ایک بچی نے دوسرے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ے تائید چاہ رہی ہو۔

"یہ میری اردو کی کاپی پر جو اخبار چڑھا ہے نا اس کے اندر والے صفحے پر اس کی تصویر بھی ہے۔" وہ بچہ جوش بولا اور قریب رکھے بستے سے اردو کی کاپی نکالنے لگا۔

"خبردار!" بی بی زینب نے اسے گھوا۔ "سبق پر دھیان دے، سارا سبق نہ سنایا تو گھر نہیں جانے دوں گی۔" لڑکا ڈر کر بستہ وہیں چھوڑ چھاڑ دوبارہ سے سپارے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"جھوٹ تو نہیں بول رہے یہ بچے۔" حاجرہ کو گویا کیو مل گیا۔ "میرے ناصر نے مجھے خود ٹیلی وژن پر دکھائی ے شوخے سے کپڑے پہن کر صابن کی مشہوری کر رہی تھی اور بھی بڑی مشہوریوں میں آتی ہے۔" غلطی لگ رہی ہے تمہیں۔" بی بی زینب نے بدستور کروشیے کے پھندے ڈالتے ہوئے کہا۔ "اور اگر ایسا ہمیں کیا، بچے کی ضرورت ہوگی تو خود ہی آ جائے گی کسی دن۔"

''اب نہ آئی وہ۔'' حاجرہ نے تقین سے کہا۔ ''پتہ نہیں کس کی ناجائز اولاد تھی بی بی جی! آپ ہمدردی ہوگئی اس سے۔ آپ کا منہ دیکھ کر سارے محلے والے چپ ہوگئے' ورنہ نہ تو یہاں عائشہ نے آنا تھا۔''

''حاجرہ! یہ بہت بری بات ہے کہ تم لوگ بغیر کسی ثبوت کے لوگوں پر الزام دھرتے پھرتے ہو کے سامنے نہیں جانا؟ ۔ وہ جائز اولاد ہے یا ناجائز' گناہ ثواب اس کے ماں باپ کے سر پر۔ تم نے اس عمل کا جواب دینا ہے۔ بس خاموش ہو جاؤ' بچے سبق پڑھنا بھول کر تمہاری واہی تباہی سن رہے ہیں'' نے ڈپٹ کر کہا۔ حاجرہ کھسیا کر چادر سنبھالنے لگ گئی۔

''کا کا فضل الٰہی!'' بچوں نے سبق پڑھ کر اپنے اپنے گھر جانے کا قصد کیا تو بی بی زینب نے اس بچے کو مخاطب کیا جو اسکول کی ٹیوشن پڑھ کر سیدھا ادھر آ گیا تھا سپارہ پڑھنے۔

''اپنا بستہ آج ادھر ہی چھوڑ جا' کل اتوار ہے نا' چھٹی ہے۔ اسکول کا کام کرلیا تو نے؟''

بچے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''چل کل لے لینا۔'' انہوں نے بستہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے

''پر کل تو چھٹی ہے جی سپارے کی۔'' بچہ اٹک اٹک کر بولا۔ ''کھیلتے ہوئے ادھر آئے گا نا تو بھجوادوں گی کسی کے ہاتھ۔''

بچہ یقیناً بھول چکا تھا کہ کچھ دیر پہلے اس نے بستے سے کیا نکالنے کا اعلان کیا تھا۔ وہ حیرت دیکھ رہا تھا۔

''دیکھوں گی تو کیا پڑھتا ہے اسکول میں' لکھائی کیسی ہے تیری پھر تیری ماں کو بتاؤں گی تیر ہے کہ نہیں۔''

بی بی زینب کو غلط بیانی کرتے ہوئے سانس چڑھ گیا تھا' مگر بچے کی حیرت دور کرنے کے لیے بچہ سر ہلا کر مڑا اور باہر کی طرف چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد بی بی زینب نے دروازہ بھیڑ تیزی سے چلتی برآمدے کی طرف آئیں۔ بچے کا بستہ کھولتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ سب پر اخبار کا کور چڑھا تھا۔ انہوں نے ایک ایک کاپی کھولی۔ آخری کا ں نے ویسے ہی کانپتے ہاتھوں سے اس کا اخبار اتارا۔ اوپر والے صفحے پر خبریں تھیں اور مڑے ہوئے پورے صفحے کا ایک اشتہار تھا۔ ہنستی مسکراتی لڑکی ہاتھ میں کوئی کارڈ اور بغیر تار کا ٹیلی فون پکڑے مسکرا رہی بازوؤں کی چھوٹی سی قمیص اور پینٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور اس کے انتہائی گہر بکھرے پڑے تھے۔ بی بی زینب کے سارے قیاس اور تصورات غلط ثابت ہوئے تھے۔ وہ بلاشبہ کا وہ اندیشوں اور گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

........۞........

قبلہ وکعبہ ماسٹر صاحب!

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ بندہ یہاں پر بخیریت زندگی گزار رہا ہے اور آپ کی خیریت مجھے علم ہے کہ اگرچہ آپ کسی سے اظہار نہیں کرتے ہوں گے مگر دل میں مجھ سے خفا اس لیے ہوں اپنے بارے میں کوئی اطلاع دینے سے اتنا عرصہ قاصر رہا۔

ماسٹر جی! آپ کہا کرتے تھے کہ فراز یا! جب تو دنیا کے اصل رنگ ڈھنگ دیکھے گا تو تجھے

کائنات کی ہر چیز کے ساتھ ''چھون میٹی'' (آنکھ مچولی) کھیل رہا ہے۔ تو اپنے تئیں آنکھ بند کر کے اپنی مطلوب شے پکڑے گا۔ آنکھ کھولنے پر پتہ چلے گا کہ یہ تو وہ شے نہیں تھی' مطلوب شے ہاتھ لگوائے گی' پر پکڑائی نہ دے گی تو ماسٹر جی! میں اب اس ''چھون میٹی'' کے کھیل کا ایک کھلاڑی بن ہی گیا ہوں۔ مطلوب شے اپنا سایہ دکھاتی ہے پر پکڑائی نہیں دیتی۔ زندگی یقیناً اسی تگ ودو کا نام ہے۔

آپ کی دعاؤں کی بدولت پڑھائی بھی ٹھیک جا رہی ہے اور نوکری بھی۔ آپ نے تو اسے میری اماں کی محنتوں اور صبر کا صدقہ قرار دیا تھا مگر میں جانتا ہوں کہ اس میں اماں کی محنتوں اور صبر کے علاوہ اور کس کی نادیدہ دعاؤں اور برکتوں کا ہاتھ ہے۔ منی باجی کہتی ہیں صوفی منش لوگ کسی بات کا کریڈٹ لیتے ہوئے نہیں دیکھا ہاں آپ کے فیض سے لوگوں کو فائدہ پہنچتے خوب دیکھا ہے۔

ہم لوگ آج کل انگریزی زبان کا پرانا ادب پڑھ رہے ہیں۔ اس پر مجھے آپ کی وہ باتیں اور رہنمائی بہت یاد آتی ہے جو آپ مجھے ایف اے اور بی اے کا لٹریچر پڑھاتے ہوئے سناتے تھے۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ زبانیں بھی ترقی کرتی ہیں۔ اگرچہ زبان بے جان شے ہے مگر نشوونما پاتی ہے، پھلتی پھولتی ہے' بڑی ہوتی ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ اگر آپ سے میں نے اتنی گہرائی میں جا کر مطالعہ نہ کیا ہوتا تو اب کتنی مشکل میں ہوتا۔ یہاں پر استاد پٹر پٹر انگریزی بولتے ہیں' ان کا لب ولہجہ اور تلفظ سمجھنے کی کوشش کرنا پڑتی ہے مگر کبھی کبھار وہ حیران ہو کر مجھ سے کہتے ہیں۔ ''فراز! ہم نے بستی کمال پور کا نام کبھی نہیں سنا مگر یقیناً یہ کسی پس ماندہ سی جگہ کا نام ہے مگر انگریزی زبان وادب سے تمہاری اتنی واقفیت حیران کر دیتی ہے۔ تم نے اب تک کس سے پڑھا' کیا وہاں تمہارے سیالکوٹ میں اتنے اچھے استاد موجود ہیں۔'' اب آپ ہی بتایئے ماسٹر جی! ایسی بات پر میرا ردعمل کیا ہونا چاہیے۔ آنکھوں میں آنسو' دل میں غصہ اور دماغ میں افسوس۔ کیوں بھلا' اب یہ آپ بتائیں گے۔

بستی بھر کے احوال سے بھائی دل نواز کے خطوط مطلع کرتے رہتے ہیں۔ لالہ شفیع کی ٹانگ ٹوٹ گئی ریڑھی سے گر کر' اس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ ایک خط بنام لالہ شفیع ارسال کر رہا ہوں' ان تک ضرور پہنچا دیجیے گا۔ چاچی رشیداں اور چاچی بشیراں دونوں ہسپتال میں ہیں۔ خدا ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ ماسٹر جی! آپ سے درخواست ہے کہ اب بستی کے لوگوں کی علم وآگہی کا دائرہ وسیع کر دیں۔ بچپن سے اب تک کتنے لوگوں کو بیماری میں ڈاکٹر اور دوائی کرنے کے بجائے تعویذ دھاگہ' دم درود پر اکتفا کرتے ہوئے مرتے دیکھ رہا ہوں۔

میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا اور ان چیزوں کی اہمیت سے بالکل انکاری بھی نہیں ہوں مگر آپ دیکھیے اب میڈیکل سائنس کتنی ترقی کر چکی ہے۔ جسم کے کس کس عضو پر کیا کیا ریسرچ ہو چکی ہے پھر اس کی اہمیت سے انکار کیوں ہے۔ پچھلے دنوں میرا لاہور کے ایک بڑے ہسپتال میں مسلسل جانے کا اتفاق ہوتا رہا۔ میں میڈیکل سائنس کا طالب علم کبھی نہیں رہا' نہ ہی مجھے کبھی اس مضمون سے خاص لگاؤ تھا مگر جسم کی اناٹومی کے متعلق قائم مختلف شعبے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ یا اللہ' یہ کیسی مشین بنائی تو نے جس کا ہر پرزہ اپنے اندر کتنے معنی رکھتا ہے' سبحان اللہ۔ اب آپ بتایئے کہ انسان اتنا کچھ جان لے تو پھر اس کی جانکاری سے انکار کیوں ہے؟

آپ کی ہونہار شاگردہ مبینہ کلثوم کا رزلٹ کب تک متوقع ہے۔ اللہ اسے کامیابی عطا فرمائے' ورنہ تو وہ بے چاری حسرت لیے ہی رہ جائے گی مبینہ کلثوم بی اے کہلوانے کی۔ بستی میں سب کو درجہ بدرجہ سلام عرض کر دیجیے گا۔

آپ کے مکتب کے موجودہ شاگرد مجھ سے بھی کہیں اگلی نسل کے بچے ہیں۔ توقع ہے کہ وہ آئندہ آنے والی زندگی میں بستی کمال پور کا نام گینز بک میں ضرور ریکارڈ کروائیں گے کیونکہ یہ بستی ایسا ڈیزرو کرتی ہے۔

خیراندیش

فراز احمد

مانو نے دیکھا ماسٹر صاحب کرسی پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ وہ اس شام خاص طور پر ان سے ملنے آئی
تھی۔ اس کے ابے کی کئی روز پہلے ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ اماں گردوں کے درد میں مبتلا ہسپتال میں داخل تھی، سو پچھ
ہفتے سخت مصروفیت اور پریشانی میں گزرے تھے۔ ماسٹر صاحب دو مرتبہ اس کے گھر خیریت دریافت کرنے
تھے مگر اس بات کو بھی کئی دن گزر چکے تھے۔ اس روز اماں ہسپتال سے واپس آئی تھی اور ابا کا پلستر بھی کھل چکا تھا
ذرا سا سکون پاتے ہی ادھر آ نکلی تھی۔ یہاں اس نے دیکھا ماسٹر صاحب صحن میں میز کرسی بچھائے حقہ لیے بیٹھے
اور کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

''خیر ہے نا ماسٹر جی؟'' کچھ دیر اسی طرح انہیں دیکھتے رہنے کے بعد بالآخر اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا
جی چونک گئے' اس کی طرف دیکھتے ہی ان کے چہرے پر مخصوص معصومانہ شرارت بھر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''او آ بھی مبینہ کلثوم! بڑا دل نکالا آج جو ادھر چلی آئی۔ کیا حال ہے تیرے والد صاحب شفیع محمد کا او
والدہ مسمات رشیدہ بی بی کا؟''

''اب بہتر ہیں جب ہی تو آئی ہوں۔'' مانو نے آگے بڑھ کر حقے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''ہائے ما
حقہ تو ٹھنڈا پڑا ہے۔ آپ ٹھنڈا حقہ ہی گڑگڑا رہے ہیں؟''

اس نے حقے کی ٹوپی اتاری اور صحن کے ایک طرف بنے مٹی کے چولہے کی طرف چل دی۔ سیڑھیوں کے
چند اپلے نکال کر انہیں دو ٹکڑے کر کے چولہے میں رکھا اور دیا سلائی جلا کر آگ لگائی۔ ٹوپی میں سے راکھ کوڑے دا
میں جھاڑی اور ایک ڈبے سے گڑ تمباکو کو نکال کر اس میں رکھا پھر اٹھ کر حقہ اٹھایا اور ہینڈ پمپ چلا کر اسے دھونے لگی۔

''مولا بڑا کارساز ہے مبینہ کلثوم! جب جی چاہتا ہے کہ تازہ حقہ ہونا چاہیے۔ وہ کسی نہ کسی کو اسی وقت
ہے جو مجھ نمانے کو حقہ تازہ کر دیتا ہے۔'' ماسٹر صاحب مسکرا کر بولے۔

''آپ ہیں ہی کرموں والے ماسٹر جی! مولا نے آپ کے دل کی نہیں سننی تو اور کس کی سننی ہے۔'' مانو
میں پانی بھرتے ہوئے سادگی سے کہا۔

''اوئے تم لوگوں کا تو لگتا ہے دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔'' ماسٹر جی بگڑ کر بولے۔ ''ایک ادھر بیٹھا فرما
ماسٹر جی! صوفی منش لوگ۔ ایک ادھر ہے فرماتی ہے ماسٹر جی کرموں والے! اوئے میں صرف بندہ ہوں مولا
لوگ اس کے بندے نہیں ہو کیا۔ کیا وہ تمہاری نہیں سنتا' کیا میری نہیں موڑتا۔ مولا کے لیے اس کے سارے
خاص ہوتے ہیں۔ مبینہ کلثوم جتنی حیاتی وہ دیتا ہے نا بندے کو' کبھی اس کی مانتا ہے کبھی اپنی منواتا ہے۔''

''پر کچھ بندے تو اس کے خاص ہوتے ہیں نا ماسٹر جی! اللہ والے بندے' نیک لوگ' ان کی اللہ نہیں مو
مانو نے حقہ دھو کر اٹھتے ہوئے کہا۔ آگ بن چکی تھی وہ چمٹا پکڑ کر ٹوپی میں بھرنے لگی۔

''تو کیا جانے مبینہ کلثوم! کہ وہ کب کب کہاں کہاں موڑتا ہے۔ کہاں کہاں کیا کیا آزمائشیں ڈالتا ہے
جب جا کر اس بندے کو نوازنے لگتا ہے جسے تم لالہ والا بندہ کہتے ہو جسے نیک بندہ کہتے ہو۔ او بندے کا تو دم
جائے ایسی آزمائشوں پر جو وہ کرتا ہے۔''

''تب ہی تو عام آدمی کو وہ مقام نہیں ملتا نا ماسٹر جی! اس کے خاص بندے کرموں والے بندے ہی آز
سہہ سکتے ہیں۔ میری جیسی لڑکی تو پہلی آزمائش پر ہی واویلا کرنے بیٹھ جائے۔'' مانو نے حقہ ان کے سامنے رکھا

تے ہوئے کہا۔
''تو تو بڑی صبر والی بچی ہے۔'' ماسٹر جی نے حقے کا پہلا کش لے کر سرور کی سی کیفیت میں کہا۔ ''اتنی بار سپلی
ذ بڑے سے بڑا طالب علم بھی گھبرا جاتا ہے تو تو صبر اور ہمت سے کام لیتی رہی اور ہر دفعہ نئے سرے سے
نے پر تیار ہو جاتی۔''

''وہ بھی آپ کا فیض ہے۔'' مانو نے مزید سادگی کا مظاہرہ کیا۔ ''آپ نہ بندھاتے میری ہمت تو بھلا میں کیسے
''

''تیری ہمت پر یاد آیا۔'' ماسٹر صاحب مسلسل حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ ''یہ تیرے ابے کے نام خط لکھا ہے فراز
دے دینا۔'' انہوں نے خط اس کی طرف بڑھایا۔ ''اور مجھے کیا لکھتا ہے بھلا کہ اگر مبینہ کلثوم اس دفعہ بھی
ئی تو بے چاری حسرت لیے ہی رہ جائے گی مبینہ کلثوم بی اے کہلانے کی۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دیے۔
انو نے دل میں سخت پیچ و تاب کھایا مگر اوپر سے خاموشی رہی۔

''لے پڑھ لے تو بھی۔''

اسٹر صاحب کو اس کے چہرے سے اندرونی حالت کا انداز ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنے نام آیا خط بھی اس کی
ھایا۔ وہ اس لکھائی کو بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ ان دونوں نے بچپن میں اکٹھے ہی تختیاں لکھنے کی مشق کی
ٹر صاحب کی اپنی لکھائی بہت خوبصورت تھی۔ نظر کمزور ہو جانے سے پہلے انہوں نے قرآن پاک کا نسخہ لکھنے
شروع کیا تھا جو اُدھورا ہی رہ گیا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں کو بھی بہت محنت اور توجہ سے خوش خطی سکھاتے تھے۔
راز کی لکھائی دیکھ کر مانو کی نظروں کے سامنے لکھائی کی مشق کرنے کا زمانہ گزر گیا۔ اس نے تفصیل سے وہ خط
از اور ماسٹر صاحب کے درمیان عمومی طور پر اسی طرح کی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ فراز صحیح ماسٹر صاحب کے مکتب کا
۔ کتابوں کے وہ ذخیرے جن کو ان کے کسی اور شاگرد نے ہاتھ بھی نہ لگایا تھا اس نے چاٹ رکھے تھے۔ وہ
نکتے پر ان سے بحث کرتا تھا اور اپنی معلومات بڑھاتا تھا۔ جب ہی وہ اتنا آگے نکل گیا تھا اور جب ہی وہ
و بھی اتنا عزیز تھا۔

انو علم و آگاہی کے اس درجے پر تو نہیں پہنچ پائی تھی مگر اس کی آرزومند ضرور تھی۔ کئی بار اس نے ماسٹر جی کے
سے اٹھا کر کوئی پیلے پڑتے صفحوں اور شکستہ جلد والی کتاب پڑھنا چاہی مگر اس کے دماغ میں کم ہی سما پائیں وہ
۔ ان کی گفتگو سے بھی وہ مطلب اخذ کرنے کی کوشش کرتی مگر وہ بھی کم ہی کر پاتی۔

''پھر یہ فراز کیسے سارے معنی پا جاتا ہے ماسٹر جی کی باتوں کے۔'' وہ حیران ہو کر سوچتی۔
پھر بھی وہ صرف اپنی کوششوں کی وجہ سے ماسٹر جی کو اپنی دیگر طالبات سے زیادہ عزیز تھی' وہ سمجھ نہ پاتی تھی مگر
کرتی تھی' سمجھنے کی خواہش تو رکھتی تھی۔

''میرا ردعمل کیا ہونا چاہیے۔ آنکھوں میں آنسو' دل میں غصہ اور دماغ میں افسوس۔ بھلا کیوں؟ اب یہ آپ
کے؟''

اس روز رات گئے تک اس کے ذہن میں فراز کے خط کے یہ الفاظ ہی گھومتے رہے' وہ ان کے معنی اخذ کرنے
کی کرتی رہی مگر ناکام رہی۔

......❁......

لگی بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ گھر میں ویرانی اور اداسی کا ڈیرا تھا۔ صحن میں لگے پودوں اور پیڑوں

کے مرجھائے ہوئے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ برآمدے میں رکھی کرسیاں اور تخت پوش گرد آلود نہیں گیا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر باورچی خانے میں جھانکا۔ چولہا صاف تھا' برتن ترتیب سے یہاں بھی موجود تھی۔ لگتا تھا۔ آگے بڑھ کر وہ اپنے اور لینا کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہاں بھی بغیر سلوٹ کے ستھرے بستر لگے تھے۔ ہر چیز ترتیب سے رکھی تھی مگر ایسا لگتا تھا جیسے عرصے سے یہاں کوئی نہ رہا ہو۔ فضا میں مخصوص سیلن والی بو تھی۔

وہ برآمدے میں بچھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ بے حد غیر ذمہ دار' لاپروا اور بے نیاز لڑکی تھی۔ ایسی لڑکی ہسپتال میں پڑی تھی اور جس کا جسم بقول ڈاکٹرز کے مفلوج ہو چکا تھا جس کے دماغ پر فالج کا اثر کھولنے پر بھی کسی کو نہ پہچان پاتی تھی' مگر جسے شاید اس کی بھی خاص پروا نہ تھی۔ اس کے فلسفے کے مطابق چیزوں کو پرانا ہو کر معدوم ہو ہی جانا ہوتا تھا' یہ ایک قدرتی عمل تھا۔ ڈیڑھ مہینہ کے اس عرصہ میں وہ فقط دیکھنے گئی تھی۔ ایک مرتبہ اس کے لیے ہونے والی دعا میں شریک ہوئی تھی اور باقی کا وقت اس نے اپنے میں اداکاری کرتے اور پیسہ کماتے گزرا تھا۔ پیسہ جسے وہ کما کر کھانے پینے' پہننے اوڑھنے' سگریٹ اور ... دیتی تھی۔ اس نے ساری زندگی کے محدود تجربے سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ہر انسان صرف اپنے لیے دوسروں کی پروا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مگر ان سارے اخذ شدہ نئے تجربوں اور فلسفوں کے با... گھر کی ویرانی اور افسردگی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

اسے اس ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی۔

گرینی کے کمرے سے کھٹکے کی آواز آئی تو وہ چونک اٹھی اور اس کمرے کی طرف چل دی۔ اندر ... کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ گرینی اپنے پلنگ پر بیش قیمت جواہرات سے سجے زیورات بکھرا... وہ ایک ایک کر کے ہر زیور کو اٹھاتیں' غور سے دیکھتیں' کچھ بڑبڑاتیں اور پھر اسے واپس رکھ کر دوسرا اٹھا...

''اماٹمارا تھینک فل اے ٹھاکر صہیب! ٹم ام کو ڈریس پہنایا۔ ام کو یہ ڈائمنڈ دیا اور یہ روبیز اور یہ پرلز اور ...

''ام ٹمارا بوت تھینک فل ہے کرنل صہیب! ٹم ام کو اپنا میم صاب شو کیا ہز ہائی نیس کا سامنا اور ام ... ڈریس منگوا کر دیا یورپ سے' شاتھ میں وائٹ لیس کا گلوز' وائٹ فیڈرز کا ہیٹ او وائٹ لیس کا ویل' (ا... ٹمارا بوت تھینک فل اے راجہ صہیب! ٹم ام کو یہ بروچ دیا زرفونز ففڈ ان پیور وائٹ گولڈ اور اس کا ساتھ کا... ام ٹمارا ابی بوت تھینک فل اے کنور صہیب' ٹم ام کو اوتلی ون نائٹ کا یہ والا سیٹ دیا جس کا پرائس اس جمانے میں تھا۔ ام ٹم سب کا بوت تھینک فل اے جنٹلمین۔ بوت تھینک فل۔ پر ٹم سب ساڑا لوگ جانو...... ام ڈ... ویڈنگ رچانا کے بادان سب کو چیٹ بی نُس کیا۔ ام خداوند کو خوش کرنا کا راستہ پر جو چل پڑا۔ حرام کا انکم سالا ... انہوں نے جنوں میں آ کر زیورات پر ہاتھ مار کر آدھے نیچے گرا دیے۔ ام مسلم لوگ کا موافق چکڑ میں جو پڑ گیا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی اور فرش پر گرے زیورات اٹھانے لگی۔

''او یو کروکڈ وچ۔'' بین کرتی ایلس کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے جھپٹ کر زیورات اس سے ...

''آخر اب تک تم نے یہ چھپائے کہاں تھے؟'' للی کو اس کے عمل سے کوئی فرق نہیں پڑا وہ بستر ... اٹھانے لگی۔

''لیو دیم للی...... لیو دیم۔'' گرینی چیخیں۔ ''یہ جیولری نا ئیں اے یہ اسکار یوز اس' یہ ٹم کو ڈنگ ما...

...م۔'' ''مت ڈراؤ مجھے' لاؤ دو وہ بھی دو۔'' للی نے بستر کے سارے زیورات اپنے بیگ میں منتقل کرنے کے بعد ... کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''ام ٹم کو شوٹ کر دیں گا للی' ڈونٹ ٹچ دیم۔''

ایلس گرجیں مگر للی نے ان کے ہاتھ سے زیورات جھپٹ لیے۔ ایلس چیل کی طرح اس پر جھپٹیں۔ ''ام ٹم ... ٹ کر دیویں گا' ام ٹمارا دماگ میں گولی ماریں گا' یو بلڈی بچ' گندا بلڈ والا' کسی حرام جادہ کا لڑکی' ام ٹم کو اپنا ہاتھ ... ل کریں گا۔'' وہ چیخ رہی تھیں۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو نوچ ڈالا تھا۔ مگر بالآخر للی کی جوانی ایلس کے ... اپے پر غالب آ گئی۔ اس نے انہیں دھکا دے کر بستر پر گرایا اور تمام زیورات سمیٹ کر بیگ میں ڈال چلتی بنی۔

''خداوند! ٹم کو راستہ میں موت دیویں گا للی! ٹمارا ڈیڈ باڈی کو کتا کھائیں ٹمارا ڈیڈ باڈی کو Coffin بھی ملنے ... سکے گا۔ ٹم کسی بلڈی باسٹرڈ کا بلڈی ڈاٹر' ام ٹمارا قبر سے یہ سب نکالیں گا۔''

گرینی بستر پر گری بلند آواز میں للی کو کوسنے اور بددعائیں دے رہی تھیں۔ اتنی دھینگا مشتی کے بعد ان میں ... بھی ہمت نہیں رہی تھی کہ اٹھ کر اس کے پیچھے جاتیں۔ یونہی کوسنے دیتے دیتے وہ خاموش ہو گئیں۔ وہ سو گئی تھیں ... بے ہوش ہو چکی تھیں۔

......۞......

نہ بہ جادہ قرارش! نہ بہ منزلے مقامش
دل من مسافر من کہ خداش یار بادا

ڈیر ڈائری! آج مدت بعد فارسی زبان کا یہ شعر زبان پر چڑھ گیا۔ صبح جب اٹھا ہوں تو خود سے ہی زبان پر تھا۔ پھر سارا ہی دن چڑھا رہا...... کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ذہن کے کون سے حصے کی کون سی کھڑکی کھلی جس میں عرصے ... بند یہ شعر باہر نکلا اور زبان پر چڑھ گیا۔ شام سے بیٹھا یاد کر رہا ہوں کہ یہ شعر سب سے پہلے کہاں سنا تھا۔ اور ... جب یاد آیا تو پچھتایا کہ آخر کیا ضرورت تھی یہ یاد کرنے کی پہلی مرتبہ کہاں سنا تھا۔

''تم جانو...... ڈیئر ڈائری کہ ایسی ہر بات کا سرا جا کر کہاں ملتا ہے؟ سیدھا اسی ہدایت اللہ پر' جسے جنون تھا ... کی زبان کے شعر اور حکائتیں سنانے کا۔ ایک بار شیشہ میز پر سامنے ٹکائے' ڈبی والے صابن پر شیو کا برش چلا چلا کر ... پر لگاتے ہوئے کوئی دس مرتبہ یہ شعر گنگنایا بابے ہدایت اللہ نے۔ میں سنتا رہا۔ آخر رہ سکا تو پوچھا اس کا کیا ... مطلب ہے؟ بولا۔

''خود اخذ کر تیرے پر تو ہی سچا ثابت ہوتا ہے' اس شعر کو شاعر نے گھڑ کر تیرے پر تو ہی سچا ثابت ہوتا ہے' اس ... کو شاعر نے گھڑ کر تیرے لیے لکھا ہے۔''

تب میں نے غور کیا۔ ہونہہ میرے پر ثابت ہونا ہے سچا۔ اس وقت میں نے تنتنا کر سوچا۔ پر آج شام سے ... رہا ہوں کہ کتنا ملتا ہے اس کا مفہوم میری زندگی سے۔ وچ ڈاکٹر ماسٹر ہدایت اللہ مستقل کی ہانڈیاں پکاتا تھا۔ اپنی ... کی آگ پر رکھ کر' جب ہی اسے پتا چل جاتا تھا کہ کیا سچا ثابت ہونا ہے اور کیا جھوٹا۔ میں یاد کے اس سلسلے سے ... چھٹکارا پانا چاہتا ہوں۔

ڈیر ڈائری!

ہاں...... تو ڈیر ڈائری! کئی دن ہوئے تم سے ہم کلام نہیں ہو پایا' وجہ وہی مصروفیت تھی۔ ایک ادبی و ثقافتی وفد

کے ساتھ چھین گیا ہوا تھا۔ یہ وہ جگہ ہے ڈیر ڈائری! جس کا ذکر ہم پڑھتے ہیں' علم حاصل کرنے کے سلسلے م کر علم کے ساتھ ساتھ عرفان بھی حاصل ہوا۔ وہ لوگ جیسے بھی ہیں نا ڈیئر ڈائری' اپنی ثقافت' روایات اور ز بڑے پہرے دار بنے رہتے ہیں۔ ادھر ہم لوگ ہیں۔ میں نے پہلی بار ٹی وی جب دیکھا اس وقت میری برس تھی۔ لمبی ٹانگوں والا ٹی وی' کالی تصویروں والا' روایت بھی تھیں' ثقافت بھی اور زبان بھی۔ چار اسٹیشن تھے کل' اب اسٹیشن چینل بن گئے اور گنتی میں بے شمار ہیں' مگر ثقافت' اقدار' زبان پر کسی کی پہرے داری نہیں۔ مجھے بڑی ہنسی آتی ہے۔ جب یہ پاکستانی چینل کے میزبان دیکھنے والوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں tuned یا ہم لیتے ہیں ایک چھوٹی سی بریک۔ بھائی لوگ! تم کس سے مخاطب ہو' پاکستانیوں کے اس طبقے انگریزی سے تقریباً آشنا ہیں جو انگریزی سے آشنا ہیں وہ بھلا آشنا تمہارا پروگرام دیکھ رہے ہوں گے؟ پھر تم دکھا رہے ہو؟ میں خود اکثر ایسے پروگراموں میں شریک ہوتا رہتا ہوں۔ جس میں ہم بات کرتے ہو انگریزی زیادہ بولتے ہیں' پتہ نہیں ہم کس سے مخاطب ہوتے ہیں' بات مذہب کی ہو' سیاست کی ہو' ادب کی کی ہو' آرٹ کی ہو' اردو میں انگریزی کے ٹانکے عروج پر رہتے ہیں۔

ابھی رات ہی ایک چینل سے سارہ کا انٹرویو ہو رہا تھا۔ اس نے مخصوص ''صاف چھپتے بھی نہیں سا بھی نہیں'' کی تفسیر جیسا لباس پہن رکھا تھا اور ہر سوال کا جواب یونہی انگریزی میں کہیں کہیں اردو کا ٹانکہ لگا رہی تھی۔ اگر کہیں ماسٹر ہدایت اللہ زندہ ہو اور اس کی بستی میں یہ ٹی وی بمع کیبل موجود ہو' اور اس میں شاہنواز مسکارے اور آئی شیڈ سے بوجھل آنکھیں جھپکا جھپکا کر کہہ رہی ہو۔

''میرے فادر! ایکچوئیلی' ہی ہیز گوٹ اے ویری رچ بیک گراؤنڈ' ان کی فیملی اے لاٹ آف لرنڈ پیپلز پڑی تھی وغیرہ وغیرہ۔ اور اسے پتہ چلے کہ یہ کس نوبل فیملی کی سپتری ہے تو اس کا کیا حال ہو' ذرا پردہ تصور تو نجانے کیوں لرز سا جاتا ہوں۔ خیر چھوڑو۔ ذرا یاد کرنے دو' اس روز ہم اس نوجوان کی کہانی کے کون سے موڑ پر پہنچے

''ہاں' روزینہ بائی' سو ڈیر ڈائری روزینہ بائی! اور اس کا کوٹھا ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوا اس نوجوان کی ز روزینہ بائی کوئی معمولی عام سی طوائف نہیں تھی۔ وہ خاصی طرحدار اور باخبر عورت تھی۔ اس کے کوٹھے پر شاعروں فنکاروں کا پھیرا رہتا تھا' ان ہی سے وہ چہار جانب کی معلومات حاصل کرتی تھی۔ ان ہی لوگوں میں بطور نو جوان بھی ادھر کا رخ کرنے لگا۔ اس کی نجانے کون سی ادا روزینہ بائی کو اس قدر بھائی کہ اس قلاش' فاقہ مست آ مستقل اپنے پاس رکھ لیا۔ بعوض تم جان کر کیا کرو گی' تم کو اس سے کیا واسطہ۔ کچھ باتوں کو بین السطور ہی رہنا چا ندگی سے پہلے پہل کے گناہ ثواب کے چکر کی پڑھی گئی پٹی یاد آنے کے سوا اس نو کچھ تکلف نہ ہوئی۔ پیچھے کو وہ خیر باد کہہ چکا تھا۔ اپنے تئیں اپنی نئی دنیا خود بنانے نکلا تھا۔ زندگی کی حقیقتیں کر کے درندوں کا سا ماسک پہنے اس سے دو دو ہاتھ کرنے سامنے آ رہی تھیں۔ ایسی میں ایک معمولی سا آسرا اسی تسلی' کوئی ایسا سایہ دار درخت درکار تھا جس کے نیچے بیٹھ کر وہ زندگی کا کوئی سامان کر سکے۔ سو روزینہ بائی میں اسے یہ آسرا مل گیا۔

وہ بھی عجیب ماحول تھا ڈیر ڈائری! طبلے کی تھاپ گھنگھروؤں کی چھن چھن' آواز کا لوچ' جسم کی شا پھول' پان' خوشبو' رنگ رنگ کے لوگ' کیا تمہیں بتاؤں کہ کیسے کیسے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اس کی وہاں میں اچانک ہی کمائی کا ایک نیا طریقہ اس کے ہاتھ آیا۔ وہ خود تو شرم' غیرت' حیا اگر کبھی اس میں تھی تو وہ بیچ ہی اب دوسروں کی سر بازار بیچنے پر تل گیا۔

وہ کوئی مل اونر صاحب تھے' دنیا میں بڑا باعزت مقام تھا ان کا۔ وہ ادھیڑ عمر روزینہ بائی کی جوان بہن شمیم بائی ہوئے اور لگے روزانہ ڈیرے کے پھیرے لگانے۔ کسی بات پر اس نوجوان سے تو تو میں میں ہوئی۔ جواباً وہ کارنامے ایک ایک کر کے سنانے کی دھمکی لگانے لگا۔ اس کا منہ بند کرنے کو مل اونر صاحب نے جو قیمت ادا کی' توقع سے بڑھ کر تھی۔

''اوہو ہو' اللہ شکر خورے کو واقعی شکر دیتا ہے' اور بند سیپ میں موجود کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے وغیرہ وغیرہ وایات پر اس کا ایمان اور پختہ ہو گیا۔ یہ کمائی کا وہ ذریعہ تھا جو ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر پیسہ لا سکتا تھا۔ دنیا نے میلر' بدمعاش' چالاک' نجانے کیا کیا خطاب دیے۔ مگر دنیا سے کوئی یہ پوچھتا یہ سب کچھ اسے کس نے بنایا دنیا نے ہاہاہا' ڈیر ڈائری! ہر سوال کا جواب اس سوال کے اندر ہی چھپا ہوتا ہے ہے نا۔ لیکن اگر جواب دینے ہی نہ سمجھ سکے تو وہ جواب کیسے دے؟

اچھا ڈیئر ڈائری! اب زوروں کی نیند آنے لگی ہے۔ اب رخصت ہوتے ہیں گڈ نائٹ۔

......۞......

اسفند کے موبائل پر تین مسڈ کالز ریکارڈ ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایسی میٹنگ میں شریک تھا جہاں موبائلز ساتھ اجازت نہیں تھی۔ وہ دوسروں کی نسبت وائبریشن پر لگانے کے بجائے موبائل آفس میں چھوڑنا زیادہ بہتر میٹنگ میں شرکت کے بعد آفس آنے پر وہ رجسٹرڈ کالز اور میسجز چیک کر رہا تھا۔ دو نمبرز کو تو وہ جانتا تھا' تیسرا تھا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ ابھی اس نمبر کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ موبائل کی بیل پھر سے بجنے لگی۔ پر وہی نمبر چمک رہا تھا۔ اس نے کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو' یہ اسفندیار محمد کا نمبر ہے؟'' دوسری جانب ایک ایسی آواز آئی جسے سنتے ہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ آواز کسی خاتون کی تھی۔

''جی ہاں۔'' اس نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے اسفندیار محمد سے بات کرنی ہے۔''

''میں بول رہا ہوں' فرمایئے۔ آپ کون بات کر رہی ہیں؟'' اس نے نرمی سے کہا۔

''اسفندیار محمد' میں بی بی زینب بات کر رہی ہوں۔ پرانے محلے والی۔'' دوسری جانب سے آواز آئی۔

''اوہ' بی بی زینب!'' اس نے لمبا سانس لیا۔ ''آپ نے کیسے یاد کیا آج' خیرت ہے نا؟''

''ہاں بیٹا! بالکل خیریت ہے۔ تم جب پچھلی مرتبہ آئے تھے تو تم نے کہا تھا کوئی مسئلہ ہو تو تمہیں کارڈ والے نمبر کے بتاؤں۔''

''جی بالکل' فرمایئے کیا کام ہے؟''

''بیٹا! مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے' میں تم سے ملنا چاہتی ہوں' اس وقت فون کی دکان سے بات کر رہی یہاں بات نہیں کر سکتی۔''

''ضرور بی بی زینب! فرمایئے میں آ جاؤں یا آپ کو گاڑی بھیج کر یہاں بلوا لوں؟'' اس نے انتہائی مؤدب کہا۔

''بیٹا! خود یہاں آنے کے بجائے اگر مجھے بلا سکتے ہو تو کسی کو بھیج دو۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تھیں۔

......۞......

''ٹم دیکھا' ڈیرین! کیسا گونڈا (غنڈہ) موافق ام کو لوٹ کرلے گیا وہ کسی حرام کا کھانا والا کا بچہ' للی' ام کو اتنا سالوں سں تچ نا ئیں کیا اوپر والا کا ڈر سے' وہ ایک سیکنڈ میں لوٹ کرلے گیا۔ اسی دن کا واسطہ ام جینس اس کھنڈ یڑ کا بچہ کو اس کا کمینہ باپ کا منہ پر مار آ ؤ' اس گنڈا کھون کو کسی یتیم کھانہ میں رکھ آ ؤ۔ یہ بڑا ہوئیں گا ٹم کریں گا' پر اس نے امارا بات نہ مانا اور ام کو آج کا دن دیکھنا پڑا' رزلت دیکھو' یہ رزلٹ۔''

لٹی پٹی ایلس ڈی سوزا دیوانوں کی طرح بول رہی تھیں اور فراز نجو یونہی ان کی خیریت دریافت کر آ نکلا تھا۔ خیرت سے ان کی کتھارسس رہا تھا۔

''آپ کا کیا گم ہوگیا' کیا چوری ہوگیا لیڈی ایلس؟''

کچھ نہ سمجھ میں آنے پر بھی اس نے انہیں دلامہ دینے کے سے انداز میں آگے بڑھ کر سہارا دیتے ہو پر بیٹھایا۔ ان کے بال سنوارے اور پانی کا گلاس دیا۔ اس کمرے کی ظاہری حالت سے اس میں گزرے کی حادثے کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ زیورات کے کچھ ڈبے بکھرے پڑے تھے۔ بستر کی چادر کھسوٹی ہوئی تھی' تہ ترتیت تھیں۔ لیڈی ایلس کے اپنے بکھرے بال' چہرے پر ناخنوں کے نشان اور پر شکن لباس بھی پکار پکار کر کہ بہت بری طرح انہیں نوچا کھسوٹا گیا تھا۔

''وہ' وہ للی کا بچہ۔'' پانی پی کر گہرے سانس لیتے ہوئے لیڈی ایلس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔'' جیولرز تھا' ملینز روپیز کا سٹ (قیمت) کا جیولز' ام اس کو کبھی تچ نا ئیں کیا تھا' قادر براؤن صاب بولتا تھا' ایلہ چیز اس کارپین موافق ڈنک مارتا ہے' ہیر آفٹر (مرنے کے بعد) یہ اس کارپنیز موافق ڈنک مارنا کا واسطہ تمہارا آئی گا اور تم اس کا کوئی جواب نا ئیں دے سکیں گا' اس واسطہ' ام اس کو ڈ آپ کیا ام اس کا نکال کر اپنا بچہ لوگ نا ئیں چاہتا تھا' اس واسطہ کہ ام کسی بھی مدر کا موافق اپنا بچہ لوگ کو اسکارپین ہینڈ اوور نا ئیں کرسکتا تھا۔'' وہ بات کرتے بری طرح رو پڑیں۔

''پھر آج کیا ہوا؟'' فراز نے ایک بار پھر ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے پوچھا۔

''آج ام اس جیولز کا کھزانہ (خزانہ) کو نکالا' ام اس کو ہولی چرچ کو دے دینا مانگتا تھا۔ ام جینس کا لا

جیولز کو گھر میں بھی نہ رکھنا مانگتا تھا' ایدھر ام اس کو نکالا' ادھر کدھر سے للی آ نکلا' چڑام جادہ کا اولاد' زام کا جیولز کو ام سے چھینا اور تیر ہو گیا نجانے کدھر کو' ام دکھی اے' امارا ٹریجڈیز کا کوئی لمٹ (حد) نا ئیں اے' جیولری ام سے بڑا اے۔ وہ آوارہ' کمینہ ڈاٹر آف اے بگ کھنزیر اس سارا جیولری کو کھا پی کر اڑا جائے گا' اپنا وب سے بڑا اے۔ جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا'' وہ روتے روتے نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔

پڑن کھلائے گا۔ لو یہ سب جان کر بے حد دکھ ہوا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کس طرح ایلس کو تسلی دے۔ بے چاری اپنے اردگرد اپنی ہی بسائی ہوئی دنیا میں زندگی گزارتے گزارتے کس بری طرح حقیقتوں کی دنیا میں لائی جیسے تاریکی کی عادی آنکھوں کو یکدم سرچ لائٹ کے سامنے کھڑا کردیا جائے۔ وہ اس صورت حال سے بارے میں مکمل انکشافات کرنے پر بھی مل گئی تھیں اور جس مقدس اور اعلیٰ زندگی کے راگ عمر بھر الاپتی اس کے بخیے اور پیوند خود اپنے ہی ہاتھوں سے ادھیڑنے لگی تھیں۔ ذہنی ابتری کی انتہا' یہ عمر کا وہ حصہ تو نہ ں پر اپنا آپ منکشف کرنے پر تل گئی تھی۔

لیے نہیں گی' یہ کیسے جئیں گی۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا۔

......✿......

ی کمال پورا۔

ردار فراز احمد!

سلام کے عرض ہے کہ تمہارا محبت نامہ وصول ہوئے تین دن ہو چکے' دل تو یہ ہی چاہتا تھا کہ تمہیں اسی روز روانہ کرتا مگر اب جی کی خواہش اور اعضاء کی مرضی میں اختلاف ہونے لگا ہے۔ دل کچھ اور کہتا ہے اور ناء کچھ اور' مگر بھئی ثابت ہوا کہ دل کی مرضی کم زور اور اعضاء کی مرضی زور آور ہے۔ یہ جو نوجوان نسل ہے لیے یہ ایک راہنما نکتہ ہے کہ یہ دن آنے سے پہلے دل کی جتنی مرضی ہے چلا لیں' اس سے پہلے کہ دوسرے ہی حاوی ہو جائے۔

آج اعضاء کی مرضی پر حاوی ہونا چاہتا ہوں' سو تم سے مخاطب ہوں۔ کہو کیسی گزر رہی ہے؟۔ تمہارا احوال ا ہے وہ تو بہت خوب ہے۔ مجھ ناچیز کی دلی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہاری والدہ کی قسمت اچھی امیں ہیرا پالتی رہی ہے' خدا کرے اس ہیرے کی چمک سے دنیا روشن ہوتی رہے۔

ارے خط کے ایک لفظ کو پڑھ کر میں اور مبینہ کلثوم خوب ہنسے' دیر تک ہنستے رہے بھلا بوجھو وہ کیا لفظ ہوگا؟۔ تے' بتانے وقت لگے گا چو میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔

نی باجی!'' مبینہ کلثوم کہنے لگی۔ ''ماسٹر صاحب! یہ کیسی باجی ہے جو منی ہے۔'' میں نے کہا یہ بھی کہا جاسکتا انی ہے جو باجی بھی ہے۔'' پھر ہم دونوں اور ہنسے۔

انے کہا۔ ''مبینہ کلثوم یہ شہر کے لوگ ہیں جن کے نام بھی اور' اور کام بھی اور۔''

ا جو تم نے آنکھوں میں آنسو' دل میں غصہ اور دماغ میں افسوس والی بات لکھی ہے نا تو پتر جی! تمہارا فلسفہ ہے۔ اس سلسلے میں نا یہ کون سی محسوس کرنے والی بات ہے۔ طالب علم کو معلم تو مل ہی جاتا ہے' معلم نہ ہو تو علم کی طلب کس سے کرے۔ معلم سارے ہی اچھے ہوتے ہیں اگر شاگرد اس کی قدر کرے تو استاد کی محنت الی ہے' سو استاد دنیا کے بڑے شہروں میں بیٹھا ہو یا بسی کمال پور میں اس کا کمال تو یہ ہی ہے کہ اس کی جو کھیتی ا جو پروڈکشن ہے اس کو سب بہترین مانیں اور ایسا بیشتر استادوں کا اعزاز رہا ہے' پھر میرا پتر! یہ غم' غصے

افسوس والی بات کو جھٹک کر خوش ہو جانے کی عادت ڈال لے۔ تیری قدر میرا اعزاز ہے' تیری بے قدر
پر مجبور کر سکتی ہے کہ عمر بھر میں کیا کرتا رہا۔

تم نے جسم کی بیماریوں اور میڈیکل سائنس کی ترقی کی بات خوب کی' تمہیں یاد ہے ایک بار
ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ اس میں لکھا تھا Itself skin repairs تو بچہ جی ایک حد تک تو جسم
اپنے عوارض کو خود ہی دور کر لیتے ہیں' باقی میڈیکل سائنس کی ترقی سے تو کسی کو انکار نہیں' مجھے بھی نہیں۔

میڈیکل سائنٹسٹ کی کامیابیوں کا سہرا بھی اسی پاک ذات سے جوڑتے ہیں تو پھر مسئلہ یہ
ہر شے کی ایک ہے' ہاں جلوے مختلف ہیں۔ کیا خیال ہے؟۔

گاؤں بھر کے چیدہ چیدہ جن لوگوں کو تم نے درجہ بدرجہ سلام عرض کیا تھا میں نے پہنچا دیا۔
خیریت دریافت کی تھی ان تک بھی پیغام پہنچا دیا۔ لالہ شفیع کو تمہارا خط بھی پہنچا دیا۔ بس اب دعا ہے کہ
ہدایت دیئے رکھے۔ اپنا خاص خیال رکھنا۔ اب اعضاء جواب دینے لگے ہیں سو ختم کرتا ہوں۔ تمہار
کی خدمت میں سلام عرض۔

والسلام دعا گو

ہدایت اللہ از بستی کمال پور

اور ہاں ایک اہم بات کرنا بلکہ لکھنا بھول گیا' مبینہ کلثوم کا بی اے کلیئر ہو گیا ہے سیکنڈ ڈویژن
بڑی مبارک خبر ہے اب اس کو حسرت نہیں رہے گی۔ بی اے کہلوانے کی۔ اب وہ ایم اے انگلش اور
کرنا چاہتی ہے۔ اس کی کیا مدد کر سکتے ہو تم اس سلسلے میں؟۔ اس کا کہنا ہے فراز اپنے بنائے ہوئے نو
ہے۔ ہاں یہ تو تم یقیناً کر سکتے ہو۔''

فراز کو اس خط کے ساتھ اپنی اماں اور بھائی دل نواز کے خطوط بھی موصول ہوئے تھے۔ گاؤں
میں کم و بیش ایک سی باتیں' ایک سی نصیحتیں' ایک سے مشورے۔

''یہ تو دنیا کے اس خطے میں شاید ہمیشہ سے ہی ہوتا چلا آیا ہے۔'' اسنے سوچا ''میرے جیسے گھر
شخص کے لیے پیچھے والے اسی طرح کے خطوط' اسی قسم کی نصیحتیں اور اسی قسم کی باتیں بھجواتے رہے ہیں
جاتے ہیں باتوں کا انداز وہی رہتا ہے' مگر کتنے بدنصیب ہو تم شاہنواز احمد کہ خالی ہاتھ اتنے برسوں
بیٹھے ہو۔ جیسی گود میں تم نے تربیت حاصل کی' وہ تو شاید بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے' مگر بجائے ا
کے اس مینار کی چمک مزید پھیلاتے تم اس کی ذات کے لیے بدنامی کا دھبہ بن کر رہ گئے۔ اب جس طر
تمہاری شخصیت کے اندر چھپی شخصیت کے بخیے ادھیڑتے ہیں اور تمہارے ڈانڈے کسی واہیات' جاہل
خاندان سے ملاتے ہیں تو میرا سر کیسے شرم سے جھکتا ہے اور میرے دل پر کیا گزرتی ہے۔

میں کس کو بتاؤں۔ تمہارے یہاں قیام کے اوائل دنوں کے کارنامے سن کر دل چاہتا ہے تمہیں
کیسے کیسے عزت دار لوگوں کی عزتیں اتاری ہیں تم نے' کیسے کیسے لوگوں کی زندگی سے کھیلے تم۔ آج تمہیں
اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ اس مہذب' روشن خیال' ماہر فن کی شخصیت کے اندر کیسی مکروہ' گھناؤنی اور سیاہ ذا
ہے۔

آذر کے گھر ابراہیم پیدا ہوتے سنا تھا مگر تمہاری صورت میں تو لگتا ہے تاریخ نے پلٹا کھایا ہے
کے گھر آذر پیدا ہو گیا۔ تمہیں تو شاید اپنے اس سیاہ کارِ ماضی کو یاد کرنے کی فرصت کبھی نہ ملی ہو مگر وہ لو

ں مکاریوں اور چالبازیوں کا نشانہ بنے ان کے تو دل پر رقم ہے مگر تمہاری موجودہ شخصیت دیکھ کر دنیا ماننے تو
نے کیسے۔ ٹھیک کہتے ہیں اسفند بھائی کے والد کہ وقت گزرنے کے ساتھ شرمناک اسکینڈل لمحوں کی دھول میں
ب ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ ایک میں ہوں کہ جسے ہر بار تم سے مل کر ایک مضطرب' تنہا اور پریشان حال شخص کی
بھائیاں نظر آئیں' شاید میں نے درست سمجھا یا شاید میں غلط ہوں' مگر میرا ارادہ دن بدن پختہ ہوتا جا رہا ہے تمہاری
ت کے بھید جاننے کا' ماسٹر ہدایت اللہ کا پاک دامن چھوڑ دینے کے بعد تم نے کیا کھویا کیا پایا تمہاری جمع تفریق کا
یہ سراغ تو میں ضرور لگاؤں گا۔''

وہ دیر تک بیٹھا اسی قسم کی باتیں سوچتا رہا اور پھر اٹھ کر اس نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیے۔ اس وقت وہ
ند کے فارم ہاؤس میں موجود تھا۔ یہاں دو کمروں میں اس کا مختصر سا سامان موجود تھا۔ ایک کمرے میں اس کے
ں اور رنگ اور اسی طرح کا دیگر سامان رکھا تھا اور ایک کمرے میں کتابیں اور اسٹڈی ٹیبل اور سونے کے لیے بیڈ
جود تھا۔ یہاں مکمل خاموشی اور تنہائی تھی۔

اس کے امتحان ہونے والے تھے۔ اسفند کا خیال تھا کہ وہ یہاں بہتر تیاری کر سکتا تھا۔ اسفند کی اس کے لیے
احساسیت پر وہ ہر بار کی طرح شرمندہ ہو گیا۔

''کیا تعلق ہے اس شخص کے ساتھ میرا' کیوں یہ اتنا مہربان ہے مجھ پر؟'' وہ سوچتا اور پھر اللہ کا شکر ادا کرتا۔

''اچھا ہوا جو مجھے یہ یہاں یہ مل گئے' یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ میں بھی شاہنواز احمد کی طرح کسی روزینہ بائی سے ٹکرا
تا۔ تقدیر کے چکر کی زد میں آنے سے کون بچا سکتا ہے وہ تو مقدر کی بات ہے' یہ جو مل گئے تو میرے بہت سے کام
تنے آسان ہو گئے۔ جب ہی تو اسفند بھائی کے بہت مرتبہ مذاق اڑانے کے باوجود میں لیڈی ایلس کی فیملی سے تعلق
ماناہوں' آخر ان ہی لوگوں کی وجہ سے تو میں ان سے ملا۔

ماسٹر صاحب کہتے ہیں کہ جو لوگ تمہارے اور خوش قسمتی کے درمیان واسطہ بنیں' وہ بہت اہم ہوتے ہیں۔
یں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ افوہ' کتنی دیر ہو گئی تجھے یہ اوٹ پٹانگ باتیں سوچتے ہوئے۔'' پھر اچانک اس کی نظر گھڑی
پڑی۔

''اور مجھے کتنے کام کرنے ہیں ابھی۔ آنٹ جینس کا حال پوچھنے بھی کتنے دن سے نہیں جا سکا' سنا ہے ڈاکٹرز
نے کہہ دیا ہے کہ وہ اب ایسے ہی رہیں گی' مفلوج جسم کے ساتھ۔ کچھ دن بعد شاید اسی حالت میں انہیں ڈسچارج بھی
کر دیا جائے۔ لینا نے فون بھی کیا تھا ان کے سروس پیپرز کے بارے میں پتہ کرنے کے لیے' ان کی پنشن اور گریجویٹی
غیرہ کے سب چکر میں بھول ہی گیا اور کتنے نوٹس بھی رٹنے ہیں اور کتنی ویب سائٹس بھی وزٹ کرنا ہیں ابھی۔'' اس
نے کمپیوٹر مانیٹر کو سیدھا کرتے ہوئے سوچا۔

''مگر اس وقت تو مجھے لگ رہا ہے کہ میں ڈھنگ سے کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ شاید میں اداس ہو رہا ہوں' مجھے گاؤں'
ماں' بھائی دل نواز' ماسٹر جی اور سب لوگ بہت یاد آ رہے ہیں۔ مجھے مبینہ کلثوم عرف مانو بھی یاد آ رہی ہے۔ یہی تصور
کر سکتا ہوں کہ ان دنوں وہ کتنی خوش ہو گی۔ اس کی خوشی بجا بھی تو ہے وہ اس گاؤں میں بی اے کلیئر کرنے والی پہلی
لڑکی ہے اور یقیناً بہت مبارک باد کی مستحق' مگر یوں میں اس کو براہ راست مبارک باد کا نہ تو خط لکھ سکتا ہوں نہ کارڈ بھجوا
سکتا ہوں' ہاں ماسٹر جی کے ذریعہ اپنی بات اس تک ضرور پہنچا سکتا ہوں۔ تو پھر ٹھیک ہے مبینہ کلثوم! آج باقی کام
ملتوی' تمہاری خوشی میں شرکت سب سے پہلے۔''

اس نے اسٹڈی ٹیبل کی دراز سے کاغذ اور بال پوائنٹ نکالتے ہوئے سوچا۔ کچھ دیر بعد وہ بہت روانی سے

ماسٹر جی کو خط لکھ رہا تھا۔

......۞......

''تم نشے کی بہت زیادہ مقدار لینے لگی ہو سارہ! مجھے ڈر ہے تم اپنا اچھا خاصا کیریر تباہ کر لوگی۔''

زینی پاشا نے اپنے سامنے صوفے پر بیٹھی خستہ حال لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جس کے کپڑے ... تھے۔ بال بکھرے ہوئے' چہرے پر بیماروں کا سا تاثر اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے وہ تقریباً ادھ موئی حالت میں صوفے کے کشن کے لپیٹے' گھٹنے موڑ کر پیٹ میں گھسائے پڑی تھی۔ اس کی بات کے جواب میں اس نے لمحے بھر کے لیے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

''میں تمہاری دوست ہوں ساری!'' اب کے زینی پاشا نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ ''تمہارا یہ ڈاؤن فال مجھ سے دیکھا نہیں جاتا' اب تو دبی دبی سرگوشیاں بھی ہونے لگی ہیں تمہارے بارے میں کل کو بڑی بڑی خبریں بنیں گی۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں سارہ! اپنی زندگی کو ایڈونچر مت بناؤ' یہ شخص فیروز بھٹی تم سے ہرگز مخلص نہیں ہے' تمہیں تباہ کر کے رکھ دے گا۔ یہ الٹی سیدھی خبریں تمہیں سناتا ہے' تمہیں ڈرگز لا کر دیتا ہے اور تمہیں اس حال میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ مائنڈ یو سارہ شاہنواز! ہی از سلولی کلنگ یو (وہ...... آہستہ آہستہ مار رہا ہے تمہیں بلکہ تمہارے ساتھ تمہارے اچھے کیریئر کو بھی' تم نے پچھلے دو ہفتوں سے ملک کی ٹاپ ماڈل ریٹنگ چیک نہیں کی' تم ٹاپ آف دی لسٹ سے چوتھے نمبر پر آ چکی ہو۔ پچھلے دنوں جو ایوارڈز کا فنکشن ہوا تھا اس کے آرگنائزرز نے تمہیں بلانا تو درکنار تمہارا نام بھی قابل توجہ نہیں سمجھا۔ ادھر بیوٹی سوپ کی وہ پروڈکٹ جس کے ہر دفعہ تمہارا نام ضرور آتا تھا اس بار اس کے چاروں اشتہار تمہارے علاوہ چار دوسری لڑکیوں کے ساتھ بنائے جا رہے ہیں۔ کم آن سارہ تم خود کو ضائع کر رہی ہو؟''

زینی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گئی اور اس کے بکھرے بال سنوار کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

''تمہیں معلوم ہے زینی!'' سارہ کے جسم میں حرکت ہوئی۔

''ہر دن کی ایک رات ہوتی ہے اور ہر رات کا ایک دن۔ میرے دن کی رات آ رہی ہے' تاریکی کا ہر سایہ ہے مجھے اس تاریکی میں گم ہو جانا ہے' مجھے گم ہونے دو۔''

نشے میں ڈوبی ہوئی اس آواز پر زینی نے کچھ دیر غور کیا اور بری طرح گھبرا گئی۔

''سارہ! میں تمہیں کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں' کم از کم میں تمہیں یوں تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی میں تمہارے والد سے بھی بات کرتی ہوں۔''

''والد؟'' سارہ نے سر اٹھایا اور سیدھا ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ ''یہ کس چڑیا کو کہتے ہیں؟'' اسے ہچکی آئی پھر اپنے سر سہلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا' وہ جو پیسے دیتا ہے' اسکول پھر کالج بھیج دیتا ہے' کھانا بھی دے دیتا ہے اور پھر کہتا ہے سارہ ڈارلنگ! ماڈلنگ جوائن کر لو' یہ بہترین کیریر ہے تمہارے لیے' بس اس کا کام ختم۔''

اس نے آنکھوں کے سامنے انگلیاں نچاتے ہوئے ایک اور ہچکی لی۔

''والد اسی کو کہتے ہیں نا زینی! جو اپنے اسٹوڈیو میں نیوڈز بناتا ہے' ننگے جسموں کی تصویریں' ننگے مجسمے' وہ پسند کہلاتا ہے' ہے نا' دنیا اس کو ہار پہناتی ہے اور سارہ کو کہتی ہے ''سارہ! ہاؤ لکی یو آر' ڈاٹر آف اے ونڈر فل آرٹسٹ...

... آف اے فلاں فلاں فلاں' والد وہی ہے نا زینی! جو بڈھا ہو کر بھی ینگ لڑکیوں کو خوب صورت عورتوں کو چارم کرتا ہے۔ ہیل ود ہیل ود والد صاب' آئی ہیٹ ہم' مجھے نفرت ہے اس سے' اس کے نام سے' اس کے وجود سے۔''

''کم آن سارہ۔'' زینی نے اسے جھنجوڑا۔ ''وہ تو تمہارے آئیڈیل تھے' گریس فل اینڈ ڈیشنگ پرسنالٹی ہیں ان سے نفرت کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ تو تم سے بے حد محبت کرتے ہیں' ایسے مت کہو' ہوش میں آؤ' یہ سارے الفاظ نہیں اس باسٹرڈ فیروز بھٹی کے متعلق کہنے چاہئیں جو تمہیں نشہ کا عادی بنا کر تم سے مکروہ کام کروانے کے چکر میں ہے۔ وہ تم سے پورنوگرافی کروانا چاہتا ہے نا' جب ہی تمہیں یہاں دبئی اٹھا لایا ہے' اور تم نے اپنی ذات کے سارے بٹن اس کے ہاتھ میں پکڑا رکھے ہیں۔ کیا کرے گا وہ تمہارا بھلا کیا کر لے گا' کون سا کچا چٹھا ہے تمہارا اس کے پاس جو تم اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی ہو؟''

''زینی پاشا!'' سارہ نے ایک مرتبہ پھر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ ''تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہو رہا ہے بھئی' یا ادھر تمہارے پاس آ کر پڑ گئی ہوں' ایک دم تمہارے لیے مصیبت' یا پھر فنانشل پرابلم ہے کوئی' میرے ویزا اور اے ٹی ایم کارڈز ادھر ہی کہیں رل رہے ہوں گے' تم جتنی مرضی رقم نکلوا لو' خرچ کر لو پروا نہیں' میں نے پچھلے چند سالوں میں لمبا مال کمایا کھایا ہے' مت پریشان ہو زینی ڈارلنگ!'' ایک بار پھر اس کی آواز لڑکھڑائی۔ ''مجھے سونے دو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

''سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' زینی دانت پیستے ہوئے بڑبڑائی۔ ''خاک ٹھیک ہو جائے گا سارہ شاہنواز! اگر تم ہوش میں نہ آئیں تو کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔''

اس کے سامنے شو بزنس اور آرٹ سے وابستہ ایسی کئی شخصیتوں کی مثالیں بکھری پڑی تھیں جو نام ور ہونے کے بعد اسی قسم کے حالات سے دوچار ہوئیں اور گم نامی کی موت مر گئیں۔ وہ ایسا ہی بحران سارہ پر بھی آتا دیکھ رہی تھی۔ وہ سارہ کی پرانی دوست تھی اور شادی کے بعد دوبئی آ گئی تھی جہاں اس کا کروڑ پتی خاوند قیمتی پتھروں کا کاروبار کرتا تھا۔ زینی پاشا ایک جانی پہچانی شخصیت تھی۔ سوشل' طرح دار' خوش لباس اور خوش گفتار عورت۔ وہ اونچے طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ غم' فکر و پریشانی اسے کبھی چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ مگر سارہ کے لیے وہ یقیناً فکر مند تھی جو پچھلے دو ہفتوں سے اس کے پاس ٹھہری ہوئی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار اس کے پاس آ کر رہی تھی اور وہ اس کے ساتھ پارٹیز' ٹورز' فیشن شوز اور ایسی دوسری تقریبات میں شریک ہوتی رہی تھی۔ مگر اس مرتبہ تو اس نے جس سارہ کو دیکھا تھا وہ اسے بالکل ایک بدلی ہوئی شخصیت لگ رہی تھی۔ اس کے مطابق وہ برطانیہ کینیڈا اور ماریشس میں مختلف شو اور اشتہاروں کی شوٹنگ کر کے لوٹی تھی۔ اس مرتبہ اس کے ساتھ فیروز بھٹی تھا جو انڈر ورلڈ کے لوگوں کا خاص آدمی تھا۔ اس کی وجہ شہرت بھی وہ بدنام زمانہ عریاں تصاویر تھیں جن کو فوٹوگرافی کا وہ ماہر تھا۔

زینی کو معلوم تھا کہ وہ مجرمانہ ذہنیت کا چار سو بیس آدمی ہے۔ اکثر لوگوں کو بلیک میل کر کے لمبا مال کماتا تھا اور عیاشیوں میں اڑا دیتا تھا۔ زینی یہ بھی جانتی تھی کہ زندگی کی تمام ناہمواریوں کے باوجود سارہ ایک باشعور اور سمجھ دار لڑکی تھی اور اپنا اچھا برا خوب جانتی تھی۔

اس پر مستزاد سارہ کا رویہ تھا۔ وہ دن بھر یونہی نشے کی حالت میں پڑی رہتی تھی اور شام کو تیار ہو کر فیروز کے ساتھ کہیں چلی جاتی اور صبح سویرے کہیں سے آ جاتی اور پھر اسی حالت میں پڑ رہتی۔ زینی اس معمول پر بری طرح پریشان تھی۔ پھر اس نے ان حالات کا پتہ لگانے کی کوشش کی بھی۔ اسے سب کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا مگر یہ ضرور پتہ چل گیا تھا کہ فیروز بھٹی کسی بات پر سارہ کو بلیک میل کر رہا تھا اور ڈرگز بھی اس کو وہی لا کر دیتا تھا۔ فیروز بھٹی کی اس ساری

کارروائی کے پیچھے کیا وجہ کارفرما تھی اس روز زینی نے اس کا سراغ لگانے کا حتمی فیصلہ کرلیا تھا۔

.......۞.......

''میں نے تم سے سنا تھا' تم نے بن ماں باپ کے بچوں کا ایک چھوٹا تھاٹھکانا بنا رکھا ہے۔ میں اسی تمہارے پاس آئی ہوں۔ جس بچے کا میں نے تمہیں بتایا ہے اس کے باپ کا کچھ پتہ نہیں اور ماں بھی چھوڑ کر گئی ہے۔ عائشہ غریب لالچ میں یا ممتا کے جذبے سے مجبور ہو کہ بچہ کی ذمہ داری لے کر پھنس گئی ہے۔ اب جا جائے کہاں۔ بیٹا! نیکی کا کام ہے جہاں اتنی نیکیاں کماتے ہو وہاں یہ بھی کما لو۔''

یہ بی بی زینب تھیں جو اسفند کے سامنے بیٹی عائشہ اور اس کے گود لیے ہوئے بچے کی کہانی سنا رہی تھیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے بی بی زینب! مگر اس کام میں بڑا رسک ہوتا ہے۔'' اسفند نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اس بچے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے' کسی بھی اسٹیج پر اگر اس کا کوئی دعوے دار آ جائے تو بڑی مشکل ہوگی کے عزیز' رشتہ داروں میں سے اگر کوئی دعوے دار آ جائے تو بڑی مشکل ہوگی۔ اس کے عزیز' رشتہ داروں میں سے کوئی اسے ہمارے حوالے کرتا تو اور بات تھی مگر یوں بے نام ونشان بچہ لینے کا رسک کون لیتا ہے۔''

''اے بیٹا! میں جو تم کو بتا رہی ہوں کہ اس میں کوئی خطرے والی بات نہیں' باپ تو اس کا کبھی کسی نے نہیں' ماں چھوڑ کر بھاگ گئی ہے' اب اس کا دعوے دار کہاں سے آئے گا؟ بیٹا! نیکی کا کام ہے' یہ موقع روز روز ملتا۔'' بی بی زینب اس کی سوچ کی تہہ تک نہیں پہنچ سکی تھیں لہٰذا اپنی بات پر مصر رہیں۔

''ویسے بھی وہ چھوٹا سا گھر ہے جہاں زیادہ سے زیادہ پندرہ بچوں کی گنجائش ہے۔ ہم انہیں زندگی کی ہر دینا چاہتے ہیں' لہٰذا گنجائش سے زیادہ بچے رکھنا ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ ہمارے پاس اس وقت پندرہ موجود ہیں۔''

اسفند نے ان کی خاطر ایک ایسا آسان عذر پیش کیا جو اس کے خیال میں ان کے جلد سمجھ میں آ جاتا۔

''پندرہ سے سولہ ہو جائیں تو تمہیں کیا فرق پڑے گا بیٹا! تمہیں تو اللہ نے اتنا دے رکھا ہے تم ایک سو پندرہ پال سکتے ہو' نیکی کا کام ہے میرے بچے' میں بڑی امید لگا کر تمہارے پاس آئی تھی۔'' اب بھی بی بی زینب اپنی بات پر مصر رہیں۔

''آپ کی امید اپنی جگہ پر بجا ہے' مگر آپ جانتی ہیں کہ میں اکیلا ہی اس ''کڈز ہوم'' کو نہیں چلا رہا۔ میرے ساتھ ایک دو لوگ اور بھی ہیں' میں ان سے بات کروں گا اور کوشش بھی کروں گا کہ وہ مان جائیں' پھر میں آپ کو اطلاع کر دوں گا۔''

اسفند نے بات ختم کرتے ہوئے جوس کا گلاس ان کی طرف بڑھایا۔

''بچہ اچھے خاندان سے ہی ہوگا۔ بیٹا! بن ماں باپ کے بچے کو پالنا اس کے سر پر ہاتھ رکھنا تو ویسے بھی ثواب ہے۔'' بی بی زینب نے ایک اور جذباتی اپیل کی۔

''میں نے کہا نا میں کوشش کروں گا۔'' اسفند نے نرمی سے کہا۔

مگر بی بی زینب اس بات کا فیصلہ کر چکی تھیں کہ وہ بچہ اسفند کے ''کڈز ہوم'' میں رکھوا کر دم لیں گی۔ ان روزانہ دو مرتبہ فون موصول ہونے لگے اور اصرار کچھ اس طرح بڑھا کہ اسفند کو بچہ منگوانے پر رضامند ہونا پڑا۔ بچے کو لے کر بی بی زینب اور عائشہ دونوں ہی آئی تھیں۔ عائشہ نے اس کی ماں کا نام نادیہ لکھوایا تھا کیونکہ وہ اسی نام سے واقف تھی۔ اس کے علاوہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس کے سلسلے میں حوالہ عائشہ

تھیں۔

لما گیا تھا اور گواہ بی بی زینب تھیں۔

اسفند کا پارٹنر جواد یزدانی اس سلسلے میں متذبذب تھا مگر اسفند کی بات کو نہ ماننا بھی اس کے لیے ممکن نہ تھا سو وہ جس کا نام بی بی زینب نے مہدیار رکھا تھا اسفند کے ''کڈز ہوم'' کا مکین بن گیا۔

.......۞.......

میری پیاری سہیلی! افسوس کہ تم کوئی پہیلی نہیں بوجھ سکتیں اس لیے میں تم سے کوئی پہیلی پوچھوں گا بھی نہیں۔ پہیلیاں بھی عجیب چیز ہوتی ہیں ڈیر ڈائری! کچھ تو اپنا جواب خود ہی بتا رہی ہوتی ہیں' اور کچھ کا جواب عمر بھر سوچنے کے وجود نہیں ملتا۔ جیسے زندگی کی پہیلی۔ کا کیا مطلب ہے؟۔ کم از کم مجھ تو کبھی نہیں ملا اس پہیلی کا جواب۔

میں جتنا اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا ہوں ڈیر ڈائری! اتنا ہی الجھتا ہوں۔ کبھی سوچتا ہوں کیا مقصد ہے بری زندگی کا' کیا مقصد ہے میرے جیے جانے کا' بچپن سے لے کر آج تک کے واقعات فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے گھومتے ہیں تو کبھی لگتا ہے کہ ہاں میں تو یہی کچھ کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا' کبھی لگتا ہے کہ نہیں مجھے جو کرنا تھا۔ ں نے وہ نہیں کیا' بلکہ جو کیا اس کے الٹ کیا جس کے لیے میں پیدا ہوا تھا۔ ہے نا بھید کی بات؟ ہے نا اسرار اس ں؟ سو سہیلی! یہ پہیلی بوجھی نہیں جا سکتی سو ہم اسے یہیں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

ڈیر ڈائری! میں کئی دن سے گھر میں اکیلا ہوں۔ صبح کام پر چلا جاتا ہوں' شام کسی محفل' کسی تقریب' کسی بیمار میں گزر جاتی ہے اور رات تنہا بیٹھے یا لیٹے سوچتے سوچتے گزر جاتی ہے۔ سارہ کا ڈیڑھ مہینے سے کچھ پتہ نہیں ہے۔ وہ یہاں سے شوٹنگ کا کہہ کر گئی تھی۔ شوٹنگ والی ٹیم پیک اپ کر کے کب کی واپس آ چکی ہے اور ان کے بقول سارہ وہاں سے کینیڈا چلی گئی تھی۔

اب پوچھو یہ فیروز کون ہے۔ یہ یاسین بھٹی کا بیٹا ہے' جو روزینہ بائی کی بیٹی سے نکاح کرنے کے بعد اسے چھوڑ یا تھا۔ مجھے شک پڑتا ہے کہ فیروز بھٹی اسی لڑکی کا بیٹا ہے۔ عجیب اتفاقات ہیں ڈیر ڈائری! جن کا سامنا انسان کو کرنا پڑتا ہے۔ فیروز بھٹی بدنام زمانہ پروموٹر ہے' تھرڈ کلاس آرٹسٹوں کا اور پورنوگرافر بھی مشہور ہے۔ میں نے زندگی میں جتنے بھی غلط کام کیے ڈیر ڈائری! ایک کوشش دانستہ اور شعوری طور پر ضرور کی اور وہ یہ کہ سارہ کو پسند' ناپسند کے ایک اعلیٰ معیار سے روشناس کرواؤں۔

اب میرے حساب سے فیروز بھٹی جیسے شخص کو تو سارہ کے معیار سے اتنا کم ہونا چاہیے تھا کہ وہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکتی مگر یہ تو کجا وہ اس کے ساتھ کینیڈا چلی گئی اور اب تک اس کا پتہ نہیں چل پا رہا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ یاسین بھٹی کو ایک دھمکی آمیز فون کال ضرور کروں۔ مگر مصیبت یہ ہے ڈیر ڈائری! کہ جیسے میں اس کے سارے کچے چٹھے جانتا ہوں وہ بھی میرے اندر باہر سے الف سے لے کر یے تک واقف ہے' سو اس پھڈے میں نہ پڑنا ہی بہتر ہے۔ اپنی کوشش جاری رکھتا ہوں سارہ کو تلاش کرنے کی۔

اب اس ذہنی پریشانی اور سوچ میں اس نوجوان کی کہانی تو رہے جاتی ہے ڈیر ڈائری! اس کی کہانی پھر کسی وقت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ اگلی بار سہی۔ اب تو اینٹی ڈپریشن' اینٹی انزائٹی لے کر سو جانے کو دل چاہ رہا ہے۔ سو اب رخصت ہوتے ہیں۔ گڈ نائٹ ڈیر ڈائری۔''

.......۞.......

''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے پارٹنر! بے چاری سارہ شاہنواز ڈرگز اڈیکٹڈ (نشے کی عادی) ہو کر رہ گئی ہے' چچ' چچ واٹ اے ڈاؤن فال۔''

"ذکر نہ کرو اور فکر نہ کرو، ہر اعلیٰ چیز کا انجام بالآخر یہ ہی ہونا ہوتا ہے۔"

"ویری سیڈ ڈیر پارٹنر! تمہارا رویہ لوگوں کے بارے میں بالکل غلط اور سفاکانہ ہوتا جا رہا ہے۔"

"میرا تجربہ بول رہا ہے مسٹر! جو لوگ بہت اونچا اڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور پروں میں پرواز نہیں رکھتے، وہ بالآخر زمین پر آ گرتے ہیں، کیوں میں کوئی جھوٹ بولیا؟"

"مگر ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو دوسروں کے ڈاؤن فال کی وجہ بنتے ہیں؟"

"تمہاری مراد شہریار محمد ہے نا!"

"اس کا نام مت لو، وہ بے چارہ تو مفت میں بدنام ہوا، کیوں مرے پیچھے اس پر نام دھرتے ہو۔"

"پھر اسفندیار محمد!"

"ہا...... اسفندیار محمد، اور یہ تو بتاؤ ذرا کہ اس اسفندیار محمد کو سارہ کے پیچھے کس نے لگا دیا؟"

"اس کے تجسس نے، اپنے بھائی کے متعلق ہر چیز میں اس کی دلچسپی نے، نہ وہ اس قدر تحقیقات کر: اتنا جانتا، اور نہ سارہ کے پیچھے پڑتا۔ یہ تو فطری بات ہے کہ اس نے تھوڑا جانا اور زیادہ جاننے کے چکر م

چند لمحے وہ دونوں خاموش رہے۔

"میں نے تو جو سچ تھا کہہ دیا۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ تم کتنے بڑے الو کے پٹھے ہو، اپنے چسکے کی خاطر دوسروں کی زندگیوں میں ز تمہیں کیا ملتا ہے؟"

"ہاہاہا" بڑے غصے میں ہو، ذرا یہ کام کر کے دیکھو تمہیں بھی لطف آنے لگے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں خود اسفندیار سے رابطہ کروں اور اسے بتاؤں کہ تم نے جو بکواس......"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ یہ میرا گیم ہے، مجھے کھیلنے دو۔"

"میرے منہ سے ہاتھ ہٹاؤ، اور دھمکیاں دینے کا کام چھوڑ دو۔ تم جانتے ہو کہ ہم تم ایک سی گولیاں کھ اتنے بڑے ہوئے ہیں۔"

"مگر اب گولیاں مختلف ہو گئی ہیں، اس کی زبان بڑی گہری اور معنی خیز ہوتی ہے۔"

"مجھے ریوالور دکھا کر ڈرانے کی کوشش مت کرو اس لیے کہ یہ میرے لیے کوئی نیا کھلونا نہیں ہے۔ جان لو کہ اس سلسلے میں میں اگر خاموش رہا تو یہ دوستی کی مروت ہو گی، تمہارے اس کھلونے کا خوف نہیں۔"

ان دونوں کے درمیان چند لمحے دوبارہ خاموشی رہی پھر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے فیروز بولا۔

"میں چلتا ہوں، کوشش کرنا کہ آئندہ اس طرح کا کوئی ایشو ہمارے درمیان نہ اٹھے۔"

"تم اپنی وارداتیں چھوڑ دو، میں تمہیں ٹوکنا چھوڑ دوں گا، انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے یار!"

"اوہو، انسانی، یت۔ واہ بھئی پیو! تمہارے منہ سے تو آج پھول جھڑ رہے ہیں، کہیں سارہ سے عشق چکر نہیں ہے جو تو مینڈک کی طرح اُچھل رہا ہے۔"

"بات لمبی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس تم جاؤ اب، زیادہ دیر یہاں رکے تو خوامخواہ جھگڑے گے۔"

"او کے ٹھیک ہے مگر یاد رکھنا اسفندیار کو اپروچ کرنا خطرناک ہوگا تمہارے لیے، تو میری گولی سے تو ن گولی سے ضرور مرے گا۔"

"دیکھ لیں گے، اب تو جا، میں نے کہا نا رکے گا تو ہم دونوں کا مغز خراب ہوگا۔

...... ۞ ......

"ماسٹر جی، کیا ایسا نہیں ہو سکتا اس بار آپ بھی ہمارے ساتھ میلے میں چلیں، سچ بڑا مزہ آئے گا۔" مانو نے اسٹر جی کے کپڑوں پہ صابن ملتے ہوئے ان سے اچانک کہا۔

"او چھوڑ مبینہ کلثوم! ساری عمر نہ گیا تو اب کیا جاؤں گا، رونق تو ادھر تک ہو گی نا میلے کی۔ میں یہاں بیٹھ کر ہی یکھ لوں گا۔"

"آپ بھی ماسٹر جی بس ہر دفعہ انکار ہی کر دیتے ہیں ہر بات کو، اب اگر آپ باہر نکل کر ذرا رونق میلہ دیکھ لیں گے تو کیا حرج ہوگا۔ سارے گاؤں کے لوگوں کا جی بڑا ہو جائے گا۔"

"او مبینہ کلثوم جھلیے، جی بڑا ہو جانا تو بیماری ہوتی ہے، اس کا باقاعدہ علاج ہوتا ہے ڈاکٹری میں، میں خوامخواہ نے یار دستوں کے جی بڑے کرتا پھروں وہ بے چارے کہاں سے علاج کروائیں گے۔" ماسٹر جی نے پھر اس کی ات کو مذاق میں اڑا دیا۔

"بس ماسٹر جی! آپ سے کوئی فرمائش کرنی ہی نہیں چاہیے، آپ کی کون سی مرضی ہوتی ہے دوسروں کی مرضی یں۔" مانو نے مایوس ہو کر منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتا کہ تجھے بڑا اچھا لگتا ہے یہ میلہ؟" ماسٹر جی نے اس کو خوش کرنے کے لیے پوچھا۔

"تو اور کیا" وہ رسی پر کپڑے پھیلاتے ہوئے بولی "ہماری تو سارے سال میں یہ ہی ایک تفریح ہوتی ہے۔ اسٹر جی! پتہ ہے کیا، جب ہم چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے نا تو کتنی کتنی دیر کھڑے ہو کر میلہ دیکھنے آنے والوں کا گاؤں لی سڑک پر آتے ہوئے دیکھتے رہتے تھے، کوئی ڈھول بجاتا آتا تھا، کوئی رقص کرتا اور ساتھ .. رنگ برنگی چیزیں لیے ہوتے تھے۔

ماسٹر جی اسے ماضی کی یادوں میں ڈوبے بات کرتے ہوئے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ وہ بچوں کی سی معصومیت ے ساری باتیں سنا رہی تھی۔

"اور ہم میلے میں آئے سارے جھولے جھولتے تھے، آسمانی جھولا، چکروں والا جھولا، کشتی والا جھولا اور شوق ے چاٹ، گول گپے اور پکوڑے کھاتے تھے۔ آم کا جوس اور شربت پیتے تھے۔ پلاسٹک کے کھلونے خریدتے تھے، یک دفعہ فراز نے میرا پنکھا چھین لیا جو دھاگہ کھینچنے پر چلتا تھا، میں کتنے دن اس سے بولی نہیں تھی۔"

"بس ماسٹر جی!" وہ روانی سے بولتے بولتے ایک دم چونک کر حال میں آتے ہوئے بولی۔ "وہ زمانے کتنے چھے تھے، کتنی سادگی اور معصومیت تھی بچپن میں۔ اور اب یہ آپ کے گھنے میسے شاگرد ہیں۔" اس نے صحن میں قاعدوں کے رٹے لگاتے بچوں کی طرف دیکھا۔

"اتنے چالاک کہ جن باتوں کا ہمیں اب بھی علم نہیں، انہیں سب معلوم ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ذہانت کا ریشو بڑھ رہا ہے مبینہ کلثوم!" ماسٹر جی مسکرا کر بولے۔

"خاک ذہانت، بدتمیز، منہ پھٹ، بدلحاظ ہونے کو اگر ذہین کہتے ہیں تو پھر ہم تو کبھی ایسے ذہین نہیں ہو سکتے۔"

"چلو بھئی تمہاری مرضی، ویسے میں بڈھا کبھی اس جنریشن گیپ کے چکر میں نہیں پڑا، تم لوگ اس کے جال میں پھنس گئے۔ مبینہ کلثوم۔ چیز ... مثبت پہلو دیکھنے کی کوشش کیا کر، منفی پہلو کی طرف ہی توجہ دو گی تو تمہیں ہر طرف خامیاں اور مسئلے ہی نظر آ ...

ماسٹر جی نے اب کے ذرا سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"چلیں خیر! آپ نے ٹالنا تھا سو ٹال دیا' آپ نے نہیں دیکھنا میلہ نہ دیکھیں' پر جو غلط ہے اسے کہیں۔" مانو نے ایک بار پھر منہ بناتے ہوئے کہا۔

"او خط لکھنا تھا اس کو بھی' فراز کو' اس نے نہیں پہنچنا میلے میں اب وہ بڑا مصروف ہو گیا ہے۔ پر نہیں چھوڑا اس نے' اب دیکھو آتا ہے کہ نہیں۔" ماسٹر جی کو اچانک یاد آیا۔

"خود دیکھنا نہیں دوسروں کی فکر ہے۔" مانو نے دل میں سوچا۔

"تو ناراض نہ ہو مبینہ کلثوم! ان آنکھوں نے پہلے ہی بہت کچھ دیکھا ہے' مزید کیا دیکھنا باقی ہے یہ رونقیں یہ خوشیاں تمہارے جیسے نوجوان لوگوں کے لیے ہیں' ہم اب انہیں دیکھ کر کیا کریں گے۔" ماسٹر چہرے سے اس کے دل کی سمجھتے ہوئے تفصیلی جواب دیا۔

"اور میری اماں کہتی ہے کہ جب ماسٹر جی کے شاہو نے انہیں اور اس گاؤں کو چھوڑا ہے ماسٹر جی شرکت کرنا چھوڑ دی ہے۔ مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں بس گھر سے بھی اس وقت سے کم کم نکلتے ہیں۔ بھی بتاتی ہے کہ ماسٹر جی کے شاہو کو میلے میں آئے سارے کھلونوں میں سے مٹی کے بنے بندر' گھو گڑیاں ہی اچھی لگتی تھیں اور وہ اپنے سارے پیسوں سے صرف ایسی ہی چیزیں خریدتا تھا۔ ماسٹر جی ا اللہ کی بنائی جاندار چیزوں کی مورتیں بنانا' خریدنا اور انہیں گھر میں رکھنا سراسر ناجائز ہے۔ پر وہ مورتیں' تصویریں بھی۔ ماسٹر جی اپنی بات کے حق میں بڑی دلیلیں دیتے تھے' مگر وہ کہتا تھا کہ وہ کون سا ایسی چیز پوجتا ہے وہ تو اپنے ہاتھ کا ہنر استعمال کرتا ہے۔ پر اس سلسلے میں ماسٹر جی بڑے سخت تھے اس کے سارے کھلونے توڑ دیا کرتے تھے' وہ روتا تھا تو یہ اسے۔ چھڑیوں سے پیٹتے تھے شاید اسی وجہ سے وہ ہوا۔"

مانو کو اس روز سعدیہ کی بتائی ہوئی باتیں یاد آتی رہیں۔ ایسی باتیں سن کر کبھی کبھی اسے ماسٹر جی بے چارے جسے عمر بھر کی پونجی سمجھ رہے تھے وہ سرتا پیر کھوٹا نکلا اور انہیں تنہا دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ مگر کبھی کبھی اسے ماسٹر جی کے شاہو پر بھی ترس آتا۔ کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا وہ بے چارہ' دنیا میں کتنے تصویریں بناتے ہیں' مجسمے بناتے ہیں کتنا نام بنتا ہے ان کا دنیا میں وہ بے چارہ اس میں کتنا قصور وار ت نے ایک ہنر دیا وہ خود بخود اسے استعمال کرنے لگا اور یہ اس کے شوق میں ایسے حائل ہوئے کہ اسے اپ گھر سے' گھر کے تحفظ سے ہی محروم کر دیا۔"

"مانو وہ ویسے بھی بڑا دل پھینک تھا' سنا ہے آس پاس کئی لڑکیوں سے عشق کر چکا تھا۔"

یہ بات بھی سعدیہ نے بتائی تھی۔ "یہ جو اپنی پھوپھی کلثوم ہے نا چاچے رزاق کی بہن' یہ بھی اس ک ہے سب سے پہلا عشق اسی سے تو ہوا تھا اسے۔" سعدیہ کی چاچی کہانیاں سنانے کی ماہر تھی ورنہ گاؤں کا دوسرا ماسٹر جی اور ان کے بھتیجے کے بارے میں اتنی تفصیل صرف ماسٹر جی کے احترام میں بیان نہیں کرتا ذہن میں یہ ہی بات آتی تھی کہ اگلی نسل کے بچوں میں سے کسی کے منہ سے ماسٹر جی کے سامنے کوئی ا نکل گئی تو ان کا دل برا ہو گا۔

مانو اور اس کے گھر والوں کا بھی یہ ہی حال تھا۔ دل میں لاکھ تجسس ہونے کے باوجود مانو بھی ایسی کوئی بات نہ پوچھ سکی تھی۔ اس کی اور فراز کی اماں تو ماسٹر جی کی خاص پرستار تھیں۔ ان کے خیال میں

نیم و تربیت کا سہرا صرف ماسٹر جی کے سر تھا ورنہ وہ خود تو کبھی اپنے بچوں کو کچھ نہ بنا سکتی تھیں۔ مگر کبھی کبھار ی باتوں سے اس کا ذہن الجھنے لگتا' خصوصاً ماسٹر جی کے ٹرنک میں رکھے لفافے دیکھنے کے بعد۔ اس روز بھی وہ ی باتوں کے تانے بانے بنتی رہی تھی۔ پھر اس نے سب کچھ ذہن سے جھٹک دیا۔

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا اور یہ سب ایسے ہی ہونا تھا' اب بس بڑی بات تو یہ ہے کہ ماسٹر جی موجود ہیں اور ہمارے ہ ہیں' اللہ انہیں لمبی عمر دے' ان کا وجود تو نعمت ہے۔" اس نے سوچا اور پرسکون ہو گئی۔

......✿......

"فراز تم نے آنٹ جینس کی بیماری کے دوران جس طرح ہم سب کا خیال رکھا اس کے لیے میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔" لینا متشکرانہ انداز میں فراز سے کہہ رہی تھی۔ وہ اس وقت سعید رضوی کے اسٹوڈیو میں فراز سے ملنے آئی تھی۔

"اب کیسی ہیں تمہاری آنٹ جینس!" فراز نے کینوس پر برش چلاتے ہوئے کہا

"کیسی ہو سکتی ہیں؟" لینا کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ "ویسی ہی ہیں جیسی اس روز تم چھوڑ کر گئے تھے گھر پہ' زندہ لاش جیسی' فراز! میری آنٹ جینس نے بڑی مشکل اور مشقت بھری زندگی گزاری ہے۔ اتنی کٹھن کہ انہیں آرام' سکون' خوشی کا مطلب ہی بھول گیا۔ وہ ایک چلتی پھرتی مشین بن کر رہ گئیں' ان پر گرینی کی پر سوچوں اور خواہشوں کا بھی اثر تھا' پھر انہوں نے زندگی میں اچھے دنوں کے نام پر جو اتنا بڑا رسک لیا اس کا نتیجہ ہم بھگت چکے ہیں۔ بہت بڑی ٹریجڈی ہے' بہت بڑی ٹریجڈی۔" اس نے تاسف سے کہا۔

"اوپر سے للی' تم نے سنا للی کیا کرتی پھر رہی ہے۔" لینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ بھی ہوتا ہے لینا' للی جیسے لوگوں کی زندگیاں ایسے ہی کروٹ لیتی ہیں مگر مجھے ڈر ہے کہ ایسی زندگیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔" فراز نے اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"نہ آنٹ جینس جیسی زندگیوں کا انجام اچھا ہوتا ہے' نہ للی جیسی زندگیوں کا' تو پھر کیسی زندگیوں کا انجام اچھا ہوتا ہے؟" لینا کے لہجے میں دکھ تھا۔

"تمہاری جیسی زندگیوں کا۔" فراز نے مسکرا کر کہا لینا جیسے چونک اٹھی۔

"یہ کیسے ممکن ہے فراز! میری جیسی زندگی تو پہلے ہی کچھ خاص اچھی نہیں ہوتی جس زندگی کا آغاز ٹریجڈیز سے ہوا اس کا انجام کیسے اچھا ہو سکتا ہے۔"

"یہ تو وقت بتائے گا لینا! اس کے لیے انتظار کرنا پڑے گا تمہیں۔" وہ دوبارہ اپنے کینوس کی طرف مڑا۔

"ویسے تم واپس کب جا رہی ہو؟"

"میں اب یہیں رہوں گی۔ منی باجی نے کسی سے کہہ کر میری رہائش کا یہیں بندوبست کروا دیا ہے۔ لاہور سے پنڈی' پنڈی سے ایبٹ آباد اور پھر واپس۔"

"بہت اچھے۔" فراز بے اختیار بولا۔ "تمہاری گرینی اور آنٹ کو تمہاری پہلے سے زیادہ ضرورت۔" ویسے تمہارے گرینی کا بھی کریک اپ ہو گیا ہے' وہ عجیب پاگلوں کی سی باتیں نہیں کرنے لگیں؟"

"ایسا مت کہو فراز! میری گرینی کے ساتھ بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا' وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کی خاتون ہیں۔" لینا نے بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ "اب میں چلتی ہوں' تمہارے خلوص کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض تھا' تم اپنے امتحان میں مصروف رہے' میں تمہاری فرصت کا انتظار کر

رہی تھی۔" وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی جب اسفند اور منی باجی اندر داخل ہوئے۔
"خوب آرٹسٹ صاحب! اب آپ ادھر مصروف ہو گئے۔" اسفند فراز سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا
دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ "آپ اچانک ہی آتی ہیں منی باجی! مگر دیکھ لیجئے میں آپ سے کیا ہ
کے لیے امتحان ختم ہوتے ہی یہ پینٹنگز مکمل کرنے ادھر چلا آیا' گاؤں بھی نہیں گیا' جبکہ میرے گاؤں کا
ہونے میں چار دن باقی رہ گئے ہیں اور یہ ایک ایسا ایونٹ ہے جو میں نے آج تک کبھی بھی مس نہیں کیا۔"
"ونڈرفل!" پھر مسکراتے ہوئے پوچھنے لگیں۔
"فراز اس میلے میں کیا ہوتا ہے؟" تو وہ انہیں تفصیل سے بتانے لگا۔ "اسفند! فراز اگر اجازت د
نہ اس بار ہم بھی اس میلے میں چلیں' اور اگر مزید اجازت دے تو ایک چھوٹی سی ڈاکومنٹری بھی بنالیں اس م
ساری بات سن کر اسفند کی طرف مڑتے ہوئے بولیں تو۔ اسفند قدرے متذبذب نظر آیا۔
"دیکھو' یہ منظر بھی دیکھنا چاہیے' میں نے تم سے کہا تھا نا کہ زندگی کے کینوس پر پھیلے سارے رنگوں کا
چاہیے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے مگر!" اسفند نے کہا۔
"ہم صبح جا کر شام کو واپس آ جائیں گے اسفی! مگر پہلے فراز سے تو پوچھ لو۔"
"کیوں نہیں۔" فراز خوش دلی سے بولا "یہ تو زبردست آئیڈیا ہے' آپ چلیں تو میں بھی اسی روز چلو
ایک دن پہلے جاتا۔"
"چلو یار! تم اور منی باجی کہتے ہو تو یہ بھی کر لیتے ہیں۔" اسفند نے ہامی بھری۔
"تو پھر ٹھیک ہے' میں اپنی ماں کو اور ماسٹر جی کو اطلاع بھجوا دیتا ہوں' لینا! تم بھی چلو گی؟"
اس نے پیچھے مڑتے ہوئے مروتاً لینا کو دعوت دینے کی خاطر کہا مگر وہ جا چکی تھی۔
"اوہ' وہ شاید ہم لوگوں کو یوں مگن دیکھ کر خود کو مس فٹ محسوس کرتے ہوئے چلی گئی۔" فراز کو شدت
ہوا۔ مگر اسفند اور منی باجی نے اس کے چلے جانے کو محسوس نہیں کیا تھا۔
"ہم معاشرے کے جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں یہ ذرا سی بے نیازی بھی کیسی کھلتی ہے' اس
مجھ سے زیادہ کسے ہو سکتا ہے۔"
اس شام لیڈی ایلس کے گھر کی طرف موٹر سائیکل دوڑاتے ہوئے فراز نے سوچا تھا۔ وہ اپنے خیا
کے دل شکنی والے احساس کو دور کرنے آیا تھا۔ مگر اسے وہاں پہنچ کر افسوس ہوا۔ لینا گھر پر نہیں تھی۔ لیڈی ا
حالیہ ذہنی دھچکے کے ہاتھوں بہکی بہکی گفتگو میں مصروف تھیں۔ آنٹ جینس مسکن دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھ
چھوٹے سے گھر پر ویرانی' سناٹا اور وحشت طاری تھی۔
"صرف ایک ڈیڑھ سال کے اندر اندر یہ گھر کیا سے کیا ہو گیا۔" واپسی پر اس نے سوچا۔
"حقیقت میں میری بہتر زندگی کا نقطہ آغاز اسی گھر میں آمد تھی نا' اللہ بھی کیسے کیسے وسیلے بناتا ہے؟
کے کنارے موٹر سائیکل چلا رہا تھا' جب اس نے قریب سے گزرتی گاڑی سے کسی کو ہاتھ ہلاتے دیکھا۔ نیم
وجہ سے وہ ڈھنگ سے دیکھ نہ پایا تھا۔ اسے لگا کوئی اسے رکنے کو کہہ رہا تھا۔ جب وہ اس گاڑی کے مزید قر
ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص اسے واضح طور پر نظر آ گیا۔ وہ شاہنواز احمد تھے۔

منی باجی اور اسفند کو گاؤں لے کر آنا بھی فراز کے لیے ایک مشکل مرحلہ تھا۔ وہ ان کے خلوص اور محبت کے
بے بس تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ دونوں کتنے بامروت تھے۔ اگر کوئی تکلیف یا پریشانی ہوتی' کوئی بات خلاف
ہوتی تب بھی وہ کبھی نہ جتاتے' مگر وہ اپنی جگہ پریشان تھا انہیں بٹھائے گا کہاں، کھلائے گا کیا؟ احتیاطاً اس نے
دل نواز کو خط لکھ دیا تھا مگر اسے زیادہ امید نہیں تھی کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ اتنی جلدی اس کا خط بھائی دل نواز تک
پہنچے گا۔ وہ جب ان دونوں کے ساتھ گاؤں پہنچا تو گاؤں میں سال بھر بعد ہونے والا وہ دیکھا بھالا شناسا سا
پے عروج پر تھا۔
ڈھول تاشے' دکانیں' جھولے' لوگ' ہجوم' اسفند کی نیلی اکارڈ کو دیکھ کر لوگ اپنا کام چھوڑ کر ذرا کی ذرا رک
گاڑی دھیرے دھیرے چلتی نور فاطمہ کے دروازے پر رک گئی۔ اس گاڑی سے فراز باہر نکلا۔
"ہا ہائے۔" کتنوں کے ہاتھ میں پکڑی چیزیں نیچے گریں۔ "فراز اتنا بڑا آدمی بن گیا۔ اتنی لمبی شاندار
نا؟"

بھائی دل نواز نے جلدی جلدی سب کو فراز کے مہمانوں کے بارے میں بتا دیا۔
گھر میں فراز کے مہمانوں کے لیے مکمل اہتمام کیا گیا تھا۔ خصوصاً اس حوالے سے کہ یہ مہمان وہ لوگ تھے۔
نا وجہ سے لاہور جیسے شہر میں فراز کو بہت ساری مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اماں' بھابھی اور آپا شمیم کا خیال
مہمان بہت نخرے والے اور نازک مزاج ہوں گے۔ مگر ان کی توقع کے بالکل برعکس وہ بہت سادہ' خوش مزاج
بے نیاز سے مہمان تھے۔ البتہ ان کا معیار زندگی ان کے لباس اور چہروں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ مہمان خاتون
کی خواتین سے بہت جلد گھل مل گئی تھیں اور اسفند صاحب جوان کے فراز کی خوش قسمتی کا ستارہ تھے۔ بہت دھیمے
ب صورت انداز میں بھائی دل نواز اور اماں سے گفتگو کر رہے تھے۔ نور فاطمہ کے گھر کا وقار ایک دم بڑھ گیا تھا۔
"فراز! میرا خیال ہے کہ ہم بیٹھنے کے لیے نہیں آئے تھے' ہمیں باہر کا راستہ دکھاؤ' اور یہ بھی بتاؤ کہ یہاں کے
مجھے اس علاقے کی مووی بناتے دیکھ کر ناراض تو نہیں ہوں گے؟" ابتدائی خاطر تواضع سے فارغ ہو کر منی باجی
راز کو جالیا۔

"خیر! اب بہت سی چیزیں ان کی رسائی میں نہ بھی ہوں منی باجی! تو ٹی وی کے ذریعے ان کی مو
خاصا اضافہ ہو چکا ہے ویڈیو کیمرے کا تو یہ لوگ اب شادیوں پر ضرور اہتمام کرتے ہیں۔ آپ کا ہینڈی کی
پر دیکھ رکھا ہوگا' سوچنے کی بات صرف اتنی ہے کہ ایک خاتون کو یوں مووی بناتے دیکھ کر ان کا رد عمل کیا ہوگا
"تم سوچ کر بتاؤ' اگر کوئی مشکل ہے تو میں مووی نہیں بناتی' آرٹیکل لکھ لوں گی مگر مشاہدہ ضرور
گی۔" منی باجی اس کی بات سمجھ رہی تھیں۔

"اسفند بھائی سے کہتے ہیں' وہ کچھ مناظر کی مووی بنالیں۔" فراز نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اسفند بھائی سے۔" منی باجی ہنسیں "اسفند بڑے دماغ کا آدمی ہے فراز! دل اس کا چاہے کہ
وسیع کیوں نہ ہو وہ کبھی بھی کیمرہ اٹھائے لوگوں میں مووی بناتے پھرنا پسند نہیں کرے گا۔"

"سو تو ہے۔" فراز اسفند کے مزاج کے اس پہلو سے بھی واقفیت رکھتا تھا' سو اس کو یاد آ گیا۔

"میں خود ساتھ لے کر چلتی ہوں بی بی کو' فراز! تو صاحب کو لے کر آ۔" فراز کی اماں نے ان دونو
میں شامل ہوتے ہوئے کہا اور یوں منی باجی' اماں کے حوالے ہوئیں۔

اسفند' فراز کے ساتھ باہر کے ہجوم میں نکل آیا۔ وہ ستمبر کی آخری تاریخ تھی مگر دن اب بھی گرم تھا۔
سے باہر کھلے آسمان کے نیچے۔

میلے کے اسٹال جو کئی لوگوں کے روزگار کا باعث تھے' قوالوں کی منڈلیاں' جھولے' ڈھول وہ اس
میں بغیر موسم کی سختی کی پروا کیے گھومتا رہا۔ وہ یہاں صرف منی باجی کے اصرار پر آیا تھا مگر یہاں آ کر جیسے اس
پر کسی ہونے والے احساس کا پہرا لگ گیا تھا۔ وہ خود بھی جیسے سن ہوتے دماغ اور سوتی جاگتی اس کیفیت پر
مگر ایک بات وہ پورے یقین سے جانتا تھا کہ اسے یہ سارے مناظر اچھے لگ رہے تھے۔

"تم ماسٹر جی سے کب ملواؤ گے؟" اسفند نے گھر کی طرف آتے ہوئے راستے میں اس سے پوچھ
دیکھ کر بھی مزا آ رہا تھا کہ راستے میں ملنے والا ہر شناسا شخص انتہائی محبت اور گرم جوشی سے فراز سے گلے مل رہا

"بس آپ لوگ کھانا کھالیں' پھر ادھر چلتے ہیں وہ خود بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔"

اس بار فراز کے گھر میں بہت سی خواتین جمع تھیں اور منی باجی ان کے درمیان بیٹھی یوں محو گفتگو تھیں
سے یہیں رہتی ہوں۔

"کمال خاتون ہیں منی باجی بھی' جہاں جاتی ہیں اپنا ایک حلقہ بنالیتی ہیں۔" اسفند نے فراز کے گھر
میں بیٹھے بیٹھے سوچا پھر اسے خیال آیا اگر وہ اپنی زندگی کو یوں مصروف نہ رکھیں تو بھلا کیسے گزرے ان کی ز
ہیں نہیں' میاں اپنی دنیا میں مگن ہیں سچ ہے کسی ایک چیز کی محرومی بعض اوقات انسان کی ذات کو بہت س
میں انتہائی کار آمد بنا دیتی ہے۔" اسے اس قسم کی بہت سی دوسری مثالیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ خاموش بیٹھا
باتیں سوچ رہا تھا اور اس کے سامنے میز پر کئی قسم کے کھانے چنے جا رہے تھے۔

"اور یہ فراز کے گھر والے ہیں جو ہمارے سامنے کھنچے جا رہے ہیں صرف اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں'
فراز کا گاڈ فادر ہوں' حالانکہ ایسا نہیں ہے' میں نے تمہاری ڈائری میں پڑھا تھا کہ انسان کی ذات کو اگر کسی
کے بھلے کا وسیلہ بنایا جاتا ہے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ اس کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا ا
اسے شکر ادا کرنا چاہیے اپنے خدا کا جس نے اسے اس قابل جانا۔ دیکھو تو تمہاری وجہ سے میری شخصیت کتنی
ہے' ورنہ محض دو ڈھائی سال پہلے کبھی میں نے سوچا تھا کہ میں یوں ایک دور افتادہ' گم نام' غیر ترقی یافتہ بستی

ن بنوں گا۔"
ان نے کسی نادیدہ شخص کو دل میں مخاطب کیا' ایک ایسی شخصیت جو اسے لگتا تھا ہر دم' ہر وقت اس کے اردگرد

اور اس روز اس نے اپنی طبیعت کے عین خلاف فراز کی اماں کے اصرار پر ان کی پکائی ہوئی ہر چیز صرف چکھی
کھائی بھی اور بے حد تعریف بھی کی۔ ان کی محبت اور اصرار میں بھی اسے اپنی کسی کمی کے پورے ہونے کا
ہوتا تھا۔ پھر وہ منی باجی اور فراز کے ساتھ ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔
اس دوران وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ صبح ادھر آتے ہوئے اس کا دل کتنا بوجھل ہو رہا تھا یہ سوچ کر کہ منی باجی
کے پروہ مارے باندھے ادھر آ رہا تھا جبکہ پیچھے اس کے کئی کام رک جانے کا اندیشہ تھا۔ کتنے عرصے سے وہ ایک
شدہ زندگی گزارنے کا عادی ہو چکا تھا' اس لگے بندھے معمول میں وہ پروگرام جو شیڈول کا حصہ نہیں ہوتے
کے لیے مشکل کا باعث بن جاتے تھے۔ اس پہر کو اس کو اپنے آپ پر حیرت تھی کہ اس کا دل حیران کن حد تک
پرسکون تھا۔

فراز نے لکڑی کا بند دروازہ کھولا اور جوتا دہلیز پر اتار کر اندر کی طرف آیا۔ منی باجی اور اسفندیار نے بھی اس
میں ایسا ہی کیا۔
اقبال تو ابھی بلندی کے اس درجے پر بھی نہیں پہنچا جو تو اتنی دیر سے آیا۔" وہ دونوں پیچھے ہی کھڑے تھے۔
ہیں سامنے صحن سے آواز آئی۔

"ماسٹر جی! یہ میرے ساتھ اسفند بھائی اور منی باجی بھی ہیں۔" فراز کی آواز آئی۔

"ویلکم ویلکم اویار' میں ان کا ہی تو انتظار کر رہا تھا' تیرے آنے کا تو پتہ ہی تھا۔"

اس آواز پر وہ دونوں آگے بڑھے۔ یہ ایک چھوٹے سے مکان کے صحن کا منظر تھا جس کے بیچوں بیچ ایک
پرانا درخت اپنی شاخیں سارے صحن میں پھیلائے کھڑا تھا۔ صحن کا فرش کچا تھا اور اس کے ایک جانب اوپر جاتی
ں تھیں' دوسری طرف ہینڈ پمپ لگا تھا اس کے ساتھ ہی غالباً باتھ روم تھا اور سامنے دو کمرے۔ قدیم بوڑھے
کے نیچے ایک سفید بالوں اور سفید داڑھی والا شخص موڑھے پر بیٹھا حقہ سامنے دھرے' چہرے پر معصوم سی
ٹ لیے بیٹھا تھا' عینک کے شیشوں کے پیچھے سے جھانکتی آنکھوں میں تجسس اور ذہانت صاف نظر آ رہی تھی۔
انے سفید بے داغ قمیص پہن رکھی تھی اور گہرے نیلے رنگ کا تہبند باندھا ہوا تھا۔

"آؤ بھئی بچو! آگے آؤ۔ ہم لوگ تو تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" پھر انہوں نے اسفند اور منی باجی کو مخاطب
وہ دونوں آگے بڑھے۔ صحن کے ایک جانب کمرے کی دیوار کے ساتھ تختہ سیاہ رکھا تھا اور اس کے قریب ہی چند
الباً میلے سے خریدے گئے کھلونے رکھے' کھیل رہے تھے۔ فراز نے ماسٹر جی کے قریب رکھی کرسیاں سیدھی کیں
ہائی احترام سے ان دونوں کو بٹھایا۔

"اوہ بھئی مبینہ کلثوم' سعدیہ' رضیہ ہاؤ' مہمان تو آ بھی گئے' تمہاری تیاریاں پوری نہیں ہوئیں ابھی۔" ان
کے بیٹھنے کے بعد ماسٹر جی نے ذرا بلند آواز میں پیچھے بنے کمروں کی طرف منہ کر کے کسی کو مخاطب کیا۔ اندر
ں کی آواز آئی۔

"یہ بستی کمال پور ہے بچو۔" پھر وہ ان کی طرف مڑے۔ "کمال شال تو اس میں کوئی نہیں ہے' سوائے اس کے

کہ کسی مہمان کو آنے سے کم از کم پندرہ دن پہلے اطلاع دینا پڑتی ہے۔ میں آ رہا ہوں پھر کہیں جا کر اس کا
سامان ممکن ہو سکتا ہے۔''

''ہم لوگ آؤ بھگت کروانے تو نہیں آئے جی' بس یوں ہی ثقافت کا یہ رنگ بھی دیکھنے کو دل چاہا تو
درخواست کی۔''

منی باجی کو خوب معلوم تھا ایسے موقعوں پر کیا اور کیسے بولنا چاہیے۔ اسفند نے دل ہی دل میں انہیں
''او پتر' ثقافت کے یہ رنگ کوئی نئے او منفرد نہیں ہیں' پورا پنجاب پھر کر دیکھ لو' ہر پس ماندہ علاقے میں
میلوں کا اہتمام ہوتا ہے۔

فراز! شاباش ہے بھئی' مہمانوں کی کوئی خاطر شاطر نہیں کرنی؟'' پھر ماسٹر جی نے حقے کا کش لگا کر فرا
دیکھا۔ ''او مبینہ کلثوم! پتر جی جو تیار ہو گئی ہے چائے پانی تو لاؤ پھر۔'' ان کی آواز پر مانو ٹرے اٹھائے ادھر آ گئی
''لا رہی تھی ماسٹر جی! بس چاچی کی سویاں ہی نہیں بننے میں آ رہی تھیں السلام علیکم جی!'' ماسٹر جی
دیتے دیتے اس نے منی باجی کی طرف دیکھ کر سلام کیا۔

''یہ مبینہ کلثوم عرف مانو ہے منی باجی! ہمارے گاؤں کی واحد بی اے پاس خاتون حال ہی میں ان
حاصل ہوا ہے۔'' مانو کو ایسے لگا جیسے فراز ان خوب پڑھی لکھی متاثر کر دینے والی شخصیت کی حامل خاتون
اس طرح تعارف کرواتے ہوئے اس کا تمسخر اڑا رہا ہو۔

''یہ تو بہت بڑی بات ہے' جبکہ یہاں لڑکیوں کا کوئی کالج بھی نزدیک نہیں ہے۔'' منی باجی نے ا
اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا اور فراز کی طرف دیکھا جو شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ ادھر دیکھ رہا تھا۔

''یہ یقیناً ماسٹر صاحب کی شاگردی کا نتیجہ ہو گا۔'' اسفند نے اس ساری گفتگو میں پہلی مرتبہ لب کشائی
''ماسٹر صاحب کی شاگردی نے تو ان بچوں کو محدود کر دیا ہے' اگر کوئی ایسی جگہ ہوتی جہاں ان کو ا
دکھانے کے صحیح مواقع ملتے تو پھر دنیا دیکھتی یہ کتنے ہونہار ہیں۔'' ماسٹر جی نے بچوں کی سی معصومیت کے ساتھ
''فراز سے بھی اکثر سنا ہے اور آج ثبوت بھی مل گیا' آپ اپنی قابلیت کا کریڈٹ کیوں نہیں لینا پسند
اسفند نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''قابل یت کا کرے ڈٹ۔'' ماسٹر صاحب نے الفاظ کو توڑتے ہوئے رک رک کر کہا۔ ''او پتر جی
کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی بات کا کریڈٹ خود لیں' کریڈٹ تو سارا اللہ تعالیٰ کو جاتا ہے ہر بات کا' یہ جو
آگے رکھتا ہے کام ہو جانے کے لیے' الجھنیں سلجھانے کے لیے' مسئلے حل کرانے کے لیے تو یہ تو اس نے د
ہوئے ہیں سارے' انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کے ناتے اتنی اہمیت تو ملنا چاہیے نا۔''

''ماسٹر صاحب! آپ نے عرصہ پہلے انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کیا اور پھر بی ایڈ' ایم ایڈ بھی' زبان کے
میں آپ کی قابلیت کے سارے احوال ہم فراز سے سن بھی چکے ہیں اور خود فراز کو دیکھ بھی چکے ہیں' آپ کی
آپ کی دیگر علوم پر بھی مکمل دسترس نظر آ رہی ہے پھر آپ نے اس پس ماندہ بستی کو اپنا ٹھکانا کیوں بنایا۔ آ
بڑے شہر میں ہوتے بے شک اسی فیلڈ میں کام کر رہے ہوتے تو یقیناً ایک اعلیٰ پائے کے ماہر تعلیم کی حیثیت
منوا چکے ہوتے۔ کیا آپ کو احساس نہیں ہوتا کہ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو یہاں بیٹھ کر زنگ لگا دیا؟''
منی باجی باقاعدہ انٹرویو لینے پر اتر آئی تھیں۔ ماسٹر صاحب کی شخصیت اسفند کو بہت دلچسپ لگ رہی
''اور فراز باؤ!'' ماسٹر صاحب ان کی بات مکمل دھیان سے سننے کے بعد بجائے ان کو جواب دینے

''وہ تیری انگریزنی نہیں آئی تیری بستی کا میلہ دیکھنے' او یار! ان میں سے بھی کسی کو لے آتا تھا وہ
ہوئے۔ ''وہ تیری انگریز لانے پر تیری ٹور بن جاتی۔''
بستیں اور گاؤں میں انگریز لانے پر تیری ٹور بن جاتی۔
فراز نے جھینپ کر منی باجی اور اسفند کو دیکھا جو بے اختیار اس بات پر مسکرا رہے تھے۔
''وہ تو جی اور مذہب اور قسم کی دلچسپی والے لوگ ہیں انہیں ہمارے میلوں ٹھیلوں سے کیا سروکار' ویسے بھی آج
کے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔'' فراز نے جھکتے ہوئے کہا۔
''اچھا!'' ماسٹر جی نے کان لگا کر اس کے جواب سننے کے بعد سر ہلایا۔ ''لے' پھر میں تے سمجھا تھا جیسے تم ان
اٹینڈ کرتے رہے وہ بھی تمہارا میلہ دیکھنے آ سکیں گے' وہ کیا نام تھا ان کو کون سی لیڈی یا لارڈس۔''
''لیڈی ایلس جی۔'' فراز نے جلدی سے کہا۔ ''وہ بیمار ہیں آج کل۔''
''ماسٹر صاحب! آپ میرا سوال نظر انداز کر گئے۔'' منی باجی نے ان کو یاد دلایا۔
''کون سی؟'' ماسٹر صاحب نے کچھ دیر سوچا ''اچھا میں ادھر کیوں بیٹھ گیا آ کر بستی کمال پور' وہ بیگم صاحب
بات یہ ہے کہ یہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ اس بستی کے مقدر میں میں لکھا تھا کہ اس کے بچے بچیاں کچھ پڑھ
کچھ لکھنا سیکھ لیں۔ اب جب اس کے مقدر میں یہ لکھا تھا تو پھر خدا پاک نے کوئی انسان تو مقرر کرنا تھا نا یہ
کے لیے' فرشتے تو یوں کام نہیں کرتے نا' سو اس کی نظر کرم مجھ پر پڑ گئی اس لیے میری ڈیوٹی اس نے یہاں
۱۹۸۰ء میں' میں ہوا ریٹائر۔ اس وقت تک گھر والی ختم ہو چکی تھی بال بچہ تھا نہیں' بستی کے لوگوں سے محبت کی
کا چکر شروع ہو چکا تھا' پیچھے یزمان منڈی میں میرا کوئی عزیز رشتہ دار رہا نہیں تھا' ہوتا بھی تو مجھ میں کسی کو
ہونا تھی سو بیٹھ رہا۔ اب چکر ریورس ہو گیا تھا' پہلے میری ڈیوٹی لگی پھر یہاں کے لوگوں کے' پہلے میں ان کی
تھا اب یہ میری' ویسے فراز باؤ! مہمان ہمارے بڑے اچھے لوگ ہیں۔ پہلی ملاقات میں ہی یوں لگتا ہے جیسے
ب سے شناسائی ہے' اب دیکھو نا باؤ صاحب!'' اب کے انہوں نے اسفند کو مخاطب کیا۔ ''میرا یہاں ہونا
از کے ذریعے بستی کمال پور کھینچ لایا ذرا واقعات کی ترتیب پر غور ضرور کرنا اور دیکھنا اللہ کیسے چکر چلاتا ہے۔''
اسفند کی سمجھ میں بغیر غور کیے ایک دم ان کی بات آ چکی تھی۔
''میں روایتی لفظ نہیں بولوں گا ماسٹر صاحب! مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی یا آپ بہت اچھے ہیں وغیرہ
دیکھا آپ سے ملاقات کے بعد میرے دل میں ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو اس بات سے ہو جائے گا کہ میں آپ
ت چاہوں گا کہ میرا دل اگر بار بار یہاں آنے کو چاہے تو میں آ سکتا ہوں۔ فراز کے ساتھ اور فراز کے بغیر بھی؟''
اسفند نے اچانک جو بات کہی وہ فراز اور منی باجی کو چونکا گئی تھی۔
''سو بسم اللہ باؤ صاحب! چشم ما روشن دل ماشاد' لے بھئی فراز! تیرا بیچ میں سے واسطہ ختم ہو رہا ہے۔ اب ہم
ملا کریں گے۔'' ماسٹر جی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔
''کوئی مسئلہ نہیں جی' میرے لیے یہ بھی اعزاز کی بات ہے۔'' فراز نے آگے بڑھ کر ان کے پیروں سے
جوتے سیدھے کرتے ہوئے کہا۔
''میرا خیال ہے' اب ہم چلتے ہیں' شام گہری ہو رہی ہے اور سفر لمبا ہے۔'' منی باجی نے اپنی رسٹ واچ پر نظر
ہوئے کہا۔
''اور تو فراز رکے گا یا ساتھ جائے گا؟'' ماسٹر صاحب نے اسفند کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔
''ساتھ ہی جاؤں گا' ماسٹر جی! صبح مجھے کالج بھی جانا ہے۔'' فراز کی اس بات پر سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے

ساری باتیں سنتی اور دیکھتی مانو ساکت ہوگئی۔

''بس اتنی سی دیر رکے گا یہ اور کوئی بات چیت بھی نہیں کرے گا' اس کا دماغ کتنا اونچا ہوگیا ہے۔''

''دعا کیجیئے گا ماسٹر جی! میرے لیے خاص طور سے۔ میں دو طرح کی صورت حال میں پھنس کر رہ گیا رہا ہوں۔ کوئی سرا' کوئی راستہ نہیں ملتا باہر نکلنے کا۔'' یہ الفاظ رخصت ہوتے ہوئے اسفند کے منہ سے ادا ہوئے تھے۔ ''کوئی کاغذ پینسل ہے پاس؟'' ماسٹر جی نے کرتے کی جیب سے عینک نکال کر آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہا۔

''یہ ہے جی۔'' فراز نے ہپ پاکٹ سے ایک چھوٹا پیڈ اور پین نکالتے ہوئے کہا۔ ماسٹر جی نے کچھ لائنیں لکھ کر کاغذ پیڈ سے اتار کر اسفند کو پکڑا دیا۔

……۞……

ڈیئر ڈائری!''

نجانے کیا بات ہے کہ جب بھی اندھیرا چھا جاتا ہے' اسی وقت میرا تم سے ہم کلام ہونے کو دل یا پھر یوں کہو کہ جب سب جانداروں سے نمٹ چکتا ہوں اور اپنے چہرے پر چڑھائے سب نقاب اتار کر تو مجھے اپنے اصل چہرے کے ساتھ تم یاد آ جاتی ہو۔ پیاری پہیلی! ایک تم ہی تو ہو جس کے سامنے میں وہ میں ہوں ورنہ کبھی کبھی تو مجھے اپنی اصل شکل بھی بھول جاتی ہے۔

اچھی دوست! کل جب میرے پاس سارہ کی دوست زینی کا فون آیا اس وقت میں سوچ ہی رہا کے متعلق کوئی ایسی خبر آنے والی ہے جو میرے کان کبھی سننا نہ چاہیں گے۔ اب کوئی بزرگ سنے تو کہے تو باپ ہی اولاد کے متعلق پہلے سے باخبر ہو گئے' کبھی پہلے وقتوں کی کوئی بات ہوتی تو میں کہتا غلط تصورات' احمقانہ کل سے سوچ رہا ہوں کہ بڑے بزرگ غلط بات تو نہیں کرتے تھے' یقیناً رشتوں کی بنیاد میں کچھ احساس پوشیدہ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے متعلق غائبانہ ہی کچھ نہ کچھ خبر دے ہی دیتے ہیں۔

سو جب زینی پاشا نے مجھے سارہ کی موجودہ کیفیت کے بارے میں بتایا تو مجھے ایسا لگا کہ یہ تو وہی تھا کہہ رہا تھا۔

ہاں ڈیئر ڈائری' اب لگتا ہے کہ باپ ہونا بڑا مشکل کام ہے۔ ادھر سارہ بقول زینی کے نشے کی لت ہے' اس کی مارکیٹ ڈاؤن ہو رہی ہے' اچھی پارٹیز نے اس کو آفر دینا چھوڑ دیا ہے۔ یہ سب بری خبریں ہیں خبریں ہیں مگر ان سب سے زیادہ بری خبر ڈیئر ڈائری' یہ ہے کہ سارہ' فیروز بھٹی کے جال میں بری طرح ہے۔ وہ اسے کٹھ پتلی کی طرح بقول زینی نچا رہا ہے۔

پیاری ڈائری' یہ محض الفاظ نہیں ہیں یہ دھماکے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی قیامتیں ہیں جو میرے ذہن رہی ہیں۔ میں نے کل یہ سب سنا آج میں سارا دن اپنے کام میں لگا رہا ویل کمپوزڈ بالکل ایسے جیسے کوئی نا ہوتا ہے' کتنی مجبوریاں ہیں آج کے جدید انسان کو ڈیئر ڈائری!

وہ چھوٹی چھوٹی قیامتوں کے درمیان گھرا ابھی خود کو بالکل نارمل ظاہر کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ڈپریشن کے دوروں میں مبتلا کرتا ہے' ٹینشین کی بیماری لگاتا ہے اینزائٹی دور کرنے کی دوائیاں کھاتا ہے اور ان سب کے حملے سے نہ سنبھلنے کی صورت میں دل کے دوروں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہاہاہا یہ انجام ہے انسان کا یہ میں خود سے کہہ رہا ہوں' خود اپنے آپ سے ڈیئر ڈائری' ویل گینڈ Well gained شاہنواز کمایا شاباش' اب باقی کی عمر یہ کمائی بیٹھ کر کھاؤ' بعد از موت بھی تمہارے کام آئے گی۔ بابا ہدایت اللہ کا

ہوں ڈیئر ڈائری کہ۔

''وہ مرد و زن جو بدکاری اور زنا اور حرام کاری میں مشغول رہے قیامت کے دن تھوہڑ کی بھجیا ان کا مقدر ہوگی کے لیے' اور پینے کے لیے آب زقوم۔ ڈنر' بریک فاسٹ اور لنچ سب اسی مینیو پر مشتمل ہوگا۔'' عبرت شاہنواز عبرت۔ یہ میرا دل کہہ رہا ہے ڈیئر ڈائری' جس کا حال یہ ہے کہ مرضی کے خلاف پلٹا کھا رہا ہے اور دم دم مجھ سے ہے کچھ کر لے شاہنواز احمد' کچھ کر لے وقت کم ہے' جو باقی رہ گیا ہے اس میں خود کے لیے کچھ ایسا کر لے جو اس سے بچ جانے کا سامان ہو سکے۔

آہ ڈیئر ڈائری! اب میں دوبارہ سے اپنا وہ چولا پہنتا ہوں جس سے دنیا مانوس ہے، کل اور آج سارا دن ذہن کے بعد ایک بہت نادر اور شاطرانہ ترکیب ذہن میں آئی ہے جس میں فیروز اور یاسین بھٹی سے نمٹنے کا دار مصالحہ موجود ہے۔ تو بھئی فیروز بھٹی باپ سمیت بچنے کا سامان کرو۔ اب میں اپنا کارڈ پھینکتا ہوں۔''

……۞……

''یہ ۱۹۶۵ء کا وار کا زمانہ ہے جس کی بات میں تم کو سناتا ہوں۔ جینس ڈارلنگ' تم تو نرسنگ کا فیلڈ میں بہت آیا اس جنگ کا زمانے میں' میں نے خود اپنی آنکھ سے نرسنگ والا لوگوں کو یوں زخمیوں کی خدمت کرتے دیکھا بچہ بھی اپنا فادر کا نہیں کر سکتا۔ یوں محسوس ہوتا تھا وہ میڈیسن سے متعلق ہر شخص جنگ لڑنے کا ایک حصہ ہو۔''

یہ انکل ڈینس تھے جو مفلوج جینس کے بیڈ کے پاس بیٹھے اس کو ادھر ادھر کی باتیں سنا رہے تھے۔ آنٹ سوسن' سوپ پلا رہی تھیں۔ جینس کا چہرہ دھلا ہوا تھا اور اس نے صاف ستھرے کپڑے بھی پہن رکھے تھے۔ اس کے سنورے ہوئے تھے' مگر اس کے چہرے اور آنکھوں کی پژمردگی اور ویرانی دیکھ کر کوئی انجان شخص بھی سمجھ سکتا ان کے ساتھ کوئی بڑا حادثہ گزر چکا تھا اور وہ ایک نارمل عورت نہیں رہی تھی' وہ کھوئی کھوئی نظروں سے مسلسل کی دیوار کو گھورے جا رہی تھی۔ شاید اس کی نظر کھلی کھڑکی سے نظر آتی منی پلانٹ کی اس بیل پر تھی جو ایلس نے کی جالی پر چڑھا رکھی تھی۔

''جینس ڈارلنگ! کیا تم سن رہی ہو؟''

آنٹ سوسن نے اس کا منہ نیپکن سے صاف کرتے ہوئے نرمی سے اس کا شانہ ہلایا۔ مگر رد عمل ہلانے لگیں۔

''ایدر کا لوگ ان لوگ کو کبھی یاد نا ئیں رکھتا جس نے کسی کو کھدمت کھا طر گیا' ہو' یہ لوگ اونلی اس کو یاد رکھتا جو ان (جوتا) کھینچ کر مارتا۔ نوبل لائف لیڈ کرنا والا آدمی کو یہ لوگ جھلا بولتا یو نو مینٹلی ریٹارٹڈ۔''

(یہاں کے لوگ کبھی خدمت کرنے والوں کو یاد نہیں رکھتے۔ یہ صرف ان کو یاد رکھتے ہیں' جو ان کو جوتا کھینچ کر یں۔ شریفانہ زندگی گزارنے والوں کو یہ ذہنی معذور سمجھتے ہیں۔) ایلس نے انکل ڈینس کے جواب میں کہا۔

''پورا ساؤتھ ایشین لوگ' ان کا پورا تین یا پھر چار جنریشن نے انگریز کا گلامی (لامی) کیا' سارا جندگانی (ان لوگ کو جوتا مارنا والا کھوب یاد رہتا' مگر کھدمت کرنے والا ان لوگوں کو یاد نا ئیں رہتا۔''

(یہ جنوبی ایشیا کے لوگ ان کی نسلوں نے ساری زندگی انگریز کی غلامی کی ہے ان کو جوتا مارنے والے لوگ یاد یا۔ خدمت کرنے والے نہیں۔)

''میں اس خدمت کا بات نہیں کرتا ایلس! میں تو اونلی ۱۹۶۵ء کا جنگ کا بات کر رہا ہوں جینس کو سنانے کے لا زمانے میں لوگوں میں جذبہ بڑا تھا' اپنے ملک سے محبت بھی بہت تھی' کیا مسلم کیا کرسچن سب ہی ایک کاز کے لیے لگے ہوئے تھے۔'' انکل ڈینس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''توتم کیا سمجھتا امارا جینس اتنا سال اور تماشا کرتا رہا نرسنگ میں۔'' ایلس نے ناراض لہجے میں کہا'' وہ اس کا ساٹھ (ساتھ) جس کو ابی ابی جذبہ بولا۔ نائیں ڈینس ام کھد (خود) آئی وِٹنس' لک ایٹ ہر (اس کو دیکھو) ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''تم دیکھا کیسا ایکسیلنٹ رزلٹ دیا ان لوگ نے اس کو۔ ان کیورایبل (نا قابل علاج) بیماری' نیس معذوری اور پیٹ کا بھوک۔ نو جاب نو پنی۔'' اس نے ہاتھ نچایا۔ ''پنشن کا پیپرز کا پرابلم ابھی تک حل نائیں''

(تمہارا کیا خیال ہے ہماری جینس اتنے سال نرسنگ میں تماشا کرتی رہی ہے۔ اس نے بھی خدمت جذبہ کے ساتھ جس کا تم نے ذکر کیا۔ پر اب اسے دیکھو' کتنا اچھا صلہ ملا ہے اسے نا قابل علاج بیماری۔ پیٹ کی بھوک' جاب بھی نہیں۔ پیسہ بھی نہیں۔ پنشن کا مسئلہ بھی ابھی تک حل نہیں ہوا۔)

ایلس پھر آوٹ ہونے لگیں۔

''خاموش ہو جاؤ ایلس!'' اس دوران مکمل بالکل خاموش بیٹھی آنٹ سوسن کو نجانے کیا سوجھی۔ سوپ کا پیالہ ساتھ دھری میز پر پٹخ دیا۔

''تم ان لمیٹڈ پرابلمز کا ذکر کرتے تھکتی نہیں ہو ایلس! جب تمہارے پاس آؤں' یہ ہی رونا سننے کو ملا بیمار ہوا' نوکری گیا' پیسہ بند ہو گیا۔ بس اتنا انٹرسٹ ہے تم کو اس فرشتوں مافق بیٹی سے۔ تم کبھی کھداوند کا شکر بھی ادا کیا کسی بات پر؟ تم نے دیکھا وہ ڈارلنگ بچی جس کو گاڈ نے بڑا صبر دیا۔ کیسا اس کو دیا گاڈ۔ کے کماتا' گاڈ نے تمہارا رزق روزی کو بند نائیں کیا ایلس! اس نے اپنا بلیسنگ (رحمت) کا ایک دروازہ کھول دیا۔ یہ اس کی مہربانی ہے تم پر۔ تم یہاں کا لوگ کا شکایت کرتا کہ وہ تھینک فل نائیں اے وہ کھ والے کو یاد نائیں رکھتا۔ تم بتاؤ تم ایور لونگ (ہمیشہ محبت کرنے والے) کھداوند (:داوند) کو کتنا یاد کرتا۔ تھینک فل ہے۔ اتنا سا بھی نائیں ایلس!۔''

آنٹ سوسن نے ہاتھ کے انگوٹھے اور پہلی انگلی کے درمیان ذرا سا فاصلہ رکھ کر دکھاتے ہوئے ''تم اتنا تھینک فل بھی نائیں اے اس گاڈ کا جس نے تمہارا ڈاٹر کو زندگی دیا' ایک بار پھو' یہ تو امارا مگج میں کہ تم جینس کا لائف کو نائیں کما کر تمہارا ہاتھ پر رکھتا تھا۔'' (اپنے مسائل کا ذکر کرتے نہیں تھکتی ہو' جب آؤ' یہی رونا سننے کو ملتا ہے جینس بیمار ہوا۔ نوکری گیا' پیسہ بند ہو گیا۔ بس اتنی دلچسپی ہے تمہیں اپنے فرشتہ سے۔ تم نے کبھی اللہ کا شکر بھی ادا کیا کسی بات پر۔ تم نے دیکھا تمہاری بچی کو اللہ نے کتنا نوازا۔ وہ محنت ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے رزق کا ایک در بند کیا۔ دوسرا کھول دیا۔ یہ اس کی مہربانی ہے تم پر۔ تم یہاں شکایت کرتی ہو کہ وہ شکر گزار نہیں' تم بتاؤ تم اس محبت کرنے والے اللہ کو کتنا یاد کرتی ہو' اتنا سا بھی نہیں۔ ناشکری ہو' تم اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں ادا کرتیں جس نے تمہاری بیٹی کو زندگی دی۔ تم جینس کے پیے نہیں روتی کے لیے روتی تھیں جو جینس کما کر تمہارے ہاتھ پر رکھتی تھی۔)

آنٹ سوسن نے دوبارہ سے پیالہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اسٹاپ اٹ' جسٹ اسٹاپ اٹ۔'' ایلس نے غصے سے فرش پر پاؤں مارتے ہوئے ہاتھ لہرا کے ہاتھ سے نیچے گرا دیا۔ ''یو بلڈی کالا عورت' ام کو گالی دیتا' ام کو ٹانٹ (طنز) کرتا۔'' انہوں نے ا رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم گیٹ لاسٹ' ام کہتا' گیٹ لاسٹ فرام ہیر۔'' (دفع ہو جاؤ یہاں سے) ایلس۔ کے اشارے سے باہر کا راستہ دکھاتے ہوئے کہا۔

''ریلیکس ایلس! ریلیکس'' انکل ڈینس ششدر ہونق بیوی کو نظر انداز کر کے ایلس کو بٹھا

اول تو بولتا نہیں ہے' اگر بولتا ہے' کبھی تو غلط ہی بولتا ہے۔'' انہوں نے الٹا بیوی کو ڈانٹا۔

''سوسن! تم

''یہ ای تو تم کالا لوگ کا بیماری اے' جیلس ہوتا' مرجاتا کسی کا اچھا جندگانی دیکھ کر' تم سوسن سارا عمر ام سے امارا گھر سے' امارا اڈریسز سے' امارا لائف سے' امارا بچہ لوگ سے' جب ای تو گاڈ تم کو تمہارا اپنا بچہ ہونا رہا۔ ام سے جیلس جو ہوتا پڑا۔ جادوگرنی اے تم مت کھدمت کرنا واسطے گیا کروامارا گھر' جادو کا پڑیا دیا۔ تم دوسرا لوگ سے گرام کو امارا بچہ لوگ کو پلاتا تمذ جادو کا ہانڈی میں کالا جادو والا کھچڑی لگا کر لاتا تم امارا جیلس کا واسطہ' جادو کا تم نے بویا' امارا کورٹ یارڈ (صحن) میں جب سے تم نے وہ بویا ام پر مصیبت کے تھیلے گرنے لگے۔''

(یہی تو تم کالوں میں بیماری ہے کہ تم حاسد ہوتے ہو۔ کسی کی اچھی زندگی دیکھ کر مر جاتے ہو۔ تم ساری زندگی سے حسد کرتی رہیں' میرے گھر سے' میری زندگی سے' میرے بچوں سے جب ہی تو اللہ نے تم کو بچے نہیں دیے۔ تم وں سے حسد جو کرتی ہو۔ تم جادو کی پڑیا گھول کر میرے بچوں کو پلاتی ہو۔ جادو کی ہانڈی کالے جادو والی کھچڑی پکا اتی ہو۔ جب سے تم نے ہمارے صحن میں جادو کی پھلیاں بوئی ہیں' ہم پر مصیبتیں آ رہی ہیں)۔

''شٹ اَپ ایلس! ام آج تک تمہارا سارا کرتوت دیکھتا رہا۔ ام تمہارا شیخیاں سنتا رہا۔ ام چپ رہا۔ ام بولا تم کو جان دیتا اے' کوئی ضرورت نہیں ہے ایلس کو ٹوکنے کا۔ وہ خوش ام خوش' مگر اب تمہارا رونا دھونا ام اس دن دیکھ رہا تھا جب سے جینس بیمار اپڑا۔ کیا ام کو مالوم نائیں کہ تم کس واسطے روتا۔ اور اگر اس واسطے نائیں روتا تو پھر ی گھڑی جینس کا جاب اور پے کا بات کیوں کرتا' کیوں کہتا ام' پینی لیس ہو گیا اے' بولو چالاکو' اب بولو۔''

(بکواس بند کرو ایلس! ہم آج تک تمہارے سارے کرتوت دیکھتے رہے۔ تمہاری شیخیاں سنتے رہے۔ مگر یہ کر چپ رہے ہیں۔ کیا ہم کو نہیں پتا تم کس لیے روتی ہو اور اگر اس لیے نہیں روتیں تو گھڑی گھڑی جینس کی اور تنخواہ کی بات کیوں کرتی ہو' کیوں کہتی ہو کہ تمہارے پاس ایک پیسہ بھی نہیں۔ بولو چالاکو۔ اب بولو۔

آنٹ سوسن چپ ہونے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ مزید چمک کو بولیں۔

''ڈینس! اس کالا جادوگرنی کو یہاں سے لے جاؤ ورنہ ام اس کا مڈر کر دیویں گا۔ اس کو لے جاؤ۔'' ڈینس' اس رنی کو یہاں سے لے جاؤ' ورنہ اس کا قتل کر دوں گی)

خود کو بے بس محسوس کر کے وہ ہسٹریائی انداز میں چلائیں۔ انکل ڈینس اس کو چھوڑ کر سوسن کا بازو پکڑ کے کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ایلس بے دم سی ہو کر کرسی پر ڈھے گئیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد نے سر اٹھایا۔ جینس بدستور سامنے کی دیوار کو گھور رہی تھی۔ اس کے منہ سے پانی بہہ رہا تھا اور آنکھوں سے رواں تھے۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

''ایک اور اٹیک' کھداوند ہیو مرسی آن می۔''

(مجھ پر رحم کر)

وہ سرعت سے اٹھیں اور ادھ کھلے دروازے سے بھاگتے ہوئے باہر نکلیں اور اونچی آواز میں ڈینس اور سوسن کو نے لگیں۔

......❁......

''کیا یہ فراز احمد کا نمبر ہے؟'' ''میں شاہنواز احمد بات کر رہا ہوں۔''

''یا اللہ ساری عجیب و غریب باتیں اوپر تلے میرے ساتھ ہی کیوں ہوتی جا رہی ہیں۔'' فراز نے دل ہی دل ہو چا۔ ''جی میں بات کر رہا ہوں۔''

''تم سے اس شام میں نے کہا تھا مجھ سے ملنے کے لیے آنا کسی وقت گھر' تم آئے نہیں پھر؟''

یہ کسی بھی شناسا سا آدمی کے لیے انتہائی اچنبھے کی بات ہو سکتی تھی کہ شاہنواز احمد جیسا آدمی ایک ایسے نوجوان بنانے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا اور تقریباً گم نام تھا خود فون کر کے گھر آنے کی دعوت دے رہے تھے۔ ''سر! میں بہ رہا اس شام کے بعد' اس لیے حاضر نہیں ہو سکا' جیسے ہی فرصت ملی ضرور چکر لگاؤں گا۔'' فراز نے مہذب انداز میں کہ

''دیکھو میاں! میں نے تمہاری وہ دونوں پینٹنگز دیکھی ہیں۔ جو تم نے کرو ایٹرز Crow eaters تھیں' گروپ ایگزیبیشن میں۔ میں تمہیں چند ٹیکنیکل باتیں سمجھانا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہتا ہوں مجھ سے ہی تمہارا پیچھا نہیں کر رہا میں۔'' ادھر سے جواب آیا۔

''میں سمجھتا ہوں سر! میرے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ آپ نے میرے کام کو اس قابل جانا واقعی مصروفیت کی وجہ سے نہ آ سکا۔ ان شاء اللہ جلد حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔'' فراز کو جان چھڑانا مشکل تھا۔ اس لیے مزید عاجزی سے بولا۔

''اور ادھر کیا تم آفتاب جمیل کے کسی یونٹ میں نوکری کر رہے ہو؟ میں نے سنا ہے۔'' ایک انتہائی سوال آیا۔

''جی سر!'' وہ ذرا حیران ہوا۔ ''آپ جانتے ہیں میں ادھر کام کر رہا ہوں آپ آفتاب جمیل صا یونٹس کے متعلق جانتے ہیں؟''

''قطعی جانتا ہوں' ان کو بھی اور ان کے یونٹس کو بھی' یہ البتہ معلوم نہیں' کہاں کپڑا بناتے ہیں' کہاں کہاں مرچیں پیستے ہیں۔''

''واللہ' سبحان اللہ۔'' فراز ان کے طنزیہ لہجے اور گفتگو پر جھوم سا اٹھا۔

''یہ وہی صاحب ہیں جن کا ایک بیٹا میری بیٹی سارہ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا رہا تھا۔'' ادھر سے مزید ہوا۔ ''بیٹی کا باپ ہوں میاں! ادھر ادھر کی' اس کے آگے پیچھے پھرنے والے لوگوں کی خبر رکھنا ہی پڑتی ہے۔''

پھر جیسے انہیں احساس ہوا کہ وہ فون پر ایسی بات کر رہے تھے جو ان کے مقام کے شایان شان نہیں تھی بدل گئے۔

''تم یہ بتاؤ کہ کب آ رہے ہو؟''

فراز کو ان کے اس دعوت نامے سے خوف سا آنے لگا تھا۔ اس کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے اہ اسے کیوں بلا رہے ہیں اور اس طرح کی بے سروپا باتیں کرنے کا کیا مقصد ہے۔

''میں نے کہا نا سر! میں جلد حاضر ہونے کی کوشش کروں گا' اب اجازت دیں۔ میری کلاس کا ٹائم ہونے والا

اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ بری طرح پچھتا رہا تھا کہ اس شام جب انہوں نے اسے قر گزرتے دیکھ کر ہاتھ ہلا کر روک لیا تھا تو وہ رک کیوں گیا تھا۔ جب کہ وہ یہ بھی ظاہر کر سکتا تھا جیسے اس نے ہی نہ ہو۔ پھر وہ نہ صرف رک گیا بلکہ ان کی نرم گفتگو' شفقت اور مربیانہ انداز دیکھ کر متاثر ہوتے ہوئے موبائل نمبر بھی دے بیٹھا تھا۔ شاید یہ اس کے اندر کے اس نوجوان کی خوشی اور تسلی کے باعث تھا جس کے تح بات پر ناز کر رہا تھا کہ ایک اتنے نامور شخص نے اسے اتنی اہمیت کے قابل جانا تھا۔ مگر اب اس فون اور ان کی اسے مخمصے میں ڈال دیا تھا۔

''دفع کرو یار!'' کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے خود سے کہا۔ ''کون سا کوئی زبردستی سمجھے اٹھا لے جا

بھی پریشان ہو رہا ہوں۔

دل جو ہے راہ نیک کا سالک
دنیا کے اوصاف کا مالک
جتنی بھلائی وہ کرتا ہے
عقدہ کشائی وہ کرتا ہے
چاہے باپ ہو چاہے ماں ہو
کیسا ہی عزیز جاں ہو
کوئی نہیں ہے دل پر فائق
دل سے ہے بہبود خلائق
دل ہی سے ہے شکل افادہ
کون ہے محسن دل سے زیادہ

اسفند نے ایک بار پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذ پر لکھی ان سطروں کو پڑھا' جسے گزشتہ دو ہفتوں سے وہ کوئی سینکڑوں ہ چکا تھا۔ یہ وہ الفاظ تھے جو بستی کمال پور کے ماسٹر ہدایت اللہ نے اس کی درخواست پر کہ اس کے لیے دعا کریں ردیے تھے۔ اور اس روز سے اب تک وہ انہیں اتنی مرتبہ پڑھ چکا تھا کہ یہ تقریباً اسے زبانی یاد ہو گئے تھے۔

چاہے باپ ہو چاہے ماں ہو
کیسا ہی کوئی عزیز جاں ہو
کوئی نہیں ہے دل پر فائق
دل سے ہے بہبود خلائق

س نے دل میں دہرایا' کیا وہ ولی اللہ ہیں۔ کیا ان کو کشف القلوب ہو جاتا ہے' یا یہ سب شعبدہ ہے۔ یہ تینوں اس نے کئی مرتبہ سوچی تھیں۔

''کتنی خاموشی سے فراز اس بار آیا اور چلا گیا۔'' مانو نے اپنے گھر کے چھوٹے سے باورچی خانے میں آٹا ہوئے سوچا۔ ''اتنے عرصے سے دل کو اس کے آنے کا انتظار تھا اور وہ صرف ایک جھلک دکھا کے چلا گیا۔ ہے کہ اس نے ڈھنگ سے مجھے پاس ہونے کی مبارک باد بھی نہیں دی۔ حالانکہ مجھے بڑی توقع تھی کہ وہ ے پاس ہونے پر بہت خوش ہوگا۔ مگر نجانے کیوں اس بار مجھے یہ احساس ہوا کہ جیسے اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہی نہ ہو' اور یہ ہے بھی ٹھیک وہ جن لوگوں کے نزدیک رہتا ہے' وہ لوگ اتنے پڑھے لکھے ہیں کہ محض پاس کر لینا کون سا بڑا کام ہے۔ ان کے نزدیک۔''

نو کو اس دن اسی طرح کی باتیں سوجھ رہی تھیں۔

راز اس کے بچپن کا ساتھی تھا' اور یہ حقیقت تھی کہ وہ اس کا مزاج آشنا بھی تھا۔ اور اسے فراز سے ہمیشہ اچھی توقع امگر اس بار اس کی آمد پر فراز کا بے نیازانہ رویہ اسے ہضم نہیں ہو پایا تھا۔ اور اسے اس کا شدت سے دکھ بھی تھا۔ اور یہ بھی تو سچ ہے کہ فراز کے ساتھ اتنے ماڈرن اور اونچے لوگوں کو دیکھ کر بھی تمہارے دل میں ایک انجانی

سی کھٹک پیدا ہوگئی ہے۔تمہارا پرامید دل جوفراز کوتمہاری بستی کا نشان امتیاز خیال کرتا ہے۔ڈوب ڈوب جاتا
جب وہ یہ سوچتا ہے کہ فراز کامیابیوں اور خواہشات کے حصول کی سیڑھی کوقدم بقدم پھلانگتا جارہا ہے اور تمہارا دل
بار یہ سوچتا ہے۔

کہ بستی کمال پور کے وہ باسی جوکامیابی کو پالیتے ہیں۔کیا ہمیشہ شاہنواز احمد کی طرح بستی کوخیر باد کہتے رہیں گے
اس نے گندھے ہوئے آٹے پرململ کا بھیگا کپڑا اپھیلاتے ہوئے خود سے سوال کیا۔

اس کا دل بار بار اثبات میں جواب کے طور پر دھڑک رہا تھا۔مگر شاید یہ وہ حقیقت تھی جسے تسلیم کرنے کو
کا دل بھی نہیں مان رہا تھا۔

......۞......

ان کی عینک ان کے ہاتھ میں لرز رہی تھی اوران کی ساکت نظریں انگریزی اخبار کے ہفتہ وار میگزین کے
صفحے پر جمی ہوئی تھیں جس پر ”A visit to our cultural scene“ کے نام سے ایک تفصیلی آرٹیکل
ہوا تھا۔اس مضمون میں لکھنے والے یا والی نے کسی گاؤں میں ہونے والے سالانہ میلے کا ذکر کیا تھا اوراس کی
رپورٹ بھی لکھی ہوئی تھی۔یہ رپورٹ مختلف تصویروں کے ساتھ چھپی تھی۔

میلے کے جھولوں اور دکانوں کی تصویریں بھی تھیں۔اس گاؤں کے لوگوں کی بود وباش عقائد اور نظریات
بھی تھا۔

شاہنواز احمد کے لیے یہ رپورٹ قیامت سے کم نہ تھی۔وہ عمر بھر یہ تصور نہ کرسکتے تھے کہ اس پس ماندہ
علاقے کی اس چھوٹی سی بستی میں جدید دور کا کوئی صحافی جاکراس قسم کی رپورٹ بھی بنا کرلاسکتا ہے۔ان کی نظر
مانوس ناموں کو کتنے عرصے بعد پڑھ رہی ہیں۔اوران مانوس مناظر کو کتنے عرصے بعد دیکھ رہی تھیں یہ انہیں خود
نہیں آرہا تھا۔

”کمال پور۔“انہوں نے آنکھیں سکیڑ کرایک مرتبہ پھراس علاقے کا نام پڑھا۔اوردل میں یاد کیا۔

”ہاں تو گزشتہ دن میں تو تھے میلے کے۔“پھرانہوں نے حساب لگایا۔

”اوہ میرے اللہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا حقیقت ہے۔“انہوں نے پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے
”کیا دنیا کے ساتھ ساتھ بستی کمال پور بھی اتنی ہی ترقی کرچکی ہے کہ لوگ وہاں جاکر وہاں کے میلے کی خبریں
لگے ہیں؟“انہوں نے عینک آنکھوں پر جماکرایکبار پھر مضمون نگار کا نام پڑھا۔

”رفعت آرام کریم۔“

یہ خاتون پہلے بھی کبھی کبھار اس اخبار میں مضمون لکھتی تھیں مگرانہوں نے کبھی ان کے مضمون کا تفصیلی مطالعہ
تھا۔مگر یہ مضمون انہیں بہت دور بہت پیچھے لے جارہا تھا۔پھرانہوں نے ایک بار پھراس مضمون کا ایک ایک لفظ
شروع کیا انہیں خیال گزرا تھا کہ شاید اس میں کسی شخصیت کا نام کسی خصوصی حوالے سے درج ہومگر ایسا کچھ نہیں تھا

”تو بابا جی......آپ اب نہیں ہیں؟“ان کے دل کوایک خیال آیا۔اورانکے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔

”اس بستی کی سیر پرمبنی بیس منٹ دورانیہ کی ڈاکومنٹری بھی تیار کی گئی ہے جوجلد ہی ایک پرائیویٹ ٹی وی
پر دکھائی جائے گی۔“

مضمون کی آخری سطر میں اطلاع درج تھی۔

......۞......

”للّی! مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ تم ہو۔“

لینا نے حیرت سے بھری نظروں سے للّی کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔اسے لگ رہا تھا جیسے وہ جس للّی
وقت دیکھ رہی ہے وہ کوئی اجنبی لڑکی ہے اور جس للّی کو وہ جانتی تھ۔وہ یقیناً کہیں گم ہوچکی ہے۔

”میں میں ہی ہوں لینا ڈارلنگ!“للّی نے اپنی میک اپ زدہ پلکیں ایک ادا سے اٹھاتے ہوئے مسکرا کرکہا“
شاید تمہیں میرا یہ روپ بدلا ہوا لگ رہا ہے۔دراصل میرا اسٹیٹس بدل گیا ہے نا اب۔“اس نے اپنے لابنے گلابی
نیل پالش سے سجے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں!“لینا نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے لب بھینچ کرسر ہلایا”تم ٹھیک کہہ رہی ہو تمہارا اسٹیٹس اوراس
کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ بدل چکا ہے للّی!تم واقعی اس خواب کی تعبیر والی دنیا میں زندگی گزار رہی ہوجوتم نے
اپنے لیے ہمیشہ دیکھے تھے۔شاید یہ ہی وہ تعبیر تھی جس کی خاطرتم نے آنٹ جینس کو اتنے دکھ پہنچائے جس کا انہوں نے
سوچا بھی نہ ہوگا۔اور جس کی خاطرتم گرینی کے جیولز (زیورات) چرا کرلے بھاگیں تم بڑی مبارک باد کی حق دار ہو للّی!
تم نے جو چاہا وہ پایا۔“

”دراصل بات یہ ہے لینا!“للّی نے مختلف قسم کی انگوٹھیاں جو اس نے ہاتھ کی انگلیوں میں پہن رکھی تھیں
گھماتے ہوئے کہا۔”ایک عرصہ تک تم لوگوں نے مجھے یہ کرو وہ نہ کرو قسم کی باتوں میں الجھا کرمنزل تک پہنچنے سے رو
کے رکھا۔میں بھی کتنی بے وقوف تھی۔کتنے ہی مواقع پر میں نے صرف مام کی خاطرخود کو کچھ پانے سے روکا اور پھر
جب میں نے دیکھا کہ بات ایسے نہیں بننے کی تو میں نے خود کو ان سب فضول سوچوں سے آزاد کردیا اور دیکھ لو اب
میرے پاس سب سلام کرتے ہیں۔یہ جو ساری نوکر شاہی ہے نا اس ملک کی اس میں میرے اتنے پرستار ہیں کہ گنتی
نہیں۔کئی ان میں سے مجھے گھر آفر کررہے تھے امیر ترین لوگوں کے علاقوں میں مگر میں نے انکار کردیا۔یہ جو میرا
گھر ہے۔ڈیفنس میں۔یہ مجھے ایک پروڈیوسر نے لے کر دیا ہے جس کے ڈرامے میں بغیر معاوضے کے کروں گی
مرنے تک۔یہ زندگی ہے مس لینا کزن ڈیر!جو آپ کی طرح کے لوگوں کو نہیں ملتی جو گاڑیوں میں لوگوں کو کھانے
تقسیم کرنے اوران سے گھنٹی بجانے پر بھاگے پھرنے کو رزق کمانا کہتے ہیں۔جو زندگی تم گزار رہی ہو وہ جہنم

ہے جہنم' دیکھو میرے بڑے لوگوں سے تعلقات بن چکے ہیں کہو تو تمہیں بھی چانس دلوا دوں اسی قسم کے۔"
لینا بدستور اس کو غور سے دیکھتی رہی۔ اس نے اس کی اس بات پر دل ہی دل میں لعنت بھیجی' وہ ا
بھڑکیلے لباس' شوخ میک اپ' رنگے ہوئے سرخ بالوں اور اداؤں کو دیکھ کر ہی بخوبی سمجھ چکی تھی کہ وہ کر
گزار رہی ہے۔

"تم یہ بتاؤ کہ آج یہاں کیسے آئیں؟" اس نے اس کی ساری بات کا جواب میں کہا جو للّی کو یقیہ
تھا۔

"میں مام کو لینے کے لیے آئی ہوں۔" اس نے ناک سکیڑ کر کہا۔ "ان کی جو حالت میں سنتی ہو
قابل ہے کہ اس قابل رحم ماحول میں وہ زندگی گزاریں۔ اب جبکہ میں ان کے لیے بہترین علاج' ملازم
رہائش افورڈ کر سکتی ہوں تو وہ کیوں یہاں رہیں۔ وہ میری ماں ہیں اور میرا ہی حق و فرض ہے ان کو سنبھالنے

"حق و فرض۔" یہ دو الفاظ لینا کو حیران کر گئے۔

"للّی! اتنے مہینوں کے بعد تمہیں یہ دو باتیں یاد آئیں جو تمہارے ذمے تھیں؟"

"طنز مت کرو لینا!" اس کے مزید بولنے سے پہلے ہی للّی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"مجھے بہتر پتا ہے کہ مجھے کب کیا کرنا چاہیے۔ تم خود سوچو' کیا اس سے پہلے میرے حالات ایسے ت
کو کہیں اور لے جاتی۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے مجھے کتنی محنت کرنا پڑی۔"

"بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں' تمہیں کتنی محنت کرنا پڑی۔" لینا نے زیر لب کہا۔

"میرا خیال نہیں کہ آنٹ جینس تمہارے ساتھ جانے پر تیار ہو جائیں گی۔ وہ تو شاید تم سے ملنا
کریں۔ کیونکہ جب بھی کبھی تمہارا ذکر ان کے سامنے آیا۔ انہوں نے ناگواری کا اظہار کیا ہے' مجھے افسو
موجودہ مقام پانے کو کوششوں کے دوران تم ان کے اچھے جذبات گنوا چکی ہو۔" لینا نے صاف گوئی سے کہا۔

"یہ تمہارا خیال ہے' مجھے ان سے ملنے دو' مجھے پتہ ہے کہ جذبات دوبارہ کیسے جیتے جا سکتے ہیں۔"
للّی نے اندر جانے کے لیے قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔ لینا صحن میں کھڑی رہ گئی۔ اس نے آنکھیں ب
یہ للّی تھی جس کے ساتھ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ للّی تھی جس کے ساتھ اس کا بچپن اور نوجوانی گزری تھ
پڑھائی' ان کے کھیل' کئی دوست' کئی یادیں مشترکہ ہوا کرتی تھیں' مگر اب وقت کتنا بدل چکا تھا۔ لینا نے
کھولیں۔

"سب کچھ بدل گیا شاید' سب کچھ' مجھے یقین ہے للّی! تم جس مقصد کے لیے آئی ہو' وہ پورا نہیں ہوگا۔
کیونکہ بدقسمتی سے تمہاری ماں کو تم سے زیادہ میں جانتی اور سمجھتی ہوں۔"

اس کو توقع کے عین مطابق اندر کمرے سے شور اور بحث کی آوازیں ابھرنے لگی تھی۔ گرینی چلا رہی تھ
ان کو جواب میں با آواز بلند بول رہی تھی۔

"تم اچھا کریکٹر کا نہیں اے' ام کو تمہاری شکل دیکھ کر ہی پتا چل گیا تھا' ام جینس کو وارن کیا ام بولا
تمہارا یہ ڈاٹر اپنا نسل کا سارا گند اپنا ساتھ لے کر دنیا میں آنکھ کھولا۔"

ام اس کا پورا پور جاننا الا اے' ام بتایا جینس کو اس کو اس کا بات بنائیں مانا اپنا مدر ہڈ کا وسطہ دیا۔ بولا
گود میں گروم ہوئیں گا تو اپنا آپ اچھا ڈارلنگ بچہ بنیں گا۔ پر یہ لک جینس! گندا کھون (خون) گندا ای رہ
کھون (خون) سے کھباثت (خباثت) نائیں جانے کا۔" (تمہاری فطرت اچھی نہیں ہے یہ ہم نے تمہاری

زی جان لیا تھا۔ ہم نے جینس کو ہزار مرتبہ متنبہ کیا کہ تمہاری اس بیٹی نے اپنی نسل کی ساری گند اپنے ساتھ لے کر
نیا میں آنکھ کھولی ہے۔ اس کو اس کے باپ کے سپرد کر دو۔ مگر جینس نے ہماری بات نہیں مانی اور کہا کہ مام! یہ
ہاری گود میں پلے بڑھے گی تو اچھی بچی بنے گی۔ مگر گندا خون گندا ہی رہتا ہے۔)

گرینی یہ بات بھلائے کہ کچھ عرصہ پہلے وہ للّی کی طرح دنیا کی پروانہ کرنے والوں اور اخلاقیات کو اپنے
نے کی رکاوٹ نہ بنانے والوں کو شاباش دے رہی تھیں' للّی پر حسب معمول چیخ رہی تھیں۔

"ہاں' میں کسی بدفطرت کی اولاد ہوں کسی بہت ہی کمینے شخص کی' میری رگوں میں زمانے بھر کے ذلیل شخص کا
ن دوڑ رہا ہے۔" للّی غالباً دانت پیس کر بولی تھی۔ "لیکن میں تمہاری طرح بے نکاحی ماں کی اولاد ہرگز نہیں ہوں'
کا ایسے بے غیرت ماں باپ کی اولاد بھی نہیں ہوں جو اپنی کمائی کی خاطر تمہارے جیسے نین نقش کی بیٹیوں کو پیشے پر
دیتے تھے۔ ذرا یاد کرو گرینی! تم کس کس کی بے نکاحی بیوی رہی ہو ماضی میں؟ گرینڈ پا تو بہت بعد میں ملے تمہیں
ہوں نے تمہیں شرافت کی لائن پر لگانے کی کوشش کی' اس سے پہلے تم کیا کرتی رہی ہو۔ مجھے بدنسل کی اولاد کہنے
پہلے یہ بھی یاد رکھو کہ میری رگوں میں صرف میرے نادیدہ باپ کا ہی نہیں تمہاری طرف سے ملنے والی جینز کی
ت کا بھی اثر ہے۔ تو پھر اگر تم الٹے سیدھے کام کر کے کما سکتی تھیں کسی لارڈ کی اولاد صاحبہ' تو میں ایسی زندگی گزار
اپنے لیے زندگی کی آسائشات کیوں نہیں کما سکتی؟۔ مت بولو' مت چیخو گرینی! کیونکہ یہ جو حمام ہم نے سجا رکھا ہے
ں میں ہم سب ننگے ہیں' آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے کو بے شرم کہنے سے کیا ہوگا۔"

لینا نے ایک بار پھر آنکھیں سختی سے بند کر کے للّی کے منہ سے اگلتے تلخ حقائق کو حلق سے اتارنے کی کوشش
۔ اس کی آنکھوں میں جیسے مرچیں سی بھر گئیں۔

"اور آپ نے ماما!" پھر وہ جینس سے مخاطب ہوئی۔ "یہ کہا کہ تمہاری گود میں یہ گروم ہوگی تو اچھا ولا ڈارلنگ
بن جائے گی۔ کتنی بھولی اور سادہ تھیں آپ۔ بھلا گندگی کی گود میں بھی کسی صاف چیز نے سر اٹھایا ہے۔ آپ خود تو
نیت کی خدمت میں مصروف رہیں اور ہمیں حوالے کر دیا ان کے جو تمام عمر ہمیں خاندانی امارت کے جھوٹے قصے
نا رہیں جبکہ حقیقت میں تھیں ایک پیشہ ور آیا کی اولاد' بیلے ڈانسر۔ سینکڑوں شاموں میں جسم تھرکا کر لوگوں کے دل
نے والی مس ایلس روز عرف گلابی بلا......"

"شٹ اَپ للّی! شٹ اَپ!" لینا نے دل ہی دل میں کہا۔ "اتنی ننگی حقیقتیں جن کا ہم سب کو علم ہے' زبان سے
کر دینے کے نتیجے میں کیا نہیں ہو جائے گا۔"

"اور وہ جیولز (زیورات) جو میں نے بقول گرینی کے چرائے یا چھین کر لے گئی' پوچھیں ان سے کہاں سے
ئے تھے ان کے پاس۔ اگر لارڈ صاحب کی وراثت سے ملے تھے تو اس قابل رحم فوٹو البم کے ساتھ ساتھ وہ بھی
ں کو کیوں نہیں دکھائے جاتے تھے۔ مگر ایک ہینڈ باجے کے ماسٹر کی اولاد کے پاس خاندانی جواہرات موجود ہونے
نا ماننا۔ اسی لیے چھپا چھپا کر رکھتی رہیں' کیونکہ وہ خاندانی جواہرات تھے ہی نہیں۔ وہ تو مس ایلس روز عرف گلابی
جسم کا معاوضہ تھے تو مائی ڈیئر گرینڈ مدر! جو چیز جس طریقے سے آتی ہے اسی طریقے سے چھن جائے تو شور مچانا
مائی عقل مندی ہے۔"

للّی کی تلخ کلامی حد سے بڑھنے لگی تھی۔ آنٹ جینس کی بے بس غوں غاں اور اٹھنے کی کوشش میں ادھر ادھر لگتے
ماکی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ گرینی شاید غصے اور بے بسی کے عالم میں ایک بار پھر للّی پر پل پڑی تھیں اور باہر
رکی لینا اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو روک نہیں پا رہی تھی۔ اسے خود اپنا جسم بھی مفلوج لگ رہا تھا جس کو وہ کوشش

کے باوجود ہلا نہ پا رہی تھی۔

''چھوڑو مجھے گرینی۔'' للّی گرج کر کہہ رہی تھی۔ اس نے گرینی کو پیچھے دھکا دیا تھا کرسی گرنے کی ا باہر تک آئی تھی۔ ''یہ تمہارے اندر کی شکست ہے جو تمہیں بار بار مجھ پر ہی حملہ آور کرواتی ہے۔ میں کہتی ہوں سیدھے میرے ساتھ چلو' بڑا آرام ہے میرے فلیٹ میں' اے ٹو زی جدید سہولتیں' بڑھیا لباس' عمدہ خورا رنگ برنگی دنیا' وہ دنیا جو کبھی تمہاری تھی۔ اب میری ہے اور مریا کسی احمق ڈی سوزا کے چکر میں آ کر زندگی کا بھی کوئی ارادہ نہیں۔ زمانہ تیز ہو چکا گرینی! تم تو صرف زندہ تماشوں نا ور ہوٹلوں کے فلورز پر ناچتی تھیں کی سی ڈیز دنیا بھر میں جاتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔ میرے ڈرامے جس تھیٹر ہال میں لگتے ایڈوانس بکنگ مکمل ہو چکی ہوتی ہے چار دن پہلے ہی' ہاؤس فل ہفتے گزرتے ہیں میرے ڈراموں کے کے۔ پیسہ تم نے کہا تھا نا پیسہ سب سے بڑی چیز ہے۔ تو یہ دیکھو پیسہ کتنا ہے میرے پاس۔'' بیگ کی زپ کھ آئی' ''دیکھو کتنا پیسہ۔۔۔۔۔''

اندر سے کوئی چیز ٹوٹنے کی آواز پر لینا کے ساکت جسم میں حرکت ہوئی اور وہ اندر بھاگی۔ آنٹ اٹھنے کی کوشش میں سائڈ ٹیبل پر رکھے شیشے کے جگ کو ہاتھ مار کر نیچے اگرا دیا تھا ان کی آنکھوں اور چہرے تھی۔ وہ خونخوار نظروں سے للّی کو دیکھ رہی تھیں اور بے بسی سے اپنے مفلوج جسم کو حرکت دینے کی کوشش کر گرینی ساکت کھڑی ایک ٹک للّی کے بیگ سے نکلنے والے نوٹوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ لینا نے آگے بڑھ جینس کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ماما! میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ میرے ساتھ چلو شہر کے بہترین ڈاکٹروں کا علاج بہترین خوراک نگہداشت۔؟''

للّی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بات شروع کی۔ آنٹ جینس نے وحشت بھری نظروں سے لینا کو دیکھا رہی ہوں' اس کا سر پھاڑ ڈالو۔'' لینا خاموشی سے ان کا ہاتھ سہلاتی رہی۔

''چلا رہی ہو نا ماما؟'' للّی نے ایک مرتبہ پھر پوچھا۔

''للّی! تمہیں اندازہ نہیں ہو رہا ان کی حالت کا؟'' بالآخر لینا کو بولنا پڑا۔

''انہیں تمہاری باتیں اچھی نہیں لگ رہیں۔ اور تم انہیں تکلیف پہنچا رہی ہو۔ شاید تم نہیں جانتیں کہ ایک ہلکے اٹیک سے اٹھی ہیں۔''

''ہونہہ۔'' للّی نے پاؤں پٹخا۔ ''میری باتیں اچھی نہیں لگ رہیں۔ لینا میں تمہیں یاد دلاؤں' یہ میرا اور میری ہی باتیں انہیں اچھی نہیں لگ رہیں۔''

''اں!'' اب کے لینا کی آواز بھی بلند ہوئی۔

''انہیں تمہاری باتیں اچھی نہیں لگ رہیں اور یہ تم جانتی ہو کہ انہیں کبھی بھی تمہاری باتیں اچھی نہیں بھی حقیقت ہے کہ ان کی اس معذوری اور اس حالت کی بہت حد تک تم ہی ذمہ دار ہو۔''

وہ اپنی اس تلخ کلامی کے دوران کن اکھیوں سے آنٹ جینس کو دیکھ رہی تھی۔ تا کہ اسے اندازہ ہو حالت کیا ہو رہی ہے۔

''کہاں ہیں ان کے بیگ؟'' للّی کچھ دیر لینا کو غور سے دیکھتے رہنے کے بعد اپنی ہائی ہیل پر گھو مڑی۔ ''میں ان کے کپڑے اور دوسری چیزیں پیک کروں گی۔''

''اوں' آں۔'' آنٹ جینس کے حلق سے بلند آواز نکلی اور ساتھ ہی انہوں نے ہاتھ مار کر قریب ہی میز پر دھرا گرا دیا۔

''وہ تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتیں للّی! احمقانہ باتیں مت کرو۔ تم نے دیکھا ان کا ری ایکشن کیا ہے تمہاری لینا نے اس کو توجہ دلائی۔

''تم کیوں کود رہی ہو اس معاملے میں۔ یہ میری اور میری ماں کی بات ہے تمہیں کیا حق ہے اس میں بولنے للّی نے درشتی سے کہا۔

''للّی! جینس تمارا ساتھ نا ئیں جائیں گا۔ تم ام کو گالی دیا' تم ٹھیک کیا۔ ام گالی سننے کا قابل ای اے' پر جینس نے والا کوئی کام نا ئیں کیا۔ پھر تمہارا شکل میں چلتا پھرتا گالی اس کا فیٹ (مقدر) میں لکھا اسے' سو وہ اس کو سننا ہے۔ تم اس کا حال پر رحم کرو اور ادھر سے چلا جاؤ۔ جینس کا طبیعت اڑ بڑ ہو گیا تو اس کے لیے بی اور اما را الیے بی برا ہو گا۔''

للّی! جینس تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔

تم نے ہم کو گالی دی تم نے ٹھیک کیا ہم گالی سننے کے قابل ہیں۔

پر جینس نے گالی سننے والا کوئی کام نہیں کیا۔ تمہاری شکل میں چلتی پھرتی گالی اس کے مقدر میں لکھی ہے۔ تم کے حال پر رحم کرو' اور ادھر سے چلے جاؤ۔''

گرینی اپنے مزاج کے برعکس خاصے تحمل سے بولیں۔

''ماما! تم خود بتاؤ۔'' للّی نے جینس کی طرف دیکھا۔ ''کیا واقعی تم میرے ساتھ جانا نہیں چاہتیں؟'' جواب کے نس کی طرف دیکھا۔ ''کیا واقعی تم میرے ساتھ جانا نہیں چاہتیں؟'' جواب میں جیسن کا سر نفی میں ہلا۔ اس کی ں میں غصہ اور تاسف تھا اور اس کا چہرہ وحشت زدہ لگ رہا تھا۔

''افوہ!'' للّی نے بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کا مکا سا بنا کر مارتے ہوئے کہا۔ ''جب میں کچھ نہیں کرتی تھی' میں آوارہ پھرتی تھی اور گھر نہیں آتی تھی اس وقت بھی ناراضی اور غصہ تھا اور اب جب میں ایک مقام اور نام بنا وں خود اپنی روزی کماتی ہوں' تب بھی مجھ ہی پر غصہ ہے۔ ہیل ود آل دس۔''

اس نے سر ہلا کر کہا۔

''ٹھیک ہے' تم لوگ نہیں دیکھ سکتے' مت دیکھو۔ اور ماما! تم میرے ساتھ جانا نہیں چاہتیں۔ مت جاؤ پڑے ی قابل رحم کمپاؤنڈ میں اور کھاتے رہو پنشن کے پیسے۔ تم لوگ اسی قابل ہو کیونکہ یہ بڑھیا۔'' اس نے گرینی کی اشارہ کیا۔ ''خود اپنی جوانی میں عیش' آرام اور رنگ رلیاں منا کر اب یسوع کی بھیڑ بننے چلی ہے اور ساتھ تم ما کو بھی لگائے رکھنا چاہتی ہے۔ بس لگے رہو اس کے پیچھے' ماما یہ تمہاری پینشن اور لینا تمہاری کمائی ساری جو شاید اسے زیادہ ساڑھے پانچ ہزار روپے ہو گی کھاتی رہے گی۔ اور تم لوگوں کو ساتھ لگائے رکھے گی۔ بہت اچھے۔'' نے ایک مرتبہ پھر سر ہلا کر کہا۔ ''تم لوگوں کی قسمت۔''

''شٹ اپ للّی۔'' لینا نے چیخ کر کہا۔ ''بہت بکواس ہو چکی' اب تم اپنا راستہ دیکھو' جس قسم کی زندگی تم گزار رہی ہے جس بیچارا روپیہ تم کما رہی ہو۔ وہ تم ہی کو سوٹ کرتا ہے' ہمیں ہماری اس قابل رحم زندگی میں جینے دو' ہم یہاں ہی ٹھیک ہیں۔''

''تم بہت اسمارٹ ہو لینا۔!'' للّی نے واپسی کے لیے مڑتے ہوئے اس کے قریب رک کر کہا۔ ''تم یہ ساری

ذمہ داریاں کیوں لے رہی ہو؟ میں اچھی طرح جانتی ہوں' تمہارا انٹرسٹ بھی' ماما کی پنشن میں ہے۔ انٹر دنیا میں کوئی بندہ کوئی کام نہیں کرتا۔

تم بھی ایسی ہی ہو۔ ویسے تمہارے فراز کا کیا حال ہے؟ اس نے تمہیں پر پوز نہیں کیا اب تک۔ سنا اور تمہاری دوستی بہت زوروں پر جا رہی ہے۔ گرینی! پھر وہ بلند آواز میں بولی۔ ''تمہاری لیناڈارلنگ مذہب کے تمہاری بیٹی جینس کی طرح ایک مذہب تبدیل کر کے تمہاری بیٹی جینس کی طرح ایک مسلمان سے نکاح تمہیں کیسا لگے گا' اور اس نکاح کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو۔ کیا مستی ہے یار! ہر کوئی تاک لگا کر بیٹھا موقع ملے کب کچھ اچک لیا جائے۔ او کے۔''

اس نے دروازے کی دہلیز پر رک کر ان سب کو مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ ہلایا۔

''وِش یو گڈ لک' اس سب میں جس میں تم لوگوں کا اپنا اپنا انٹرسٹ ہے۔ اگر کبھی اس گھر میں ویڈنگ کا خاص تجربہ ہو چکا ہے۔ تمہاری ویڈنگ پر تو میں مور ناچ ناچوں گی۔'' وہ مڑی اور لمبی ہیل پر ٹک ٹک کرتی گئی۔

''خلاص۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ان کے بت بنے جسموں میں ذرا جان پڑی تو گرینی نے بیٹھ کہا۔ ''امارا ملینز کا جیولرز گاڈ نوز کہاں بیچ کھایا' ام چرچ کا ویلفیئر میں دینا مانگتا تھا۔ ابی ام چرچ کو کچھ بھی د سکتا۔ باقی اس للی کا جندگانی تو خلاص ہوا۔ ڈیسٹرکشن (تباہی) ٹوٹل لاس (مکمل نقصان) جینس ڈارلنگ! ام کبھی نا ئیں کرنا' وہ تمہارا واسطے سمجھو کبھی تھا ہی نا ئیں تھ' اسی واسطے ام بولتا تھا کہ للی کسی خنزیر کا اولاد اے۔'' گالیوں کی گردان شروع ہو گئی تھی۔

لینا نے آنٹ جینس کی طرف دیکھا۔ وہ گرینی کے منہ سے نکلنے والی ہر گالی پر نفی میں سر ہلا رہی تھی مگر بول نہ پا رہی تھیں۔ کیسی بے بسی تھی۔ اس نے سوچا اور اس کی نظروں کے سامنے کاغذ کا وہ ٹکڑا ناچ گیا جو اِ نامہ تھا۔

.......۞.......

''اسفی ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے' آفتاب! اس حقیقت کو مان لیں۔'' رابعہ آفتاب نے ڈریننگ کے سامنے بیٹھے ہاتھوں پر لوشن ملتے ہوئے آفتاب جمیل کو مخاطب کیا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گئے۔

''آپ کیا نہیں سمجھے۔ میں نے تو بہت صاف الفاظ میں بات کہی ہے۔'' وہ جھنجھلا کر بولیں۔

''رابعہ! اسفی کوئی اس عمر کا لڑکا تو ہے نہیں جس عمر میں بچے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں۔ وہ اچھا بھلا سمجھ ہے۔ اس کے ہاتھوں سے نکلنے کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔''

''اسی طرح آپ کو شہری کی ایسی صورت حال سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ یاد ہے آپ کو' اور پھر جب وہ اا میلر کی بیٹی سے شادی کرنے چلا تھا تب آپ کی آنکھیں کھلی تھیں۔'' رابعہ اپنا مطلب سمجھانے کے لیے پوری ان کی طرف گھوم گئیں۔

''ہوں۔'' وہ بے دھیانی میں بولے۔ انہیں اس بے وقت کے موضوع پر بات کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا رابعہ کے چھیڑے ہوئے موضوع سے فرار بھی ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

''کیا ہوں؟'' رابعہ چڑ کر بولی تھیں۔ ''آپ میری بات کو سن اور سمجھ بھی رہے ہیں یا نہیں۔ آفتاب! ایسا

دنے لگا ہے کہ آپ میری بات صرف سن رہے ہوتے ہیں۔ آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اس میں۔''

''ایسی بات نہیں ہے' میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا اسفند بھی کسی لڑکی کے چکر میں پڑ گیا ہے جو تم اس کے ہے نکل جانے کا ذکر کر رہی ہو۔'' اس تنبیہی لہجے پر وہ چونک کر گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے بولے۔

''ضروری نہیں کہ ہر بار چکر لڑکی کا ہی ہو۔ اسفی' شہری سے بالکل مختلف تھا' طبیعتاً' تھا نا؟''

''ہاں میرا خیال ہے۔''

''مگر اب آپ دیکھ نہیں رہے کہ وہ شہری کی دوسری کاپی بنتا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ میں نے شہری کو نہیں دیا ہے۔''

''ہیں ایں۔'' آفتاب صاحب ان کی بات پر بری طرح چونکے۔ ''ان کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آئی تھی اتنی گہری بات کر سکتی ہیں۔

''مثلاً اس نے ایسا کیا کیا ہے جو تمہارے ذہن میں یہ بات آئی؟'' وہ پھر جان بوجھ کر انجان بنے۔

''آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس قسم کے کاموں میں الجھا ہوا ہے۔ سوشل ورکر اور ریفارمر بنا پھر رہا ہے۔ اس نٹ میں موجود بیلنس اگر ایک خاص حد سے بڑھنے لگے تو اتنی سرعت سے اسے خالی کرنے پر لگ جاتا ہے کہ ا حیران رہ جائے۔''

''کہاں خالی کرتا ہے۔؟'' آفتاب صاحب تھوڑے سنجیدہ ہوئے۔

''اسی سوشل ورک پر جس کا میں نے ابھی ذکر کیا۔ کسی کو مہینے کا راشن پہنچا رہا ہے۔ کسی کو مخصوص رقم دے رہا ا کا علاج کروا رہا ہے۔ تو کسی کو پکڑ کر اعلیٰ تعلیم دلوا رہا ہے۔ مختلف قسم کے سیٹ اپ بنا رہا ہے' جہاں کہیں یتیم ے جا رہے ہیں تو کہیں معذور بچے۔ خود اپنی زندگی میں کوئی دلچسپی رہی ہی نہیں اسے۔''

''اور کیا کرتا ہے؟'' آفتاب صاحب نے مزید ٹوہ لی۔

''اور ایسے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے' جن کی کمپنی اسے بالکل سوٹ ہی نہیں کرتی۔ ایک تو وہ منی باجی ہیں' ان کی ر چلانے والی۔ یہ ان کو گرو بنائے پھرتے ہیں۔ وہ انہیں میلوں ٹھیلوں میں لے جاتی ہیں۔ اسٹریٹ ڈرامے ا کبھی کسی بابے سے ملاتی ہیں تو کبھی کسی درویش سے ملاتی ہیں۔ وہاں ان کے ڈیروں پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ے اور نجانے کن دنیاؤں کی گفتگو ہوتی ہے۔ وہاں اسلام آباد' پنڈی میں مرکز بنایا ہوا ہے اسی منی کے سرکل میں' ال باقاعدہ میٹنگ ہوتی ہے اور یہ بلاناغہ شرکت کرتا ہے اس میں۔ آپ دیکھیں یہ ساری کی ساری شہری والی ں کہ نہیں ہیں۔؟''

''اور تمہیں یہ ساری معلومات کہاں سے ملیں بائی داوے۔؟'' آفتاب صاحب نے گہری سوچ سے نکلتے چھا۔

''میرے اپنے سورسز ہیں' میں نے کئی لوگ لگائے ہوئے ہیں اسفی کی مصروفیات پر نظر رکھنے کے لیے' میں بے خبر نہیں بیٹھی آپ کی طرح۔ آپ کو تو صرف اس بات سے غرض ہے کہ آپ کی فلاں فیکٹری اور فلاں مل کو لک نے والا کوئی ہے یا نہیں۔ ایک وہ لڑکا ہے جو نجانے کس گاؤں سے آیا ہے اس کے لیے ان داتا بنے ہوئے ہیں ے' میں کہتی ہوں آفی! ہمیں اس سے بات کرنا چاہیے' اسے سمجھانا چاہیے' اسے مجبور کرنا چاہیے یہ جو اتنے پر پوزلز ہیں ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے۔ بہت ہو چکی من مانی اور ہم دونوں کو نظر انداز کرنے کی ادا وہ خاصے غصے میں تھیں۔

''اگر میری رائے پوچھتی ہو نا رابعہ! تو یہ حماقت کبھی نہ کرنا' تمہیں یاد ہے نا کہ ایسی ہی کوشش ہ
ساتھ بھی کی تھی۔ ایسے ہی اسے بھی اپنی بات مان لینے پر مجبور کیا تھا یاد ہے نا؟'' آفتاب صاحب سرگوشی
میں بولے۔ ''اور پھر کتنے عرصے تک بلکہ شاید اب تک مجھے خود اپنی ہی سوچوں کے بھوت آ آ کر ڈرا
نے اپنی بیٹے کو کس راستے پر ڈالنا چاہا' جوان راستوں کا مسافر تھا ہی نہیں۔ مت کرنا ایسے رابعہ! مر
ساتھ ایسی۔'' وہ جیسے کسی خیال میں گم تھے۔

''پھر کیا کروں۔'' رابعہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہینڈ لوشن کی شیشی ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخنے
میری قسمت میں اولاد کا کوئی سکھ نہیں ہے؟۔ کیا مجھے وہ دن دیکھنا نصیت نہ ہوگا جب کبھی دوسری
سب کو بیٹے کی شادی میں بلاؤں گی۔ بھوت آ کر نہیں ستاتے کہ ہم نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھ
کمزور پڑنے کی حماقت نہیں کروں گی۔ آفتاب! میں اسفی سے اپنی بات منوا کر ہی چھوڑوں گی۔''
انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور آفتاب صاحب صرف ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے۔

.......✿.......

ڈیئر ڈائری!

دیکھو کتنے دن کے بعد میں نے تمہیں کھولا ہے۔ اگر تم ایک جان دار شے ہوتیں تو ضرور میری
پر مجھ سے ناراض ہو جاتیں۔ مگر یہ ہی تو ایک فائدے کی بات ہے کہ تم میری ایک ایسی سہیلی ہو جو صرف
اپنی نہیں کہتی۔ اگر کوئی جان دار دوست ہوتا تو میری سن کر کچھ اپنی کہتا۔ پھر بحث ہوتی۔ پند و نصائح
اور معاملہ چوپٹ ہو جاتا۔ ایک بات اور یہ ہوتی کہ میں تم سے ڈر کر اپنے دل کی بات کبھی تم سے نہیں
ذات میں بند پڑا گھٹتا رہتا۔ جب ہی تو میں سوچتا ہوں کہ تم میرے لیے کتنی بڑی نعمت ہو۔

جہاں تک تعلق ہے تم سے اتنے دن ہم کلام نہ ہو سکنے کا' تو ڈیر ڈائری' تمہیں کیا بتاؤں کہ کیس
اس دنیا میں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں اور پھر بھی انسان پوچھتا ہے کہ خدا کہاں ہے۔ اگر ہے تو نظر کیوں
تم ہی بتاؤ کہ ایک روزنامے میں بستی کمال پور میں گزرے ایک دن کا احوال پڑھنا میرے لیے کیسی
ثابت ہوا ہوگا۔ ایسی حیرت کہ ایک دن تو میں تقریباً گنگ ہی ہو کر رہ گیا تھا۔

ڈیئر ڈائری' بستی کمال پور اس نوجوان کی بستی ہے جس کی کہانی میں تمہیں اتنے عرصے سے سنا
پیر شاہ زمان کا میلہ لگتا ہے' ہر سال ایک مقررہ تاریخ پر' تو ڈیرا ڈائری' اس سال بھی لگا ہوگا وہ میلہ
یہاتوں سے سادہ لوح معصوم لوگ آتے ہیں اور ایک دن کی رونق دیکھ کر لوٹ جاتے ہیں۔ یہ بستی
اور پس ماندہ علاقے میں واقع ہے جہاں کسی اخباری نمائندے کا پہنچنا بہت ہی ناممکن سی بات ہے۔
سہیلی یہ الگ بات ہے کہ آج کل میڈیا واقعی بہت ترقی کر گیا ہے اور بڑے لوگوں کو کلچر کا بخار اڈ گرا
ہے۔ سو یہ لوگ کبھی اسٹریٹ تھیٹر کے نام پر' کبھی پنجابی ثقافت کے نام اور کبھی غیر معروف علاقوں
میلوں کی نقشہ کشی کر کے اپنے تئیں کلچر کو فروغ دے رہے ہیں۔

بے اری بستی کمال پور بھی شاید کسی ایسی ہی کوشش میں ان کے ہتھے چڑھ گئی۔ اب اس سے آ
سے بھی عجیب ہے۔ اس آرٹیکل میں یہ بات درج تھی کہ اس بستی سے متعلق ایک مختصر دورانیے کی دستاو
کی گئی ہے جو جلد آن ایر جائے گی۔ سو یار لوگوں نے کہا۔ دھیان رکھنا کہ کب یہ فلم آن ایر جائے گی۔
کا واقعہ ہے کہ فلم آن ایر ہوئی ایک بڑے چینل پر اور ڈیر ڈائری' بتاؤں اس کا ٹائٹل کیا تھا۔''

Sai''(ایک چھپا ہوا درویش)
مں سمجھتا تھا کہ وہ اپنی جس ذہانت و فطانت کے جھنڈے گاڑنے کی کوشش کرتا تھا وہ محض دھوکا تھا۔ دراصل
ے پاس محدود علم اور زبانی جمع خرچ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ مگر اس روز دنیا نے ضرور دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے دھریک
درخت کے نیچے بیٹھا حقے کی نے منہ سے لگائے' پنی مخصوص مسکراہٹ سمیت بیٹھا' ادھر ادھر دیکھتے ہوئے عام
ل ہی عام سی گفتگو کر رہا تھا۔ مگر فلم کے پس منظر میں چلتی انگریزی زبان کی کمنٹری اس کی تعریف میں زمین آسمان
قلابے ملا رہی تھی۔

''وہ صوفی ہے' درویش ہے' معلم ہے' ولی ہے' وہ اپنی ذات میں انجمن ہے۔ مگر اس قدر مخفی ہے کہ پاس سے
زرتے ہوئے کو بھی پتہ نہیں چلتا ہوگا کہ وہ کتنی بڑی شخصیت کے قریب سے گزر رہی ہے۔''
''یہ الفاظ تھے بیک گراؤنڈ میں چلنے والی آواز کے۔ میں نے وقت کی اس چال پر غور کیا ڈیئر ڈائری' تو نجانے
وں اور کیسے مجھے اپنے گریبان میں جھانکنے پر بھی مجبور ہونا پڑا اور بہت سارے جمع تقسیم کرنے پڑے۔ مجھے ایک
آئینہ بھی دیکھنا پڑا۔ پیاری سہیلی' مجھے اس مقام کو بھی جانچنا پڑا جہاں میں کھڑا ہوں۔ خود کو نمایاں کرنے اور نمایاں
ھنے کے لیے کون سی سعی تھی جو میں نے نہیں کی۔ پھر وہ مخفی شخص اچانک اسپاٹ لائٹ کے نیچے کیسے آ گیا؟ اچانک
لیے' بے خبری میں' بغیر کسی کوشش کے۔

اس مختصر فلم کی ساری کہانی اس کی شخصیت کے گرد گھوم رہی تھی۔ اس کی تاریخ' اس کے کارنامے' اس کی گفتگو'
اس کی عاجزی اور انکساری کے تذکرے تھے۔ بستی کمال پور کی خوش قسمتی کا ذکر بھی تھا اس کے حوالے سے جو پیچھے رہ
گیا تھا۔ اس کے حوالے سے نہیں جو آگے بہت آگے نکل آیا تھا۔

وقت کی چال کبھی کبھی بہت الٹا قدم چلتی ہے ڈیر ڈائری' سو ایسا ہی اس سلسلے میں بھی ہوا ہے۔ میں اس روز
ے قد کاٹھ ناپنے میں مصروف ہوں بابا ہدایت اللہ کا بھی اور خود اپنا بھی' مگر شاید میں اس کوشش میں ناکام رہوں۔
کیونکہ اس سلسلے میں کسی غیر جانبدار منصف کی ضرورت ہے' جو کہاں سے آ سکتا ہے؟ سو یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سلسلے
کا کوئی فیصلہ ہو پائے۔

سو ڈیئر ڈائری' میرا خیال ہے کہ اب تو تم تم ناراض نہیں ہوگی' مجھ سے کہ میں نے اتنے دن سے تمہیں ہاتھ
کیوں نہیں لگایا۔ اب دیکھو نا قلب پر ایسی ایسی وارداتیں گزر رہی ہوں تو کسی کافر کا دل چاہے گا کوئی اور کام کرنے
کو۔

دوسرا مسئلہ سارہ کا ہے۔ جس کا فون مجھے پچھلے ہفتے آیا۔ اس نے بتایا ہے کہ وہ زندگی اور دنیا سے مایوس ہو چکی
ہے۔ بقول اس کے تمام عمر میں نے اس سے اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا جو اس کا حق تھا۔ اس لیے وہ یہ نہیں سمجھتی کہ میرا
اس پر کوئی حق ہے۔ وہ اپنے کیریر کو بھی خیر باد کہنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی نہ اسے سکون ملتا ہے نہ تسلی۔
اب وہ دبئی کے کسی ڈریس ڈیزائنر کے ساتھ مل کر کوئی پراجیکٹ شروع کرنا چاہ رہی ہے جس میں اس کا پچاس فیصد
حصہ ہوگا۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ اس کا خیال ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے تعلق کو بھول کر اپنی اپنی زندگی
گزارنی چاہیے۔

سارہ کی دوست زینی پاشا کے بقول اس نے سارہ کا علاج نشہ چھڑوانے والے کسی معروف ڈاکٹر سے کروایا
ہے۔ اور اب اس کی جسمانی اور ذہنی صحت بحال ہو رہی ہے۔ زینی کے بقول وہ بہت بدل چکی ہے۔ اور یہ بھی کہ میں
فی الحال اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کروں' کیونکہ وہ میری ذات سے مکمل طور پر باغی ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ وہ اپنے ساتھ ہونے والے تمام کرائسز کا ذمہ دار مجھے سمجھتی ہے۔ زینی کا کہنا ہے کہ سارہ کسی بہت بڑے بحران سے گزر رہی ہے۔ جس کی مجھے کانوں کان خبر نہیں ہوئی اور نہ ہی میں ایک باپ کی طرح اس کی تسلی کے لیے آگے بڑھا۔

ڈیئر ڈائری! تم نے دیکھا میں کہاں کھڑا ہوں اور میرا قد کاٹھ کیا ہے؟۔ مجھے دیکھو اور میری تنہائی ایک وہ' جو زندہ اور مجسم ذہنی آسرا تھی' یوں باغی ہوئی۔ ایک وہ' جو اب دنیا کی نظر میں مخفی درویش کی حیثیت چکا' بہت پیچھے رہ گیا۔ ایک نوسرین تھی جو دنیا کی دھول میں غائب ہوگئی۔ میں صدا بھی دوں تو گنبدِ بے در میری آواز واپس لوٹتی ہے۔ دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر اور میرا دماغ سائیں سائیں کرنے لگتا ہے۔

ٹھہرو ڈیئر ڈائری' میں ذرا ایک پیگ چڑھا لوں۔ اور پھر جھوم کر گنگناؤں۔

میرے دل میرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ "زمیں" بدر ہوں ہم تم
کہ "زمیں" بدر ہوں ہم تم

سوری ڈیئر ڈائری! میرا ہاتھ بہکنے لگا ہے اور قلم ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ سوٹاٹا۔ پھر ملیں گے۔

"اسفند بھائی! آپ میری مانیں تو سارہ شاہنواز والا قصہ دل سے نکال دیں۔ وہ بیچاری تو خود اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہی۔ آپ اسے مزید کیوں تنگ کریں گے۔"

فراز نے اسفند کے استفسار پر جواب دیا۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے اسفند کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم یوں کہو کہ جو دعویٰ تم نے کیا تھا کہ سارے حقائق کو تم کھوج لو گے۔ اس میں ناکام ہو گیا ہوتا تو خود آپ کے سامنے اعتراف کرتا ایمانداری سے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ میں ناکام نہیں ہوا۔ میں ہی تو آپ کو یہ خبر سنا رہا ہوں کہ وہ بے چاری تو خود بڑے ذہنی بحران سے گزر رہی ہے۔ وہ بلیک میلر فیروز آپ کو بھی آ کر اس کی خبریں سناتا رہتا تھا اور آپ کو مجبور کرتا تھا کہ آپ اپنے بھائی سے اس کے تعلق کا کھوج لگائیں۔ وہ مکمل طور پر اسے بلیک میل کر رہا ہے۔ وہ اس سے الٹے سیدھے کام کرواتا ہے اور روپیہ کما رہا ہے۔ اس کو آپ کا اوا دے کر اس نے اس قدر خوفزدہ کر دیا ہے کہ وہ اس کی ہر بات ماننے پر مجبور ہے۔"

"یہ ہی تو......" اسفند نے سیدھا کھڑے ہوتے ہوئے میز پر ہاتھ مارا۔ "کیوں میرے ذکر اور میری وجہ سے وہ بلیک میل ہو رہی ہے۔ کیوں میرا ڈراوا دیتا ہے' فیروز بھٹی اس کو' میرے ساتھ کیا تعلق ہے اس کا۔ اور میں کیا میں اس کا کچھ بگاڑ لوں گا۔ دیکھا تم نے خود ہی اپنی بات کی نفی کر دی کہ میں اس کا پیچھا چھوڑ دوں۔ آخر وہ کیا ہے جس کے کھلنے کا اسے ڈر ہے۔ وہ کیا چیز ہے جو اسے ہانٹ کر رہی ہے۔" وہ جیسے اسے جتاتے ہوئے بولا۔

"چلیں فرض کر لیتے ہیں کہ آپ کے بھائی نے اس سے خفیہ نکاح کیا۔" فراز نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور پھر بدقسمتی سے ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ تو اس لڑکی کے ساتھ ٹریجڈی ہوئی پھر اس کے بعد کیا تعلق رہ گیا کسی بھی بات سے۔ ایک بات جو غیر حقیقی طریقے سے شروع ہوئی' اس کا خاتمہ ہو گیا اس ایکسیڈنٹ کے ساتھ ہی اب اور کیا جاننا باقی ہے۔؟"

"اس خفیہ شادی اور شہری کی ڈیتھ کے درمیان بھی بہت کچھ ہوا ہے فراز صاحب! مجھے اس کا ہی پتا لگانا

بھی معلوم کرنا ہے کہ شہری کے ایکسیڈنٹ کے وقت وہ اگر اس کے ساتھ تھی تو کہاں بھاگ گئی پھر۔" اسفند نے بات پر اڑتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں!" فراز نے اس کی تائید کی۔ "اس نکاح اور اس ایکسیڈنٹ کے دوران ایک بڑا واقعہ رونما ہوا۔ ایک بچہ دنیا میں آیا' جس کے بارے میں آج تک علم نہیں ہو سکا کہ وہ کن والدین کا بچہ تھا' اور اب کہاں ہے۔"

"وہ بچہ ہی تو میرے تجسس کی بنیاد ہے فراز! تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ مجھے اس لڑکی سے یہ ہی تو پوچھنا ہے کہ اس نے بچہ کہاں غائب کر دیا اور وہ کس کا بچہ ہے' میں نے تمہیں لندن کے نرسنگ ہوم کا ریکارڈ بھی دکھایا تھا۔ اور اس میں درج نام تم نے دیکھے تھے۔ اگر وہ شہری کا بچہ ہے تو پھر تم جان سکتے ہو کہ میرے احساسات کیا ہوں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں' خوب سمجھتا ہوں اسی لیے کہتا ہوں کہ اگر کوئی حقیقت ہوگی تو اپنے آپ ہی سامنے آ جائے گی آپ کیوں ٹینشن لیتے ہیں۔" فراز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"خوب!" اسفند نے اسے غور سے دیکھا۔ "یہ بھی یقیناً آپ کے استادِ محترم کا فرمان ہوگا۔"

"بجا فرمایا۔" فراز سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "ایسی حکمت کی باتیں انہوں نے ہی بتائی ہیں اور ہم نے آزما بھی ہیں' اور تجربہ بتاتا ہے کہ غلط نہیں ہیں۔"

"درست کہتے ہو تم' چلو تمہارے کہنے پر صبر کرتے ہیں اور حقیقت کے سامنے آنے کا انتظار کرتے ہیں۔" اسفند نے بات سمیٹنے کی کوشش کی۔

"میرے کہنے پر یا یہ سن کر کہ یہ ماسٹر جی کا فرمان ہے۔" فراز شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"فراز! یہ بتاؤ کہ تم ماسٹر صاحب کو کیا سمجھتے ہو؟" اچانک اسفند کو کچھ خیال آیا۔

"ماسٹر صاحب کو۔" فراز نے سوچتے ہوئے کہا۔

"انہیں میں اپنا استاد سمجھتا ہوں' اپنا راہ نما بلکہ جامِ جہاں نما۔"

"جامِ جہاں نما۔" اسفند نے دہرایا۔ "اس سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"اصل میں اسفند بھائی! ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے کہ جب بھی مجھے دنیا کی کسی حقیقت کو سمجھنے میں دشواری ہوئی بالکل ہی نامحسوس طریقے سے ماسٹر جی کے ساتھ گفتگو کے دوران اچانک میری مشکل دور ہو گئی۔ اکثر تو خصوصی طور پر وہ موضوع چھیڑے بغیر ہی' اب شاید کوئی دوسرا شخص میری بات پر یقین نہ کرے مگر حقیقتاً ایسا ہی ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" اسفند نے نیچی آواز میں کہا۔ "فراز کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ جو تم یہاں مصوری اور مجسمہ سازی کے میدان میں کام کر رہے ہو' ایک ایسا کام جو تمہارے ماسٹر جی کو قطعی پسند نہیں۔ اس کے بارے میں وہ نہیں جانتے ہوں گے۔"

فراز نے اس بات پر کرسی پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدلا کچھ دیر خاموش رہا پھر ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

"اسفند بھائی اپنی اس ناپسندیدگی کے پیچھے انہوں نے اپنی ایک قیمتی متاع کھو دی۔ انہیں معلوم ہو بھی تو اب قطعی طور پر وہ یہ موضوع نہیں چھیڑیں گے نہ ہی اس پر غصہ کریں گے۔ وہ ذکر ہی نہیں کریں گے کسی سے۔ مانو ہے نا' ام کلثوم آپ کو یاد ہوگا۔" اس نے اسفند کو دیکھا۔

"وہ تمہارے گاؤں کی واحد بی۔ اے پاس لڑکی۔" اسفند نے کہا۔

"بالکل......" وہ مسکرایا۔ "اس مبینہ کلثوم نے کئی بار میری شکایت ماسٹر جی سے لگائی کہ میں تنکے لے کر گیلی مٹی کی گڑیاں بناتا ہوں۔ ایک بار وہ میری کاپی بھی پکڑ کر ماسٹر جی کو دے آئی جس میں میں نے خواتین کے رسالوں

میں لکھے اشعار پر تصویریں بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت میں غالباً سیکنڈ ایئر میں پڑھتا تھا۔ میں ڈرتا رہا
ان کے سامنے نہیں گیا۔ مگر انہوں نے نہ مجھ سے' نہ میری اماں سے' کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ
میں' اشاروں کنایوں میں سرزنش ضرور کی۔ میں سمجھ رہا تھا مگر انجان بن گیا۔ اس کے بعد مانو نے بھی میری
نہیں لگائی۔ اور نہ ہی ایسا موقع پھر ملا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اگر انہیں معلوم ہے بھی تو وہ ذکر نہیں کریں گے"
اس نے تفصیل سے بتایا۔

"تو پھر تم ان کے سامنے کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ تم یہاں پر پڑھائی کے علاوہ اور کیا کیا کر رہے ہو؟"

"میں کبھی ذکر نہیں کروں گا اسفند بھائی! کچھ باتوں کا ذکر نہ کرنا ہی اچھا ہے۔ اور پھر یہ ماسٹر جی کی
ہی تو نتیجہ ہے کہ میں ماسٹرز کر رہا ہوں۔ اور اپنے شوق کو میں نے ثانوی حیثیت دے رکھی ہے۔ حالانکہ
یہاں آیا تھا مجھے صرف ایک اعلیٰ درجے کا مصور بننے کا جنون تھا۔ اب میری ترجیحات خود بخود بدل گئی ہیں۔
کا سہارا مل گیا اور میرا رخ پڑھائی کی طرف ہو گیا۔ روزی روٹی کا مسئلہ بھی آپ کے توسط سے حل ہو گیا ورنہ
خاطر بل بورڈز پینٹ کرنا میری مجبوری ہی رہتی۔ اب دیکھیں میں اپنی پڑھائی میں اتنا مصروف ہو گیا
تصویریں بنانے اور مجسمے بنانے کے لیے وقت ہی کم ملتا ہے۔ آپ واقعات کے تسلسل پر غور کریں اسفند
معنی کے کئی در کھل جاتے ہیں' اس سارے میں۔"

"ویسے ہی' جیسے ماسٹر جی اس روز کہہ رہے تھے کہ ان کا بستی کمال پور میں موجود ہونا' مجھے تمہارے تو
وہاں لے گیا۔" اسفند نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی' بالکل ایسے ہی۔" فراز مسکرایا۔ "اب لگتا ہے کہ آپ کچھ کچھ سمجھنے لگے ہیں۔"

اسفند نے اپنے ٹیبل کی دراز میں کچھ تلاش کرتے ہوئے کہا۔ "تم یہ سناؤ تمہاری لیڈیز کا کیا حال ہے
جو ٹاپ کیا ہے اپنے امتحان میں' اس پر لیڈی ایلس نے تم کو وش نہیں کیا' بمعہ گفٹ کے۔ اور مس للی عرف چ
نے تم کو کوئی چھچھا تا تحفہ نہیں دیا۔" اس نے شرارت سے فراز کو دیکھا۔

"اسفند بھائی! ان لوگوں کی حالت قابل رحم ہے۔ آج کل۔" فراز نے۔ گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔
ایلس عمر بھر جس خواب کی تعبیر پانے کے لیے ایک یوٹوپیا میں قید رہیں اس کی دیواریں اب ٹوٹ رہی ہیں'
دراڑیں پڑنے لگی ہیں۔ جینس ڈی سوزا کی حالت قابل رحم ہے۔ للی عرف بلبل لاہور کا لوکل تھیٹرز میں طو
ہے۔ وہ گھٹیا پن اور لچر کلچر کا بری طرح شکار ہو چکی ہے۔ ہر واہیات پروگرام کی سی ڈی کے ٹائٹل پر اس کی تص
ہوتی ہے۔ انتہائی بے ہودہ قسم کی' اور ایک وہ ہے لینا ڈی سوزا جو ان ساری سچویشنز میں خود کو ثابت قدم رکھنے
میں جی جان سے لگی ہوئی ہے۔ ایسے میں وش کرنا اور گفٹ بھیجنا کس کو سوجھتا ہے۔"

"یار! ہم لوگ ان کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔؟" اسفند نے اس ساری صورتحال کو سننے کے بعد
پوچھا۔

"کسی طرح بھی نہیں۔" فراز نے نفی میں سر ہلایا۔ "کیونکہ ان کو کسی مالی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی
ضروریات جیسے تیسے پوری کر لیتی ہیں۔ باقی ذات کے جس بحران کا وہ شکار ہو چکی ہیں۔ اس سے تو اللہ ہی ا
سکتا ہے۔"

"منی باجی ذکر کر رہی تھیں کہ وہ لینا ڈی سوزا کی ماں کے متعلق پتا کروانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ان
کوئی آنٹی مری کانونٹ میں کام کر رہی ہیں۔ ان کے ذریعے۔" اسفند کو یاد آیا۔

"یہ بھی ایک مشکل کام ہے اور اگر ہو بھی جائے تو لینا کا ہی کوئی مسئلہ حل ہو گا۔ جو ویسے بھی کسی خاص مسئلے سے
ہیں۔ کیونکہ اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں۔"

"تم لینا کو اکثر بہت اچھا کہتے ہو۔ خیریت تو ہے؟" اسفند نے مسکرا کر کہا۔

"خیر ہی خیر ہے۔" جواب میں وہ بھی مسکرایا۔ "فکر نہ کریں کیونکہ میں تو بہت سے لوگوں کو برا نہیں کہتا۔ سارہ
از کو بھی۔ حالات انسان کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔ اس سے ہم اس کی اصل شخصیت دریافت کرنے کا کوئی پیمانہ
نہیں بنا سکتے۔"

"تم سے بات کر کے دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ تم خوش قسمت ہو فراز! دوسروں کو چند لمحوں کے لیے پریشانی کی دنیا
سے باہر نکالنے کا باعث بنتے ہو۔" اسفند نے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

"اچھا میں اب چلتا ہوں' آج مجھے سیمی پراچہ سے ملنا ہے' وہ جو جیولری ڈیزائن کرتی ہے۔"

"اور تم کہتے ہو کہ تمہارا یہ شوق ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔" اسفند نے اسے یاد دلایا۔

"یقیناً" فراز نے سر ہلایا۔ "آپ دیکھیں کہ شوق کے دائرے بھی بدل رہے ہیں۔ مصوری اور مجسمہ سازی
سے ڈیزائننگ کی طرف مولڈ ہو رہا ہوں۔ جوں جوں اس میدان کا دائرہ کار وسیع ہو رہا ہے توں توں ذہن سوچ رہا
ہے کہ میں تو یہ بھی بہت اچھا کر سکتا ہوں۔" "چلیے" دیکھتے ہیں کہ آپ جیولری ڈیزائننگ میں کیا کارنامے انجام
دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم تو آپ کی کامیابیوں پر خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔"

"بہت شکریہ' اچھا جناب اللہ حافظ۔" وہ سیلوٹ کے سے انداز میں سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

اسفند اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا' اور سوچ رہا تھا کتنی بڑی تبدیلی آئی تھی اس لڑکے کی شخصیت میں۔ وہ فراز جو اس
پہلی مرتبہ لیڈی ایلس کے گھر میں ملا جو بہت جھینپا ہوا' شرمیلا سا لڑکا تھا' جس میں خود اعتمادی کا فقدان تھا۔ وہ کہیں
بہت پیچھے رہ گیا تھا' یا شاید گم ہو چکا تھا۔ اب جو فراز اس کے سامنے تھا وہ ایک پراعتماد' سمجھ دار کامیابیوں کی منزلیں
طے کرتا ہوا انسان تھا جس کے سارے مخفی جوہر رفتہ رفتہ کھل کر سامنے آ رہے تھے۔ اور پالش ہو رہے تھے۔ کبھی کبھی تو
اسفند کو وہ خود اپنے آپ سے زیادہ پراعتماد اور پرسکون لگتا تھا۔ بڑی سے بڑی پریشانی میں بھی نہ گھبرانے والا اور خود
دوسروں کو مشورے دینے والا۔ اس کی موجودگی اسے اپنے لیے بہت بڑی تسلی اور دلاسا محسوس ہوتی تھی۔

"واقعی' واقعات کے تسلسل پر غور کرنے بیٹھو تو معنی کے کئی در وا ہو جاتے ہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے
آنکھیں موند لیں۔

......۞......

"لے بھئی! مبینہ کلثوم! تیری کتابوں اور نوٹس کا پارسل آ گیا ہے لاہور سے تو ایسے ہی خفا ہو رہی تھی کہ فراز کو تو
پروا ہی نہیں اور وہ چاہتا ہی نہیں کہ تو ایم اے کرے۔"

ماسٹر جی نے خاکی رنگ کا ایک پارسل مانو کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ مانو کا دل کھل اٹھا۔ اس خوشی میں
کتابیں ملنے کا عمل دخل زیادہ تھا یا پھر فراز کی توجہ کا' وہ اندازہ نہیں کر پائی۔

"اور یہ دیکھ۔" انہوں نے اخبار کا ایک ٹکڑا اس کے سامنے رکھا۔ "وہ جو اس روز بی بی آئی تھی نا فراز کے ساتھ
پلید دیکھنے' دیکھ اس نے اس بستی کے بارے میں کیا لکھا ہے اخبار میں۔" مانو نے اخبار کا صفحہ اپنے سامنے پھیلایا۔

"ہاں ماسٹر جی! یہ تو دربار ہے پیر شاہ زمان کا۔" وہ تصویر دیکھ کر چلائی۔ "اور یہ دیکھو پا امین اور پا شرافت
دکان لگا کر بیٹھے ہیں نان پکوڑوں کی اور یہ چاچا مالک لنگر کھا رہا ہے اور یہ دیکھو' چاچی شریفاں اور چاچی نور۔" اس

کی حیرت اور شوق دیدنی تھا۔

''اوبس دیکھ ساروں کو تصویروں میں۔ کیا کیا ہونے لگا ہے اب۔ بستی کمال پور کی خبریں لاہور کے اخبار اخباروں میں چھپنے لگی ہیں۔ دیکھ ساری تاریخ لکھی ہے بستی کی اس میں۔ ایک وہ ہیں جنہوں نے بستی کا نام رکھا اور ایک وہ ہیں جو نام مشہور کر رہے ہیں۔ ہیں فرق فرق شخصیتیں نا۔ کس سے اللہ نے کیا کام لینا ہے' یہ وہ ہی جانتا ہے۔'' وہ حقہ گڑ گڑاتے ہوئے بولے۔ مانو ان سنی کر کے تصویریں دیکھ رہی تھی اور مضمون کا متن پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

''یہ اس نے لکھا ہے' اس منی نے جو باجی ہے یا پھر جو باجی ہے اور منی بھی۔'' وہ اپنی کہے جا رہے تھے۔ ''کہتا...... ہے ماسٹر جی! اب میں گاؤں آیا تو آپ کے لیے کمپیوٹر لاؤں گا اور اسے آپ کو چلانا سکھاؤں گا۔ آپ وہ سی ڈی دیکھئے گا جو منی باجی نے تیار کی ہے' آپ پر اور سب ہی پر۔ اب میں بڈھا کمپیوٹر سیکھوں گا' جھلا ہی ہے۔''

''ماسٹر جی! میں یہ اخبار سب کو دکھا لاؤں؟'' مانو جوش سے اٹھی۔

''ہاں' ضرور دکھا مگر پھاڑنا یا خراب نہیں کرنا۔ اب یہ تو ریکارڈ ہو گیا نا ہمارا' اس لیے اس کو سنبھالنا ہم نے ہے۔''

مانو کو ان کی رضامندی ملنے کی دیر تھی' وہ بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

۞

''مجھے کچھ کھونے کا غم نہیں' سوائے مہدیار کے۔'' وہ اپنے سامنے بیٹھی لڑکی سے مخاطب تھی۔

''تم اس کو خود چھوڑ آئی ہو' یہ بات یاد رکھو۔'' اس کی مخاطب نے کہا۔

''ہاں مگر اس کو چھوڑ دینا اتنا مشکل کام تھا' جتنا مشکل کام میں نے عمر بھر نہ کیا' نہ کروں گی۔ شاید دنیا کی ہر عورت کے اندر خدا نے ممتا کا خانہ رکھا ہوا ہے' جب ہی وہ شادی شدہ ہو یا نہ ہو' ماں بنے یا بنے' ممتا ہی غالب ہے اس پر۔''

''شاید اسی لیے وہ بچہ تمہارے حواسوں پر سوار ہو گیا ہے۔ کوئی بات نہیں' یہ کچھ عرصہ کی بات ہے پھر تم خود بھول جاؤ گی۔''

''وہ محض ایک بچہ نہیں ہے' وہ ایک وعدہ تھا' ایک قول جس کو عمر بھر نبھانے کا ارادہ کیا تھا میں نے' مگر دیکھو کتنی کمزور نکلی۔ کتنی بودی' کتنا ناتواں تھا میرا ارادہ' ریت کی دیوار ثابت ہوا مسائل کے سامنے۔ میں اسے چھوڑ کر بھاگ گئی۔ اب سوچتی ہوں نجانے کس حال میں ہوگا وہ۔'' وہ جیسے خود سے باتیں کرتے ہوئے بولی۔

''دفع کرو عدوں اور قولوں کو۔ ایک لمبی عمر پڑی ہے تمہارے سامنے' اس کو دیکھو۔ وعدے اور قول نم نبھانے ہیں مرے ہوؤں سے؟ کون نبھاتا ہے ایسے وعدے۔ اپنی زندگی کو دیکھو اور اسے گزارو۔''

''میں کوشش کر رہی ہوں مگر شاید میں زیادہ دیر اس کوشش میں کامیاب نہ رہوں۔ مجھے وہ بہت یاد آتا ہے اور مجھے لگتا ہے جیسے وہ مجھے بلا رہا ہے' ڈھونڈ رہا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

۞

''آؤ' میں تمہیں اپنی کہانی سناؤں لینا ڈارلنگ! جو شاید میں کسی کو بھی کبھی نہ سناتی۔ اگر میں یوں تنہا بیکار اور بے بس نہ ہو جاتی۔ دیکھو ڈارلنگ! میں نے زندگی بھر بدلتے حالات' چیختی چلاتی ننگی بدصورت زن' دنیا بھر کے لوگوں کی چلتی لپلپاتی زبانوں کی کبھی پروا نہیں کی۔ میں نے ہمیشہ خود کو اپنے کام میں اتنا مگن رکھا مجھے دوسروں کی باتوں کی کبھی آواز ہی نہیں آئی مگر اب مجھے ہر دم ایسا لگتا ہے جیسے ہوا کی لہروں میں گم ان دنوں کی بازگشت میرے کانوں میں ہر دم سفر کرتی رہتی ہے۔ گم شدہ چہرے' گم شدہ جذبات' کھوئی ہوئی محبتیں' اس مقفل یادیں سب کچھ ایک ایک کر کے میرے سامنے آتا ہے اور پھر کھو جاتا ہے۔

لینا! میری پیاری عزیز از جان بیٹی! یہ زندگی' یہ بے کسی کی محتاجی کی گندگی میرے لیے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے۔ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو ایسے اٹیکس میں ایک ہی دفعہ مر جاتے ہیں۔ میری طرح مر مر کر جینے کی اذیت سے چھٹ جاتے ہیں۔''

لینا کے ہاتھ میں وہ صفحہ جو اس کی پیاری آنٹ جینس نے لکھا تھا' لرز رہا تھا اور اس کا دل اور آنکھیں رو رہی تھیں۔ اس نے ایک نظر اٹھا کر آنٹ جینس کو دیکھا' وہ بھی آنسو برساتی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔

''کاش میرے بس میں کوئی ایسا جادو ہوتا آنٹ جینس! جس سے میں آپ کی روٹھی ہوئی خوشیاں ڈھونڈ کر لا سکتی۔ کاش میرا اتنا اختیار ہوتا کہ میں آپ کو آپ کی من چاہی زندگی دلا سکتی۔''

اس نے آگے بڑھ کر ان کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''ایک بات بتائیں آنٹ جینس! سچ سچ۔'' پھر وہ ایک قدم پیچھے ہٹی اور انتہائی سنجیدگی سے بولی۔ انہوں نے پلکیں جھپکائیں جیسے کہہ رہی ہوں' پوچھو۔

''وہ کوئی عام شخص تو نہیں تھے' نہ ہی وہ گم نام تھے۔ آپ نے ان کے جانے کے بعد ان کا پیچھا کیوں نہیں کیا۔ زمانہ ان کو جانتا ہے' آپ نے ان سے کوئی سوال کیوں نہیں کیا؟''

آنٹ جینس نے سر جھکا لیا۔ ''للی کی خاطر' اس کے مستقبل کی خاطر آپ ان کے پاس جا سکتی تھیں' انہیں مجبور کر سکتی تھیں کہ وہ اپنے اس عمل کو جو انہوں نے آپ سے شادی کی صورت میں کیا' بھگتیں اور اس کو نبھائیں۔ آنٹ

جینس! آپ نے اتنا صبر کیوں کیا؟ آپ نے اتنا کچھ برداشت کیوں کیا؟ خود اپنے لیے باتیں سنیں۔ گر ان کو گالیاں دیتی ہے۔ اس روز للی کو اس کے باپ کے خاندان کا' اس کے نیچ ہونے کا طعنہ دے رہی تھیں۔ یہ سب کیوں برداشت کیا؟'' آنٹ جینس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا۔

''کیا وہ آپ کو اتنے عزیز تھے کہ ان کی خاطر آپ نے اپنی اور اپنی بیٹی کی زندگی برباد کر دی۔ مر بھرم رکھنے کے لیے۔'' لینا کی آواز اب بلند ہوتی جا رہی تھی۔

''کیا اتنی سستی' غیر اہم اور حقیر تھی آپ کی زندگی کہ وہ زمانے بھر میں نامور شخص اس سے یوں کھیل چلا گیا اور آپ منہ بند کیے اپنی بربادی کا تماشا دیکھتی رہیں؟ بتائیں آپ نے ایسا کیوں کیا؟ بتائیں آپ شخص کا گریبان جا کر کیوں نہیں پکڑا۔ کبھی کبھی تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں جا کر اس شخص کو اس کے ماضی کا آئ کراؤں وہ جو عالم اور دانشور بن کر تقریری کرتا ہے۔ بڑے بڑے فورمز پر میرا دل چاہتا ہے کہ اسے بتاؤں فراز کی نمائش کے افتتاح والے دن جس للی کو دیکھ کر اس نے حقارت بھرے تمسخرانہ انداز میں منہ موڑا تھا حقیقی بیٹی ہے۔ اسے بتانا چاہیے آنٹ جینس! اسے پتہ چلنا چاہیے دل و دماغ کے دورے صرف آپ کے کیوں ہوں' ان کا کچھ حصہ اسے کیوں نہ ملے۔''

لینا کو احساس ہو رہا تھا کہ اس کی باتیں آنٹ جینس کو دکھ دے رہی ہیں' مگر وہ کاغذ پر لکھے ان الفاظ اتنی جذباتی اور مشتعل ہو چکی تھی کہ اسے خود اپنے الفاظ پر قابو نہ رہا تھا۔

''ٹھیک کہتی ہیں گرینی!'' پھر اس نے سر جھٹکا۔ ''ٹھیک کہتی ہیں وہ کہ یہ لوگ شیشوں کے محلوں میں پتھر پھینکنے کے ہی عادی ہیں۔ ہم سے اور ہماری کمیونٹی کی ساری برائیوں سے لطف اندوز ہونے والے شریف ہمیں لوگوں کے سامنے یوں ہی حقارت اور تمسخر سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ ٹھیک کہتی ہیں وہ کہ جھنڈے رنگ صرف دنیا کو دکھانے کے لیے ہی ہے۔ دراصل ہماری کمیونٹی ان کے لیے خاکروبوں سے اوپر کا درجہ حا نہیں سکی۔''

اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا اور ایک مرتبہ پھر سر اٹھا کر آنٹ جینس کی طرف دیکھا' وہ نفی میں تھیں۔

''آپ مت جھٹلائیں مجھے آنٹ جینس!'' اب کے اس نے ذرا نرم لہجے اور نیچی آواز میں کہا۔ سے اب تک یہیں رہی ہوں' ان ہی لوگوں میں پلی بڑھی ہوں۔ میں نے یہاں کی زندگی کا ہر رخ دیکھا۔ کون سی بات ڈھکی چھپی ہے۔ مساوات' برابری' اخوت' بھائی چارے کے جو سبق یہ لوگ پڑھاتے ہیں اچھا سبق کسی اور مذہب میں یوں پڑھنے کو نہیں ملتا۔ ان کے آباؤ اجداد کی ساری کہانیاں دل فریب ہیں گر لوگ ہیں' ان کا رویہ نہ آپ سے چھپا ہے' نہ مجھ سے' پھر ہم کس کی حمایت کریں گے اور کس لیے؟''

''وہ جو تمہاری منی باجی ہیں' وہ بھی تو ان ہی لوگوں میں سے ہیں' ان کو کس لائن میں کھڑا کر ڈارلنگ!'' اسے معلوم ہی نہیں ہوا کب انکل ڈینس اس کے پیچھے آن کھڑے ہوئے اور اس کی گفتگو سنے اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

''exceptions (مخصوص) تو ہر جگہ ہوتی ہیں۔ ان سے انکار ممکن نہیں' مگر میں عام رویے رہی ہوں۔''

''اور وہ لڑکا فراز اور اسفندیار صاحب' لینا ڈارلنگ! یہ لوگ محض exceptions نہیں ہیں۔ یہا

جاؤ تو کتنے ہی ملیں گے تمہیں' پھر جن لوگوں کا تذکرہ تم کر رہی ہو' وہ exceptions لگیں گے تمہیں۔ اگر بات دل کو بھی لگے تو ضرور بولنا' ضرور بتانا' مجھے خوشی ہو گی۔ جینس ڈارلنگ! تم اچھی تو ہونا اب' میں تمہیں

آیا تھا۔'' آنٹ جینس نے دھیرے سے سر ہلایا۔

''ڈونٹ بی سوا موشنل لینا ڈیئر! ہم لوگوں کو دیکھو۔ اپنے سال جو زندگانی کے ہیں' ہم نے کتنے قسم کے رویئے ہیں۔ وہ جو ہمارے بھی ماسٹرز بن کر رہے' یہاں ہمارے ہم مذہب اور ہمارے ہی لوگوں کے لیے قانون رتے تھے کہ ان لوگ کو کلرک سے اوپر کا جاب نہیں دینا۔ وہ ہم کو کیا سمجھتے تھے۔ بائی داوے۔ کوڑا کرکٹ' ٹریش' ل' نیٹوز' ہاف کاسٹ۔ تم نہیں جانتیں ڈیئر ڈاٹر! کہ ان آنکھوں نے کیا کیا دیکھا ار کانوں نے کیا کیا سنا ہے پھر کو ایک بلیسنگ لگا' یہ سفید حصے والا جھنڈا جب سے اب تک یہ غم تو ہمیں نہیں لگاتا کہ اپنے بھی ہیں اور حقیر بھی ہیں۔''

''آئی ایم سوری انکل ڈینس!'' لینا کو اچانک احساس ہوا کہ وہ اپنے جذباتی پن میں کچھ زیادہ اور بے تکا بول اس لیے اس نے سادگی سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

''آپ شاید ٹھیک کہتے ہیں۔ جتنا محدود ہمارا تجربہ ہوتا ہے' اتنے ہی محدود ہمارے خیالات بھی ہو جاتے آپ آنٹ جینس کے پاس بیٹھے ہیں میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''مجھے مہدیار سے ملنا ہے' اس لیے تمہیں ٹیلی فون کر رہی ہوں۔ میں کب مل سکتی ہوں اس سے؟'' بی بی زینب سے فون پر پوچھ رہی تھیں۔

''آپ کسی بھی وقت دن میں جا سکتی ہیں کڈز ہوم' آپ کو کوئی نہیں روکے گا۔'' اسفند نے انتہائی مؤدب لہجے یا۔

''جیتے رہو' خدا عمر دراز کرے۔ تمہاری نیکیاں تمہارے راستے کے سارے کانٹے چن لیں گی بیٹا!''

''میرے راستے کے کانٹے۔'' اسفند نے دہرایا۔

''بی بی زینب! آپ میرے لیے دعا کرتی ہیں نا؟''

''کیوں نہیں بیٹا! روز رات کو تین تسبیح پڑھتی ہوں۔ تمہاری حفاظت' عزت' خوش حالی اور درازی عمر کے ''

''اور شہری کے لیے؟'' اس نے ایک اور سوال کیا۔ ''شہری کے لیے۔'' بی بی زینب کی آواز جیسے گھٹ گئی۔ ری کی خاطر تو میں......''

غالباً آنسوؤں نے ان کا جملہ ادھورا کر دیا تھا۔ اسفند کو ہمیشہ سے علم تھا کہ بی بی زینب اس کی نسبت شہری کو پسند کرتی تھیں مگر اب اسے یہ سوچ کر ذرہ برابر بھی دکھ نہیں ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ شہری کی تعریف اس کی بت کی تعریف سے زیادہ کیوں کرتے تھے بلکہ وہ اس بات پر دل ہی دل میں اکثر حیران بھی ہوا کرتا تھا کہ ایسے لوگ جو شہری کو زیادہ پسند کرتا تھا اور اسے یاد بھی کرتے تھے' اس کی فیملی سے زیادہ قریب نہیں تھے' بلکہ ان میں سے لوگوں کو تو اس کے ممی ڈیڈی غالباً جانتے بھی نہیں تھے۔

''اور وہ کیسی ہے' تمہاری ماں رابعہ؟'' تھوڑی دیر بعد بی بی زینب کی آواز آئی۔

''وہ ٹھیک ہیں بی بی زینب! آپ کبھی ان سے ملنے آئیں نا' کبھی چکر لگائیں۔''

یہ الفاظ اس نے محض مروتاً کہے تھے مگر دوسری جانب سے اسے آہ بھرنے کی آواز آئی۔

''اسفند! تمہاری بات اور ہے بیٹا! تمہاری ماں تو شاید مجھے دیکھتے ہی گھر کا دروازہ بند کروا دے' را بدل جائے۔ اسے غالباً یہ وہم ستاتا ہے کہ میں کسی کو بتا دوں گی کہ وہ بھائی جمیل مرچوں والے مرحوم کی بہو رہنے والے خاندان کی بیٹی تھی۔ پھر بیٹا ہوتا ہو گا لوگوں کو کسی زمانے میں پچھلی حقیقتیں کھل جانے کا ڈر مگر ار والی کیا بات ہے کہ اکثر لوگ جو پیسے والے ہیں اور بڑے اونچے علاقوں میں رہتے ہیں' ان ہی گلیوں محلور وہاں گئے ہیں تو پھر جب سب کی کمر ایک جیسی ہے تو ڈرنے والی کیا بات ہے۔''

''آپ بھی بھولی ہیں بی بی زینب!'' اسفند دل ہی دل میں ہنسا پھر بولا۔ ''چلیں آپ دعا کیا کر کے لیے' ان کے دلوں سے ایسے خوف نکل جائیں اور وہ بے دھڑک ہر طرح کے لوگوں سے مل لیا کریں۔''

''میں کس کس کے لیے دعا کروں بیٹا! یہاں تو لوگوں کو پتہ نہیں کس کس قسم کے وہم ستاتے ہیں۔ کو کے مارے ان لوگوں سے نہیں ملتا جو اس کا ماضی جانتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو نجانے کس خوف کے ہاتھوں تنہا چھوڑ جاتے ہیں۔ ایک ہمارے جیسے ہیں جنہیں ہر دم عزت سے زندگی بسر کرنے کے سلسلے میں حائل رکاوٹوں سے ڈر لگتا ہے۔ بس بیٹا! سارے لوگ ڈرتے ڈرتے ہی زندگیاں گزار رہے ہیں۔''

بی بی زینب اپنی سوچ اور فہم کے مطابق جواب دے رہی تھی۔

''آپ جب چاہیں کڈز ہوم جا کر اس بچے سے مل لیجئے گا۔ آپ کو یقیناً یہ دیکھ کر خوشی ہو گی کہ وہ زندگی گزار رہا ہے۔'' اسفند نے ایک دم ہی گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔

......۞......

''دیکھو تو...... یہ کتنے قسمت والے لوگ ہیں' اللہ والے لوگ ہیں یہ۔ نجانے کس کس کی اولاد پال انہیں وہ سہولتیں دے رہے ہیں جو شاید ان کے اصلی ماں باپ بھی نہ دے پاتے۔''

اس سے اگلے روز کڈز ہوم میں عائشہ کے ساتھ مہدیار سے ملتے ہوئے بی بی زینب' عائشہ سے کہا

''سچ ہے بی بی جی! سچ ہے۔'' عائشہ' مہدیار کو چوم رہی تھی' سینے سے لگا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں آنسو بہہ رہے تھے۔

وہ بچہ صحت مند اور ہوشیار تھا۔ چلنا سیکھ چکا تھا اور چھوٹے چھوٹے لفظ بھی بولتا تھا۔ یہاں کے لوگو کا بہت خیال رکھا تھا۔ یہ اسے دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا تھا مگر وہ ان دونوں کے اس والہانہ انداز سے گھبرا گیا نگران کی طرف مڑ کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مہدیار...... مہدیار...... دیکھو میں ہوں عیشاں...... میں نے تمہیں' جب تم اتنے سے تھے' تب ہے' تمہاری دیکھ بھال کی ہے' ان ہاتھوں سے تمہیں کھلایا ہے میرے بچے! میرے تو خالی گھر کی مہدیار......! تم مجھے بھول بھی گئے' مجھے تو ابھی بھی گھر میں تمہاری آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ میں تو سو اچانک اٹھ جاتی ہوں۔ یہ سوچ کر کہ شاید تمہیں بھوک لگی ہے جو تم اٹھ کر رونے لگے ہو۔''

بی بی زینب خاموش بیٹھی عائشہ کو دل کا غبار نکالتے سن رہی تھیں۔ عائشہ کے بچے سے انسیت کو کو تھا۔ اس وقت اس کی حالت قابل رحم لگ رہی تھی۔

''میں اب یہاں سے جا رہی ہوں میرے بچے!'' خود کو زور لگا کر چھڑواتے بچے کو اور بھی مضبوطی عائشہ نے کہا۔ ''وہ تجھے باہر بلا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے عائشہ! تو نے بڑے سال اکیلے رہ لیا' اب تیرا مشکل وقت آ گیا ہے۔ اب تو میرے ساتھ رہے گی' میرے پاس۔ میں اسی لیے تجھ سے ملنے آئی ہوں مہدیار!

تجھے ہمیشہ یاد رکھوں گی تو میرے دل میں آباد رہے گا۔ اللہ تجھے لمبی حیاتی دے' اللہ تجھے سختیوں سے ہوں! میں تجھے ہواؤں سے محفوظ رکھے۔ خدا تجھے کامیابیاں' خوشیاں دے' اتنی خوشیاں جنہیں سنبھالتے تیری جھولی چھوٹی پڑ ے۔''

جذبات کی رو میں بہتی عائشہ جو منہ میں آ رہا تھا' کہے جا رہی تھی۔ بچے نے خود کو چھڑانے کی کوشش میں ناکام با آواز بلند رونا شروع کر دیا تھا۔

''بس کر عائشہ! چل چلیں اب۔ وہ اسے اندر لے جانے کے لیے آئے ہیں۔''

بی بی زینب نے اندر آنے والی نگران کو دیکھ کر عائشہ کو اٹھایا۔ وہ اٹھتے ہوئے اور دروازے تک جاتے جاتے رک رک کر اور پلٹ پلٹ کر بچے کو پیار کر رہی تھی۔

......۞......

''مبینہ کلثوم! زبان کوئی بھی ہو' اس میں زبان دانی اور ادب دو طرح کے پہلو ہمیشہ ہی موجود ہوتے ہیں۔ یہ تو میں نے تمہیں بہت پہلے بتائی تھی پھر تم کو بھی اب یہ سارا کچھ ہی پڑھنا ہو گا۔ زبان' ادب' تاریخ' بڑے بڑے دان' بڑے بڑے شاعر' بڑے بڑے نثر نگار ان میں سے بہت سارے نام تو نئے ہیں ہی نہیں تیرے لیے' پھر گھبرا رہی ہے پھر اوپر سے وہ بیٹھا ہے نا' وہاں تیرے لیے نوٹس بنا بنا کر بھیجنے والا۔ اب تو لگتا ہے اسے اپنے سے تیرے ماسٹر کی فکر ہو گئی ہے اور ہر ہفتے ہی رجسٹروں کے رجسٹر نوٹس بھیجنے لگا ہے تیرے لیے' ساتھ جھلا کہتا ہے جی! آپ مانیں تو کمپیوٹر بھی لے آؤں مبینہ کلثوم کے لیے۔ بہت ساری انہیں کیا کہتے ہیں...... سی ڈیز بھی ہوں مدد کے لیے۔ اب بتا بھلا' میں اس عمر میں جہاں کوشش کرنی چاہیے' اوپر والے سے کمیونیکیٹ کرنے کی' وہاں اس کا وں گا کمپیوٹر۔''

ماسٹر جی اپنے مخصوص انداز میں مانو کو پڑھاتے پڑھاتے کسی اور موضوع کی طرف چلے جا رہے تھے۔

''اب تو لگتا ہے اسے اپنے سے زیادہ تیرے ماسٹر کی فکر ہو گئی ہے۔''

مانو' ماسٹر جی کی ساری بات دھیان سے سننا چاہتی تھی مگر نجانے کیوں اس کے ذہن میں ایک یہ جملہ بیٹھ گیا تھا بار بار گونج کر اس کے دل کو ایک خوشگوار احساس دلا رہا تھا۔

''اب یہ اچھا کام ہو گیا ہے نوٹس والا' ہے نا'' ماسٹر جی پھر دوبارہ سے وہاں پہنچے جہاں سے گفتگو کا سلسلہ شروع تھا۔

''دیکھ یہ پہلا دستہ جو ہے نا زبان کے بارے میں ہے۔ اصول وضوابط' قاعدے قانون اس نے بڑی محنت بنائے ہیں یہ نوٹس۔ دیکھ اس کی لکھائی کتنی اچھی ہو گئی ہے۔ یہ ساتھ میں اس کے کمپیوٹر صاحب سے نکلے کاغذ بھی آج ذرا ان کو دھیان لگا کر پڑھ پھر کل بتانا کیا سمجھ میں آیا' کیا نہیں؟'' انہوں نے کاغذ اس کو پکڑاتے ہوئے

''ماسٹر جی! فراز تو بڑا لاپرواہ ہوا کرتا تھا۔ اب دیکھیں کتنے دھیان سے ہر دفعہ مانو کے لیے نوٹس بھجواتا ہے۔'' پاس بیٹھی سعدیہ نے شرارت سے مانو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کو اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ اس کے گاؤں میں ایک لڑکی نے انگریزی میں ایم اے کرنے کا ارادہ کیا سعدیہ بانو! وہ لوگ جو اپنے پس منظر سے جڑے رہتے ہیں نا' وہ وہاں کی ہر اچھی بات پر خوش ہوتے ہیں اور کسی بری والی بات پر ناخوش۔''

ماسٹر صاحب' سعدیہ کی بات کی وجہ سمجھے یا نہیں مگر انہوں نے اسے ایک سنجیدہ سی وجہ بتادی۔

''اور وہ لوگ ماسٹر جی! جو اپنے پس منظر سے جڑے نہیں رہتے جو پس منظر سے جان چھڑا لیتے ہیں ان کا کیا بنتا ہے؟''

مانو نے دانستہ سوال کیا اور غور سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''وہ لوگ نہ خود میں رہتے ہیں' نہ خود سے جدا ہو پاتے ہیں۔ بڑا او کھا رستہ اختیار کرتے ہیں ایسے لوگ۔ کلثوم! اب دیکھنا۔''

ماسٹر جی نے ذرا کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

''پس منظر تو ایک ٹھوس چیز ہے' یہ غیر مرئی شے نہیں ہوتی کہ آپ اس سے جدا ہوئے تو وہ غائب ہو جائے۔ نہیں باؤ جی! یہ پس منظر جو ہے نا اسے زندگی کے نقشے سے غائب نہیں کیا جا سکتا۔ انسان لاکھ فرار حاصل کر لے' یہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ لوگ منظر سے ہٹ کر سمجھتے ہیں مک مکا ہو گیا ہو گا' پر یہ بڑی طاقت کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ پھولتا ہے' پروان چڑھتا ہے۔ وقت کے ساتھ جب اس سے جان چھڑانے والے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں نا' ان کو انہیں اپنا اصل چہرہ نظر آنے لگتا ہے' یہی ان کا آئینہ ہوتا ہے۔''

''پھر اس حساب سے تو کئی لوگ خسارے میں رہتے ہیں نا ماسٹر جی!'' مانو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''خصوصاً وہ لوگ جن کا پس منظر فخر کیے جانے کے قابل ہو اور وہ اسے شرمندگی کا باعث سمجھتے ہوئے اس سے چھڑا لیتے ہیں۔''

''جمع'' تفریق' ضرب' تقسیم جو کرتا ہے' اسے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ فائدے میں رہا یا نقصان میں۔'' وہ چھڑی پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے کسی خلا میں دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''لو تو اور کیا۔'' سعدیہ کی اماں جو ماسٹر جی کے کپڑے دھو کر تار پر پھیلا رہی تھی' گفتگو میں کودتے ہوئے بولی۔ ''ماسٹر جی! وہ یاد ہے عنایت چوہدریوں کا بیٹا باہر چلا گیا تھا امریکہ' مڑ کر آیا نہیں اتنے سال۔ پھر پتہ ہے نا کیا ہوا؟ جب وہاں بیمار ہو گیا تو سنا تھا کہ روتا تھا' ترلے کرتا تھا۔ میں نے کمال پور جانا ہے' مجھے کمال پور لے جاؤ۔ پر کوئی نہ لے کر آیا۔ وہ تو پیروں کا پوتا جب آیا تو اس نے بتایا کہ کرلاتا پھرتا تھا' ترلے کرتا تھا۔ بھلا بتا' جب تو گیا تیرے ماں باپ تیری منتیں کرتے تھے' نا جا عنایت حسین! تو تو کہتا تھا یہ کوئی جگہ ہے رہنے والی' اور دور کیا جائیں اپنے شاہو نے کیا کیا۔''

سعدیہ کی ماں اپنی رو میں بہتی بہتی جو کہنے لگی تھی' اسے اس نے خود ہی اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر خود کو خاموش کرا لیا۔ وہاں موجود سب لوگ اچانک ہی خاموش ہو گئے اور سناٹا سا چھا گیا۔

''اچھا بھئی' خیر سنبھالو مبینہ کلثوم! کتابیں اور نوٹس اور دھیان سے پڑھنا۔ گھر جا کر جو سمجھ میں نہ آئے اس پر نشان لگا لینا' کل بات کریں گے اس پر۔''

ماسٹر جی نے ان کی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا اور اس مختصر سی محفل کو برخاست کر دیا۔

''یہ بھی تو ایک طرح سے آپ کے والی ہی بات ہے نا ماسٹر جی! پس منظر والی۔ اتنے برس آپ ...... آپ کے گرد موجود لوگ آپ کے بھیجتے کے ذکر سے گریز کرتے رہے مگر ایسی حقیقتوں کی بازگشت کبھی نہ کبھی سے ضرور سنائی دیتی ہے۔ برسوں بعد اچانک غیر متوقع طور پر لیکن آپ تو آپ ہیں نا' آپ بات بدل دینے انجان بن جانے کا فن جانتے ہیں' آپ کو بڑی اچھی طرح معلوم ہے کہ کس بات کو کس درجہ معصومت سے نظر انداز

اس رات اپنے گرم بستر میں لیٹے لیٹے مانو نے دن میں ہونے والی گفتگو یاد کرتے ہوئے سوچا۔

''اگر ماسٹر جی اس گاؤں میں موجود نہ ہوتے اور ہمیں زمانے بھر کے قصے کہانیاں نہ سناتے تو یہاں کس کو پتہ ہوتا کہ زندگی کا کینوس کتنا وسیع ہے۔ خیر اب تو بہت سے لوگ اپنے گھروں میں چھوٹے موٹے ٹیلی ویژن لے آئے ہیں اور بہت سی لڑکیوں کو نئے نئے ڈراموں اور نت نئے فیشنوں کا علم ہو رہا ہے مگر اس سے پہلے بلکہ ابھی بھی کسی کو کیسے پتہ چلتا۔ وہ سب کچھ جو آج ماسٹر جی مجھے بتا رہے تھے۔ شیکسپئر' براؤننگ' ورڈز ورتھ' فراسٹ اور کون کون اور یہ تو سچ ہے بھئی کہ یہ ماسٹر تو بڑا مشکل پڑے گا مجھے۔ منہ سے بات نکال کر پھنس گئی میں تو۔ یہاں سیدھی انگریزی پڑھنا مشکل تھی' کہاں اس زمانے کی Thou Thee والی انگریزی پڑھے بندہ' اور ایک وہ ...... پتہ نہیں اتنا دماغ کہاں سے آ گیا اس کے پاس...... سنا ہے ٹاپ کر لیا پہلے امتحان میں۔ کیا پتا وہ جو صاحب اس کے ساتھ جو اتنا مہربان ہے' اس پر اس نے پیسے دے دلا کر اول کروا لیا ہو اس کو۔''

اس نے اوٹ پٹانگ بات سوچی اور پھر خود ہی کروٹ بدلتے ہوئے دل میں اس بات کی نفی کی۔

''فراز ایسا بے ایمان کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ بات مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ میں جو بچپن سے اس کے ساتھ رہی ہوں اور اس کی شخصیت کے ہر پہلو کی واقف۔'' وہ بے اختیار مسکرائی۔

''خدا نہ کرے کبھی تم بھی اپنے پس منظر سے جدا ہونے کی خواہش کرو اور کسی مصیبت میں پڑو۔ دیکھو میں تو ہر دعا کر کے تمہیں اس کے حصار میں دیتی ہوں۔ چاہے تمہیں میری دعاؤں کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔'' پھر اس ماسٹر کی وہ بات ایک مرتبہ پھر یاد آئی۔

''فراز کو تو لگتا ہے اپنے سے زیادہ تمہارے ماسٹر کی فکر ہو گئی ہے۔''

''اب کوئی کیا جانے کہ میں تمہیں کتنی شدت سے یاد کرتی ہوں۔ ارد گرد اتنے سارے لوگ موجود ہیں مگر بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرا دل صرف تم سے کرنے کو چاہتا ہے' تمہیں شاید یاد ہو کہ ایک بار تم نے بھی یہی کہا تھا کہ مانو! تم سے جو بات کر لیتا ہوں' وہ شاید کسی دوسرے سے نہیں کر سکتا اور اب تم نجانے وہاں کس کس سے باتیں کرتے ہو گے۔ کوئی تو ہوگا جس سے دل کی بات کرتے ہوں گے۔ کبھی تمہیں میری یاد آئی بھی ہو گی یا نہیں۔ فراز یہ بات میں صرف تمہارے اس رویے کی وجہ سے سوچ رہی ہوں جو تم نے میلے والے دن میرے ساتھ برتا تھا' ورنہ میرے جیسا خوش فہم کون ہوگا۔''

اس رات وہ دیر تک ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں سوچتی رہی۔

''اور کبھی جب سردیوں کی رات کو ہمارے گھر آتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ جو آوازیں آ رہی ہیں نا کتوں جیسی' یہ کتے نہیں گیدڑ ہیں اور یہ اس لیے اتنی دردناک آوازیں نکال کر رو رہے ہیں کیونکہ دنیا میں آج کے دن بہت ظلم ہوا ہے' بہت قتل' بہت خون بہا ہے۔''

مانو نے دور سے آتی آوازوں پر کان دھرتے ہوئے ایک اور بات یاد کی۔

''فراز...... یہ تو ہمیشہ سے آوازیں نکالتے رہے ہیں اور اب بھی نکال رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظلم اور خون بہنے کا کام اب بھی جاری ہے۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر کروٹ بدلی اور نیند سے بوجھل ہوتی آنکھیں موند لیں۔

......۞......

فراز پرائیویٹ اسپتال کے اس وی آئی پی روم کے سامنے کھڑا تھا جس تک اس کی رہنمائی کی گئی تھی۔ کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑے بھی اس نے کچھ دیر سوچا تھا کہ اسے اندر جانا چاہیے یا نہیں' پھر اس نے بھی سوچنے کا سلسلہ ملتوی کر دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ پھولوں کے گلدستوں سے بھرا پڑا تھا۔ کئی قسم کے کارڈز جگہوں پر سجے ہوئے تھے۔ اس نے ایک نظر اپنے خالی ہاتھوں پر ڈالی اور آگے بڑھ آیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا اس قسم کے تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے قدموں کی آہٹ سن کر شاہنواز احمد نے آنکھیں کھول انہیں اس کا چہرہ نظر نہیں آیا اور وہ دل ہی دل میں جز بز بھی ہوئے۔ انہیں اس وقت کسی بھی ملاقاتی کے ملنے سے ہی وحشت ہو رہی تھی مگر آنے والے کے چہرے پر نظر پڑتے ہی انہیں ایسا لگا جیسے انہیں اسی کا تو انتظار عجب سا احساس تھا' وہ خود بھی اس احساس کو جھٹلانا چاہتے تھے مگر جھٹلا نہیں پائے تھے۔

''السلام علیکم سر!'' انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر فراز آگے بڑھ آیا۔ ''کہیے' اب آپ کیسے ہیں؟''

''اچھا ہوں اور زندہ ہوں' تم دیکھ رہے ہو۔'' پھیکی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آ گئی۔

''کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟'' فراز نے ان کے قریب دھری کرسی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں' آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ فراز کرسی پر بیٹھنے کے بعد کچھ دیر بغور انہیں رہا۔ ہسپتال کے مخصوص ماحول میں ان کا وجود اجنبی سا لگ رہا تھا۔ مضمحل' بیمار' شکستہ' اداس اور ٹوٹا ہوا۔ وہ اپنی کہیں زیادہ بوڑھے لگ رہے تھے۔

''تمہیں کیسے خیال آیا یہاں آنے کا؟'' انہوں نے کمزور سی آواز میں پوچھا۔ ''آپ کے بارے میں سوچا آپ کو دیکھ آؤں۔ میرا آنا آپ کو برا تو نہیں لگا۔'' فراز نے مودب سے لہجے میں کہا۔

''نہیں' مجھے برا نہیں لگا۔ اتنے بہت سے لوگ آتے ہیں۔ یہ دیکھو۔'' انہوں نے پھولوں اور کارڈز کی اشارہ کیا۔ ''اچھی ہیں یہ صحبتیں اور محبتیں۔''

''آپ دوست دار انسان ہیں پھر لوگوں کی صحبتوں اور محبتوں کا یہ اظہار کوئی عجیب بات تو نہیں ہے۔''

''دوست دار!'' وہ یوں ہنسے جیسے انہیں اس کی بات مذاق لگی ہو۔ ''مجھے کیا ہوا تھا جو مجھے یہاں لایا گیا؟''

فراز ان کے اس سوال پر چونک گیا۔

''آپ۔'' غالباً فراز کو یہ بات بہت عجیب سی لگ رہی تھی کہ وہ انہیں بتائے کہ انہیں کیا ہوا تھا۔ ''غالباً چلاتے ہوئے آپ پر ہلکا سا اٹیک ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے ہارٹ اٹیک۔'' اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''بس!'' انہوں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ''دل کسی حادثے سے گزرا یا جسم' میاں! ایک بات تو بتاؤ۔''

''جی پوچھیے۔'' فراز ہمہ تن گوش ہوا۔

''جو حادثے نظر آتے ہیں نہ ہی محسوس ہوتے ہیں' بس گزر جاتے ہیں انہیں کس کیٹگری میں رکھنا چاہیے؟''

''یہ بات تو آپ کو زیادہ بہتر معلوم ہو گی سر! آپ کا تجربہ زیادہ وسیع ہے۔'' فراز اس سوال پر ٹپٹا گیا۔

''ہوں۔'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''تجربے کی بھی خوب ہی کہی تم نے تجربہ عمر اور کوالی محتاج ہرگز نہیں ہوتا' یہ میں خوب سمجھتا ہوں۔ دراصل تمہارے ساتھ ایسا کوئی حادثہ ہوا نہیں نا' جو نہ نظر آئے نہ محسوس ہوا' بس گزر جائے؟ اس لیے تمہیں میرے سوال کا جواب نہیں سوجھا' ورنہ میرا خیال ہے کہ تمہاری عمر اور عہد کے لوگ ہم سے زیادہ بہتر تجزیہ کر سکتے ہیں چیزوں اور باتوں کا۔''

فراز کو اس روز وہ کوئی اور شخصیت لگ رہے تھے۔

ان سے ملاقات کا یہ تجربہ گزشتہ تجربوں سے مختلف تھا۔ اس نے ایک نظر پلاسٹر میں جکڑی ان کی ٹانگ اور ان کے مخصوص لباس والے وجود پر ڈالی۔ وہ واقعی تھکے ہوئے' اداس اور پریشان لگ رہے تھے۔

''یہ بہت بہتر ہوا سر! کہ آپ کو بروقت ہاسپٹل پہنچا دیا گیا۔ یہ بھی یہاں کسی کسی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔'' فراز کو کچھ نہیں سوجھا تو اس نے ایک نئی بات چھیڑ دی۔

''کیا؟'' وہ جیسے کسی گہری سوچ سے چونکے۔ ''ہاں...... آں......'' پھر انہیں اس کی بات سمجھ میں آئی ہو ہے نا۔'' وہ ہلکا سا ہنسے۔ ''یہ ہاسپٹلز بھی عجیب جائے پناہ ہوتے ہیں۔ تمہیں پتا ہے کہ میری زندگی کا ایک اہم ہاسپٹل میں شروع ہوا تھا۔'' انہوں نے سرگرشی کرنے کے سے انداز میں کہا۔

''جی ہاں۔'' فراز کا جواب چونکا دینے والا تھا۔

''پتہ ہے؟'' انہوں نے مشکوک سے انداز میں پوچھا۔ ''تمہیں کیسے پتہ ہے؟''

''اوہ......'' فراز کو اب اپنی کہی بات کو سنبھالنا تھا۔ ''ظاہری بات ہے اکثر بچے ہاسپٹلز میں ہی پیدا ہوتے

''

''گڈ جوک!'' انہوں نے ذرا مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ ''مگر ہنسی نہیں آئی؟'' انہوں نے ہاتھ ہلایا۔

''ہماری زندگی کے ابواب کو تم کیا جانو میاں؟''

''میرا خیال ہے سر! کہ میں نے جو ریسرچ کرنی ہے اور ایک عدد پیپر لکھنا ہے کبھی زندگی میں' تو وہ آپ ہی پر لوں۔ سارے ظاہر اور مخفی باب سامنے آ جائیں گے۔'' فراز نے ماحول کی سنجیدگی اور تناؤ کو کم کرنے کی کوشش

''نہیں لا پاؤ گے۔'' انہوں نے حتمی انداز میں کہا۔ ''کبھی بھی سامنے نہیں لا پاؤ گے' میری زندگی کے مخفی ابواب کے بارے میں کچھ نہ جان سکو گے۔ میاں! یہ میں ہوں میں' شاہنواز احمد۔ کوئی شرافت علی' رفاقت علی گویا میں کے سارے چیپٹرز ڈس کلوزڈ ہو جائیں۔''

''آپ کہتے ہیں تو مان لیتے ہیں سر! ورنہ میں نے سنا ہے کہ انسان کبھی کبھار اس چوہے دان میں خود بھی پھنس جاتا ہے جو اس نے دوسروں کے لیے لگایا ہوتا ہے۔''

''ہمیں فقروں میں اڑاتے ہو۔'' وہ ایک مرتبہ پھر ہنسے۔ ''میاں چوہے دان لگانے کا فن بھی کسی کسی کو ہی آتا ہے اور جن کو نہیں آتا وہی پھنستے ہیں اس میں۔''

''ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے آپ۔'' فراز نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ یہ بتائیں کہ یہاں کتنے دن قیام کا ارادہ ہے۔؟''

''اس سلسلے میں اپنی مرضی شاید نہ چلے' یہ جو ڈاکٹر ہیں نا یہاں کے۔ یہ کہتے ہیں کہ میرا دل بیمار ہے۔ اب بیمار دل کا کوئی علاج ان کے پاس ہوا تو کر دیں گے اور پھر رخصت کی اجازت بھی دے دیں گے۔''

''بیماری دل کا علاج تو اتنا آسان نہیں۔ ہاں دل کی بیماری کا علاج تو بہت پہلے دریافت ہو چکا۔ اگر آپ نمبر دو میں مبتلا ہیں تو پھر فکر نہ کریں' جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔''

''تم کو تو لگتا ہے خاصی معلومات ہیں بیماری دل کے بارے میں۔ کیا خود بھی مبتلا ہو اس میں؟'' انہوں نے ... میں کہا۔

''اس عمر میں یہ بیماری عام ہوتی ہے، آپ کو تو تجربہ ہو گا اس بات کا۔''

''اچھا!'' وہ جیسے زیادہ انہماک سے متوجہ ہوئے۔ ''بتاؤ' کتنی بھنسائی ہیں؟''

''کوئی ایک؟'' فراز نے سنجیدگی سے کہا۔ ''گنتی کرسکتا ہوتا تو بتاتا۔''

''بڑے استاد ہو یار! میرا اندازہ تمہارے بارے میں کچھ اور تھا۔''

''کیا اندازہ تھا آپ کا؟''

''میرا خیال تھا کہ تم ایک معصوم دیہاتی لڑکے ہو یہاں پڑھنے کے لیے روزگار کے چکر میں بیـ

''سر! میرے جیسے لوگوں کی زندگیوں کے ابتدائی ابواب اسی طرح کے ہوتے ہیں' پھر آہ
بڑھتے کوئی اور ہی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں۔''

''کبھی کبھی بہت ڈراؤنی شکل' کبھی کبھار بہت اچھی۔'' وہ سوچتے ہوئے بولے۔ ''ویسے آج ک
ہو' کسی آرٹ کالج میں پڑھ رہے ہو؟''

''میں ماسٹرز کر رہا ہوں انگریزی ادب میں۔ میں نے غالباً پہلے بھی بتایا تھا آپ کو' اور ساتھ
جائے تو کچھ اس طرف کا کام بھی کرلیتا ہوں۔''

''تم نے این سی اے میں داخلہ کیوں نہیں لیا۔ زیادہ فیس کی وجہ سے؟''

''شاید' اگر میں ایسا ارادہ کرلیتا تو مالی مشکلات ہی میرے راستے میں رکاوٹ ڈالتیں مگر سر! ایـ
کیا ہی نہیں تھا۔ مجھے اس فیلڈ کو اپنا پروفیشن نہیں بنانا تھا۔''

''کیوں'' انہوں نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔ ''میرا خیال ہے کہ یہ تمہارا جنون تھا۔''

''شاید۔'' فراز نے سانس کھینچ کر آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ عہد نبھا
جنون پس پشت ڈالنے پڑیں تو کوئی حرج نہیں ہوتا۔''

''تم نے ایسا عہد کس سے کیا تھا؟'' وہ ایک دم کہنیوں کے بل تھوڑا اونچا ہوئے۔

''کسی سے نہیں۔'' فراز دل ہی دل میں ان کی اس کیفیت پر محظوظ ہوا۔ ''کچھ وعدے انسان ا
بھی تو کرتا ہے۔''

''اچھا!'' انہوں نے جیسے پرسکون ہوتے ہوئے سانس لیا اور دوبارہ لیٹ گئے۔ ''تو وہ جو تم
ساتھ کام کر رہے ہو' مجھے خبر ملی تھی' اس کی جو لیٹسٹ ایگزیبیشن ہوئی ہے جیولری کی' اس میں تمہارا بھی کچھ

''آپ خوب باخبر انسان ہیں۔'' فراز مسکرایا۔ ''میں نے بھی بتایا ہے آپ کو کہ جب ذرا فرصـ
کام بھی کرلیتا ہوں۔''

''اچھے رہے بھئی تم' شاید عقل و شعور کا ریشو جنریشن کے فرق کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔'' وہ
خود کلامی کر رہے ہوں۔

''آپ اسپتال والے باب کا ذکر کر رہے تھے ابھی سر! کچھ ری کال (دوبارہ یاد) کریں گے۔
نے موضوع بدلا۔

''میں تھکن محسوس کر رہا ہوں شاید یا پھر مجھے نیند آ رہی ہے۔'' انہوں نے کہتے ہوئے آنکھیں

''خوب!'' فراز اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے اب غالباً چلنا چاہیے۔'' وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا باہر

......❁......

''آپ نے پچھلی مرتبہ شاید ٹال دینا چاہا مجھے سر! مگر نجانے کیوں مجھے تجسس ہو رہا ہے آپـ

ہسپتال والا باب۔''

اگلی مرتبہ جب فراز ان کو دیکھنے گیا تو اس نے دانستہ یہ موضوع دوبارہ چھیڑا۔

''نہیں پتہ ہے۔ تمہاری عمر کے لڑکے مجھ سے ایک عام سی بات کرتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں۔ تم مجھ سے
یک انتہائی ذاتی بات پوچھ رہے ہو۔'' وہ جواب پہلے سے کہیں بہتر نظر آ رہے تھے' بغور اسے دیکھتے ہوئے

''ویسے تم نے کیا نام بتایا تھا اپنے گاؤں کا؟''

فراز ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گیا۔ عرصہ پہلے اپنے گاؤں کا بتایا فرضی نام اسے شاید خود بھی یاد نہیں آ رہا تھا مگر
حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ اس کے مخاطب کی یادداشت کمال کی تھی۔

''ور...... سال...... کے......'' اس نے یاد کرتے ہوئے گاؤں کا نام توڑ توڑ کر ادا کرتے ہوئے کہا۔
لکے۔'' دوسری مرتبہ اس نے زیادہ یقین سے یہ نام دہرایا۔ وہ ہنوز اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

''پسرور کی سائڈ پر ہے یہ گاؤں۔؟'' انہوں نے اسی طرح اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی نہیں' اس کی سمت دوسری ہے۔ ضلع سیالکوٹ ہی ہے۔'' فراز کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ان کے اس طرح
نہ صرف کنفیوز ہو رہا ہے' بلکہ اس کی گھبراہٹ غالباً عیاں بھی ہو رہی ہے۔

''آپ ایسے کیا دیکھ رہے ہیں سر؟'' ان کی طرف سے جواب نہ ملنے پر اس نے پوچھا۔ اب شاید وہ دل ہی
ادھر آنے پر پچھتا رہا تھا۔

''مجھے لالہ شریف احمد یاد آ گیا تھا تمہیں دیکھتے ہوئے۔'' وہ بڑبڑائے' فراز کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا وہ
مرحوم باپ کا نام لے رہے تھے۔

''وہ کون سر؟'' اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''لالہ شریف!'' انہوں نے دہرایا۔ ''تھا کوئی' پتہ نہیں کیوں تمہیں' دیکھ کر ایک پرانا چہرہ یاد آ گیا۔ خیر تم سناؤ کیا
ہیں باہر کی۔؟''

''وہی جو آپ اس پر دیکھتے ہیں۔'' فراز نے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔

''اس میں پڑھتے ہیں۔'' اب اس کا اشارہ اخبار کی طرف تھا۔ ''اور ان سے سنتے ہیں جو آپ سے ملنے آتے

''مجھ سے ملنے کون آتا ہے۔'' انہوں نے سوال کیا۔ ''کوئی صوبائی مشیر' کسی ڈپارٹمنٹ کا سیکرٹری' رائٹرز گلڈ
یدار' حلقہ ارباب فلاں کے ممبر' فلاں مشہور مصور' فلاں مشہور تنقید نگار۔ کسی ایسے کی بات کرو میاں! جو صرف مجھ
ے آتا ہو۔ دنیا کو یہ بتانے کے لیے نہ آتا ہو کہ ہم آتے ہیں۔'' جو اس طرح آتے ہیں نادیدہ خبریں نہیں
وہ باتیں کرتے ہیں اور قافیے لگاتے ہیں' اکثر کو تو اپنی اس بیماری کے ابتدائی دنوں میں' میں نے دوران
یہ سوچتے دیکھا ہے کہ اگر یہ مر گیا تو اس پر لکھے جانے والے کالم میں ہم نے کون سے الفاظ استعمال کرنے
ان کا لہجہ تلخ ہو رہا تھا۔

''سر! آپ بیمار ہیں' غالباً اس لیے ہی اکثر لوگوں سے ناراض ہیں۔ لوگ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں'
سے تو واقعی......'' فراز نے گھبرا کر انہیں دلاسہ دینا چاہا۔

''کچھ لوگ......'' انہوں نے دہرایا۔ ''وہ لوگ جو میرے متعلق بہت کچھ نہیں جانتے۔ وہ لوگ جو خود بھی
ہی جیسے ہیں۔ وہ لوگ جن میں سے اکثریت تمہاری طرح کے جھلے' بے وقوف' کم عقل لڑکوں کی ہے' جو میرے

جیسے ذہنی شکستہ لوگوں کو ہیرو سمجھتے ہیں۔ متاثر ہوتے ہیں اور بھاگے آتے ہیں۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں

''میں آپ کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں۔ مجھے آپ سے کوئی لالچ بھی نہیں ہے۔ مجھے آپ نہیں چاہیے۔ مگر میں پھر بھی آپ سے ایک عجیب سے تعلق کو محسوس کرتا ہوں۔ جب ہی بھاگا چلا آتا ہوں جیسے شاید کئی اور بھی ہوں۔'' فراز نے پہلی مرتبہ مضبوط لہجے میں کہا۔

''تم میرے متعلق بہت کچھ جانتے ہو'' ان کی سوئی اس کے پہلے جملے پر اٹک گئی۔ ''کیسے جانے نے بتایا تمہیں میرے متعلق؟'' ان کا لہجہ تیز ہوا۔

''اچھا......؟'' پھر جیسے انہیں خود ہی سمجھ میں آ گیا۔ ''اس نے بتایا ہوگا تمہیں کچھ اس مرچوں والے نے وہ جواب سیٹھ صاحب بن چکا ہے تمہارا گاڈ فادر ہے جس کا بیٹا! ہاں ان کو حق ہے بھئی دوسروں کی کمزوریاں لینے کا۔ پورا پورا حق ہے ان کو۔''

''نہیں سر! آپ یونہی ان پر ناراض ہو رہے ہیں۔ آفتاب صاحب سے میری ملاقات شائد ہی کبھی اسفند بھائی آپ کے متعلق زیادہ جانتے نہیں۔ پھر آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ آپ کے متعلق مجھے ان سے ہوا؟''

''پھر تمہارا مطلب ہے' میں کوئی اوپن سیکرٹ ہوں۔ جسے ہر کوئی جانتا ہے۔؟''

''آپ یونہی ناراض ہو رہے ہیں سر! آپ غالباً یہ بھول رہے ہیں کہ میں بھی تقریباً اسی سرکل ہوں جسے آپ اپنا کہتے ہیں۔ ایسے میں سننے کا حق تو سب کو ہے نا'' فراز کو احساس ہو رہا تھا کہ اپنے حالات سے وہ تلخی کا شکار ہو رہے ہیں اور انہیں اندازہ نہیں ہو پا رہا کہ کب کب وہ اپنے ٹریک سے اتر جاتے ہیں۔

''چلو خیر!'' اب کے انہوں نے ذرا سنبھل کر کہا۔

''تم جو مرضی کرو اور کہو مگر میرے بارے میں کسی وہم میں نہ رہنا۔ مجھے جاننا اور سمجھنا اتنا آسان نہیں۔''

''ٹھیک کہتے ہیں آپ؟'' فراز نے مصلحتاً کہا۔

''اور اب یہ بھی کہہ دو کہ آپ اتنے بدمزاج اور اکھڑ ہیں کہ میری توبہ جواب کبھی آپ کو دیکھنے آؤں۔''

''آپ کا اندازہ غلط ہے۔ میں خاصا مستقل مزاج واقع ہوا ہوں۔ آپ چاہے دروازے سے اندر ہی پر مجھے واپس چلے جانے کا اذن سنا دیں۔ میں پھر بھی آتا رہوں گا۔ اس وقت تک آتا رہوں گا جب تک صحت یاب نہیں ہو جاتے۔''

فراز اٹھتے ہوئے بولا۔ ''فی الحال چلتا ہوں' جلد دوبارہ حاضر ہوں گا۔''

وہ خاموشی سے لیٹے اسے دیکھتے رہے۔ اس روز ہسپتال سے واپسی پر فراز پورے راستے سوچتا رہا کے اس عجیب وغریب رویے کو کیا نام دے۔

''جو بھی ہے' مسئلہ دراصل یہ ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ وہ کیا تعلق اور احساس ہے جو مجھے پاس آنے پر مجبور کرتا ہے' شائد میں کسی کو بھی نہیں سمجھا سکتا' خود اپنے آپ کو بھی نہیں۔''

......۞......

''تم جتنا مرضی دعویٰ کر لو اپنی ماں کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔''

اسفند نے اپنے باپ کی اس بات پر اپنا رخ ان کی طرف موڑ کر انہیں غور سے دیکھا۔

''کتنے عرصہ قبل آپ نے ان کو جانا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''یا پھر یوں کہنا چاہیے کہ ان کو جاننے کی' صحیح معنوں میں جاننے کی کوشش پہلی مرتبہ آپ نے کب کی؟''

''تم طنز کر رہے ہو؟'' انہوں نے ریوالونگ چیئر کو گھماتے ہوئے کہا۔

''نہیں......'' اسفند نے سر ہلایا۔ ''میں تو محض ایک سوال کر رہا ہوں۔ ڈیڈی! آپ دونوں کا جو بھی مسئلہ ہے۔ اپنی جگہ ہے۔ مگر آپ کے مسائل نے ہمارے لیے زندگی میں کچھ خاص نارمل احساسات باقی نہیں رہنے دیئے۔''

''تم ضرورت سے زیادہ حساس ہو رہے ہو۔ تمہیں علم نہیں شہری نے کبھی اس طرح منفی سوچ نہیں رکھی تھی جو تم میں۔''

''جب ہی قربان ہو گیا۔'' افند نے بے اختیار کہا۔ ''اسے آخر تک یہ امید رہی کہ زندگی میں جو تاریکی کے بادل چھائے ہیں وہ جلد چھٹ جائیں گے وہ ایک خوش امید انسان تھا۔''

''تم اتنے ہی ناامید انسان ہو اسفی! تم نے زندگی کے محض ایک آدھ حادثے کو اپنے ذہن پر بری طرح سوار رکھا ہے اور اپنی زندگی کے اچھے دنوں کو اسی کے غم میں ضائع کیے جا رہے ہو؟''

''آپ غلط سوچ رہے ہیں ڈیڈی! میں زندگی کو ضائع نہیں کر رہا۔ زندگی کا درست مصرف کیا ہے یہ تو مجھے اب سمجھ میں آیا ہے۔'' اسفند نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''اچھی بات ہے' بہت اچھی بات ہے۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ ''مگر اس کو درست طور پر گزارتے گزارتے تم اپنے آپ سے اتنے غافل ہوتے جا رہے ہو کہ تمہاری ماں کو بجا طور پر تمہاری فکر ہے۔''

''میری ماں کو'' اسفند نے سوال کیا۔ ''صرف میری ماں کو اور آپ؟''

''میری بات اور ہے' میں حقیقتوں کو محض اپنی نظر سے نہیں دیکھتا یہ سمجھنے کی کوشش بھی کرتا ہوں کہ ان حقیقتوں سے دوچار ہوتے شخص کی اپنی بھی کوئی سوچ ہے۔''

''گویا آپ ممی کی طرح مجھے غلط قرار نہیں دے رہے' آپ محض ان کے اکسانے پر یا ان کے حکم کی تعمیل میں یہ بات کر رہے ہیں۔'' اسفند نے مسکرا کر کہا۔

''شاید تم ٹھیک سمجھے ہو۔ مگر تم جانتے ہو اسفی! ہم جتنے بھی پردے ڈالیں' زندگی اب اس طرح نارمل نہیں رہی جیسی کبھی تھی۔ اگر اس زندگی میں کہیں کوئی تبدیلی آ سکتی ہے تو وہ تمہاری زندگی میں پیش آنے والے کسی واقع کی وجہ سے آ سکتی ہے' سو بہتر ہے کہ اپنی ماں کی بات مان لو۔ چلو تم اپنی کوئی پسند ہی بتا دو' اب تو وہ بھی یہ مان گئی ہے۔''

''میری پسند!'' افند ایک بار پھر ان کی طرف مڑا۔ ''چاہے وہ سارہ شاہنواز ہی ہو پھر بھی وہ اور آپ دونوں ہی رضامند ہو جائیں گے۔؟''

''افوہ!'' آفتاب صاحب نے بھنا کر کہا۔ ''اسفی! تم ہمیں ٹیز کرو گے' میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

''نہیں ڈیڈی! میں آپ کو ٹیز کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' وہ ان کے قریب آتے ہوئے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''میری تو بس ایک ہی درخواست ہے' مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے' مجھے ان سب باتوں پر مجبور نہ کیجئے' جو آپ کے خیال میں مجھے کرنا چاہئیں۔ مجھے اپنی زندگی گزارنے دیں۔ یوں مجھے آپ اپنی خواہشات اور خود میری اپنی ترجیحات کے درمیان لٹکائیں گے تو زندگی میرے لیے مشکل ہو جائے گی۔ میں آپ کا کہا نہ مان سکتا ہوں' نہ ہی سرتابی کر سکتا ہوں۔ پلیز ڈیڈی! اس لیے درمیان کی راہ نکلنے کا انتظار کر لیں۔ جیسے میں کر رہا ہوں۔''

''اسفی! یہ بات میں تو شاید سمجھ جاؤں مگر وہ جو تمہاری ماں ہے' اس کو کون سمجھائے گا۔ وہ جس سرکل میں رات دن گزارتی ہے' وہاں اسے یہ ہی سبق پڑھائے جاتے ہیں کہ بیٹے کی شادی بزنس کی دنیا کی کسی لیڈنگ فیملی میں کرلو تمہارا نام بھی ہو جائے گا مایا سے مایا بھی ملے گی۔ اسے یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ تمہارا بیٹا خوبصورت' پڑھا لکھا ڈشنگ شخصیت کا مالک ہے۔ اسے کیش کرواؤ۔ پھر نجانے کس کے کہنے پر اس نے تمہاری جاسوسی پر کچھ لوگ لگا رکھے ہیں۔ جو اسے بتاتے ہیں کہ تم جس سوشل خدمت دومت کے چکروں میں پڑ چکے ہو۔ وہ آہستہ آہستہ تمہیں تباہ کر دے گی اور یہ بھی کہ تم اپنے اسٹینڈرڈ سے بہت نیچے درجے کے لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو۔

تم جم خانہ کلب کے ممبر ہو' تم چیمبر کے ممبر ہو تم لیڈنگ بزنس آرگنائزیشن کے ممبر ہو مگر خال خال ہی ان کی میٹنگز اور فنکشنز اٹینڈ کرتے ہو۔ اسفی! یہ سب اطلاعات حیران کن بھی ہیں اور پریشان کن بھی' میں سنتا ہوں تو پریشان ہو جاتا ہوں' وہ تو پھر ماں ہے۔''

''ایک بات تو بڑی کلیئر ہے ڈیڈی! میں جو کر رہا ہوں یا کرنا چاہتا ہوں' اسے کرتے کرتے بالکل قلاش ہو جاؤں تو بھی مجھے پروا نہیں۔ کیونکہ مجھے ایسا کوئی کامپلیکس نہیں کہ میرا تعلق جمیل مرچوں والے سے جوڑا جا رہا ہے' قلاش ہو گیا ہوگا' قلاش ہونے کے بعد مجھے واپس اندرون شہر کے اُس گھر میں جا کر بھی رہنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔ کوئی خدشہ نہیں' اس لیے کہ میں نے اب یہ سیکھا ہے کہ ہم اگر خدا کے دیئے میں سے خرچ کریں گے تو یہ دیا کم نہیں ہوگا' بلکہ بڑھتا جائے گا۔ ہمارے خدشات اور ہماری پلاننگز ہی ہمیں جمع تفریق کے چکر میں ڈال دیتی ہیں۔ جس سے ہم چاہیں بھی تو عمر بھر نکل نہیں پاتے۔ دوسری بات اپنے اسٹینڈرڈ سے کم لوگوں سے ملنے جلنے کی ہے تو چاہے آپ اسے میری احمقانہ عمر کی لاابالی سوچ قرار دیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جہاں انسان کا ذہن سکون محسوس کرے' اسے وہیں میل جول رکھنا چاہیے۔ شاید میرے لاشعور میں اپنے اس بیک گراؤنڈ کے اثرات کارفرما ہیں۔ جس کے ڈانڈے مرچوں والے سے ملتے ہیں۔ آخر ہم وہیں سے اٹھ کر اس اسٹینڈرڈ تک پہنچے ہیں اس میں ہمارا کمال تو صرف یہ ہے کہ ہم خرد برد کے ماہر ہیں۔''

''تم مجھے گالیاں دے رہے ہو' یا میری بات کا جواب؟'' آفتاب صاحب سیخ پا ہو گئے۔

''خدانخواستہ میں کسی کو بھی دیکھ کر نہیں کہہ رہا۔ میں صرف حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ ڈیڈی! کچھ عرصہ پہلے میری بھی وہی سوچ ہوا کرتی تھی جو آپ کی ہے۔ مگر اب میں نے سیکھا ہے کہ جو باتیں ہم کرتے ہیں نا۔ وہ صرف لفظوں کے ہیر پھیر ہیں۔ اصل حقیقت کچھ اور ہے۔ جب ہی اسٹینڈرڈز کی اور خواہشات کی اہمیت میرے نزدیک نہیں رہی۔ شاید آپ کے تجربے کے مطابق میری یہ سوچ وقتی ہو' میں کچھ عرصہ بعد اس بخار سے چھٹکارا حاصل کر لوں مگر فی الحال تو میں اس بخار میں پوری طرح مبتلا ہوں۔ مجھے اسی میں مبتلا رہنے دیں۔''

اسفند یار چلتے چلتے دوبارہ اس کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ جہاں سے اسے باہر کا منظر نظر آ رہا تھا۔ اس کی نظریں سڑک پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں اور لوگوں پر تھیں۔

''اور وہ جو تمہاری ماں کی خواہش ہے۔'' اسے عقب سے آفتاب صاحب کی آواز آئی۔

''مجھے کیش کرانے والی؟'' وہ بدستور باہر نظریں جمائے بولا۔

''ہاں!''

''کبھی کبھی کوئی پرکشش چیک جعلی بھی نکلتا ہے' پہلے اس بات کا تعین کر لیں کہ یہ چیک جسے کیش کرانے کا سوچ رہی ہیں' جعلی ہے یا اصلی۔''

آفتاب صاحب نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ قدرت ان کے ساتھ مسلسل عجیب سے کھیل' کھیل رہی تھی۔ ایک بیٹا وہ ہمیشہ کے لیے کھو چکے تھے۔ دوسرا زندہ مجسم ان کے سامنے تھا' مگر ان کی رسائی سے دور' زور زبردستی کا نتیجہ وہ پہلے بیٹے کے ساتھ بھگت چکے تھے' وہ نامراد اور مایوس دنیا سے چلا گیا تھا۔ اس کی نامرادی کے بھوت اکثر تنہائی میں آ کر ستاتے تھے اسی لیے اب وہ اس بیٹے کے ساتھ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتے تھے جس کے بعد انہیں کسی پچھتاوے کا سامنا کرنا پڑتا۔ دوسری طرف ان کی بیوی تھی' جس کی ہر جائز ناجائز انہوں نے ہمیشہ مانی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ اس صورت حال سے کیسے نبٹیں۔

انہوں نے سر اٹھا کر سامنے کھڑے بیٹے کو دیکھا' وہ وجیہہ تھا۔ پڑھا لکھا تھا۔ اس کی شخصیت پرکشش تھی' مگر وہ پہلے بیٹے سے بھی زیادہ مختلف تھا...... جسے وہ جذباتی دھمکیاں دے کر اپنی بات مان لینے پر مجبور کر لیا کرتے تھے۔ اس کے پاس بہت دلائل' بہت الفاظ تھے۔

......❁......

''دیکھو' تمہیں خدا نے مایوسی کی انتہا سے نکال کر دوبارہ کامیابی کی منزل عطا کر دی تم تو اس کا جتنا بھی شکر ادا کرو کم ہے۔'' زینی نے کافی کا نازک سا کپ سارہ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''یقیناً تم ٹھیک کہتی ہو۔'' سارہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مگر اس کامیابی کے راستے میں کتنی جگہ دلدل' کہاں کہاں اور ٹھوکریں تھیں۔ یہ کون جان سکتا ہے میرے سوا۔''

''جس دلدل کی تہہ میں تم اترنے والی تھیں فیروز بھٹی کا بازو پکڑ کر' اس سے بچ جانے پر تم جتنا شکر ادا کرو کم ہے۔'' زینی آج اس سے اعتراف کرانے پر تلی ہوئی تھی۔

''میں شکر ادا کرتی ہوں زینی! جب ہی تو میرے دل میں کوئی ملال' کوئی پچھتاوا باقی نہیں رہا۔ سوائے ایک پچھتاوے کے جو پھانس بن کر بری طرح میرے سینے میں چبھا ہوا ہے۔''

''وہ پچھتاوا بھی تمہارا خود ساختہ ہے سارہ! اس کے سلسلے میں بھی تم کہیں مجرم نہیں ہو۔ سارہ! یہ بات تم نے کونسلنگ کے دوران خود سائیکالوجسٹ کو بتائی تھی۔''

''ہاں...... شاید کسی قاعدے قانون کے تحت میں جرم کے زمرے میں نہیں آتی مگر اس کا کیا قصور تھا زینی! جسے میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔ تنہا لاوارث۔''

''تم اسے کسی ایسے کے حوالے کر کے آئی تھیں سارہ! جس نے بخوشی اسے قبول کیا تھا۔ یقیناً وہ اسے بہتر طریقے سے ہی پالے گا۔''

''مگر اس بات کو فرض کر لینے سے میری ذمہ داری ختم تو نہیں ہو جاتی۔ وہ ایک عہد تھا' ایک امانت تھی۔''

''تو پھر اب جب کہ تمہارے پاس پیسہ ہے اور استطاعت بھی' تو پھر تم اسے ری اڈاپٹ کیوں نہیں کر لیتیں۔''

''میں یہ ہی سوچ رہی ہوں اور یقیناً یہ ہی کروں گی بھی۔ میں اس سلسلے میں کوشش بھی کر رہی ہوں۔''

''چلو اچھا ہے تمہارے دل کا یہ ملال تو ختم ہوگا۔ مگر سارہ! تم انکل کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے وہ کتنے دن سے ہاسپٹل میں ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کا فرض صرف ہاسپٹل کا عملہ نبھا رہا ہے وہ بھی صرف اس لیے کہ وہ پیسہ خرچ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔''

''میرا باپ اپنے بھرم قائم رکھنے کے لیے ہر طرح کا ڈرامہ رچا لینے کا ماہر ہے زینی! تم نے ان کا رویہ یاد نہیں کیا جب میں ذہنی طور پر ختم ہو چکی تھی اور میری زندگی تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی۔ اس وقت جب تم نے انہیں بتایا

تھا تو ان کا ردعمل کیا تھا' نہوں نے مکمل بے نیازی اور بے رخی برتی تھی محض اس لیے کہ کوئی ان سے یہ نہ کہ/ تمہاری بیٹی کا کیا حال ہو رہا ہے۔ مجھے اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ اگر اس دوران میں مر مرا جاتی تو، تاریخوں کا چھپا ہوا اعلان لاتعلقی اپنے فیس سیونگ کے لیے کہیں سے نکال لاتے۔ اور دنیا کو دکھا دیتے کہ مر ہی اس سے سخت بیزار تھا۔"

"اتنی بڑی بات مت کرو سارہ! وہ تمہارے باپ ہیں یقیناً اتنے سنگ دل نہیں ہیں۔ انہوں نے کئی م سے فون کر کے تمہارے بارے میں پوچھا۔ تمہارے ری ایکشن کی وجہ سے ہر مرتبہ میں نے انہیں ٹال دیا۔" ز اس کی سخت کلامی پر جھرجھری لے کر کہا۔

"غلط بیانی مت کرو زینی! میں انہیں کسی بھی تیسرے شخص سے زیادہ جانتی ہوں۔ پاکستان میں ان فنکار کوئی نہیں ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے ڈرامے کی فیلڈ کو کیوں نہیں اپنایا۔"

وہ مزید درشتی سے بولی۔ زینی اس بات کے جواب میں اسے محض حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گئی

"اچھا یہ بتاؤ' تم لوگ اس بار فرنچ اپیرل (apparel) میں شرکت کر رہے ہو یا نہیں؟" زینی نے بدلنے کی خاطر کہا۔

"یقیناً کر رہے ہیں۔ اب تو ایسا ہے زینی! کہ زندگی محض کام ہی کام ہے۔ پیسہ کمانے کے لئے م رہنے کے لیے۔ مجھے لگتا ہے جس دن میں فارغ رہی۔ اسی دن دوبارہ ذہنی انحطاط کا شکار ہو جاؤں گی۔" وہ سکون لہجے میں کہہ رہی تھی۔ تب ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے نمبر ڈیکھ کر فوراً موبائل آن کیا۔

"ہاں بولو...... تم گئے تھے؟" زینی اسے بات کرتے دیکھ کر برتن سمیٹنے لگی۔

"کیا...... وہاں کوئی بھی نہیں ہے؟" اس کی بلند ہوتی آواز نے زینی کو دوبارہ اس کی طرف متوجہ کیا۔

"اچھا...... کیا کہتے ہیں وہ لوگ' وہ چلی گئی وہاں سے اور بی بی زینب' ان کا پتہ کیا تم نے؟" زینی نے ہا پکڑے برتن دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیے۔

"وہ کہتی ہیں' انہیں بھی معلوم نہیں وہ کہاں گئی؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" اب وہ باقاعدہ چیخ رہی تھی۔

"دیکھو...... تم پھر پتہ کرو۔ وہ دہیں کہیں ہو گی۔ محلے کے لوگوں سے پوچھو۔ وہ وہیں ہو گی' وہ بچہ د چاہتی ہو گی اس لیے۔"

وہ بات کرتے کرتے روہانسی ہو رہی تھی۔ زینی نے دیکھا اس کا سانس چڑھ رہا تھا۔ اس نے آگے موبائل اس سے چھین لیا۔ مگر رابطہ منقطع ہو چکا تھا' اس نے موبائل بند کر کے سوالیہ نظروں سے سارہ کو دیکھا۔ آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

"میں نے تو یہ محسوس کیا ہے ماسٹر جی! کہ جو کچھ آپ مجھے بتاتے ہیں جن پر میں نوٹس بناتی ہوں' وہ فرا نوٹس سے بھی زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔" مانو نے ڈکشن پر ماسٹر جی سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد کہا۔

"لیتا ہے مبینہ کلثوم! کہ تیرے چاچے کی بھینس زیادہ دودھ دینے لگ گئی ہے۔ اور تیری اماں زیادہ کھ ہے آج کل چاٹی سے' جو فالتو بچ جاتا ہے وہ تو مجھے لگا رہی ہے۔" ماسٹر جی نے حسب توقع اس کی بات اڑائی۔

"چلیں' آپ نہ مانیں پر میرا اپنا ایک خیال تھا' میں نے کہہ دیا۔" مبینہ نے قلم بند کرتے ہوئے کہا۔ ماسٹر جی! وہ جو فراز کے ساتھ بڑے صاحب آئے تھے نا میلے پر۔ ان کی بات کچھ اتنی غلط بھی نہیں تھی کہ آپ

کا کریڈٹ خود نہیں لیتے۔ اتنی بے نیازی اور اتنی عاجزی آپ میں کہاں سے آئی۔ اس کا بھی کچھ سبق ہمیں پڑھا دیجئے۔ ہم جو کچھ بھی نہیں کرتے۔ کسی قابل ہوتے بھی نہیں' لیکن موقع ملے تو بڑھ بڑھ کر کہتے ہیں۔ جی ہم نے یہ کیا' ہم نے وہ کیا۔"

"بس وقت اور تجربہ ہے' مبینہ کلثوم! جو انسان کو خود سکھاتا ہے کہ جو کام تو خود سے کر سکتا ہی نہیں' جب تک زان نہ ہو تو پھر تو اس کا کریڈٹ کیوں لیتا ہے' اگر میں کسی کو کچھ دینے کے قابل ہوں مبینہ کلثوم! تو یہ لینے والے کا نصیب ہے' اس کی قسمت میں لینا اور میری قسمت میں دینا لکھا ہے۔ پھر غرور کس بات کا کیا جائے۔ میں تمہیں کچھ دیتا ہوں تو بدلے میں خدمت لیتا ہوں۔ تم سے عزت لیتا ہوں' احترام پاتا ہوں' لینے اور دینے کا یہ سلسلہ تو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کریڈٹ کیا ہوتا ہے۔"

"جب قسمت اتنی بڑی حقیقت ہے اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے بغیر ہم مسلمان نہیں کہلا سکتے ماسٹر جی! تو پھر ہم اپنی توقعات پوری نہ ہونے پر ایک دوسرے سے ناراض کیوں ہو جاتے ہیں۔"

مانو کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ یہ سوال کیوں کر رہی ہے۔

"ہوں......!" ماسٹر جی نے اس کے اس سوال پر کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا۔ "یہ بھی نا مبینہ کلثوم! صرف انسانی رشتوں کی جبلت کے تحت ہوتا ہے' ہم ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں' محبت جتاتے ہیں' جب ہی ہمارا ایک دوسرے پر مان بڑھتا جاتا ہے۔ ناراضی تو صرف مان ٹوٹنے کی ہوتی ہے۔"

"ہم مان ٹوٹنے کو توڑنے والے اور جس کا ٹوٹے اس کی قسمت' اس کا مقسوم کیوں نہیں مان لیتے۔"

"مان لیتے ہیں' جب ہی اسے حقیقت سمجھ کر قبول بھی کر لیتے ہیں۔ ورنہ تو یہاں سب ہی ایک دوسرے کا گلا کاٹتے پھریں۔ مگر مسئلہ جہاں انسان پر اللہ کے مان کا آ جائے نا مبینہ کلثوم! تو وہاں نظر انداز کر دینا کچھ اتنا آسان نہیں رہتا۔"

یک دم ان کی ساری بات' سارا استدلال مبینہ کی سمجھ میں آ گیا۔

"یہ جو ساری بستی ہے نا' اس کے باسی میری میرے بھتیجے شاہنواز احمد سے ناراضی اور قطع تعلق پر بات کرتے ہیں۔ اندازے اور قیافے لگاتے ہیں۔ میرے سامنے احتراماً یہ بات اس لیے نہیں کرتے کہ کہیں میرا دل برا نہ ہو اور تجھے بتاؤں مبینہ کلثوم یہ قصہ ہی اور ہے۔"

مانو نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔ ان کی اس اچانک کی جانے والی بات پر اس کا دل لرزنے لگا' اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ وہ اس موضوع پر اس کے سامنے بولے تھے۔

"وہ مجھ سے نہیں اللہ سے سرکشی پر اتر آیا تھا' مبینہ کلثوم! میرے لیے بغاوت ہوتی اس کی حرکتوں میں تو میں نظر انداز کر جاتا' اپنا مقسوم سمجھ کر دھیاں پھیر لیتا۔ مگر وہ اس بڑی ذات سے بغاوت کرنے پر اتر آیا تھا۔ میں نے اس سے قطع تعلق اس لیے کیا کہ اس کی اس بغاوت پر خاموش رہتے ہوئے اس کے ساتھ تعلق رکھنے کے چکر میں کہیں میں بھی شریک کار نہ ٹھہرایا جاؤں' اس کے اعمال کا' میرے جیسا بندہ جتنا بھی بے غرض ہو' مبینہ کلثوم! تو اسے اتنی غرض ضرور ہوتی ہے کہ اگلے جہان اس کے اعمال بھاری ہوں۔ اس جہاں میں معبود کی نظر پسندیدگی کے ساتھ پڑے۔ سو میں ڈر گیا اور میں نے خود کو چھپا لیا اپنے آپ میں' اس کی سرکشی اور بغاوت اسے کہاں لے جائے گی' مجھے نظر آ رہا تھا۔ عمر بھر کی ریاضت اندھے کنویں میں گرتی نظر آ رہی تھی۔ سو میں نے دھیان ہٹا لیا۔ میرا مان تو جو ٹوٹا سو ٹوٹا' مگر مالک کی ناراضی کا سامنا یہ میرے جیسے ناتواں بندے کی برداشت سے باہر تھا۔"

''پھران جا کیا بنا؟'' مبینہ آنکھیں پھاڑے پوچھ رہی تھی۔ وہاں تک تو علم ہے جہاں تک کہ کاغذ
نے بھی پڑھی ہیں' جو اس ٹرنک میں بند ہیں۔''

وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہے تھے۔ مانو کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''تو جھلی کیا سمجھتی ہے' تیری اس حرکت کا انہیں پتہ نہیں چلا ہوگا۔''

اسے فراز کی بات یاد آئی' اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر ناراضی نہیں تھی۔

''گھبرانہ مبینہ کلثوم! تو نے کچھ غلط تو نہیں کیا۔ تجسس انسان سے بہت کچھ کرواتا ہے۔ تجھے بھی پتہ ہے
انسان تو کائنات کے سینے میں چھپے ہوئے راز ڈھونڈنے پر تلا ہوا ہے۔ پھر یہ تو معمولی سا راز تھا۔ پھر اگر تو
روز وہ کاغذ نہ دیکھ لیے ہوتے تو میں اپنے دل کی بات تجھ سے کیسے کر سکتا تھا۔ یہ بھی تو اللہ کے وسیلے بنانے والا
ہے نا۔''

''ماسٹر جی! آپ نے مجھے اس قابل سمجھا' آپ مجھ سے ناراض بھی نہیں ہوئے۔'' مبینہ کے منہ سے
الفاظ نکلے۔ اس کا جسم بھی کانپ رہا تھا۔

''او بس مبینہ کلثوم! بس اتنی سی بات پر بس ہو گئی تیری۔ تیری جگہ وہ ہوتا نا فراز تو بحث میں پڑ جاتا اور
ڈال دیتا سوال کر کر کے۔'' وہ حسب عادت قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

''چل سنبھال اپنی کتابیں شتابیں۔ اور میرے لیے کھانا لا۔ تیری اماں کہہ کر گئی تھی۔ آج ساگ پکا
مکھن ڈال کر بھیجوں گی' مکئی کی روٹی کے ساتھ۔ لگتا ہے گھر جا کر سو گئی ہے۔'' مانو کو صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ
اسے اس کیفیت سے نکال رہے تھے' جس میں وہ ان کی اس بات سے پڑ گئی تھی۔

''بڑے دنوں سے ایک لڑکا محلے میں پھرتا رہتا ہے۔ جی' عائشہ کے بارے میں پوچھتا ہے' کہ وہ یہاں
کہیں چلی گئی ہے' تو اس کا اکلا ٹھکانا پوچھتا ہے۔ ہم کہیں کہ ہمیں علم نہیں تو دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔'' صفیہ بی بی
کو بتا رہی تھی۔

''کون ہے وہ لڑکا' کیسا ہے؟'' بی بی زینب کے چہرے پر تفکر تھا۔

''وہ جو ایک دن ادھر بھی آیا تھا' آپ کے پاس۔'' صفیہ نے انہیں یاد دلایا۔ ''ہم تو پہلے ہی کہتے تھے
زینب! کہ یہ جو عائشہ کے بچے والا چکر تھا نا اس میں کوئی گڑبڑ ہے۔ یہ سارا اس کا ہی فساد ہے۔''

''دیکھو صفیہ! ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہیے۔ جو کوئی پوچھے' اسے صاف جواب دو کہ جی ہمیں نہیں پتہ۔ مجھ
سے پوچھا تھا تو میں نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ مجھے علم نہیں۔''

''سارے یہ ہی کہتے ہیں جی' ہمیں کیا پتا ہے عائشہ کدھر گئی۔ بچہ تو وہ پہلے ہی کہیں چھوڑ آئی تھی۔ ہم
بتا دیتے ہیں' آپ کو اس لیے بتا رہی ہوں کہ آپ نے منع کیا تھا عائشہ کی کوئی بات کرنے سے۔''

صفیہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔ بی بی زینب کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ جواب دیے بغیر
چادر سنبھالتی نکل گئی۔

''اب نجانے کون دعوے دار نکل آیا بچے کا۔ کسی صورت پتہ نہیں چلنا چاہیے کسی کو کہ بچہ کہاں ہے۔ ورنہ
یار کے سامنے میری کیا عزت رہ جائے گی۔''

بی بی زینب سوچ رہی تھیں۔

مسز رابعہ آفتاب کے لیے وہ دن بہت سی مصروفیات لے کر آیا تھا، ان دنوں وہ اپنے لیڈیز کلب کا الیکشن
جیتنے کی کوشش میں مصروف تھیں اور ان کو خواتین کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی مہم کے سلسلے میں دن رات کام کرنا پڑ رہا
تھا۔ اس روز بھی وہ مختلف خواتین سے ملنے کے بعد پی سی جا رہی تھیں، جہاں انہیں ''ٹرینڈ ماسٹرز'' کی جیولری
ایگزیبیشن وزٹ کرنا تھی۔ انہوں نے اس نمائش کی اتنی تعریف سنی تھی کہ انہیں اس کو دیکھنا پڑ گیا تھا۔

بعض اوقات تو انہیں اس روٹین کی زندگی سے وحشت سی ہونے لگتی تھی۔ لوگوں کے وضع کردہ اصولوں پر چلو۔
زمانہ یہ کہہ رہا ہے، لہٰذا تم بھی یہی کہو۔ آج کل فلاں چیز ان ہے، لہٰذا تم بھی اسی کو ان جانو۔ انہیں اس سارے عمل
سے لیکن کبھی کبھار بری طرح تھکانے لگتی تھی جس میں سے انہیں اپنی ہائی سوسائٹی کے اصولوں کو سیکھنے کے لیے گزرنا
پڑا تھا۔

''سچ ہے، بندہ اسی ماحول میں پیدا ہوا ہو تو ٹھیک ہے، باہر سے آ کر ان کے سارے رنگ ڈھنگ سیکھنا بہت
مشکل کام ہے۔'' انہوں نے گاڑی کی سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے سوچا۔

نمائش والے ہال میں داخل ہوتے ہی ان کو کوفت دگنی ہو گئی کیونکہ یہاں ان کی ملاقات مسز تنویر سے ہو گئی تھی
جو ان کی متوقع حریف تھیں۔ بظاہر خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ اندر تک جل بھن چکی تھیں۔

''میں تو اپنی تمام جیولری دوبئی والے ''سلامیز'' سے ڈیزائن کرواتی ہوں۔ یہ تو مسز تنویر نے بے حد تعریف کی
تو میں یہ ایگزیبیشن دیکھنے چلی آئی۔''

انہوں نے مسز بھروانہ کے سامنے ایک ایسی بات کی دلیل پیش کی جو ان سے پوچھی ہی نہ گئی تھی۔ یہ بھی غنیمت
تھا کہ جس وقت وہ یہاں پہنچی تھیں۔ اس وقت مسز بھروانہ واپس جا رہی تھیں پھر ان کی ملاقات سیمی پراچہ سے ہوئی جو
ملازمتی پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ انہیں اس وقت موجود ڈیزائن دکھا رہی تھی پھر ایک سائیڈ پر دھرے صوفے پر
بیٹھ کر انہوں نے نمائش میں رکھے گئے ڈیزائنز کی مکمل کیٹلاگ دیکھی۔ فروخت شدہ ڈیزائنز پر کراس کا نشان لگا تھا۔
انہیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا جو ڈیزائن انہیں پسند آئے تھے، وہ سب کے سب بک چکے تھے۔

''ڈونٹ وری۔ آپ پسند کریں، ہم آپ کو ایک ایسا ہی نیا سیٹ بنا دیں گے۔'' سیمی پراچہ نے پیشہ ورانہ لہجے

میں کہا۔

''میں انتہا سے زیادہ انفرادیت پسند ہوں۔ میں ایسی چیز کبھی نہیں خریدتی جو پہلے سے کسی اور نے استعمال کی ہو۔'' انہوں نے فخر سے کہا۔ سیمی نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔ اس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جو لوگ اس کے پاس آتے تھے، ان کی اکثریت ایسی ہی گفتگو کیا کرتی تھی۔

''چلیں پھر آپ اپنی ڈیمانڈ بتائیں، ہم اس کے مطابق کوئی نئی چیز ڈیزائن کرالیں گے۔''

''آپ تو اپنا ذہن ان ڈیزائنز پر استعمال کر چکی ہیں۔ اب اتنی جلدی تو آپ نیا ڈیزائن نہیں بنائیں گے۔'' انہوں نے نخوت سے کہا۔

''میڈم! ہمارا تو پروفیشن ہی یہ ہے، ہم تو نت نئے آئیڈیاز پر کام کرنے اور نئے نئے ڈیزائنز کے بارے میں سوچنے کے عادی ہیں۔ آپ اپنی ڈیمانڈ تو بتائیے۔'' سیمی نے مسلسل اپنا پیشہ ورانہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

''میں دبئی والے ''سلامز'' کے ڈیزائنز پر بھروسہ کرتی ہوں، وہ اپنے اسپیشل کلائنٹس کے ڈیزائنز کو کسی اور کے لیے کاپی نہیں کرتے۔'' انہیں ہر نئے بندے کے سامنے اپنے اسٹینڈرڈ کے جھنڈے گاڑنے کا مزاق تھا۔

''آپ پاکستانیوں کو آزما کر تو دیکھیں، آپ نے غالباً فراز کے متعلق نہیں سنا۔'' سیمی نے ایک نیا پتا پھینکتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

''فراز!'' آفتاب چونکیں۔ ''یہ کون ہے۔''

''جیولری ڈیزائننگ میں ایک نیا نام۔'' سیمی نے یوں کہا جیسے مارکیٹ میں آنے والے کسی نئے پروڈکٹ کا تعارف کروا رہی ہو۔ ''اتنی ورائٹی اور ورسٹالٹی آپ کسی اور ڈیزائنز کے کام میں نہیں پائیں گی، جتنی فراز کے پاس ہے اور اتفاق سے اسے کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا۔ سو آئڈیاز کی اور یجنلٹی کے متعلق تو کسی قسم کا شک نہیں کیا جاسکتا۔ آپ اس کے ڈیزائنز کا کیٹلاگ دیکھیں تو حیران رہ جائیں۔ سلامز، عالمز، امین گل جی سب کو پیچھے چھوڑے گا کسی روز۔''

سیمی اپنی اس لن ترانی کا نتیجہ اچھی طرح جانتی تھی، فوراً سے پیشتر اس سے فراز کا کانٹیکٹ نمبر مانگا گیا۔ جب تک مسز رابطہ آفتاب اس سے رخصت ہوئیں، وہ یہ بات طے کروا چکی تھی کہ انفرادیت اور نئے پن کی شوقین خاتون اب فراز سے کام ضرور ہی کرائیں گی۔

اب سیمی کا اگلا کام اس بات سے فراز کو آگاہ کرنا تھا۔

''بری پھنسیں خاتون 'فراز کو میں نے ان کے سامنے ''فاز'' ادا کیا۔ وہ عالمز، سلامز، روماز ٹائپ سمجھ کر فوراً تم سے کام کروانے پر آمادہ ہوگئیں۔'' وہ ہنس ہنس کر فراز کو بتا رہی تھی۔

''یہ آپ نے کیا کیا۔'' فراز اس کی پوری بات سن کر محظوظ ہونے کے باوجود گھبرا گیا۔ ''بابا! میں نے آپ کے ساتھ تھوڑا کام کیا ہے، اس سلسلے میں نہ میرا تجربہ، نہ وسائل اور نہ ہی کوئی ورکشاپ۔ وہ مجھ سے ملیں گی تو میں انہیں کیا بتاؤں گا۔''

''ارے تم صرف ان سے بات کرو گے، ڈیل کرو گے، باقی کام میرا ہے۔ تم انہیں میری ورکشاپ لے آنا، ہم باہر سے بورڈ بدلوالیں گے۔ تم ان لوگوں کو ابھی پوری طرح نہیں جانتے فراز! خاتون صفا چٹ ان پر جو پالش وانش چڑھی ہوتی ہے نا ان کے اوپر اور یہ جو انفرادیت اور نئے پن کی باتیں ہیں، یہ محض پیسے سے بے وقوف بنتے ہیں یہ لوگ تو کیا برائی ہے اس میں کہ ان کو بے وقوف ہم ہی بنائیں، کوئی اور کیوں بنائے

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آجر اور اجیر کے اس چکر میں بیچ میں پھنسنے والا کا ... ان سن کر سر جھٹک کر رہ گیا۔

... کیا ہونا چاہیے۔

کرسمس ہر سال آتی تھی، اپنے مخصوص رنگوں اور خوشیوں کے ساتھ مگر اس مرتبہ مسز ایلس ڈی سوزا کے اس گھر میں کرسمس بہت مختلف رنگ ڈھنگ سے آئی تھی۔ مسز ایلس ڈی سوزا جو کہ کرسمس سے کئی دن پہلے سے اس کی تیاریوں میں مصروف رہتی تھیں، اس بار اپنے صحن میں اگی بیلوں اور گملوں میں لگے پودوں کے خشک پتوں کے تنکے چنگے میں مصروف تھیں۔ انہیں وہ سب عزیز، ساتھی، دوست بھول چکے تھے جن کے بھیجے کارڈز اور تحائف وصول کرنے کے بعد وہ فخر سے پورے کمپاؤنڈ کے مکینوں کو ان کے بارے میں بتاتی تھیں۔ کرسمس کیک کی تیاری کے لیے جن لوازمات کی ضرورت ہوتی تھی، ان کی لسٹ بھی انہوں نے نہیں بنائی تھی۔ گھر کی سجاوٹ اور مہمانوں کی تواضع کے لیے بھی کوئی سامان اس گھر میں نہیں آیا تھا۔ محض ایک سال کے اندر اندر اس گھر کی تاریخ کا ایک نیا اور بھیانک باب شروع ہو چکا تھا۔ لیڈی ایلس کی چہکاریں ختم ہوگئی تھیں۔ جیسی ایک زندہ لاش کی مانند سارا دن بستر پر پڑے پڑے نظر کی حد تک موجود چہروں کو تکتے گزار دیتی تھی۔ لینا ڈی سوزا اپنی نوکری کی مصروفیت میں گم رہتی تھی اور جب گھر آئی، اس قدر تھکی ہوتی کہ بہت کم اس کی بات چیت کسی سے ہو پاتی تھی اور گھر سے گئی ہوئی کیمن للی ڈی سوزا کو عرصے سے کسی نے نہیں دیکھا تھا، نہ اس کے بارے میں کوئی خبر ملی تھی۔

اس روز بھی لیڈی ایلس صبح سے صحن میں رکھے چند گملوں کی صفائی میں مشغول تھیں، جب بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ ایلس گھٹنوں میں درد کی وجہ سے جلدی اٹھ نہیں سکتی تھی مگر اس کے دروازے پر یہ دستک کافی دنوں بعد سنائی دی تھی اور کسی آنے والے کی آمد کا احساس ہی تھا جس نے انہیں فوراً اٹھ کر دروازے کی طرف جانے پر مجبور کیا۔ دروازے پر کسی کوریئر کمپنی کا نمائندہ کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں رنگا رنگ تازہ پھولوں کا خوبصورت بوکے اور خوش رنگ گفٹ پیپر میں لپٹا ایک پیکٹ تھا۔

''صبح بخیر مادام! یہ آپ کے لیے۔'' آنے والا ایلس کے خدوخال دیکھ کر بغیر سوچے سمجھے متاثر ہوگیا تھا۔

''تھینک یو جنٹلمین، تھینک یو۔'' اس لڑکے کو اس درجہ متاثر ہوتے دیکھ کر ایلس کا پرانا لہجہ اور انداز عود کر آیا اور انہوں نے اولڈ انگلش لیڈی کے سے انداز میں اس سے پیکٹ اور پھول وصول کیے۔ انہوں نے دونوں چیزیں بھیجنے والے کا نام دانستہ پڑھے بغیر رسید پر دستخط کیے اور پروقار انداز میں مسکرا کر آنے والے کو رخصت کیا۔

''گڈ اولڈ ایلس! بی بی ینگ مین تم سے کتنا امپریس ہوتا۔ کم سے کم تمارا گریس ٹوٹا ئم اور ریکس نے ختم ناہیں کیا (بہت اچھا ایلس! ابھی بھی نوجوان تم سے کتنا متاثر ہوتے ہیں، کم سے کم گریس تو وقت اور حقائق نے ختم نہیں کیا۔) انہوں نے سر ملاتے ہوئے خود کو مخاطب کیا۔

دروازہ بھیڑ کر انہوں نے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ نظروں کے سامنے کیا اور گلے میں لٹکی سنہری زنجیر والا چشمہ ناک پر جمایا۔

''دو ہ لوفور ڈی سوزا فیملی فروم رفعت اینڈ کریم''

''رفعت اینڈ کاریم۔'' انہوں نے اس نام کو باآواز بلند دہرایا۔ اسے قطعی یاد نہیں آیا کہ بھجوانے والا کون تھا۔

''اچا اچا راولپنڈی سے بھیجا اے۔ مے بی کزن وائلٹ کا کوئی فرینڈ ہو۔ (اچھا اچھا راولپنڈی سے بھیجا ہے، شاید کزن وائلٹ کا کوئی دوست ہو۔) انہوں نے سوچا۔ ''ہو ہو، جانے بی ڈوایلس! ٹم ایسا ہی غم گین ہوتا۔ لوگ اچا لگ اب بی ٹم کو کتنا ڈیر جانٹا۔ (جانے بھی دو ایلس! اچھے لوگ تمہیں اب بھی کتنا پیار کرتے ہیں۔) انہوں نے

خود کو ایک امید بھری تسلی دی مگر اپنے ہی جواب پر وہ دن بھر مطمئن نہیں ہوئیں۔ انہیں معلوم تھا کہ پنڈی
کزن رہتی تھی، اس کی کوئی دوست تو درکنار خود انہوں نے کئی سال سے اس کے ساتھ رابطہ نہیں کیا تھا
چاہ رہی تھیں کہ انہیں یاد آ جائے، وہ ردعت اینڈ کریم کون تھی جس نے کرسمس پر اسے خوبصورت وائن
بھجوایا تھا مگر ذہن پر پورا زور دینے کے باوجود اسے یاد نہیں آیا۔ البتہ اس نے اگلے روز ڈینس کے آنے
بڑے فخر سے اسے بتایا تھا کہ اس کی کزن وائیلٹ نے کرسمس گفٹ بھجوایا تھا اور یہ کہ اب وہ کرسمس کی
تقریب منانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ ڈینس نے مطمئن سے دل کے ساتھ ایلس کو دیکھا جن کے چہرے پر
کا تھوڑا سا احساس جھلکا تھا۔

......✿......

"تم آج کل ضرورت سے زیادہ مصروف رہنے لگ گئے ہو۔ جب ہی پورا ہفتہ گزر جائے نظر
اسفند نے کئی دن بعد فراز کو آفس میں پکڑا تھا۔

"استغفار اسفند بھائی!" فراز نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "مجھے کہہ رہے ہیں اور خود جو آپ
سے نظروں سے کیا، شہر سے کیا، ملک سے ہی دور چلے گئے تھے۔ اس صورت حال میں، مجھے آپ سے کیا
تھا۔" فراز نے اسفند کے ہاتھ میں دبی اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم کیا اور ہمارا کہیں آنا جانا کیا۔ ہمارا تم سے کیا مقابلہ ہے، تم تو آج کل کچھ زیادہ ہی اونچا اڑ
بھائی! گردن اونچی کر کے، سر اٹھا کر تمہیں دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں آج کل۔" اسفند نے اسے ا
طرف چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس دعائیں ہیں آپ کی ورنہ بندہ پر تقصیر کس قابل ہے۔" اسفند کے آفس میں کرسی پر بیٹھتے ہو
مسکرا کر جواب دیا۔

"چلو جلدی سے سناؤ کیا مصروفیات ہیں۔" اسفند نے ٹیبل پر دھری فائلز پیچھے ہٹاتے ہوئے پوچھ

"جو بھی مصروفیت رہی، ہر ایک کا ایک سرا سیدھا آپ کے بتائے کام سے جا ملتا ہے۔ چاہے آپ
مانیں۔"

"تم بڑے استاد ہو یار! تم سے کوئی جیت نہیں سکتا۔ چلو اب جلدی بتاؤ تم نے میرے کام کے
کیا؟"

"آہستہ اور اطمینان سے بات کریں اور پوچھیں اسفند بھائی! بڑے انکشافات کا آہستہ آہستہ
چاہیے۔" فراز نے ایک بار پھر مسکرا کر کہا۔

"انک...... شافات......" اسفند نے لفظ کو توڑ توڑ کر ادا کیا۔ "مثلاً" کیسے انکشافات۔"

"انسان اس معاملے میں بڑا جلد باز ہے اسفند بھائی!" فراز نے میز کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے
بڑی جلدی ہوتی ہے جاننے کی اور دیکھنے کی۔ انسان کی فطری سائیکی کو بدلا نہیں جا سکتا۔"

"تم نے پھر اپنی فلاسفی شروع کر دی۔"

"ہم جب چھوٹے تھے نا تو ہمیں بڑا تجسس ہوتا تھا کہ ماسٹر جی کے تالا لگے ٹرنک میں جو چیزیں
ہیں۔" فراز نے اسفند کے اعتراض کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

"میں جب بھی تصور کرنے کی کوشش کرتا تو میری آنکھوں کے سامنے زیورات، جواہرات اور نقد

"اچھا پھر؟" اسفند جان گیا تھا کہ فراز کو اپنی بات کو طول دینے میں مزا آ رہا تھا اور وہ اب اپنی بات مکمل کر کے
ہٹائے گا۔

"وقت کے ساتھ یہ تجسس بڑھتا گیا، ماسٹر جی کے ڈر سے کبھی ہمت نہیں ہوئی اس کے متعلق سوال کرنے

"تو کیا اب تک یہ تجسس قائم ہے اپنی جگہ۔"
اسفند نے اکتا کر کہا۔
"نہیں۔" فراز نے سر ہلایا۔
"جب بستی سے باہر نکلے اور ذہن و مشاہدے کا کینوس ذرا وسیع ہوا تو ماسٹر جی کے ٹرنک کے بارے میں
ختم ہو گیا بلکہ یہ بھی خیال آتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے اس ٹرنک میں۔ زیور، پیسہ، پرانی یادیں، چند
یں۔ یہ ہی کچھ ہو سکتا ہے نا اس میں اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ بس تجسس اسی طرح ختم ہو گیا۔ مانو کے اس تجسس
نے ایک کام کر دکھایا، ایک دن اس نے ٹرنک کا تالا کھلا دیکھ کر اس میں چھپا خزانہ دیکھ لیا۔"
"پھر کیا نکلا اس میں سے؟" بے اختیار اسفند نے پوچھا۔
فراز زور سے ہنس دیا۔
"وہی جو میں نے بتایا تھا۔" کچھ دیر ہنستے رہنے کے بعد اس نے کہا۔
"بس اس واقعہ سے اتنا ہوا کہ ٹرنک میں بند خانے کے متعلق تجسس ختم ہو گیا اور اس کی اہمیت بھی۔"
"اور دیکھ لیں، شروع میں آپ میری بات پر دھیان نہیں دے رہے تھے مگر پھر آپ کا تجسس بھی بڑھنے لگا۔"
ت کے جواب میں اسفند کی خاموشی پر فراز نے اسے یاد دلایا۔
"گڈ سینس آف ہیومر۔ میں سلیوٹ کرتا ہوں جناب آپ کو۔" اسفند نے ناراض سے لہجے میں کہا۔
"چلیں، اب آپ کے تجسس کی طرف چلتے ہیں، وہ کام جو آپ نے مجھے سونپا تھا۔"
"وہ تو مذاق تھا۔" اسفند نے بدستور اسی ناراضی کے ساتھ کہا۔ "کم از کم آپ تو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ ہیں نا۔"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کی بات کو مذاق سمجھوں۔ توبہ کریں اسفند بھائی، اللہ کو جان دینی ہے یا نہیں۔"
"پھر پھوٹو کچھ منہ سے۔"
"دراصل میری بھاگ دوڑ کا نتیجہ کچھ ایسا مثبت بھی نہیں نکلا کہ میں اگر فخر کے ساتھ آپ کو اپنی فیلنگز دکھا
۔" اب کے فراز نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔
"اسفند بھائی! میری اطلاع کے مطابق سارہ شاہنواز کے پاس جو بچہ ہے یا تھا، وہ اس کا اپنا نہیں بلکہ کسی
ماں باپ کی اولاد ہے جنہیں وہ شاید جانتی بھی نہیں۔ ہاں ایسا ضرور ہے کہ یہ بچہ اسے شہریار محمد صاحب کے
لیے ملا تھا۔"
"ڈونٹ بی سلی۔" اسفند نے بے اختیار کہا۔
"یہ نئی کہانی کہاں سے گھڑ لی تم نے۔ میں نے تمہیں فیکٹس اینڈ فیگرز جو دکھائے تھے، ان کو جھٹلانے کا امکان
ہیں۔"
"یقیناً نہیں۔" فراز نے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

''مگر میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ میں غلط نہیں کہہ رہا۔ سارہ شاہنواز نے اگر کبھی شہر یار محمد سے نکا
کہ میری اطلاع کے مطابق نہیں کیا تھا تو بھی وہ کسی بچے کی ماں نہیں بنی تھی۔ یہ ایک پکا سچ ہے۔''

''فار گاڈز سیک فراز! تم مجھے نئے سرے سے الجھا رہے ہو جبکہ تم نے دعویٰ کیا تھا کہ تم میری الجھ
گے۔''

''وہی تو کر رہا ہوں اسفند بھائی! میری اطلاع کے مطابق شہر یار محمد صاحب کی محبت میں سارہ
ان کے کہنے پر یہ بچے والا کڑوا گھونٹ اس لیے پی لیا، اس شرط پر کہ اس کے عوض وہ اس سے شادی کر لیں

''وہ کون سا ایسا قیمتی بچہ تھا اور کس کا بچہ تھا جو شہری کو اتنا عزیز ہو گیا کہ وہ اسے اڈاپٹ کرنے پر
اسفند نے جھلا کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''وہ بچہ میری اطلاع کے مطابق شہر یار صاحب کی سابقہ محبوبہ ''صبا مسعود'' کا بیٹا تھا جو مرحوم لطیف
ہو جانے کے بعد ان کے بچے کی پیدائش کے دوران اپنے پیچیدہ ڈلیوری کیس کی وجہ سے چل بسیں۔''

''کیا الف لیلہ سنا رہے ہو تم فراز! تم نے تو مجھے بالکل ہی الجھا کر رکھ دیا۔ یہ ساری کہانی تم نے ک
لی۔''

''انتہائی معتبر ذرائع سے اور یہ ذرائع ایسے ہیں اسفند بھائی کہ آپ کے کہنے پر آپ کے گھر کے کر
انوسٹی گیشن پر ایک لفظ بھی نہ بتاتے اس کہانی کا۔''

''اور تمہیں کیسے سنا دیں؟ کس نے سنا دیں؟'' اسفند نے قطعی یقین نہ کرنے والے انداز میں پوچ

''علی سفیان آفاقی صاحب ملے تھے، مجھے یہ داستان امیر حمزہ سنانے کے لیے۔'' فراز کو اس کی بے
آ گیا۔

''اسفند بھائی! آپ نے مجھے ایک کام کہا تھا۔ آپ کی خاطر میں اس کہانی کے سرے جوڑتا جوڑتا
کس سے مغز کھپاتا اس کے تانے بانے جوڑنے میں کامیاب ہوا ہوں اور آپ میری بات کا یقین ہی
ہے۔''

''اچھا پھر یوں کرو کہ اس کہانی کے راوی سے مجھے بھی ملواؤ۔'' اسفند نے سکون سے کہا۔ فراز کو اس
تاؤ آ گیا مگر اس نے اپنے فطری ضبط سے کام لیتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''کوئی ایک راوی ہو اسفند بھائی تو میں اس سے ملاؤں۔ یہاں تو جس سے ملو، وہ کوئی نئی بات
آپ کے بھائی صاحب معاف کیجئے گا، خاصی پراسرار حرکتیں کرتے رہے تھے زندگی میں۔''

''یہ تو ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے۔ جو دنیا سے چلا جاتا ہے، اس کے بارے میں کئی دعوے دار پیدا ہو جا
اس کے چھپے ہوئے کاموں کے عینی گواہ۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس کہانی کو بھاری پتھر سمجھتے ہوئے چوم کر
دکھ دیتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ خواہ مخواہ تمہیں میری خاطر یوں اس کہانی کے تانے بانے جوڑنے کے لیے
پڑا۔'' فراز اسفند کے اس بدلے ہوئے لہجے پر چونک گیا۔

''ابھی بھڑک رہے تھے اور ابھی اس تحقیق سے دست بردار بھی ہو گئے۔ کمال آدمی ہیں۔'' اس نے
سوچا۔

''یہ ممکن نہیں ہے اسفند بھائی کہ آپ یوں اتنی جلدی اس کو بھاری پتھر سمجھ لیں۔'' اس نے بے بسی
میں کہا۔ ''یوں کہیں کہ آپ مجھے اس کام سے نکالنا چاہتے ہیں۔''

ی بات نہیں ہے فراز! دراصل کچھ عرصہ پہلے تک میرے دل میں ایک خلش تھی۔ یہ کہانی میرے سامنے
کہ میرے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات آتی ہی نہیں تھی کہ شہری کی موت کا کوئی سرا بھی اس بات
ہے مگر اب جوں جوں وقت گزر رہا ہے، میں اپنے مزاج میں عجیب سا ٹھہراؤ آتا محسوس کر رہا ہوں۔ اب
پر کامل یقین ہوتا جا رہا ہے کہ موت نے جب آنا ہوتا ہے، وہ آ جاتی ہے، اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ وجہ
ی بنے۔ پہلے مجھے اس لڑکی سارہ شاہنواز کی ذات کے بارے میں جاننے کا جنون سوار رہتا تھا بلکہ سچ
ہری کی موت کی اصل ذمہ دار وہ ہی لگتی تھی مگر اب تمہیں تو معلوم ہی ہوگا کہ وہ خود کیسی قابل رحم زندگی گزار
نجانے کون سی وجہ رہی ہوگی کہ جو وہ یوں منظر سے غائب ہو گئی۔ تب ہی میں نے سوچا کہ شہری کو جانا تھا،
ب اگر میں اسی طرح تحقیق اور کھوج میں پڑا رہا تو نجانے اور کتنی زندگیاں متاثر ہوں گی۔''

ریٹ۔'' فراز نے تالی بجا کر کہا۔ ''بہت اچھی علامت ہے، ذہنی صحت کے بارے میں اچھا اشارہ ملا ہے
ے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور آپ ایسے ہی رہیں۔ بعض واقعات کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پاتے اور تاریخی
رہ جاتے ہیں۔ ان کو ماضی کی کتابوں کے باب بنے رہنے دینا چاہیے۔ ان کی گرد جھاڑنے سے نقصان کا
ا ہے۔''

ٹھیک کہتے ہو تم۔'' اسفند نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ سناؤ، تمہاری اپنی ذاتی مصروفیت کا کیا حال ہے۔ سنا ہے اب
براچہ کے ساتھ باقاعدہ کانٹریکٹ کر لیا ہے، جیولری کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ڈیزائن کرنے کا۔''

ور یہ نہیں سنا آپ نے کہ آپ کی والدہ میری فرسٹ ایور ذاتی کسٹمر بن گئی ہیں۔'' فراز نے اس کی معلومات
یا۔

کمال ترقی ہے بھئی!'' اسفند نے سراہا۔ ''اب سمجھو تم ہائی سوسائٹی کے اہم فگر بننے ہی والے ہو۔ میری ممی کی
ا پر پڑ جاتی ہے، وہ تو جانو سونے کا بن جاتا ہے۔''

ہو سکتا ہے مگر میرے سلسلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جب انہیں پتا چلے گا کہ میں وہ فراز ہوں جس نے
ی کی آنکھ پر حماقت کی پٹی باندھ رکھی ہے اور میں ہی فراز ہوں جس پر ان کے بیٹے نے خاص نظر کرم کر رکھی
فتنے کے پیچھے اپنا روپیہ برباد کر رہا ہے تو پھر تو وہ مجھے چٹکی سے پکڑ ہائی سوسائٹی تو کیا لفظ سوسائٹی سے ہی
ینکیں گی۔''

ہیں۔'' اسفند نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ''ایسا ضروری نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے کام کو دیکھ کر اور
کام کرنے کے وعدہ پر کہ تم ان کے ڈیزائن کسی اور کو بنا کر نہیں دو گے، وہ بہت سی ایسی باتیں نظر انداز بھی کر
ونٹ یوری، صرف تمہیں ان کا برخوردار بن کر رہنا پڑے گا۔''

چلیں دیکھتے ہیں، آپ کہیے لیڈی ایلس کو کرسمس گریٹنگ میسج نہیں بھیجیں گے اس بار۔'' فراز نے دانستہ

یہ تو تمہارا ڈپارٹمنٹ ہے، میرا خیال ہے کہ تم دو علیحدہ علیحدہ کرسمس گفٹس لے لو، ایک للی ڈی سوزا کے لیے
ا ایلس، اینڈ کو کے لیے، مے بی تمہیں للی ڈی سوزا کے تھیٹریکل گروپ میں کوئی آرٹسٹک کری ایٹوٹی کا کوئی
جائے۔ آج کل ویسے بھی تمہیں ایسے چانس خوب مل رہے ہیں۔''

اسفند بھائی درویشوں سے ایسے مذاق نہیں کرتے، الٹے پڑ جائیں گے آپ کو۔''

یہ درویشی بھی عیاری ہے میاں! ہم سے تم کیسے چھپو گے۔'' اسفند نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''آپ شاید زیادہ سمجھ دار ہیں، ہم کیا اور ہمارا تجربہ کیا۔'' فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔
''اب میں چلتا ہوں، مجھے کسی سے ملنے جانا ہے ذرا۔''
''پھر کب ملاقات ہوگی؟۔''
''اب تو ہوتی ہی رہے گی، ابھی آپ ادھر ہی ہیں نا پاکستان میں۔''
''امکان تو یہی ہے۔'' اسفند نے میز پر دھرا موبائل فون اٹھاتے ہوئے کہا۔
فراز کے جانے کے بعد وہ موبائل پر کوئی نمبر دبانے لگا۔
''ہیلو، زیدی! اسفند بول رہا ہوں، ہاں وہ بھٹی کا پتہ کرو اور جاوید کا بھی۔ دونوں کو میرے پاس دن۔'' خالی کمرے میں اس کی آواز ابھری تھی۔

......✿......

''آج ایک شعر شدت سے یاد آ رہا ہے۔ سنو گے۔'' شاہنواز احمد نے اپنے سامنے بیٹھے فراز کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''آپ کو لیٹے لیٹے شعر یاد آنے لگے اب۔'' فراز نے ٹیبل پر رکھے اخبار پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔
''سنائیے پھر۔''
''وہ ایک شعر ہے نا بڑا مشہور کیا ہے کہ

یہ جفائے غم کا چارہ، وہ نجات دل کا عالم

''جی خوب یاد آیا۔'' فراز نے متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

یہ جفائے غم کا چارہ، وہ نجات دل کا عالم
ترا حسن دست عیسیٰ، تیری یاد روئے مریم

''کیا شعر ہے، سر! ویسے یہ شعر آپ کو کیسے یاد آ گیا آج۔''
''تم نے سسٹر زارا کو دیکھا ہے۔ یہ جو ابھی آئی تھی میرا بلڈ پریشر چیک کرنے۔ پتا نہیں کیوں جب ا ہوں یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔''
''کیا بات ہے، نرسز پر یعنی ان سسٹرز پر آپ کی یہ خاص نظر کرم کیوں ہے؟''
''کیا مطلب نرسز پر۔'' وہ ایک دم سیدھے ہوئے۔ فراز ان کی کیفیت سے محظوظ ہوا۔
''مطلب یہاں اکیلے پڑے پڑے آپ کو کچھ اور نہیں سوجھا تو نرسز کو دیکھ کر شعر ہی یاد آنے لگے۔'' مزید چھیڑنے کا ارادہ ختم کرتے ہوئے بات کو دوسرا رخ دے دیا۔
''ہوں۔'' انہوں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے لمبا سانس لیا۔
''ویسے یہ کس کا حسن دست عیسیٰ اور کس کی یاد روئے مریم ثابت ہوئی، آپ کے لیے۔ یہ جو سسٹر زارا ان کا حسن تو لگتا ہے صرف ان کے اپنے لیے ہی ہے۔ کوئی دوسرا روح اس کو حسن کہنے کی جرات تو ہرگز نہیں کر
''تمہیں دیکھ کر خیال آتا ہے کہ ہوگا کوئی بے چارہ مسکین طبع، زندگی میں مقام بنانے کی جدوجہد میں نوجوان۔'' انہوں نے مسلسل اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مگر تمہیں قریب سے دیکھ کر، تمہاری گفتگو سن کر ہے کہ تم نہ صرف چھپے رستم ہو بلکہ چلتا پرزہ قسم کی کوئی چیز ہو۔''
''آداب عرض ہے۔'' فراز نے دایاں ہاتھ ماتھے تک لے جاتے ہوئے کہا۔ ''دراصل بندۂ مسکین

جس بھی سانچے میں ڈالا جائے، وہی شکل اختیار کر لیتا ہے، اسے چلتا پرزہ ہونا کہتے ہیں تو ایسا ہی ہوگا۔''
''اچھا چھوڑو۔'' شاہنواز احمد اس کی گفتگو سے گھبرا کر بولے۔ ''یہ بتاؤ باہر کی کیا خبریں ہیں؟''
''میں باہر کی خبریں بعد میں سناؤں گا، آپ پہلے اندر کی خبریں تو سنائیں۔'' فراز نے معنی خیز انداز میں

''ہمیں بناتے ہو میاں۔'' وہ مسکرائے۔ ''اندر کی خبریں تو ایم آر آئی، سی ٹی اسکین والے جانیں یا پھر وہ جو باقی کرتے پھرتے ہیں، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ دنیا کے ہنگاموں سے دور خاموشی اور تنہائی میں مزے سے پڑے وقت مل رہا ہے سوچنے کا۔ اور......'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔
''اور......'' فراز نے پوچھا۔
''زندگی کی فلم کو ریوائنڈ کر کے دیکھنے کا اور خود احتسابی کا اور......'' وہ بھی دانستہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
''آپ یادداشتیں لکھنا شروع کر دیں۔ یقین کریں، بہت سے قارئین کو اٹریکٹ کریں گی۔''
''کون سے قارئین میاں۔'' ان کے چہرے پر عجیب سا درد پھیل گیا۔ ''یہاں تو یہ حال ہے کہ جب سے ہیں سوائے شروع کے دنوں کے کوئی پوچھنے بھی نہیں آیا۔ بہت سے وہ اسٹوڈنٹس تھے جو گائیڈنس لینے آتے دوست احباب تھے وہ اسپانسرز تھے جو بچھ بچھ جاتے تھے، آگے پیچھے پھرتے تھے، سر سر کی گردان کرتے تھے، ہیں آنے لگا ہے ان خبروں اور باتوں پر کہ فلاں شاعر، فلاں ادیب، فلاں فنکار اور فلاں آرٹسٹ گم نامی کی گیا۔ زندگی شاید اسی کا نام ہے۔''
''ارررے......'' فراز نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما۔ ''اتنی مایوسی تو بہت ہی بری بات ہے۔ آپ کے ایسے لوگوں سے بالکل مختلف ہیں۔''
''اور میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم کیوں اتنی باقاعدگی سے چلے آتے ہو۔'' ایک دم وہ ذرا اور رشت لہجے میں

''اگر کوئی کام ہے، کہیں سفارش وغیرہ کرانی ہے تو ویسے کہہ دو، میں کر دوں گا، یوں یہاں آ کر وقت ہی ضائع ہو رہا ہے۔''
''اتنی بدگمانی۔ اللہ کی پناہ۔'' فراز نے چہرے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
''تو پھر کیوں آتے ہو؟ یہاں آنے سے پہلے میرا تمہارا تعلق کوئی خاص خوش گوار اور مضبوط تو نہیں تھا۔''
''آپ کو پسند نہیں تو آئندہ نہیں آؤں گا۔'' اب کے فراز سنجیدہ ہو گیا۔ ''دراصل ہمارے ہاں قرض دار لوگ لیے قرض چکانے کی فوراً کوشش کرتے ہیں۔ سمجھ لیجیے میں بھی مقروض ہوں اور قرض اتارنا چاہتا ہوں۔''
''میں نے تو کبھی تمہیں کوئی قرض نہیں دیا۔ پھر تم میرے مقروض کیسے ہوئے؟'' وہ حیرت سے بولے۔
''قرض کی نوعیت ایک سی نہیں ہوتی سر! کچھ قرض ان دیکھے بھی ہوتے ہیں، غیر مرئی، بس ایسے ہی قرض کا انہوں میں بھی۔ ایسا قرض ہے مجھ پر کہ اس کا حق شاید ہی کبھی ادا کر سکوں بلکہ شاید کبھی نہ کر سکوں، آپ مجھے نے سے روکیں گے تو میں مقروض کا مقروض ہی رہ جاؤں گا۔''
''تم ہو کون؟'' وہ ایک دم گھبرا کر بولے، فراز کی اس بات نے انہیں چونکا دیا تھا۔
''میں فراز احمد آف ولیج ورسا لکے حال مقیم لاہور انگریزی ادب کا طالب علم اور فری لانس ڈیزائنر کم آرٹسٹ'' فراز نے ماحول کی سنجیدگی توڑنے کے لیے مسخرے پن سے کہا۔

''میں نے کہا تھا نا، تم چھپے رستم ہو اور چلتے پرزے، کچھ کچھ اپنی جوانی کا عکس نظر آ رہا ہے مجھے تم م
ہوئے بولے۔

''نا نا سر۔'' فراز نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ ''میں غریب مسکین آدمی ہوں، معصوم اور سیدھا سادا
آپ نے اپنی جوانی میں کیے، وہ تو یہ بندہ مسکین افورڈ ہی نہیں کر سکتا۔''

''تمہیں کیسے علم ہوا میرے ایڈونچرز کا۔''

''مجھے کیا سر! شہر کے ہر دوسرے بندے کو علم ہے، آپ کس کس مشکل سے گزر کر شہرت کی ا
پہنچے۔'' فراز نے بات کی شکل بدل دی۔

''اوہ اچھا......'' انہوں نے سادگی سے اس کی بات مان لی۔

''کتنا رومینٹک قسم کا افسانہ ہے نا سر! اشتہاری بورڈ پینٹ کرنے والا قدم، قدم چلتا شہرہ آفاق
گیا۔''

''آج کل تو ہر دوسرا لڑکا ایسی ہی کہانی ساتھ لیے پھرتا ہے۔ تم اپنی کہو، کیا اس سے مختلف کہانی ہے

''یقیناً'' سر! میں نے یہ ساری کہانیاں پڑھ سن کر اپنی ترجیحات ہی بدل ڈالیں۔''

''کہانیوں سے ڈر کے یا اماں سے ڈر کے جس نے تمہیں یہاں پڑھ لکھ کر باؤ بننے بھیجا تھا۔''

''جو بھی سمجھ لیں۔ اگر انسان اپنی ترجیحات بدل کر کسی کا دل رکھنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ
بھی بڑی بات ہے۔''

''انسان اپنی ناکامیوں پر خوبصورت پردے ڈالنے کا ماہر نہ ہوتا تو دنیا کی تاریخ مختلف ہوتی یقی
لہجے میں طنز کی چبھن تھی۔ ''تمہیں اگر مرچوں والے کا پوتا نہ ملتا اور اتنا تمہیں پیٹرونائز نہ کرتا تو میں د
ترجیحات کیسے بدل جاتیں تم بل بورڈز پینٹ کر رہے ہوتے اب تک۔ آرٹ کی دنیا میں جس ہنگام
چاہتے تھے۔ وہ ہو نہیں سکے، اسی لیے اب کہتے ہو کہ کسی کا دل رکھنے کو ترجیحات بدل لیں۔ ارے میاں!
ہمارا بھی شیوہ رہا ہے عمر بھر، ہم سے کیا چھپاتے ہو۔''

''دراصل میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے کسی سے کچھ چھپانے کی عادت نہیں مگر اس کے باوجود مجھے بہ
پڑ جاتا ہے۔ نہ چھپاؤں تو بہت سے دل ٹوٹ جائیں۔ بہت سے ذہنوں کو نہ ختم ہونے والی پریشا
جائیں، بس اسی چھپانے نہ چھپانے کی تگ و دو میں بعض دفعہ مجھ سے بات نہیں بنتی۔'' فراز نے مسکرا کرا
وہ جواب میں صرف اسے دیکھ کر رہ گئے۔

''اچھا اب چلتا ہوں، بتایئے پھر آؤں یا نہ آؤں؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''نہ آؤں۔'' شاہنواز احمد کے دل کی دھڑکن مس ہوئی۔ ''بھلے آؤ، کس نے روکا ہے۔ کہنے کا مق
تھا کہ مروت سے آتے ہو یا پھر کسی کام سے تو بلا جھجک کہہ دو، یوں دل میں رکھنے سے بوجھ بڑھتا ہے
بھی۔''

''اچھا تو اب اجازت دیجئے، پھر ملیں گے۔'' اس نے جھک کر ان کا ہاتھ دبایا اور کمرے سے نکل

اس رات شاہنواز احمد نے سرہانے دھری سنہری جلد والی مقفل ڈائری عرصے بعد کھولی تھی اور ا
چند لائنیں ہی لکھ پائے تھے۔

''ڈیئر ڈائری، عرصہ ہوا تمہیں کھولا بھی نہیں۔ پیاری سہیلی! ناراض مت ہونا۔ دراصل مجھے کوئی ا

یا ہے جو ان باتوں کا جواب بھی دیتا ہے جو میں تم سے کرتا ہوں۔

......۞......

اس روز ماسٹر جی کسی گہری سوچ میں ڈوبے تھے۔ ان کے تمام شاگردوں نے اس بات کو بری طرح محسوس کیا
ران کے ڈر کی وجہ سے کسی کو یہ پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا کہ وہ کیوں خاموش تھے۔

''چلو، بھئی بالڑو کتابیں سنبھالو اپنی۔ بستے اٹھاؤ۔ سمجھو چھٹی ہوگئی۔ تختیاں کل لکھیں گے۔ چلو شاوا چلو۔'' اس
نہوں نے شاگردوں کو چھٹی بھی جلد دے دی تھی۔ بچے اسی خوشی میں کہ چھٹی ہوگئی تھی تقریباً بھاگتے ہوئے ماسٹر
ے گھر سے باہر نکلے تھے۔ اور ماسٹر جی صحن میں اکیلے بیٹھے رہ گئے تھے۔ پھر ان کی تنہائی کو تاج دین جولاہے نے
تھا۔ وہ اپنے لائے تحفے کی خوشی میں اتنا مگن تھا کہ اسے گھر کی خاموشی محسوس ہی نہیں ہوئی۔ پھر ماسٹر جی کی تنہائی
رو وہ آگے بڑھا۔ ''سلاں لیکم ماسٹر جی! کیا بات ہے، آج اتوار ہے بھلا جو بچے پڑھ نہیں رہے۔'' اس کی آواز پر
جی اپنی سوچ سے چونکے۔

''او آ بھئی، تاج دینا، کیا حال ہے، بھلیا لوکا، بڑے دنوں بعد شکل دکھائی۔'' ان کے چہرے پر خوشی کا تاثر
یونکہ وہ جانتے تھے کہ بستی بھر میں تاج دین جیسا عمدہ حقہ کوئی نہیں بھرتا تھا۔ اس کو اس کام میں خاص مہارت
تھی اور حقہ ہی اتو ان کی تنہائی کا اصل ساتھی تھا۔

''بس جی کیا بتاؤں ماسٹر جی! کام اپنا بہت بڑھ گیا ہے۔ اب بڑے شہروں میں لوگ پھر سے کھڈیوں پر بنایا
ڑا پسند کرنے لگے ہیں۔ اپنے جمالے نے مجھے بھی کام لے کر دیا ہے۔ بی بی ہے کوئی، سیالکوٹ چھاؤنی میں
ہے، اس نے آرڈر دیا تھا، پتا ہے ماسٹر جی! اس نے اپنی دکان کا نام ہی کھڈی رکھ چھوڑا ہوا ہے، ہی ہی ہی۔''
ین نے اپنے تئیں بڑی دلچسپ خبر سنائی۔

''بس دیکھ لے تاج دینا! دنیا کا پہیہ پیچھے کی طرف گھومنے لگا ہے۔ پرانی چیزوں کو نئے ڈھنگ سے پیش
نے لگی ہے۔'' ماسٹر جی نے نیچی آواز میں کہا۔

''ادھر کمہاروں کو بھی جی بڑی چاندنی ہوگئی ہے، جی، سنا ہے سیالکوٹ میں نمیش (نمائش) لگی تھی۔ اس میں
ے کمہار گئے تھے۔ اپنا پہیہ چکی لے کر تازہ تازہ برتن بنانے۔ دکھانے کے لیے۔'' تاج دین نے ایک اور خبر
ہوئے ماسٹر جی کے کہے بغیر حقہ پکڑ کر ٹوپی اتار لی۔

''چل ان بھلے لوگوں کا بھلا ہوگیا۔ نہیں تو لوگ اب نئی نئی چیزوں کے آنے سے یہ پیشے چھوڑ ہی بیٹھے تھے۔''
ی نے تاج دین کو تمباکو اور گڑ کا لفافہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

''اب تو جی میرا پوترا جو ہے بلال احمد، وہ بھی اپنے پیو سے فرمائش کرتا ہے۔ مجھے کمپیوڈر (کمپیوٹر) لے دے،
ہیں، اب اس کے بغیر پڑھائی ہی نہیں ہوتی۔''

''ہاں تاج دینا، انسان کا ذہن سست ہونے لگا ہے تو پھر یہ چیزیں تو خود بخود لازمی ہوتی جائیں گی۔''

''پر ماسٹر جی! ساری دنیا کے کمپیوڈر بھی ملا لو تو ماسٹر ہدایت اللہ کے ذہن کے مقابلہ تو نہیں کر سکتے نا۔'' تاج
نے یقیناً ان کا دل رکھنے کو کہا۔

''بس تاج دینا، یہ بات تو صرف تو ہی کر سکتا ہے اور کوئی تو نہیں نا کر سکتا۔'' ماسٹر جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
نا کوئی خبر شبر بستی کی۔''

''ماسٹر جی! بستی کے لوگ اپنے کام میں، شغل میں لگے ہوئے ہیں۔ کون سی بات آپ سے چھپی ہے۔ سنا ہے

لالہ شفیع اپنی لڑکی کا رشتہ کر رہا ہے۔'' تاج دین نے حقے پر پانی ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں، سنا ہے، اور کوئی بات سنا۔'' ماسٹر جی نے اس کو ٹالا۔

''اور تو کوئی بات نہیں جی۔ آپ امین کی شادی کھانے جاؤ گے نا جی۔''

''ضرور جاؤں گا، امین کی شادی کھانے، پر تاج دین! یہ تو بتا شادی کھائی کیسے جاتی ہے۔''

''پتہ نہیں جی، شروع سے یہ ہی سنا ہے شادی کھانے جانا ہے۔ اب یہ کھیس آپ نے لینا ہے، آ[...] موسم میں۔ جی، گرم سوتر سے بنایا ہے۔'' تاج دین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں اب چلتا ہوں، ابھی بھینسوں کا چارہ بھی کترنا ہے۔''

تاج دین کے جانے کے بعد ماسٹر جی کو ایک بار پھر تنہائی نے آلیا۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ تاج د[...] باتیں انہوں نے کی تھیں، وہ محض اپنا ذہن بٹانے کی خاطر کی تھیں، حقیقت میں جس بات پر ان کے ذہن [...] تھی، وہ اب تک وہیں اٹکی تھی۔ یقیناً وہ اپنے ذہن میں سمائی بات کو جھٹک نہیں پائے تھے۔ انہوں نے [...] کش لیے، اور پھر اپنے تھیلے میں سے کاغذ اور قلم نکال کر بیٹھ گئے۔

از بستی کمال پور

برخوردار فراز احمد!

بعد آداب سلام کے تمہاری خیریت نیک مطلوب ہوں۔ یہ خط جلدی میں لکھ رہا ہوں جس کا مقصد [...] طور پر یہاں بلانا ہے۔ اس خط کے ملتے ہی تمام مصروفیات چھوڑ کر فوراً بستی پہنچ جاؤ۔''

خیر اندیش

ہدایت اللہ

فراز چند سطروں کے اس خط کو وصول کرنے کے بعد سے الجھا ہوا تھا۔ ایسی کون سی ہنگامی صورت تھی جو ماسٹر جی یوں اس کو بلا رہے تھے۔ اسے پی سی بھوربن میں ہونے والی نمائش میں شامل ہونا تھا۔ [...] جنسی کال نے اس کا پروگرام منتشر کر دیا تھا۔

''ایگزیبیشن کے لیف لسٹ پر تمہارا نام درج ہے، فراز اور اس سے بڑا موقع تمہیں کیا ملے گا۔ لوگوں کو روشناس کرانے کا۔ بڑے بڑے لوگ آ رہے ہیں وہاں۔'' منی باجی نے اس کے رابطہ کرنے [...] ماسٹر جی کو فون کروا دو چند دن بعد آ جاؤ گے۔''

''نہیں منی باجی! ایسا مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں کوشش کروں گا، جلد واپس آنے کی، مگر کل پہلے دن [...] کسی طرح بھی پہنچ نہیں پاؤں گا۔ کیونکہ آج مجھے گاؤں جانا ہی ہے۔'' فراز نے اچانک فیصلہ کرتے ہو[ئے] نے فون رکھا ہی تھا کہ فون پھر بجنے لگا۔ اسکرین پر لینا کا نمبر تھا۔

''فراز! گرینی اور میری طرف سے کرسمس ایوننگ میں شامل ہونے کا دعوت نامہ قبول کرو۔'' وہ کہ[...] اس نے کرسمس کی مبارک دینے کے بعد لینا سے معذرت کی، اور فون بند کر کے اپنا سامان باند[...]

فراز گاؤں پہنچنے کے بعد سیدھا ماسٹر جی کے پاس پہنچا تھا۔ راستہ بھر اس کے ذہن میں مختلف خیا[...] رہے تھے کہ ماسٹر جی نے اسے یوں کیوں بلایا تھا۔

''کہیں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو گئی ہو اور ان تک اس کی خبر پہنچ گئی ہو۔ اس نے سوچا تھا مگر لا کہ[...]

متعلق ایسی کوئی بات یاد نہیں آئی، جس پر اس کی سرزنش کی جا سکے۔

بہرحال، اپنے ماسٹر جی تک پہنچتے پہنچتے ہزار وہم اسے ستاتے رہے تھے، لیکن اسے دیکھ کر ماسٹر جی کا چہرہ جس طرح کھل اٹھا تھا، اس نے اس کے دل کو بہت حد تک مطمئن کر دیا تھا۔

''آ بھئی فراز احمد! مجھے پتا تھا میرے بلانے پر تو فوراً اور ضرور آئے گا۔'' انہوں نے بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

وہ آگے بڑھ کر ان کے سینے سے لگا اور قریب رکھی چوکی پر بیٹھ گیا۔

''اوپر بیٹھ یار! اس کرسی پر۔'' انہوں نے کرسی آگے گھسیٹی۔

''نہیں جی، میں یہاں ہی ٹھیک ہوں۔'' اپنے بہت سے وہم غلط ثابت ہونے پر بے اختیار اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''آپ بتائیں خیر ہے نا۔'' اس نے ان کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

''میں تو ٹھیک ہوں، تو سانس تو لے۔'' انہوں نے حقہ پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''آپ نے اتنی جلدی میں مجھے بلایا، ماسٹر جی! سب ٹھیک تو ہے نا۔'' اس نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

''او سب خیر ہے، ستے خیراں ہیں۔ تجھے یوں بلانے کی وجہ کچھ اور ہے۔''

''اچھا......'' اس نے سر جھکایا۔ ''وہ کب بتائیں گے؟''

''کہا ہے نا، سانس تو لے لے، پھر بتاتا ہوں۔'' انہوں نے ایک طرف بیٹھ کر پڑھائی میں مشغول بچوں میں سے ایک کو ہاتھ کا اشارہ کیا۔

''جا دوڑ کر، فراز کی اماں کو، او میرا مطلب ہے چاچی نور فاطمہ کو بلا کر لا۔''

فراز کے لیے یہ صورت حال بھی نئی اور غیر متوقع تھی۔ انہوں نے یوں اسے کیوں بلایا تھا اور اب اس کی اماں کو کیوں بلا رہے تھے۔ ماسٹر جی کے بلاوے پر اور یہ سن کر کہ فراز بھی آیا بیٹھا تھا۔ نور فاطمہ بھاگے قدموں سے ادھر آئی تھی۔ اپنے بیٹے کو دیکھ کر اس کا دل کھل اٹھا تھا۔

''ماسٹر جی ہی جانتے تھے کہ میں تجھ سے کتنی اداس تھی۔ تجھے کتنا یاد کرتی تھی۔ فراز! اسی لیے انہوں نے تجھے بلا لیا ہے۔''

وہ اس کو گلے سے لگا کر کہہ رہی تھی، مگر کچھ خاص ضرور ہے قسم کا اشارہ فراز کو ماسٹر صاحب کے ہر عمل سے نظر آ رہا تھا۔ پڑھنے والے بچوں کو چھٹی دے کر وہ فارغ ہو کر ان دونوں کے قریب آ کر بیٹھے۔

''اچھا یہ بتا نور فاطمہ! زندگی میں کبھی میں نے کوئی ایسی بات کی ہو جو تجھے غلط لگی ہو۔'' انہوں نے فراز کی اماں کو مخاطب کیا۔ ''اچھی طرح یاد کر لینا۔''

''نہیں ماسٹر جی! کبھی نہیں۔'' نور فاطمہ کو یاد کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ''جب بھی مشورہ کیا آپ سے کیا۔ جو صلاح لی آپ سے لی۔ کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ آپ سے صلاح لے چکنے کے بعد، اپنے اللہ کے بعد آپ کی سوچ پہ بھروسہ کیا، ماسٹر جی! بڑے اچھے دن گزر گئے۔''

''دیکھ، اب میں ایک بات کرنے لگا ہوں، برا لگے تو معاف کر دینا۔ تجھے پسند نہ آئے تو صاف کہہ دینا۔ تیرا بیٹا سامنے بیٹھا ہے، کوئی پردہ نہیں ہے۔ تم دونوں کے سامنے کہہ رہا ہوں۔ تاکہ جس کو بری لگے ابھی بتا دے۔''

نور فاطمہ نے حیرت سے فراز کو دیکھا۔ وہ ان کی بات سمجھ نہیں پائی تھی۔ مگر فراز کا دل ہونے والے انکشاف سے گھبرا رہا تھا۔

’’تجھے پتہ ہے لالہ شفیع مبینہ کلثوم کا رشتہ کر رہا ہے اپنے سالے کے بیٹے سے۔‘‘

’’جی پتا ہے۔‘‘ نور فاطمہ نے چادر درست کرتے ہوئے کہا۔

’’یہ رشتہ میں نے نہیں ہونے دینا۔ اگر تو اور تیرا بیٹا میری بات سمجھ لو اور مان جاؤ۔‘‘ فراز کا، لیے ساکت ہوا۔

’’میں نے شروع سے ہی یہ سوچا تھا کہ فراز احمد اور مبینہ کلثوم کا رشتہ میں خود تم دونوں فریقین ۔ کراؤں گا۔ ابھی میں وقت• کا انتظار کر رہا تھا کہ ادھر اور بات چل پڑی، میں نے اسے بھی ایمرجنسی م تھا اور تجھے اس لیے بلایا ہے کہ اس سے پہلے کہ لالہ شفیع ہاں کر دے ہم اپنی بات ڈال دیں۔ کیوں فر ہے؟‘‘

انہوں نے فراز کی طرف دیکھا۔ فراز کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

’’او، ان دونوں پر میں نے شروع سے محنت بھی اسی لیے کی تھی، میرا خیال تھا کہ میرے بعد یہ د سلسلے کو یہاں جاری رکھیں گے۔ چراغ سے چراغ جلے گا۔ میرا خواب تھا یہ شروع سے۔ تجھے یاد ہوگا نے اتنی محنت سے کسی اور کو نہیں پڑھایا، لکھایا۔ یہ محنت اسی لیے کی تھی کہ اس بستی کے پاس علم کا چراغ م نہ جائے میرے بعد۔‘‘ فراز اور اس کی اماں ساکت بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے۔

......✿......

ڈیئر ڈائری!

آج بہت دن کے بعد تمہیں ہاتھ لگایا ہے۔ یہ سچ ہے سہیلی کہ انسان غرض کا بندہ ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ میں ،کسی ہم نوا کے بغیر رہا تم سے باقاعدہ ہم کلام ہوتا رہا جیسے ہی مجھے محسوس ہوا کہ مجھ سے میری ہی زبان میں ہم نے والا کوئی ہم مزاج میرے اردگرد موجود ہے۔ میں نے تمہیں بھلا دیا۔ میں شرمندہ ہوں ڈیئر ڈائری! میں ہتا کہ تم تو مستقل سہیلی ہو۔ ایسی سہیلی جس کو مجھ سے کوئی غرض نہیں جس نے مجھے کبھی برا بھلا نہیں کہا جس نے سرزنش کرنی ہے نہ نصیحت۔ کتنا احمق ہوں میں کہ تمہیں بھلا کر، تمہیں چھوڑ کر میں نے ایک ایسے کو دم ساز بنالیا تے دلوں سے کہیں اتا پتا ہی نہیں۔ آئی ایم ریئلی سوری ڈیر ڈائری! میں سخت شرمندہ ہوں۔) مجھے علم ہے تم ،معاف کر دیا ہے کیونکہ تمہارا دل بڑا ہے، تم سب ناراضگیاں اپنے اندر سمو کر مجھے پھر سے گلے لگا لیتی ہو۔ ہم المایہ گریٹ نیس (عظمت) عدم دستیاب ہے آج کل۔ ہم انسان ناراض نہ ہونے والی بات پر ناراض ہو ں اور پھر عمر بھر اس کی وجہ بیان کر کے اظہار ناراضی کرتے رہتے ہیں۔

اگر تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا ہو ڈیر ڈائری! تو ایک راز کی بات سنو۔ میرا ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں اب ٹھیک ری ٹیسٹ رپورٹس کہتی ہیں کہ میں اب ٹھیک ہوں لیکن میں مصر ہوں کہ مجھے ابھی مزید علاج کی ضرورت مائے لیے میں کبھی بائیں بازو میں درد، کبھی سینے میں چبھن اور کبھی سر میں شدید درد کے بہانے کرتا ہوں۔

ہاہے ڈیر ڈائری! میں ایسا کیوں کرتا ہوں۔ دراصل مجھے دنیا سے دور یہاں بے کار پڑے رہنے میں مزا آنے اتنے سالوں سے، نجانے کتنے سالوں سے میں کاروبار دنیا میں پڑا خود کو پیسے کی ضرب تقسیم میں الجھائے رکھتا ۔نجانے کتنے عرصہ سے میرا ذہن حاضر خوابی، موقع شناسی، خوشامد، چاپلوسی، چالاکی، شاطرانہ چالوں میں ،رہا اور میرا دل کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے کہ اندیشوں میں ڈوبا رہا۔ جب ہی تو جو میں غیر ،پر درد دل میں مبتلا یہاں لایا گیا تو پہلے پہل تو مجھے یہی فکر لاحق رہی کہ وقت ضائع ہو رہا ہے، فلاں نقصان ،گا، ڈھمکاں۔ موقع ضائع ہو جائے گا مگر پھر فکر و اندیشے میرے سر سے ٹلنے لگے۔ میرے دل و دماغ سکون نے لگے تو میں نے سوچا۔ شاہنواز احمد! یہ تو بڑے مزے کے دن ہیں، فکر نہ فاقہ۔ کئی لوگ تیمارداری میں

مصروف، کئی خدمات گزاری پر مامور۔ وقت تھم گیا ہے، گھڑی کی سوئیاں نظروں سے ہٹ گئی ہیں۔ ایک گونہ فاقہ مستی ذہن پر چھانے لگی اور اب تو اس میں مزا آنے لگا ہے...... جب یہ سوچتا ہوں کہ یہاں سے واپس جانا ہے اور پھر وہی کاروبار زندگی سامنے آتا ہے تو میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے گردان کرتا ہوں۔

"مجھے یہاں سے نہیں جانا، نہیں جانا، نہیں جانا۔"

اور میں نے اس کا یہ ہی ایک حل سوچا ہے۔ بہانے بنائے جاؤ، ٹیسٹ کرائے جاؤ، پیسہ جو عمر بھر کمایا لگائے جاؤ۔ ان ہسپتالوں کو، ان ڈاکٹروں کو اور کیا چاہیے، پیسہ...... سو بہت ہے، عمر بھر کمایا ہے، اب لگا تے دیکھنا، میں کتنا موقع فہم ہوں ڈیر ڈائری۔ ہاہاہا......

مگر یہاں ایک مصیبت ہے، مجھ جیسے بلانوش کو نوش جاں کرنے کے لیے کم کم ملتا ہے۔ اب اس کا حل ہوں، جلد ہی وہ بھی مل جائے گا۔ اس بات پر یاد آیا نوسرین سے ملاقات اور التفات بھی تو اسی معاملے پر تھے۔

ڈیئر ڈائری! سالوں پہلے جب "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں مے نوشی و فروشی پر سخت کڑی پابندی تھی ایک ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں ہسپتال جا داخل ہوا۔ وہ عمر تڑپ اور جوانی کی تھی۔ اس وقت پٹیوں میں بندھے میں پڑنا ذرا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اوپر سے مے نوشی پر کرفیو...... جب صحت مند تھا تو پابندی کے باوجود کہیں نہ کہیں سے حاصل کر ہی لیتا تھا۔ اب ہسپتال میں سخت بیزاری تھی۔ اس وقت اس روشنیوں، رنگوں کے شہر میں کچھ واقفیت نہ تھی۔ ایسے میں نوسرین سے مڈبھیڑ ہوئی جو مذہباً اس بات میں آزاد تھی کہ مے نوش کرے یا فروش۔ بس ازلی عیاری و زبان دانی کے بل پر اسے ایسا اپنے دام میں لیا کہ وہ کافر جو چھٹتی ہی نہیں، کی سپلائی بحال ہوگئی۔ گو کے عوض نوسرین سے محبت اور پھر نکاح کا ڈرامہ بھی رچانا پڑا مگر پھر بھی دن اچھے نکل گئے۔

اب کبھی اگر پیچھے مڑ کر دیکھوں تو نوسرین کی باتیں اکثر یاد آتی ہیں مگر وہ خود یاد نہیں آتی؟۔ کیوں، اس لیے ڈائری! کہ میں اول درجے کا کروک ہوں، خود غرض اور موقع پرست۔ بے وفائی اور وقت نکلنے کے بعد آنکھیں پر رکھے لینے کی خاصیت۔ اس خادم کو خصوصی طور پر مرحمت ہوئی ہے۔ اس کے بعد بلکہ اس ہسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد کچھ عرصے شاطر ذہن کی کمال چال سے رخصت کر دیا۔ وہ بھی یا تو اس واقعہ کے بعد وفات پا گئی کوئی بہت ہی شرقی وفا کی پتلی خاتون تھی کہ اس نے اس کے بعد کہیں میرا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ کوئی دعوانہ احتجاج خاموشی سے منظر زندگی سے غائب ہوگئی۔

نوسرین،...... میری کتاب زندگی کا واحد ایسا کردار ہے جو جتنی خاموشی سے میری زندگی میں داخل ہوا اتنی ہی خاموشی سے رخصت بھی ہوگیا۔ جب ہی تو مجھے کبھی کبھار نوسرین اور اس کی باتیں یاد آتی ہیں۔ زندگی کے باقی سے کردار تو وقت کی گرد کے نیچے دب گئے۔

بہت دنوں سے وہ لڑکا نہیں آیا جس کے روز آنے کی وجہ سے میں تمہیں بھلا بیٹھا تھا۔ اس کا نام فراز چاہے کوئی اس بات کا مذاق اڑائے ڈیر ڈائری! مجھے اس سے بڑی مانوس سی خوشبو آتی ہے۔ شاید اس لیے میری کہانی والے دیہاتی بیک گراؤنڈ سے اٹھ کر جدوجہد کرنے اس دنیا میں آیا۔ جو بھی ہے ڈیر ڈائری! اس کی آنکھ کہتی ہے کہ زندگی میں کوئی بڑا مقام، کوئی بڑا رتبہ اس کا منتظر ہے وہ کول کسٹومر (Cool costomer) ایسے لوگ بڑی اچھی قسمت والے ہوتے ہیں۔ اچھی قسمت والا تو دوست احباب مجھے بھی کہتے ہیں ڈیر ڈائری فراز احمد جس قسمت سے وابستہ ہوگا، وہ اس قسمت سے بہت مختلف ہے جو میرے پاس ہے اور غالباً بہت اچھی

ہم نے سارہ کی کوئی بات نہیں کی۔ سارہ! میں نے سنا ہے ایک نئی شناخت بنا چکی ہے اور ایک اچھی زندگی گزار رہی ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ مجھ سے اس درجہ متنفر ہو چکی ہے کہ میری بیماری کی خبر سن کر بھی میرے پاس آنے سے گریزاں ہے۔ درست ہے پیاری سہیلی...... جو انسان کے من کے اندر ہو، اسے ویسا ہی دکھنا چاہیے۔ ابھی ابھی مجھے یاد آیا کہ میری وہ پینٹنگ ادھوری پڑی ہے جسے میرا خیال تھا کہ میں Painting of my life قرار دوں گا۔ شاید اس کے خاکے ادھورے ہیں یا شاید اس کے رنگ نامکمل ہیں، ٹھیک سے یاد نہیں مگر پینٹنگ "دل من مسافر من" ادھوری ہے ڈیر! میں اسے مکمل کرنا چاہتا ہوں۔

اب میں شاید مسکین دواؤں کے اثر میں آرہا ہوں، مجھ پر غنودگی چھا رہی ہے اور میرا قلم لڑکھڑانے لگا ہے۔ سو بد رخصت ہوتا ہوں۔ تم سے بہت سی دل کی باتیں کر لیں اب کی بار، باقی پھر سہی۔

......✿......

وہ کھیت چاچا مالک کے تھے جن کے کنارے پگڈنڈی سے ذرا آگے فراز تنہا بیٹھا تھا۔ اس نے قریب اگے سرکنڈے کا تنکا توڑا اور بے دھیانی میں اسے چبانے لگا۔ شام گہری ہونے والی تھی اور اخیر دسمبر کو وہ شام خاصی خنک بھی تھی مگر یوں باہر بیٹھے اسے خنکی کا احساس شاید اس لیے نہیں ہو رہا تھا کہ وہ جس گہری سوچ میں ڈوبا تھا، اس نے اسے اس بات سے بھی غافل کر دیا تھا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ اس کے ذہن میں کل سے اب تک کے واقعات کی فلم کے منظر ابھر اور ڈوب رہے تھے۔

"میں جو بات کر رہا ہوں فراز احمد! اس میں آس بھی ہے، امید بھی۔ پر مرضی تیری ہے۔ نہ ہوئی تو کوئی ناراضی نہیں، کوئی گلہ نہیں۔"

اس کے کانوں میں ماسٹر جی کی بات گونج رہی تھی جس نے اسے آزادئ رائے کا مژدہ سنانے کے ساتھ در پردہ اپنے اندر چھپے پیغام کا پابند بھی بنا دیا تھا۔ ماسٹر جی کی آس اور امید کب کب ٹوٹی تھی اس سے پہلے، اسے اچھی طرح یاد تھا اور وہ خود جو مقروض ہونے کا اعلان کرتا تھا، کیا قرض کی ادائیگی سے یکدم محض اس لیے دست بردار ہو سکتا تھا کہ اب کے قرض دینے والے نے قسط کے متعلق شرط کڑی رکھی تھی۔ اس نے ماسٹر جی کی بات سن کر دو منٹ کے اندر اندر غالباً یہ ہی بات سوچی تھی۔

"نہیں، میں وہ گناہ نہیں کر سکتا جس کا کفارہ عمر بھر ادا نہ کر سکوں۔"

اس نے ان ہی دو منٹوں میں فیصلہ کیا تھا۔ اس کی اماں اس کی سعادت مندی پر نثار ہو رہی تھی۔ اس نے ماسٹر جی کا مان رکھ لیا تھا اور وہ شرمندہ ہونے سے بچ گئی تھی مگر ماسٹر جی کی بات مان لینے کے پیچھے جو فلسفہ کار فرما تھا، اسے صرف وہ خود جانتا تھا یا غالباً پھر ماسٹر جی۔

ماسٹر جی کے گھر سے اٹھ کر وہ اپنے گھر آ گیا تھا اور آتے ہی بستر پر لیٹ کر گہری نیند سو گیا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کب اس کی اماں، بھائی دل نواز اور ماسٹر جی لال شفیع کے گھر گئے تھے اور وہاں انہوں نے کیا گفتگو کی تھی اور انہیں کیا جواب ملا تھا مگر جو بھی ہوا تھا، اس کا لب لباب اس کی آپا شمیم کی اس بات میں اسے اس وقت مل گیا جب وہ کافی دیر سونے کے بعد اٹھ کر نلکے پر منہ دھو رہا تھا۔

"ان کے تو جیسے بھاگ کھل گئے تھے۔ مانو کے مامے کے کلرک بیٹے کے مقابلے میں فراز احمد کا رشتہ پڑ گیا۔ سمجھ تو کچھ نہیں آ رہی تھی کہ اماں اور ماسٹر جی کو بٹھائیں کہاں، ان کے تو منہ سے بات ہی نہیں نکل رہی تھی۔"

اس نے اس سرد شام میں سرد ترین پانی سے اپنا چہرہ جی بھر کے دھویا تھا پھر بھی نجانے کیوں اسے اپنا چہرہ گرم

محسوس ہو رہا تھا۔ نکلے سے اٹھ کر وہ کمرے میں آ کر سب کے ساتھ بیٹھا تھا اور سب کی چہکاروں کا جواب دیتا رہا تھا۔ کھانا کھا کر وہ دوبارہ سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔ اس بات پر بھی اس کی آپا اور بھا بار بار چھیڑا تھا مگر وہ کروٹ بدل کر سو گیا تھا۔ اسے خود حیرت ہوتی رہی تھی کہ اسے اتنی نیند کیسے آ رہی تھی۔

اگلا سارا دن بھی اس کا یوں ہی سوتے رہنے کا یا سوتے بنے رہنے کا ارادہ تھا اگر ماسٹر صاحب چونکاتی۔ ماسٹر جی نیا جوڑا پہنے، سر پر نیلا کلاہ پہنے، کندھے پر قیمتی گرم چادر ڈالے آئے تھے۔ بھائی دل نو حقہ تازہ کر کے ان کے سامنے رکھ دیا۔ اماں، بھابھی، آپا اس کے بچے سب چہکتے رہے تھے۔ اس روز۔ مانو کے گھر والے نشانی کرنے آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چھوٹا سا صحن لوگوں سے بھر گیا تھا۔ لڑکیاں جو مانو کی سہیلیاں تھیں اور جن کے ساتھ وہ خود بچپن میں کھیلتا رہا تھا، جمع تھیں اور مسلسل اسے ن رہی تھیں۔

"مجھے تو شروع سے شک تھا، ان دونوں کی بچپن سے ہی بڑی بنتی تھی۔" کوئی کہہ رہی تھی۔

"اندر ہی اندر کچھ بات ضرور تھی، جب ہی مانو فیل پر فیل ہونے کے باوجود امتحان دیتی جا رہی تھی کرتی تو فراز بھی نہ مانتا۔" دوسری کہہ رہی تھی۔

"فراز! اب ایم اے بھی کرواؤ گے اسے پھر پی ایچ ڈی پھر اس کے بعد کیا کراؤ گے؟ وہ تمہارے پیچھے پڑھ پڑھ کر ہی پاگل ہو جائے گی۔"

وہ سب سن رہا تھا اور سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ رہا تھا اور دیکھ رہا تھا۔

"لو ماسٹر جی! بسم اللہ کرو جی۔" لالہ شفیع نے ماسٹر جی کو کچھ پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ گھڑی تھی، جی نے بسم اللہ پڑھ کر اس کی کلائی پر باندھی تھی پھر مانو کی اماں نے چند سبز نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھے تھے اس کے سر پر وارے۔ اور گاؤں کی نائن کو پکڑائے تھے۔ مبارک مبارک کے نعرے بھی سنائی دے ر خاموش، بے حس بیٹھا تھا۔ مٹھائی بھی تقسیم ہو رہی تھی، اسے بھی کھلائی گئی تھی۔ اس نے بغیر پس و پیش قلا بھی لیا تھا۔ اس کے دوست، بچپن کے سنگی، ساتھی اسے گلے لگا کر مبارک باد دے رہے تھے۔

"او بڑی بات ہے فراز باؤ! میں نے اپنی منگنی پر تجھے ہاتھ مارا تھا۔ دیکھ لے، یری شادی سے بات پکی ہو گئی ہے۔"

یامین کہہ رہا تھا۔ اس نے کسی کے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ البتہ کمرے سے اٹھ سے پہلے ماسٹر جی پر نگاہ ضرور ڈالی تھی اور ایک لمحے کو ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ ان کے ہنستے مسکراتے چہرے پر جو طمانیت اسے اس وقت نظر آئی تھی، وہ اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"کیا صرف اس خوشی کی خاطر جو اس وقت ماسٹر جی کے چہرے پر نظر آ رہی تھی، میں نے ان کی لی؟" اب پچھلے ایک گھنٹے سے بھیگے سبزے پر بیٹھا وہ یہ بات سوچ رہا تھا۔

"مانو نے میرے ذریعے تم سے ایک ہی بات پچھوائی ہے فراز!" اسے سعدیہ کی بات بھی یاد آ رہی رات اس کے گھر آئی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ "کیا تم نے صرف ماسٹر جی کا مان رکھنے کے لیے، ان کے احتر کی بات مان لی ہے؟"

"یہ پیغام رسانی تم نے کب سے شروع کی؟" اس نے روکھے سے لہجے میں جواب اس لیے دیا

ئی جواب اسے سوجھ نہیں رہا تھا۔

"نہیں، یہ کام میں نے کبھی نہیں کیا مگر مانو کی بات اور ہے۔" سعدیہ نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تو پھر اس فراز کہتا ہے، اسے ماسٹر جی کے فیصلوں کے درست ہونے پر یقین ہے۔ خواہ وقتی طور پر وہ غلط ہی لگیں۔ قسمت کی اچھائیوں کی ماسٹر جی کی دعاؤں کا اثر مانتا ہے اور وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان کا کوئی فیصلہ غلط بھی ہے۔"

شاید یہ بات اس نے بے اختیار کی تھی۔ اس کے ان الفاظ کے پیچھے رہ رہ کر اس کے اپنے دل میں اٹھتے سوال دخل تھا۔ وہ مانو کی تسلی کرانا چاہتا تھا یا خود اپنی، اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

"انہونی اور ان سوچی باتوں کے اچانک ہو جانے کی باتیں ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں مگر اب تو یہ ہو گئی ہے پنے ساتھ۔"

اس نے سوچا تھا۔ اس کے ذہن میں بہت کچھ گھوم رہا تھا۔ اپنے ارادے، اپنی اسکیمیں، وہ کام جو وہ کر رہا تھا، آئندہ کرنے تھے، وہ جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں ان سب لوگوں کے چہرے گھوم رہے تھے جن ان وہ اٹھتا بیٹھتا کام کرتا تھا۔

"کیا کسی بھی نئی صورتحال نے کبھی میرے ذہن میں یہ سوال اٹھایا کہ زندگی بھر کا ساتھی کسی نئے ملنے والے کو تا ہے۔ کوئی چہرہ، کوئی شخصیت؟" وہ یاد کر رہا تھا مگر اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

"تو پھر یہ کشمکش کیوں ہے، یہ بے چینی کیوں ہے؟ ایک فیصلے کے درست ہونے کا اقرار بھی کرتا ہوں اور اس متذبذب بھی ہوں۔"

سوچتے سوچتے اچانک اسے شدت کی ٹھنڈ کا احساس ہوا اور وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ "شاید یہ سب اچانک ہوا، میں گھبرا گیا ہوں۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب نارمل ہوتا جائے گا۔"

اس نے خود کو تسلی دی اور گھر کی طرف چل پڑا۔ اگلے روز وہ لاہور کے لیے روانہ ہو گیا۔

......✿......

"کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے، گرینی سے کہوں۔ چلو گرینی! اپنے یوٹوپیا میں واپس چلتے ہیں، جہاں تم لیڈی ہم کسی لارڈ کی نواسیاں۔" لینا ڈی سوزا نے گھر کا کچن صاف کرتے ہوئے سوچا۔

"اس بار کسی نے کرسمس منائی نہ ہی نیو ایئر نائٹ۔ میں اور آنٹ جینس جوان دونوں مواقع پر گرینی اور للی کرتی ہیں، کہ وہ یہ سب شور ہنگامہ، ضرورت سے کہیں زیادہ اخراجات کیوں کرتی ہیں۔ اس بار دونوں دن سے کر رات تک آنکھوں میں سوال لیے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور گرینی......" اسے یاد آیا۔

"گرینی کو تو للی لے گئی اپنے ساتھ کرسمس کی صبح، جب وہ سروس میں شامل ہو کر واپس جانے لگی۔ گرینی کی شاید نیکی اور پارسائی کی یہ خاموش، کم خرچ، زندگی گزارتے گزارتے تھک چکی تھی۔ للی کے دکھائے سبز پھر شاید حقیقت کی آسائشوں کے فریب میں آ گئی لیکن جاتے ہوئے کیسا آنٹ جینس کو تسلی دے رہی تھی۔

"لک جینس! ام کبھی للی کا ساتھ جانا نا میں مانتا۔ پر تم جانو ایسا یا ونگز میں ایسا والا لوگ جن میں للی اٹھتا بیٹھتا مارننگ کھیلا۔ ام تمارا اڈاٹر کا حفاجت کا واسطہ وہاں جانا مانگتا۔ ام دیکھتا کہ وہ کیسا والا لائف لیڈ کرتا ادھر۔"

آنٹ جینس کے چہرے پر کیسی بے بس مسکراہٹ بکھری تھی جیسے کہہ رہی ہوں۔

"ماما! بہانے مت بناؤ، تمہیں کرسمس کا شور ہنگامہ، ہلا گلا یاد آ رہا ہے جس کے نظر آنے کے امکانات تمہیں

وہاں نظر آرہے ہیں، جہاں للی رہتی ہے۔تم جاؤ ورنہ! تم نوسٹلجیا کا شکار ہو جاؤ گی۔"

اور پھر کیسی بے کیف کرسمس گزری۔کیسی بے رنگ نیو ایر نائٹ، ہمارے پاس آنٹی جینس کی ڈینس اور آنٹ سوسن کے سوا آیا کون، آنٹ سوسن جو بار ہا گرینی کے عتاب کا شکار ہونے کے باو کیک اور ڈنر لے کر آئیں، ورنہ ہم تو شاید اس روز بھوکے ہی رہتے۔اپنی تنہائی کا دکھ مناتے ہمیں ک بھی کہاں ہوتا۔"

اس نے یہ ساری باتیں کچھ کی تفصیلی صفائی کرتے ہوئے سوچی تھیں۔اس کی کاوش کے نتیج تھا۔عرصے بعد اسے کسی نے صاف کیا تھا۔وہ سبزی کی ٹوکری اٹھائے اور باہر صحن میں آ گئی۔جہاں بچھا کر پہلے ہی آنٹ جینس کو لٹا رکھا تھا۔ان کی صحت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا، سوائے اس کے ساتھ بہت آہستہ آہستہ چند قدم چل کر اندر باہر یا پھر باتھ روم تک جا سکتی تھیں۔اس وقت بھی بستر پر لیٹی آسمان کو دیکھ رہی تھیں۔

"جی......میری چھٹی ختم ہو گئی تو ان کی دیکھ بھال کون کرے گا۔گرینی کو اب آ جانا چاہیے۔"

اس نے مٹر چھیل کر دانے نکالتے ہوئے سوچا پھر اس نے دیکھا۔آنٹ جینس اس سے اشار کی کوشش کر رہی تھیں۔

"جی......میری سمجھ میں نہیں آیا آنٹ جینس؟" وہ سبزی چھوڑ کر ان کے قریب آ بیٹھی۔

انہوں نے ایک مرتبہ پھر ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"اچھا......میں چیک کرتی ہوں۔گرینی کو فون ہو سکتا ہے یا نہیں۔"

اس نے ان کی بات سمجھ کر کہا۔وہ بھی اس سے یہی بات کہہ رہی تھیں۔گرینی کو اب واپس آ پھر وہ ان کے قریب بیٹھی ان کی اشاروں کی زبان سمجھتے ہوئے ان سے باتیں کرنے لگی۔وہ اس۔ رہی تھیں۔اس کے اور للی کے بچپن کی باتیں، اپنے بچپن کی باتیں اپنی کزنز اور دوستوں کی یادیں۔ یاد کرتے ہوئے ہنس رہی تھیں اور بری طرح ان یادوں میں کھو چکی تھیں۔جب بیرونی دروازے چونکا دیا، اس وقت کون آیا تھا۔

انکل ڈینس، آنٹی سوسن میں سے تو کوئی ہو نہیں سکتا ہے تھا کیونکہ وہ دونوں پنڈی گئے ہو کمپاؤنڈ کے لوگ اس وقت کم ہی ایک دوسرے کی طرف آتے جاتے تھے۔

لینا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔اس کی توقع کے بالکل برعکس اس کے سامنے جو شخص کھڑا تھا، اس کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔اس آنے والے کی شخصیت، اس کا لباس، اس کے عقب میں کھڑی گاڑی، ایک لمحے کو لینا کو گرینی بہت یاد آئی۔وہ ہوتی تو مارے خوشی کے کھل جاتی اور پھر دنوں سا اپنے مہمان کے قصے سناتی پھرتی۔

"شہر کا سب بڑا والا، عجت والا لوگ ابارا جانتا والا اے۔وہ اس دن جو صاب آیا تھا، اس کا رادر ایمپائر ہے، بزنس ایمپائر۔" وہ سب کو بتاتی۔

"آپ کو میرا آنا شاید اچھا نہیں لگا مس ڈی سوزا۔" آنے والے نے مسکرا کر کہا۔لینا چونک

"یہ اسفند یار صاحب ہیں آنٹ جینس! آپ کو یاد ہے۔"

اس نے صحن میں واپس آ کر اپنے پیچھے آنے والے کے متعلق آنٹ جینس کو بتایا۔وہ بھی

ے کو دیکھ رہی تھیں پھر ان کی نظریں اپنے سامنے رکھی کرسی پر رک گئیں۔"شکریہ" وہ ان نظروں کا مفہوم سمجھ کر بولا بیٹھ گیا۔

"آپ کیسی ہیں؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔انہوں نے جواب میں سر ہلا دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں کچھ دن لیٹ ہو گیا، مجھے کرسمس پر آپ کے پاس آنا چاہیے تھا۔دراصل فراز یہاں نہیں ہالتے دن، پہلے وہ گاؤں چلا گیا، وہاں سے واپسی پر وہ مری چلا گیا اس کی ایگزیبیشن تھی اور اتفاق سے وہی مجھے بے موقعوں پر یاد دلاتا ہے کہ مجھے کس کے پاس کب جانا ہے۔" اسفند نے انتہائی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"لیڈی ایلس نظر نہیں آ رہیں۔" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کسی عزیز کی طرف گئی ہوئی ہیں۔" لینا نے دانستہ للی کا نام نہیں لیا۔

"آپ چائے پئیں گے یا کافی؟" اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وی آئی پی مہمان کی تواضع کیسے کی جائے۔

"بہت شکریہ۔مجھے کچھ جلدی ہے، میں آج خود کو ملامت کرتے ہوئے آیا ہوں۔مجھے ہر اہم بات بھول جاتی ہے۔" اس نے میز پر دو بڑے بیگز رکھتے ہوئے کہا جن پر لینا نے دیکھا شہر کے بڑے فرنچائزڈ اسٹورز کے نام پرنٹڈ تھے۔

"یہ چند تحائف ہیں، لیٹ تو ہو گیا مگر میرے دلی جذبات آپ لوگوں کے لیے اور لیڈی ایلس کے لیے۔میں کوشش کرتا ہوں کہ اچھے شناساؤں کو یاد رکھوں مگر اکثر اس کوشش میں ناکام ہو جاتا ہوں۔" آنٹی جینس نے ذرا سا اٹھ کر اس تکلف پر بات کرنے کے سے انداز میں اشارہ کیا۔

"پلیز مسز جینس! آپ کچھ مت کہیے، میرا خیال ہے کہ تحائف قبول کر لینے کا حکم تو تمام مذاہب میں یکساں ہے۔" اس نے انہیں کچھ نہ کہنے کا اشارہ کیا۔

"میں اب چلتا ہوں۔" پھر وہ کھڑا ہو گیا۔"مس لینا! میں کوشش کرتا ہوں ایک وزیٹنگ نیورو سرجن سے اپائنٹمنٹ لینے کی۔مل گئی تو فراز آپ کو اطلاع دے دے گا۔آپ مسز جینس کو لے کر آیئے گا۔شاید کچھ بہتری ہو جائے۔" لینا نے سر ہلایا۔

"اوکے مسز جینس! اللہ حافظ۔اللہ آپ کی حفاظت کرے۔" وہ مڑا اور دروازے کی طرف چل دیا۔لینا جو دروازہ بند کرنے کے لیے آئی تھی، کتنی دیر وہیں کھڑی اسے گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے اور ریورس کرنے کے بعد نظروں سے غائب ہوتے دیکھتی رہی۔کمپاؤنڈ کے بچے جو وہاں کھیل رہے تھے، وہ بھی کچھ دیر اپنے کھیل روک کر اس گاڑی کو جاتے دیکھنے کے بعد دوبارہ اپنے کھیل میں مشغول ہو گئے۔لینا دروازہ بند کر کے صحن میں واپس آئی۔اس کی اور آنٹ جینس کی نظریں ملیں۔دونوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں حیرت، تذبذب اور کچھ سمجھ میں نہ آنے کا تاثر نظر آیا تھا۔

......✿......

"خوب پکڑے جاتے ہو تم اچانک۔حالانکہ بہت کوشش کرتے ہو کہ نظر ہی نہ آؤ۔" اسفند نے فراز کو اس چھوٹے سے کمرے میں جا پکڑا تھا، جہاں اب وہ پے انگ گیسٹ کے طور پر رہتا تھا۔

"جی ہاں!" وہ ہلکا سا مسکرایا۔"اکثر میرا دل چاہتا ہے کہ میرے پاس سلیمانی ٹوپی کہیں سے آ جائے اور میں اسے پہن کر جب جی چاہے دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہو جایا کروں۔"

"مگر افسوس، تمہیں یہ سلیمانی ٹوپی کہیں سے میسر نہیں۔" اسفند اس کے بیڈ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"کوئی عجب نہیں۔ جاپان کے جو ماہرین آئے دن ایسی ایسی چیزیں ایجاد کرتے رہتے ہیں جن کا ذکر پرانے زمانے کی جادوئی کہانیوں میں ملتا ہے، وہ کسی دن سلیمانی ٹوپ ٹائپ کوئی چیز بھی ایجاد کر لیں۔" فراز نے چائے بنانے کے لیے الیکٹرک کیٹل میں پانی بھرتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہیں کرو، اگر تم ایسی ٹوپی کی ایجاد پر اسے خرید بھی لو گے تو میں وہ ایجاد خرید لوں گا جس کو پہن کر ٹوپیوں والے صاف نظر آیا کریں گے۔" اسفند نے ہنس کر کہا اور اس کی طرف پشت کیے فراز کا دل بالکل بھی سامنا کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ شاید اسی لیے وہ پچھلے دو دن سے لاہور میں موجود ہونے کے باوجود اس سے ... گیا تھا۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا، یہ اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"تم آفس بھی نہیں آئے؟" اسفند نے اس کی خاموشی دیکھ کر خود ہی سوال کیا۔

"کل اور پرسوں دونوں دن مصروفیت کچھ زیادہ رہی۔ میں آپ کو یا سعید صاحب دونوں کو انفارم نہ کر سکا۔" اس نے بغیر مڑے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے، تمہاری عدم موجودگی میں، میں نے کیسے کیسے کام کیے۔" اسفند کو اس کے لہجے میں کوئی بات محسوس نہ ہو سکی تھی۔ "تم سنو تو کہو اسفند بھائی! آپ غلط کہہ رہے ہیں۔"

"ایسا کیا انوکھا کر دیا ہے آپ نے۔؟" وہ دانستہ طور پر چائے بنانے میں دیر کر رہا تھا۔

"میں لیڈی ایلس کی طرف گیا تھا کرسمس گریٹ کرنے کے لیے اور پرسوں میں خود بھی شہر میں نہیں تھا۔ سیالکوٹ گیا ہوا تھا نصیر یاور کے ساتھ کانٹریکٹ سائن کرنے کے لیے بلکہ ری نیو کرنے کے لیے۔ تمہیں معلوم تھا نہ کہ شیری کی ڈیتھ کے بعد سیالکوٹ والی اسپورٹس گڈز فیکٹری بس اللہ توکل ہی چل رہی تھی۔ اب ڈیڈی کے اصرار پر مجھے اس کے سلسلے میں کچھ کرنا ہی پڑا۔ نصیر یاور پہلے بھی اس وینچر میں ہمارے ساتھ تھے۔ اب اس کانٹریکٹ کو ری سائن کیا گیا ہے۔ میں تو پہلی دفعہ گیا۔ یار! کیا غضب کا آرکیٹیکچر ہے وہاں اسپورٹس اور سرجیکل فیکٹریز کا کمال کا مقابلہ ہے وہاں کے لوگوں کے درمیان۔"

"جی ایسا ہی ہے۔" فراز نے گلا کھنکھار کر کہا۔

"وہاں سے فارغ ہو کر میں نے شناساؤں سے پسرور کی سمت پوچھی اور تمہیں معلوم ہے کہ یونہی پوچھتا ہوا میں بستی کمال پور پہنچ گیا ماسٹر ہدایت اللہ کے پاس۔"

فراز کے ہاتھ سے چمچ اور چینی کا ڈبہ بری طرح چھوٹے اور ان کے گرنے کی آواز مکمل خاموشی میں کچھ زیادہ ہی سنائی دی۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بکھری چینی سمیٹتے ہوئے کہا۔

"کیا سوچیں گے اسفند بھائی! ہم اس کا مستقبل بنانے کے لیے محنت کر رہے ہیں، منصوبے بنا رہے ہیں اور ... لے کر منگنی کروا آیا۔ روایتی لڑکوں کی سی حرکتیں۔"

اتنے دن سے اب تک وہ یہ بات سوچتا اسفند سے رابطہ کرنے یا اس کا سامنا کرنے سے گریزاں تھا اور آج صبح ہی اس نے خود کو سمجھایا تھا کہ ضروری ہے ہر بات کسی کے ساتھ شیئر کی جائے، ہر بات بتانے کی کیا ضرورت ہے مگر اب جو بات اسفند نے اسے سنائی تھی۔ وہ اس کے لہجے سے لگ رہا تھا، غلط نہیں تھی، نہ ہی وہ اس سے مذاق کر رہا تھا۔

"بڑی عجیب سی بات ہے نا یار! میں پہلی مرتبہ اکیلا اس سائیڈ پر گیا نہ میں راستوں سے واقف تھا نہ لوگوں سے۔ بس پہنچ گیا اپنے اندازے کے مطابق جو وقت میں نے سوچا تھا، عین اس وقت پر آئی مائی سیلف واز کوائٹ سرپرائزڈ (میں خود بہت حیران تھا) مگر میں بستی کمال پور پہنچ کر سیدھا ماسٹر جی کے گھر خود بخود پہنچ گیا۔ اس گھر کا پتہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

"اب آگے بھی سنا چکیں۔" فراز نے دانت بھینچتے ہوئے سوچا اور چھوٹی ٹرے میں چائے کا کپ اور بسکٹس اٹھا کر بالآخر اسفند کے قریب آ گیا اور خود چائے کا کپ لے کر اس کے سامنے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

"اور وہ بھی مجھ سے یوں ملے جیسے میں اکثر ان سے ملتا رہتا ہوں۔ مجھے فوراً پہچان بھی لیا انہوں نے۔" اس نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "بڑی مزے کی سیٹنگ تھی یار! درخت کے نیچے دری پر بیٹھ کر پڑھتے بچے، چارپائی پر بیٹھے ماسٹر جی اور ان کا حقہ بڑی سیٹنگ تھی۔ تمہیں حیرت نہیں ہوئی فراز! یہ بات سن کر کہ میں کیوں وہاں گیا۔"

"نہیں۔" فراز نے اپنی آنکھیں جھکا کر کہا۔ "مجھے بہت سی باتوں پر حیرت نہیں ہوتی کیونکہ میں نے جان لیا ہے کہ دنیا میں بہت کم باتیں ناممکن ہیں۔ زیادہ تر باتیں ممکن ہی ہوتی ہیں۔"

"خیر، اس وقت میں تمہاری فلاسفی کی چیر پھاڑ نہیں کروں گا کیونکہ مجھے ماسٹر صاحب سے اپنی ملاقات کی تفصیل تمہیں سنانے کی جلدی ہے۔" اسفند نے کہا۔

"سنائیے اب۔" فراز نے سوچا۔ "جلدی سنائیے کہ فراز جو بات تم نے نہ سنانے کا ارادہ کیا تھا، وہ سنائی جا چکی ہے۔"

"اب اگر میں تم سے کہوں کہ بڑی زبردست شخصیت کے مالک ہیں وہ تو تم کہو گے کہ یہ تو تمہیں پہلے ہی پتہ ہے۔"

"ظاہر ہے کہ میں تو یہی کہوں گا۔" فراز کو اسفند کی تمہید پر الجھن ہو رہی تھی۔

"ان کی باتیں بہت سادہ تھیں۔ لیکن یہ معصومانہ انداز میں کہی گئی باتیں مگر بہت گہری اور زبردست معنی لیے ہوئے ہیں۔"

فراز نے گہرا سانس لے کر واپس اس کاؤنٹر کی طرف دیکھا جہاں اس نے چند برتن اور چھوٹا اسٹوو رکھا ہوا تھا۔

"فراز یار! وہ شخص علم اور معنی کا سمندر ہے، مگر علم اور معنی کے گڑھ سے اتنی دور ایک چھوٹی سی بستی میں ڈیرا جمائے بیٹھا ہے، اس کی کیا وجہ ہے۔"

"اس کی وجہ انہوں نے آپ کو ضرور بتائی ہوگی۔" فراز نے اکتا کر کہا۔

"اسفند بھائی! ان کے وہاں رہنے کی ایک نہیں کئی وجوہات ہیں۔"

"چلو ایسا ہی سہی، مگر پھر وہ وہاں سے کبھی نکلتے کیوں نہیں، دنیا میں اتنی نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں، تجربات ہو رہے ہیں، انکشافات ہو رہے ہیں وہاں بیٹھے بیٹھے تو انہیں اس سارے کا پتا نہیں چل سکے گا۔ پتہ ہے کیا، میں نے کہا کہ ماسٹر جی! آپ کو چاہیے ایک کمپیوٹر لے لیں تو ہنس کر بولے باؤ صاب! یہ بات پہلے بھی کئی لوگ مجھ سے کہہ چکے ہیں۔ ادھر ساتھ کے گاؤں میں ایک لڑکی ہمارے گاؤں سے بیاہ کر گئی ہے، اس کا بیٹا اسکول جانے کے قابل ہوا تو اس نے ضد باندھ لی کہ بچہ پڑھانا ہے تو ماسٹر ہدایت اللہ سے۔ معصوم لوگ ہیں۔ اب جو بچے کا ابا تھا نا، وہ

کویت میں رہتا تھا۔ میرے پاس بچہ پڑھنے لگا اور اچھا ہوشیار ہو گیا۔ سال بعد بچے کا ابا کویت سے آیا تو ا بڑا پبلک اسکول بنایا ہے حکومت نے وہاں داخل کروانے لے گیا۔ بچے نے ایڈمیشن ٹیسٹ میں نوے فیصد لیے۔ اس اسکول کے لوگوں نے بڑی تعریف کی بچے کی۔ بچے کا ابا وہاں سے واپسی پر مٹھائی پھل کے کمپیوٹر بھی نیا والا اٹھا لایا، بولا ماسٹر جی یہ تحفہ ہے آپ کے لیے میں نے اسے کہا سجاد احمد! یہ نئی ایجادیں ہیں باؤ، پر ان کا ہم نے بھرم نہیں رہنے دیا۔ اب دیکھو نا اگر یہ ہر بندے کو مہیا ہو جائیں تو ان کی قدر کون کوئی تو ایسا بھی ہو جسے یہ میسر نہ ہوں اور وہ دور دور سے انہیں دیکھ کر ان کی چاہ کرے اور پھر ان کی قدر بھی میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ میں اس کی قدر کرنے والوں میں سے ہوں، اس کے متعلق سوچنے والوں میں۔ چیزوں کا بھرم رکھنا بہت اچھا لگتا ہے ہمارے زمانے میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ نئی نئی چیزیں کم کم لوگوں کے تھیں۔ دوسرے ان کی قدر کرتے تھے۔ سو باؤ صاب! میں نے وہ کمپیوٹر اٹھوا کر اس بچے کے پاس بھیج دیا، کی ضرورت بھی تھی ادھر وہ فراز بھی کہتا رہتا ہے ماسٹر جی! میں کمپیوٹر لاتا ہوں، موبائل فون لاتا ہوں مگر میں ہوں، مجھے اس کے بھجوائے یہ نیشنل جیوگرافک، ریڈرز ڈائجسٹ، نیوز ویک وغیرہ ہی کافی ہیں اچھی خاصی ہے انہی کے ذریعے دنیا کی۔"

اسفند نے اتنی طویل بات یوں دہرائی جیسے اسے یہ بات سنانے میں بہت مزا آ رہا ہو اور جیسے اسے بھی یہ بات سننے کا مزا آیا تھا جب یہ ہوئی تھی۔ فراز دونوں ہاتھوں میں چہرہ تھام کر بیٹھا اس کی بات سن رہا کیوں اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"ماسٹر جی! کبھی بتائیے گا یہ کون سا سلسلہ ہے جو یوں آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے۔" اس نے سوچا تھ

"مجھے اپنا آپ وہاں بالکل بھی اجنبی محسوس نہیں ہوا، مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے میں اکثر وہاں جا ماسٹر جی کے پاس آنے والے لوگ بھی اپنے اپنے لگ رہے تھے۔ لوگ ان سے کتنی محبت کرتے ہیں ا رکھتے ہیں۔ ایک شخص میرے سامنے چار بڑی بڑی مچھلیاں پکڑ کر لایا، چند لوگوں نے وہیں بیٹھ کر انہیں ص کاٹا اور پھر تمہارے گاؤں کے نائی نے آ کر ان کو لکڑیوں کی آگ پر لگایا، فراز! تم اسے مبالغہ سمجھو گے مگر ا کسی ملک کے کسی بھی بڑے ہوٹل میں میں نے مچھلی کا وہ ٹیسٹ نہیں محسوس کیا۔ یہ سب غیر یقینی تھا مگر یقیناً جانو، جتنی دیر میں وہاں بیٹھا رہا۔ مجھے اپنے سر میں وہ انجانی سی دکھن بھی ذرا سی محسوس نہیں ہوئی جو مجھے یہا محسوس ہوتی رہتی ہے۔"

"اور کوئی خاص بات ہوئی؟" فراز نے اس کی ساری باتیں ان سنی کرتے ہوئے بے چینی سے پوچھا

"مثلاً؟"

"مثلاً میرے متعلق۔" وہ بجائے الجھے رہنے کے سیدھا سیدھا اپنی بات پر آ گیا۔

"ہاں!" اسفند نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ فراز کا دل حلق میں آ گیا۔ "تمہاری مد تمہارے مستقبل کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور جب میں نے بتایا کہ ہم تمہارے فائنل سمسٹر کے بعد لیے اسکالرشپ کی کوشش کرنا چاہتے ہیں تو یقین جانو، ان کی خوشی دیدنی تھی۔ کہنے لگے بس یہ ہی تو میں چا یہ ہی۔"

"اور کچھ؟" فراز نے مزید بے چینی سے کہا۔

"اور کیا، بس اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں۔ علم و عرفان کے بہت سے در کھلے۔ کیا تفصیل سناؤں

ں دن سے اب تک دل کو جو بے چینی سی لگی رہتی تھی۔ اس میں کمی آ گئی ہے۔" اسفند نے اٹھتے ہوئے کہا۔

باہر چلتے ہیں۔"

از نے ہونٹ بھینچ لیے۔ "گویا آپ کو یہ بھی معلوم تھا ماسٹر جی! کہ یہ بات ابھی اسفند بھائی سے نہیں کرنی۔

یا سمجھوں، زیادہ سوچوں تو ڈر لگتا ہے کہ کوئی غلط بات نہ سوچ بیٹھوں۔"

نے اپنے کمرے کو تالا لگا کر اسفند کے ساتھ چلتے ہوئے سوچا۔

ہم نے میرے لیڈی ایلس کے گھر جانے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔" سیڑھیاں اتر کر گاڑی کی طرف جاتے

د نے کہا۔

آپ نے اچھا کیا بلکہ بہت اچھا کیا، میرے گاؤں جانے سے پہلے لینا کا فون بھی آیا تھا کرسمس کے سلسلے

نے معذرت کر لی۔" پہلی مرتبہ فراز نے ٹھیک طریقے سے اسفند کی کسی بات کا جواب دیا۔

میں سوچ رہا ہوں کہ اگر موقع مل جائے تو مسز جینس کا ٹریٹمنٹ کروایا جائے، شاید وہ کچھ چلنے پھرنے کے

ائیں۔" اسفند نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

تم نے کچھ جواب نہیں دیا میری اس بات کا۔" فراز کی خاموشی پر وہ دوبارہ بولا۔

مجھے کیا کہنا ہے اسفند بھائی! دنیا میں بہت کم مواقع ملتے ہیں نیکی کرنے کے اگر موقع مل جائے تو میرا خیال

ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" فراز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

تم سناؤ۔ تمہاری ایگزیمینیشن کیسی رہی؟" پھر اسفند کو یاد آیا۔

اچھی، بلکہ شاید بہت اچھی، منی باجی کا بہت احسان ہے۔ مجھ پر اسفند بھائی! وہ مجھے لوگوں کی نظروں میں لیے پر از ور لگا رہی ہیں، ادھر سیمی پراچہ کے ساتھ میرا با قاعدہ کانٹریکٹ ہونے والا ہے۔ میں بہت عام سا اسفند بھائی! بہت عام، مگر جب سے قدرت مجھ پر یوں مہربانی کیے جا رہی ہے۔ میں ڈر سا گیا ہوں۔ یہ نعمت ہے یا آزمائش ہے تو اس پر پورا کیسے اتروں گا۔ میرا دل انجانے سے خوف میں مبتلا رہنے لگا

تمہارے منہ سے ایسی باتیں جچتی نہیں فراز! تم دوسروں کی ہمت بندھانے والے آدمی ہو، اگر کبھی ایسی بات آتی بھی ہے تو یہ سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً تمہیں کسی خاص کام کے لیے چنا ہے۔ شاید تمہارے ہاتھوں کام ہونا ہے اس لیے وہ تم پر اتنا مہربان ہے اور تمہارے ہی ساتھ اتنے اتفاقات ہو رہے ہیں۔"

آپ کہتے ہیں تو مان لیتے ہیں ورنہ ڈر تو اپنی جگہ لگا ہی رہتا ہے۔" فراز اب بھی کسی خاص نکتے پر سوچ رہا

......❁......

"میں عائشہ آپا کو ڈھونڈنے، اس کے متعلق پوچھنے یہاں آئی تھی بی بی زینب! وہ مجھے کہیں نہیں ملیں۔ لوگ ا کہ وہ یہ محلہ، وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اور تو کسی کو نہیں مگر آپ کو ضرور علم ہے کہ وہ اں ہیں، کیوں کہ آپ ان کے سر پر بہت ہاتھ رکھتی تھیں، ان کو آپ کا بڑا سہارا تھا۔"

وہ بی بی زینب کے قدموں میں رکھی کسی بچی کی پیڑھی پر بیٹھی ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے پوچھ رہی تھی۔ بی بی یکھ رہی تھیں اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور بے بسی بھی، اس کے چہرے پر آس و نراس کے سائے پھیلے تھے، لہجے میں التجا اور تڑپ تھی۔ وہ اس کی کسی بھی بات کا جواب دیے بغیر ایک ٹک اسے تکے جا رہی تھیں۔

''مہد یار کہاں ہے بی بی زینب! آپ کو تو معلوم ہے، ہے نا'' اب وہ ان کے ہاتھ پکڑے پوچھ رہی تھی۔ بی بی زینب ابھی بھی کوئی جواب نہیں دے رہی تھیں۔

''عائشہ آپا اسے ساتھ لے گئیں۔'' اس نے کہا۔ ''ہے نا، وہ ساتھ لے گئیں۔'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''کتنی وعدہ خلاف نکلیں، بات کی، وہ تو کہتی تھیں کہ میں جان کے ساتھ لگا کر رکھوں گی مگر تمہاری جب چاہے آ کر لے جانا پھر وہ کیوں لے گئیں اس کو ساتھ، آپ بتاتی کیوں نہیں بی بی زینب؟'' ا خاموشی سے ڈر کر ان کو بری طرح جھنجھوڑ دیا۔

''تم خود کہاں غائب تھیں بی بی! اتنے عرصے سے؟'' بالآخر بی بی زینب کی خاموشی ٹوٹی ''تم ہو گئیں، نہ اپنے متعلق کوئی خبر دی نہ ہی کوئی خیریت بتائی، خرچا بھی بند ہو گیا۔ وہ غریب کہاں سے پالتی پلا بچہ، اسے بچہ پالنے کے سہارے اور پیسے کی ضرورت بھی لے گئی ہو گی وہاں جہاں سہولت سے پال سے

''آپ کو معلوم تو ہے کہ کہاں گئیں، آپ مجھے بتائیں، میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔'' لڑکی نے ا بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے وہ بتا کر گئی ہے نہ میرا اس سے کوئی رابطہ ہے، ایسے بھی تم نے ۔ تمہاری زندگی بچے پالنے والی عورت کی سی نہیں ہے بی بی! کبھی دوسروں کے حوالے کر دیا، کبھی چھوڑ کر بچے سے اس لیے نوازتا ہے کیا انسان کو۔'' بی بی زینب کے لہجے میں درشتی تھی۔

''میں مجبور اور بے بس تھی، مجھے دنیا سے ڈر لگتا تھا اس لیے بچہ عائشہ آپا کے حوالے کر دیا، مگر ا خوف سے آزاد ہو چکی ہوں۔ اب مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ دنیا مجھے کیا کہے گی، میرے متعلق کیسی کہ گی، اسی لیے اب میں بچہ واپس لینے آئی ہوں، مجھے بتا دیں مہد یار کہاں ہے میں اسے خود پالوں گی پچھلے کیے کی سزا مت دیں۔''

''بچے! میرے سامنے یوں رونے سے کیا ہو گا، کیونکہ میں تو خود گھر میں بیٹھی عام سی عورت ہوں لوگوں کے مسائل اور مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتی۔ کب تم مجبور ہوتے ہو کب مختار۔ مجھے تو صرف یہ علم ہے ک وجہ سے تم بدنامی سے ڈرتی تھیں اور جسے تم کسی دوسرے کے حوالے کر کے غائب ہو گئی تھیں اسے۔ جانے کہاں گئی ہے۔ اگر وہ اپنے میاں کے پاس بھی گئی ہے تو معلوم نہیں ہے وہ کہاں رہتا ہے۔'' بی بی سکون لہجے میں کہا۔

''نہیں، آپ غلط کہہ رہی ہیں۔'' لڑکی نے روتے ہوئے کہا ''میں آپ کو کیسے سمجھاؤں بی بی ز میرے پاس ایک امانت تھا، معلوم ہے تو بتا دیں پلیز۔''

اس کے آنسوؤں کو دیکھ کر بی بی زینب کا دل پسیجنے لگا۔ مگر پھر انہیں اسفند کی بتائی شرائط یاد آ گئیں لینے کی صورت میں ہی اس نے وہ بچہ اپنے پاس رکھنے کی رضامندی دی تھی۔

''اس کا کیا ہے کل پھر اس کے حالات بدلے تو بچہ چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔ وہاں وہ محفوظ ہے بھی کہاں مانتا تھا کہ کل کلاں کو کوئی نہیں آئے گا۔ اسفند کے سامنے بھی جھوٹی پڑوں گی اور میرے بچ بو بھی خوار ہو گا۔''

یہ وہ باتیں تھیں جو چند سیکنڈز کے اندر ان کے ذہن میں آ گئی تھیں اور انہوں نے سختی سے انکار کر بچے کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔ ان کے پاس سے رخصت ہوتے وقت لڑکی کے قدم سست تھے اور جا اس کی آنکھیں اور چہرہ سرخ تھے۔ وہ کہیں سے بھی ایسی لڑکی نہیں لگ رہی تھی جو ٹیلی ویژن آتی تھی او

......❁......

''یہ فراز ہے۔'' سیمی پراچہ نے مسز رابعہ آفتاب کا تعارف جس نوجوان سے کرایا تھا، انہیں لگا تھا جیسے پہلے دیکھا تھا مگر انہیں سوفی صد یاد نہیں آیا کہ انہوں نے اسے پہلے کہاں دیکھا تھا۔

''ہوں!'' انہوں نے بالکل اس انداز میں سر ہلایا جیسے انہوں نے اپنی کلاس کی دوسری خواتین کو ایسے موقعوں دیکھا تھا۔

''جیولری ڈیزائننگ میں آج کل اس کا بڑا نام ہے۔'' سیمی پراچہ نے مزید تفصیلات سنانے کی کوشش کی۔ ''جانتی ہوں گی کہ آج کل ہر پیشے سے ہر فن سے متعلق مختلف فیلڈز بن چکی ہیں، ڈیزائننگ میں بھی بے شمار جن میں سے ایک یہ ہماری فیلڈ ہے۔ آج کل مقابلے کا دور ہے اتنے بے شمار لوگ اس فیلڈ میں کام کر رہے ایک کا کلک کرنا بڑا مشکل ہے۔ اسی لیے ہم فراز کا نام لیتے ہیں کیونکہ اس نے سخت مقابلے کے اس عالم پنا نام بنا لیا ہے۔''

فراز خود بھی سیمی پراچہ کی اس پروفیشنل چرب زبانی پر حیران تھا۔ مسز رابعہ آفتاب کو ایسی باتیں البتہ بہت پسند جنہیں سن کر انہیں محسوس ہوتا تھا۔ کہ وہ ایک وی آئی پی شخصیت ہیں جنہیں اتنی اہم اور معلوماتی گفتگو سنائی ہے۔

''آپ یہ دیکھیے یہ فراز کا کام ہے۔'' سیمی پراچہ نے کچھ سادہ صفحات ان کے سامنے کیے جن پر باریک نب ونگار بنے تھے۔

''آپ خود محسوس کر سکتی ہیں کہ یہ ڈیزائن حقیقت میں ڈھل کر کیا شاہکار بنیں گے، ویسے آپ کے فیورٹ رکا مبینشنز کیا ہیں؟''

''ہاں اسے ہی پروفیشنل ازم کہتے ہیں شائد۔'' فراز نے دل میں سوچا اور داد دی۔

''لوگ کہتے ہیں کہ میں جب سیفائرز اور جیڈز پہنتی ہوں تو اسٹون کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔'' مسز آفتاب کی کا دیدنی تھی۔

''آپ ذرا یہ ٹیسٹ کا مبینشن اور ڈیزائن دیکھیں۔'' سیمی پراچہ کچھ اور پیپر پکڑ لائی جن پر کمپیوٹر سے کچھ ڈاؤن یا تھا۔ فراز اس گفتگو کی تفصیل سے اُکتا کر ورکشاپ کی طرف چلا گیا۔

''کیسے کیسے عجوبے تو مجھے دکھا رہا ہے میرے اللہ۔'' اس نے سوچا۔

مسز آفتاب کے جانے کے بعد سیمی پراچہ نے اسے بتایا کہ وہ انہیں اپنے دو سیٹس کے لیے آرڈر دے چکی ہیں ر کے ساتھ کہ ان کی ڈیزائننگ صرف فراز کرے گا۔

......❁......

مبینہ کلثوم عرف مانو بہت خوش فہم اور مثبت سوچ کی مالک لڑکی تھی۔ اسے کبھی کسی بات میں منفی رنگ نظر نہیں اس کا نظریہ تھا کہ ہر بات کا بہتر پہلو دیکھنا چاہیے۔ منفی کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ مگر جب سے ماسٹر جی نے ا فراز احمد کے ساتھ طے کیا تھا اسے لگ رہا تھا کہ اس ساری بات میں مثبت سے زیادہ منفی پہلو نمایاں تھا۔ وہ ہمنے کے ساتھ ساتھ حقیقت پسند بھی تھی۔ وہ فراز کو بچپن سے جانتی تھی اور دل سے مانتی تھی کہ اس کی مزاج، گفتگو اور سوچ گاؤں کے باقی لڑکوں سے بالکل مختلف تھی۔ ایسا شروع سے تھا، جب ہی اس نے ماسٹر

جی کی شاگردوں کی پوری کھیپ میں نمایاں مقام حاصل کرلیا تھا۔ جب ہی تو وہ ماسٹر جی کو اتنا عزیز ہو گیا تھا۔ مبینہ مانتی تھی کہ یہ اس کا حق تھا کہ اسے اتنا عزیز رکھا جائے۔ وہ اسی لیے خود بھی اس کے لیے خصوصی جذبات رکھتی جب سے فراز لاہور گیا تھا وہ دیکھ رہی تھی کہ اپنی ہر دفعہ کی آمد پر وہ پہلے سے بہت بہتر اور سمجھ دار شخصیت میں ڈھل رہا تھا۔ وہ گاؤں کے سب لوگوں میں پہلے کی طرح اُٹھتا بیٹھتا اور ان سے تعلق کو عزیز جانتا تھا مگر وہ ان سے مختلف لگتا تھا وہ ان سے متعلق ہو کر بھی ان جیسا نہیں لگتا تھا۔

مبینہ کلثوم کی حقیقت پسندی کو یہ بھی ادراک تھا کہ وہ خود کیسی لڑکی تھی۔ اسے پڑھنے کا شوق تھا۔ ماسٹر جی نے اس شوق کی تکمیل میں اس کا ہمیشہ ساتھ دیا تھا، اسے مزید پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، کوئی اور نہ سہی مگر وہ خود جانتی تھی ایسا وہ محض فراز کے قدم بہ قدم رکھنے کی خواہش کر رہی تھی جب اس کے والدین نے اس کے ماموں زاد سے رشتہ طے کرنا چاہا تو اسے لگا اس کا دل ڈوب چلا ہے، ایک انجانی سی مایوسی کی کیفیت اس پر طاری ہو گئی تھی اور تھا کہ اس کا دل اس ارادے کی نفی کر رہا تھا جس کو اس کے ماں باپ نے باندھا تھا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ اس کا نہیں تھا، اس سوچ کا کوئی نعم البدل نہیں تھا۔ وہ چاہتی بھی تو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ محض چاہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

پھر ماسٹر جی غیر متوقع طور پر فراز کی اماں اور بھائی نواز کے ساتھ ان کے گھر آ گئے۔ اس کے لیے فراز کا ڈالا گیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ محض چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا مگر اس کی یہ سوچ یہاں پر غلط ثابت ہو گئی تھی اور وہ ہو گیا تھا سوچنے سے بھی وہ ڈرتی تھی۔ ہونے والا کام تو ہو گیا مگر اس کے ہونے کے بعد سے وہ ایک نئے اندیشے میں تھی۔

''میں اور میری سوچ کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں فراز کی حدود وہاں سے شروع ہوتی ہیں، پھر فراز کا کیا جوڑ۔'' اس کی حقیقت پسندی اسے یاد دلاتی تھی۔ فراز نے محض ماسٹر جی کے احترام میں یہ بات مان لی کہ ان کی بات کو رد کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

اس بات کا جواب اسے سعدیہ نے فراز سے لا کر دیا تھا، وہ کہتا تھا کہ اسے ماسٹر جی کے فیصلے کے غلط ہونے کا گمان ہو نہیں سکتا تھا اس لیے اس نے مان لیا تھا کہ ان کا یہ فیصلہ بھی درست ہو گا۔

''یہ تو محض ایک مفروضہ ہے، گمان ہے۔'' مبینہ کلثوم کے دل نے کہا تھا ''اور اس میں کوئی شوق، کوئی جذبہ التفات شامل نہیں ہے، یہ تو محض سعادت مندی ہے۔''

اس کا دل اسے بار بار، گھڑی گھڑی نئی سناتا تھا۔ کبھی امید دلاتا تھا کبھی مایوسی میں ڈوب جاتا تھا۔

مبینہ کلثوم اپنی تمام تر حقیقت پسندی، مثبت سوچ اور خوش گمانی کے باوجود اندیشوں میں ڈوبی رہتی تھی۔

......❁......

اس روز اسفند ایک ایگزیکٹو ڈنر میں شریک تھا جب اسے رباب کیانی نظر آئی۔ یہ چہرہ اس کے لیے نیا نہ تھا اگرچہ اس نے اسے کافی عرصے کے بعد دیکھا تھا۔ رباب کی ایک شناخت اس کا سیاہ حجاب تھا جو ان دنوں بھی زیر بحث رہتا تھا جب وہ اروک یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ تھی وہ اکاؤنٹس اور بینکنگ کی طالبہ علم تھی اور اسکالرشپ پر پاکستان سے وہاں گئی تھی۔ اسفند سے اس کی ملاقات ان دنوں ہوئی تھی جب وہ اور شہریار ایک شارٹ کورس کے لیے وہاں گئے تھے۔ اریاب کیانی بہت محنتی اور اچھی طالب علم مشہور تھی۔ چند ماہ کے قیام کے دوران ان دونوں کی اس سے ملاقات رہی تھی۔ رباب نے بھی یقیناً اسے پہچان لیا تھا جب ہی اس کے چہرے پر شناسائی کی ایک لہر دوڑی تھی

بعد اس کے ٹیبل کی طرف آئی بھی تھی۔

''آپ شہریار محمد ہیں نا؟'' اس نے اسفند سے نظریں ملتے ہی پوچھا تھا۔ اسفند نے ایک لحظہ کے لیے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا۔

''اسفند یار محمد چیمبر آف کامرس کے ایک سرگرم ممبر ہیں، برابعہ ٹیکسٹائلز کے چیف ایگزیکٹو۔ یہ جو نئے فرنچائز سامنے آئے ہیں، انہی کی کولیبریشن ہے۔'' تنویر ہمدانی جو اسفند کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھا تھا حسب عادت چہکتے ہوئے بولا۔

''اوہ!'' رباب کیانی نے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔ ''آپ اسفند یار محمد ہیں، آپ کو یہاں دیکھ کر اچھا لگا۔''

''یہ رباب کیانی ہیں، فرسٹ ویمن بینک میں کام کر رہی ہیں آج کل، اور ان کے اپنے بھی اچھے سوشل ورکس ہیں، بہت اچھی، بہت خوشگوار شخصیت کی مالک ہیں۔'' تنویر ہمدانی بولے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں۔'' اسفند نے خود بول کر تنویر کی چلتی زبان بند کی۔ ''کیسی ہیں میم؟''

''میں ٹھیک ہوں! آپ کے بھائی شہریار کیا کر رہے ہیں آج کل، دراصل آئیڈینٹیکل ٹوئنز خود کو تو شاید مشکل میں نہ ڈالتے مگر دوسروں کو ضرور ڈال دیتے ہیں، وہاں اس کورس کے زمانے میں بھی ہم اکثر اس مشکل کا شکار ہو جاتے تھے۔ آپ دونوں کو شناخت کرنے میں۔''

''وہ۔'' اسفند کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے وہ اپنے سامنے رکھے ڈرنک کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے سوچنے لگا کہ کیا کہا جائے ''مر گیا یا فوت ہو گیا۔ کون سی بات کہنا آسان ہے۔''

''ویسے آپ دونوں میں کس کو بل فائٹنگ پسند تھی اور کس کو کار ریس، یاد ہے، ایک دفعہ آپ دونوں کی کتنی بحث چلی تھی۔ ایک پندرہ دن کی چھٹیوں میں فرانس جانا چاہتا تھا اور دوسرا اسپین۔'' اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ خود ہی بول پڑی۔

''اوہ، کتنے ایڈونچرس دن تھے۔'' اس نے شاید کچھ یاد کرتے ہوئے سر جھٹکا۔ ''آپ نے بتایا نہیں شہریار کیا کر رہے ہیں آج کل؟'' اس نے سر اٹھا کر دوبارہ پوچھا۔

''ہی از نو مور۔'' اسفند کو ان سے زیادہ موزوں الفاظ نہیں سوجھے تھے۔

''کیا؟'' رباب کیانی کا ردعمل فطری تھا۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''آپ جو سمجھی ہیں، میں یقیناً وہی کہہ رہا ہوں۔ اب تو کافی وقت گزر گیا اس واقعے کو۔'' اسفند نے بوجھل لہجے میں کہا۔

اسے علم تھا اب روایتی تعزیتی لفظ دہرائے جائیں گے۔ بہت عرصے بعد اسے شہری کے سلسلے میں ایسی صورت کا سامنا کرنا پڑتا تھا جبکہ اب اس کا خیال تھا کہ ہر کوئی جانتا تھا شہری اس دنیا میں نہیں تھا۔

''یہ اتنی غیر متوقع اور چونکا دینے والی خبر ہے کہ میں کچھ کہنے کے قابل نہیں ہوں۔'' رباب نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔ ''دراصل مجھے دکھ ہے، بہت دکھ، محض یہ کہہ دینے سے میرا خیال ہے کہ میرے احساسات کا اظہار نہیں ہو گا۔'' اس کی آواز اسفند کو بھرائی ہوئی لگی۔

''میں کوشش کروں گی کہ ہم کبھی پھر ملیں۔ اس وقت شاید میں آپ سے بات نہ کر سکوں۔'' وہ اٹھ کر ریسپشن کی طرف چل دی۔

''بڑی حیرت کی بات ہے۔'' اسفند نے دل میں سوچا ''چند ماہ کے ساتھ کے دوران کچھ خاص اس لڑکی سے، یہ شہری کے متعلق خبر نہ کراتی شاکڈ کیوں ہوگئی۔'' وہ مخمصے میں پڑ گیا تھا۔

......۞......

''واہ میاں! آج کیسے شکل دکھانے آ نکلے اس طرف، ہم تو سمجھے تھے بھاگ لیے تنگ آ کر۔'' ؤ کمرے میں داخل ہوتے فراز کو مخاطب کیا۔ ان کے لہجے میں واضح کھنک تھی اور خوشی بھی۔

''بس سر! کچھ مصروف رہا۔'' فراز نے پینٹ کی جیبوں سے ہاتھ نکال کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہ کیسے ہیں۔''

''یہ کیلنڈر دیکھ رہے ہو نئے سال کا۔'' انہوں نے سامنے کی دیوار پر لٹکتے کیلنڈر کی طرف اشا ہے ایک سال اور گزر گیا۔ نئے سال کے بھی چند دن دیکھ ہی لیے، ورنہ لگتا تو ایسا تھا کہ پچھلا سال ہ ثابت ہوگا۔''

''بس دیکھ لیں سر! اللہ تعالیٰ نے آپ سے کچھ اور کام کروانے ہیں۔ اسی لیے آپ کو مزید زند نے۔'' فراز نے مسکرا کر کہا۔

''ارے بھئی۔ اپنے اللہ میاں کی کیا سناتے ہو۔ وہ تو اوپر بیٹھا ہم انسانوں کے کرتوت دیکھ کر ہنت میں نے اسے پیدا کس لیے کیا۔ یہ کر کیا رہا ہے۔ وہ شعر نہیں سنا تم نے وہ کیا ہے۔

کہاں سنا ہوگا تم نے۔ تم نئی پود کو شعر و شاعری سے کیا شغف ہوگا۔ خصوصاً اس طرح کی شاعری۔

فراز بے اختیار مسکرا دیا۔

''آپ ہمیں اتنا گیا گزرا اور بدذوق بھی نہ سمجھیں، اس شعر کا پہلا مصرعہ آپ سناتے ہیں کہ میں۔

''چلو تمہارا دعویٰ بھی چیک کیے لیتے ہیں سناؤ ذرا۔''

''یہ عدم صاحب کا شعر ہے اور میں نے اس وقت سنا تھا، جب میں فرسٹ ایر میں پڑھتا تھا او ہے کہ۔

تخلیق کائنات کے دلچسپ جرم پر
ہنستا تو ہوگا آپ بھی یزداں کبھی کبھی

''واہ، واہ۔'' وہ متاثر ہوتے ہوئے بولے ''اچھا تو فرسٹ ایئر میں سنا تھا۔'' پھر انہوں نے ذرا ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ ''کس سے سنا تھا؟''

''ماسٹر جی نے سنایا تھا۔'' بے اختیار فراز کے منہ سے نکلنے لگا تھا۔ جس کو اس نے بدقت حا روکا ''ہمارے ایک استاد صاحب تھے مرے کالج میں اردو کے۔ انہوں نے ایک بار تشریح کرواتے ہو تھا۔'' اس نے بات بنائی۔

''ار......رے۔'' وہ ایک دم سیدھے ہوئے ''تم مرے کالج سے پڑھ کر آئے ہو؟'' فراز نے آنکھیں اور ان کا چہرہ نوسٹلیجک ہو رہا تھا۔

''جی آپ اتنا حیران کیوں ہو رہے ہیں مگر۔''

''میں خود بھی مرے کالج کا اسٹوڈنٹ رہ چکا ہوں کچھ عرصہ، اس لیے۔'' انہوں نے دوبارہ نیم ہوئے بتایا۔

''فراز نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے پتا ہی نہیں تھا اب تک۔''

''حیرت ہے۔ اور تم دعویٰ کرتے ہو کہ میرے متعلق بہت کچھ جانتے ہو۔'' انہوں نے طنز کیا۔

''میرے اکثر دعوے بس مذاق ہی ہوتے ہیں، ورنہ میں کس قابل ہوں جی۔'' فراز نے عاجزی سے کہا۔

''بنتے ہو یا بناتے ہو؟'' وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''جس طرح کا موقع محل ہو، اسی طرح کر لیتا ہوں۔'' فراز نے مزید مسکین سی شکل بنائی۔

''ہوں!'' وہ اسے ابھی بھی بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ ''یہ بتاؤ اتنے دن کہاں غائب رہے، اکتا گئے تھے ری کے لیے آ کر۔''

''میں گاؤں چلا گیا تھا جی اپنے۔''

''کیوں؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولے۔ ''ابا بیمار تھا یا اماں، کوئی بھینس وغیرہ تو نہیں مر گئی تمہاری یا پھر کسی بہن ی کا بیاہ تھا۔''

''آپ نے سارے ہی قیافے لگا لیے اگرچہ غلط لگائے مگر لگتا ہے آپ کو اس طرح کے پس منظر میں پیش نے والی ہر طرح کی صورت حال کا بہت اچھی طرح اندازہ ہے۔'' فراز ایک بار پھر ہنسا۔

''یہ ہی کچھ ہوتا ہے۔ یہ ہی کچھ ہوتا آیا ہے، وہ جو پس منظر ہے نا میاں! وہاں کوئی تبدیلی صدیاں گزر جائیں۔ ں آ سکتی۔''

''چلیں مان لیتے ہیں، ویسے آپ کس سائیڈ سے تعلق رکھتے ہیں ضلع سیالکوٹ کے۔''

''کیوں تم نے میری سوانح عمری لکھنی ہے کیا۔''

''آپ پیسے دیں لکھنے کے۔ میں لکھ دیتا ہوں۔'' فراز نے فوراً جواب دیا ''وہ بھی آپ کی مرضی کی۔ ضروری ں کہ ساری حقیقتیں لکھ دی جائیں۔''

''بڑے زر پرست ہو۔'' وہ محظوظ ہو کر بولے ''پیسہ لے کر کام کرتے ہو۔ جب ہی تمہارا اسٹیٹس اور اسٹائل بدلتا رہا ہے۔''

''میں نے دل سے آپ کو اپنا گر...... مان لیا ہے، آپ کے نقش قدم پر چلنے کی مہذبانہ کوششیں کر رہا ہوں۔'' ز نے یہ بات دانستہ کی تھی۔

''تم فکر نہیں کرو، درخت پر چڑھنے کا ہنر کبھی سیکھ نہیں پاؤ گے جتنے مرضی نقش قدم ناپ لو۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ کس حد تک رکھنا چاہیے۔'' وہ بھی اس کی بات پر برا مانے بغیر بولے۔

''چھوڑیے ان باتوں کو۔ یہ بتائیے، گھر کیوں نہیں جاتے آپ، اچھے بھلے ڈاکٹر آپ کو ڈسچارج کرنا چاہ رہے ہیں۔''

''دراصل میرے پاس پیسہ بڑا ہے، اتنے عرصے سے بینکوں میں پڑا سڑ رہا تھا۔ میں نے کہا چلو اسے استعمال کرتے ہیں سو یہاں آ کر پڑ گیا۔''

''پیسہ بڑا ہے تو کوئی نیک کام کیجیے، اس سے کسی کا بھلا کیجیے۔''

''کیا کروں؟'' وہ ابرو چڑھا کر بولے ''فلاں فلاں میموریل ہسپتال بنا لوں یا پھر کوئی یتیم خانہ یا پھر کوئی این جی او شروع کر لوں۔ اسی قسم کی نیکی کے کام ہیں آج کل۔''

''نہیں، آپ چھوٹے پیمانے پر نیکی کا کام کیجیے اور تشہیر بھی رہنے دیجیے۔ دیکھیے گا کہ آپ کے دل، دماغ خود ہی

ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"چھوٹے پیمانے پر نیکی کے کام؟" انہوں نے دہرایا "مثلاً"

"مثلاً" ہماری ایک جاننے والی خاتون عرصہ سے مفلوج پڑی ہیں، اچھا خاصا ان کا علاج ہو سکتا ہے کمی کی وجہ سے نہیں ہو پا رہا۔ ان کی مدد کر دیجیے، چھوٹے پیمانے کی نیکیاں جو آپ ماضی میں کرتے رہے ان کا کچھ مداوا ہو جائے۔" فراز کو اندازہ نہیں ہو، اس کا لہجہ اچھا خاصا تلخ ہو گیا تھا۔

"ایسی تو نجانے کتنی خواتین مفلوج پڑی ہوں گی۔ میں کس کس کی مدد کروں گا اور ان کی بھی صرف اس لیے دوں کہ وہ تمہاری جاننے والی ہیں۔ جاؤ میاں! اعلان کر کے مانگو ان کے علاج کے لیے، دنیا بھری پڑی ہے چھوٹے پیمانے کی نیکیاں کرنے والوں سے۔"

"میں تو خاموشی سے آپ سے مانگ رہا ہوں سر! اگر اعلان کر کے مانگنے لگا تو آپ کو ہی برا بھی لگے گا فرق بھی پڑے۔" فراز نے مذاق سے کہا۔ وہ اس کی بات کو یقیناً نہیں سمجھے جب ہی خاموش ہو گئے۔

"پچھلے دنوں میں بھور بن گیا تھا ایک ایگزیبیشن کے لیے، وہاں انڈیا سے ایک مصور آئے تھے متاثر کن تھا ان کا۔" فراز نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

پردیپ مترا۔" انہوں نے بتایا۔

"ایگزیکٹلی ......" وہ آپ کے متعلق آپ کے فن کے متعلق کافی تفصیلی بات کر رہے تھے۔ اچھے خاصے لگتے تھے آپ کے۔"

"ویسے یہ بتاؤ، تمہیں کون اتنا پروموٹ کر رہا ہے کہ تم ایسی ایگزیبیشن میں پہنچ گئے جہاں پردیپ مترا لوگ آئے ہوں۔" وہ اس کی بات ان سنی کر کے بولے "وہ مرچوں کی چکی والے کا پوتا۔ یا پھر انڈر ورلڈ ہے تمہارے پیچھے۔"

"مجھے آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی یہ انڈر ورلڈ کیا چیز ہے سر؟" فراز ان کی بات سے پوری طرح ہوا۔ "دنیا کے نیچے کوئی دنیا کس نے بسا رکھی ہے۔ یہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق اس وقت بات کی جاتی ہے کوئی بندہ کسی شعبے میں اچانک ترقی کرنے لگے تو کہا جاتا ہے کہ اس کی پروموشن میں انڈر ورلڈ کا ہاتھ ہے۔"

"اتنے بھولے ہو نہیں کہ تمہیں پتہ نہ ہو کہ انڈر ورلڈ کیا چیز ہے۔ ہاں انجان بننے کا طریقہ بھی یہ ہی کم ہیں۔" وہ پر یقین تھے کہ فراز کے پیچھے کوئی خاص ہاتھ تھا۔

"چلیں سر! آپ کو یہ سمجھ کر اطمینان ہوتا ہے تو یونہی سہی۔" فراز ان کے مزاج کو سمجھ رہا تھا۔

"آج کیا تاریخ ہے؟" انہوں نے اچانک پوچھا۔

"کیلنڈر آپ کے سامنے ہے سر! دیکھ لیجیے جنوری ختم ہونے والا ہے، آج اکتیس تاریخ ہے۔"

"یعنی کل سے فروری شروع ہو جائے گا۔" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ محبت کرنے والوں کا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔" پھر وہ ذرا مسکرا کر بولے "معلوم ہے تمہیں؟"

"پتہ نہیں سر! یہ باتیں تو آپ جیسوں کو معلوم ہوتی ہیں، ہم ٹھہرے دیہاتی گنوار لوگ، ہمیں کیا معلوم محبت کیا ہوتی ہے اور محبت کرنے والے کیسے ہوتے ہیں کجا محبت کرنے والے کیسے ہوتے ہیں کجا محبت کرنے والوں کا کون سا ہوتا ہے۔"

"مسٹر! پوری دنیا ویلنٹائن ڈے مناتی ہے اس مہینے میں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہیں علم نہ ہو اور تم اس دن

تمہاری عمر میں ہم بھی یوں ہی معصوم اور انجان بنا کرتے تھے۔" مگر اندر اندر سب کچھ کرتے تھے وہ بگڑ کر

"تم اس دن کسی کو یاد نہ کرو۔" فراز نے ان کی بات کو دل میں دہرایا۔

"سچ سچ بتاؤ۔ کس کس کو پھول، کارڈ بھیجو گے اس روز۔" وہ اب دوبارہ مذاق کے موڈ میں آ گئے۔ ایک لمحے فراز کے سامنے سوتی ڈوپٹے کے ہالے میں گھرا بے داغ، معصوم چہرہ آیا، مبینہ کلثوم کا چہرہ۔ دوسرے لمحے اس دماغ نے اس خیال کو جھٹک دیا۔

"آپ کس کس کی بات کرتے ہیں سر! یہاں یہ حال ہے کہ ڈھونڈوں تو بھی کوئی نہیں ملتا، شہر کی لڑکیاں سمجھ دار ہم دیہاتی کتنے ہی ماڈرن بن کر سامنے نہ آ جائیں وہ ہمیں پہچان جاتی ہیں اسی لیے لفٹ نہیں کرواتیں۔

ہاہا نہیں کیا کمال تھا جو ہمارے جیسا پس منظر رکھتے ہوئے بھی اپنے کمال دکھا گئے۔"

"گٹس، صاحبزادے گٹس، ہونے چاہئیں، پھر دیکھو کیسے کوئی لفٹ نہیں کرواتا۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ گٹس بھی اللہ کسی کسی کو ہی دیتا ہے۔" فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب میں چلوں، بیٹھ لیا۔"

"ہاں!" وہ دروازے سے باہر نکلتے نکلتے مڑا "میرا خیال ہے اگلی مرتبہ اگر میں آپ سے ملنا چاہوں تو آپ ہی آنا پڑے گا۔"

"دیکھو" وہ ذرا اداس لگنے لگے تھے "میں جہاں بھی ہوا، کیا تم اگلی مرتبہ مجھ سے ملنا چاہو گے، ملنے آؤ گے؟"

"ضرور، بلکہ یقیناً۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ آپ سے مل کر آپ کے پاس آ کر میرے اوپر چڑھے عمر بھر کی ایک قسط کا ہزارواں حصہ شاید ادا ہو جاتا ہو۔"

ان کی طرف دیکھ کر یہ بات کرتے ہوئے وہ مسکرایا اور انہیں اپنی بات کو سمجھنے کی الجھن میں گھرے دیکھ کر چپکے ازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

......۞......

اے مسز آفتاب کے لیے ڈیزائن بناتے ہوئے کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئی۔ انفرادیت پسندی کا ان کا دعویٰ تھا حقیقت میں وہ فیشن ورلڈ میں ان چیزوں کو اپناتی تھیں کیونکہ ان کی اپنی کوئی چوائس تھی ہی نہیں اس جب وہ سیمی پراچہ کے پاس آئی تھیں سیمی نے اسے موقع دیا تھا کہ وہ خود ان کی جیولری دکھائے اور اس کے میں تفصیل بھی بتائے۔

"یہ دیکھیے یہ جو چند چھوٹے سیفائرز استعمال ہوئے ہیں اس لائن میں انہوں نے ان پرلز کو کتنا نمایاں کر دیا اس نے ڈیزائن کے ابھار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انتہائی پیشہ ورانہ انداز میں انہیں بتایا۔

"ہوں!" وہ متاثر نظر آ رہی تھیں "بس میں یہ چاہتی ہوں کہ یہ ڈیزائن کوئی اور خاتون پہنے نظر نہ آئے مجھے۔"

یقیناً ایسا ہی ہوگا، یہ ہمارے اور ہمارے کلائنٹس کے درمیان ایک خاص......"

اس کی چرب زبانی کو مسز آفتاب کے موبائل کی بپ نے توڑا تھا۔

"ایکسکیوزمی!" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا موبائل آن کرتے ہوئے اس سے معذرت کی تھی۔ وہ جیولری باکس دھرے ٹیبل ٹاپ پر رکھنے لگا۔

"ہیلو جی کون؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ "جی نہیں، میں نے نمبر نہیں پہچانا اور آپ کو بھی۔"

"جی کیا میں ااپ کو نہیں جانتی، پھر تم کون ہو، خود ہی بتا دو۔"

"میرے دوست۔" ان کے لہجے میں تعجب محسوس ہوا۔ فراز کے کان بے ساختہ ان کی گفتگو پر لگے۔

"جی میں، ہاں، ہاں، ہاں شہر یار میرا بیٹا تھا۔ ہاں، ہاں ہاں وہ تھا، کیا مطلب۔؟" اب کے وہ ذرا میں بولی تھیں۔ کونے میں کھڑی سیمی نے بھی مڑ کر انہیں دیکھا۔

"تم ہو کون؟" وہ ایک دم کھڑی ہوئیں "کیا بکواس کر رہے ہو تم، اپنا نام پتہ بتاؤ، میں دماغ درست گی تمہارا۔" انہوں نے چند تگڑی قسم کی گالیوں سے اپنے مخاطب کو نوازا۔

"اور تم سمجھتے ہو کہ اس طرح تم مجھے بلیک میل کر لو گے، میں جیسے اپنے بیٹے کو جانتی نہیں ہوں۔ کرو۔ تم جیسے بلیک میلرز سے نبٹنا خوب آتا ہے مجھے، اس مذاق کا نتیجہ مہنگا پڑے گا تمہیں او..... یو" وہ

"حرام زادہ، کمینہ، خبیث۔" مغلظات کا ایک لامتناہی سلسلہ ان کے منہ سے برآمد ہونا شروع ہوا۔ ان سے سرخ ہو رہا تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں مسز آفتاب پلیز۔" سیمی لپک کر اس کی طرف آئی تھی "فاراز پلیز پانی" اس اشارہ کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" انہوں نے تیز سانس لیتے ہوئے کہا "میں اب چلوں گی۔ مجھے ایک ایمرجنسی حال پیش آ گئی ہے ان سیٹس کے بارے میں پھر بات ہوگی۔"

"مگر مسز آفتاب! آج تو آپ کو پے منٹ کرنا تھی۔" سیمی نے گھبرا کر کہا۔

"ڈونٹ وری، پے منٹ آج ہی ہو جائے گی، اس وقت میں جلدی میں ہوں، میں نے کہا نا پھر بات" وہ تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئیں۔ آفس میں کھڑے سیمی اور سرفراز ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

"تم نے دیکھا، یہ مہذب خاتون کس قسم کی گفتگو کر رہی تھیں۔؟" سیمی نے شانے اچکاتے ہوئے اس کی بات کے جواب میں خاموش رہا۔ "کہیں گڑ بڑ تھی، کافی بڑی گڑ بڑ" اس کا دل کہہ رہا تھا۔ "کس کی کیسی گڑ بڑ؟" اس کا اندازہ وہ نہیں لگا پایا تھا۔

"یہ تھرڈ کلاس قسم کے بلیک میلرز ہمارے پیچھے صرف تمہاری وجہ سے پڑے ہیں۔"

رابعہ آفتاب نے ڈائننگ ٹیبل کے آخری سرے پر بیٹھے اسفند کو تیسری مرتبہ باور کرانے کی کوشش کی جس کا جواب تیسری بار بھی اسفند نے انہیں نہیں دیا۔ اس وقت وہ بڑے انہماک سے فروٹ سلاد کھانے میں مگن تھا۔

"نہ تم ٹکے ٹکے کے لوگوں سے شہری کے متعلق دریافت کرتے پھرتے، نہ ان لوگوں کو ہمیں بلیک میل کرنے کی جرأت ہوتی۔" اس کی اس بے نیازی پر وہ مزید بھڑک کر بولیں۔

"بلیک میل!" اسفند نے دل میں دہرایا۔ "آپ کو ٹھیک سے پتہ بھی ہے یہ بلیک میل ہوتا کیا ہے؟" کہتے ہوئے اس کانٹے میں اسٹرابری کا ٹکڑا اٹکایا۔

"تین دن سے وہ کمینہ مجھے فون پر یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ شہری کا بچہ تھا جو اس حرام زادے نے اغوا کر لیا ہے۔ اس حرام زادے سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر کوئی بچہ تھا بھی تو اس نے کہاں سے اغوا کر لیا اور اسے کیسے پتا ہے کہ وہ شہری کا بچہ ہے؟ ذلیل' کمینے' بلیک میلرز۔"

وہ دانت پیستے ہوئے بول رہی تھیں۔

"ایک تو وہ تمہارا باپ' ایک ہفتے کا کہہ کر گیا تھا۔ پندرہ دن ہو چلے' واپس لوٹنے کا کوئی ارادہ نہیں اس کا...... گل چھرے اڑاتا پھر رہا ہے جرمنی میں۔ بہانہ خوب گھڑا ہے۔ کنسائنمنٹ میں کوئی گڑ بڑ ہو گئی تھی۔ خیر' اس کو تو میں دیکھ لوں گی۔ مگر اس کمینے کا کیا کیا جائے؟" انہوں نے اپنا موبائل فون اٹھاتے ہوئے پر سوچ انداز کہا۔ "کسی سے بھی شیئر نہیں کیا جا سکتا۔ فضول کی کہانیاں بنیں گی' ایک یہ صاحبزادے ہیں۔ اتنے ٹھنڈے' اتنے بے نیاز۔ چاہے کوئی ان کی ماں کو اغوا کر لے...... 'انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

اسفند کی سماعت پر ان کی گفتگو اچھی خاصی گراں گزر رہی تھی مگر وہ برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

"اس قسم کی ساری سردردی میرے لیے رہ گئی ہے۔"

"لائیے' دکھائیے کس نمبر سے کالز آ رہی ہیں۔" نیپکن سے منہ پونچھتے ہوئے اسفند نے ان کی بات کاٹی۔

"چھوڑو۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا موبائل گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ "تم بیٹا! اپنی مصروفیات میں مگن رہو۔"

تمہیں اس سے کیا واسطہ کہ مجھے کس قسم کے غیر مہذب لوگ کتنا تنگ کرتے ہیں۔ تمہارے نزدیک تو ناپسندیدہ ماں ٹھہری جو مثالی عورت کبھی بھی نہیں بن سکتی۔"

"ممی! آپ ہائپر ہو رہی ہیں جو آپ کو ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ آپ مجھے نمبر دیں۔ میں کیا کرتا ہوں ہیڈک ہے۔" اسفند پرسکون لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کر ان کے قریب چلا آیا۔

"دیکھتے ہیں کون سورما ہے جو آپ کو دھمکیاں دے رہا ہے اور تاوان مانگ رہا ہے۔" اس نے ان کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

"وہ کسی ایک نمبر سے کال کرتا ہو تو بات ہو نا۔ پہلی مرتبہ سے اب تک وہ دس نمبر تو بدل چکا ہے۔"

"اچھا' بچے کے متعلق اطلاع دیتا ہے اور اغوا کرنے کا بتا کر تاوان بھی مانگتا ہے۔" اسفند نے کال موجود نمبر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یوں جیسے میں جانتی ہی نہیں شہری کے متعلق۔ کیا وہ خفیہ شادیاں کر کے بچے پیدا کرنے والا شخص تھا؟" اسفند کا نمبر چیک کرتا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکا۔

"وہ کیا ہو سکتا تھا کیا نہیں' یہ ماضی کی بات ہے مگر آپ فکر نہ کریں۔" اس نے موبائل ان کی نظروں کے لہرایا۔ "اس کو میں دیکھ لوں گا۔ یو جسٹ ریلیکس۔"

"یونہی لوگ کہتے ہیں کہ میرے اس بیٹے سے زیادہ یہ بیٹا مجھ سے باغی ہے۔" رابعہ آفتاب نے کمرے باہر نکلتے اسفند کی پشت کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں کی باتیں سن سن کر میرا اپنا دل یقین کر بیٹھا تھا کہ اسفی کو میری کوئی پروا دیکھ لو نہ صرف میری پروا کرتا ہے بلکہ مجھے تسلی بھی دے رہا ہے۔" ان کے دل میں انجانا سا فخر سر اٹھانے لگا۔

"سر! میرا دل بہت خوش ہوا جب اسے معلوم ہوا کہ آپ گھر آ گئے ہیں۔" فراز نے شاہنواز احمد بیٹھتے ہوئے انہیں صحت یابی کی روایتی مبارکباد دینے کے بجائے مختلف جملہ کہا۔

"کیوں؟" وہ حسب عادت اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "تم نصیحت کر گئے تھے نا پچھلی ملاقات میں نے سوچا لاؤ۔ اب ذرا اسپتال کے اس ماحول سے باہر نکل کر بھی دیکھا جائے۔"

"ہائبرنیشن کے لیے اچھی جگہ ڈھونڈی تھی آپ نے۔" فراز مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ اسے سے دیکھے جا رہے تھے۔

"میں نے یہ نیوز پیپر دیکھے ہیں اور یہ میگزین بھی۔" انہوں نے اخبارات و رسائل کے ایک بلندے اشارہ کیا۔ "تم نے تین گروپ ایگزیبیشنز میں حصہ لیا پچھلے دنوں میں۔ یہ تو بتاؤ' تمہارا پروموٹر کون ہے؟"

فراز نے کچھ دیر ان کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"آپ کا یہ وہم کس طرح جائے گا سر! کہ میرا کوئی پروموٹر ہے یا پھر ضرور کوئی ایسا ہے جو مجھ میں ہوتے ہوئے بھی مجھے اوپر لانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"میں نے تو یہ ایک مرتبہ بھی نہیں کہا کہ تم میں کوئی ہنر ہے ہی نہیں۔ ہنر سے میاں! بہت ہے مگر میں کہ دنیا کے اس جنگل میں تمہارے جیسے حالات والا بندہ یونہی ایک دم صرف اپنے ہنر کے بل بوتے پر اوپر اس طرح کے قصوں کے پیچھے ضرور کوئی خاص ہاتھ ہوتا ہے۔"

فراز نے نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"پھر بتایا نہیں کہ کون ہے تمہارا پروموٹر؟" انہوں نے اپنا سوال دہرایا۔

"اگر میں کہوں کہ اللہ تعالیٰ' آپ مانیں گے نہیں کیونکہ آپ ایسے یقین کو مانتے نہیں پھر میں کیا جواب دوں اس "فراز نے اس بار زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

"اللہ تعالیٰ!" انہوں نے دہرایا۔ "خیر ایک غیر مرئی طاقت کے ہونے سے تو میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ تم گروپ میں شمار کر رہے ہو؟ میں خوب جانتا ہوں۔ یہ جو سرکل میں میرے مخالف لابی ہے نا' اس نے اسی طرح اڑا کر میرے متعلق لوگوں کو ڈس انفارم کرنے کا کام شروع کیا ہوا ہے مگر سمجھ لو کہ اس سے میرا کچھ بھی بگڑنے

"آپ کا اب مزید کیا بگڑے گا۔" فراز نے مذاق کیا۔ "میرا خیال ہے کہ اب آپ اس بات پر فکر مند ہونا یں کہ مجھے کون پروموٹ کر رہا ہے۔ بس جو ہو رہا ہے' اسے ہونے دیتے ہیں۔ میں نے خود بھی کبھی ارادے کام نہیں کیا کیونکہ مجھے یہ درس دیا گیا ہے کہ ہونے والے کام کے لیے خدا تعالیٰ خود راستے' وجوہات اور وسیلے انسان کے ارادے اس میں کوئی خاص کردار ادا نہیں کرتے۔"

وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ "کیا بولے تم' تمہیں درس دیا گیا ہے' کیا درس دیا گیا ہے اور کس نے دیا ہے یہ نہیں؟"

"میرے گھر والوں نے' میری ماں نے' میرے استادوں نے' میری کتابوں نے۔" فراز سمجھ کر بھی نہ سمجھنے انداز میں وضاحت کرنے لگا۔

"ہوں......!" وہ دوبارہ لیٹ گئے۔ "پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے بولے۔ "اچھا عقیدہ ہے' اچھا ایمان ہے ان ہے۔"

"بس تو پھر آپ سوالات میں مت پڑیے۔ جانے دیجیے جو ہوتا ہے ہونے دیں۔ اپنی صحت کی فکر کیا طرف۔"

"یہ رفعت آراء کریم جو ہیں ان کو جانتے ہو تم؟" انہوں نے اچانک سوال کیا۔ فراز نے ایک لمحے کے لیے لا۔ اس بات کا کیا جواب دینا چاہیے۔

"جی ہاں' ہماری بھوربن والی نمائش کو کوآرڈینیٹر تھیں یہ' بس اتنا جانتا ہوں۔"

"یہ کالم نگار بھی ہیں' میں نے پتا کیا ہے ان کے بارے میں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں ان کو۔ البتہ ملاقات نہیں ہوئی۔"

"ہو جاتی تو آپ ان پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتے کیا؟" فراز نے دل میں سوچا تھا۔

"اچھا ایک کام تو کرو۔" پھر انہوں نے اس بات کو بھی گول کرتے ہوئے کہا۔

"فرمائیے۔" وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

"میری ایک پینٹنگ ادھوری پڑی ہے۔ تھیم میں تم کو سمجھا دوں گا' بولو اسے مکمل کرو گے؟"

"آپ کی پینٹنگ میں مکمل کروں؟" فراز کے حلق میں گولا سا پھنسا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟ میں آپ کے معیار کو طرح جانتا ہوں۔ میں اس قابل کہاں؟"

"یہ بہتر جانتے ہو کہ میں......" وہ درشت لہجے میں بولے۔ "میں نے جو یہ بات کی ہے تمہارا خیال ہے کہ بغیر

سوچ کردی ہے۔"

"نہیں۔" فراز نے سر ہلایا۔ "مگر یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آپ میری آزمائش کرنا چاہتے ہوں۔" وہ
رہا تھا کہ ان کے سامنے وہ ایسی بات کیسے کرسکتا تھا جب کہ اکثر لوگ ان کے مزاج سے خائف ہی رہتے تھے

"چلو یونہی سہی۔" وہ مسکرائے۔ "کہو پھر یہ چیلنج قبول ہے؟"

"نہیں، آئی ایم سوری، میں خود کو ابھی اس قابل نہیں سمجھتا اور نہ ہی آپ کا ادھورا کام مکمل کروں گا
آپ کو صحت عطا کی ہے، آپ اپنا کام خود کریں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ہی مناسب ہوگا۔"

"لو ڈیر ڈائری!" فراز کے چلے جانے کے بعد انہوں نے اپنی ڈائری کھول لی۔ "مسافر دل کی کہا
ہی پڑی رہے گی۔ یہ لڑکا صاف انکار کر گیا ہے اور خود میرے اپنے ہاتھوں میں سکت نہیں۔ جانے کیسی گھڑی
تھی یہ تصویر جو مکمل ہونے کا نام ہی نہیں لیا اس نے۔

میں خود چاہتا ہوں کہ اسے مکمل کروں مگر نجانے کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ کہ برش ہاتھ میں پکڑتا ہوا
اُچاٹ ہونے لگتا ہے۔ ڈیر ڈائری! عمر بھر اس صورت حال سے سامنا نہیں ہوا، سو حیران ہوں، پریشان ہوں
اداس بھی ہو۔ اب کوئی پوچھے کس لیے اداس ہو تو میرا جواب کیا ہونا چاہیے؟۔ ہاہ...... ڈیر ڈائری! چلو کچھ
سنی، ان کہی اور ان لکھی ہی رہنے دیتے ہیں۔ اچھا اب ملازم نے اطلاع دی ہے کہ ادیبوں اور دانشوروں
گروپ مجھ سے ملنے آیا ہے سو میرا خیال ہے کہ اب تمہیں بند کرتا ہوں اور اپنے اس چہرے پر کوئی دوسرا چہرہ
ہوں۔ ہاہا......"

......۞......

"سارہ شاہنواز میری کلاس فیلو تھی کینئرڈ میں، میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔" رباب
مشروم اسٹفڈ پڑا کا ٹکڑا کانٹے میں پھنساتے ہوئے سادگی سے کہا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسفندیار اس کی یہ
کر اس بری طرح چونک جائے گا۔

"آر یو شیور؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بھئی، میں غلط کیوں کہوں گی؟" رباب نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال تھا بلکہ جیسا میں نے سنا
دونوں بھائیوں میں سے کسی ایک میں انوالوڈ ہے تو اب تک تو کسی ایک کے ساتھ شادی ہو چکی ہوگی۔"

"تمہیں یہ خبر کس نے دی؟" اسفند نے کانٹا پلیٹ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"یونہی دوستوں نے ورنہ سارہ سے تو عرصہ ہوا ملاقات نہیں ہوئی۔" رباب نے شانے اچکا کر کہا۔

"ویسے وہ بہت خوبصورت اور اسٹائلش لڑکی تھی اس کے مینرز بھی زبردست تھے۔ ویسے کیا ہوا
تمہارے بھائی سے اس کا بریک کیسے ہوا؟"

"اس کا میرے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہیں تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں شہری کی ڈیتھ کے بعد یہاں آ
اس نے سر جھکا کر کہا۔

"تو پھر یقیناً تمہارے بھائی سے ہوگا۔" رباب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا اینڈ ہوا پھر؟" اسفند کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر سمجھتے ہوئے بھی اس سے پوچھا۔

"شہری کی ڈیتھ ہوگئی اور کیا؟" اسفند نے لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "رباب! سارہ کے بارے
کچھ معلومات کر کے دے سکتی ہو مجھے؟"

پچھلے کچھ عرصے میں رباب سے کئی بار ملا تھا اور اب تک ان دونوں کے درمیان اچھی خاصی ذہنی ہم آہنگی
تھی۔ اسفند جانتا تھا کہ ایسا محض اس وجہ سے ہوا تھا کہ رباب اس کے اردگرد موجود لوگوں خصوصاً صنف
تعلق رکھنے والے لوگوں سے خاصی مختلف تھی۔ وہ سادہ تھی باعلم اور باشعور تھی اور اسفند کو اس سے ملاقات
یقیناً دوسراہٹ کا احساس ہوتا تھا۔

سارہ کے بارے میں؟" رباب کو حیرت ہوئی۔

اس کے بارے میں کیا معلوم کرو گے؟ اس سے اب کیا تعلق؟"

نہیں۔" اسفند نے سر ہلایا۔ "وہ اب تک ایک اہم کڑی ہے، میرے بھائی کے آخری دنوں کے واقعات کی

ں نے بلا کم و کاست جو کچھ اسے معلوم تھا رباب سے کہہ دیا۔ وہ ہاتھوں پر چہرہ ٹکائے توجہ سے اس کی بات

ا۔

مگر اسفندیار!" اسفند کے خاموش ہونے پر وہ چونک کر بولی۔ "جو بھی ہوا اس کی راکھ کریدنے کا کیا فائدہ؟
مجھے معلوم ہے بلکہ جو کچھ میں نے دوستوں سے سنا ہے۔ سارہ خود بھی ایک اذیت ناک زندگی گزار رہی
کا کیریر تباہ ہوگیا۔ گھر چھوٹ گیا۔ وطن چھوٹ گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں اس کی کیا وجہ ہے مگر ایسا ہے تو پھر
ے کیا معلوم کرنا ہے تمہیں؟"

رباب کیانی!" اسفند نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بات میرے لیے اہم ہے۔ صرف
ہے مجھے اگر تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکتی ہو تو مجھے خوشی ہوگی تمہاری مدد لے کر۔" رباب نے کچھ دیر اسے
نے کے بعد اپنے سامنے سے پلیٹ کھسکائی اور بیگ کندھے پر ڈال لیا۔

چلیں اب؟"

ہاں، میرا خیال ہے۔" اسفند نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم چلو میں آتا ہوں۔"

باب آہستہ قدموں سے چلتی باہر گئی۔ وہ اسفند کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اسفند
گر اسے اس زمانے میں بھی کمیونٹی کے باقی لڑکوں سے مختلف لگے تھے جب وہ وارک میں اس کے ساتھ
شریک ہوئے تھے۔ اور اب اتنے سال بعد اس مانوس ماحول میں واپس آنے کے بعد بھی اتنے سارے
اسے اسفند ہی ایسا نظر آیا تھا جس سے اسے ذہنی ہم آہنگی ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ پچھلے کچھ عرصہ میں ان کی
مل ہوئیں تھیں۔ اسفند کی شخصیت کا اسرار اور گہرائی نے اسے متاثر کیا تھا۔ اور اب بلاشبہ وہ اس کے بہت
دل میں سے ایک تھا۔

چ...... بیچارا......!" اس نے تھکے تھکے قدم اٹھاتے باہر نکلتے اسفند کو دیکھا۔ "یہ یہاں بالکل مس فٹ ہے
رہنے پر مجبور ہے۔ انسان کی بھی کیا اوقات ہے قدرت کے فیصلوں کے سامنے۔ اسے کتنے کمپرومائز
تے ہیں۔ اس اسفندیار کی طرح۔"

جانے کیوں اسفند کے لیے ترحم اس کے دل میں امڈ امڈ کر آ رہا تھا۔ پھر وہ دونوں اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ
ب! میں انتظار کروں گا۔ جو کام میں نے تمہیں سونپا ہے وہ تم کر لو تو ضرور بتانا۔" گاڑی اسٹارٹ کرنے
سفند نے شیشہ نیچے اتار کر ایک بار پھر اسے یاد دلایا۔

اور یقیناً یہ بات اس نے کسی اور سے نہیں کہی ہوگی۔" رباب واپسی کے راستے میں سوچتی رہی۔

''کس بات کی کھوج ہوسکتی ہے اسے۔'' اس نے سوچنے کی کوشش کی۔

''گھر واپس آ کر ضروری کاموں سے نبٹ لینے کے بعد اپنے کمرے میں بیٹھے اس نے یاد کر
کی۔ سارہ شاہنواز جو اس کی کلاس فیلو تھی اور بڑی پالشڈ لڑکی تھی۔ اسے یاد آیا چار سالوں کے اس عرصے م
نے اکھٹے کالج میں گزارے تھے ایک موقع ایسا بھی آیا تھا جب وہ دونوں بہت اچھی دوست بھی بن گئی تھیں
سارہ شاہنواز مشہور زمانہ آرٹسٹ شاہنواز احمد کی بیٹی تھی اور رباب کو یاد تھا کہ وہ خود شاہنواز احمد کے ز
تھی۔ اسے ان کی شخصیت میں بڑی کشش نظر آتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کالج میں موجود بہت سی دوسری لڑکیا
سارہ شاہنواز اس کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ انہی دنوں میں وہ ماڈلنگ کی طرف بھی چلی گئی تھی۔ جب ہی ا
آیا کہ سارہ شاہنواز نے اپنا پہلا اشتہار کسی ٹوتھ پیسٹ کا کیا تھا۔ یہ بات یاد کرتے ہوئے اسے بے اخ
آئی۔ ان دنوں کالج کی جو لڑکی بھی سارہ کو نظر آتی تھی وہ پورا منہ کھول کر دانت نکالتے ہوئے اس کی طر
مسکراتی تھی۔

''موتی جیسے دانت' ستاروں کی چمک۔'' وہ سب اسے چھیڑتیں۔

سارہ یقیناً اتنی پراعتماد تھی کہ اسے ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ پھر وہ کالج کی ڈرامیٹک سو
اور پھر صدر بن گئی تھی۔ اس دور میں کالج نے بہت اچھے پروگرام آرگنائز کیے تھے۔ سارہ ملنسار اور خوش
تھی۔ اس کے متعلق بہت سی افواہیں بھی اڑا کرتی تھیں مگر وہ ہمیشہ استفسار پر مسکرا دیا کرتی۔

وہ کئی مرتبہ اس کے گھر بھی آئی تھی۔ رباب کا تعلق سارہ کے برعکس ایک اپر مڈل گھرانے سے
نظریات اور عقائد کے پکے لوگوں کا گھرانہ تھا۔ رباب کے والد ایک مشہور بالٹرز کمپنی میں جنرل منیجر تھے
والدہ ایک مکمل ہاؤس وائف تھیں۔ اس کی بڑی دو بہنیں شادی شدہ تھیں۔ ایک بھائی کنگ ایڈورڈ کا
جب کہ سب سے چھوٹا اسکول جاتا تھا۔ سارہ کے بقول اسے رباب کے گھر کا ماحول بہت پسند تھا۔

''ہمارے گھر میں نماز کی پابندی سختی سے کی جاتی ہے سارہ! اگر میری امی کو معلوم ہو گیا کہ تم نماز
ہو تو انہیں مجھ پر غصہ آئے گا میں نے ایسی دوست کیوں بنائی۔'' رباب کو یاد آیا ایک مرتبہ اس نے
تھا۔

''میرے ڈیڈی کے نماز کے بارے اپنے نظریات ہیں۔'' سارہ نے اسے بتایا تھا۔ ''ان کا کہنا
اگر خدا کو مانتا ہے تو اس کی معبودیت کے اقرار کے بہت سے طریقے ہیں' نماز کی سٹ' اسٹینڈ اس کے
نہیں ہے۔''

''دیکھو' اس بات کو دوبارہ یہاں مت دہرانا۔ میری امی نے سن لیا تو وہ مجھے بالکل منع کر دیں گ
ہے۔''

''مجھے تمہاری یہ بات بھی اچھی لگی ہے رباب! تمہاری امی سن لیں تو منع کر دیں گی۔ چلو تمہیں ک
کوئی منع کرنے والا تو ہے نا!'' رباب کو سارہ کی یہ بات سن کر تعجب ہوا تھا۔

''کیوں' تمہارے والد تمہیں کسی بات سے منع نہیں کرتے؟''

''وہ مجھے کس بات سے منع کریں گے رباب!'' وہ عجیب سے انداز میں بولی تھی۔

''کسی کو کسی بات سے منع کرنے کے لیے خود اس کام سے رکنا پڑتا ہے۔ کسی کے لیے رول ما
آسان کام نہیں ہوتا۔ اس کے لیے اپنے ساتھ بھی جہاد کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب انسان خود ہر اس حرکت کا

ے اپنی اولاد میں قابل اعتراض لگنی چاہیے تو وہ کیسے منع کرے گا' کیسے روکے گا؟'' رباب کو سارہ کی یہ بات
ب لگی تھی۔

''تمہارے والد بہت سے لوگوں کے لیے رول ماڈل ہیں۔ سارہ! کیا تم ان کو آئیڈیالائز نہیں کرتیں؟''

''پتہ نہیں۔'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں جواب دیا تھا۔ ''شاید تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔'' پھر وہ ذرا سنبھل کر
باب! دراصل تمہارا انداز زندگی اس سے بہت مختلف ہے جو ہم رکھتے ہیں۔ اسی لیے تمہیں میری باتیں عجیب
ا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ رشتوں کی مد میں میں صرف اپنے باپ سے آگاہ ہوں' میری ماں نہیں ہے نا کوئی
شتہ دار' میرے والد نے مجھے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں کبھی بتایا نہیں یا شاید کوئی ہے ہی نہیں' مجھے میری
سز براؤن نے پالا ہے۔ میں نے ایک عمر مری کانونٹ میں گزار دی۔ اور اب یہاں میں اپنے تعلق خود پیدا
ہوں۔ مجھے لگتا ہے زندگی کے سارے نظریات سارے اصول اور طریقے مجھے اپنے لیے خود ہی وضع کرنا ہوں

''بیچ بیچ!'' رباب کو یاد آیا سارہ کی بات سن کر اسے صرف ایک جملہ یاد رہ گیا تھا۔ ''رشتوں کی مد میں' میں
نے باپ سے آگاہ ہوں۔''

''کتنی غریب ہے یہ بیچاری سارہ بھی۔'' اس کی سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہ تھی کہ اس کی طرح ڈھیروں ڈھیر
کے بغیر وہ کیسے گزارتی ہوگی۔

''ہے تو ایسی ہی بات۔'' سارہ کے متعلق اس کی باتیں سن کر رباب کی امی نے کہا تھا۔

''بیٹا! یہ زندگیاں' یہ شخصیات دور سے ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ زیادہ تر اتنی ہی مصنوعی اور محروم ہوتی ہیں۔''
جب ہی رباب نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایسی رنگا رنگ زندگی کی خواہش کبھی نہیں کرے گی۔ بی ایس سی کے بعد
نے اکنامکس میں ماسٹرز کیا۔ سارہ نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی تھی کیونکہ ماڈلنگ میں اب اس کی شہرت بڑھ رہی
وہ خاصی معروف ہو گئی تھی۔ دوستی اور ملاقاتیں پیچھے رہ گئی تھیں۔ سارہ کے حوالے سے خبریں میگزینز اور
میں ہی پڑھنے کو ملتی تھیں۔ رباب کی زندگی مصروف سے مصروف تر ہوتی چلی گئی۔ رباب کو اسکالرشپ مل گیا
گلینڈ چلی گئی۔ دوستوں سے فون پر یا نیٹ پر بات ہوتی تو کبھی کبھار سارہ کا ذکر بھی ہو جاتا۔ وہیں اسے معلوم
ارہ کا ایک انتہائی زبردست شخصیت کے حامل ملینئر سے زبردست افیئر چل رہا تھا۔ اسے یہ بات کچھ نئی نہیں
ب کچھ اس دنیا میں ہوتا ہی رہتا تھا جس سے سارہ کا تعلق تھا۔ سارہ کے والد شاہنواز احمد کو آئیڈیالائز کرنا البتہ
تب بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ ان سے متعلق کمیونٹی کی ممبر بھی تھی اور ان کی ہر نئی تحقیق' تصویر' شاہکار کو پہلے دیکھنے
ق بھی۔ اس کی نظر میں بڑے بڑے ناموں کے بعد شاہنواز احمد مصوری' مجسمہ سازی اور تحقیق کی دنیا میں
ا نام تھا۔ وہ ان کی بارعب شخصیت سے بھی متاثر تھی اور ان کے پاکستانی ہونے پر فخر بھی تھا۔
سارہ شاہنواز کے متعلق اسے وطن واپس آ کر معلوم ہوا تھا کہ وہ خاصی تکلیف دہ زندگی گزار رہی تھی۔
امیں اس کا نام زوال پذیر تھا اسی لیے وہ اس شعبے کو چھوڑ چکی تھی۔ اپنے والد سے بھی وہ دور ہو چکی تھی بلکہ غالباً
وڑ چکی تھی۔ اور اس ملینئر والا قصہ بھی ختم ہو چکا۔ اسے یہ سب سن کر افسوس ہوا تھا' مگر اس روز سارہ شاہنواز کی
ن میں اسفند یار کی دلچسپی نے اسے چونکا دیا تھا۔ اسے یہ جان کر بھی حیرت ہوئی تھی کہ وہ ملینئر وہ چارمنگ
ی اور نہیں شہریار محمد تھا۔ اور اس کی موت کے بعد اسفند یار کو سارہ سے کیا جاننا تھا' وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر اسفند
علق اور دوستی میں یقیناً اسے کوئی ایسی بات ضرور محسوس ہوئی تھی جس کی بنا پر وہ اس کی خاطر سارہ شاہنواز سے

پرانا تعلق نئے سرے سے استوار کرنے پر ذہنی طور پر تیار ہو چکی تھی۔

......✿......

"یہ بہت اچھا ہوا کہ آنٹ جینس کو ڈاکٹر یوسف جیسا معالج میسر ہو گیا۔ اب یقیناً ان کی صحت بہ جائے گی۔ ویسے بھی ڈاکٹر یوسف کمال کے سینٹر میں داخل ہو جانے کے بعد تمہیں اس بات کی فکر بھی نہیں رہے تمہارے پیچھے ان کی دیکھ بھال کون کرے گا۔" فراز نے لینا سے کہا تھا۔ اس روز وہ بہت دن بعد اس کے گھر آیا

"وہ تو ٹھیک ہے۔" لینا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مگر تم جانتے ہو کہ یہ علاج کتنا مہنگا ہے۔ ہم افورڈ کریں گے؟"

"تم نے اس روز اسفند بھائی کی گفتگو شاید غور سے نہیں سنی تھی۔" فراز نے اسے یاد دلایا۔ "اس سارے معالجے کے اخراجات کی پروا کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔"

"فراز! جہاں تک مجھے معلوم ہے صدقہ خیرات مسلمان، مسلمان ہی کو دے سکتا ہے، غیر مسلم کو نہیں۔" اپنی معلومات کا ذکر کیا۔

"چلو جی انسانیت کی بنیاد پر مدد بھی اب مذہب غیر مذہب کی بحث کا شکار ہو گئی۔ ام تم کو بتاتا لینا ڈار کہ یہ جو پیسہ والا لوگ ہے نا یہ سوب کا سوب ہی برا والا انسان نا ئیں ہوتا۔ ان میں سے کوئی کوئی ایسا ہی ہیومینٹی کا واسطہ نیک والا کام کرنا مانگتا، ان کا نیکی کو ڈاؤٹ کرنا۔ سن sin (گناہ) موافق بات ہوتا۔ ایسا کر کسی سوٹ نا ئیں کیونکہ اندر کا بات اوپلی اوپر والا جانتا۔"

فراز نے ایک دن لیڈی ایلس کے لب و لہجے میں گفتگو شروع کر دی۔ لینا اس کی اس گفتگو کو پوری آ کھولے حیرت سے سن رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ بظاہر سنجیدہ اور بے نیاز نظر آنے والا یہ لڑکا ایک پن کی باتیں بھی کر سکتا تھا۔

فراز اس کی حیرت بھانپ کر بے اختیار ہنس دیا۔

"بات صرف اتنی ہے کہ تمہاری آنٹ جینس یقیناً کوئی نیک روح ہیں جب ہی تو ایسا موقع خود چل کر پاس آیا ہے، اور میں تمہیں بتا دوں کہ لوگ تو محض وسیلہ بنتے ہیں یہ سارے معاملات خالصتاً اللہ کی طرف سے ہیں۔ وہ ہی بے سہاروں کا سہارا بنتا ہے۔"

"ویسے اگر غور کیا جائے فراز!" لینا تھوڑا اٹکتے ہوئے بولی

"تو آنٹ جینس بے آسرا تو نہیں ہیں۔ وہ صاحب......" اس نے ایک لمحہ آنکھ اٹھا کر فراز کو دیکھا چہرے پر سنجیدگی چھا گئی تھی۔

"میرا مطلب ہے وہ صاحب تو اچھے خاصے پیسے والے ہیں۔ میں ان کے بارے میں بہت کچھ تو نہیں مگر میں نے اکثر ان کا نام سنا ہے۔ وہ صاحب......" پھر اسے خیال آیا کہ وہ بغیر حوالہ دیے بات کر رہی تھی مطلب ہے وہ شخص جس کے بارے میں ہم نے وہ کاغذات......"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" فراز نے اس کی بات کاٹی۔ "شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر ہم اس کہانی کی صرف بات سے واقف ہیں۔ یہ مت بھولو لینا! ہمیں معلوم نہیں کہ اس کہانی کا آغاز اور انجام کیا تھا۔ کیا تم نے آنٹ جینس سے اس کے متعلق کچھ پوچھا؟"

"ہاں۔" لینا نے جھجکتے ہوئے اعتراف کیا۔ "میں نے کوشش کی تھی۔ بلکہ شاید ان کی حالت دیکھ کر میں

ز میں برا بھلا کہا تھا۔

پھر......؟" فراز کے لہجے میں تجسس تھا۔

پھر......" لینا نے یاد کیا۔ "پھر وہ برا مان گئیں، وہ بول نہیں سکتی تھیں مگر مجھے بھی ایسا بولنے سے منع کر رہی شاید وہ اس شخص کی وکالت بھی کرتیں اگر بول سکتی تو۔"

اچھا پوچھا۔" فراز نے اس لفظ کو خوب لمبا کرتے ہوئے کہا یہ اس کے لیے یقیناً ایک انکشاف تھا۔

اچھا، چلو چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری گرینی کہاں غائب ہیں؟"

وہ......" لینا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے اور لوگوں کی طرح فراز سے بھی جھوٹی بات کہنا چاہیے کہ نہیں۔

وہ للی کے پاس جا چکی ہیں۔ ہے نا؟" فراز اس کے چہرے کے بدلتے رنگ اور کوئی بات نہ کہہ سکنے کی سمجھتے ہوئے بولا۔

چونکنے کی باری لینا کی تھی۔ "تمہیں کیسے علم ہوا؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔ "کیا وہ کہیں تمہیں ملی تھیں یا اچانک اس کے لہجے میں ایک عجیب سا نا سمجھ میں آنے والا تاثر اترا۔ "یا پھر للی سے ملاقات ہوتی ہے یا تم سے اس کا کوئی کانٹیکٹ ہے؟"

ں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بات وہ اس لہجے میں کیوں کر رہی تھی۔ فراز نے اسے بغور دیکھا۔

نہ تو میں کسی سے ملا ہوں، نہ ہی میرا کسی سے کوئی کانٹیکٹ ہے۔ میں نے یہ بات صرف یہ سوچ کر کہی کہ بھلے کتنی ڈینگیں ماریں کہ ان کے بہت سے لوگوں سے تعلقات ہیں اتنا عرصہ کہیں جا کر رہیں، نہیں تو اب ں چلی گئیں؟ دوسرا تمہارا لہجہ خود ہی چور ہو رہا تھا۔"

نا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسے خود پر غصہ آیا۔ وہ اپنے احساسات کو بھی چھپا نہیں سکتی تھی۔

اور اب جب کہ آنٹ جینس بھی یہاں نہیں ہیں تو تم جب کبھی بھی گھر آؤ گی تو کیا اکیلی رہا کرو گی یہاں؟"

وہ سوال تھا جو لینا گزشتہ چند دنوں میں خود سے کئی بار کر چکی تھی۔ عمر بھر اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس گھر وہ کسی مہمان کی طرح زندگی گزارتی رہی تھی۔ ایک دن صرف وہی رہ جائے گی اس کی واحد مکین بن کر۔

اب تو زندگی کے سارے اسرار کھل گئے ہیں نا لینا! اور گرینی نگینوں کی طرح فٹ ہو گئیں ان خانوں میں کہ کرتے تھے۔ آنٹ جینس نے عمر بھر انسانیت کی خدمت کی اب انسانیت کی باری ہے، ان کی خدمت کرنے کر رہی ہے۔ اب تم اپنا سوچو۔"

راز نے خلوص سے یہ بات کہی تھی۔ لینا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

کیا مطلب ہے اپنا سوچوں، کیا سوچوں؟"

مطلب تم یوں کیسے زندگی گزارو گی۔ زندگی کی کئی ضرورتیں ہوتی ہیں۔" فراز کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے ائے۔

تمہیں معلوم ہے کہ جو جاب میں کر رہی ہوں، اس سے کم از کم اپنے گزارے کے لیے مجھے بہت کافی مل جاتا ی ساری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔"

میرا مطلب یہ ہے لینا! کہ تمہیں کسی کے سہارے کی ضرورت ہے، تمہیں اب یوں تنہا زندگی نہیں گزارنا

تو کیا کروں!"

''اپنے لیے کوئی ساتھی ڈھونڈو' لائف پارٹنر۔ مجھے یقین ہے تم بہتر زندگی گزارنے لگو گی۔ا تمہارے انکل ڈینس سے بات کی جاسکتی ہے۔'' فراز نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''تمہارا مطلب ہے کہ میں شادی کرلوں؟'' بالآخر لینا اس نکتے پر پہنچ ہی گئی جس پر فراز ا تھا۔

''ہاں......تو اور کیا؟'' فراز بدستور مسکراتے ہوئے بولا۔

''کس سے؟'' وہ چبا چبا کر بولی تھی۔ ''کون کرے گا مجھ سے شادی؟''

''کوئی بھی اچھا انسان' کیونکہ تم کسی اچھے انسان کو ہی ڈیزرو کرتی ہو۔''

''اچھا انسان۔'' لینا نے اس کی طرف سے رُخ موڑتے ہوئے کہا۔ ''کہاں سے آئے گا اچھا از اچھا انسان......کوئی ہے تمہاری نظر میں؟'' وہ واپس اس کی طرف مڑی۔ فراز نے دیکھا اس کے چہر کرب تھا جبکہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کے دل کو عجیب سا دکھ پہنچا۔

''تم خود اتنی اچھی ہو لینا! یقیناً کوئی بھی اچھا لڑکا تمہارا ساتھ ملنے پر خوش ہوگا۔'' اس گیا۔ ''انکل ڈینس سے میں بات کرتا ہوں' یقیناً تمہاری کمیونٹی میں کوئی اچھا لڑکا ضرور ہوگا جو تمہارے ش شادی کرنا چاہے گا۔''

''اور اگر انکل ڈینس بھی یہ کام نہ کرسکے تو ہم ہر کام کی طرح اسفند یار صاحب سے مدد مانگیں گ سے۔ ویری فنی فراز! ہمارے جیسے لوگ چھوٹی بات سے لے کر بڑی بات تک دوسرے کے سہارے کی ہیں۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرائی۔ ''تم نہیں جانتے فراز! کہ میں اس قسم کی کسی بات کا نتیجہ اچھی طرح ہم لوگوں نے گریٹی سمیت جھوٹ کا جو خول پہن رکھا ہے وہ رشتوں ناتوں کے سلسلے میں نہیں چلتا۔ کیبرے ڈانسر اور ایک ہیڈ خاکروب کی پوتی' معمولی نیٹو آیا اور برٹش بینڈ ماسٹر کی آف اسپرنگ مکسڈ سوزا' جس کا باپ پہلے یہاں کی پھر لنڈن کی سڑکوں کی خاک رولتا پھرا اور جس کی ماں کا کوئی نام ونشان نہ تھیٹر کی لیٹسٹ ڈانسنگ ڈول' للّی ڈی سوزا کی فرسٹ کزن' وہ للّی ڈی سوزا جس کی ولگرسی ڈیز عرب شیخ نیو نام سے مزے لے لے کر دیکھتے ہیں اور جو صرف ایک ڈائمنڈ لاکٹ کے عوض اپنا جسم بیچنے پر ہر دم تیار ر واہ......'' وہ بات کرتے کرتے بے اختیار رو دی۔

''کیا شاندار بیک گراؤنڈ ہے لینا ڈی سوزا کا جو کمیونٹی کے اچھے اچھے لڑکے دوڑے چلے آ جوڑنے' تم واقف نہیں ہو فراز! اب ہماری کمیونٹی کے اچھے لڑکے بھی اپنی ہونے والی بیوی میں جو خوبیاں ہیں ان میں ٹاپ آف دی لسٹ فیملی بیک گراؤنڈ ہوتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے۔ اور جو ہم جیسوں کا ہا کے لیے تیار ہوں گے۔ وہ وہ نہیں ہوں گے' جیسا میں سوچتی ہوں۔''

''ہم بے قصور ہیں مگر پھر بھی قصوروار ہیں۔''

فراز اس کی یہ حالت دیکھ کر اپنی کی ہوئی بات پر بری طرح پچھتا رہا تھا۔ ''نہ میں اس سے شادی کی اس بیچاری کی یہ حالت ہوتی۔ اب یہ کتنی ڈپریسڈ ہوگئی ہے۔''

'داتنی مایوس مت ہو۔ میرا خیال ہے کہ ان حالات نے تمہیں جذباتی بنا دیا ہے' تم مثبت سوچ ذات سے مایوس نہیں ہوتے۔''

''کچھ نہیں' بس یونہی۔'' لینا نے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''میں یونہی

ئی اگر للّی کے پاس ہی رہی تو پھر میں واپس پنڈی چلی جاؤں گی۔ منی باجی تو یوں بھی کئی بار مجھے کہہ چکی ہیں۔''

''ٹھیک ہے' اگر تم ایسا بہتر سمجھتی ہو تو یہ بھی ٹھیک ہے۔'' فراز نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ''بہرحال میری دعائیں اور مدد ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔'' وہ واپس جانے کے لیے مڑا۔ لینا دروازہ بند نے کے لیے اس کے پیچھے آئی۔

''فراز......!'' پھر اچانک اس نے پیچھے سے اسے پکارا۔ فراز نے مڑ کر اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے ''تم ابھی کہہ رہے تھے کہ مجھ میں جو خوبیاں ہیں انہیں دیکھ کر کوئی بھی اچھا لڑکا مجھ سے شادی کرنے کے لیے ہوسکتا ہے؟'' فراز نے اس کی بات کو غور سے سنا مگر چپ رہا۔

''کیا وہ اچھا لڑکا تم نہیں ہوسکتے۔ کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرسکتے؟''

لینا کو خود معلوم نہیں تھا کہ یہ الفاظ اس کے منہ سے کیسے پھسل گئے تھے مگر اس کے لاشعور میں یہ بات بہرحال تھی کہ اس بات کے ردعمل میں فراز بری طرح چونک جائے گا۔ مگر اس کی اس توقع کے برعکس وہ اسی طرح ن رہا۔ کچھ دیر وہ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

''نہیں لینا! میں وہ لڑکا نہیں ہوسکتا۔'' پھر اس نے نرمی سے کہا۔ ''کیونکہ میں نے تمہاری کمیونٹی کے کسی اچھے ے کی بات کی تھی۔ پھر اگر اس حقیقت کو نظرانداز بھی کردیا جائے تو پھر بھی میں وہ لڑکا نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ میں خود ایسی جگہ کمیٹڈ ہوں جو اچھائی کے اس معیار کے مطابق ہے جو میں نے خود اپنے لیے وضع کر رکھی ہے۔ تم بلاشبہ اچھی لڑکی ہو۔ مگر شاید میں اتنا اچھا نہیں ہوں جب ہی خدا تعالیٰ نے میری قسمت کہیں لکھ دی۔ میں تمہیں ہمیشہ اچھی دوست ضرور سمجھتا رہوں گا باقی تمہاری بات کے جواب میں' میں معذرت خواہ ہوں۔''

لینا نے گہرا سانس لیتے ہوئے شانے اچکائے۔ ''اور اس کی وجہ وہی میرا بیک گراؤنڈ۔'' اس نے کہنا چاہا۔

''ڈونٹ بی سلی لینا!'' فراز نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس احمقانہ حقیقت کو ہم پہلے ہی مسترد کرچکے ہیں۔ نے تم سے اپنی کمٹ منٹ کی بات کی ہے نا' لیکن اگر یہ نہ بھی ہوتا تو شاید تمہارے لیے میں ایسی بات کبھی نہ ا۔ میں نے ہمیشہ تمہیں ایک اچھے دوست کی نظر سے دیکھا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ اچھی دوست کو جیون ساتھی جائے۔ کیونکہ دوستی اور زندگی کی شراکت دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان کے تقاضے بھی مختلف ہیں۔''

''تو پھر تمہارے ہر اچھے لڑکے کے نظریات ایسے ہی ہوں گے۔'' لینا کو خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس بات ہ طول کیوں دے رہی تھی۔

''اچھے لڑکے سے میری مراد وہ لڑکے ہیں جو شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان کی نظر میں کوئی خاص لڑکی نہیں یسا کوئی لڑکا تمہاری شخصیت کے بارے میں سنے گا تو ضرور متوجہ ہوگا۔ تم اس بات پر غور تو کرکے دیکھو۔'' فراز ات کو طول دیے جانے کی بیزاری خود پر سوار کیے بغیر اسی نرمی سے اسے سمجھایا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولی۔ ''میری ذہن کی الجھن ختم ہوگئی۔ تمہارا بہت شکریہ کہ تم ہری بے مقصد بے سروپا بات کو اتنے تحمل سے سنا۔''

''فون پر رابطہ ضرور رکھنا' کسی بھی مشکل میں' کسی بھی وقت تم مجھ سے رابطہ کرسکتی ہو۔'' فراز نے روایتی الفاظ ے اور باہر نکل آیا۔

''بے شک تم بہت اچھے ہو۔'' اس کے جانے کے بعد لینا نے واپس کمرے میں آکر سوچا۔

''بہت اچھے لڑکوں سے بھی اچھے اگر حقیقت تو یہ ہے کہ تم میرا مقدر ہو ہی نہیں کیونکہ جیسی قسمت لے کر میں

اب تک زندگی گزارتی آئی ہوں اس میں اتنی گنجائش ہی نہیں۔ خداوند نے یقیناً مجھے اتنے ہی میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہے' جتنے میں میں ہوں۔ اس میں تمہارا کوئی قصور ہے ہی نہیں۔ جب کہ مجھے تو رشک آ رہا ہے اس لڑکی پر جو کمیٹڈ ہو۔ میں نے نہ تو تم سے اس کے متعلق کچھ پوچھا ہے نہ ہی کبھی پوچھوں گی۔ کیونکہ مجھ میں اتنا حوصلہ ہی نہیں شاید' پھر خداوند سے میری یہ دعا ہے کہ تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو۔"

اس نے مسکراتے ہوئے سوچا اور پھر اپنا بکھرا ہوا سامان بیگ میں رکھنے لگی۔

.......✿.......

"مس نورین! میں نے آپ سے کہا تھا کہ کوئی بھی آئے' کسی کا بھی فون آئے آپ مجھے ڈسٹرب نہیں کریں گی۔" اسفند کو اس روز واقعی کام کی تکان نے الجھا دیا تھا۔

"سر! یہ کڈز ہوم سے مس زارا کا فون ہے۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ وہ آپ کے موبائل بند رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایمرجنسی ہے۔" انٹرکام پر مس نورین کی آواز ابھری۔

"ایمرجنسی کیا ہو سکتی ہے وہاں۔ کوئی بچہ اگر بیمار ہو گیا تو انہیں معلوم ہے کہ کہاں کال کرنا ہے؟" وہ بڑبڑایا اور پھر اس نے فون ریسیور اٹھا لیا۔

"میں آپ کو ڈسٹرب کرنے پر معذرت خواہ ہوں سر!" مس زارا کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر رضوان اور واحد صاحب سے بھی بات نہیں ہو پا رہی' سر ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے یہاں؟"

"اب آپ بتا بھی چکیں۔" وہ جھلا گیا۔

"سر! وہ بچہ جس کا نام مہدیار ہے جو کچھ عرصہ پہلے یہاں آیا تھا۔ آپ کو یاد ہے نا سر!" زارا بے حد پریشان اور ڈری ہوئی لگ رہی تھیں۔

"اچھا' پھر؟" فوری طور پر اسفند کو بچہ یاد نہیں آیا۔

"سر! وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ سر اسے کوئی اٹھا کر لے گیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اسفند کا لہجہ یکدم انتہائی درشت ہو گیا۔ "آپ کہہ رہی ہیں کڈز ہوم سے بچہ کوئی اٹھا کر لے گیا' آپ سب وہاں کیا کر رہے تھے؟"

"آپ کی بات ٹھیک ہے سر! ہم سب بھی یہاں سخت پریشان ہیں۔ سر آپ یہاں آئیں۔ میرا مطلب سر آپ اگر یہاں آ سکیں تو۔"

"یہ ہی کروں گا اب' آپ ڈاکٹر تنویر اور واحد صاحب سے کنٹیکٹ کرنے کی کوشش کیجیے میں پہنچ رہا ہوں۔"

یہ ایک بالکل نئی اور غیر متوقع صورت حال تھی۔ فوری طور پر اس کو بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے۔

"کڈز ہوم" پہنچنے پر ہر کوئی اس پر یہ ثابت کرنے میں مصروف ہو گیا کہ لاپروائی اور غفلت کا مرتکب کوئی اور تھا۔

"روم نمبر فور میں دو بچے تھے سر! ذیشان اور مہدیار۔ ان کے ساتھ مس رخشندہ کی رات کو اور مس ماہم کی وقت ڈیوٹی ہوتی ہے۔ مس رخشندہ کے مطابق رات وہ دونوں بچوں کو سلانے کے بعد آپا جی کو کمرے میں چھوڑ کر اپنے لیے کالنگ کارڈ لینے باہر شاپ تک گئی تھیں واپس آئیں تو کمرے میں آپا جی موجود نہیں تھیں اور مہدیار غائب تھا۔" مس زارا جو کڈز ہوم کی انچارج تھیں' اسے بتا رہی تھیں۔

"آپا جی کہاں تھیں اور اب کہاں ہیں؟"

"آپا جی واش روم میں گئی تھیں۔ بچے سکون سے سو رہے تھے انہیں کیا خبر تھی کہ چند منٹوں کے فرق سے یہ واقعہ پیش آ جائے گا۔"

"سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ سب یہاں کیا کر رہے تھے۔ اور جو کوئی بھی آ کر بچہ لے گیا وہ کہاں سے آیا اور کہاں گیا؟"

ڈاکٹر رضوان سارے عملے پر برس رہے تھے۔ اور یہ تھی بھی بہت خطرناک صورت حال۔ ان سب نے مل کر "کڈز ہوم" بہت محنت اور دوڑ دھوپ کر کے بنایا تھا۔ اور اب تک یہ کامیابی سے چل کر اپنا ایک نام بنا چکا تھا۔ ایسے میں اس قسم کا واقعہ ادارے کے لیے بہت بڑا دھچکا ثابت ہو سکتا تھا۔ گیٹ کے عملے سے لے کر نگران اور عملے کی ٹھیک ٹھاک طریقے سے تفتیش کی گئی تھی اور بظاہر سب ہی لاعلم نظر آ رہے تھے۔ مسلسل تفتیش پر سب ہی پریشان اور ہراساں نظر آ رہے تھے۔

"یہ بچہ اسفند تمہارے کہنے پر لایا گیا تھا۔ کچھ آگا پیچھا معلوم ہے اس کا؟" واحد رضوی نے رات گئے اس سے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہے' لیکن مجھے بھی کسی نے خصوصی طور پر کہا تھا اس بچے کے لیے۔" اسفند نے دن بھر کئی بار سوچا تھا اس سلسلے میں بی بی زینب سے رابطہ کرے مگر یہ سوچ کر وہ رک جاتا کہ وہ کیا کہیں گی۔ اسفند پر اعتماد کر کے اس پر ذمہ داری ڈالی مگر وہ اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔

"تم معلوم تو کرو یار! کیا کوئی ایسا اس بچے کے آگے پیچھے تھا جو اسے اغوا کرنے میں دلچسپی سے لے سکتا ہو؟" ڈاکٹر تنویر کے ہاتھ نئی بات آ گئی تھی۔

"ہوں۔" اسفند نے اپنے شل ہوتے ہوئے اعصاب کو آنکھیں بند کر کے پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ اس کی کوئی بھی بات معلوم کرنے کے لیے اسے بی بی زینب کے پاس خود جانا پڑتا تھا اور رات کے اس وقت یہ ممکن نہ تھا۔ مگر بی بی زینب کے پاس جانے کے ارادے سے پہلے ہی اسے وہ فون کال آ گئی جو اس کے مزید ہوش اڑانے کے لیے کافی تھی۔

.......✿.......

"اب ایسا کر مبینہ کلثوم! دل لگا کر تیاری کر' میرا دل چاہتا ہے کہ تو گھر بیٹھ کر تیاری کر کے ایسے پرچے دے کہ کوئی بھی تیرے نمبر دیکھ کر حیران رہ جائے۔" ماسٹر جی نے ہل ہل کر نوٹس یاد کرتی مبینہ کلثوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک دم ہلنا بند کر کے ان کی طرف شکوے بھری نظروں سے دیکھا۔

"ماسٹر جی! آپ ہمیشہ مجھے فراز کی مثالیں ہی کیوں دیتے ہیں؟ آپ کو اپنی مثال دینی چاہیے۔ آپ نے تو ان دنوں میں پڑھا تھا جب کوئی کوئی پڑھتا تھا۔"

"تو کڑیے! یہ ہی تو بات ہے ان دنوں میں جب کوئی کوئی ہی پڑھتا تھا مقابلہ کس سے اور کتنا ہوتا تھا۔ ان دنوں میں تو ماسٹر بھی ہماری انگریزی سرکار تھی۔ پڑھانے والی کی زبان پڑھ کر کچھ بن گئے تو کیا تیر مار لیا۔ پتر جی! تیرا تو اپنا باؤ فراز احمد ولد شریف احمد۔" ماسٹر جی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پھر وہ یہ والے سارے تیر مار لے گا تو اس کے بعد کیا کرے گا بھلا؟" مانو نے دل ہی دل میں اس بات پر غور کیا کہ ماسٹر جی نے اب تک کبھی فراز کے ساتھ طے پانے والے نئے رشتے کے حوالے سے اس سے کوئی بات

نہیں کی تھی۔

''اس کے بعد اس سے بھی بڑے اور مضبوط تیر مارے گا۔'' ماسٹر جی نے کہا۔

''خیر میری سمجھ میں تو آج تک نہیں آیا کہ وہ کیا کر رہا ہے وہاں۔ سنا ہے بہت کچھ کر رہا ہے۔'' مانو جھولتی اپنے بالوں کی لٹیں پیچھے کر کے دوپٹہ سلیقے سے سر پر اوڑھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ایسا ہے کہ اس بار وہ آئے گا نا تو اسے تیرے سامنے بٹھا کر کہوں گا کہ تفصیل سے بتا مبینہ کلا وہاں کیا کرتا ہے۔ ہماری خیر ہے، پر مبینہ کلثوم کی تسلی ہونی بڑی ضروری ہے۔'' ماسٹر جی نے قہقہہ لگا کر کہا طرح جھینپ گئی۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا ماسٹر جی! میں تو صرف یہ سوچتی ہوں کہ فراز آخر کتنی محنت کرتا ہے جو اتنی اسے ملتی جا رہی ہیں۔ اس روز وہ جو باؤ صاحب آئے تھے لاہور سے انہوں نے کچھ نہیں بتایا آپ کو؟''

''بات یہ ہے مبینہ کلثوم! کہ فراز احمد پر میرا پکا اعتماد ہے۔ میں نے یہ جاننے کی کبھی کوشش ہی نہ دراصل وہ کیا کرتا ہے وہاں، جو وہ کہتا ہے کہ پڑھتا ہے میں مان لیتا ہوں، وہ جو کہتا ہے فلاں فلاں نوکری کر بھی مان لیتا ہوں، جو وہ کہتا ہے ادھر ادھر کا جو کام مل جائے کر لیتا ہوں تو ادھر ادھر کے متعلق سوال کیے بغیر ہوں۔ اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ فراز جو بھی کر رہا ہے۔ اس نے میری رہنمائی سے منہ نہیں موڑا۔''

''آپ کو یہ یقین کیسے ہے؟'' مانو نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''تم جوان باؤ صاحب کا ذکر کر رہی تھی مبینہ کلثوم! جو اس روز لاہور سے آئے تھے، بتاؤ وہ کیوں آئے

''آپ سے ملنے کے لیے۔'' مانو نے حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیسے جانتے ہیں وہ؟''

''فراز نے بتایا ہوگا آپ کے بارے میں۔''

''فراز نے تو اور بھی کئی لوگوں کے بارے میں بتایا ہوگا ان کو، وہ مجھ سے ہی کیوں ملنے آئے؟'' ان سوال کے جواب میں مانو خاموش رہی۔

''وہ مجھ سے صرف اس لیے ملنے آئے مبینہ کلثوم! کہ انہوں نے فراز کی شخصیت میں یقیناً میرا عکس ہوگا۔ اس تربیت اور رہنمائی کا عکس جو اس نے یہاں سے لی۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا ہوگا کہ اس سے سیکھا، یوں بات سے بات چلتی گئی ہوگی۔ مبینہ کلثوم! استاد کی یہ ہی تو کامیابی ہوتی ہے کہ اس کے شاگر تعلیم و تربیت کا چلتا پھرتا اشتہار بن کر دوسروں کو نظر آئیں یہ اشتہار دیکھ کر لوگ خود بخود استاد کو اس کے پا جاتے ہیں۔ بس یونہی مجھے فراز پر یقین ہے وہ جو کرتا ہے اس کے درست ہونے پر بھی یقین ہے۔''

''اچھا! مانو نے کچھ دیر ان کی بات پر غور کرنے کے بعد کہا۔ ''ایک بات تو بتائیں ماسٹر جی! پر وعدہ کر مانیں گے۔''

''جس بات پر یہ وعدہ لینا پڑے اس میں ضرور کوئی برا ماننے والی بات ہوتی ہے مبینہ کلثوم!'' ماسٹر جی چھڑی کی نوک سے کچی مٹی کریدتے ہوئے کہا۔ ''پوچھ، جو پوچھنا ہے۔''

''ماسٹر جی جس طرح کا یقین آپ کا فراز پر ہے، ویسا ان پر نہیں تھا؟'' مانو نے یہ بات یقیناً ڈر انداز میں کہی تھی کہ اسے ماسٹر جی کی خفگی کا ڈر تھا ''ان پر، میرا مطلب ہے وہ جو آپ کے بھتیجے تھے۔'' یہ آخری جملہ مکمل کرتے کرتے اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ اسے ماسٹر جی کے سخت

اس کے سوال کے جواب میں کافی طویل خاموشی چھائی رہی، اچھا خاصا انتظار کر لینے کے بعد اس نے ڈرتے سر اٹھایا۔ ماسٹر جی چھڑی کی موٹھ پر ہاتھ رکھے سامنے دیکھ رہے تھے۔ عینک کے شیشوں کے پیچھے سے ان کی آنکھوں میں کیا تھا، مانو سمجھ نہ پائی تھی۔

''ماسٹر جی!'' اس نے گھبرا کر انہیں آواز دی۔ ''آپ کو برا محسوس ہوا نا۔ میں اسی لیے ڈر رہی تھی۔ ماسٹر جی! غلطی معاف کر دیں۔ مجھے یقیناً یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

''نہیں۔'' وہ جیسے ایک دم چونک کر بولے تھے۔ ''نہیں مبینہ کلثوم! جھلیے، میں نے برا تو نہیں مانا اس بات کا۔ اس بات پر خوش ہوں کہ چل تیرے سے جھجک کھلنے پر کبھی اس موضوع پر بھی بات ہو جایا کرے گی۔'' مانو کو یہ خلاف توقع لگا تھا۔

''اور جو بات تو نے پوچھی، ہے نا کہ اس پر مجھے یقین کیوں نہیں تھا، اس کی بھی اپنی وجہ ہے۔ فراز احمد اور احمد میں بنیادی فرق تو یہ تھا مبینہ کلثوم! کہ فراز احمد ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کبھی کبھی ہدایت اللہ کی شبیہہ نظر ... پر شاہنواز احمد ایک ایسا آئینہ تھا جس میں ہدایت اللہ تو چھوڑ اس کی اپنی شبیہہ بھی کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ اس میں بال بھی تھے مبینہ کلثوم! کچے ارادوں، ناپختہ نظریات، باغیانہ سوچ کے بال، جب ہی تو اس آئینے پر کوئی عکس ... اسی لیے مجھے اس پر یقین نہ تھا بلکہ افسوس تھا، دکھ تھا۔ میں نے اپنی پوری کوشش اور محنت کر دیکھی، پر شاہنواز ... آئینہ شکستہ سے شکستہ تر ہوتا گیا۔ جب ہی میں نے منہ موڑ لیا۔ اور بے نیاز ہو گیا۔ ایسا کرنا ضروری تھا۔ یہ خدا کا بھی حکم ہے جہاں مہریں خدا خود لگا دے وہاں کہنا نہ کہنا بے سود ہو جاتا ہے۔ اس لیے بے نیازی ہی بہتر

''آپ کو کیا معلوم ماسٹر جی! کہ پھر اس کے بعد زندگی میں انہوں نے کیا پایا کیا کھویا؟''

''ضرور بہت کچھ پایا ہوگا مبینہ کلثوم! پر میرا دل جانتا ہے کہ جس رستے پر وہ چل نکلا تھا اس پر چلتے چلتے کھونے ... سے زیادہ رہا ہوگا۔ مجھے عمر بھر انتظار ہی رہا کہ کوئی چلتے چلتے اچانک یہاں آ نکلے اور مجھ سے کہے کہ شاہنواز احمد ... آپ کو دیکھنے اور ملنے کا اشتیاق ہوا۔ کوئی نہیں مبینہ کلثوم!'' انہوں نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''کوئی نہیں آیا اس ... لے کر۔ میں نے بتایا نا کہ اس کے آئینے پر بال تھے شکوک و شبہات اور خام نظریات کے، اس کا اپنا کوئی رنگ اور جس بھی رنگ میں رچتا رہا ہوگا۔ ویسا ہی ہو جاتا ہوگا۔''

مانو پورے دھیان سے ان کی بات سن رہی تھی اور اسے اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ بات کرتے ہوئے دل پر کیا گزر رہی تھی۔

''مجھے فراز احمد اسی لیے تو عزیز ہے مبینہ کلثوم! اس نے میرا مان رکھا ہے۔ میں اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں، مگر ... سے اگر فراز احمد کو کچھ ملا ہے۔ تو میرا مان بھی اس نے رکھا ہے۔ اس مان نے مجھے عام سے خاص بنا دیا ... تو کوئی چلتے چلتے اچانک ادھر آ نکلتا ہے اور کہتا کہ فراز احمد سے مل کر اور اسے دیکھ کر ہمیں آپ سے ملنے ... کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ میں نے ان باؤ صاحب کو بھی یہ ہی کہا تھا کہ واقعات کے تسلسل پر غور کرو، بہت سی ... سمجھ میں آ جائیں گی۔''

''تمہاری بڑی بڑی باتیں میری سمجھ میں تو نہیں آتیں۔'' مانو نے سر جھٹک کر کہا۔

''تو ایسا کر ان باتوں میں فی الحال نہ الجھ۔ اپنی پڑھائی پر توجہ دے اب ہمارا مقابلہ اور بھی سخت ہو گیا ہے۔ ... کہ فراز اپنے منہ سے تیری قابلیت کا اقرار کرے۔''

"ہیں جی! کتابیں سمیٹتی مانو چونکی۔" آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟ جب کہ آپ جانتے ہیں کہ... کرلوں اس سے زیادہ قابل تو ہو نہیں سکتی۔"

"یہ بھی بس تیری سوچ کی بات ہے۔ تجھے شاید معلوم نہیں کہ بندے کی قابلیت' قدرت کے فراہم... کے مطابق جانچی جاتی ہے۔ جو مواقع فراز کو قدرت نے دیے ہیں۔ وہ ان کے مطابق ٹھیک ہے۔ جو تجھے... کے مطابق خود کو ٹھیک ثابت کرنا' تجھ پر منحصر ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ سخت محنت کرنا تا کہ فراز بھی کہے... کلثوم کو اتنے محدود پیمانے کے مواقع سے ایسے نتیجہ نکالنا اسی کے بس کا کام تھا۔"

"لو بھلا۔" مبینہ کلثوم نے کتابیں لے کر اٹھتے ہوئے سوچا۔ "بھلا ایسا ممکن ہے کہ فراز اپنے منہ... کہے جب کہ وہ تو کوئی موقع نہیں جانے دیتا۔ میرا مذاق اڑانے کا' وہ کہاں کبھی اس بات کا اقرار کرے... کوئی قابلیت کی بات بھی ہے۔ پہلے ہی اس نے یہ تھوڑی کہا ہے کہ ہاں' میں نے مانو سے رشتہ اس لیے جو... سمجھتا ہوں وہ اچھی لڑکی ہے یا اس لیے کہ مجھے وہ اچھی لگتی ہے۔ نا جی۔ اس نے تو سیدھا سیدھا کہہ دیا کہ رشتہ صرف اس لیے جوڑا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ماسٹر جی کا کوئی فیصلہ بھی غلط ہو نہیں ہوسکتا۔ وہ ہمیشہ ٹھیک ہی سوچتے ہیں۔ جب انسان اتنا صاف گو ہو تو امید اور توقع کیا رکھنی کہ وہ اگلے کا منہ رکھنے کے تعریف کے دو لفظ کہہ دے گا۔"

اسے جب بھی سعدیہ کی سنائی فراز کی بات یاد آتی اس کے دل میں جیسے کانٹا سا چبھ جاتا۔ جب... تھا۔ (جو شاید اس کی عمر بھر کی خواہش بھی تھا) وہ بجائے خوش ہونے کے الجھ سی گئی تھی۔ خود اپنی نظر سے بھی... کی نظر سے بھی دیکھتی تو فراز بہت اوپر بہت بلند نظر آتا۔ رسائی سے باہر۔

"کیا ہی اچھا ہوتا جو کبھی وہ مجھے ایک بار مل جاتا تو میں اس سے خود پوچھ لیتی۔"

یہ بات بھی اس نے کئی مرتبہ سوچی تھی۔

✿

"بی بی زینب! آپ مجھے سچ بتائیے یہ بچہ مہدیار آپ کے پاس کہاں سے آیا تھا؟"

اسفند پچھلے پندرہ منٹ سے بی بی زینب سے ایک ہی بات پوچھ رہا تھا جس کا ان کے پاس ایک... تھا۔

"لاوارث بچہ تھا عائشہ کے پاس۔ اس کی نند کا یا پھر شاید بہن کا بچہ تھا جو اس کی پیدائش کے... ہوگئی۔ باپ اس کا' اس کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ہی مر چکا تھا۔ سو عائشہ اپنے پاس لے آئی۔"

"پھر اس نے آپ سے یہ اصرار کیوں کیا کہ آپ اسے کسی ایسے سینٹر میں رکھوا دیں؟"

"اس نے یہ اصرار نہیں کیا۔" بی بی زینب نے پرسکون انداز میں کہا۔ "جب اس کے خاوند... پاس بلا لیا تو میں نے یہ سوچ کر کہ بے چاری کو اتنے عرصے بعد خاوند کی رفاقت میسر آنے والی ہے کہیں... لیے مشکل نہ بن جائے اسے یہ تجویز دی تھی۔"

"اور جب میں نے پوچھا کہ اگر کل کو کوئی اس کا وارث پیدا ہو گیا تو آپ نے میری تسلی کرائی تھی... آگے پیچھے نہیں ہے۔" اسفند نے یاد دلایا۔

"کیا کوئی وارث پیدا ہو گیا کہیں سے بیٹا؟" بی بی زینب کو اچانک اسفند کی اس تفتیش کی وجہ... آنے لگی۔ "کون تھی وہ' کیسی تھی' کیا کہتی تھی؟"

"کیا کہتی تھی؟" اسفند نے چونک کر دہرایا؟ "کون کیا کہتی تھی؟"

"میرا مطلب ہے کہ کون اس بچے کا دعویدار بن کر آ گیا؟" بی بی زینب کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔

"کون ہو سکتی ہے اس کی وارث؟" اسفند نے دانستہ ان کے الفاظ انہی پر آزمانے کی کوشش کی۔

"کیا وہ وہاں پہنچ گئی؟" لاکھ احتیاط کے باوجود الفاظ بی بی زینب کی زبان سے پھسل گئے۔

"کون وہ؟" اسفند نے ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تھی ایک' عائشہ جب یہاں تھی تب بھی اس کی دعویدار بن کر آئی تھی۔ کہتی تھی میں اس کی ماں ہوں۔" بی بی زینب نے اپنی بات کو سنبھالا دینا چاہا۔

"ابھی تو آپ بتا رہی تھیں کہ اس کی ماں اس کی پیدائش کے وقت ہی مرگئی تھی۔" اسفند کو ان کے بیان بدلنے پر حیرت ہوئی۔

"ہاں' جب ہی تو ہمیں پتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔" بی بی زینب کو شدید دکھ تھا کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے انہیں کتنے جھوٹ بولنے پڑ رہے ہیں۔

"پھر آپ نے ایسے متنازعہ بچے کی گارنٹی کیوں دی بی بی زینب! آپ کو معلوم ہے کہ صرف آپ کے کہنے پر میں وہ بچہ وہاں بھجوانے پر تیار ہوا تھا۔ ورنہ میں نے کبھی کوئی بچہ اپنے ریفرنس سے وہاں نہیں بھجوایا۔"

اسفند کے لہجے میں غصہ اور کوفت تھی۔ جس کو بی بی زینب نے واضح طور پر محسوس کیا تھا۔ انہیں خود بھی پچھتاوے نے آن گھیرا۔ انہیں بچہ کسی ایسی جگہ بھجوانا ہی نہیں چاہیے تھا' خصوصاً اسفند کے پاس تو کبھی بھی نہیں۔

"آخر ہوا کیا ہے اس بچے کو؟" ہار کر انہوں نے اس سے پوچھا۔

"وہ بچہ اغوا ہو گیا ہے۔" سامنے کی دیوار پر ٹنگے اللہ' محمد والے فریز کو غور سے دیکھتے ہوئے اسفند نے ان کے سر پر بم پھوڑا۔

"لے گئی وہ بدبخت وہاں سے غریب کو۔" فوری طور پر ان کے ذہن میں خیال ابھرا۔ "کتنا اس کو منع کیا تھا اور سمجھایا تھا' پر وہ ماننے والی کہاں' نجانے کہاں سے سراغ لگا لیا اس نے کہ بچہ ہے کہاں۔" وہ اپنے قیافے لگانے اور لڑکی کو کوسنے میں مشغول تھیں۔ جب اسفند کی آواز انہوں نے سنی۔

"اب میں چلتا ہوں بی بی زینب اگر بچے کے حوالے سے کوئی بات آپ کو یاد آئی تو مجھے فوری طور پر بتائیے گا۔" انہوں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

✿

"تک صحیح نہیں کر رہے ہو پارٹنر! مجھے لگتا ہے کہ دن بدن تم ضرورت سے زیادہ اذیت پسند ہو رہے ہو۔"

"تم جو بھی کہہ لو' جو بھی سمجھ لو۔ فی الحال تو جو ہو رہا ہے اس کو دیکھو۔"

"ویسے تم اس تیر سے کتنے شکار کر رہے ہو؟"

"کم از کم چار۔"

"چار لوگوں کی بددعائیں لو گے۔"

"میں کسی پر یقین نہیں رکھتا۔ نہ دعا پر نہ بددعا پر۔"

"جس کا کوئی مذہب نہ ہو اس نے کسی بھی چیز پر یقین رکھنا بھی کیسے ہے۔"

"مذہب کے ٹھیکے دار صاحب! جائیے کہیں ڈیرا لگا کر تبلیغ کیجیے۔ یہاں آپ کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔"

''تمہاری بدتمیزی اور بے ہودہ گوئی کا اب مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نہ میں اشتعال میں آتا ہوں۔ بہ
تمہاری دوستی مجھے عزیز ہے جب ہی کہتا رہتا ہوں' آگ سے مت کھیلو' جل جاؤ گے۔''

''اب جلنے کی پروا کرتے ہیں' وہ کھیل کیسے سکتے ہیں۔ پپو تم ایسا کرو چوسنی منہ میں لے کر کاٹ پر
جاؤ۔''

''چھوڑو' یہ بتاؤ سارہ سے کیا کہا تھا تم نے اس روز؟''

''کچھ بھی نہیں۔ صرف خیریت دریافت کی تھی اس کی بھی' اس کے باپ کی بھی۔''

''جب ہی وہ گالیاں دے رہی تھی تمہیں۔''

''گالیاں دینا بھی ایک شریفانہ کلچر ہے۔ کچھ لوگ اس سے زیادہ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔''

''دیکھو' یہ تم غلط کر رہے ہو۔ تم جانتے ہو کہ سارہ ایک لمبے علاج کے بعد ذہنی طور پر کچھ بہتر ہوئی ہے۔
دوبارہ اسے اسی حالت کی طرف دھکیلنا چاہتے ہو۔''

''حالات کا یہ راستہ اس نے خود چنا ہے' اب اسے ان کا اہل ثابت ہونا چاہیے۔ اچھا تم اب ذرا اپنی
کرو۔ مجھے مسٹر اسفندیار محمد سے کچھ بات کرنا ہے۔ لو اب میں اس کا نمبر ملاتا ہوں۔''

''چچ چچ' مرو گے تم' تو بھی افسوس صرف مجھے ہی ہوگا۔''

......✿......

''مسز آفتاب نے اب تک پے منٹ نہیں بھجوائی۔ دو ہفتے ہو چلے اس بات کو جو وہ کر کے گئی تھیں یہاں

''بس دیکھ لو۔ یہ ان لوگوں کی اوقات ہے۔'' سیمی پراچہ نے یہ بات فراز کو اس وقت بتائی تھی جب وہ
کمپیوٹر پر بیٹھے کچھ ویب سائٹس دیکھ رہے تھے۔

''وہ پے منٹ کر دیں گی۔ اسی شہر میں ہیں کہیں بھاگ تو نہیں گئی ہیں۔'' فراز نے بدستور مانیٹر پر
جمائے ہوئے کہا۔

''اس روز جس حالت میں یہاں سے گئی تھیں انہیں ہی معلوم ہے اس کی وجہ کیا تھی' مگر ہم نے جو گفتگو
سنی یہاں اچھا خاصا گوسپ بن سکتی ہے۔''

''ارے ہاں۔'' اچانک فراز کو بھی یاد آیا۔ ''اس روز ان کی گفتگو کچھ نارمل انسانوں والی نہیں تھی۔'' اسے
ذکر اسفند سے کرنا مناسب نہیں لگا تھا اور اب تو اسفند بھی چند دنوں سے اسے نہیں ملا تھا۔

''اب وہ پے منٹ نہیں کریں گی اور اسی طرح اور لوگ بھی ہمارے ساتھ یوں کریں گے تو کام کیسے چلے
سیمی کی سوئی پھر پے منٹ پر اٹک گئی۔ ''ویسے مسز آفتاب جیسے بندوں کا تو اچھا علاج ہے میرے پاس' بس
جیولری کے ڈیزائن میں نے فلمسٹار نینا کو بنا دینے ہیں پھر ان کی انفرادیت پسندی کا اچھا جنازہ نکلے گا۔''

''تمہیں پروفیشنل اپروچ اختیار کرنی چاہیے سیمی! یہ تو خالصتاً بلیک میلرز والی سوچ ہے۔'' فراز نے
ہوئے کہا۔

''بلیک میلر کے ساتھ بلیک میلرز والی ہی اپروچ اپنانی چاہیے ان کا یہ ہی علاج ہے۔'' سیمی پر کوئی اثر نہ ہوا

''اچھا اب میں چلتا ہوں' مجھے کچھ اور ضروری کام نبٹانا ہیں۔ میں ہفتے کے دن پھر آؤں گا۔'' وہ ا
حافظ کہتا باہر نکل آیا۔ اسے اپنے گیسٹ ہاؤس والے کمرے سے چند کاغذات لے کر پروفیسر فضل سے ملنا تھا
لیے اس نے ورکشاپ سے نکل کر ادھر کا رخ کیا۔ گیسٹ ہاؤس کے گیٹ کیپر نے اسے بتایا کہ اس سے کوئی

...ح سے اس کے انتظار میں تھا۔ وہ اس مہمان کی آمد پر حیران ہوتا گیٹ کیپر کے کمرے کی طرف بڑھا۔
...مہمان اسے دیکھ کر خود بھی باہر نکل رہا تھا وہ مانو کا بھائی سعید تھا۔

...چاچا سرفراز نے تمہارا پتا بتایا تھا۔ میں امین کے ساتھ لاہور آیا تھا۔ ان لوگوں نے ٹریکٹر خریدنا ہے۔ وہ
...میں یہاں چلا آیا۔'' سعید نے اسے بتایا۔

...یہ رشتہ داریاں۔'' سعید کو دیکھ کر پہلا خیال فراز کو یہی آیا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد اسے لگا کہ اسے اس کا آنا برا
...تھا۔ وہ جو اس کے یہاں آنے کے بعد پہلی مرتبہ گاؤں سے آنے والا اس کا پہلا مہمان تھا۔ وہ اسے لے
...میں آیا۔ جہاں موجود مختلف چیزوں سے اس نے اس کی تواضع کی تھی۔ سعید اس کے لیے میوے والا
...لے کر آیا تھا۔ اس کی اماں نے اس کے لیے گاجر کا حلوہ اور ریوڑیاں بھی بھیجی تھیں۔ وہ بہت ریلیکسڈ موڈ
...پر نیم دراز سعید سے بستی کے لوگوں کے حالات سنتے ہوئے محظوظ ہو رہا تھا۔ جب دروازے پر ہلکی سی
...نے دروازہ کھولا تو اسفند کو سامنے کھڑا پایا۔

...نے تمہیں ہر اس ممکنہ جگہ پر ڈھونڈا جہاں تم ہو سکتے تھے' مگر تم نہیں ملے تو میں یہاں چلا آیا۔ تم نے
...آف کر رکھا ہے؟'' وہ اندر آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

...سعید ہے اسفند بھائی! چاچا شفیع کا بیٹا' گاؤں سے آیا ہے۔'' اس نے تعارف کروایا۔

...نے مختصراً سعید سے ماسٹر جی کا حال پوچھا وہ کچھ عجلت میں تھا۔

...تو شاید فارغ نہیں ہو فراز! مجھے تم سے کچھ کام تھا۔'' اس نے پوچھا۔

...بھائی جان! میں تو چلا۔ ادھر پا امین وغیرہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' سعید اٹھتے ہوئے کہا۔

...رہو یار چند دن میرے پاس۔ بعد میں چلے جانا۔'' فراز نے خلوص سے کہا۔

...پا فراز! میں گھر بتا کر نہیں آیا رکنے کا۔ پھر آؤں گا۔ اب تو ہم سارے ہی آتے جاتے رہیں گے۔
...بن گیا ہے ہمارے گھر میں۔ وہ کسی اور کا تو نہیں نا!''

...معصومیت سے کہہ رہا تھا اور فراز کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے کن اکھیوں سے اسفند کو دیکھا جو
...رہا تھا کہ یقیناً اس نے یہ بات نہیں سنی تھی۔ سعید کو امین کے پاس اتارنے کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر
...کی طرف دیکھا۔

...کی بات یہ ہے کہ ہمارے ''کڈز ہوم'' سے جو بچہ اغوا ہوا ہے اس کے متعلق آنے والی فون کالز میں
...بتایا جا رہا ہے کہ شہری کا بچہ ہے۔'' اسفند نے گاڑی ریورس کرتے ہوئے خود ہی اپنی الجھن کی وجہ بیان
...کی۔

...بالکل بکواس ہے اسفند بھائی! میں نے آپ کو بتایا تھا کہ آپ کے بھائی کا کوئی بچہ نہیں تھا۔'' فراز نے
...ا۔

......✿......

''میں نے تم لوگوں کی بہت سی بلکہ اب تک کی ساری ہی باتیں مانی ہیں مگر یہ تو پکا کریمنلز والا کام

''او...... ہو...... گویا باقی جو باتیں مانی ہیں وہ نیک شریف بیبیوں والی تھیں۔''

''میں نے یہ کب کہا' مگر یہ تو سوچو کہ اس کام میں خطرہ کتنا ہے۔''

''خطرہ وطرہ کچھ نہیں ہے ڈارلنگ! یہ تو بڑے ایڈونچر کا کام ہے' اور اس سلسلے میں تم پر تو کوئی شک

سکتا۔''

''پولیس اگر پکڑنے پر آئے تو کہاں کا نشان نہیں پا سکتی' یہ اور بات کہ اگر وہ کسی کو پکڑنا ہی نہ چاہے

''تو پھر بے فکر ہو جاؤ' اس سلسلے میں پولیس ایسے ہی کردار ادا کرے گی۔ وہ کسی کو پکڑنا نہیں چاہے

نشان پانے کی کوئی کوشش نہیں کرے گی۔''

''مگر میں یہ رسک لینے کو تیار نہیں۔''

''انکار کا تو سوال ہی نہیں مائی سویٹ ڈانسنگ ڈول' تمہیں معلوم ہے نا کہ تمہارے والے دھندے

کوئی کردار ادا کرنا چاہیے تو کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ پولیس سے ڈرتی ہو تو سر کے بال اور بھنوؤں کی بھی خیر منا

انکار کی صورت میں دونوں چیزیں مونڈی جا سکتی ہیں۔ اپنے سے پہلے والی تتلیوں کی کہانیوں سے ناواقف

ہو گی تم۔

ارے سوچ میں پڑ گئیں میری پرنسز! ہم بچہ تمہارے حوالے کرنے آئے ہیں چند دن کے لیے تم

آ جاؤ' اس کو پالنے اور سنبھالنے کے لیے تمہاری اولڈ لیڈی گورنس کافی نہیں ہے کیا؟۔ کیا نام ہے بھلا سا

مسز ایلس ڈی سوزا امپورٹڈ فرام گڑھی شاہو ہاہاہا۔''

ایلس ڈی سوزا ڈرائنگ اور ڈائننگ روم کے درمیان لٹکتے پردوں کے پیچھے بیٹھی لرزتے جسم اور سا

کرتے دماغ کے ساتھ للی اور اس کے آنے والے دو ملاقاتیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی

مردود لوگ ہے وہ ایک دم گونڈا موافک حرام جاڈے' ایک سانس میں آرڈر سناتے دوسرا سانس میں تم

تھے (دھمکیاں دیتے تھے) اور خداوند! تم امارا بچہ کو امارا انوسینٹ گرینڈ ڈاٹر کو ان حرامیوں سے ان

دوں) سے بچا۔''

ڈارلنگ! تمہارا کیریر داؤ پر لگا ہے۔''

رے کمرے سے غضب ناک آواز آئی۔ دونوں ہاتھ جوڑے دعا کرتی گرینی مزید کانپ گئیں۔

ر کھتی اور آواز نہ نکالنے کا وعدہ کرتی ہو یا کروں تمہارے کیریر اور بالوں بھنوؤں کا پڑا

و بچہ

جانتی ہو نا۔ میں کون ہوں۔'

بر کا پڑا!'' ایلس کی بند آنکھیں کھلیں' عرصے بعد جو آرام و سکون اور آسائش ان کی میسر آئی تھی۔ وہی

ات باٹھ جو انہوں نے ڈی سوزا سے شادی اور فادر براؤن کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی خاطر چھوڑے تھے

وں کچھ بھی نہ پایا تھا۔ للی کے کیریر کی تباہی کی صورت میں تو پھر سب کچھ......'' ہاتھ مار کر ڈائننگ ٹیبل پر

سٹینڈ نیچے گرایا۔ للی کو معلوم تھا کہ گرینی اسے کچھ کہنے کے لیے اندر بلا رہی تھیں۔

گرینی! آر یو آل رائٹ!'' فق چہرے کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ ایک دم اٹھ کر ادھر آئی۔

ایک ڈم اسٹوپڈز کا موافک اے للی ڈارلنگ!'' گرینی نے اسے باہر بالکونی میں لے جا کر نیچی آواز

ہیں۔

ے اتنا کچھ لوز (گنوا) کر کے تم کو یہ سب ہاتھ لگا اے۔ اس کو سارا' کام سارا کو' ایک دم ہاتھ سے جانے

کو کچھ پتہ نہیں ہے گرینی! یہ لوگ سب کچھ خود کرتے ہیں اور ہم جیسوں کو مہرے بناتے ہیں۔'' للی نے

کو کیا مالوم نائیں للی اسٹوپڈ! ایک بچہ رکھنا واسطہ ای بولتا ناٹمارا کیا جاتا۔ بچہ' ام سنبھال لیں گا۔ بچہ کو اپنا

سپانسبلٹی (ذمہ داری) سمجھو' ذ ایلس نے للی کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے

رینی!'' للی نے بے بسی سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔ ''تم کچھ نہیں جانتیں یہ لوگ اس بچے کو نجانے کہاں سے

کے لائے ہیں۔ اگر بچے کے وارثوں کو پتہ چل گیا تو ان کا تو کچھ نہیں جائے گا۔ ہم دونوں جیل میں سڑتے

پھریں۔''

تم ام پر چھوڑ دو۔ ام سنبھالیں گا اس سارا میٹر (معاملہ) کو...... اور ان کو گڈ بائے بولو......'' گرینی نے

ملیلا۔

یری وائز (بہت عقلمند) بھئی!'' ڈرائنگ روم میں موجود دونوں آدمیوں نے للی کا جواب سن کر ایک

نی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔'' یہ اولڈ برین' للی ڈارلنگ بڑا قیمتی ہے۔ آخر گھاٹ گھاٹ اور گھر گھر کا

ئے ہے۔''

یادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' تم بچے کا سامان اور خرچہ دو اور چلتے بنو۔'' للی نے ذرا بے خوف

ئے کہا۔

رہو بھئی بڑی ادائیں ہیں۔'' ان میں ایک بولا۔ ''کوئی بات نہیں ڈیر ڈانسنگ کوئن' آج تمہاری باری ہے

بھی ہو گی۔'' بیرونی دروازہ بند ہونے کی آواز پر گرینی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

یک تقریباً ڈیڑھ دو سال کا بچہ تھا' جسے للی نے تقریباً پٹخنے کے سے انداز میں صوفے پر پھینکا تھا اور جو اس

صورت حال پر چیخ چیخ کر رونے لگا تھا۔ برسوں بعد ایلس پر وہ آیا دوبارہ حاوی ہوئی' جس نے ایک بار اسے پہچانے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ پھر اسی جذبے اور اسی انداز میں بچے کی طرف لپکیں۔

''او مائی ڈارلنگ بے بی۔'' اس نے بچے کو گود میں اٹھالیا۔ ''نانا ڈارلنگ نانا' رونے کا نائیں... ہارٹ ام اے ناٹماراپاس' اولڈز گرینی ایلس ڈی سوزا۔ ام اپنا بچہ کا واسطہ چوکولیٹ بنائے گا۔ پڈنگ بنائے گا... کھانا مانگتا۔ کینڈیز کھائیں گا امارا بچہ۔'' وہ بچے کو آہستہ آہستہ تھپک رہی تھی۔

❀

''بڑا اسرار ہے بھئی زندگی میں۔ بڑا اسرار۔''

اس رات امتحان کی تیاری میں مصروف فراز نے مسلسل پڑھتے پڑھتے کتابوں اور نوٹس کے ڈھیر سے انہیں ایک طرف ہٹاتے ہوئے سوچا۔ تب ہی اسے خیال آیا کہ اتنی دیر سے جو کچھ پڑھنے اور ذہن نشین کر... کوشش کر رہا تھا وہ اس لیے اس کے پلے نہیں پڑ رہی تھی کہ اس کا پورا دھیان ان کی طرف تھا ہی نہیں۔ اور پھر... آیا کہ اصل اس کا لاشعور اسفند یار کے مسائل اور الجھی ہوئی شخصیت میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ اپنی سی پوری کوشش... باوجود اسفند یار کو ذہنی سکون اور یکسوئی نہیں دے سکا تھا۔ کچھ عرصے کے واقعات اس کے ذہن میں فلم کی طرح... رہے تھے۔

اس نے چاہا تھا کہ اسفند فلاحی کاموں میں مصروف ہو جائے اور ایسا ہوا بھی مگر اسفند خاموشی کے سا... سے ایسے کام کرنے کے باوجود جن سے بہتوں کا بھلا ہوا' اپنے لیے سکون نہ پا سکا۔

اسفند کا ذہن شہریار اور سارہ کی کہانی میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ بہت سے لوگوں سے معلومات حاصل کر... کوشش میں ایسا ہوا تھا کہ یہ بات ایسے لوگوں کو بھی معلوم ہو گئی تھی جنہیں نہیں ہونا چاہیے تھی اور وہ نجانے... باتیں کر کے اور جھوٹی سچی اطلاعات دے کر اسے مزید الجھا رہے تھے۔

اس روز بچے کی گم شدگی کی بات بتاتے ہوئے اور یہ بتاتے ہوئے کہ وہ بچہ شہریار کا تھا۔ اسفند کا... بھرائی ہوئی تھی اور لہجہ کتنا پریشان' جب کہ اس نے پہلے اپنی ممی کو آنے والی ایسی ہی کالز والی بات اس... ہوتے ہوئے سنائی تھی۔ اور اب اتنے دن سے وہ دیکھ رہا تھا کہ اس بچے کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کے... کیسے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اثر و رسوخ استعمال کر رہا تھا۔ کتنا الجھا ہوا مگر کتنا بے بس دکھتا تھا وہ۔ فراز کو افسو... ہو رہی تھی۔ اسے لگا اس کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔

''کس طرح مدد کر سکتا ہوں میں اس شخص کی جو بہت سے لوگوں کا مددگار ہے۔ جس نے کئی لوگوں کو... سے بچایا ہے۔ جس کو خدا نے وسیلہ بنا رکھا ہے کئی لوگوں کی دادرسی کا۔'' پھر اس نے مختلف پہلوؤں پر غور کر... بعد سوچا۔

''منی باجی سے بات کرتا ہوں۔'' اسے اچانک خیال آیا۔

''اسفند کا سب سے بڑا مسئلہ ہی یہ ہے وہ شہری کی موت کے دکھ کی گہرائی سے خود کو نکال ہی نہیں پا...'' توجہ سے اس کی بات سننے کے بعد انہوں نے کہا تھا' ''تمہیں معلوم ہے نا کہ یہاں آنے کے بعد کتنا عرصہ... بریک ڈاؤن کا شکار رہا۔ پھر اسے ہیلوسی نیشن کا مسئلہ ہوا' آہستہ آہستہ بظاہر نارمل ہونے کے باوجود اندر... نارمل نہیں ہو سکا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اس کی دوستیاں' اس کا آنا جانا کتنا محدود ہے۔ اور جن سے وہ بہت... ان پر بھی کتنا کھلتا ہے یہ تو وہی جانتا ہے۔''

''لیکن منی باجی! مجھے باوثوق ذرائع سے پتا چلا تھا کہ شہریار صاحب کا کوئی بچہ نہیں تھا۔'' اس نے اصرار کیا۔

''شاید ایسا ہی ہو۔'' منی باجی کے لہجے میں بھی اسے ایک عجیب سا اسرار محسوس ہوا۔

''آپ اگر ممکن ہو......'' اس نے کہنا چاہا۔ ''میرا مطلب ہے کہ اگر آپ آ سکیں تو شاید ہم مل کر اسفند بھائی کو... پریشانی سے نکالنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔'' اس نے ایک موہوم سی امید کے سہارے کہا۔

''فاروق کی طبیعت اکثر ٹھیک نہیں رہتی۔ تمہیں معلوم ہے' پچھلے کچھ عرصے سے میں نے کہیں آنا جانا بالکل... ہے۔'' توقع کے خلاف منی باجی نے آنے سے انکار کر دیا۔ ''اور ویسے بھی......'' وہ جیسے کچھ سوچتے... ''میرا خیال ہے کہ اسفی کو اس ذہنی تنہائی اور الجھن کی کیفیت سے خود ہی باہر نکلنا چاہیے اور ایسا جب ہو گا جب... ہے گا۔ سلجھا لینے دو یہ ساری گتھیاں اس کو۔ سارے الجھے تار کھول لینے دو۔ یہ اس بچے کا تجسس ہے جو کہانی... انجام تک ختم نہیں ہوتا' اور وہ سوال کرتا رہتا ہے۔''

''لیکن جس طرح کے دن وہ آج کل گزار رہے ہیں منی باجی! میں ان کو دیکھتا ہوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔''... ایک مرتبہ پھر اپنے احساسات بیان کرنے چاہے۔

''تمہارے پیپرز ہو رہے ہیں فراز! ان پر توجہ دو۔'' وہ سنجیدگی سے بولیں۔ ''اور وہ جو میں نے تم سے کہا تھا کہ... جو تم نے تین سال پہلے بنائے تھے اور اپنے پاس ہی رکھے ہوئے ہو وہ لے کر نقاش سے ملنا' تو ملے تم؟''

''کیسی میٹریلسٹک گفتگو کر رہی ہیں یہ۔'' فراز کو اذیت ہوئی۔

''نہیں......!'' اس نے بھاری آواز میں کہا۔ ''منی باجی! مجھے مصوری کو اپنا مستقبل نہیں بنانا۔ یہ جو چند... ٹنگز میں میں نے آپ کے اسرار پر حصہ لیا' یہی کافی ہے۔ میں پڑھ رہا ہوں مجھے یہیں کہیں اس قسم کا مستقبل... ہاں جیولری ڈیزائننگ ٹھیک ہے۔ اس میں' میں کام کر رہا ہوں۔''

''ممی پراچہ تو ڈریس ڈیزائننگ بھی کر رہی ہے' اس کے سلسلے میں اس نے تم سے نہیں کہا؟'' منی باجی کی بات... عجیب سی چبھن محسوس ہوئی۔

''وہ بھی میرا میدان نہیں ہے۔ میں اس کے لیے صرف ڈیزائن بناتا ہوں۔ باقی وہ کیا کرتی ہے۔ اس سے... تعلق نہیں ہے۔ میں تو اس شو میں بھی نہیں گیا جس میں اس جیولری کی نمائش ہوئی تھی۔''

''پھر جیولری کیوں ڈیزائن کرتے ہو؟'' منی باجی کا لہجہ اور بھی تیکھا ہوا۔

''پیسے کمانے کے لیے۔'' اس نے سادگی سے سیدھا جواب دیا۔ ''میں پڑھنا چاہتا ہوں اور پڑھ رہا ہوں۔ اس... پیسے چاہئیں۔ میں یہاں رہتا ہوں میرے پاس ایک سیکنڈ ہینڈ موٹر سائیکل ہے۔ میرا کھانا پینا' پہننا اوڑھنا'... فی الحال میں اسفند بھائی کے احسانات کے بوجھ تلے سے نکلنا چاہتا ہوں۔ میری انگلی پکڑ کر وہ مجھے وہاں سے بہت... لے آئے جہاں میں کھڑا تھا اب میرا خیال ہے کہ باقی کا سفر مجھے خود طے کرنا چاہیے یا ازکم کوشش ضرور کرنی... ممی پراچہ کے لیے جیولری کی ڈیزائننگ میں اس لیے نہیں کرتا مجھے ایم جی کا حریف بننے کا شوق ہے بلکہ مجھے... پیسے چاہئیں جب ہی ادھر ادھر ہاتھ مارتا رہتا ہوں۔''

''...ہنر کدہ والوں نے بلایا تھا تمہیں۔ وہاں بھی گئے یا نہیں؟'' منی باجی کو شاید احساس ہو گیا تھا کہ انہیں اس... باتیں نہیں کرنی چاہیے تھی جب ہی انہوں نے لہجہ بدل کر قدرے نرم آواز میں پوچھا۔

''نہیں' وہاں گنجائش ہی نہیں ہے پھر میرے پاس آرٹ کی تعلیم بھی نہیں ہے' نہ میں نئے سرے سے اس کی... رموز اسرار جاننا چاہتا ہوں۔ میرا ہاتھ جہاں چلتا ہے' وہاں میں ایک خام ہاتھ کی طرح چل جاتا ہوں۔ وہ

بھی ضرورت کے تحت' گو میرے دل کا چور ایسے ہر کام کے دوران مجھے "ماسٹر جی نے دیکھ لیا تو" کہہ کر جھ
ہے۔"

"اسفند کے پروں تلے سے نکلنا چاہتے ہو۔ ماسٹر جی کا خوف بھی ہے۔ میں کوئی راستہ دکھاؤں ا
نہیں ہے۔ فراز! آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو؟" منی باجی اب حیران تھیں۔

"میں نے یہ کب کہا کہ اسفند بھائی کے پروں تلے سے نکلنا چاہتا ہوں' یا آپ کے دکھائے ر
چلنا ہے۔" فراز ان کے لہجے کی جھنجلاہٹ کو محسوس کر کے مسکرایا۔

"بس منی باجی! بات یہ ہے کہ میں آپ لوگوں کے اعصاب پر مزید بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ اسفند بھ
پکڑی' آپ نے راستہ دکھایا۔ اب مجھے اپنی آنکھیں اور دماغ استعمال کرنا چاہئیں۔"

"اللہ تمہاری مدد کرے۔"

"یہ ہوئی نا بڑی بہنوں والی بات!" فراز نے ہنس کر کہا۔ "ویسے یہ بتائیے کہ لینا آج کل کہاں

"ویسے یہ بتاؤ کہ تم کو لینا کی اس قدر فکر کیوں ہے؟" منی باجی بھی یقیناً ہنس رہی تھیں۔

"ایسی باتیں مت پوچھا کریں۔" وہ بھی شرارت سے بولا۔ "آپ بتائیے آپ تک پہنچی یا نہیں؟"

"پہنچ جائے گی' ڈونٹ یو وری' میں اس کا بندوبست کر رہی ہوں۔ ہاں تم پیپرز سے فارغ ہو ج
اسلام آباد میں سیمی جو نمائش لگا رہی ہے اس کے لیے ضرور آنا۔ امین گل جی نہ سہی دو چار ٹھیک ٹھاک تم
تو ضرور پھڑ کنے چاہیں تمہار ہاتھوں۔"

"ہاں' آپ کی اس بات پر ضرور عمل کروں گا۔ او کے اللہ حافظ۔" اس نے فون آف کر کے اسکر
یقیناً اس کا بیلنس ختم ہونے کے قریب تھا۔

.......✿.......

"رباب کیانی کون ہے؟"

اس وقت اپنے سامنے بیٹھے آفتاب جمیل کی بات سن کر وہ چونک گیا تھا۔ وہ ان سے اپنی فیملی کو
مسئلہ ڈسکس کر رہا تھا مگر انہوں نے اس کی ساری بات کے جواب میں اس سے یہ غیر متوقع سوال کیا تھ
اس وقت آفتاب صاحب اس کے آفس میں بیٹھے تھے۔ جہاں اسفند اپنی پاکستان آمد کے بعد تیسری مر

"ہم ایک سنجیدہ مسئلہ ڈسکس کر رہے ہیں ڈیڈی!" اس نے بات کا رخ بدلنا چاہا۔

"ہیل وِدوِس سنجیدہ مسئلہ!" انہوں نے جھلا کر کہا۔ "ایک وہ تمہاری ماں ہے جس نے فون کر
کھا لیا وہاں' اور مجھے اتنی جلدی واپس آنے پر مجبور کر دیا۔"

"اتنی جلدی!" اسفند کو حیرت ہوئی۔ "ڈیڈی! آپ کو معلوم ہے کہ آپ دو ماہ کے بعد واپس آ

"تو پھر؟" انہوں نے ابرو چڑھا کر کہا۔ "میں نے جانے سے پہلے تمہیں بتایا تھا۔"

"کتنا بزنس کیا آپ نے اس ٹرپ میں؟" کتنے آرڈرز ملے آپ کو۔

اسفند کے لہجے میں کڑواہٹ کو محسوس کر کے انہوں نے نظریں اٹھا کر بغور اسے دیکھا۔

"اٹس نن آف یور انٹرسٹ۔" تم بات کرو جو کر رہے تھے۔" اسفند نے ان کے لہجے کی درشتی
آنکھیں بند کر لیں۔

"تم شہری کے ریفرنس سے بات کر رہے تھے نا کہ کوئی بچہ اغوا ہوا تمہارے ہوم سے اور پھر تم

انکشاف کیا گیا کہ وہ شہری کا بچہ تھا جو اغوا ہونے والا تھا۔" اسفند نے اپنی تھکی ہوئی آنکھیں
مہاری ماں پر یہ
ل کر ایک بار پھر انہیں دیکھا۔
ب سے اتنی احمقانہ لائنز پر سوچنے لگے ہو تم اور تمہاری ماں۔ ان گھٹیا بلیک میلرز کے ہاتھوں بلیک میل
ے حیرت ہے' مجھے حیرت ہے۔"
فند کے لیے اپنے باپ کا یہ انداز اور لہجہ نیا تھا۔
تعلق کس سے جوڑا گیا شہری سے؟" انہوں نے اپنی آنکھوں کے آگے اپنا ہاتھ پھیلا کر ایک انگلی گئی۔"
سارہ شاہنواز سے۔" انہوں نے دوسری انگلی پر ہاتھ رکھا۔
سارہ شاہنواز کس کی بیٹی ہے؟
شاہنواز احمد کی۔ شاہنواز احمد کون ہے۔ اول نمبر فراڈیا' بلیک میلر' پیسے کی خاطر کچھ بھی کرنے والا۔
تمہارے خیال میں' شاہنواز احمد کے ایڈونچرس ذہن میں اس قسم کی حرکس کرنے کا خیال نہیں آ سکتا۔ تم
ے اونچے جا رہے ہو' بزنس کمیونٹی میں تمہارا نام بن رہا ہے۔ شاہنواز احمد کو کیسے گوارا ہو سکتا ہے تمہارا نام اور

لیکن کیوں؟" اسفند نے بلند آواز میں میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "کیوں گوارا نہیں ہے اس کو' کیا دشمنی
ا ہم سے؟"
ہم نے' یعنی میں نے اور تمہاری ماں نے شہری کو اس کی بیٹی سے شادی جو نہیں کرنے دی۔"
یہ کوئی ایسی وجہ نہیں کہ انسان ایک دوسرے کے ایسے دشمن بن جائیں۔ سینکڑوں مثالیں ایسی ہیں جن میں
کے باوجود لڑکی لڑکے کی شادی نہیں ہو پاتی۔" اسفند نے ان کی اس بات پر قطعی یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔
تم شاہنواز احمد کے کمینے پن سے واقف نہیں ہو۔ اس کی فطرت میں کمینگی اور ڈھٹائی ہے وہ کسی بھی طرح
نص کو جو پیسے کے حصول میں اس کی راہ کا کانٹا بنا ہو' تنگ کر سکتا ہے۔" انہوں نے دلیل دی۔
تمہارے لیے اور تمہاری ماں کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسی فون کالز پر کان مت دھرو۔ ان کو اگنور کرو' یہ
ا بند ہو جائیں گی۔" پھر وہ ایک موٹی سی گالی دیتے ہوئے بولے۔
سوسائٹی میں انسانوں کے کیریرز' سکنڈلز اور گوسپز پر ہی تو بنتے اور بگڑتے ہیں۔ سو حاسد اس قسم کی خبریں
ں میں مشغول رہیں گے' تم کہاں تک ان کا نوٹس لو گے؟
اسفند بے یقینی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔
یہ شخص جو میرا باپ ہے تھوڑے سے عرصے میں کتنا بدل گیا۔ کچھ عرصہ پہلے بھی یہ کتنا بدل گیا تھا۔ شہری
کو اس نے میری طرح دل پر محسوس کیا تھا اور یہ کتنا ٹوٹا پھوٹا دل گرفتہ اور شکستہ نظر آتا تھا۔ لگتا تھا اس نے
حقیقتوں کو سمجھنا شروع کر دیا تھا مگر اب یہ شخص جو میرے سامنے بیٹھا ہے' کتنا مختلف لگ رہا ہے۔ وہی پرانی
ی انداز' وہی چہرہ جس پر شہری کہا کرتا تھا کہ ان کے جسم کے اندر دل ہے ہی نہیں۔ اوہ میرے خدا!" اس کا
لگا۔ "ایسا کیسے ہوا۔ کیا یہ صرف دو ماہ کے ریکری ایشنل کم بزنس ٹرپ کا کمال ہے۔"
"ایک وقت تھا کہ اسی شاہنواز احمد نے میرے بیک گراؤنڈ کے حوالے سے سوسائٹی میں خبریں پھیلانا شروع
ا' نمک مرچوں والا بیک گراؤنڈ' اس نے ہر طرح سے مجھے زچ کیا اور ناکام رہا۔" اسفند کے چہرے کے
اثرات دیکھ کر انہوں نے نیچی آواز میں اسے سمجھانا چاہا۔

''پھر وہ ایک تھی زرینہ!'' ان کی آواز میں ذرا سی ہکلاہٹ آئی اسفند نے چونک کر دیکھا۔

''یونو......اس عمر کے شغل' اتفاق سے اس کا بھی اس سے کوئی تعلق تھا۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ اس کا قسم کی عورتوں سے تعلق ہوا کرتا تھا' اس نے اس بات کو بھی جی بھر کر ایکسپلائٹ کیا۔ مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔'' پرواہ نہ کرنے کے انداز میں شانے اچکا کر کہا۔

''پھر اس نے اپنی اس بیٹی' اس (ایک اور گالی) کو شہریار کے پیچھے لگا دیا۔ وجہ وہی پیسہ تھا جو اس کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ ہم نے ماضی کے ان تلخ تجربات کی وجہ سے شہری کو منع کر دیا۔ وہ کسی بھی سے شادی کر سکتا تھا مگر'' انہوں نے سارہ کے لیے ایک انتہائی گرا ہوا لفظ استعمال کیا۔ ''کے ساتھ نہیں۔ وہ ایسا لڑکا تھا جسے تابعدار کہا جاتا ہے۔ اس نے ہماری بات سننے کے بعد اس لڑکی سے تعلق ختم کر دیا۔ پھر کون اور کیسے بچے کا سوال۔ یہ نجانے کون حرام زادہ ہے جسے وہ شہری کے بچے کے نام پر تمہارے اور تمہاری مار منڈھنا چاہتا ہے۔ مجھے کیوں نہیں آتیں ایسی کالز' مجھے کوئی کیوں نہیں کہتا یہ بات۔ سوچو ذرا۔''

ہاں یہ سوچنے کی بات ہو سکتی تھی۔ مگر اسفند ان کے سارے رویوں اور گفتگو پر جس طرح شاکڈ ہوا اس پر سوچنا ہی نہیں تھا اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور پھر کچھ دیر تک انہیں دیکھتے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر کھڑ

''میرے سوال کا جواب تم نے نہیں دیا؟'' باہر نکلنے کے لیے اٹھتے اس کے قدم رک گئے۔

''رباب کیانی کون ہے؟'' اس نے ایک لمحہ کے لیے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ اور بغیر جو ان کے آفس سے باہر نکل آیا۔

''میں الجھ کر رہ گیا ہوں۔ میں اس معاشرے اور ان لوگوں کی چالوں میں الجھ کر رہ گیا ہوں۔ یہ لو ایمان' جن کا اوڑھنا بچھونا' پیسہ ہے۔ وہ پیسہ جو ہاتھ آ جائے تو ڈھنگ سے جینے نہیں دیتا' خوف' خوف اور دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ اوہ میرے خدا' میں ایک سادہ اور آسان زندگی گزارنا چاہتا ہوں' مجھے ان کی اکڑی ہوئی گردنوں پر سجے چہروں سے نفرت ہونے لگی ہے۔''

آفتاب جمیل کے آفس سے واپسی پر گاڑی میں بیٹھے اسفند کی نظروں کے سامنے بار بار شہری کی ڈ لکھا یہ صفحہ آ تا رہا جب پہلی بار اس نے اس صفحے کو پڑھا تھا تو اسے خیال آیا تھا کہ یہ باتیں اس نے کیوں لکھی اتنا بے بس کیوں تھا جو اسے یہ سب سمجھ میں آ رہی تھیں۔ اس نے ڈیش بورڈ پر رکھا موبائل اٹھایا اور چند نمبر

''ہیلو' رباب! تم کہاں ہو اس وقت؟'' گاڑی میں اس کی آواز ابھری۔

''گھر پر۔'' کیا میں اس وقت آ سکتا ہوں تمہارے گھر' ٹھیک ہے۔ تم انتظار کرو۔ میں پہنچ رہا ہوں۔''

......❁......

''اس کی تو جناب بڑی ٹور ہے یہ فراز کی' کبھی جا کر دیکھو جس جگہ وہ رہتا ہے' سعید لاہور سے وا کھاتے ہوئے مانو کو سفر کی داستان سنا رہا تھا۔

''اسے وہاں دیکھو نا' تو لگتا ہی نہیں کہ وہ ادھر ہمارے کمال پور کا رہنے والا بندہ ہے۔ اس کی سار شہری لگتی ہے۔''

''وہ جو باؤ صاحب یہاں آیا تھا نا پا فراز کے ساتھ۔ وہ ادھر بھی آیا تھا اس کے پاس۔ اس کی گاڑی ہی تو میں پا امین کے پاس آیا تھا۔ راستے میں پا فراز نے یہ مجھے۔'' اس نے اپنی کلائی اس کے سامنے لہرا کہا۔ ''گھڑی لے کر دی اور یہ مٹھائی کے ڈبے۔'' اس نے شاپر اٹھایا جس میں ٹین کے تین گول ڈبے تھے

نام لکھا تھا تو مانو اس کے صرف ہجے کر سکتی تھی۔ یہ لفظ اس سے پڑھا نہیں جا رہا تھا۔ جی' او' یو' ایم' آ ئی' ٹی۔ اچھا نام ہوا بھلا۔ اس نے سوچا۔

"یہ کیا نام ہوا بھلا۔" ہمارا ہے۔ ایک پا فراز کی اماں کا اور ایک ماسٹر جی کا۔ بڑے مہنگے ہیں یہ ڈبے' یہ ہماری بستی کے حلوائی ہیں مجھ سے ہی باہر ہے اس مٹھائی کی ترکیب۔ لو کھاؤ گی؟'' سعید نے ڈبہ کھولنا چاہا۔

"نہیں رہنے دو۔" مانو نے گھٹنوں پر چہرہ رکھے رکھے کہا۔ ''چاچا آئے گا تو پھر دکھانا' تم نے کھانا کھا لیا ہے تو اٹھا لوں؟''

"وہ تو مجھے آنے ہی نہیں دے رہا تھا پا فراز' میں نے کہا ابھی تو پا امین کے ساتھ چلا جاؤں گا' پھر اکیلا کیسے گا۔ میں نے کہا پھر آؤں گا۔ بڑا زور دے کر کہا تھا اس نے دوبارہ آنا اور میرے پاس رہنا۔''

سعید اس بات کی پروا کیے بغیر کہ اس کی گفتگو کا اس کی بہن پر کیا اثر ہو رہا تھا۔ اپنی کہے جا رہا تھا۔

"دیسے پا فراز کی شان دیکھ کر میرا دل بھی چاہ رہا ہے کہ میں بھی نا سنجیدہ ہو کر پڑھائی کر لوں اور پھر لاہور چلا پڑھنے' بڑی موج ہے بھئی۔''

مانو کو سعید کی یہ بات سن کر حیرت ہوئی۔ یہ وہ بچہ تھا جسے پڑھانے کی گھر بھر نے مقدور بھر کوشش کی تھی۔ اسے کی خاطر دو مرتبہ مستقل ماسٹر جی کے پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔ مگر نہ ماسٹر جی کی محنت' نہ یہی ان کی نصیحت اس پر اثر تھی۔ اس نے مڈل کا امتحان دیے بغیر ہی پڑھائی چھوڑ دی تھی اور بڑے بھائیوں کے ساتھ زمین داری میں ہاتھ بٹانے لگا تھا۔ مگر اب فراز کے پاس ایک دفعہ چکر لگا لینے کے بعد اس کا یہ کہنا کہ وہ دوبارہ پڑھائی شروع کرنے بارے میں سنجیدہ ہونا چاہتا ہے' ایک چونکا دینے والی بات تھی۔

سعید کے جانے کے بعد گھر کے مختلف کام نبٹاتے نبٹاتے بھی مانو کا ذہن اس کی باتوں میں الجھا رہا۔

"اتنی شان ہے فراز کی اور وہ کہیں سے بھی بستی کمال پور کا باشندہ نہیں لگتا تو پھر میرا اور اس کا جوڑ......'' وہ سوچ کی۔

پتہ نہیں کیا سوچ کر ماسٹر جی نے یہ فیصلہ کر دیا۔ اس تعلق اور اس رشتے کا کیا انجام ہو گا۔'' اس کے کان میں کی بات نے گھنٹی بجائی۔

"ممّا یہ جانتا ہوں کہ یہ فیصلہ ماسٹر جی نے کیا ہے اور میرا یقین ہے کہ ماسٹر جی کے کیے فیصلے غلط نہیں تے۔''

"کیا قسمت ہے تمہاری مبینہ کلثوم۔'' سب کاموں سے فارغ ہو کر اپنے نوٹس لے کر بیٹھتے ہوئے اس نے "وہ بات جس کے ہو جانے کی تمنا تمہارا دل ایک عمر تک کرتا رہا' وہ جب اچانک ہو گئی تو تم تشکیک کا شکار ہو۔" اپنے سامنے پھیلے نوٹس کے حروف پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ فراز کی خوبصورت لکھائی میں صفحات پر جیسے موتی جڑے تھے۔

......❁......

"تمہارا کیا خیال ہے فراز! یہ جو بچے والا چکر ہے اس میں شاہنواز احمد کا کتنا ہاتھ ہو سکتا ہے؟'' اسفند نے اس فراز کو اس کے پے انگ گیسٹ والے کمرے میں پکڑا تھا۔ جہاں وہ انتہائی سنجیدگی سے امتحان کی تیاری میں مصروف تھا۔

"اسفند بھائی! آپ کو خبط ہو گیا ہے یا جنون؟'' فراز کی برداشت نے یکدم اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ''اب یہ نئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لائن آپ کو کس نے دکھا دی؟"

"بس یونہی خیال آ گیا۔ ویسے بھی تو سنا ہے کہ وہ اول نمبر فراڈیا اور بلیک میلر ہے؟"

"ہو گا' مگر فی الوقت وہ ایسی کسی ایکٹویٹی میں انوالو ہونے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ گزشتہ سال کے اواخر سے بیمار ہیں اور تقریباً دو ماہ یا شاید اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ ہاسپٹلائزڈ ہیں۔ دسمبر میں ان کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تھا، ڈسچارج ہونے کے بعد سے اب تک بھی وہ صاحب فراش اور ان کی ذہنی حالت بھی اس قابل نہیں کہ وہ اس قسم کی بلیک میلنگ کے تانے بانے بنیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"آپ نے شاید کبھی اخبار نہیں پڑھا یا پھر کبھی کلچرل راؤنڈ اپس کا جائزہ نہیں لیا!"

"اسفند نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھیے۔" اس نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اسفند نے نظریں جھکا لیں۔

"جب بھی اس شخص شاہنواز احمد ذکر ہوتا ہے اور میں یا کوئی اور اس پر تنقید کرتے ہیں تو تم اس کے لیے انداز میں بولتے ہو۔ یوں جیسے اس کے بارے میں کوئی بھی سخت یا بری بات تمہیں اچھی نہیں لگتی۔" فراز۔ کچھ کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس بات کا اسے کیا جواب دینا چاہیے۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" اس نے گردن جھٹک کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"شاید میرا رویہ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟"

"ایسا شاید اس لیے ہے کہ میں ان کی شخصیت اور ذاتیات سے قطع نظر ان کے فن اور ان کے ہنر کا ہوں۔ ان کی شخصیت' ان کی عادات' ان کا ماضی کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے کام کو سراہنے والے کے لیے اس حیثیت ہے۔ وہ تو ان کا کام دیکھتا ہے۔ جس میں پرفیکشن ہے' میچورٹی ہے۔ اور کمانڈ ہے۔ اب اس بات پر تو نہیں ہو سکتی کہ ان چیزوں سے میں کیوں متاثر ہوں؟"

"کیا تم صرف فن کی پروفیکشن کے قائل ہو؟"

اسفند کی نظروں میں عجیب سی ناراضی تھی۔

"اسفند بھائی!" وہ مسکرایا۔ "دنیا کی تاریخ میں مختلف شعبوں میں جو بڑے بڑے نام ہیں۔ ہم ان کو ان کے کام کے حوالے سے ہی جانتے ہیں اور سراہتے ہیں نا! اپنی زندگی میں وہ کیسے تھے ہمیں اس سے کیا۔ یوں تو کوئی شخص خامیوں سے عاری نہیں ہوتا۔"

"میں نے چند دن پہلے اس کی چند پینٹنگز اور ایک آدھ پینٹنگ کے ریپلیکاز دیکھے ہیں۔ مجھے ان میں خاص بات' کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی۔ اسفند نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"اس لیے کہ آپ انہیں دیکھنے سے پہلے ہی ان کو ریجیکٹ کر دینے کا فیصلہ کر چکے تھے پھر آپ کو وہ کیسے آتیں۔ ویسے بھی یہ آپ کی فیلڈ ہے ہی نہیں۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے دنیا کی کوئی مشہور آرٹ گیلری اور میوزیم ایسا نہیں' جو نہ ہو۔ میں نے آرٹ کی ہسٹری اور تکنیک کو بھی پڑھا ہے۔ گو میں اس میں اپنا ہاتھ اس لیے نہیں چلا سکا کہ میں ذرا

آرٹ اسٹوڈنٹ تھا' مگر اس سلسلے میں میں یہ ضرور کہوں گا شادی نہیں ہوئی تو کیا بارات بھی نہیں دیکھی' والا حساب ہے۔"

"آپ برا مان گئے۔" فراز کو اس کے لہجے کی سختی پر افسوس ہوا۔

"نہیں۔" اسفند نے سر ہلایا۔ "میں جو بات کہنا چارہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ جو انسان نیگٹیو مائنڈڈ ہو وہ کوئی کیسے پروڈیوس کر سکتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ' مگر دیکھیں نا ہمیں کیا معلوم جو میں بناتا ہوں' کیا اس میں میری شخصیت کی جھلک آتی ہے؟" اس نے اسفند کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا۔

"یہ میدان ایسا ہے اسفند بھائی! جس میں آدمی کام کرتے وقت وہ نہیں رہتا جو وہ ہوتا ہے۔ وہ جب تک اپنا ... وہ ماسٹر پیس پروڈیوس نہیں کر سکتا۔ اور شاہنواز احمد کے سلسلے میں بھی ایسا ہی ہے۔ وہ جو بھی ہیں جیسے ... اپنے فن کے ماہر ہیں۔ اور اس سلسلے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں۔"

"اور وہ اس کی منفی شخصیت کی وجہ سے کتنوں کے لیے مسائل پیدا ہو رہے ہیں' وہ؟"

"ہاں' وہ ایک قابل غور پہلو ہو سکتا ہے۔" فراز نے دل سے یہ بات تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

"مگر ایک بات میں آپ سے کہہ دوں کہ اس بچے والے سلسلے میں ان کے کسی کردار کو میرا دل نہیں مانتا کیونکہ وہ عرصے سے اتنے بیمار ہیں کہ ایسی حرکت کر نہیں سکتے۔"

"پھر یہ حرکت سارہ شاہنواز کی ہو گی' ان کی بیٹی کی۔"

"ممکن ہے مگر اس کے بارے میں سنا تھا کہ وہ پاکستان چھوڑ چکی ہے۔"

"وہ آج کل یہیں ہے پاکستان میں' میرے اخباری کیٹرے' تم نے یہ خبر شاید نہیں پڑھی اپنے کلچرل راؤنڈ اپ میں۔" اب طنز کرنے کی باری اسفند کی تھی۔

"پھر یقیناً اس پوائنٹ کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔" فراز نے سوچتے ہوئے کہا۔

"لیکن اسفند بھائی! آپ بی بی زینب کو کیوں مجبور نہیں کرتے کہ وہ کھل کر اس بچے کے بارے میں آپ کو ...

"میں پوچھ چکا ہوں' بار بار پوچھ چکا ہوں' مگر ان کا وہی ایک ہی جواب ہے۔"

"اگر آپ کی یادداشت ساتھ دیتی ہو جیسا کہ اس وقت میری دے رہی ہے تو شاید یہ آپ کو یاد ہو کہ جب ہم بی بی زینب سے پہلی مرتبہ ملنے گئے تھے تو ہم نے اس محلے میں ایک انتہائی ماڈرن قسم کی لڑکی جدید لباس میں نکلتے ہوئے دیکھی تھی۔ جس کی شکل خاصی مانوس سی لگ رہی تھی۔

"کون تھی وہ وہ لڑکی؟" فراز نے پوچھا تو اسفند کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"سارہ شاہنواز۔" دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"اگر وہ سارہ شاہنواز تھی بلکہ یقیناً وہ وہی تھی تو سوچنے کی بات ہے کہ اس کا اس قدیم محلے میں کیا کام تھا۔ اگر وہ کوئی شوٹنگ ٹیم ہوتی تو سوچا جا سکتا تھا کہ وہ وہاں کسی شوٹ کے لیے آئی تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ کچھ بھی ... اسفند نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

"امیزنگ!" اس نے ٹانگیں سیدھی کر کے پھیلاتے ہوئے کہا۔

"فراز! یہ کتنی عجیب بات ہے اور میرے دماغ میں ایک بار بھی نہیں آئی۔ وہ سارہ شاہنواز ہی تھی اور یقیناً اس

بچے کے سلسلے میں ہی وہاں آئی تھی۔

''لیکن پھر بی بی زینب یہ بات مجھے کیوں نہیں بتاتیں؟'' اس نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اس کی وجہ تو خیر وہ ہی بتا سکتی ہیں۔''

''تمہیں تو یقین ہے نا کہ وہ بچہ جو بھی تھا نہ تو شہری کا تھا نہ ہی سارا شاہنواز کا؟'' اسفند نے پہلی بار ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ فراز کو دیکھا تھا۔

''ظاہری بات ہے جو معلومات مجھے ملی ہیں' ان کی روشنی میں تو ایسا ہی لگتا ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو پھر سارہ شاہنواز بچے کے لیے بی بی زینب کے محلے میں کیوں جاتی ہوگی؟''

''اس بات کا جواب فراز کے پاس نہیں تھا۔''

''مجھے آج بھی نتھیا گلی میں پہلی بار اپنا سامنا ہونے پر اس کا خوف زدہ ہونا اور باہر نکلنا اچھی طرح یاد ہے۔ شہری اور اس کے درمیان کوئی ایسا سلسلہ نہیں تھا تو پھر مجھے دیکھ کر اس کا ردعمل نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

اسفند کی اس بات کے جواب میں بھی فراز خاموش رہا۔

''پھر جب میں نے اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تو بھی اس نے مجھے اگنور کیا۔''

''آپ نے اسے ڈرا دیا تھا۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے اس سے شہریار صاحب کی ڈیتھ سے ذرا اس کی ان کے ساتھ موجودگی کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''ہاں' میں نے ایسا ہی کہا تھا۔'' اسفند نے اقرار کیا۔ لیکن اگر وہ گلٹی نہیں تھی تو اسے مجھے ڈھنگ سے دینا چاہیے تھا۔ اسے مجھے ہیلپ آؤٹ کرنا چاہیے تھا۔''

''کمال کرتے ہیں آپ اسفند بھائی۔'' فراز جھلا گیا۔ ''آپ کسی ایسے بندے کے ذہن سے سوچیں؟ واقعے یا حادثے کو انویسٹی گیٹ کر رہا ہے۔ کیا اس کے سوالات لوگوں کو ہراساں نہیں کر دیتے۔ کیا اس کی باتوں وہ لوگ خصوصاً جو اس واقعے میں انوالو ہوں اس کو اوائڈ نہیں کرتے۔''

''یار! تمہیں تو مراق ہے انجان لوگوں کی سائیڈ لینے کا۔'' اسفند کی اس بات کا کوئی جواب بن نہ پڑا بولا۔

''اور آپ کو مراق ہو گیا ہے ہر کسی پر شک کرنے کا۔'' فراز نے مسکرا کر کہا۔

''سیدھی سی بات ہے کہ شہریار صاحب' اگر سارہ شاہنواز میں انوالو بھی تھے اور انہوں نے والد مخالفت پر خفیہ شادی بقول شخصے اس سے کر لی تھی تو ان کی حادثاتی موت میں سارہ شاہنواز کا کیا قصور نکلتا ہے؟''

''مجھے بتایا گیا تھا کہ اس حادثے کے وقت وہ شہری کے ساتھ اس کی گاڑی میں موجود تھی' اور اس کو ہلکی چو بھی آئی تھیں' مگر رات کو تاریکی اور لوگوں کے ہجوم سے فائدہ اٹھا کر وہ چپکے سے گاڑی سے نکل کر ایک سائیڈ نکل گئی تھی۔''

''وہ جو آپ کا عینی شاہد ہے' اس نے اس وقت کیوں اس کا پیچھا نہیں کیا۔''

''اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ لڑکی سارہ شاہنواز تھی' اس نے شہری کے ساتھ کسی لڑکی کی موجودگی کا ذکر کیا تھا۔''

''اور آپ نے سوچ لیا کہ وہ سارہ شاہنواز کے سوا کوئی دوسری لڑکی ہو نہیں سکتی تھی۔''

''ظاہر ہے۔'' اسفند نے شانے اچکائے۔

''اور اس کا عینی شاہد' جاسوسی کہانیوں کا خالق فیروز بھٹی ہے نا' جو آپ سے پیسے بٹور کر یہ ساری داستانیں بلیکس اینڈ فگرز کے نام پر سناتا رہا ہے۔'' فراز نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

''فیروز بھی ہے اور چند اور بھی۔'' اسفند نے اس کے سوال پر چونکنے کے باوجود نارمل انداز میں جواب دینے ش کی۔

''پھر یہ ہی فیروز' سارہ شاہنواز کو پیرس لیے جاتا ہے۔ فیشن شوز آرگنائز کرتا ہے۔ نہایت اعلیٰ قسم کی خالص اس کو نوش جان کرواتا اور نشے کا عادی بنا دیتا ہے' اس ذہنی تنزلی کو اس انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ جس سے اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

فراز نے بلند آواز میں کہا۔ ''کس نام پر؟'' اس نے سوالیہ انداز میں اسفند کو دیکھا اور جواب نہ پا کر خود ہی

''اسے یہ بتا کر کہ مسٹر اسفند یار محمد کو شبہ ہے کہ اس کے بھائی کو قتل کروایا گیا' وہ حادثہ نہیں قتل تھا اور یہ کہ مسٹر اس قتل کے ڈانڈے سارہ شاہنواز کی ذات سے ملا رہے ہیں۔ اور چونکہ فیروز بھٹی سارہ کا غم خوار اور محبت والا دوست ہے اس لیے وہ اسے اس ممکنہ الزام سے بچا سکتا ہے۔ وہ سارہ شاہنواز جو پہلے ہی شہریار محمد کی کے غم میں گم ہے اور مسٹر اسفند یار کی فون کالز سے خوفزدہ ہے۔ اسے غم تنہائی ستاتا ہے اور وہ سچے دل سے فیروز نا دوست مان لیتی ہے۔ اس کے بعد اس کے جال میں پھنستی چلی جاتی ہے۔''

فراز سانس لینے کو رکا تو اس کی بات حیرت سے سنتا اسفند چونک گیا۔

''کیا پھر کوئی علی سفیان آفاقی تم سے ٹکرا گئے جو تمہیں یہ رام کہانی یوں ازبر ہے جیسے تم خود عینی شاہد ہو' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''شادی نہیں ہوئی تو کیا بارات بھی نہیں دیکھی۔''

فراز نے اس کی بات ہی اس کو لوٹائی۔ ''چھوڑیں اسفند بھائی! اب اس کہانی کی جان چھوڑ دیں۔ ہر بات گرد تلے چھپ گئی ہے۔ کیوں گرد جھاڑتے ہیں یہ نہ ہو کہ کوئی انکشاف ایسا ہو جائے جس کی تاب آپ نہ

اسفند نے کچھ دیر اس کی بات پر غور کیا۔

''میں نے سارہ شاہنواز والی بات پر مٹی ڈال دی تھی فراز! مگر یہ بچے والی بات اگر سچ ہے تو اس کی حقیقت کو شش میں ضرور کروں گا۔ پچھلی کئی راتوں سے میں سو نہیں سکا' یہ سوچ کر کہ وہ بچہ شہری کا تھا اور قدرت نے سامنے قریب بھیج بھی دیا اور میں نہ جان سکا نہ پا سکا۔''

اس کے لہجے کے دکھ اور چہرے کی اذیت نے فراز کو ایک دم چپ کروا دیا۔ وہ اس کی دل کی کیفیت کو سمجھ رہا

''آپ بی بی زینب سے تو ملیں۔ دیکھیں' وہ آپ کو اب کیا بتاتی ہیں۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے مشورہ دیا۔

''ہیلو سارہ! یہ میں ہوں رباب کیانی' ایک پرانی دوست۔'' سارہ نے اپنے کمپیوٹر کی اسکرین پر کسی کو سائن ان

ہوتے دیکھ کر کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر اس کی اسکرین پہ یہ الفاظ ابھرے تھے۔

''رباب کیانی'' اس نے اپنے ذہن پر زور دیا۔

''مجھے یاد نہیں آ رہا' تم اپنا تعارف کراؤ'' اس نے کچھ یاد نہ آنے پر لکھا۔

''میں رباب کیانی ہوں کینئرڈ میں ہم ساتھ پڑھتے تھے۔ میرا گھر مسلم ٹاؤن میں تھا جہاں تم کئی مرتبہ مجھے ملنے آئی تھیں۔''

''یہ کوئی تعارف نہیں ہے' کچھ اور بتاؤ؟''

''میں حجاب لیا کرتی تھی' اور تم کو عجیب لگتا تھا میں نماز پڑھتی تھی جس کے بارے میں تمہارے نظریات مختلف تھے کچھ یاد آیا۔''

سارہ کے ذہن کے پردے پر کچھ روشن ہوا۔

''ہاں۔'' اس نے تیزی سے لکھنا چاہا مگر اسی وقت علاقے کی لائٹ چلی گئی اور کمرے میں تاریکی چھا گئی۔

''کیا مصیبت ہے؟'' اس نے جھلا کر کمپیوٹر ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ ''اس کا ای میل ایڈریس بھی نوٹ نہیں کر[illegible] ورنہ۔'' اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور اسے روشن کیا۔

''رباب کیانی!'' اس نے اپنے ذہن میں دہرایا۔ اور پانچ سیکنڈز میں اس کا چہرہ اس کے پردہ ذہن پر پوری طرح روشن ہو گیا۔ وہ بہت سے تعلقات کو' دوستیوں کے پیچھے چھوڑ چکی تھی۔ جن میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کو چھ[illegible] دینے کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ ایسے میں رباب کیانی جس کا تصور بہت پیچھے رہ چکا تھا اچانک اسے ا[illegible] یاد کہاں سے آ گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی مگر اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ اس اچانک یاد آوری پر خوش تھی۔

……✿……

''سب ویلیوز ختم ہو کر رہ گئی ہیں صاحب! جسے دیکھو نیٹ برش پکڑے مصور بنا پھر رہا ہے۔ تجریدیت ہے[illegible] ایک سے ایک واہیات منظر بکھرا ہے کینوس پر اور اسے آرٹ کہا جاتا ہے۔''

یہ پروفیسر تقی الدین تھے جو شاہنواز احمد کی خیریت دریافت کرنے آئے تھے اور دور جدید کے کام پر بر[illegible] تبصرہ کر رہے تھے۔

''ہوں!'' شاہنواز احمد نے بے دھیانی میں جواب دیا۔

''اور پھر آپ نے سنا ہوگا' سب سناروں' کمہاروں' درزیوں والے کام بھی فیلڈز آف آرٹ کہلانے [illegible] ہیں۔''

''انسانی ذہن ارتقاء کی منازل طے کر رہا ہے صاحب! آپ یہ فش کباب لیجیے نا میرا اک بہت اچھ[illegible] ہے۔'' شاہنواز احمد نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے آداب میزبانی بھی نبھائے

''اور کلچرل باؤنڈریز کو ختم کرنے کے نام پر جو انڈیا پاکستان ایک ہے' قسم کے کام ہو رہے ہیں آپ نے ان پر غور کیا؟'' پروفیسر تقی روایتی سوچ کے مالک نظریاتی آدمی تھے اور آرٹ کے بہترین نقاد کے طور پر جانے جا[illegible] تھے۔ شاہنواز احمد نے اپنی مسکراہٹ زیر لب دبائی اور ان کی تائید میں سر ہلایا۔

''آپ کو یاد ہے نا جو میں نے ایک سیریل آف پروگرامز بنایا تھا پاکستان کی تاریخی عمارات کے وزٹس کا''

''جی اچھی ط[illegible]''

[illegible]ان پروگرامز کے کلپس یہ واہیات قسم کے پاپ سنگر اپنے ری مکسز میں بیک گراؤنڈ کے طور پر استعمال [illegible] بغیر کسی اجازت کے۔''

''[illegible] رائٹ ایکٹ بہت کم زور ہے جناب' پائریسی کے بارے میں تو سنا ہی ہوگا آپ نے۔''

''درست فرمایا آپ نے شاہنواز صاحب' بس اب تو معاملہ یہ ہے کہ ہمارا زمانہ اب ختم ہوا چاہتا ہے۔ وقت [illegible] وقت کے تقاضے بدل گئے۔ اب ہمارے' آپ جیسے لوگوں کو اپنے کاموں کے سلسلے وائنڈ اپ کر دینے [illegible]''

''یہ [illegible] سب سے اچھی بات ہے' آپ نے دیکھا اور محسوس کیا ہی ہوگا صاحب! میں نے تو خود کو بالکل محدود [illegible] ہے۔ کیا فائدہ وہاں ٹانگ اڑانے کا جہاں ہماری آپ کی جگہ ہی نہ بنتی ہو۔''

''بس آپ جیسے چند معقول لوگ باقی رہ گئے جو بات کو سمجھتے ہیں شاہنواز صاحب! ورنہ اکثریت تو نئے [illegible] رنگ گئی اور موج اڑا رہی ہے۔'' پروفیسر تقی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اوہ ڈیئر ڈائری!'' اس رات شاہنواز احمد نے اپنی ڈائری پر لکھتے ہوئے کہا۔

''میں خود بھی سوچتا ہوں کہ میرے کتنے چہرے ہیں' کبھی تو بھول سا جاتا ہوں کہ ایک دن میں میں نے کتنے [illegible]ون سے نقاب پہنے اور اُتارے۔ مگر اب یہ جو میں اپنی بیماری سے اٹھا ہوں تو اس کے بعد لگتا ہے کہ میرے [illegible]تنے برسوں بعد ماہیت قلب جیسا کوئی واقعہ ہو رہا ہے۔ شاید شعبہ امراض قلب میں مقیم رہا ہوں اتنے دن اس [illegible]ر شاید کسی کی پل بھر کی رفاقت کا اثر ہے۔ پروفیسر تقی کے بقول اب چند میرے جیسے لوگ ہی تو رہ گئے ہیں [illegible]نے والے جبکہ میرا خیال ہے کہ...... چلو چھوڑ ڈیئر ڈائری میرے خیال کے اظہار کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا [illegible]ں۔''

……✿……

''بڑا حال خراب ہے رابی۔ اتنے اتنے پیسوں کے یہ گھر خریدے جاتے ہیں پر مجھے تو ان کی بناوٹ میں [illegible]ی خرابیاں نظر آتی ہیں۔

یہ دیمک کی لڑیاں دیکھ رہی ہو چھت سے لے کر فرش تک لٹکتی' روزانہ ساری الماری صاف کرنا پڑتی ہیں بھئی [illegible] تو مجھے کوئی مزا نہیں آیا اس جدید قسم کے گھر کا۔'' رباب کے اعصاب کو بی بی کے بالوں کا مساج کرتے ہاتھ [illegible]ے کرتی زبان دونوں ہی سکون پہنچا رہے تھے۔

''کتنا کہا تھا تمہارے بھیّوں نے (بھائیوں نے) کہ ہمارے اتنے اتنے بڑے گھروں میں بڑی جگہ ہے [illegible]ہاں ہی کہیں رہ جاؤ پر ایک لحاظ سے تم نے بھی ٹھیک ہی کیا' گھروں میں جگہ تو مل جاتی اب دلوں میں جگہ کون [illegible]ا۔''

بی بی کی یہ پرانی عادت تھی' وہ خود ہی سوال کرتی تھیں خود ہی جواب دیتی تھیں۔ رباب بھی ان کی بات کا جواب [illegible] بالوں میں گردش کرتی ان کی انگلیوں کے سحر میں کھوئی رہی۔

''اس روز کہہ رہی تھی وہ تمہاری بڑی بھابھی مہوش' اسی روز جب اس نے فون کیا تھا بند پڑا اوون منگوانے کو کہ [illegible] ماشاء اللہ تنخواہ اپنے بھائی کی کل آمدنی کے برابر ہے، لو بھلا کوئی پیمانہ ہے جس پر ناپ لیا کم زیادہ کا حساب۔

''بس ایک تم میں ہی روح سمائی اماں باوا کی تربیت کی ورنہ باقی اولاد تو سب ڈبو بیٹھی ماں باپ کا سکھایا [illegible]''

انہوں نے تیل کی شیشی کا ڈھکن بند کر کے لکڑی کے دانتوں والا کنگھا اٹھا کر اس کے بالوں میں پھیرنا
کیا۔

"کیسے محنت سے پالے تھے تمہارے بال بی بی نے۔" انہیں رباب کی امی یاد آئیں "دیکھو تو کیسے
ان میں اور کتنے گھنے اور لمبے ہیں' سب ان کی محنت کا کمال ہے' اللہ بخشے کہا کرتی تھیں بی بی ایک ہی بیٹی ہے میری
پر سارے شوق پورے کروں گی اوڑھنے پہننے کے' بننے سنورنے کے' مگر قسمت دیکھو' دیکھ ہی نہ سکیں کہ بیٹی جب
سنورنے کی عمر کو پہنچی تو کیسی لگی۔"

"بس چٹیا بنا دیں بی بی!" رباب اب ان کی گفتگو کو انتہائی جذباتی موڑ کی طرف مڑتا بھانپ چکی تھی
نے انہیں اس کام سے فارغ کر کے اور کام کی طرف لگانے کے خیال سے کہا۔

"آپ کہہ رہی تھیں کہ بریانی کا مسالہ خود تیار کریں گی' بازار والا نہیں ڈالنا' اس میں تو وقت لگے گا
خیال ہے کہ اب آپ اس کی تیاری شروع کر دیں۔"

اس کی بات سن کر انہیں بھی یاد آ گیا کہ وہ کچن میں شدید مصروفیت کا دن تھا۔ اس روز ہفتہ وار تعطیل تھی
روز تو اس چھوٹے سے گھر بلکہ فلیٹ میں ڈھنگ سے پکتا اور کھایا جاتا تھا۔

بی بی کے کچن میں چلے جانے کے بعد رباب نے لاؤنج میں بکھری چیزیں سمیٹیں اور ٹی وی آن کر دیا
چینل پر کوئی انڈین پاپ سنگر ایکشن میں تھا۔ اس نے دوسرا چینل لگایا مخصوص سوپ سیریل' مخصوص سٹم
مخصوص "ڈائیلاگ' اگلا چینل سپورٹس' اگلا مخصوص نیوز۔ اس نے ٹی وی بند کر دیا۔

"کتنی یکسانیت ہے زندگی میں۔" اس نے لاؤنج میں ایک طرف بچھے میٹرس پر بیٹھ کر ہینڈ لوشن کا
کرتے ہوئے سوچا۔ "نئی نئی چیزیں اتنی جلدی اور تواتر سے سامنے آ رہی ہیں کہ ان میں کوئی نیا پن نہیں رہا
چارم نہیں نظر آتا۔ زندگی کتنی انمول ہے مگر کتنی بے کیف ہوئی جا رہی ہے۔"

وہ جب کبھی تنہا بیٹھتی' اس پر اسی قسم کی سوچوں کی یلغار شروع ہو جاتی تھی۔ پھر اسے یاد آنے لگتا کہ کچھ
پہلے وہ کتنی آزاد اور ہنگامہ خیز زندگی گزار رہی تھی۔ اسکالرشپ ملنے پر وہ' اس کے والدین اور بھائی کتنے خوش
اس نے وارو ک میڈ کتنا اچھا' کتنا ایکٹو ٹائم گزارا تھا مگر جب وہ اپنی ڈگری لے کر وطن واپس آنے کو تھی تو
زندگی کیسی آندھیوں کی زد میں آ گئی تھی۔ وہ ایک ہی وقت میں ماں اور باپ دونوں کے سائے سے محروم ہو گئی تھی
دونوں ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئے تھے' یہ ایک سانحہ تھا جس کے نتیجے میں دل کو ملنے والے دکھ کی شدت
احساس ایسے سانحے سے گزرنے والا ہی کر سکتا تھا۔ یہ ہی سانحہ تھا جس کے بعد زندگی' اس کی گہما گہمی اور خوشیاں
سے روٹھنے لگی تھیں۔ زندگی بالمشافہ اس سے مصافحہ کرنے سامنے آ گئی تھی' زندگی کی تمام تنگی اور تلخ حقیقتیں بھی
ہی اس پر آشکار ہوئی تھیں۔ اس کے چاروں سگے بھائی چند دن اس غم کو مٹا کر اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے
تھے۔ اور خود اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کون سا ایسا کام جس میں کھو کر وہ بھول جائے کہ وہ کیا کھو چکی
تھی۔

کچھ سمجھ میں نہ آنے پر وہ واپس چلی گئی تھی۔ چند مزید کورس کر لینے کے بعد وہ گزشتہ سال ہی واپس آئی
اس کی ڈگری اس کو انتہائی اچھی جاب دلوانے کے لیے کافی تھی۔ بھائیوں کو اپنی زندگیوں میں مگن دیکھ کر اس
فیصلہ کیا تھا کہ وہ ان کی زندگیوں کو اپنی ذات کی الجھنوں میں ہرگز نہ الجھائے گی۔ جب ہی اس نے ان سے
رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے اس فیصلے پر سب نے شور مچایا تھا اور اعتراض بھی کیا تھا مگر اب اس نے سوچ لیا تھا

ہتر تھا۔
اس کی امی کے زمانے میں ان کے مسلم ٹاؤن والے گھر میں گھر کا کام سنبھالتی تھیں اور اب اس کے سب
بھائی نے انہیں ازراہ مروت گھر میں رکھ لیا تھا۔ اس کی درخواست پر اس کی محبت میں اور کچھ خود کو الیاس
رہنے کے احساس سے چھٹکارے کے لیے وہ اس کے ساتھ آ گئی تھیں۔
ب وہ دونوں اس ملٹی اسٹوری بلڈنگ کے تھرڈ فلور پر بنے اس مختصر مگر پرسکون اپارٹمنٹ میں رہ رہی تھیں۔
ینک کی جاب پر چلی جاتی۔ بی بی گھر کے مختصر کام سنبھالتیں' عبادت کرتیں یا ٹی وی دیکھ لیتیں۔ شام کو اس
وہ ایک دوسرے کو دن بھر کی مصروفیت کے بارے میں بتاتیں اور اسی طرح وقت کٹ جاتا۔ رباب کی
نوکری کے تقاضوں کے علاوہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ اس اتنے بڑے شہر میں بھی ذہنی تنہائی کا شکار تھی۔
دن بھر مصروفیات میں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوتی تھی اور وہ اپنے کام کے سلسلے میں کئی تقریبات
تھی مگر یہ ملاقاتیں بہت رسمی اور سرسری ہوا کرتی تھیں۔
ب کب تک زندگی اس نقشے کے مطابق گزرتی ہے' کون جانے۔" اس نے ناخنوں کو فائل کرتے کرتے
یوار پر لگے کلاک پر نظر ڈالی۔ کلاک کو دیکھ کر واپس آتی نظر اسی دیوار پر ٹنگی پینٹنگ پر پڑ گئی۔ اس پینٹنگ
" لکھا تھا اور شاہنواز احمد کے مخصوص دستخط تھے۔ انہی دستخط سے مزین دو تین اور پینٹنگز بھی اس کے اس
ٹ کی مختلف دیواروں پر سجی تھیں۔
راس روز جب اسفند یہاں آیا تھا تو ان پینٹنگز کو دیکھ کر کیسا موڈ آف سا ہو گیا تھا اس کا۔"
اچانک ایک بات یاد آئی اور اس کی سوچ کا رخ اسفند کی طرف مڑ گیا۔ اس روز جب اس نے اسے
ی کہ وہ اس سے ملنے اس کے گھر آ رہا ہے تو اسے کتنا عجیب لگا تھا۔ وہ بی بی کو اسفندیار کے متعلق کیا بتاتی'
اس کے دل میں کوئی چور تھا بلکہ اسے معلوم تھا کہ اس سے ملنے کے لیے آنے والے کی عمر دیکھ کر بی بی
گی۔ اس کی زندگی میں ایسی ملاقات اور ایسی دوستی پہلے کبھی آئی ہی نہیں تھی۔ مگر پھر اس نے نجانے کیا
ند کو منع نہیں کیا تھا۔
ل لیے کہ وہ اسفندیار تھا۔" اجنبی اور نامانوس لوگوں کے شہر میں جیسے شناسا کوئی مانوس شخص۔" اس نے

نی اس سوچ کے لیے خود کو کوئی دلیل نہ دے پائی تھی مگر کہیں لاشعور میں اس کے اندر احساس جاگزیں تھا
ر ایک ایسا شخص تھا جو کلک کرتا تھا اور جس سے ملاقات رکھی جا سکتی تھی جس سے گفتگو کرنے کے بعد کچھ
نے کا احساس دل میں جاگتا تھا اور کتنی کنفیوز ہوئی تھی وہ اس روز اسے یاد کر کے خود ہی ہنسی آ گئی۔ وہ خود کیا
و تھیں اور قریب تھا کہ اس کی چائے میں چینی کے بجائے نمک ڈال دیتیں۔ اس نے نرمی سے خود ہی ان
م لیا تھا۔
ل میں بیٹا! ہمیں ایسے خاص تو کیا عام مہمانوں کی بھی عادت نہیں ہے نا تو طریقہ ہی بھول سا گیا ہے
اکا۔" اسفند کے جانے کے بعد انہوں نے اپنی بوکھلاہٹ کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔
رنہ کیا ہم نے مہمان نہیں دیکھے تھے اور مہمان داریاں نہیں کی تھیں۔ ارے ہماری جنت مکانی بیگم صاحب
نواز بھی کوئی ہو گا۔ کڑے حالات میں بھی مہمانوں کی آمد پر بچھی بچھی جاتی تھیں۔"
الی سے متعلق بی بی کی بات یاد کرتے کرتے اس نے پھر سر جھٹکا اور اپنا دھیان کسی اور بات میں لگانے کی

کوشش کی۔

کتنی تعریف کر رہا تھا اسفند اس مختصر سے گھر کی' اس کے سکون اور سلیقے کی'' جبکہ وہ کئی کنالوں آسائش ترین کئی گھروں کا مالک ہے' مگر اس کے بقول اسے یہاں آ کر اچھا لگا تھا اور سکون ملا تھا۔ بس اسے کی پینٹنگز پر ضرور الجھن ہوئی تھی۔'' اس نے اٹھ کر آہستہ قدموں سے چلتے چلتے ''الاؤ'' نامی پینٹنگ کے قر سوچا۔

''مگر یہ بھی کیا بات ہوئی بھلا' انسان کی شخصیت سے ذاتی اختلاف کیا اس کی خوبیوں اور ہنر کی نفی کی بن سکتا ہے کبھی۔'' اس نے پیار سے پینٹنگ کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

''جبکہ میرے نزدیک یہ دو چار پینٹنگز اور ان پر لکھی کتابیں' اور ان کے مختلف میگزینز اور اخبارات شدہ مضامین کے تراشے ہی میرے سرمایہ حیات میں سے ایک ہیں۔''

''اور وہ تو سارہ شاہنواز کے متعلق بھی پوچھ رہا تھا۔ اس روز سارہ سے بات ہوتے ہوتے رہ گئی؛ کہاں غائب ہوگئی' چلو ایک کوشش اور کرتے ہیں۔'' وہ اپنی کمپیوٹر چیئر پر بیٹھ گئی۔ ''کتنی مشکل سے اسے سار ای میل ایڈریس ملا تھا' مگر اب تک وہ اسفند یار کے لیے سارہ کے متعلق کوئی بات ڈھونڈ کر نہیں لا سکی تھی۔ کمپیوٹر آن ہونے پر کی بورڈ پر انگلیاں چلانا شروع کیں۔

......✿......

''ہاں' وہ جو کہتی تھی کہ وہ تھی کا کے کی ماں وہ ایک بہت فیشنی لڑکی تھی۔'' بی بی زینب کے ضمیر پر بہت بڑھنے لگا تھا سو انہوں نے اس روز اسفند کے سامنے اقرار کر ہی لیا۔

''اوہ!'' اسفند نے اپنا سر تھام لیا۔ ''کوئی نام پتہ بھی بتاتی تھی یا نہیں؟''

''نہیں' انہوں نے سکون سے جواب دیا۔ ''اسماء کہ اسارہ کر کے نام بتاتی تھی' بعد میں مجھے میرے ایک نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ ٹیلی وژن پر بھی آتی تھی' اخباروں میں اس کی تصویر بھی آتی تھی۔''

''اوہ میرے خدا' بی بی زینب! آپ یہ بات مجھے اب بتا رہی ہیں' یہ اس وقت کیوں نہیں بتایا جب تیرے پاس لے کر آئی تھیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اسفند کی آواز بلند ہوگئی۔

''کیا بتاتی اسفند' باؤ میرے بچے!'' بی بی زینب کی آواز بھرا گئی' ''باپ کا اس کے کوئی اتہ پتہ نہیں تھا کہ مر گیا تھا۔ یہ خود لڑکی چھوڑ کر جو گئی تو واپس نہ آئی۔ پھر بتاؤ بھلا' اس بچے کا کیا قصور تھا اس سارے میں جاتی تمہارے پاس اسے لے کر جو عائشہ نمانی کا خاوند عرصے بعد اسے نہ بلا لیتا۔ تمہیں کیا بتاؤں' وہ عورت خوشیوں کو ترسی ہوئی تھی۔ جب ہی تو بچہ رکھ لیا تھا اس نے اپنے پاس۔ میں نے ہی ذمہ داری لے کر اسے جا تو اپنے خاوند کے پاس چلی جا۔ بچے کی طرف سے بے فکر ہو جا۔ پل جائے گا بڑے اچھے طریقے سے۔ خو میں اتنی جان سکت تھی نہیں کہ بچہ اپنے پاس رکھ لیتی۔ پھر یہ محلے والے ہیں' مجھے عزت دیتے ہیں' پہلے ہی عائ پر ہاتھ رکھنے سے میری طرف سے ٹھنک گئے تھے' کیسے رکھ لیتی اسے اپنے پاس' عائشہ نہ جاتی تو دونوں مل سوکھے پال ہی لیتیں اس بدقسمت کو۔ پر اسے جانا تھا وہ چلی گئی۔ اس واسطے اس غریب کو تمہارے پاس۔ میرے بچے! میں نے تو اپنی طرف سے بڑا سوچا سمجھا تھا۔''

بی بی زینب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ احساس شرمندگی کے ساتھ ساتھ بچے کی شکل بار آنکھوں کے سامنے آ کر انہیں رلا رہی تھی۔''

''اچھی طرح یاد کریں' اس کا نام سارہ تو نہیں تھا۔''

اسفند نے بے چینی سے پوچھا۔

''پتہ نہیں' بچے! کیا نام تھا۔ سارہ تو نہیں اسارہ کر کے بتاتی تھی۔''

''وہ جو عورت عائشہ ہے اس کے پاس کیسے آئی تھی؟ وہ اسے کیسے جانتی تھی۔''

''اس کے پاس جاوید لے کر آیا تھا اسے۔''

''جاوید کون ہے؟''

''پتا نہیں' عائشہ کا کوئی رشتے دار تھا کہ جاننے والا' وہ لے کر آیا تھا۔''

''اچھا اگر میں آپ کو اس کی کوئی تصویر دکھاؤں تو پہچان جائیں گی آپ؟''

''ہاں' میں پہچان جاؤں گی' میری یادداشت بہت خراب تو نہیں۔''

اسفند نے اپنے ساتھ لائے کچھ پرانے رسالے ان کے سامنے رکھے۔ کسی شیمپو کا اشتہار تھا وہ جس میں کاکے ماں پر جھاگ بناتی مسکرا رہی تھی۔ وہ کیسے بھول سکتی تھیں۔

''ہاں' یہ ہی ہے۔'' انہوں نے سکون سے کہا اس چمکتے دمکتے چہرے کے ساتھ ہی انہیں کچھ دن پہلے کا روتا ہاتا منتیں کرتا' چہرہ یاد آ گیا تھا اور ان کی آنکھوں کے کونے مزید بھیگ گئے تھے۔ انہوں نے کہتے کہتے اس کی پہلے کی آمد کا قصہ زبان پر ہی روک لیا۔

''پھر یہ بگڑے گا جب کیوں نہ بتایا۔'' انہیں اس سارے قصے سے خوف سا آنے لگا تھا۔

''اس کا نام مہدیار کس نے رکھا تھا۔'' اچانک اسفند کو خیال آیا۔ بی بی زینب کا دل بری طرح دھڑک گیا۔

''میں' میں نے۔'' انہوں نے دل کڑا کر کے اعتراف کیا۔

''یہ نام کیوں رکھا آپ نے۔ کیا اس نے' لڑکی نے؟'' اسفند نے تصویر پر انگلی رکھی۔ ''کچھ بتایا تھا بچے کے اس کے خاندان کے بارے میں۔''

''نہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں نے تو بڑے طریقوں سے ڈانٹ کر' پیار سے اس سے پوچھا تھا کہ بی بی بتا دو بچہ ہے۔ جائز ہے تب بھی ناجائز ہے تب بھی۔ وہ قسمیں اٹھاتی تھی کہ بچہ جائز تھا اور اس کے پاس امانت تھا۔''

''کس کی امانت تھا۔'' اسفند نے چونک کر پوچھا۔

''اس کے مرے ہوئے باپ کی اور کس کی ہو سکتا تھا۔''

''اوہ میرے خدا' بی بی زینب! آپ نے سب کچھ پوچھ لیا' یہ ہی نہ پوچھ سکیں۔'' اسفند نے کڑھ کر کہا۔ ''یہ نہیں پوچھنے کہ اس کا نام مہدیار کیوں رکھا آپ نے۔''

''یہ نام تو بچے! بڑے عرصے سے تھا میرے ذہن میں' جب تم دونوں بھائی پیدا ہوئے تو تمہارے دادا محمد جمیل نے نام رکھے۔ اسفند یار اور شہریار' پھر کہنے لگا' بی بی جی' جب اللہ تعالیٰ آفتاب کو ایک اور بیٹا دے گا نا تو اس کا بھی گے مہدیار' وہ بچہ لے کر جب آئی وہ عورت تو...... محمد جمیل تو بیچارہ ختم ہو چکا تھا۔ رابعہ نے لڑ جھگڑ کر اس کو گھر سے نکال دیا۔ آفتاب اپنی شرافت کی قسمیں کھاتا تھا وہ بچہ بے چارہ جس کا بھی تھا شاید اس کے پاس ہی مہدیار نام ایسے ہی رہ گیا۔'' بی بی زینب اپنی روانی میں بولے جا رہی تھیں۔

''یہ...... یہ کیا سنا رہی ہیں آپ بی بی زینب!'' اسفند کو اپنی سماعت پر شبہ ہوا۔

''اس کے بعد رابعہ اور آفتاب بھی یہاں سے کوچ کر گئے' وہ قصہ وہیں ختم ہوگیا۔''

’’کون سا قصہ بی بی زینب؟‘‘

’’وہی جو تمہارا باپ کہتا تھا کہ اس عورت سے کیا نام تھا اس کا زرینہ کہ اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھی کہ بچہ آفتاب کا تھا۔ یہ تو مجمع لگا تھا محلے میں آفتاب شریف آدمی تھا۔ ہماری نظروں کے سامنے رہتا تھا اس پر شک کرتے۔ وہ عورت ہی کچھ ایسی تھی بڑے بازار سے تعلق تھا اس کا ان عورتوں کا یہی تو کام ہوتا ہے۔‘‘

’’ایک منٹ بی بی زینب ایک منٹ!‘‘ اسفند نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ ’’آپ مجھے ذرا تفصیل سے سنائیں گی۔‘‘

’’تفصیل تو خیر مجھے بھی معلوم نہیں‘ پر یہ یاد ہے کہ بڑا شور مچا تھا ہنگامہ ہوا تھا۔ وہ عورت بد دعا یہاں سے گئی تھی اور اس کے ساتھ جو آدمی تھا‘ وہ بھی آفتاب کو ڈوب مرنے کو کہہ رہا تھا۔ پھر وہ چلے گئے مجمع آفتاب نے سامان سمیٹ لیا۔ سامان سمیٹا کیا شاید بیچ دیا۔ چند دن بعد وہ امیر کبیر آفتاب تھے‘ بڑے سے گاڑی کا مالک‘ یہاں کے لوگ اس کے شان بان دیکھ کر بات کرنا تو کیا سرگوشی کرنا بھی بھول گئے۔ پیسے میں بڑی طاقت ہے‘ یہ سارے عیب ڈھک لیتا ہے اگر ہوں بھی تو۔‘‘

اسفند بی بی زینب کے پاس ایک گتھی سلجھانے آیا تھا‘ ایک اور الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ اس قسم کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ مگر یہ نئی بات سن کر اسے لگ رہا تھا کہ دونوں گتھیوں کے سرے کہیں نہ کہیں ضرور جڑے تھے۔

’’آپ کو بچے کے سلسلے میں مزید کچھ معلوم ہو تو مجھے فوراً اور ضرور اطلاع کیجیے گا بی بی!‘‘ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔

’’یہ بہت ضروری ہے۔‘‘ دروازے سے باہر نکلتے نکلتے واپس مڑ کر اس نے مزید تاکید کی۔

بی بی زینب نے سر ہلا دیا اور کھلے دروازے سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ دروازے بند کر کمرے میں آ کر وہ چارپائی پر جیسے ڈھے سی گئیں۔ انہیں مہدیار یاد آ رہا تھا۔

⁂

’’گاڑی میں سفر کی دعا پڑھی جا رہی تھی۔ کوچ کی ہوسٹس اردو اور انگریزی زبان میں مخصوص اعلان کر رہی تھی۔ گاڑی کب چلے گی۔ کتنے گھنٹے میں کس وقت منزل مقصود پر پہنچے گی۔ سیٹ بیلٹس باندھنے اور سگریٹ نوشی نہ کرنے کی ہدایات۔ پھر گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ تمام مسافر اپنی اپنی سیٹوں پر آرام سے بیٹھ چکے تھے۔ ہوسٹس مسافروں میں ہیڈ فونز تقسیم کر رہی تھی۔ ہینڈ بیگ کیبن پر ہاتھ رکھے رکھے وہ دائیں بائیں مسافروں کے پیکٹ تھماتے ہوئے سیٹ نمبر بائیس تک پہنچی تو اس سیٹ پر بیٹھے شخص سے اس کی نظریں لمحہ بھر کو ٹکرائیں۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ یہ شخص شناسا سا تھا‘ یہ چہرہ بہت مانوس‘ مگر وہ اس پر نظر نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ اس سے آگے بڑھ گئی۔ اس سے پچھلی نشستوں میں سے ایک پر ایک اور شناسا سا چہرہ موجود تھا۔ وہ یقیناً اتفاقات تھے۔ اس چہرے کو اس نے بہت عرصے بعد دیکھا تھا اور اسے لگا تھا جیسے وہ چہرہ کچھ بدل سا گیا تھا۔ اس مسافر نے اسے بالکل بھی نہیں پہچانا تھا مگر وہ اپنی پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ کر اسے ہیڈ فون پکڑانے لگی۔

مسافر لڑکی نے ہیڈ فون لے کر بے نیازی سے سیٹ پاکٹ میں کھسکا دیے۔ دوسری مرتبہ وہ اخبار لے کر قریب آئی تو اس لڑکی کا چہرہ اسے پہلے سے بھی زیادہ بدلا ہوا لگا شاید بہت کم زور‘ شاید غمگین۔

اخبار تقسیم کر کے واپس اپنی جگہ پر جاتے جاتے ایک مرتبہ پھر سیٹ نمبر بائیس پر بیٹھے شخص پر اس

کی نظر پڑی جو یقیناً اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ دل میں شرمندہ ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔ اس مسافر کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

تیسری مرتبہ جب وہ اسنیکس باکس تقسیم کر رہی تھی۔ اس نے نظریں اٹھائے بغیر ہی باکس سیٹ نمبر بائیس کو تھمایا اور سیٹ نمبر ستائیس پر بیٹھی لڑکی کو دانستہ طور پر غور سے دیکھا۔ وہ اردگرد سے بالکل بے نیاز تھی۔ اس نے بلیک پینٹ پر سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے خوب صورت براؤن بال جن کو کئی مرتبہ خود اس نے شیمپو کیے تھے اور ایسے ہی اس کے شانوں پر بکھرے تھے۔ اس کا چہرہ جس کو اس نے کئی مرتبہ فیشل کیا تھا‘ صاف تھا۔ اسے اس کی آنکھوں کے نیچے ایج لائنز بھی نظر آئی تھیں۔

چوتھی مرتبہ وہ کولڈ ڈرنکس لیے پہلی سیٹ سے آخری تک کا سفر طے کر رہی تھی سیٹ نمبر بائیس کے گلاس ہولڈر میں گلاس رکھ کر اس نے اس میں پیپسی انڈیلنا چاہی۔

’’نہیں‘ مجھے کالا نہیں سفید پانی پسند ہے‘ رنگ بھی سفید ہی اچھا لگتا ہے۔‘‘ سیٹ پر بیٹھے شخص نے یقیناً ظرافت کیا تھا۔ اس نے چہرے پر چھائی سنجیدگی کے ساتھ اپنے مخصوص پیشہ ورانہ انداز میں سپرائٹ اس کے گلاس میں انڈیل دی اور آگے بڑھ گئی۔

’’مجھے نہیں چاہیے۔‘‘ سیٹ نمبر ستائیس کی مسافر لڑکی نے کہا اور پھر اپنے خیالوں میں گم ہو گئی۔ اپنے سارے کاموں سے فارغ ہو کر وہ اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔

ان راستوں پر آتے جاتے اسے عرصہ ہو چکا تھا۔ اسے یہ راستے ازبر ہو چکے تھے۔ اس لیے باہر دیکھنے کو اس کا دل نہیں چاہا۔ سامنے موجود ٹی وی اسکرین پر جو منظر دکھائے جا رہے تھے وہ بھی اسے ازبر ہو چکے تھے۔ وہ یونہی سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ جب ہی اس کے بیگ میں رکھے موبائل پر میسج ٹون بج اٹھی۔ اس نے موبائل نکال کر دیکھا۔ اسکرین پر ایک جانا پہچانا نمبر موجود تھا۔

’’آپ کی گاڑی کے پہلی مرتبہ مسافر ہوئے ہیں مس ڈی سوزا! یہ بے نیازی تو بہت ہی بری بات ہے‘‘

میسج پڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ ابھری۔ مگر اس نے موبائل بند کر دیا‘ اس وقت وہ ڈیوٹی پر تھی۔ پھر اس کے قریب لگی بیل بج اٹھی۔ یہ بیل سیٹ نمبر بائیس سے ہی بجی تھی۔ وہ اٹھ کر پیچھے گئی۔

’’مس ڈی سوزا...... مجھے دی نیشن چاہیے۔‘‘ سنجیدہ چہرے کے ساتھ اس سے کہا گیا۔ اس نے خاموشی سے اخبار دیا۔ اسٹاپ اور ٹرمینل تک پہنچتے پہنچتے چار مرتبہ سیٹ نمبر ۲۲ سے اسے کال کیا گیا تھا۔ کبھی پانی کے لیے‘ کبھی اسٹاپ منٹ کے بارے میں پوچھنے کے لیے‘ کبھی ٹشو پیپر لینے کے لیے اور کبھی اخبار واپس کرنے کے لیے۔ وہ ایسے رویوں کی عادی ہو چکی تھی مگر اس مسافر کے متعلق اسے معلوم تھا وہ ایسا کیوں کر رہا تھا اسٹاپ اور ٹرمینل پر تمام مسافر نیچے اتر کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے سوائے اس لڑکی کے۔

’’مس! آپ نیچے نہیں اتریں گی؟‘‘ اس نے اس کے قریب جا کر کہا‘ وہ ایک دم جیسے چونک گئی۔ اس نے خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ یقیناً اس نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔

’’آپ فریش ہونا چاہیں گی؟‘‘ اس نے اپنی بات دوسرے الفاظ میں دہرائی۔ اس نے کچھ دیر اسے دیکھتے ہوئے اس کی بات کو سمجھا اور سر جھٹک دیا۔

’’گاڑی کہاں پہنچ چکی ہے اور کتنا راستہ باقی ہے۔‘‘

اس نے راستہ اور وقت بتایا۔

"مجھے پنڈی کی فلائٹ نہیں مل سکی' اس لیے میں۔" اس نے شاید خود سے کہا' وہ اس لڑکی کو خود اپنے کھوتے دیکھ کر واپس مڑی۔

"ایکسکیوزمی!" اس نے پیچھے سے اسے بلایا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ "آپ کو شاید میں نے پہلے دیکھا ہے۔"

"شاید۔" اب بے نیازی برتنے کی باری اس کی تھی "شاید یہیں اسی گاڑی میں۔"

"نہیں' اس میں تو یہ میرا پہلا سفر ہے۔" اس نے کہا۔ "کہیں اور شاید کہیں اور' میری یادداشت کمزو شاید۔" اس نے اپنا بیگ گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ لینا نے دیکھا ایسا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ ر وہ نہ سمجھنے کے سے انداز میں ٹھٹکی اور واپس مڑ گئی۔ اس کے عین سامنے سیٹ نمبر بائیس کا مسافر کھڑا تھا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔ لوگ ٹھنڈی گاڑی میں بیٹھ کر ٹھنڈ کھا جاتے ہیں شاید۔ پہچانتے ہی نہی وہ بے تکلفی سے بولا' لینا نے مڑ کر لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ پرس میں ہاتھ مارنے کا کام روک کر ا دیکھ رہی تھی۔

"یہ کوئی بڑی پرسنالٹی ہے' بڑا نا۔" لینا نے دبی دبی آواز میں فراز کو جتایا۔ فراز نے اس کے عقب اور ٹھٹک گیا۔ "میں تمہارے لیے کافی کا کپ لایا تھا' پیو گی۔"

"تم سمجھ نہیں رہے ہو' میں آن ڈیوٹی ہوں۔" وہ دانت پیس کر بولی اور آگے بڑھ گئی۔

"ایکسکیوزمی مس' آٹوگراف پلیز۔" فراز دانستہ آگے بڑھا اور اپنی پاکٹ ڈائری کھول کر سیٹ نم مسافر کے آگے جھکا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں کون ہوں' جس سے آٹوگراف چاہیے آپ کو۔"

"آپ اس صابن والی ہیں۔" فراز نے برانڈ کا نام لیا "ہم نے تو کئی پیک خریدے ہیں اس صا کی وجہ سے اور وہ بد ذائقہ مکھن بھی کھایا جس کے بارے میں آپ نے کہا ہے' کوئی اس جیسا۔"

"میں اب کوئی نہیں ہوں' پلیز آپ یہ ڈائری ہٹا لیں۔" اس نے کانپتے ہاتھوں سے سگریٹ اور لا نکالے۔

"آپ جلدی کریں' گاڑی تو چلنے والی ہے۔" فراز نے اسے یاد دلایا۔ "بلکہ شاید یہ ہے ہی منع لیجیے گا۔" اس نے سگریٹ واپس بیگ میں رکھ دیے۔

"آٹوگراف تو دے دیں' میں تو عادی ہوں پرانے لوگوں کے' آؤٹ اسکرین اور آؤٹ آف فیش آٹوگراف لینے کا۔" فراز نے دوبارہ اصرار کیا۔ لڑکی نے ایک لمحے کو اپنے سے آگے والی سیٹ کی پشت کو اس سے ڈائری پکڑ لی۔ اس نے کئی جملے صفحے پر گھسیٹے اور ڈائری بند کر کے اسے واپس کر دی۔ گاڑی کی رو ہو چکا تھا۔ مسافر واپس اپنی سیٹوں پر بیٹھ رہے تھے۔

فراز اپنی سیٹ پر واپس پہنچا۔ لینا دوبارہ سے کچھ اناؤنس کر رہی تھی۔ اس نے سیٹ بیلٹ باندھی ا کے عین اوپر لگی لائٹس کی روشنی میں ڈائری کا وہ صفحہ نکال کر پڑھنے کی کوشش کی۔

"زندگی میں جدوجہد بے کار ہے اور منزل کی تلاش بے معنی' تمام مسافر راستے میں ہی کھو جاتے ہ کے پاس نہ منزل کا پتہ ہوتا ہے نہ ہی راستے کی بھول بھلیوں کا نقشہ۔"

ریزی میں لکھی گئی لائنز کا ترجمہ یقیناً یہ ہی تھا۔

دل پھر بھی مسافر کی طرح زمین بدر ہونے کے حکم کا منتظر رہتا ہے۔ اس مسافر دل نے شاید سیکھا ہی یہی

نے آگے ایک لائن اردو میں لکھی تھی۔

کے سفر میں فراز نے نہ تو لینا کو میسج کر کے تنگ کیا نہ بیل بجا کر بار بار بلایا اور اس کا ذہن ڈائری کے اس کا تھا۔

خواتین و حضرات ہم دس منٹ میں راولپنڈی ٹرمینل پہنچنے والے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ سیٹ ھ لیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ساتھ آپ کا سفر خوشگوار گزرا ہوگا اور آپ آئندہ بھی ہمارے ساتھ سفر ہیں گے۔"

ڑی میں لینا ڈی سوزا کی آواز گونج رہی تھی اور فراز اس لڑکی کو اپنا بیگ سنبھالتے دیکھ رہا تھا جس کا مسافر ب سے زمین بدر ہو رہا تھا اور کب تک اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتے رہنا تھا۔ راولپنڈی ٹرمینل کی ر رہی تھی اور مسافر اپنا اپنا سامان سنبھالے لینا ڈی سوزا کا شکریہ وصول کر رہے تھے۔

''ہماری تو اب بس کٹ رہی ہے مبینہ کلثوم! بونس کی زندگی ہے جو گزار رہے ہیں پر تمہارے لیے دعا کرتا ہوں' بہت کرتا ہوں۔''

ماسٹر جی کی اس بات پر مبینہ کلثوم نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ رجسٹر پر تیزی سے کچھ لکھتا اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔

''آپ یوں مایوسی کی بات تو کبھی نہیں کیا کرتے ماسٹر جی!'' اس نے ہول کر کہا۔

''یہ مایوسی کی بات تو نہیں' حقیقت جو ہے نا اس کا بیان ہے محض۔'' وہ ہنسے اور پھر اس کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھ ہنستے ہنستے چپ ہو گئے۔ ''او تو فکر نہ کر جھیئے تیری شادی کا زردہ کھائے بغیر میں نہیں جانے کا۔ لالے شفیع سے میں فرمائش ڈال کر پکوانا ہے پستے باداموں والا اصل زردہ' ساتھ اس کے کاڑھنی کے دودھ کی ملائی بھی کھانی ہے۔ اس وقت تک تو جینا ہے ضرور جینا ہے مبینہ کلثوم!''

وہ جواباً خاموش رہی۔

''پر ایک بات اور ہے سوچنے کی۔'' اس بات پر اس نے دوبارہ سر اٹھایا۔ ''وہ یہ ہے کہ ادھر فراز احمد تو بنا ہے باؤ فراز' اپنے بیاہ پر بلائے گا وہ بڑے بڑے لوگوں کو' ادھر سنا ہے اب لوگ گاؤں میں' گھروں میں تو شادیاں کرتے نہیں۔ شادی ہالوں میں بلاتے ہیں مہمانوں کو اور ایک ایک یخنی کا پیالہ پلا کر کہتے ہیں۔ چلو اللہ بیلی ہو جاؤ۔ اب یہ تو بڑی مشکل ہو جانی ہے۔ مبینہ کلثوم' ہم بے چارے پینڈو اس ولیمہ پر کیا کریں گے۔ نہ ہم نے وہ یخنی کا پیالہ پینا نہ ہم سے انگریزی بولی جانی چار گھنٹے یہ تو بڑی گڑبڑ ہے بھئی۔''

مانو کو معلوم تھا کہ اب وہ محض اسے ہنسانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''ادھر ہماری بستی کی لڑکیاں بالیاں ڈھولک بجا بجا کر گاتی ہیں۔ ویر میرا گھوڑی چڑھیا۔ اس نواب زادے نے گھوڑی گدھی کسی پر بھی نہیں چڑھنا' اپنے باؤ صاحب کی لمبی گاڑی پر کدھر سے بیٹھ کر کدھر جائے گا بارات لے کر۔ تیرے اور اس کے گھر کے درمیان جو گلی ہے اس پر تو گھوڑی گدھی کے چلنے کا بھی امکان مشکل ہے۔ بکری پر بٹھا جائے شاید تو گزارا ہو جائے' اب کے مانو کو ہنسی آ ہی گئی۔

''چلو جی شکر ہے' مبینہ کلثوم کو ہنسی آ گئی۔'' ماسٹر جی نے ملکھ ناسانس لیا او جھنیئے! یہ جانے کی باتیں تو انسان کرتا رہتا ہے' پھر ہماری عمر کے لوگ تو بچھ یاد و پتے ہیں کہ اب وقت آیا کہ اب آیا۔''

''ماسٹر جی! آپ ایسی باتیں نہ کیا کریں' اللہ آپ ہم سب کی زندگی بھی لگا دے' ابھی تو آپ نے اگلی کئی نسلیں سنوارنی ہیں اس بستی کی۔'' مانو نے بے اختیار کہا۔

''ہاں قیامت دی چھوڑیاں ماسٹر جی نے ہی تو سمیٹنی ہیں پتہ نہیں پھر میرا جنازہ کون پڑھے گا۔''

''مرنے مرانے کی باتیں نہ کریں ماسٹر جی!'' مانو نے گھبرا کر موضوع بدلا۔ ''یہ دیکھیں ادھر سے مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اس نے کاغذ پر نشان لگا کر انہیں دکھایا۔

ماسٹر جی اسے سمجھانے میں مصروف ہوئے۔

''وہ اخبار رسالے جو دیا تھا سعید رلا ہور سے' وہ میرے لیے لائی نہیں؟'' پڑھانے کے بعد انہیں یاد آیا۔

''میں نے اندر آپ کے بستر کے قریب رکھ دیے ہیں۔'' مانو نے کتابیں سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''ماسٹر جی! مجھے تو کتابیں پڑھنے کا بالکل شوق نہیں تھا پر یہ والے رسالے پڑھ کر میں سوچتی ہوں کہ بڑے شہروں میں تو بہت کچھ ہے۔ آپ نے لڑکیوں کے فیشن کے بارے میں تو سنا ہوگا اب تو لڑکے بھی فیشن کرتے ہیں۔ آپ کبھی ان کے کپڑے تو دیکھیں۔''

''اچھا زمانہ آ گیا ہے نا مبینہ کلثوم! جس بات کا پہلے پتہ نہیں تھا اب پتہ چل گیا ہے' ادھر بستی میں تو پہلے ہی نقل کا کام شروع ہو گیا ہے۔ پچھلے دنوں رانی آئی میرے پاس ایک پرانا اخبار مانگنے' میں بڑا خوش ہوا رانی کو اخبار پڑھنے کا شوق ہو گیا ہے پر وہ تو آئی تھی اس اخبار میں سے کپڑوں کا کوئی ڈیزائن دیکھنے۔ سو اب یہ رسالے لایا ہے اسے دیکھ کر ادھر کے لڑکے اس قسم کے کپڑے پہننے لگیں گے۔''

مانو کو لگا ماسٹر جی محض اپنا دھیان کسی اور بات سے ہٹانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ اس نے بغور سے دیکھا اس پر بھی گہری سوچ اور دکھ کی پرچھائیاں تھیں۔ ''کیا خبر ان کو پھر وہ اپنے یاد آ رہے ہوں کیا حوصلہ کرے انسان آخر انسان ہے۔ پھر ماسٹر جی نے کبھی بھی سپر ہیومن ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔'' اس نے سپر ہیومن والی بات اس کے ذہن میں اس لیے آئی تھی کہ وہ ان دنوں اسی موضوع پر پڑھ رہی تھی۔

''یہ دیکھیں ماسٹر جی میک بتھ کے متعلق سوالات میں فراز نے ایک عجیب سا سوال لکھا ہے۔'' اس نے بھی اوپر ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

''ہوں!'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

''اس نے پوچھا ہے کہ چھٹی چڑیل کون تھی؟ اس کا جواب بھی نہیں لکھا۔ اس میں تو صرف پانچ چڑیلوں کا ذکر ہے۔''

''مبینہ کلثوم! ایسے سوالوں کے جواب دے لینے والے ہی انگریزی میں ماسٹر کر لینے کے اہل ہوتے ہیں۔'' ماسٹر جی اپنے مخصوص انداز میں ہنسے اور ان کے چہرے پر معصوم سی مخصوص مسکراہٹ بھی ابھری۔ ''جھیلے چھٹی تو لیڈی میک بتھ ہی تو تھی۔''

''کسی ماڈل پیپر میں یہ سوال نہیں' اس لیے یہ نہیں آ سکتا۔'' مانو کو ہتک محسوس ہوئی۔

''آ گیا تو کیا لکھے گی؟''

''یہی جو آپ نے بتایا ہے۔'' اس نے سر جھکا لیا۔

''اپنے دماغ سے سوچنا سیکھ مبینہ کلثوم!'' انہوں نے کنپٹی پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ''تیرے آنے وال پینڈے اوکھے ہیں' فراز ذہن کا بندہ ہے' اپنے دماغ سے سوچنے والا اس کا ساتھ اتنا سوکھا نہیں ہوگا تیرے لیے زندگیاں محض خواہش کرنے اور ان کی تکمیل کا نام نہیں ہوتیں' خواہش کی تکمیل پر خود کو اس کا اہل ثابت کرنے کا ہے۔''

مانو نے ان کی بات غور سے سننے کے بعد اپنی چادر کا پلو میں۔ باندھ لی۔

''میں نے پلو سے باندھ لی آپ کی نصیحت ماسٹر جی! پر ایک بات میرے دل میں بھی آتی ہے۔ ماسٹر! خواہش جو صرف دل میں ہو اور اس کو پا لینے کے لیے دعا بھی نہ کی جائے بلکہ اس کے حصول کو ناممکن مان لیا جائے پھر اچانک حاصل ہو جائے تو کیا یہ اس بات کی نشانی نہیں کہ اس کو پانے والا بندہ اس کا اہل تھا۔ جب ہی ا پا گیا۔''

''پر آزمائش تو شروع ہو گئی نا مبینہ کلثوم! وہ جو ہے تقدیروں کا فیصلہ کرنے والا' وہ کبھی دے کر آزماتا ہے! نہ دے کر' کبھی دے کر' کبھی واپس لے کر بندہ تو ہر دم آزمائش سے ہی دوچار رہتا ہے۔ مبینہ کلثوم! بڑا مشکل ہے اوپر والے کی آزمائشوں پر پورا اترنا' ان پر صبر کرنا۔'' مانو نے دیکھا' عینک کے شیشوں کے پیچھے سے جھانکتی ماسٹر جی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''ایسے بھی تو ہوتے ہیں نا ماسٹر جی' جن کو اللہ کسی آزمائش میں نہیں ڈالتا' وہ ساری زندگی بڑے سکون گزارتے ہیں۔''

''جن کو نہیں ڈالتا نا ان کا نہ ڈالا جانا بھی ان کی آزمائش ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے کہ ان کو دیکھتا ہے' جج کرتا ہے کہ آزمائش میں نہ ڈالے جانے پر وہ اس کا کتنا شکر ادا کرتے ہیں! کو کتنا یاد رکھتے ہیں۔ سو بات کا خلاصہ یہ ہے مبینہ کلثوم! کہ انسان کا مقسوم ہے کہ وہ آزمائش میں ڈالا جائے اور اگر غلط صحیح کا فیصلہ ہو جانا ہے۔''

''میں تو کم حوصلہ' محدود زندگی گزارنے والی عام سی لڑکی ہوں ماسٹر جی میں اس آزمائش پر کیسے پوری اترو گی؟''

اس روز گھر واپس آ کر تندور پر روٹیاں لگاتے ہوئے چادر کا پلو ہاتھ میں آ جانے پر مانو نے اپنی اور ماسٹر کی گفتگو کرتے ہوئے سوچا۔ ''فراز میرے بچپن کے ساتھی۔ کبھی تم اور تمہارا ساتھ میری آزمائش بن جائے گا نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔''

......۞......

''دیکھو' میں کچھ دن یہیں ہوں' یہ میرا ایڈریس اور موبائل نمبر ہے' تم مجھ سے ضرور ملنا۔''

لینا ڈی سوزا کے بیگ میں کاغذ کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا موجود تھا۔ جو اس روز اس اس گاڑی پر سفر کرنے وا سیلبریٹی نے سفر اختتام پر اسے دیا تھا۔ اور جسے دیکھ کر ہر بار اسے دینے والی کی بات یاد آ جاتی تھی۔ اس نے یہ کا اسے کیوں دیا تھا۔ وہ اس سے کیوں ملنا چاہتی تھی اسے قطعی اندازہ نہ ہو پایا تھا۔ مگر فراز سے اس بات کا ذکر کرنے جس تاکید کے ساتھ اس نے ضرور اس سے ملنے کے لیے کہا تھا وہ اس پر بھی حیران تھی۔

''مگر میں اس سے کیوں ملوں؟'' اس نے فراز سے بھی پوچھا تھا۔

''یونہی!'' اس نے بے نیازی سے کہا۔ ''ایسی خاص ہستیوں سے ملنے کا موقع ملے تو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔''

''نہیں' مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔'' اس نے لہجے میں تحکم تھا۔

''مگر کیوں؟'' لینا نے اس کے لہجے پر حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''میری خاطر۔'' وہ اس کے جواب پر اتنی حیران ہوئی کہ کچھ ششدر کھڑی اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''مجھے یقین ہے لینا! کہ میری خاطر تم اس سے ضرور ملو گی۔'' فراز نے اپنی بات دوہرائی۔

س نے اتنا اصرار کیوں کیا تھا' لینا نہیں جانتی تھی مگر اس کے ذہن میں کئی سوال جاگے تھے۔

''میرا خیال ہے' ہم اچھے دوست ہیں۔'' فراز نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''محض دوست۔'' لینا کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔

''ایک اچھے لڑکے کی اچھی دوست۔'' فراز کو اس کے لہجے کی تلخی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس کی وجہ بھی اچھی رہا تھا مگر اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''چلو ایسا کرو جو بھی تعلق تم خود سمجھتی ہو اس کی خاطر اس سے ضرور ملو۔''

''مجھے اس سے مل کر کیا کہنا ہے' کیا پوچھنا ہے یہ بھی بتا دو۔''

''کچھ خاص نہیں' بس رسمی باتیں ایسے ہی جیسے کسی نامور شخصیت کے فین اس سے کرتے ہیں۔''

''میں تو اس کی فین نہیں ہوں۔'' لینا نے صاف گوئی سے کام لیا ورنہ ایک وقت وہ بھی تھا' جب یہ میرے پاس کروانے آتی تھی اور اس نے مجھے کمرشلز میں کام کرنے کی آفر بھی کی تھی۔''

اؤے۔'' فراز چونکا ''تم نے اس وقت کیوں نہیں بتایا۔''

ب چونکنے کی باری لینا کی تھی۔ ''فراز!'' اس کے لہجے میں شک تھا تم اس لڑکی کے بارے میں کیا جاننا چاہتے

صرف اتنا کہ وہ آج کل پاکستان میں کیا کر رہی ہے۔ اس کے آئندہ کے اردے کیا ہیں۔''

اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟''

خاص ہی سمجھو۔ بس یوں کرو کہ میرا یہ کام کر دو۔''

ٹھیک ہے۔'' لینا نے شانے اچکائے ''میں منی باجی سے کہوں گی وہ مجھے اس کے بتائے ہوئے ایڈریس تک ا۔''

او اسٹوپڈ!'' فراز نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ''منی باجی سے کچھ مت کہنا' میں تمہیں خود وہاں پہنچا دوں گا' منی ل کا ذکر بھی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

ا کو یہ ساری بات ہی عجیب لگنے لگی۔ وہ فراز سے ایسی بات کی توقع کر ہی نہیں سکتی تھی جو عجیب اور روٹین ی لگے اس نے دو دن کی چھٹی لے رکھی تھی اور یہ دو دن وہ منی باجی کے ساتھ گزارنے کا ارادہ کر کے ب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ فراز سے کیا گیا وعدہ پورا کرنے کے لیے' منی باجی سے کیا بہانہ

......۞......

یہر ذاری......!''

نا ٹک بات نوسرین' کے نام لکھنے کو دل چاہ رہا ہے۔ سنو گ؟ تو لو سنو۔

کدھرے نہ پینڈیاں دساں
وے پردیسیا تیریاں
کاگ اڑاواں، شگن مناواں
وگدی وارے پاواں
تیری یاد پوے تے رووان
تیرا ذکر کراں تا ہساں
کدھرے نہ پینڈیاں دساں
وے پردیسیا تیریاں

دل بہت بھر آیا ہے ڈیر ڈائری' زندگی میں ہر سو شکست ہی شکست ہے' ویرانی ہی ویرانی' زندگی اجاڑ بیابان کر رہ گئی ہے۔ کبھی سوچتا ہوں میرے جیسے مکار' چار سو بیس' عیار شخص نے کبھی سوچا تھا کہ یہ انگلیاں جو فتح سرشاری کے افسانے رقم کرتی تھیں اور اسی قسم کے رنگ کینوس پر بکھیرتی تھیں یہی انگلیاں شکست' ویرانی اور اجاڑ پن کی باتیں لکھیں گی۔ یوں جیسے کسی نے زندگی کا پچھلا باب زبردستی بند کر دیا ہے اور نئے باب کا پہلا صفحہ میرے سامنے دھر کر میرے ہاتھ میں پکڑا دیا ہے۔ میں کب سے سوچ رہا ہوں کہ نئے باب میں کون سی بات لکھوں۔ باتیں تو یوں ساری ختم ہو گئیں۔ ہاں چہرے ہیں جو باقی ہیں اور اکثر میری آنکھوں کے سامنے گھومتے رہتے ہیں۔ وہ سب جو ایک ایک کر کے معدوم ہوئے اور میں یہاں راکھ اور تنکے چننے کے لیے اکیلا رہ گیا۔ ایک اور شعر یاد آ رہا۔ ڈائری! غور سے سننا۔

فیض دلوں کے بھاگ میں ہے' گھر بھرنا بھی لٹ جانا بھی
تم اس حسن کے لطف و کرم پر کتنے دن اتراؤ گے

……✿……

"یہ تم نے کس کو بتایا کہ آج تمہاری سالگرہ ہے؟" اس روز بی بی نے رباب کی آفس سے واپسی پر پوچھا۔ رباب نے پانی پیتے ہوئے بی بی کی طرف دیکھا وہ دونوں ہاتھ کولہوں پر ٹکائے جواب طلب انداز میں دیکھ رہی تھیں اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"خدا خیر کرے کیا ہوا؟" اس نے گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو یہ پھول بھیجے ہیں کسی نے صبح اور یہ پیک بھیجا ہے اسی نے دوپہر کو۔" بی بی نے دونوں چیزیں نظروں کے سامنے لہرائیں۔

"ارے!" وہ حیران ہوئی۔ "یہ کس نے بھیجے ہیں اور آپ کو کیسے معلوم جس نے پھول بھیجے اسی نے بھیجا ہے؟"

"پڑھی لکھی تو واقعی نہیں ہوں' مگر اتنا پھر بھی پتہ ہے کہ ایک ہی بندے نے بھیجی ہیں دونوں چیزیں پوچھا تھا میں نے لانے والے سے۔" بی بی نے سکون سے جواب دیا۔

بو کے بے حد خوبصورت تھا اور گفت کا ریپر پھاڑتے ہوئے اسے یقین تھا کہ یہ دونوں چیزیں اسفند یار نے بھیجی ہیں۔ وہ ایک انتہائی قیمتی پرفیوم تھا' رباب نے سراہتی نظروں سے اس کی پیکنگ کو دیکھا۔ مگر اس کا دل سوچ رہا تھا۔ اسفند یار نے اس کے لیے اتنا اہتمام کیوں کیا' خاص طور سے ان دنوں' جب وہ شہر میں موجود نہ

یہ وہی لڑکا ہے نا جو بہت پیسے والا ہے۔" بی بی کی انکوائری جاری تھی۔

باب خاموش رہی۔ "وہ جو اس روز آیا تھا جس نے چائے بھی پی تھی۔"

جب آپ کو پتا ہے بی بی! تو اتنے سوال کیوں؟" رباب کو بالآخر کہنا پڑا۔

رابی! میرا مطلب ہے کہ۔" اب بی بی نے اس کے قریب بیٹھ کر نرمی سے کہا۔ "دراصل تمہارا کسی سے بھی میل جول نہیں ہے نا اس پر یہ لڑکا...... تم میرا مطلب سمجھ رہی ہو نا؟"

میں آپ کا مطلب بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں بی بی۔" رباب نے غور سے انہیں دیکھتے ہوئے یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے نا بی بی کہ ہم لوگوں سے ملنا چلنا بالکل ہی چھوڑ دیں۔"

ہاں یہ ضروری تو نہیں۔" بی بی نے اس سے اتفاق کیا۔ "مگر تمہاری شخصیت سے جو لوگ واقف ہیں بیٹا! ت ہو گی یہ سن کر۔"

لوگ تو من آئی بات کرنے کے عادی ہیں بی بی! آپ لوگوں کی فکر چھوڑیں کہ وہ کیا سوچیں گے' آپ بس گرما گرم چائے پلا دیں مجھے۔" رباب نے انہیں ٹالا۔

چائے کھانے کے بعد ملے گی' تم منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لو۔ میں نے آج موتی چور پلاؤ بنایا ہے اور قورمہ بھی ہے۔ تمہیں یاد ہے نا کہ ہماری بیگم صاحب جنت مکانی جب ایسے کھانے بناتی تھیں تو انہیں پیش کے لیے برتن بھی روایتی قسم کے استعمال کرتی تھیں۔ وہ سرونگ ڈشز یاد ہیں جو تمہارے ابو ولایت سے لائے

باب کو وہ سیٹ یاد آ گیا جس پر اس کی بڑی بھابی نے قبضہ کر لیا تھا۔

اور جرمن سلور کا وہ سرونگ سیٹ جس کے ڈھکنوں کے دائیں بائیں سرونگ چمچ کھڑے کرنے کی جگہ بھی بنی "

بابی ماضی کے سمندر میں تیرنے لگتیں تو انہیں وہاں سے نکالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ رباب انہیں یونہی ماضی میں کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلنے کے بعد جب وہ واپس لاؤنج میں آئی تو بی بی اس ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھیں۔

وضع دار اور خاندانی لوگ تھے بیٹا! تمہارے اماں باوا' یہ کیسے پکتے ہیں موتی چور پلاؤ اور مغلئی قورمہ اور نورتن سب انہی سے سیکھا ہے' اور کہو جو آج کل کی بیبیوں کے ہاتھ میں یہ ذائقہ ہو' یہ ٹیلی ویژن پر جگہ جگہ باورچی لکھڑی اڑاوے واؤ کتنا کبھی یہ کھانے تو پتہ چلے انہیں کہ ذائقہ' رنگ اور خوشبو کسے کہتے ہیں۔"

اب کوئی نیا اسٹار ہوٹل بنا شہر میں تو بی بی ضرور میں آپ کو اس کے چیف شیف کا عہدہ دلواؤں گی' یہ میں وعدہ ل آپ سے۔" رباب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو چلیں کھانا لگاتے ہیں بہت ...رہی ہے۔"

بابی نے اس کی سالگرہ کا اہتمام کرتے ہوئے خصوصی کھانا بنا رکھا تھا اور اپنی پوری کوشش کی تھی کہ کھانے کو یقے سے پیش کریں۔ بی بی کی یہی محبتیں تھیں جو رباب کو زندگی میں کسی بہت اپنے' بہت خیال رکھنے والے اور ناز کرنے والے کے ہونے کا احساس دلائے رکھتی تھیں۔ ورنہ اب تک اپنی زندگی میں جو کچھ وہ کھو چکی تھی' وہ کمی کچھ ہونے کا احساس سے ماورا کر دینے کے لیے کافی تھا۔

اور اب اسفند یار!" اس رات اپنے کمرے میں سونے سے پہلے بیٹھی وہ دیر تک ان پھولوں کو' ان کے

رنگوں اور ترتیب کو دیکھتی رہی اور پھر وہ پرفیوم جو یقیناً اسفند یار خود بھی استعمال کرتا تھا۔ جب ہی اسے یہ خوشبو
لگی تھی۔

''کیا یہ احساس نیا ہے۔'' اس نے سوچا تھا اور یاد کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ دورِ طالب علمی میں کتنے
تھے جو اس سے دوستی کے خواہش مند تھے۔ کسی ایک کے لیے بھی اس کے دل میں نرمی کا احساس نہیں جاگا تھا
اب ایسا کیوں تھا۔ وہ دن بھر کے کام میں مصروف کم از کم دو تین مرتبہ تو ضرور اسفند یار کو یاد کرتی تھی۔

''ویسے یہ برا بھی نہیں۔'' بہت سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا' زندگی میں کوئی احساس تو اچھوتا
چاہئے۔ دل کی مردنی کم ہو جاتی ہے۔

''پھر اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھول کر میل چیک کرنا چاہی بہت سے پرانے ساتھیوں نے اسے اس خاطر
بروش کیا تھا۔ اس نے سب پیغام پڑھ لینے کے بعد ایک بار پھر سارہ شاہنواز کو ڈھونڈنے کی کوشش کی' وہ آن لائن
رباب کی انگلیاں تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔

.......✿.......

''او مارا ڈارلنگ بے بی کائے کو روتا اے' ابی ام تمہارا واسطہ سویٹ چپس بنائیں گا' تم مزے لے لے کر
کھانا۔ ایدر دیکھو' آنٹ للی تمہارا واسطہ کتنا بیوٹی فل ٹوائے لے کر آیا' ایدر ام اس کا بٹن پش کرتا ایا
میوجک (میوزک) بجاتا۔ کم آن ڈارلنگ! رونے کا نائیں اے رونے کا کبھی بھی ینائیں اے'' ایلس گھنٹہ بھر
بچے کو بہلانے کی کوشش میں مصروف تھیں مگر وہ مسلسل روئے چلا جا رہا تھا۔

''آؤ اب ام تم کو کسٹرڈ اور جیلی کھلاتا۔ ام اس میں تمارا واسطہ اسپونج کیک کا پیش بھی ڈالا' کھائیں گا نا۔''
بچہ کسٹرڈ کا پیالہ دیکھ کر اس میں ڈلی سرخ جیلی کی طرف متوجہ ہوا۔
ایلس بچے کو کسٹرڈ کھلاتے ہوئے بولی چلی جا رہی تھیں۔

''اوہو' دیکھو تو تم ام تمہارا نام بھی ابی تک نئیں جانتا' ام تم سے پوچھیں گا تو تم کیسے بتائیں گا' چلو ام تمہارا
نام خود ہی رکھ لیتا' انہوں نے نیپکن سے بچے کا منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔'' پھر اس نے آنکھیں بند کر کے سوچا ''اب کیا نام رکھیں' مسلم نام یا کرسچین نام' وہ بڑبڑائیں
مسلم نیم' یہ مسلم ہی تھا نا' اسٹرڈ جو تم کو اگوا (اغوا) کر کے ایدر لایا' بلڈی کڈ نیپرز' ام تمہارا نام اپنا مرضی کا رکھیں گا
ٹام ایڈمز' جیوفری' ہاں!'' سوچتے سوچتے اچانک انہوں نے آنکھیں کھولیں۔

''ام تمہارا نام جیوفری رکھیں گا ڈارلنگ! کتنا سویٹ نیم ہے یہ جیوفری ڈی سوزا۔'' اب وہ بچے کو تھپک
تھی۔

''ام بڑا دل والا اے مائی ڈارلنگ! ہم اپنا فیملی نیم بی تم کو دیں گا ام تم کو 'جیوفری ڈی سوزا'' کہیں گا اور
تمہارا آنٹ للی ڈیر سارا پیسہ کما لیں گا نا تو ام اس کو کہیں گا۔ للی سارا منی لے کر یہاں سے جانے کا کرو' کسی بڑا
کنٹری کا جہاز میں بیٹھو' جیوفری کو بھی اور ام کو لے کر اور شوں یہاں سے نکل جاؤ۔''
ایلس نے ہاتھ کا جہاز بنا کر اڑاتے ہوئے کہا۔ سوتے ہوئے بچے نے شوں کی آواز پر ایک لمحے کو آنکھیں
کھولیں اور پھر سو گیا۔

.......✿.......

''میں آپ سے' آپ مجھ سے' میرا مطلب ہے کہ ہم کل گاڑی میں ملے تھے۔'' لینا نے اپنے سامنے بیٹھی

...طلب کرتے ہوئے کہا۔ ویسٹرج میں واقع اس بڑے سے محل نما گھر اور اپنی میزبان کے ہائی اسٹینڈرڈ کو
...کا سارا اعتماد ہوا ہو گیا تھا اور اس لمحے اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا اعتماد اور گفتگو صرف اپنے کام سے متعلق
...ی محدود تھی۔

...اور یہاں ہے کیا جس سے میں مرعوب ہوئے جا رہی ہوں۔'' اس نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی ''ہاں یہ
...ہے اور انتہائی قیمتی چیزوں سے سجا ہوا ہے مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ میرے سامنے جو لڑکی بیٹھی ہے
...طرح کی انسان ہے اور کتنی سادہ ہے' کتنی بے تکلف۔'' اس نے خود کو بہت سمجھایا مگر مرعوبیت کا یہ حال تھا کہ
...ی ہوئے جا رہی تھی۔

''پہلے اپنا نام تو بتاؤ۔'' اس کی میزبان نے بہت میٹھے لہجے میں اس سے پوچھا۔

''لینا ڈی سوزا!''

''پہلے تم کسی پارلر پر کام کرتی تھیں' ہے نا؟'' اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اس کا ملازم بیش قیمت
...اسٹرابری پنچ' لینا کو پیش کر رہا تھا۔ لینا نے دیکھا ڈرنک لیتے ہوئے اس کے ہاتھ میں واضح لرزش تھی۔

''جی!'' اس نے گلاس سے چھلک جانے والے قطروں کو تشو پیپر میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے یاد آ رہا ہے کہ اس وقت بھی میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی لکس کو استعمال کرو۔''

''جی!''

''اور تم نے انکار کیا تھا''

لینا نے سر جھکا لیا۔

''لینا ڈی سوزا! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اگر تم میری بات مان جاتیں تو آج فضول قسم کے مسافروں کے آرڈرز
...ٹی ریٹائی انا ؤنسمنٹ کرنے کے بجائے لاکھوں میں کھیل رہی ہوتیں۔''

...بنا کے لرزتے ہاتھ ڈرنک ایک مرتبہ پھر چھلکا دیا۔ اس نے افسوس کرتے ہوئے اپنے قیمتی سوٹ کی قمیص پر
...رال کو ٹشو پیپر میں جذب کیا۔

''مگر اب بھی وقت ہے' بہت زیادہ نہیں گزرا۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ لینا نے نظر اٹھا کر دیکھا اور سوچا کہ ٹوتھ
...کے اشتہار میں اس کے دانتوں سے ستارے لپک رہے تھے' جبکہ اس وقت اس کے دانت سگریٹ نوشی کے
...پیلے پڑ رہے تھے۔

''تمہارے لیے ابھی بھی چانس ہے' بڑا اسکوپ ہے اس فیلڈ میں' تمہیں پتہ ہے آج کل ڈیزائننگ کر رہی
...اپنے شوز کراتی ہوں۔ دنیا بھر کے بڑے شہروں میں۔ تم میری ٹیم کی ممبر بن جاؤ میں تمہیں خود گروم کروں

''آج کل تو بہت لوگ ہیں اس فیلڈ میں۔'' بمشکل ایک مکمل جملہ لینا کے منہ سے نکلا۔

''وہ بہت سے لوگ صرف لوگ ہیں' ہمارا کام ذرا مختلف ہے' ہم ماڈلز کو باقاعدہ تیار کرتے ہیں۔ ہم پروفیشنل
...گروم کرتے ہیں۔ بار بار ریہرسلز نا ریمپ پر ماڈل کی مُوومنٹ' کوریوگرافر کے ساتھ اس کی ذہنی ہم آہنگی'
...یہ سب کہیں نہیں ہو رہا' کسی کے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے۔ میں اسی وجہ سے تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی

...لینا کے پلے اس کی کوئی بات بھی نہیں پڑی تھی۔ وہ اس شعبے کے بارے میں شاید ہی کچھ جانتی تھی مگر ''میں

تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔'' کے الفاظ اسے چونکا گئے اور اسے یاد آ گیا کہ فراز نے اسے یہاں
بھیجا تھا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' اس نے خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میں واپس جا رہی ہوں دبئی شاید اگلے ہفتے میں کسی دن۔'' اس نے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے
کہا۔ ''میں نے دو تین اور لڑکیاں بھی دیکھی ہیں اور ان میں سے دو تو میری ٹیم کا حصہ بننے کے لیے تیار ہو گئی ہیں
دراصل اس کام میں بہت پیسہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اور لوگوں کی طرح تمہیں بھی پیسہ کمانا برا نہیں لگے گا۔'' اس نے
سوالیہ انداز میں دایاں ابرو چڑھا کر لینا کو دیکھا۔

لینا کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی ترجیحات کی فہرست میں پیسہ کون سے نمبر پر درج ہے اور اس کی اسے
ضرورت ہے۔ مگر یہ طے تھا کہ وہ اپنے زمانے کی اس سلیبرٹی سارہ شاہنواز کی آفر پر پل بھر کو بھی غور نہیں کر رہی
تھی۔

''اس سے پہلے ہم دو لڑکیوں کو لے کر گئے تھے اپنے ساتھ۔'' اس کی مخاطب پھر گویا ہوئی یہ دیکھو اس نے
کچھ میگزین اس کے سامنے رکھے۔ یہ دنیا کے مختلف ممالک میں ہونے والے فیشن شوز کے کلپس ہیں۔
آج کل وہ دونوں لڑکیاں مہنگی ماڈلز ہیں' اس کام میں کوئی برائی نہیں جب یہاں کی لڑکیاں یہ کام کر رہی ہیں
تمہارا مذہب تو منع بھی نہیں کرتا۔''

لینا کو اس کی بات پر حیرت ہوئی یعنی ''تمہارا مذہب منع کرتا ہے پھر بھی تم کرتی ہو' جبکہ ہمارا مذہب الٹا...''
کا حلق تک کڑوا ہو گیا اور وہ وہاں سے اٹھ جانے کو بے چین ہوئی۔

''آپ اس کام سے کتنا کما لیتی ہیں کیا اور کتنا؟'' اچانک اس نے سنا وہ اپنی میزبان سے کہہ رہی تھی۔
حیرت ہوئی اس میں اتنا اعتماد کہاں سے آ گیا تھا۔

''پھر آپ مزید کتنا کمائیں گی اتنا' جو زندگی بھر کے لیے کافی ہو گا۔'' اس نے بازو پھیلا کر کہا اور
دیے۔ ''آپ کیا کریں گی اتنا پیسہ کما کر' پیسہ تو بس اتنا ہی کافی ہوتا ہے جو انسان کی ضرورتیں پوری کر دے۔''
سارہ شاہنواز سے مونولاگ سے ڈائیلاگ پر اترتے سن کر ششدر سی رہ گئی۔

''ادھر آپ لڑکیاں پھانستی ہیں' ادھر نجانے ان سے کیا کیا کام کرواتی ہوں گی پیسے کا لالچ دے کر' مفت
دے کر اور شاید شہرت کا بھی۔ اس سے آپ کو کیا حاصل ہو گا۔ کون سی چیز ہو گی جو آپ کو میسر نہیں' کون سی چیز
کی اب آپ کو طلب ہے؟''

اس نے سارہ شاہنواز کی طرف دیکھا جو ہونٹوں پر ہاتھ دھرے اس کے ڈائیلاگ سن رہی تھی۔
''بس کریں۔ اب بس کریں۔'' لینا نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دوبارہ کہا' یہاں اس طرح
بازوؤں اور انسانی تاجروں کی کمی نہیں ہے' آپ تو خداوند کی خاطر اس لسٹ میں سے اپنا نام کٹوا دیں۔ کیونکہ
ایسا نہیں سمجھتی تھی نہ ہی آئندہ سمجھنا چاہوں گی۔ آپ اپنے متعلق میرے الوژن کو اس بری طرح تباہ نہ کریں۔''
''بہت شکریہ' تمہاری تجویز کا یا پھر نصیحت کا یا پھر مشورے کا' جو بھی کہہ لو۔'' سارہ شاہنواز نے اس کے
ہونے پر کہا۔ ''میں کوشش کروں گی تمہاری بات یاد رکھنے کی۔''

''مجھے احساس ہے کہ میری بات سخت ہو گئی' شاید مجھے آپ سے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' لینا نے اب
آواز میں کہا۔ ''مگر سچ تو یہ ہے کہ اچھی بری باتوں کے لیے مذہب کے حوالے دنیا بھی کوئی ٹھیک بات نہیں ہے

ب اچھا کہتے ہیں اور جو برا ہے وہ سب کے لیے برا ہے۔ کیونکہ خداوند نے کسی بھی مذہب میں برے کو
رغیب نہیں دی' دوسری بات یہ ہے کہ مجھے معلوم ہے جس لائن اور جس فیلڈ کی آپ بات کر رہی ہیں۔
اور کتنا اچھا ہے۔ خود میری اپنی فرسٹ کزن للی ڈی سوزا ایسے ہی کسی پروموٹر کے ہتھے چڑھ کر ایک ایسی
پاؤں پھنسا بیٹھی ہے جس سے نکلنا ناممکن ہے' پلیز میم! آپ یہ کام چھوڑ دیں۔ پیسے اور شہرت کے لالچ
آپ دیکھیے گا۔ ایسا کرنے سے خود آپ کی اپنی زندگی پرسکون ہو جائے گی۔'' اس نے واسطہ دیتی نظروں
اہنواز کو دیکھا۔

یں اس پر ضرور سوچوں گی لینا ڈی سوزا'' سارہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
لر میں یہ ضرور کہوں گی کہ تم نے مجھے' میری بات اور میرے کام کو بالکل غلط سمجھا ہے۔ بہر حال اس میں
ئی قصور نہیں۔ قصور تو جنرل ٹرینڈ کا ہے۔''

یں اب چلوں گی' مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' لینا نے اپنا چھوٹا سا پرس اٹھاتے ہوئے کہا۔
چھا یہ تو بتاؤ تمہاری یہ لکس میرا مطلب ہے یوروپین لکس' کس کی دین ہیں؟'' سارہ نے اس کے اٹھتے اٹھتے

یری گرینی ایلس ڈی سوزا اور شاید میری ماں کی بھی جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔''
چھی دلچسپ تاریخ لگتی ہے تمہاری۔'' سارہ نے یوں کہا جیسے وہ انسان نہیں کوئی تاریخی نوادر ہو۔'' اور وہ
ی کزن ہے' ابھی کیا نام بتایا تھا تم نے؟''
لی ڈی سوزا!'' لینا نے سادگی اور بے چارگی سے کہا۔ ''وہ غریب بھی پیسے اور شہرت کے لالچ کی بھینٹ

للی ڈی سوزا۔'' سارہ نے دُہرایا۔ ''میں نے یہ نام کبھی نہیں سنا۔''
میرا خیال ہے کہ وہاں اسے نازنین عرف مس ککو دی ڈانسنگ ڈول کہا جاتا ہے۔''
کہاں؟''
تھیٹر کی دنیا میں۔''
اوہ تھیٹر۔'' سارہ نے ہونٹ سکیڑے' اس کے لہجے میں عجیب سی حقارت تھی۔ ''میں اس لوکل سین کے بارے
ں جانتی' یہ بتاؤ کہ تم لاہور واپس کب جا رہی ہو؟''
شاید کل شام کو میں آن ڈیوٹی ہوں گی۔''
یہ کارڈ رکھ لو ہم لوگ پرسوں شام شاہی قلعہ میں ڈرامہ اسٹیج کر رہے ہیں۔ تم میری مہمان کے طور پر ضرور
نا۔'' سارہ نے نجانے کیا سوچ کر اسے کارڈ پکڑا دیا۔
اسٹیج ڈرامہ وہی تو ہوتا ہے جو تھیٹر میں ہوتا ہے۔'' لینا نے سادگی اور معصومیت سے پوچھا۔ ''ابھی آپ کہہ
آپ اس لوکل سین کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔''
تم واقعی بہت انوسینٹ ہو۔'' سارہ نے مسکرا کر کہا۔ ''چھوڑو اس بات کی تفصیل کو جب تم کو اس فیلڈ میں کوئی
ہیں۔ تم وہ کام کرو جس میں تمہیں مزہ آتا ہے اور جس میں تم اتنا پیسہ کما لیتی ہو جس سے تمہاری ضرورتیں
اتی ہیں۔''

اب ایسا بھی نہیں ہے۔'' اس محل نما گھر سے نکل کر ٹیکسی کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتے لینا نے سوچا

تھا۔ ”پیسے کی ضرورت تو مجھے بھی ہے۔ اگر پیسہ ہوتا تو آنٹ جینس یوں لوگوں کے پیسے اور خدا
ہوتیں۔ پیسہ ہوتا تو گرینی بھی ہمیں یوں چھوڑ کر نہ چلی جاتیں۔ پیسہ ہوتا تو مجھے بھی اس سروس میں
نہ بھگتنے پڑتے۔“ وہ ان ہی اوٹ پٹانگ سوچوں میں غلطاں سڑک کے کنارے چلتی جا رہی تھی۔ جہ
اور بھی بالکل اس کے ہم قدم ہو کر چلنے لگا۔

”مل آئیں آپ اس وی آئی پی سے؟“

”میں کبھی نہ جاتی اگر تم نہ کہتے تو۔“ اس نے ناراض لہجے میں کہا۔ ”آپ دیکھو نا کہیں کوئی
رہی۔“

”میں تمہیں یہاں چھوڑنے کے بعد گیا ہی کب تھا۔ یہیں گھوم رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا تمہیں
ہوگی۔“ فراز نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ یوں ہی چلتے چلتے لینا نے آہستہ آہستہ اسے سارہ شا
والی ساری گفتگو سنا دی۔

”ہوں۔“ اُسے محسوس ہوا اس کی باتیں سن کر فراز کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

”میرے پاؤں دکھنے لگے ہیں فراز! پلیز کوئی ٹیکسی روکو۔“ اچانک لینا کو پاؤں میں درد کا اح

”ہاں، ابھی لو۔“ فراز نے سامنے سے گزرتی ٹیکسی کو اشارہ کیا لینا! ادھر میرا مطلب ہے،
پاس، اس گھر میں کوئی بچہ تو نہیں تھا؟“

”بچہ۔“ وہ چونک کر بولی ”کون سا بچہ، کیسا بچہ؟“ ”نہیں، میں یونہی پوچھ رہا تھا کہ کوئی بچہ تو
میں۔ جب میں تمہیں گیٹ پر چھوڑ رہا تھا تو مجھے لگا اندر سے کسی بچے کی آواز آئی تھی۔“ فراز نے
ہوئے کہا۔

”وہاں تو بچہ چھوڑ، کوئی بڑا بھی نہیں تھا سوائے ایک آدھ ملازم کے۔“ لینا نے ٹیکسی میں بیٹھتے
تم نہیں چلو گے؟“

”نہیں۔“ فراز نے منی باجی کے گھر کا پتہ بتا کر ٹیکسی والے کو اپنے والٹ سے کرایہ نکال کر پکڑ
آباد جانا ہے، آج رات وہاں ایگزیبیشن ہے۔“

”پھر تو منی باجی بھی وہاں جائیں گی؟“

”ہاں، یہ تو ہے۔“ فراز نے سر ہلایا۔

”اچھا!“ لینا کی آواز قدرے نیچی ہو گئی۔ ”چلو۔“ اس نے ٹیکسی والے سے کہا۔ اس کے
احساس ابھرا تھا۔ فراز نے اسے اس نمائش میں شرکت کے لیے نہیں کہا تھا۔ ”ہاں یقیناً میرا اسٹینڈرڈ نہ
بہت دکھ سے سوچا تھا۔

.......۞.......

”اسفند نے کچھ دیر رباب کو حیرت سے دیکھا۔ ”کیا واقعی تم سے سارہ شاہنواز نے اتنی تفصیلی با
”یقین نہیں آ رہا کیا؟“ رباب مسکرائی ”میرا خیال ہے کہ مجھے اس سلسلے میں غلط بیان کی کوئی ض
”اس نے تمہیں اپنی شادی کے بارے میں کیا بتایا؟“

”یہی کہ اس کی شادی نے اسے حسرت، ناکامی اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں دیا۔“

”اور یہ شادی کس سے ہوئی تھی؟“

ں نے یہ تمہیں بتایا۔“

نے پوچھا بھی نہیں۔؟“

نے پوچھا تھا۔ مگر اس نے کہا کہ یہ ماضی کی بات ہے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت وہ نہیں سمجھتی۔“

او رباب! تمہیں معلوم ہے یہ کتنی اہم بات تھی۔“ اسفند نے بھنا کر کہا۔

بات تمہارے لیے اہم تھی، ممکن ہے اس کے لیے نہ ہو۔“

ت کہو یہ اس کے لیے بھی اتنی ہی اہم بات تھی۔“

ی۔“ رباب نے شانے اچکا کر کہا۔ ”لیکن میرے اصرار پر بھی اس نے نہیں بتایا۔“

ے کے علاوہ کچھ اور؟“

رانی باتیں شیئر کرتے رہے، طویل گفتگو کی اصل وجہ ہمارا ماضی میں چلے جانا تھا ویسے بھی میرا خیال ہے
بات کرتے ہوئے ہی بہت سی پرسنل باتیں پوچھنا، یوں لگتا ہے جیسے وہ کسی رپورٹر سے بات چیت کر رہی

ا یہ بھی ہے۔“

نے مجھے بتایا تھا کہ وہ شاہی قلعہ میں کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنے کے لیے لاہور آ رہی ہے۔ اس نے مجھ سے
اس وقت وہ مجھے ملے گی۔ میرا فون نمبر اور ایڈریس اس کے پاس ہے۔“

ھی بات ہے۔ رباب! مجھے اس سلسلے میں واقعی کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔“ اسفند نے سلاد کی پلیٹ
بڑھاتے ہوئے کہا۔

تمہاری اس بات سے اتفاق تو نہیں کہ تمہیں اس معاملے کو پھر سے ادھیڑنا چاہیے مگر یہ بھی ٹھیک ہے کہ
محسوسات مختلف ہوتے ہیں۔ رہا مدد کا سوال تو اس کا وعدہ تم سے کر چکی ہوں ورنہ سارہ سے یوں رابطہ
نہ کرتی۔“

ں میرا تحفہ ملا؟“ اس کی بات سن کر اسفند کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ اس کی نظروں میں
لیے ستائش تھی اور یہ بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ بھی بدل گیا تھا۔

!“ رباب نے فرائیڈ پران پر کانٹے کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ”بی بی نے خاصے سوال و جواب کے بعد
لے کیا تھا۔“

ا کیسا لگا؟“

الکہ بہت مانوس شاید یہی خوشبو تم بھی استعمال کرتے ہو۔“

لیکن میرے والا فارمین ہے، میں نے تحفے کے بارے میں نہیں پوچھا کہ کیسا لگا، میں یہ پوچھ رہا ہوں
تو بھیجنا کیسا لگا؟“

تھا۔“ رباب نے پران اور کانٹے کی جنگ سے دستبردار ہوتے ہوئے کہا۔ ”یہ پہلے بھی تم نے کبھی
ہے؟“

زیر لب مسکرایا ”ٹپیکل ویمن نیچر۔“ اس نے کہا۔

ایسا کئی نہیں، یہ میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ میرے لیے کبھی پہلے کسی نے یوں تحفہ نہیں بھیجا۔ میرا
صنف کے کسی بندے نے۔“

"خیر میں یہ دعوا نہیں کرسکتا کیونکہ میں اپنے دوستوں کے خاص دن یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابھی عرصہ پہلے ہی میں نے لیڈی ایلس ڈی سوزا کو کرسمس پر یوں یاد کیا تھا۔" اسفند نے دانستہ یہ بات کہی تھی۔ رد عمل دیکھنا چاہتا تھا۔

"یہ کون ذات شریف ہیں لیڈی ایلس ڈی سوزا!" رباب نے ناک چڑھا کر پوچھا۔

"ہیں ایک خاتون' کیا کمال کی انسان ہیں ملو گی تو یاد کرو گی۔"

"خیر' لوگوں کے معاملے میں ہماری چوائس ایک سی ہو ایسا ضروری تو نہیں۔"

"ضروری نہیں تو ہو جائے گا۔ اچھے دوستوں کی پسند ناپسند کچھ تو ملتی جلتی ہونی چاہیے۔"

"دیر ہو رہی ہے۔ گھر چلیں اب؟" رباب نے اچانک گھڑی پر نظر ڈالی۔

"ویسے سارہ شاہنواز نے اپنی گفتگو میں کسی بچے کا ذکر تو نہیں کیا تھا" رباب کو اس کے اپارٹمنٹ والے کے گیٹ پر ڈراپ کرنے کے بعد جانے سے پہلے اسفند نے پوچھا۔

"بچہ!" رباب ٹھٹکی "کون سا بچہ؟"

"نہیں کوئی نہیں' بس ایسے ہی۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر گاڑی ریورس کی اور پھر تیزی سے آگے نکل گیا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ منفرد ہے مگر بہت پیچیدہ بھی ہے۔" رباب نے سوچا اور اندر کی طرف مڑی' ابھی اسے اتنی دیر سے واپس آنے پر بی بی کے سوالات کے جواب بھی دینے تھے۔

❁

"تیرا بھائی بشیر کیا کرتا ہے آج کل' پڑھائی سے تو بھاگ گیا' نہ اسکول کی پڑھائی کی' نہ دین کی' کوئی کرتا ہے کہ نکما آوارہ پھرتا ہے؟"

بی بی زینب نے کروشیے کی بیل بنتے بنتے اپنے قریب بیٹھے شاگرد سے پوچھا جو ہل ہل کر سیپارہ پڑھنے میں مشغول تھا۔

"ابا نے اسے ورکشاپ میں لگوایا تھا' وہاں سے بھی بھاگ آیا۔ پھر ابا نے اسے مل میں بھرتی کروایا سے بھگ گیا' ابا نے اسے کہا دفع ہو جا اب گھر نہیں آنا۔ پھر وہ نہیں آیا۔" بچے نے رک رک کر جواب دیا۔

"ہیں' تو اب کہاں ہوتا ہے؟" بی بی زینب نے کروشیہ گود میں رکھ کر عینک کے اوپر سے جھانکا۔

"اماں گئی تھی ماسی پروین کے ساتھ اس کا پتہ کرنے۔ وہ ادھر شہر میں بڑے بڑے جو فلیٹ ہیں نا وہاں ہے ایک فلیٹ میں۔ سارے کام کرتا ہے کوئی انگریز میم صاحب ہے' اس کا۔"

"انگریز میم صاحب نے اسے کیسے رکھ لیا۔ اسے تو ڈھنگ سے پنجابی بولنا نہیں آتی۔"

"انگریز میم صاحب کو آتی ہے اردو بھی پنجابی بھی۔ وہ ڈراموں میں کام کرتی ہے۔ بشیر بڑے مزے سے ہے۔ ڈرامے دیکھتا ہے۔ ٹی وی دیکھتا ہے۔ اچھا اچھا کھانا کھاتا ہے۔ اماں بتا رہی تھی' انگریز میم صاحب کی ہے نا اس نے بشیر کو اپنا بیٹا بنایا ہوا ہے' اس کا کاکا بھی بشیر سنبھالتا ہے اس کے ساتھ مل کر۔"

"دادی کا کاکا؟" بی بی زینب کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"پتا نہیں کس کا کاکا ہے۔ اماں بتا رہی تھی بشیر کہتا تھا کوئی صاحب دے گیا تھا کاکا پالنے کے لیے۔ دادی کا ہے نہ میم صاحب کا کسی اور کا ہے۔ ویسے بھی کاکا انگریز نہیں لگتا' دیسی ہے' اماں کہہ رہی تھی۔"

ب مزہ آ رہا تھا۔

"ہائے' یہ کیسے لوگوں میں پھنس گیا بشیر؟" بی بی زینب نے افسوس کا اظہار کیا۔

"بی بی جی! اماں تو اتنی خوش ہے' بشیر کے بڑے ٹھاٹ ہیں' اس نے اماں کو ہزار کا نوٹ بھی دیا تھا۔ میم نے جوتے بھی اور کپڑے بھی۔ میم صاحب نے بشیر کو موبائل فون بھی لے کر دیا ہوا ہے' باہر کے کام کرنے بائل فون ساتھ لے کر جاتا ہے۔"

"ماں تو کم عقل ہے' کسی نہ کام کی پتہ نہیں کیسے لوگوں میں لڑکا پھنسا بیٹھی ہے اور اس کی کمائیوں پر خوش ایسے لوگوں کا کیا بھروسہ' تو جا کر بھیج اپنی ماں کو میرے پاس' اسے میں سمجھاؤں۔ بشیر کو بھی پیغام بھجواؤں اللہ جانے آج کل کے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ انہیں صرف پیسہ چاہیے یہ نہیں پتہ کہاں سے اور کیسے پار دن بعد چاہے یہ پیسہ گلے کا سانپ کیوں نہ بن جائے۔"

نب بڑبڑا رہی تھیں اور بچے کو چھٹی کر جانے کا موقع مل گیا تھا۔

"اماں کو بھیجتا ہوں۔ بی بی جی!" وہ سیپارہ اٹھا کر بجلی کی سی تیزی سے باہر کو بھاگا تھا۔

❁

یر ڈائری!

ایک پرائیویٹ چینل سے "بہار آئی" کے عنوان سے فیشن شو دیکھا۔ وہی چہرے' وہی رنگ ڈھنگ' وہی میوزک' وہی ادائیں' اب کسی چیز میں کوئی نیا پن لگے بھی کیسے' عرصے سے یہ ہی کچھ تو دیکھ رہے ہیں مگر شو ارڈز دیے گئے تو ماڈلز کی جیولری کی ڈیزائننگ کے لیے جو نام لیا گیا وہ بھی مانوس تھا اور ایوارڈ لینے والے ویسے تو کہنے والے اس کو "فاراز" کہہ رہے تھے مگر وہ وہی فراز احمد تھا جو اکثر میرے پاس بھی آتا رہتا کے اعتماد اور زبان و بیان پر کمانڈ نے مجھے چونکا دیا۔ میں ہمیشہ اس سے کہتا رہا کہ مجھے یقین ہے کہ وہ کچھ بنے گا۔ مگر اتنی جلدی اور اتنا اوپر' مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ڈیر ڈائری! مگر میں بہت خوش ہوں اور اس ر بہت خوش۔ اس لیے کہ اس کامیابی کے حصول کے لیے اس نے کوئی شارٹ کٹ استعمال نہیں کیا۔ اس کی سیڑھیاں روشن اور واضح ہیں' بلیک میلنگ' جھوٹ' فراڈ اور مکاری کا ان میں نام و نشان بھی نہیں۔ اب ہنر اس کے پاس بھی ہے' میرے پاس بھی تھا۔ پھر میں کیوں تاریکی کی سرنگ سے گزر کر یہاں تک پہنچا' ی کے راستے پر سفر کر رہا ہے۔ اس کے آگے سوچ کا منبع بند ہو جاتا ہے۔ شاید جو کبھی سمجھ میں آئے۔

ڈائری! یہ بہرحال کامیابی کی ایک عمدہ داستان ہے' ورسا لکھے سے چلا ہوا لڑکا اسلام آباد کے بہترین فیشن پراڈکٹ لے جاتا ہے کیوں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے Blessed ڈیئر ڈائری He is really blesse اب تو اس سے ضرور پوچھوں گا صاحبزادے! یہ کس مکتب کی کرامات ہیں۔ کبھی آئے گا ڈیر ڈائری تو ضرور

❁

نے لاہور واپسی کے لیے دانستہ اس کوچ میں سیٹ بک کروائی تھی' جس میں لینا کی ڈیوٹی تھی۔ مگر اس روز بیٹھتے ہی اسے محسوس ہوا کہ لینا کے چہرے پر ناراضی بھی تھی اور دکھ بھی۔

کل نے بھی تو کل سے اب تک اسے اگنور کیا ہے' حالانکہ یہ میرے کہنے پر سارہ کی طرف گئی تھی۔" اسے

''تم نے مجھے مبارک باد نہیں دی ایوارڈ جیتنے کی؟'' اس نے اس کے موبائل پر میسج کیا۔

''اتنے بہت سے لوگ دے رہے ہوں گے' ایسے میں میری مبارک باد کی کیا وقعت۔'' لینا نے جوا
اسے یہ خبر منی باجی نے دی تھی۔

''بے قوفی کی باتیں مت کرو۔ اتنے بہت سارے لوگوں اور تم میں بہت فرق ہے لینا ڈی سوزا! مجھ
کبھی پسند نہیں رہی۔'' فراز نے پیغام بھیج کر اپنا موبائل بند کر دیا۔ مگر ڈرنکس لے کر ادھر آتی لینا کے چہرے پر
اور اداسی کے بدستور آثار دیکھ کر وہ الجھن میں پڑ گیا۔

''تم اب کہاں جاؤ گی اس وقت؟'' وہ کوچ رات گئے لاہور پہنچی تھی۔ ٹرمنل پر اترنے کے بعد فراز
سے پوچھا۔

''میں یہیں رہوں گی' صبح مجھے کسی وقت واپس پنڈی جانا ہے۔'' اس نے اپنے بیگ میں کچھ ڈ
ہوئے کہا۔

''لینا تم کیوں ناراض ہو؟'' فراز نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں ناراض نہیں ہوں فراز۔'' لینا نے بھی اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بس میں نے سمجھ لیا ہے کہ میرا اور تمہارا بلکہ میرا تم لوگوں میں سے کسی سے بھی' منی باجی اور دوسر
سے بھی کوئی تعلق نہیں بنتا' میری کمیونٹی مختلف ہے۔ ہم لوگ معاشرے کے اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو کچھ
جائے اس کے بارے میں تم لوگوں کا تعصب اپنی جگہ موجود رہے گا۔ سو میں نے دل کو سمجھا لیا ہے کہ مجھے
چھلانگیں نہیں لگانی چاہئیں۔ جہاں تک تم لوگوں کے خلوص اور ایثار کا تعلق ہے اس کے لیے میں بے حد مشکور ہوا

''ارررے۔'' فراز نے حیرت سے کہا۔ ''کہیں کوئی غلطی یقیناً مجھ سے ہوئی ہے' اس کی لپیٹ میں تم نے
لے لیا۔ مسئلہ کیا ہوا بھئی' میرے کسی عمل سے تمہیں محسوس ہوا کہ تمہاری کمیونٹی کے بارے میں ہمارا رویہ
ہے۔''

''ایسا ہی ہے فراز! ایسا ہی ہے۔ یہ مس سارہ شاہنواز کو شاید اس بات کا ابھی اندازہ نہیں ورنہ وہ بھی کہا
اپنے اس شو میں بلاتیں۔'' لینا نے بیگ سے سارا کا دیا ہوا کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔ یکلخت فراز کو سارا معاملہ
آ گیا۔ ''اوہ!'' اس نے ہونٹ سکیڑے۔ ''تو یہ بات ہے۔''

''چلو تم پنڈی سے ہو آؤ' جب واپس آؤ گی تو اس پر بات کریں گے' میں خود بھی چند دن کے لیے گاؤں
ہوں۔ واپسی پر ملاقات ہو گی بتاؤ تمہارے لیے گاؤں سے کیا لاؤں؟''

''پہلے کبھی لائے ہو جواب لاؤ گے؟''

''پہلے کی بات اور تھی' اب وہاں گاؤں میں ایک ہستی ایسی ہے جس سے میں اگر کہوں کہ ''مجھے کڑھائی
ہوئے کپڑے' خاص طور سے بنائے گئے پراندے' یا موتیوں سے بنے زیور چاہئیں تو وہ مجھے ضرور بنا دے گی۔''
نے لینا سے یہ بات کرنے کا فیصلہ لمحوں میں کیا تھا۔

''وہ کون سی ہستی ہے؟''

''مبینہ کلثوم عرف مانو۔'' فراز کچھ یاد کر کے مسکرایا۔ ''میری منگیتر ہے منگیتر یعنی فیانسی۔''

لینا کی گرفت اپنے بیگ پر کمزور پڑ گئی۔ اس نے یکدم اپنی آنکھیں جھکا لیں۔ ''کتنی تکلیف دہ ہوتی ہیں
حقیقتیں جن کا سامنا کرنے سے ہم ڈرتے ہیں ہمیشہ۔'' اس نے سوچا۔

نہیں فراز! مجھے کچھ نہیں چاہیے' تھینک یو۔'' اس نے بیگ کا اسٹریپ مروڑتے ہوئے کہا۔

جیسے تمہاری مرضی۔'' فراز نے مڑتے ہوئے کہا۔ لینا نے اس کو جاتے ہوئے دیکھنے کے لیے سر اٹھایا اس
اس کے سامنے تھی۔ خاکی پینٹ شرٹ اور جیکٹ میں وہ یقیناً بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ مگر شاید دنیا کی کوئی
لینا ڈی سوزا کے لیے نہیں تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور اندر کی طرف مڑ گئی۔

......❁......

تم پکے خبیث ہو۔'' اسفند نے اپنے آفس میں فراز کو اپنے سامنے بیٹھے دیکھ کر مسکرا کہا۔

کچا خبیث کون ہوتا ہے۔ اور کیسا ہوتا ہے اسفند بھائی؟'' فراز نے بھی مسکرا کر پوچھا۔

مجھے منی باجی نے بتایا تھا تمہارے ایوارڈ کے بارے میں' میں وہ شو دیکھ نہیں سکا' اللّٰہ ریئلی اے میٹر آف

کس کے لیے' میرے لیے یا آپ کے لیے؟''

دونوں کے لیے۔'' اسفند نے فوراً جواب دیا۔ ''میرا خیال نہیں کہ تمہاری کسی اچیومنٹ کو میں کبھی اپنانہ

''

آئی ایم آنرڈ۔'' فراز نے سر جھکا کر کہا۔ ''کچھ بھی نہیں اسفند بھائی! یہ سارے چکر عجیب سے ہیں۔ یہ وہ
میں صرف اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے کرتا ہوں وہ میری پہچان بن رہا ہے اور جہاں میں اپنی
چاہتا ہوں وہاں بھی نجانے کتنا طویل سفر باقی ہے۔''

تم اپنی پہچان کہاں بنانا چاہتے ہو تو مجھے ٹھیک سے پتہ نہیں مگر اتنا یقین ہے کہ تم اپنی منزل ضرور پالو گے۔''

دعائیں ہیں آپ کی اسفند بھائی! مگر اس سارے میں آپ کے رول کے بغیر شاید میں کچھ بھی نہ ہوتا۔''

ماسٹر صاحب اس کے بارے میں کیا کہتے تھے یاد ہے۔؟'' اسفند نے پیپر ویٹ گھماتے ہوئے کہا۔ ''وہ
کہ انسان کے کرم اگر طاقت ور ہوں تو وسائل کے نہ ہوتے ہوئے بھی وہ منزل کو حاصل کر لیتا ہے۔ ایک
وسیلہ اس کے سامنے آتا رہتا ہے کرم نیک ہونا شرط ہے بس۔''

آپ نے ماسٹر جی کو کوٹ کر کے مجھے ان کے لیے مزید اداس کر دیا ہے۔'' فراز نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے
''پچھلا کچھ عرصہ اتنا مصروف گزرا کہ میں ان سے کسی قسم کا بھی رابطہ نہیں کر سکا۔ نہ خط لکھ سکا نہ خود جا سکا۔''

آج بھی لوگ خط لکھتے ہیں کیا؟'' اسفند نے حیرت سے پوچھا۔

ماسٹر جی کہتے ہیں خط آدھی ملاقات ہوتا ہے۔''

وہ انٹرنیٹ' ویب کیم' وغیرہ وغیرہ سے واقف نہیں ہیں نا۔'' اسفند مسکرایا۔

ہو بھی جائیں تو استعمال نہیں کریں گے۔ انہیں چیزوں کا بھرم رکھنا اچھا لگتا ہے نا۔'' فراز نے یاد
اسفند بھائی! ریتوں روایتوں کو زندہ رکھنے والے' تمدنی تشخص برقرار رکھنے والے اب ایسے ہی تو چند لوگ باقی
ہم کیوں انہیں بھی جدید قسم کی چیزوں کے چکر میں ڈال دیں۔ ان کی وجہ سے میرے جیسے بے فکروں کو بھی
پاس داری کا سبق یاد رہتا ہے۔''

اسفند نے اپنے سامنے رکھی فائل بند کی۔ ''یہ بتاؤ' سارہ شاہنواز کے متعلق کچھ پتہ چلا؟''

ان ٹریک مائنڈ۔'' فراز نے دل میں سوچا۔

اتفاق سے بہت پتہ چلا۔'' اس نے پنڈی کے سفر اور لینا کے سارہ کے پاس جانے کا قصہ سنایا۔

''میری اپنی اطلاعات کے مطابق بھی بچہ سارہ کے پاس نہیں ہے۔ مگر بی بی زینب نے تصدیق کی ... بچہ ''مہد یار'' سارہ کا ہی تھا وہی اس کو اس عورت عائشہ کے پاس لے کر آئی تھی۔''

''اور اس نے بی بی زینب یا عائشہ کو بچے کے والد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟'' فراز کے لہجے میں ... تھی۔

''صرف اتنا کہ بچے کا باپ مر چکا تھا اور یہ بھی کہ بچہ اس کے پاس امانت تھا۔''

''یہ بچہ تو مجھے ''Baby's day out'' والا بچہ لگتا ہے' کبھی کہیں پہنچ جاتا ہے کبھی کہیں'' فراز کو اپنی بات پر ہنسی آ گئی۔

''ابھی اس سلسلے میں مزید کچھ معلوم ہونے کی توقع ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں یہ مسئلہ ضرور حل کرا لوں گا''

''کہاں سے ملیں گی مزید معلومات' بھٹی سے یا گورایہ سے؟'' فراز کو تاؤ آ گیا۔

''نہیں' اس بار میری معلومات کا سورس بالکل ایمان داری اور غیر جانبداری پر مبنی ہے۔'' اسفند نے تصور کرتے ہوئے کہا۔

''اور وہ فون کالز جو آپ کو آپ کی مدر کو آتی ہیں؟''

''ان کا نوٹس لینا ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ ڈیڈی کے بقول لوگ ہمیں بلیک میل کر رہے ہیں' کیونکہ کال ان کے پاس نہیں آئی۔''

''اسفند بھائی! ایک ذاتی سی بات پوچھ لوں۔ برا تو نہیں مانیں گے؟'' فراز نے غور سے اسے دیکھ کر پوچھا۔ اسفند نے سر ہلایا۔

''یہ رباب کیانی کون ہے؟''

''تم کیوں پوچھ رہے ہو اور تمہیں رباب کے متعلق کس نے بتایا؟'' اسفند ششدر رہ گیا۔ یہی سوال والد نے بھی کیا تھا۔

''وہاں اسلام آباد میں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ایک دو منی باجی سے رباب کیانی کے ... پوچھ رہے تھے۔ اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ آپ غالباً اس لڑکی سے شادی کرنے والے ہیں۔''

''فراز! میں کوئی شو بزنس کی شخصیت تو ہوں نہیں۔ جو چھینک بھی مارتی ہے تو زبان زد عام ہو جاتی ہے۔ میری میل ملاقاتیں اور مصروفیات اتنی اہم کب سے ہو گئیں کہ ادھر ہوئیں ادھر بندے بندے کو معلوم ہو'' اسفند نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ میں کچھ تو ایسا ہے جو لوگ آپ کی خیر خبر رکھتے ہیں۔ اسفند بھائی! اب بتا ہی دیں یہ رباب کیا ہے؟''

''ایک لڑکی ہے' پرانی کورس میٹ ہے۔ اتفاقاً ملاقات ہوئی اور پھر اتفاق ہے کہ کئی بار ملاقات ہوئی'' اسفند نے ٹالا۔ ''خیر لیو اٹ' یہ بتاؤ اب تمہارے کیا ارادے ہیں۔ سنا ہے تمہیں فیشن ماڈلنگ کی آفر بھی ہوا ... پچھلے دنوں' میں میں تصور کر رہا تھا کہ کیسے لگو گے تم الٹے سیدھے لباس' اور گڑیاں پہن کر ریمپ پر کیٹ واک ... ہوئے۔''

''ہیل ود۔'' فراز نے دانت پیسے۔ ''خدا کا خوف کریں اسفند بھائی! آپ نے سوچا بھی کیسے کہ ... کروں گا۔''

''ایسے ہی مزے لے رہا تھا۔'' اسفند ہنسا۔ ''گاؤں جاؤ گے اب کچھ دن کے لیے؟''

''بالکل جاؤں گا۔ اب بھی نہ گیا تو ماسٹر جی میرے وارنٹ جاری کروا دیں گے۔''

''اپنا ایوارڈ بھی دکھانا ان کو' اور اپنی مصروفیات کی کوریج بھی۔ کہو تو میں پوسٹ کروا دوں۔'' اسفند نے شرارتاً ...

''آپ ایسا کریں گے تو میں پھر واپس نہ آسکوں گا۔ یہ سوچ لیجئے' مجھے جوتے شوتے مار کر وہیں رکھ لیا جائے ...

''چلو معاف کیا' کب جا رہے ہو؟''

''کل آج شام ایک پرانے دوست سے ملنا ہے۔ کل صبح صبح انشاء اللہ نکلوں گا۔'' فراز اٹھتے ہوئے بولا۔

اس کے جانے کے بعد اسفند اس فراز کو یاد کرتا رہا' جس سے اس کی پہلی ملاقات ایلس ڈی سوزا کے گھر پر ہوئی تھی۔ اور آج کا فراز' اس نے سوچا نجانے ایسے کتنے ٹیلنٹڈ ڈلز کے ڈائریکشن نہ ملنے کی وجہ سے رل رہے ہوں گے ... فراز۔'' پھر اسے خیال آیا۔

''اس لڑکے کو ہم لوگ نہ بھی ملتے تو اسے کچھ بن ہی جانا تھا۔ اس کے چہرے پر عزم ہے اور آنکھوں میں کچھ کر گزرنے کا تاثر۔''

''تمہیں یاد ہوگا میں نے تمہیں اپنی فیملی لائف کے بارے میں کیا بتایا تھا؟'' سارہ شاہنواز نے سامنے بیٹھی اپنی پرانی دوست رباب کیانی سے کہا۔ رباب کچھ دن پہلے ہی سارہ کی بتائی ہوئی ایک ایک بات کو دل میں یاد کر چکی تھی اس نے سر ہلا دیا۔

''یہ کہہ دینا کہ میری ماں زندہ نہیں ہے یا یہ کہ مجھے علم نہیں کہ میری ماں کے کوئی رشتہ دار بھی تھے یا نہیں۔ یا یہ کہ بس ایک ہی رشتہ ہے جس سے میں واقف ہوں۔ اور وہ رشتہ باپ کا ہے۔ یہ سب کسی کو بتا دینا اور کسی کا سن لینا آسان بات ہے مگر ان ساری باتوں کو سہنا ان سب کے پیدا کردہ حالات سے گزرنا دوسری بات ہے۔ میں ان حالات سے گزری ہوں۔ میری ذات کی ساری خوبیاں اور خامیاں میرے ان حالات کی نمود ہیں۔''

''تم میرے باپ کو آئیڈیلائز کرتی تھیں نا؟'' پھر سارہ نے رباب سے سوال کیا۔

''میں اب بھی کرتی ہوں۔'' رباب نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک نامور مصور اور سنگ تراش تھے۔''

''وہ اب بھی ہیں' ان کا نام اور ان کا کام ابھی بھی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میں نے شاید ہی کوئی ایسا فنکار ان کا ہو۔ جو نہ دیکھا ہو۔''

''تم اتنے احترام و عقیدت سے ان کا ذکر صرف اس لیے کر رہی ہو رباب کہ وہ تمہارے باپ نہیں ہیں۔ وہ میرے کوئی بھی نہیں ہیں' تم انہیں قریب سے جانتی ہی نہیں ہو۔''

''ہم ہر ایک کے بارے میں قریب سے جاننے کی کوشش کیوں کریں گے۔ جب کہ مجھے ان سے صرف ان کے کام تک ہی تعلق رکھنا ہوتا ہے۔'' رباب جانتی تھی کہ سارہ کے اندر کا غصہ اس کے ہر جواب پر بڑھتا جا رہا تھا مگر وہ اس کو خوش کرنے کے لیے غلط بیانی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تم میری زندگی دیکھو...... سارہ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک ناکام شخصیت ہوں' گڈ

فارتھنگ Total Collapse (مکمل تباہی) میرا ٹوٹل کولیپس ہوا ہے رباب کیانی' صرف اس لیے کہ مجھ
دینے والا میری زندگی کے خاکے کو تراشنے والا' مجھے غلط راستے کی طرف جانے کی ہلاشیری دینے والا میرا باپ
باپ شاہنواز احمد دی گریٹ آرٹسٹ دی لیجنڈ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''تمہیں یاد ہوگا' میں سیکنڈ ایئر میں تھی جب میرے باپ کے شناسا صاحب نے مجھے ایڈ کے لیے ما
آفر کی تھی۔ اس آفر پہ میرا باپ پھولے نہ سماتا تھا اس کے لیے یہ بڑی اچیومنٹ تھی۔ میرا ذہن ناپختہ تھا۔
دور تھا جب روشنیاں' گلیمر شہرت' کبھی بھی بری نہیں لگ سکتی تھیں۔ سو میں بھی اٹریکٹ ہو کر اس کام کی طرف
شہرت ملی' پیسہ ہاتھ آیا۔ بڑی بڑی شخصیتوں سے میل ملاقات بڑھی میں نہ آپے میں رہی نہ آپے سے باہر
ہوں کہ اگر اس وقت کوئی یہ بتانے والا سمجھانے والا ہوتا کہ یہ سب جو ملا ہے اس کو برتتے کیسے ہیں تو شاید
انجام نہ ہوتا' جو ہوا۔''

''آئی ایم سوری سارہ!'' رباب نے اس کی بات کاٹی۔ ''میں شاید سمجھ نہیں پائی کون سا انجام کیا
جب کہ تم میرے سامنے بیٹھی ہو۔ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو۔ اپنی فیلڈ میں اب بھی کام کر رہی ہو۔ تمہارے اس
وزٹ کو مختلف اخبارات اور میگزین کوکور بھی دے رہے ہیں' پھر برا انجام کیا ہوتا ہے؟''

''تم خوش قسمت ہو رباب' کہ ماں باپ کو کھو دینے کے بعد تمہیں ایک باعزت کیریئر کا سہارا مل گیا۔
تربیت ایسے ہاتھوں میں ہوئی جنہوں نے تمہیں' تمہاری سوچ کو میچورٹی' اور ڈائریکشن عطا کر دیے جب ہی تم
میں نہیں آیا کہ برے انجام سے میری کیا مراد ہے تمہیں معلوم ہے جب ایک ایڈ میں مجھے سلیولیس منی بلاؤز
لیے کہا گیا تو میرے متذبذب ہونے پر میرے باپ نے مجھ سے کہا۔ ''کم آن ڈارلنگ! یہ سب بکواس ہے
اور قیود بھی۔ جسم کی اناٹومی ایک جیسی ہوتی ہے۔ سب کی' اس کو ایکسپوز کرنے میں کیا حرج ہے۔''
سارہ نے یاد کرتے ہوئے کہا اس کے چہرے پر دکھ ہی تھا۔

''اور ایسا انہوں نے اس لیے کہا کہ وہ خود نیوڈز بنایا کرتے تھے اپنے ابتدائی دنوں میں' سو جس نے
دینا تھی وہ یہ بات کر رہا تھا تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ مختصر ہوتے ہوتے میرے جسم میرے جسم کو نا معلوم
بھی عادت سی پڑ گئی۔ مجھے کہیں کوئی شرم و حیا کا احساس کبھی بھی نہیں ہوا۔ میں نت نئی دوستیوں میں الجھی
راتوں کو دیر سے گھر آنا شروع کر دیا' میں نے پینا شروع کر دیا سگریٹ بھی شراب بھی مگر میرے باپ کے نزدیک
سوسائٹی اور میرے شعبے کے تقاضے تھے' ان میں کوئی برائی نہیں تھی۔ کبھی سوچتی ہوں تو خیال آتا ہے کہ نجانے
باپ کی زندگی کس قسم کی پابندیوں میں گزری تھی۔ جوان کے خیال نے آزادی پائی تو ساری حدود پیچھے چھوڑ

''گویا تمہارے والد کا تمہاری زندگی میں کوئی کنٹری بیوشن نہیں ہے؟'' رباب نے دانستہ یہ سوال کیا۔

''نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔'' سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں جب چھوٹی تھی تو انہوں نے میرے۔
اچھی گورنس رکھی مجھے پڑھایا' لکھایا گروم کیا۔ میں نے ان کی وجہ سے ملک کے نامور ادیبوں' شاعروں' اسکا
نجانے کون کون سے لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ دنیا بھر کے ملکوں میں ان کے ساتھ کئی کانفرنسز اور سیمینا
کیے۔ انہوں نے میرے لیے بہت کچھ کیا۔ مگر وہ میرے لیے رول ماڈل نہ بن سکے۔ رول ماڈل بننے کے لیے
کو بہت سی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ فرنٹ پر آ کر راہنمائی کرنا پڑتی ہے۔ خود ویسا بننا پڑتا ہے جیسا وہ دوسرا
چاہتا ہے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ایسا کر بھی نہ سکے۔''

''تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری شادی' میرا مطلب ہے تم نے شادی بھی کی تھی؟'' رباب جوابات پو

یا شاید جوابات پوچھنے کے لیے اس نے سارہ سے ملاقات کا اہتمام کیا تھا وہ بالآخر اس کی زبان پر آ ہی گئی۔

''شادی' ہا...'' سارہ نے میز کی سطح پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ نیچے فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔ اس نے
میز پر رکھے بازو ٹکا دیا۔ ''ہاں میں نے شادی بھی کی تھی بلکہ شاید یہ کہنا چاہیے کہ میری شادی بھی ہوئی تھی۔''
میں بہت زیادہ پرسنل گفتگو کر رہی ہوں تم سے۔ وہ جو شاید میں نے اب تک کسی سے نہیں کی' کیا میں تم پر بھروسا
ی ہوں؟''

رباب کے دل نے ایک بیٹ مس کر دی۔ کیا وہ قابل بھروسہ تھی۔ کیا وہ سارہ سے سن کر اسفند کو نہیں بتائے
اس نے ایک گہری نظر سارہ کے چہرے پر ڈالی۔

''اور اگر اس نے یہ گفتگو کسی سے نہ کی شاید اس کا ایک بار پھر نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ اور یہ کس سے
گی۔ کون ایسا ملے گا اس کو جو اس کی ساری سن لے۔ اس کا کتھارسس ہونا ضروری نہیں ہے کیا؟'' اس نے
تھا۔

''جیسے تم مناسب سمجھو سارہ! اگر تمہارا دل مانے تو مجھ پر بھروسا کرو۔''

''ہوں!'' سارہ نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد جیسے کچھ فیصلہ کیا اور اٹھ کر سامنے کی کھڑکی کے قریب
ہوئی۔ ''میں نے اس سے محبت نہیں' عشق کیا تھا۔ اور اب بھی کرتی ہوں۔ شاید عمر بھر کرتی رہوں گی۔ مگر شاید
عشق کے امتحان اور آزمائش میں ناکام ہو گئی' جب ہی تو میرا عشق' عشق لاحاصل رہ گیا۔'' کھڑکی سے باہر کا منظر
تے ہوئے سارہ نے کہنا شروع کیا۔

''لمبی عمر پاؤ گے میاں! مجھے یقین ہے۔'' فراز کو اپنے سامنے پا کر شاہنواز احمد خوش تھے یقیناً بہت خوش۔
فراز نے ان کی خوشی کو محسوس کیا اور حیران ہوا۔ کیا یہ شخص بھی اپنی ذات کے حصار سے باہر آ سکتا ہے۔'' اس
سوچا اور چپ چاپ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''کون سی سواری پر آئے ہو جو یوں بھیگ گئے؟'' انہوں نے اس کے گیلے بالوں اور شرٹ پر نظر آتے پانی
قطروں کے نشان دیکھ کر کہا۔

''موٹر سائیکل پر سر! میری سواری باد بہاری کچھ عرصہ سے اسی دو پہیوں کی مشین پر آتی ہے۔''

''جبکہ تم چاہو تو کسی بھی میک کی گاڑی کا نیا ماڈل خرید لو۔''

''توبہ استغفار' خدا کا خوف کریں سر! میں اور اتنی اونچی سوچ مجھ مسکین پر رحم کریں۔'' فراز نے کانوں کو ہاتھ
تے ہوئے کہا۔

''بھئی میں نے سوچا مرچوں والا کا پوتا تم پر اتنا مہربان ہے۔ یہ کون سی ایسی بڑی عنایت ہو گی۔'' انہوں نے
پے صوفے کے ساتھ لگی بیل کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔

''آپ ایسی بات کر کے ہمیشہ مجھے اپنی محنت اور قابلیت کے بارے میں شک میں ڈال دیتے ہیں۔'' فراز
نے شکوہ کیا۔

''اچھا......'' وہ چونکے۔ ''ایسا ہے تو بھئی میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ مگر یہ بتا دوں میاں کہ آج کے دور
محنت اور قابلیت کو کسی پیٹرن کا تڑکا نہ لگے تو ذائقہ اور رنگ نہیں آتا اس میں۔''

''اور جس دور میں آپ کام کر رہے تھے' اس وقت کیا یہ تڑکا بازار میں نہیں بکتا تھا؟''

""نہیں تب یہ نایاب تھا۔"

""پھر آپ کس طرح اس منزل کو پہنچے؟" فراز نے ان کی تاریخ کے صفحے الٹنے کی کوشش کی۔

""ہم تو میاں اول درجے کے کروک اور الو کے پٹھے تھے۔ ہم نے تو دنیا کی نظروں میں مقدور بھر جھونکی۔ پھر جا کر یہ مقام حاصل ہوا آج کے دور میں یہ کام آسان ہوگیا ہے۔ بہر حال میں تمہاری لیٹسٹ اچیو... بہت خوش ہوا ہوں۔"

""شکریہ" فراز نے آداب بجالاتے ہوئے کہا۔

""اب آئندہ تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

""فی الحال تو گاؤں میں جا رہا ہوں۔ سوچا جانے سے پہلے آپ کے پاس حاضری دے لوں۔ ان ہواؤں فضاؤں کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے آپ؟" فراز نے محسوس کیا اس کی بات سن کر ان کے چہرے پر عجیب سی ... اتر آئی تھی۔

""وہ ہوائیں اور فضائیں تمہیں مبارک ہوں میاں! میں تو تم پر حیران ہوں ادھر شہرت کی سیڑھیاں چڑھ... ہو۔ ادھر گاؤں سے چمٹ کر بیٹھے ہو۔" وہ سر جھٹک کر بولے۔

""گاؤں سے علیحدہ کس طرح ہو جاؤں سر! گاؤں میں تو میری جڑیں ہیں گاؤں میں تو میری شناخت۔ میں نے پس منظر سے جڑے رہنے کا سبق پڑھا ہے سر! اور اس سے جدا ہونے کا انجام میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

""ویری فنی!" شاہنواز احمد کے کانوں میں برسوں پہلے اسی قسم کا پڑھا ہوا سبق گونجنے لگا جس کی آواز نظر... کرکے انہوں نے فراز کی طرف تمسخر اڑانے کے سے انداز میں دیکھا۔

""جو بھی سمجھ لیں سر! میں استادوں کی سکھائی باتیں بھول جانے کا قائل نہیں مجھے یہ بھی سکھایا گیا ہے کہ استا... بات پلے سے باندھ لینی چاہیے۔"

""بس تم دوسروں کے سکھائے پر ہی چلو اپنی عقل استعمال نہ کرنا۔" انہیں خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فرا... باتیں انہیں تاؤ کیوں دلا رہی تھیں۔

""خیر یہ لو یہ کچوریاں کھاؤ اور پکوڑے بھی۔" پھر انہوں نے اپنا دھیان کسی دوسری بات کی طرف لگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میں نے آج موسم کی مناسبت سے بنوائے ہیں۔"

""یہ تو بہت اچھا ہوا کہ میں آج ہی آپ سے ملنے آ گیا ورنہ آپ اکیلے ہی یہ موج اڑاتے۔" فراز نے دانستہ ماحول کو ہلکا پھلکا بنانے کی کوشش کی۔ جب ہی ان کا ملازم ان کا موبائل پکڑے ادھر چلا آیا۔

""ہاں میں بول رہا ہوں" انہوں نے ہاتھ پکڑی پلیٹ ملازم کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

""از اٹ یو سارہ!" پھر وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا۔ میرے بچے! تمہیں بہت مس کرتا ہوں۔ بہت زیادہ یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" وہ اسی طرح باتیں کرتے کرتے کمرے سے ... نکل گئے۔

""اب یہاں ٹھہرنے کا فائدہ نہیں۔" فراز نے صورت حال کو بھانپ کر سوچا اور موٹر سائیکل کی چابیاں اٹھا... باہر نکل آیا۔

✿

""موسم پچھلے روز کی طرح ہی ابر آلود تھا۔ فراز نے بستی میں کسی کو بھی اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ بچوں...

...حاصل کرنے کے لیے سب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ وہ مانوس راستے اسے اس روز جتنے اچھے لگ رہے تھے انہیں دیکھ کر اس کے دل میں خوشی کا وہ احساس نہ جاگا تھا۔ لاہور سے ادھر تک کے سفر میں اسے اس نے اب تک سارے واقعات تسلسل سے یاد آ رہے تھے جب وہ پہلی مرتبہ لاہور گیا تھا۔ کتنا عرصہ اس نے تلاش معاش کی فکر میں گزارا تھا۔ لاہور میں وہ کیسی کیسی جگہوں پر رہا تھا۔ چلچلاتی گرمی اور جسم کاٹ دینے ... میں وہ کہاں کہاں خوار ہوا تھا۔ اور پھر جیسے ایک دم کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس بھول بھلیوں کے اس ... کیا تھا۔ جو سیدھا سیدھا منزل کی طرف جاتا تھا وہ "دائیں مڑوں کے بائیں کی" فکر سے آزاد ہو گیا ... وہ سارے چہرے یاد تھے جو اب تک کے سفر میں اس کے ساتھ رہے تھے۔ وہ ساری آوازیں اس کے ... گونجتی رہیں جو اس سے محو گفتگو رہی تھیں یہ شاید موسم کا اثر تھا یا پھر کسی یقین کا احساس اس کا دل اس روز سرشار تھا۔

... پہنچ کر بستی کی طرف جانے والی ویگن میں بیٹھتے ہوئے اس نے باہر دیکھا اس جگہ کا منظر وہی برسوں ... پکوڑیوں والے کی ریڑھی لال پیلے سبز شربت بیچنے والے کا ٹھیلا مکئی کے بھٹے بھونتا پٹھان کچے فٹ پاتھ ... سڑک کے کنارے تک مٹی کے برتن سجائے کمہار وہی زبان وہی لب و لہجے "یہ سب کچھ کتنا مانوس سا ہے ..." اس نے اپنا سفری بیگ گود میں رکھتے ہوئے سوچا اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ کمال پور کے موڑ پر ... ایک گھٹا مغرب کی طرف سے اٹھی تھی۔ فراز ویگن سے نیچے اترا تو اس کے سامنے کا منظر کالی گھٹا نے ... لیا۔ وہی کھیت اور کھلیان گندم کی تیار کھڑی فصل۔

"اگر بارش تیز ہوئی تو فصل بھیگ جائے گی۔ کسان کی محنت ضائع ہونے کا خطرہ ہوگا۔"

اسے بچپن میں سنی بات یاد آ گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی شخص بھی ادھر نہیں تھا۔

"آج تو چاچا رلیا بھی نظر نہیں آ رہا۔ اس کا مطلب ہے کہ آج خود ہی جانا پڑے گا۔"

اس نے بیگ سنبھالا اور کچے راستے پر چلنے لگا۔ کچھ فاصلہ طے کر لینے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ کوئی اور بھی پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے گردن موڑی وہ دو لڑکیاں تھیں۔ سرتاپا چادروں میں لپٹی ہوئیں۔

"فرازا!" ان میں سے ایک نے بے ساختہ کہا اور آگے بڑھ آئی۔ "تم کب آئے ہائے! بڑے دنوں بعد شکل دیکھی ہے؟" فراز نے پہچان لیا وہ سعدیہ تھی۔

"مالو! بارش دیکھ کر تم نے کیا دعا مانگی تھی؟ سچ بتانا۔"

پھر اس نے مڑ کر دوسری لڑکی سے پوچھا۔ فراز نے محسوس کیا اس کے دل میں اچانک کوئی لہر اٹھی تھی۔ اب وہ ساتھ ذرا ہی پیچھے چل رہی تھیں اور وہ سعدیہ سے محو گفتگو تھا۔

"آج ہم بڑی مشکل سے گھر والوں سے اجازت لے کر شہر گئے تھے۔ قمیصوں پر کڑھائی کے ٹھپے لگوانے ... چھوٹی بہت سی چیزیں خریدنے واپسی پر یہ طوفان آ گیا۔" سعدیہ اسے بتا رہی تھی۔ وہ اس سے سب لوگوں کا حال دریافت کر رہا تھا۔

"اور تم کیسی ہو مبینہ کلثوم؟" اس نے اچانک پوچھا۔ وہ اس یکدم عود کر آنے والی جھجک سے چھٹکارا پانا چاہتا ... نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"مالو کی تو لگتا ہے زبان ہی گم ہوگئی ہے جب سے تم دونوں کا رشتہ طے ہوا ہے۔ ہم باتیں کرتے ہیں اسے ... یہ گم صم بیٹھی رہتی ہے۔ بس ماسٹر جی سے کچھ باتیں کر لیتی ہے وہ بھی پڑھائی لکھائی کی۔ اتنی مشکل باتیں

کہ میں سنوں تو سر میں درد ہونے لگ جائے۔'' سعدیہ مسلسل بول رہی تھی۔

''اچھا بھئی' میرا تو گھر آ گیا۔ مانو! بارش رک گئی تو شام کو آؤں گی تمہارے پاس پھر دھاگے با
گے۔''

سعدیہ کا گھر بستی کے اندر بنے گھروں سے ذرا پہلے آ جاتا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر تیزی سے کہا۔

''یا پھر تم دونوں ہی آ جاؤ۔ بارش رکنے کا انتظار کر لو۔''

''نہیں بارش کوئی خاص تیز نہیں ہے۔ میں چلوں گا۔''

فراز نے کہا اور چلنے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا مانو اس کے ساتھ چل رہی ہے۔

''کیوں گم صم ہو گئی مبینہ کلثوم؟'' اس نے شرارتاً پوچھا۔

''میری زبان وہم اور اندیشوں نے چھین لی ہے۔'' مانو نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''بہت احمق ہو تم۔ مجھ پر شک کرتے تمہیں شرم تو نہیں آتی۔'' فراز کے لہجے میں وہی پرانی بے تکلّ
آئی۔ ''یاد رکھو جو وہم اور اندیشوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔'' مانو کے دل میں عرصے بعد ٹھنڈک کا احساس اترا ا
برستی بارش محسوس ہونے لگی۔

''کتنے سالوں میں کر لوگی ایم اے' بی اے کی طرح آخری چانس پر؟'' پھر وہ شرارت سے مسکرایا۔

''تم ہو ہی بڑے ذلیل' کبھی اچھی بات نہ کرنا۔'' مانو کو لگا یہ بات کرتے ہوئے وہ بھی کئی سال پہلے
بن گئی ہے۔ فراز کے بچپن کی ہم جولی مبینہ کلثوم' انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بے اختیار ہنس د۔

''مخیر حضرات سے مدد کی اپیل' اخبار میں ایک چھوٹا سا اشتہار چھپا تھا۔

''عمر بھر دکھی انسانیت کی مدد کی ضرورت ہے۔''

شاہنواز احمد نے سرسری نگاہ اشتہار پر ڈالی اور پھر ان کی نظریں اشتہار کے ساتھ چھپی چھوٹی سی تص
پڑیں۔ وہ وہیں ساکت ہو گئے۔ ''نوسرین' ذان کے دل نے کہا وہ پہچان چکے تھے۔

......۞......

''میں نے کہیں سنا تھا کہ محبت کے سو رنگ ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک رنگ ہمارا ضرور ہوتا ہے۔ میں
ب پہلی مرتبہ شہریار محمد کو دیکھا تو نجانے کیوں یہ جملہ جو میں نے پہلے کسی سے سنا تھا' مجھے یاد آ گیا۔ شاید کسی کو
ذ آئے مگر یہ حقیقت ہے کہ شہر محمد کو پہلی مرتبہ دیکھنے پر ہی مجھے یہ خیال آیا کہ جس ''شہریار دل'' کا مجھے انتظار
تھا' وہ مجھ تک آن پہنچا ہے۔''

سارہ شاہنواز نے بند دریچے کے شیشے کے بیرونی حصے پر پھسلتے بارش کے قطروں کو دیکھتے ہوئے رباب کو
وہ اس روز رباب کے ہاں اس کے بلانے پر آئی تھی اور اس کا ارادہ رات یہیں ٹھہرنے کا تھا۔

''وہ مجسم خواب تھا میرے جیسی لڑکی کا۔ اس کی شخصیت میں جو توازن تھا' وہ میں نے کہیں کسی اور شخص میں نہیں
۔ اس کی گفتگو' اس کی نشت و برخاست کا اسٹائل' اس کا علم' اس کی گفتگو بہت الگ' بہت اعلیٰ' بہت منفرد تھی۔ میں
ہیں کر رہی۔ رباب! وہ واقعی ایسا تھا۔ اس کی شخصیت میں چھا جانے کی خاصیت تھی۔ میں کیا اس سے مل لینے
لی بھی شخص کا اس کے کیرزما سے بچنا مشکل تھا مگر وہ جتنا منفرد تھا' اتنا ہی رسائی سے باہر۔ دو تین ملاقاتوں میں'
نے محسوس کیا کہ وہ کھلتا نہیں تھا۔ کسی پر بھی۔ خود سے قریب لوگوں پر بھی نہیں۔ شاید خود اپنے آپ پر بھی نہیں۔ ان
میں ملک کی بیسٹ ماڈل تھی۔ اس سال اس شعبے کے سارے ایوارڈز میں نے جیتے تھے۔ آفیشل' نان آفیشل
ا تقریبات میں مجھے وی آئی پی کے طور پر بلایا جاتا تھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ میں اپنے تئیں بیوٹی کوئین
دی کنٹری تھی مگر ایک شہریار محمد تھا جو مجھے ہاتھوں ہاتھ لینے والوں کے درمیان میرا کوئی نوٹس لیے بغیر اپنے
ب سے محو گفتگو رہتا تھا۔ کہیں اگر کسی کیٹ واک یا فیشن میں موجود ہوتی اور وہ بھی مدعو ہوتا تو میں دیکھتی کہ وہ میری
بھی اتنا ہی بے نیاز اور غیر متعلق نظر آتا جیسا باقی ماڈلز کی۔

یہ صورت حال میرے لیے نئی تھی اور غیر متوقع بھی۔ خصوصاً جب اتنے سارے شہر کی کریم قسم کے لوگ بلکہ
لی کریم قسم کے لوگوں کے لیے مجھ سے بات کرنا' مجھ سے ملنا اور میرے ساتھ کچھ وقت گزارنا ایک اعزاز کی بات
تی تھی۔

''وہ اپنے کامپلیکسز کا شکار ہے سارا!'' ایک روز اس کا ذکر ہونے پر میرے دوست فیروز بھٹی نے مجھے

بتایا۔ ''وہ ٹھگ سے اور ٹھنگ بن جانے والے لوگوں میں سے ہے۔ کبھی تم اس کا بیک گراؤنڈ دیکھو۔ وہ ایک معمولی دکان دار کا پوتا ہے' ایسا دکان دار جس کی وجہ شہرت اس کی چکی پر پسنے والی خالص مرچیں تھیں۔ سو وہ سرخ مرچوں کے کامپلیکس سے نکلے تو کسی سے بات کرے اور کسی کا نوٹس لے۔

میرے لیے یہ کوئی انوکھا انکشاف اس لیے نہیں تھا کہ میں خود اپنے بیک گراؤنڈ سے واقف نہیں تھی' نہ ہی میں نے اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی' مجھے ہمیشہ یہ خوف رہا کہ نہ جانے پردے کے پیچھے سے کیا نکلے گا۔''

''سوری سارہ! میں تمہاری بات کاٹ رہی ہوں۔'' رباب جو اس وقت سے اب تک بڑی خاموشی اور توجہ سے بیٹھی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اچانک بولی۔ ''تمہیں یہ خوف کیوں تھا؟ تمہیں یہ شک کیوں ہوا کہ پردے کے پیچھے سے کچھ ایسا نکلے گا جو تمہیں اچھا نہیں لگے گا؟''

''اپنے باپ کی عادات' شخصیت اور پرسنل لائف کو دیکھ دیکھ کر مجھے یقین تھا بلکہ اب بھی ہے کہ جس شخصیت اور عادات کے وہ مالک ہیں' وہ کسی بھی اچھے اور قابل فخر خاندان کے سپوت کی نہیں ہو سکتی۔''

''ممکن ہے تمہارا اندازہ غلط ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بہت نیک باپ کی ناخلف اولاد ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہو سکتا ہے تو ابراہیم کے گھر آزر کا پیدا ہونا بعید از قیاس تو نہیں۔'' رباب نے اس کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی۔

''میں نے خود انہیں اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرتے دیکھا ہے رباب! وہ لڑکیاں جوان کی بیٹی کی دوست تھیں' اس کی کولیگز تھیں۔ جوان بیٹی کے گھر میں موجود ہوتے ہوئے گھر میں شراب و کباب کی محفلیں برپا کرتے دیکھا ہے۔ ان کے ساتھ ملک کی نامور شخصیات کو بھی اخلاق سے گری ہوئی حرکتوں کا مرتکب ہوتے' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ سب وہ چھپا کر نہیں کرتے تھے بلکہ میری ایسی محفلوں میں شرکت پر بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔''

''تم شہریار محمد کا ذکر کر رہی تھیں۔'' رباب کو محسوس ہوا کہ اگر سارہ یونہی اپنے والد کے متعلق انکشافات کرتی رہی تو خود اس کے اپنے دل سے ان کا احترام اور عقیدت ختم ہو جائے گی۔

''وہ بیک گراؤنڈ کا ذکر تھا۔'' سارہ نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کوئی مرچیں پیسنے والے کا پوتا ہے یا نمک پیسنے والے کا۔ ہے نا؟'' اس نے رباب کی طرف منہ موڑتے ہوئے کہا۔ رباب نے تائید میں سر ہلا دیا۔

''مگر جب میرے اپنے والد صاحب کو معلوم ہوا کہ میں شہریار محمد سے دوستی بڑھانے کی خواہش مند ہوں تو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ میرے کسی فعل پر بھڑک اٹھے۔ مرچوں والا بیک گراؤنڈ چلا چلا کر انہوں نے مجھے سنایا اور شہریار کے والد کے اپ اسٹارٹس کا سارا رویہ بھی بتایا۔

''مگر ڈیڈی! یہ سب لوگ جو آج ہائی کلاس سوسائٹی میں نمایاں نظر آ رہے ہیں' یہ کون لوگ ہیں؟'' میں نے ایک روز ان سے پوچھا۔ ''کوئی اسمگلر ہے' کوئی ذخیرہ اندوز' کوئی ڈکیت ہے تو کوئی جی بھر کر کرپٹ۔ ان کے بیک گراؤنڈز کیا ہیں؟''

مگر وہ اس سلسلے میں میری کوئی بات بھی سننے کو تیار نہیں تھے اور میں تھی کہ خود اس کشمکش میں لٹکی ہوئی تھی کہ شہریار کو اپنی جانب متوجہ کیسے کروں۔''

''گویا ابھی تک بات آگے بھی نہیں بڑھی تھی اور تمہارے والد پھر بھی بھڑک اٹھے۔'' رباب نے ایک مرتبہ پھر

ئی۔

'' سارہ نے گہرا سانس لیا اور آہستہ قدموں سے چلتی اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ''آئی ایم مجھے شدت سے سگریٹ کی طلب ہو رہی ہے۔ کیا میں کچھ اس طرح سے سگریٹ پی سکتی ہوں کہ تمہاری چلے۔''

ت حال رباب کے لیے بہت مشکل تھی۔ اس نے بی بی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا' وہ عشاء کی نماز اس نے ان کے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور لاؤنج کی کھڑکیاں کھول دیں۔ بارش رکنے کے بعد سرد ہوا اندر آنے لگے۔

اس گھر میں کوئی ایش ٹرے نہیں ہے۔ کبھی خیال ہی نہیں آیا کیونکہ یہاں بہت کم لوگ آتے ہیں اور وہ سگریٹ نہیں پیتے۔'' اس نے کچن سے ایک چھوٹی پلیٹ لا کر سارہ کے سامنے رکھتے ہوئے

بات نہیں' مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ مجھ سے دوستی کی تجدید تمہارے لیے مشکلات بھی کھڑی کر سکتی نے ناک سے دھواں نکالتے ہوئے کہا۔ ''ویسے یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اتنے عرصے بعد میں کیسے یاد آ گئی جبکہ میرے پاؤں شو بزنس کی دلدل میں جب کچھ زیادہ دھنس گئے تو تم نے یہاں ہوتے ہوئے بھی مجھ سے تھی۔ تمہیں شاید میری زندگی پسند نہیں تھی۔''

کی آنکھوں کے سامنے اسفندیار کا چہرہ آیا اور پھر اسے سارہ کی کچھ دیر پہلے کی کہی بات یاد آئی۔ ''وہ تک رسائی سے باہر۔''

ہم لڑکیاں.....'' اس نے سوچا۔ دل پھینک لڑکوں سے نفرت کرتی ہیں اور وہ جو منفرد اور رسائی سے باہر کی طرف کھنچی چلی جاتی ہیں۔ کیا یہ ہمدردی اور کسی کے کام آنے کا جذبہ ہے جو میں اسفند کی خاطر سارہ کر رہی ہوں یا پھر وہی سارہ والی بات!'' جس شہریار دل کا مجھے انتظار ہو سکتا تھا' وہ مجھ تک آن پہنچا نے خود سے سوال کیا تھا۔

میں نے سنا کہ تم نے اس فیلڈ کو چھوڑ دیا ہے اور یہ بھی سنا کہ تم تقریباً تنہائی کی زندگی گزار رہی ہو تو میں رہ بھی تنہا ہے' اور میں بھی۔ کیوں نہ تجدید دوستی کر لی جائے۔'' رباب نے مختصراً جواب دیا۔ ''مگر سارہ! نا رہی تھیں شہریار محمد والی' وہ ادھوری رہ گئی۔'' اسے خیال آیا کہ ادھر ادھر کی باتوں میں اصل قصہ رہ ہی نہ

ے پاس سنانے کو اور بھی بہت سی کہانیاں ہیں۔'' سارہ نے سگریٹ کا آخری ٹکڑا پلیٹ میں مسلتے ہوئے ری سوئی شہریار والی بات پر ہی اٹک گئی ہے کیونکہ عورت عمر کے کسی بھی حصے میں ہو' اسے عشق و عاشقی ں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔''

را الزام تھا مگر اسفندیار کی خاطر رباب نے اس کو بھی خاموشی سے سہہ لیا۔

یہ میرے دل کی سچی لگن تھی یا پھر کوئی معجزہ' ایک بار کسی غیر ملکی ہیڈ آف اسٹیٹ کی آمد پر صوبے کے منعقد کی' اس کے فیشن شو میں شہریار بھی مدعو تھا۔ اس فیشن شو کی تھیم ''مغل ایرا'' تھی اور میں نے کی خاطر زیب النساء کا روپ دھارا تھا۔ اس فنکشن کے اختتام پر زیادہ بسرا پہلی مرتبہ شہریار محمد کو میرے اور اس نے مجھ سے وہ بات کہی جسے سننے کی میں عرصہ سے منتظر تھی۔

''سارہ! یہ شہریار محمد ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آج جو تمہارے گیٹ اپ اور چال ڈھال میں فکشن تم نے ''مغل ایرا'' کو واقعی دوبارہ زندہ کر دیا۔''

میں نے اپنے بلیوں اچھلتے دل کو قابو کرتے ہوئے ایک ادائے خاص سے نظر اٹھا کر شہریار محمد کو دیکھا۔ نظروں میں ستائش تھی اور چہرے پر کہیں کھوئے ہونے کا تاثر۔

''بہت شکریہ۔ ویسے زیادہ کمال تو صدیق خان (کوریوگرافر) کا ہے میں نے انکساری برتی۔

''صدیق خان کا کمال کسی اور روپ میں ''مغل ایرا'' کو اس حد تک زندہ نہیں کر سکا جس حد تک آپ کی صورت میں زندہ ہو گیا۔ کہیں کچھ بلکہ بہت زیادہ کمال آپ کا بھی ہے۔''

یہ پہلی مکمل بات تھی جو زندگی میں شہریار محمد نے مجھ سے کی تھی۔ اس کے بعد کی تقریب میں وہ میرے ساتھ یا شاید میں اس کے ساتھ ساتھ رہی اور میں نے دیکھا کہ اس کی واقفیتوں کا سلسلہ بہت طویل تھا۔ وہ انویسٹرز' ڈپلومٹس' لوکل ایلیٹس' منسٹرز' ایڈوائزر۔ اوہ خدا...... وہ کس کو نہیں جانتا تھا اور وہ ازلی اور ابدی حقیقت ہر لڑکیاں فارمز' لوکل' مکسڈ پریڈز وہ سب میں مقبول تھا مگر بے حد بے نیاز' بہت کچھ نظر انداز کرتا ہوا۔ میں قدم قدم اس کا مشاہدہ کرتی رہی۔ اس کے مینرز اس کی گفتگو' اس کا اسٹائل' اس کی شخصیت کے کسی پہلو پر بھی اس کے گراؤنڈ کی چھاپ تھی؟ کیا وہ اپنے بیک گراؤنڈ کی وجہ سے وہ کسی کامپلیکس کا شکار تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میرے نے فیصلہ دیا۔ اس کی کم آمیزی' اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔ اس کے مزاج کا حصہ مگر پھر بھی وہ کتنا جانا جاتا تھا۔ روز میری آنکھیں اچھی طرح کھلیں اور میرا دل چاہا کہ میں اپنے والد صاحب کو بتاؤں کہ عمر بھر جس تپیا کے مقام انہوں نے پایا ہے' وہ بھی وہ بلندی نہیں پا سکا جو آپ کے بقول مرچوں والے کا یہ پوتا مختصر عرصہ میں پا گیا۔

تقریب کے اختتام پر اس نے خصوصی طور پر مجھے وش کیا اور خدا حافظ کہا۔ اس کے وہاں سے جانے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں وہاں اتنے سارے لوگوں میں بھی تنہا رہ گئی تھی۔

اس رات مجھے ایک لمحے کے لئے بھی نیند نہیں آئی۔ میری نظروں کے سامنے بار بار اس کا چہرہ آ تا تھا۔ آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی' اس کی خوشبو میرے اردگرد چھائی رہی۔ یہ تو نہیں تھا کہ میں زندگی میں پہلی بار کسی سے ملی تھی۔ یہ بھی نہیں تھا کہ بہت اچھی شخصیتوں والے مرد میں نے کبھی دیکھے نہیں تھے۔ فارن کوالیفائیڈ گف پرنسز اور شیخ بالی ووڈ کے مشہور اسٹارز' یورپین ہائی اپس میں ان سب کی کمپنی میں رہ چکی تھی۔ خود اپنے ہاں کے جو فیگو سمجھے جاتے ہیں' کون تھا جس سے میرا کانٹیکٹ نہیں تھا مگر میں نے جان لیا تھا کہ وہ شخص جس سے میرا ... سکتی تھی' وہ شہریار محمد کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔''

سارہ کی گفتگو کا سلسلہ بی بی کے کمرے سے نکلنے کی آواز سے ٹوٹا۔ رباب نے تیزی سے اٹھا شاپنگ بیگ میں وہ ٹکڑے الٹ دیے۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کھڑکیاں کھلی رہنے کے باوجود کمرے نامانوس بو سی موجود تھی۔

''ارے لڑکیو......' تم نے کھڑکیاں کیوں کھول رکھی ہیں۔ اچھی خاصی ٹھنڈ ہو رہی ہے کمرے میں۔'' اندر داخل ہوتے ہی متوقع سوال کیا اور کھڑکیاں بند کرنے کے لیے آگے بڑھیں رباب پر گھبراہٹ سوار ہو

''سارہ تم نے اپنے والد کو اطلاع کر دی تا کہ تم آج رات یہاں ٹھہرو گی؟'' یہ سوال بھی اس نے بی بی کرنے کے لیے کیا تھا۔

''میں نے تمہارے کہنے پر اس روز ہی فون کر دیا تھا۔ میرے خیال میں اتنا ہی کافی تھا۔'' سارہ

... رکھائی سے بولی تھی۔

......۞......

... ڈائری!

... پہلی مرتبہ میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے کہ میں کچھ کہنا چاہ رہا ہوں یا شاید لکھنا چاہ رہا ہوں مگر میرے حواس' ... میرا ساتھ نہیں دے پا رہے۔

... ان کی زندگی بھی عجیب چیز ہے ڈیئر ڈائری! یہ خوشی اور غم کا امتزاج ہے' کسی بڑے پڑھے لکھے شخص نے ... غم کا حسین امتزاج کہا ہے۔ مجھے اس لفظ حسین سے البتہ شدید اختلاف ہے جس خوشی کے ساتھ غم ملے' وہ ... ہو جاتی ہے کیونکہ غم کا پلڑا ہمیشہ بھاری ہوتا ہے یہ تھوڑا بھی ہو تو بڑا طاقت ور ہوتا ہے' حاوی ہو جانے ... تصور تو کہیں پاتال میں جا گرتا ہے غم کے آگے خواہ وہ غم ننھا سا ہی کیوں نہ ہو۔

... کچھ میرے ساتھ بھی ہوا۔

... روز مجھے سارہ کا غیر متوقع فون موصول ہوا' اس سے اگلے روز ہی اخبار نے مجھے یہ غیر متوقع خبر دے دی ... ''زندہ ہے۔ وہ نوسرین جو میرے تصور کے مطابق یا تو مر کھپ چکی تھی یا پھر میری بیوفائی کو بھول بھال کر ... اور گھر بسا چکی تھی مگر اس روز اخبار نے مجھے خبر دی کہ ''نوسرین'' ایک پرائیویٹ رفاہی اسپتال میں مفلوج ... پڑی ہے اور اس کے مہنگے ترین علاج کے لیے رفاہی اسپتال کی انتظامیہ کو مالی امداد کی ضرورت ہے۔ ... ایسی باتیں ہوتی ہیں ڈیئر ڈائری! جن کے بارے میں ہم نے سوچا نہیں ہوتا مگر وہ ہو کر رہتی ہیں۔ کچھ ... میں سوچا کرتا تھا کہ جو کچھ انسان سوچتا اور کرتا ہے' وہی اس کے نزدیک سچ ہوتا ہے۔ باقی سب کچھ ... فراغ ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنے گناہوں کا محاسبہ کرتا پھرے مگر آج مجھے لگ رہا ہے کہ میری سوچ ... زندگی کے متعلق غلط تجزیے کرتے ہیں اور کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔

... نے بھی نوسرین کے بارے میں غلط اندازہ لگایا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج صبح میں جب اسی رفاہی ... صورت حال کا اندازہ کرنے کے لیے گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ نوسرین ایک عرصہ سے تنہا زندگی گزار رہی ... نے انسانیت کی جی بھر کر خدمت کی مگر انسانیت نے اسے اس کا بدلہ یہ دیا کہ اب جب وہ مفلوج' لاچار ... کسی غیر ملکی ادارے کی امداد کے سہارے اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہوئی۔ اس کی مختلف تھراپیز جاری ہیں جو ... لاج ہے' اسی وجہ سے ادارے کو مالی امداد کی اپیل کا اشتہار اخبار میں شائع کروانا پڑا۔

... حضرات تو اس معاشرے میں بہت ہیں ڈیئر ڈائری اور دل کھول کر امداد کرتے بھی ہیں مگر اس ہاسپٹل ... میں سوچ رہا تھا کہ اس اسلامی جمہوریہ کے مروجہ قانون کے مطابق نوسرین کی کفالت کی ذمہ داری کس ... ہے؟ کسی ترقی یافتہ مغربی ملک میں اس نے اگر اتنے برس یوں انسانیت کی خدمت کی ہوتی تو کیا وہاں ... کو یوں بے بسی اور محتاجی کی زندگی گزارنے دیتی لیکن ایک بات یہ بھی ہے کہ وہاں سے واپسی پر میں نے ... کر کے آئینے کے سامنے کھڑا کیا اور جب میں نے جھانک کر دیکھا تو اس آئینے میں مجھے اپنی مکروہ اور ... دیکھنے کو ملی۔ میں نے خوف زدہ ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں پھر میرے کانوں میں ایک آواز گونجی۔

... ہو! بدبخت! انسان اپنی کوتاہیوں اور کم ظرفیوں کا اعتراف کرنے سے کیوں کتراتا ہے جبکہ اپنی ... تعریف پر وہ جی بھر کر خوش ہوتا ہے اور فخر کرنے کی ذہنی عیاشی بھی کر لیتا ہے۔''

... ہدایت اللہ کے بھاشن تو اب اکثر و بیشتر یاد آتے ہیں مگر یہ فرمان آج خصوصی طور پر یاد آیا اور مجھے ایسا

محسوس ہو رہا ہے جیسے میرا ذہن ماؤف ہو رہا ہے۔ میں جانتا ہوں ڈیر ڈائری! کہ ایکسٹریم سچویشن (ا
حال) کے ردعمل بھی اتنے ہی ایکسٹریم (انتہائی) ہوتے ہیں۔ جب ہی تو یہ جان کر کہ "نوسرین" کی
ہے۔ میرا دل خوف سے پتے کی طرح کانپ رہا ہے' وہ جو کوئی بھی لڑکی ہے' وہ کس کی بیٹی ہے؟ یہ جملہ
طرح میرے سر پر لٹک رہا ہے۔ میرے جیسا چالاک' خودغرض' چارسوبیس بندہ بھی کبھی یوں لمحوں کی گرفت
گا' میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اب میں چاہے کتنی ہی تاویلیں گھڑ کر خود چکمہ دینے کی کوشش کروں' کیا
سے یہ بات نکل سکے گی کہ نوسرین کی لڑکی کس کی بیٹی ہے؟

بابے ہدایت اللہ کی ایک اور بات یاد آ رہی ہے ڈیر ڈائری! ایک بار میں اس شہر بے مثال
تصویری نمائش کی کامیابی کے بعد خوشی سے پھولا نہ سماتے بابے ہدایت اللہ کے پاس جا کر فخر سے اپ
داستان سنا رہا تھا تو ساری بات سن کر وہ بولا۔

"شاہنواز احمد! بندہ ساری عمر دنیا کی رنگا رنگی اور دل فریبی میں کھو کر خود کو بڑا اہم سمجھتا رہتا ہے۔ ا
ضرور آتا ہے جب اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ تو بے حد معمولی اور تنہا ہے۔"

بابے کی کوئی بات میں نے کبھی دھیان سے سنی ہی نہیں تھی۔ ڈیر ڈائری یہ سوچ کر کہ اس کا تو کام
ہے مگر آج ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس کی ساری باتیں میرے اندر کہیں چپک کر رہ گئی تھیں۔

میں سوچ رہا ہوں کہ میں نے اپنے ایک بڑے معتبر ذریعہ سراغ رسانی کو نوسرین کی بیٹی کے متعلق
کو کہہ تو دیا ہے لیکن اگر اس نے مجھے کوئی ایسی ویسی بات سنا دی تو اس انتہائی صورت حال پر میرا ردعمل
خیال ہے کہ میں اس کو منع ہی کر دوں۔

میرا دم گھٹ رہا ہے ڈیر ڈائری! مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں زندگی کے جگسا پزل کے سارے
کر بیٹھا ہوں۔ ایسے جیسے میں زندگی کی بھول بھلیوں میں کہیں کھو بیٹھا ہوں اور اب جس بھی راستے پ
کرتا ہوں' وہ بند گلی ثابت ہوتا ہے۔ میں نے ابھی ابھی بلبلے اڑاتی شمپین کے دو پیگ چڑھائے ہیں ڈیر ڈ
مجھے اس ذہنی صورت حال سے نکالنے میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں کچھ اور پی لوں
ڈائری' وش می گڈ لک پلیز۔

.......✿.......

"ہاتھ سے کام کر کے ہی کمانا ہے نا بی بی جی! تو پھر مسلمان اور غیر مسلمان کے چکر میں کیوں پڑ
بیٹا اس انگریزنی میم کے گھر بڑا خوش ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کا دل اور ہاتھ بڑا کھلا ہے۔ میرا بیٹا کہتا
دادی کہتی ہے۔ "بشیر! خداوند یسوع کا کہنا ہے کہ ہر انسان اللہ کی وعدہ کی ہوئی روٹی کمانے نکلتا ہے۔
کہاں سے اسے ملنی ہے' اس کا فیصلہ بھی اوپر والے نے کرنا ہے' تم دل لگا کر کام کرو۔ بس تمہارا فرض اتنا
تمہارے مقدر ہے' تم کو ملے گا۔" بشیر کی ماں نے بی بی زینب کے پاس بیٹھی اپنے بیٹے کی انگریز عورت
کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھنا تیرے لڑکے کو عیسائی بنا کر چھوڑے گی وہ۔" بی بی زینب نے اسے ڈرایا۔

"بی بی جی! یہ بتائیں' مذہب سے کیا فرق پڑتا ہے۔ انسان اچھا ہونا چاہیے۔"

"لے تیرے حساب سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔" بی بی زینب نے جوش میں آتے ہوئے کہا۔

"چلو ہوگا فرق۔" بشیر کی ماں نے فوراً کمپرومائز کیا۔ "پر ہمارے لیے تو یہ انگریز مائی اور اس کی میم

اچھی ثابت ہوئی نا۔ پہننے کو اچھا دیتی ہے' کھانے کو اچھا دیتی ہے۔ گھر آتا ہے' ساتھ کتنے فروٹ' کتنا
ہوں سے
دیتی ہے وہ مائی۔ اس کاکے کے چھوٹے کپڑے تک دے دیتی ہے بشریٰ کے بیٹے کے لیے۔"

"گندے غلیظ ہاتھوں سے پکاتی کھاتی ہوں گی۔ انہیں کیا پتہ پاکی پلیدی کا۔ انگریزوں سے تو سنا ہے ویسے
"بی بی زینب کسی طور پر بشیر کی ماں کی کوئی دلیل ماننے کو تیار نہ تھیں۔ "اور وہ کاکا جس کی بات تم سنا رہی
ہوگا کسی انگریز مردود کی حرام اولاد۔ وہ میم نجانے کہاں سے لائی ہوگی۔"

"ہا.....ہائے..... بی بی جی.....!" بشیر کی ماں منہ پر دوپٹہ رکھ کر ہنستے ہوئے بولی۔ "کاکا انگریز تو نہیں' کاکا
ہمارے ملک کا ہے۔ میم نے کسی سے لیا ہے پالنے کے لیے۔ بڑا سوہنا بچہ ہے۔ لایا تھا اس کی تصویر
موبائل میں۔"

"موبی....." بی بی زینب نے پیشانی پر بل ڈال کر پوچھا۔

"موبائل....." بشیر کی ماں نے کان کو ہاتھ لگا کر اشارہ سے بتایا۔ "ٹیلی فون..... بشیرے کو دیا تھا میم نے
والا۔ پرانا ہوگیا تھا' کوئی خرابی تھی اس میں۔ اس نے پیسے دے کر ٹھیک کروالیا۔ اس میں ساروں کی
تھیں میم کی' اس کی دادی کی' کاکے کی' بشیر کی' ان کے گھر کی۔"

بشیر کی ماں سانس لینے کو رکی۔ "جو سچ پوچھو تو بی بی! میں تو سکھی ہوگئی ہوں بشیرے کے اس گھر نوکر لگنے سے۔
اس کے ابے کا غصہ' گالیاں' مار سہتی تھی' وہ بھی سہتا تھا۔ گھر نہیں گھسنے دیتا تھا اسے۔ اب اس سے تو جان
چار پیسے کما کر لا کر باپ کو دیتا ہے' اس کی زبان بھی بند ہوگئی۔ مجھے الگ دیتا ہے۔ روٹی ٹکڑا' کپڑا لتا الگ'
کرتا ہے۔ میں تو لاکھ شکر کرتی ہوں۔ ہماری بلا سے انگریز ہوں کہ مسلمان۔ وہ اللہ مارا مسلمان ہی تھا نا جیجا
ہوٹل والا۔ صبح سویرے نہاری کے یہ بڑے بڑے دیگچے مانجھتا تھا اس کے اور گالیاں' لاتیں الگ سہتا تھا۔
دن سونوں (نت نئے) لوگوں کے جھوٹے برتن بھی تو دھوتا تھا۔ اب اللہ جانے اس کے گاہکوں میں کتنے
ہوتے تھے' کتنے ہندو' کتنے سکھ۔ کام میں کوئی حرج نہیں بی بی زینب! محنت کر کے کھانا ہے نا۔ ویسے بھی عیسائی
کتاب ہوتے ہیں نا۔ اوپر سے اس نے دین کی ساری پڑھائی آپ سے کی ہوئی ہے۔ وہ نہیں ہوتا عیسائی
کے کہنے پر۔"

"اچھا..... اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" بی بی زینب نے اپنے ململ کے دوپٹے سے چہرہ پونچھتے ہوئے کہا "مجھے
ڈر لگتا ہے' لڑکا چھوٹی عمر کا ہے۔ کسی اور چکر میں مصیبت میں نہ پڑ جائے۔ اب تو خیر بی بی! زمانے کی چال ہی
ہے۔ پہلے ایک محلے میں رہنے والوں کے دکھ سکھ مسئلے مسائل سانجھے سمجھے جاتے تھے۔ محلے کا بچہ یا بچی ہر ایک
بچہ بچی لگتا تھا۔ وہ درست راستے پر چل رہا ہوتا تو سب تعریف کرتے' فخر بھی کرتے' غلط راستہ اپنا لیتا تو سب
سمجھانا اپنا فرض سمجھتے تھے مگر اب سب کے اپنے اپنے دکھ ہیں' اپنے اپنے سکھ' کوئی بات کرے تو اسے دخل اندازی
جاتا ہے۔"

"آپ جم جم سمجھائیں بی بی زینب! اس محلے میں جو حیثیت آپ کی ہے' وہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی آپ
آپ نصیحتیں کریں' ہمارے بچوں کے کان پکڑ کر انہیں جس بات سے چاہیں منع کریں۔ کوئی چوں بھی
بشیر کی ماں خوشامدی انداز میں بولی۔

"پر آپ جانیں۔ یہ پیٹ کا معاملہ ہے' باپ گھر میں گھسنے نہیں دیتا تھا۔ ہوٹل والے کا کام اس سے ہوتا نہیں
جو یہ یہاں ٹک گیا ہے اور عزت کی روٹی ملنے لگی ہے تو بی بی جی!" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "دعا کیجیے ٹکا

رہے کماتا رہے۔"

"میری دعائیں ہی دعائیں ہیں ان بچوں کے لیے کرماں والیے! میرا اور کون ہے دنیا میں جس کے لیے نے دعا کرنی ہے۔" بی بی زینب کے لہجے میں دکھ تھا۔ "ہاں اب تجھے ملنے آئے تو مجھے ضرور ملانا اس سے۔ پاس لے کر آنا۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ سب سے پہلے آپ کے پاس لے کر آؤں گی۔" بشیر کی ماں جان چھو... اطمینان کا سانس لیتے ہوئے بولی اور فٹافٹ جوتیاں پہن کر سلام کرتی باہر نکل گئی۔

"بس ایک ہی بات کا خوف ہے ان لوگوں کو۔"

بی بی زینب نے اس کے جانے کے بعد کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹتے ہوئے سوچا۔ "بی بی زینب ... سے نکل گیا کہ کوئی غلط ہو رہا ہے تو سارے پیچھے پڑ جائیں گے۔ بی بی زینب نے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے تو بس ٹھیک شکر ہے مولا! میرے تو نے مجھ غریب نمانی بے آسرا کا آسرا بنایا ہوا ہے۔ عزت دی ہوئی ہے۔ نہیں تو میں کیا تھی۔"

وہ شکر کا کلمہ پڑھتی جا رہی تھیں اور آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر تکیے میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔

"فراز کے لیے اس بار گاؤں آنا بے حد خوشگوار تجربہ رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ عرصے بعد ذ... اور شوق سے بستی آیا تھا۔ پہلے اس کے ذہن پر بے روزگاری کا بوجھ رہتا تھا پھر نوکری اور پڑھائی کا۔ اس م... امتحان دینے کے بعد اسفند والی جاب سے لمبی چھٹی لے کر آیا تھا۔ جیولری ڈیزائننگ اور چند ریلیفیس کی وجہ... اس کے پاس پیسے کی بھی کمی نہیں تھی۔ پیچھے اس کا مستقبل محفوظ تھا' اسی وجہ سے اس مرتبہ عرصے بعد اس نے گا... زندگی سے پورا لطف اٹھایا تھا۔ اپنی اماں سے فرمائش کر کے دیسی گھی کے پراٹھے اور مختلف سبزیوں کی بھجیا ناشتہ... بنوا کر کھاتا تھا۔ اس کے لیے خصوصی کھانا بنایا جاتا تھا۔ گھر والوں کو وہ خواہ مخواہ ہی کمزور لگ رہا تھا۔ اس کے بچپن... دوست، سنگی ساتھی اس کو یوں اپنے پاس پا کر خوش تھے۔ رات گئے تک وہ ان کے ساتھ گپیوں میں مصروف... قریبی قصبے میں واقع وہ اپنے ہائی اسکول کے اساتذہ اور سیالکوٹ شہر میں کالج کے اساتذہ سے ملنے کے لیے بھی... عرصے بعد گیا تھا۔

"یہ زیادہ ٹھیک ہے فراز احمد! انسان کی ذہنی صحت کے لیے کاروبار زندگی سے اتنا سا توقف بہت سودمند ہوتا ہے۔" ماسٹر جی سے اس کی باقاعدہ روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ وہ بھی اس کے اس معمول پر خوش نظر آتے ...

"انسان کی ذہنی صحت کو جانچنے کا پیمانہ کیا ہوتا ہے ماسٹر جی!" فراز نے ان کی بات سن کر یونہی سوال کیا۔

"کوئی خاص پیمانہ نہیں ہوتا۔ ہر انسان اپنی سمجھ کے مطابق دوسرے کو جانچتا ہے۔ اب دیکھو نا' مجھ بوڑ... جو باتیں ہیں، تم لوگوں کو اس لیے اچھی لگتی ہوں گی کہ تم لوگ شروع سے انہیں سننے کے عادی ہو۔ کوئی اور نئے... میں اسے ذہنی طور پر سو فیصد فٹ نہ لگوں۔"

"خیر ایسا احمق کون آئے گا یہاں؟" فراز نے برا مان کر کہا۔

"دیکھا!" ماسٹر جی نے قہقہہ لگایا۔ "جو مجھے سو فیصد ذہنی فٹ نہ سمجھے' وہ تم لوگوں کی نظر میں احمق ہو گا۔ ... صحت کو جانچنے کے پیمانے سب کے الگ الگ ہیں۔"

"خیر کچھ تو اسٹینڈرڈ ہو گا اس کا بھی۔ آپ یہ بتائیں کہ کمرے کا سارا سامان باہر کیوں بکھرا ہوا ہے؟"

... طرف نظر گھماتے ہوئے پوچھا۔

"ہماری بہنوں، بیبیوں کا فساد ہے سارا۔" ماسٹر جی شفقت سے مسکرائے۔ "آ گئیں یہ صغریٰ بی بی ساجدہ' زہرا ... ماسٹر جی! بڑے دن ہو گئے اندر صاف نہیں ہوا' ساون سے پہلے کوٹھے بھی پوتنے ہیں۔ سو سامان اٹھا باہر رکھ ... خود اندر لگی ہوئی ہیں صفائی ستھرائی کرنے۔"

"میرا خیال ہے کہ اندر کوئی خاص صفائی کی ضرورت تو نہیں ہو گی۔"

"ہر انسان کی محبت اور احترام کا الگ انداز ہوتا ہے فراز بادا!" ماسٹر جی نے چھڑی کی نوک زمین پر مارتے ... کہا۔ "جو جس رنگ میں محبت دکھاتا ہے نا' اس کا وہی رنگ قبول کر لینا چاہیے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے ویسے ماسٹر جی!" فراز نے صحن میں بکھرے سامان پر نظر ڈالی۔ اس کی نظر ماسٹر جی کے خفیہ ... پر رک گئی تھی اور اسے اس ٹرنک کے متعلق مانوں کے سنائے انکشافات اور اس کی خوشی یاد آ گئی تھی۔ "اس کا تالا کدھر گیا؟ اب آپ مقفل نہیں رکھتے اس کو؟" بات کہتے ہوئے اس کا دل ڈر رہا تھا' اسی طرح جیسے ماسٹر ... پڑھتے ہوئے ان کی مار سے لگتا تھا۔

"ایک وقت ہوتا ہے جب دل کے بھید ہر ایک سے چھپا لینے میں ہی عافیت معلوم ہوتی ہے۔ ہم دل کے بھید ... ان کے چور مقفل کر کے رکھتے ہیں۔ فراز احمد!"

ماسٹر صاحب کو جیسے علم تھا کہ فراز ان سے یہ سوال ضرور کرے گا۔ "مگر جب من کا خوف نکل جائے اور ایسا ... عمر گزر جانے کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے تو انسان پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسے اہم راز نہیں تھے جنہیں وہ چھپائے ... دل کیے پھرتا تھا۔ سو میں بھی اسی عمر کو پہنچ گیا ہوں جب من کے خوف بھاگ جاتے ہیں۔ میں نے اسی لیے تالا ... اتار دیا ہے۔"

"لیکن ہمیں تو اس تالے اور ٹرنک کے بارے میں بڑا تجسس تھا۔" فراز ماسٹر جی کی اس موضوع پر بے تکلفی ... محسوس کر کے کہے بغیر نہ رہ سکا۔ "بچپن سے اب تک یہ ہی سوچتے رہے کہ آخر اس میں ہے کیا؟"

"او فراز یا! اس میں ہی تو اصل مزا ہے۔" ماسٹر جی ہنس کر بولے۔ "تجھے پتہ ہے کہ وہ کتاب یا وہ فلم جو بین ... ہو جاتی ہے۔ مارکیٹ میں اس کی ڈیمانڈ زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ چاہے اس میں پڑھنے اور دیکھنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو، ... بلیک سے لے کر پڑھتے ہیں' غیر قانونی طریقے سے دیکھتے ہیں۔ بس یہ ہی حال اس ٹرنک کا ہے' جا دوڑ کر اس ... کھول اور اس میں دیکھ ہے کیا' جو ملے' پکڑ کر لے آ۔"

فراز اس اعزاز پر بھونچکا رہ گیا۔ اس کے کان کیا سن رہے تھے۔ اسے یقین نہیں آیا خود ماسٹر جی نے اسے ... کھولنے اور اس کے اندر موجود چیزیں لانے کو کہا تھا۔ اس نے بے یقینی سے ماسٹر جی کو دیکھا۔

"کچھ دن پہلے میں نے مولانا جامی کا ایک قول پڑھا تھا' اس وقت سے سوچ رہا تھا کہ چھوٹے بے ... رازوں میں کسی کو شریک کر لو۔"

ماسٹر جی نے عینک کے پیچھے سے جھانکتی آنکھوں سے نکلتے پانی کو تہہ بند کے پلو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "مولانا جامی فرماتے ہیں کہ جس انسان کا کوئی ہم راز نہ ہو۔ وہ تنہا ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں تیرے آنے کا ... انتظار کر رہا تھا۔ تو آئے اور میں تجھے اپنا ہم راز بنا کر اس ہمیشہ کی تنہائی کے درد سے نکلوں۔ چل شاباش، کھول اس ٹرنک کو۔" ماسٹر جی نے ایک بار پھر کہا۔ وہ مرے مرے قدموں سے چلتا ٹرنک کی ... طرف گیا اور اس کا ڈھکن اٹھا کر اندر کی طرف والی پاکٹ میں رکھا لفافہ نکال لیا۔ اس کے علاوہ اس میں کئی پرانے

کوٹ اور شیروانیاں تھیں۔ وہ واپس ماسٹر جی کے پاس آ کر نیچے رکھی پیڑھی پر بیٹھ گیا۔ ماسٹر جی کے شاگرد کبھی ان برابر نہیں بیٹھتے تھے۔

"لو جی۔ یہ وہ خزانہ ہے جس کے تجسس...... نے تجھے، مبینہ کلثوم کو اور پتہ نہیں کس کس کو کون کون سی سو ڈالا ہوگا۔" ماسٹر جی نے لفافہ پکڑتے ہوئے کہا۔ "خزانے کا راز، پراسرار ڈبہ قسم کی کہانیاں پڑھ کر سارے طرح سوچتے ہیں، یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔" وہ بولتے جا رہے تھے اور پیلے شکستہ پڑتے لفافے کے اند چیزیں برآمد کرتے جا رہے تھے۔

"یہ دیکھ، یہ بھلا کون ہے؟" انہوں نے ایک تصویر فراز کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک نوجوان شلوار قمیص اور کوٹ کے ساتھ سر پر ترکی ٹوپی پہنے کرسی پر بیٹھا دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھے آنکھیں کھول کر کیمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فراز نے تصویر کی پشت دیکھی۔ ہدایت اللہ 1948ء پیچھے درج تھ

"واہ ماسٹر جی! آپ تو بڑے اسمارٹ ہوا کرتے تھے۔" فراز مسکرایا۔

"اور یہ دیکھ۔" انہوں نے ایک اور تصویر اس کی طرف بڑھائی۔ سفید چادر کی بکل مارے ایک درمیانی خاتون پشت پر مسماۃ رقیہ بی بی زوجہ ہدایت اللہ درج تھا۔

"اس جنت مکانی، نیک بی بی کو حج پر جانے کا بڑا شوق تھا۔ ساری عمر بڑی خدمت کی میری اور اس نے صرف ایک ہی فرمائش کی اس نے "ماسٹر جی! میں خواب میں دیکھتی ہوں، میں مسجد نبوی ﷺ کے اندر بیٹھی میں مسجد حرام میں نفل پڑھ رہی ہوں، میں کعبہ شریف کا مقدس غلاف چوم رہی ہوں۔ میں خود کو عرفات کے میدا دیکھتی ہوں۔ مجھے پتا ہے عرفات کا میدان کیسا ہے کتنا بڑا ہے؟ کتنا کھلا ہے پر جہاں میں خود کو دیکھتی ہوں وہ کہتا ہے عرفات کا میدان ہے۔" ایسی لگن تھی ایسا شوق تھا کہ ایک بار شاہو کا بازو پکڑ کر بولی۔

"وعدہ کرو شاہو! اپنی کمائی سے مجھے حج کرائے گا۔" وہ بدنصیب پھٹ سے بولا۔ "میری کمائی نیک پا نہیں۔ میری کمائی سے کرایا حج قبول نہیں ہوگا۔" وہ نمانی ڈر کر چپ ہی ہو گئی۔ پھر جو پیسہ میری ریٹائرمنٹ پر ملا میں نے سوچا حج کی درخواست دے ڈالوں۔ لو جی وہ درخواست ہوئی قبول، پر ادھر وہ نیک بی بی دنوں میں چٹ ہو گئی۔ بلاوا تو آیا پر پکا ہی آ گیا۔"

"ماسٹر جی! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی آنکھوں میں بار بار پانی آ جاتا ہے۔ کیا مسئلہ ہے؟" فراز نے اس کیفیت سے نکالنے کے لیے کہ ماسٹر جی اس کو اپنے دل کی باتوں کا شریک بنا رہے تھے، ایک غیر متعلقہ کی۔

"آنکھیں جواب دیتی جا رہی ہیں کب تک ساتھ دیں گی آنکھیں۔" انہوں نے ایک بار پھر آ صاف کیں۔

"اور یہ دیکھ، وہ بےنصیب جس کا ذکر کرتے ساری بستی ڈرتی ہے کہ کہیں ماسٹر جی کا دل نہ ٹوٹ جائے کے ذکر پر کہیں ماسٹر جی ناراض نہ ہو جائیں۔"

ایک مانوس شکل فراز کے سامنے تھی۔ وہ اوائل عمر کی تصویر تھی۔ مگر وقت نے کچھ زیادہ اثر نہیں چھوڑا تھا چہرے پر۔

"اور یہ۔" ایک اور تصویر۔ ہاں یہ تصویر تھی جس کو فراز نے بہت غور سے دیکھا تھا۔ شاہنواز احمد اور ن شاہنواز کی تصویر "اور یہ چٹھی بھی پڑھ، مجھے بھی سنا۔" انہوں نے ایک پیلا زرد کاغذ اس کے حوالے کیا۔

"قبلہ چچا صاحب!

بعد آداب عرض ہے کہ آپ کے اس ناہنجار، دہریئے، قابل نفرین بھتیجے نے شاید کچھ ایسا کر لیا جو اس کی نجات کا بن جائے۔ تصویر میں موجود نسرین شاہنواز چند دن پہلے تک "جینس ڈی سوزا" تھی، صرف اس فدوی کی بدولت بگوش اسلام ہو گئی۔ مبارک باد قبول کیجیے کہ آپ کے اس ناخلف شاگرد رشید نے امت کا ایک ممبر بڑھا دیا۔ چچی صاحبہ کی خدمت میں سلام نیاز عرض کر دیجیے گا۔

فقط

ناہنجار، بدبخت، دہریہ، جہنمی (بقول آپ کے)

شاہنواز احمد

فراز نے شدت کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"فقط یہ ایک فعل اس کا ایسا ہے جس نے میرے دل کو ہمیشہ تسلی دی ہے کہ کچھ تو اچھا اس کے ہاتھوں سرزد ہوا؟ احمد باؤ تو پوچھے گا نہیں کہ میں نے شاہنواز احمد کو کیوں چھوڑ دیا؟"

ماسٹر جی کی گفتگو کو حیرت کے سمندر میں غوطے دلا رہی تھی۔

"نہیں، ماسٹر جی" اس نے بمشکل کہا۔ "میں نہیں پوچھوں گا۔ مجھے ایسی کوئی بات سننے کا تجسس نہیں جو آپ کے رے دل کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔ آپ نے جس کو بھی جس لیے بھی چھوڑا، ٹھیک ہی کیا ہوگا۔ میرا ایک ہے آپ کے بارے میں کہ جو آپ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، غلط نہیں ہوتا۔"

"اتنا اعتبار بھی نہ کر مجھ پر، میں انسان ہوں بھلیا لوکا! خطا کا پتلا، تو میری یہ زندگی دیکھ۔ اتنے سارے جیتے انسانوں کے درمیان ایک اکیلے آدمی کی زندگی۔ تو نے میرے اندر کا اکیلا پن نہیں دیکھا نا۔ تو میری روح کی کو محسوس نہیں کیا نا!" فراز نے چونک کر ماسٹر جی کو دیکھا۔

"یہ بالکل الگ باتیں ہیں۔ یہ اخلاق اصول، فلسفے، اونچے اونچے خیالات، بندے کے جذبات سے، اس کے (Impulses) سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بندہ اصل میں بڑا ہی کمزور ہوتا ہے۔ شاہو سے میں رف محبت نہیں کی تھی فراز باؤ! میں نے اس سے عشق کیا تھا۔ مجھے کبھی اس عمر کا خیال آتا تھا جس میں اب میں ہوں۔ مجھے لگتا تھا کہ میں شاہو کی محبت اور خیال کی چھاؤں میں بیٹھا رہوں گا۔ میں اس کی اولاد کی پرورش کروں گا رکا بوجھ کیسے محسوس ہوگا۔ پر اب دیکھ میری کنڈ (کمر) خالی ہے۔ میرا سر ننگا ہے۔ سارے پیار کرنے والے، احترام کرنے والے اپنی جگہ ہوتے ہیں فراز احمد! پر وہ پودا جس کا بیج اپنے ہاتھوں سے ڈالا ہو اس کی چھاؤں بیٹھنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ مجھ نمانے کو یہ مزا لینے کی حسرت ہی رہی۔"

"ماسٹر جی! ماسٹر جی!" فراز نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے شانے تھام لیے۔

"اور چھڈ یار فراز!" ماسٹر جی نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ "کل رات میں نے سوچا۔ میں کتنے مان فراز احمد سے فرمائشیں کرتا ہوں۔ جب وہ دن آئے گا جب فراز احمد کی کوئی مجبوری اس کے اور میرے تعلق کے سامنے آ گئی تو پھر میں نئے سرے سے کس میں حیاتی ڈھونڈوں گا۔"

"آپ نے سوچا بھی کیسے کہ کوئی مجبوری آپ کے اور میرے آڑے آئے گی۔" فراز نے ان کے قدموں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ حکم کریں ماسٹر جی! آپ حکم کریں، ساری دنیا چھوڑ کر آپ کے قدموں میں بیٹھا رہوں گا اگر۔"

''بندے کے دل میں' اس کے لاشعور میں ایک ازلی خوف چھپا بیٹھا رہتا ہے۔ جو اس کو کبھی بھی جی بھر کر خوش نہیں ہونے دیتا۔'' ماسٹر جی نے اپنے جذباتی فیز سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے نارمل انداز میں کہنے کی کوشش کی۔

''تو جیتا رہ فراز احمد! تو نے نیک ماں کا دودھ پیا ہے۔ تیری ماں نے تجھے ساری عمر ایک نصیحت کی فراز احمد! ماسٹر جی کا دل نہیں توڑنا کبھی بھی' تیری تو یار شاید گھٹی میں پڑ گئی ہے۔ یہ نصیحت۔''

''اماں کی نصیحت اپنی جگہ ماسٹر جی!'' فراز نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ''خود میں نے آپ کو جو دیکھا اور جو پایا ہے' خود میں نے جو آپ کو سمجھا ہے' وہ مجھ سے میری کچھ دیر پہلے کی کہی ہوئی بات پر سچے دل سے عمل کرانے کے لیے کافی ہے۔ میں کیا تھا۔'' اس نے سر اٹھایا۔ ''ایک غریب ماں کا یتیم بچہ! جس کا بھائی معمولی سی زمین کاشت کرتا تھا اور بکریاں پالتا تھا۔ اگر آپ کا فیضان نظر نہ ہوتا تو میں بھی یونہی بکریاں چرا رہا ہوتا اپنی معمولی سی زمین پر ہل چلا رہا ہوتا' آج بھی جو آپ کی دعائیں میرے حق میں قبول نہ ہوں تو' میری تو ساری زندگی ہی میرے اپنے سامنے ہے کیسے کیسے وہ جو میری نظر میں ناممکن تھا۔ ممکن ہوا میرے لیے۔ میرے شعور کو پختگی اور سوچ کو جلا کس نے بخشی۔ یہ جو آج کچھ کامیابیاں میرے ساتھ ہیں تو صرف اس لیے کہ آپ کا فیض میرے ساتھ ہے۔''

''بس کر فراز احمد' بس کر۔'' ماسٹر جی کا چہرہ بھیگنے لگا' فراز نے پہلی مرتبہ ان پر رقت طاری ہوتے دیکھی تھی۔ ''میں تو حقیر سا ذرہ ہوں' اس دھرتی کا ککھوں کی طرح رلتا پھرتا تھا ادھر ادھر' یزمان منڈی کے ایک پرائمری اسکول میں ماسٹر بھرتی ہوا تو مجھے لگتا تھا جیسے نواب صاحب بن گیا' میں نے ساری تعلیم بڑے دھکے کھا کر حاصل کی تھی۔ میرے چاچے (ابا) نے زمینداروں کا ترلہ مار کر دو سال کی پیشگی لی تھی۔ مجھے پڑھانے کے لیے' میں نے جو یہ ایم اے کیا۔ انگریزی ادب میں تو ساری کی ساری میرے رب کی کرم نوازی تھی' وہ وقت اور تھے۔ عام بندہ اتنی پڑھائی کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ پر میرے چاچے (والا) چھوٹا بھائی علی گڑھ سے پڑھ کر آیا تھا۔ افسر لگ گیا تھا علاقے میں' بس یہ ہی بڑک پڑ گئی میرے ابے کو بھی کہ ہدایت اللہ نے بھی افسر لگنا ہے۔ اس نے بھی وڈی انگریزی پڑھنی ہے۔ یہ جو حرص پڑتی ہے نا کبھی کبھی کسی کو دیکھ کر اس جیسا بننے کی' یہ بھی فراز احمد! بعض دفعہ بڑے سلسلے بنا جاتی ہے۔ جانوروں کا چارا کتر تا ہدایت اللہ بکسا سنبھال کر وڈی انگریزی پڑھنے چلا جاتا ہے۔ اس کے کارن' وسیلوں کی بھی اپنی کہانیاں ہیں۔ یہ کیسے بنتے ہیں اور کس کے لیے بن جاتے ہیں' یہ وہ رب تعالیٰ ہی جانتا ہے جو ان کو بناتا ہے۔''

''آپ بتا رہے تھے کہ آپ پڑھنے چلے گئے۔'' فراز نے دانستہ ان کو واپس ٹریک پر ڈالا۔

''پڑھ بھی لیا' واپس بھی آ گیا پر میرے ابے کے بھائی اور میرے زمانے میں سالوں کا فرق آ گیا تھا۔ فوری طور پر نوکری نہ لگی۔ کہیں میرٹ تھا تو کوٹہ نہیں تھا۔ کہیں کوٹہ تھا تو سفارش نہیں تھی سو ہیں پرائمری اسکول میں لگ گیا۔ پھر رقیہ بی بی کا ساتھ ہو گیا میرے ساتھ۔ میرا ابا گزر گیا۔ ابے کے رشتے داروں نے کبھی اس کی حیاتی میں ملنے کا سلسلہ نہ رکھا تھا۔ اس کے بعد تو بالکل ہی چھوڑ گئے۔''

آپ یزمان منڈی سے ادھر کیسے آ گئے ماسٹر جی! بستی کمال پورا۔'' فراز کو زندگی میں پہلی مرتبہ جرات ہوئی تھی ماسٹر صاحب سے نجی سوالات کرنے کی۔ وہ دل میں آئے سارے سوال پوچھ لینا چاہتا تھا' مبادا کبھی دوبارہ ماسٹر جی کا ایسا موڈ ہو کہ نہ ہو۔ اس نے دیکھا۔ اس کے اس سوال پر ماسٹر جی خاموش ہو گئے تھے۔ اس کا دل خوف زدہ ہو گیا۔ وہ ناراض ہو گئے تھے غالباً۔

''معافی چاہتا ہوں ماسٹر جی۔ شاید میں نے غلط سوال پوچھ لیا۔'' اس نے جلدی سے معذرت کی۔

''نہیں۔'' ماسٹر جی کے بت بنے وجود میں جان پڑی۔ ''نہیں فراز احمد! تو نے کوئی غلط سوال نہیں کیا۔ اب یہ میں تجھے اپنے داستان سناؤں گا تو تو پوچھے گا ہی کہ میں یزمان منڈی سے ادھر کیسے آ گیا!'' انہوں نے کہا میں وہ آہستہ آہستہ سر ہلا رہے تھے۔ فراز نے منتظر نظروں سے انہیں دیکھا۔ شاید اب وہ یہ بھی بتا ہی دیں۔

''میں نے کہا تھا نا کہ وسیلوں کے سلسلے کیسے بنتے ہیں۔ ان کی کہانیاں ہی الگ ہیں فراز احمد۔'' کافی توقف کے بعد وہ حقے کا کش لگا کر بولے۔ ''عالم بالا میں سارے فیصلے ہو جاتے ہیں۔ کس نے کہاں پہنچنا ہے۔ کس کے لیے کہاں موقع کیسے بنتا ہے۔ سب حکم وہاں سے آتے ہیں۔ میرا یزمان منڈی سے کمال پور آنے کا سلسلہ بنتا تھا جب شاہنواز احمد کو وسیلہ بنا دیا گیا۔''

''اوہ شاہنواز احمد!'' فراز کو اچانک یاد آیا۔ اب تک کی کہانی میں ماسٹر جی نے اپنے رشتہ داروں کا ذکر کیا' ان کا ذکر کیا مگر شاہنواز احمد کے والد جو ان کے سگے بھائی تھے' ان کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

''میں اکلوتا بیٹا تھا اپنی ماں کا' فراز احمد! اب جو میں تجھے سنانے جا رہا ہوں۔ وہ یہاں کسی کو معلوم نہیں۔ اس کو دل میں ہی رکھ لینا۔''

''آپ کو کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ماسٹر جی!'' فراز نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرا بڑا بھائی رحمت اللہ میرے باپ کی پہلی بیوی سے تھا۔ رقیہ بی بی کے گھر ہماری شادی کے ڈیڑھ سال بعد بیٹا پیدا ہوا۔ رحمت اللہ کے گھر میں ایک بیٹا تھا شاہنواز احمد! میں نے اپنے بیٹے کا نام اللہ نواز رکھا۔ اللہ نواز جب ایک سال کا ہوا تو ابا گزر گیا۔ ابا کی تھوڑی سی زمین تھی وہ بھی اس نے رہن رکھی ہوئی تھی۔ زمین دار صاحب نے ابا کے مرنے پر زمین خود ہی چھوڑ دی۔ یہ ان کی نیکی تھی۔ رحمت اللہ مجھ سے بڑا تھا۔ اس نے کپت (جھگڑا) ڈال دیا کہ زمین گروی رکھ کر ابا نے میری پڑھائی پر پیسہ لگایا تھا۔ اس لیے اب وہ زمین کا کل مالک ہے۔ میں بھی اس وقت کوئی سیانا تو نہیں تھا۔ دنیاداری کا لالچ بھی تھا۔ میں نے کہا کہ زمین برابر تقسیم ہو گی۔ یہ جھگڑا پریا (پنچایت) میں گیا۔ اس نے یہی فیصلہ کیا کہ زمین برابر تقسیم ہو گی۔ رحمت اللہ غصے کا تیز تھا۔ اس نے دل سے اس فیصلے کو نہیں مانا۔ جھگڑا بڑھا تو سارے گھر کی ہانڈی روٹی علیحدہ ہو گئی اس کملے کو پھر بھی چین نہیں پڑا۔

ایک دن جب رقیہ بی بی کے ماں باپ اور بھائی ہم سے ملنے آئے بیٹھے تھے، اس بات پر پھر جھگڑا ہو گیا۔ رحمت اللہ لڑ کر گھر سے نکل گیا۔ ہم صحن میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔ رحمت اللہ اچانک گھر میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں زمین داروں کے بیٹے کی بندوق تھی۔ اس نے ایک ایک کر کے ساروں کا نشانہ باندھنا شروع کر دیا۔ رقیہ بی بی کے ماں باپ، دونوں بھائی، میرا اللہ نواز، رحمت اللہ کی اپنی بیوی سارے بھن گئے۔ یہ بھی کوئی خدا کی قدرت تھی یا لکھا ہی یہی کہ ہم دونوں اس ہلے، میں زخمی ہوئے پر جان سے بچ گئے۔ گاؤں کے لوگوں نے موقع پر آ کر رحمت اللہ کو پکڑ لیا۔ پولیس آئی۔ گرفتاری ایک کی ہوئی۔ بندے چھ مرے تھے، سارا گھر تباہ ہو گیا۔

مقدمہ کیا چلنا تھا۔ سیدھا سادہ قاتل تھا۔ جیل چلا گیا۔ ہم بدبختوں کو گورکن بنا کر راکھ پر بٹھا کر ماتم کرنے کے لیے، یہ شاہنواز احمد اس لیے بچ گیا کہ کوٹھے پر گولیاں کھیل رہا تھا۔ اس کی عمر اس وقت دو ڈھائی سال کی تھی۔ بڑے کیا دن تھے فراز احمد۔ پاگل پن کا سماں تھا۔ ہم دونوں پر میں تو بڑے ظرف کا بندہ تھا ہی نہیں۔ رقیہ بی بی کا ظرف بڑا تھا۔ شاہنواز احمد کو سینے سے اس نے لگایا تھا، وہ کہتی تھی۔ 'اس معصوم کا کیا قصور، اللہ نے میرے اللہ نواز کو لے لیا۔ میں اب اسی کو اپنا بیٹا سمجھوں گی۔'' اس جگہ پر اس گاؤں میں ہمارا دل نہیں لگتا تھا۔ ان ہی دنوں ہمارے زمیندار کے گھر والوں کے گھر ایک مہمان آیا سیالکوٹ ضلع سے، اس نے بتایا کہ سیالکوٹ کے دیہاتی علاقوں میں تعلیم کا

کوئی پرسان حال نہیں۔

اسکول ویران بچے آوارہ پھر رہے ہیں۔ گورنمنٹ نے اشتہار دیے ہیں ماسٹروں کی بھرتی کے لیے۔ اس کے ساتھ میں ادھر آیا۔ نوکری کے لیے درخواست دی۔ اور منتخب ہو گیا۔ میری تعیناتی ادھر ہو گئی کمال پور، لوجی، ہم سامان اٹھا ادھر آ گئے۔ وسیلہ دیکھو کیا بنا ادھر آنے کا فراز احمد! اسی لیے میں کہتا ہوں کہ واقعات کے تسلسل پر غور کریں تو خدائی رج کر نظر آتی ہے۔ میں بدنصیب تھا، اپنا خاندان گنوا بیٹھا۔ میں خوش نصیب تھا ادھر آ گیا جہاں مجھے محبتیں ملیں۔ احترام ملا۔ جان نچھاور کرنے والے لوگ مل گئے۔ ولیوں اور اتاروں والا درجہ دے دیا ان پیارے لوگوں نے۔ یہ دولت مجھے نہ ملتی تو میں نے تو اس غم میں رو رو کر مر جانا تھا کئی سال پہلے۔"

'اور...... وہ آپ کا سوتیلا بھائی؟" فراز احمد دم بخود یہ کہانی سن رہا تھا بولا۔

"دو پیشیوں پر میں یہاں سے گیا تھا۔ دوسری پیشی پر پتہ چلا وہیں جیل میں مر گیا۔ دماغ کی شریان پھٹ گئی تھی۔ غصہ بڑی لعنت ہے فراز احمد! غصہ بندے کو کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔ یہ خود بندے کو بھی کھا جاتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ کبھی سوچتا ہوں ابا کی زمین تھی کتنی جس کی تقسیم پر ہمارا جھگڑا ہو گیا۔ کبھی سوچتا ہوں اگر میرے پاس ہی اتنی عقل ہوتی تو میں ہی نہ رپھڑ (ضد) ڈالتا۔ کہتا تو کاشت کاری چھوڑتا۔"

انہوں نے سر ہلایا۔ "یہ ہونا ہی نہیں تھا۔ ہم کاز اینڈ ایفکٹ کی جو تھیوری پڑھتے ہیں نا، وہ یہی واقعات کے تسلسل والی بات ہے۔ مقسوم کی بات ہے۔ ایکشن اور ری ایکشن بھی چیزوں کا مقسوم ہے۔ جو رب تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے۔ علم کی کوئی بھی شاخ پڑھ لو۔ فزکس پڑھ لو، کیمسٹری پڑھ لو۔ فزیالوجی پڑھو سب میں کاز اینڈ ایفکٹ ایکشن اور ری ایکشن کے فارمولے لکھے ہیں۔ اصل میں یہ سب کچھ خدا کی خدائی کے اعترافات ہیں۔"

"یہ میں نے کیا سنا، یہ کیا سنا رہے ہیں؟" فراز نے درخت کی شاخ پر جھولتی چڑیا کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "چٹان نظر آنے والا یہ شخص درحقیقت کتنا شکستہ اور الجھا ہوا ہے۔ مگر اس کی ساری شکستگی کو شگفتگی میں اور الجھاؤ کو سلجھاؤ میں کس نے بدلا؟"

"میں بھی بڑی دیر کڑھتا رہا۔ لڑتا رہا خود اپنے آپ سے۔" ماسٹر جی یقیناً اس کی سوچ پڑھ چکے تھے۔ "مگر جب مجھ پر یہ عقدہ کھلا، یہی کاز اینڈ ایفکٹ والا ایکشن اینڈ ری ایکشن والا تو یقین جانو کہ میں سکون پذیر ہو گیا۔ مجھے صبر آ گیا۔ میں نے اپنی حقیقت جان لی۔ میں نے اپنا مقسوم بھی سمجھ لیا۔ اس بستی کے لوگوں کو، یہاں کے بچوں کو ضرورت تھی ایک بندے کی۔ یہ نمانے تو الف بے پڑھنے کو ترس رہے تھے۔ یہاں کے بچوں کو ان کا حق ملنا تھا سو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں بھیج دیا۔ واقعہ کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو۔ اس میں بھی اور اس کے ایفکٹ میں بھی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ میری ضرورت ایک مستقل ٹھکانا تھی۔ یہاں کے لوگوں کی ضرورت ایک مستقل بندہ تھی۔ اس سے پہلے یہاں کوئی ٹکتا ہی نہیں تھا۔ سو ضرورت نے ضرورت سے مل کر مثال قائم کر دی رشتے کی۔"

"پھر ایک اور بات بھی تھی۔" فراز کے چہرے پر ابھی بھی تذبذب کے سائے دیکھ کر وہ بولے۔ "اگر میں وہیں رہتا نا پزمان منڈی میں، ماسٹر سے سینئر ماسٹر پھر ہیڈ ماسٹر بنایا جاتا۔ بڑی واہ واہ ہوتی میری، میرا کیریئر صاف ستھرا ہوتا ریٹائرمنٹ پر شیلڈیں ملتیں مجھے۔ یہ ہی ہوتا نا۔ پر یہاں آ کر جو میں نے اپنے من کی دنیا دریافت کر لی، چیزوں کے ہونے، بننے اور بگڑنے پر غور کیا تو ایک اور ہی بستی کا مکین بن گیا میں۔ اب تول ترازو کروں تو زندگی کے اس رخ کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ اس رخ کا بہت ہلکا۔ میں نے بڑا کچھ پایا ہے یہاں آ کر۔ بہت خزانے۔ بڑی دولتیں۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو سیلوٹ کروں تو آپ برا مان جائیں گے، ماسٹر جی! میں آپ ...ف ہوں، بہت پرانا واقف ہوں۔ مگر یہ واقفیت جواب ہوئی ہے یہ پرانی واقفیت سے مختلف ہے۔ مجھے لگ رہا ہے آج میں نے پہلی دفعہ آپ کو ٹھیک طرح سے جانا ہے۔ واقعی واقفیت میں اور جاننے میں زمین آسمان کا فرق ...

"سیلوٹ کرنے والی بات کوئی نہیں ہے یار انسان کچھ چیزوں کے حصول کا متمنی اس لیے ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی ... میں کوئی مقام پا لے مگر کچھ اچیومنٹس خالص اس کے اپنے لیے ہوتی ہیں۔ وہ اس کے اندر کو مطمئن رکھتی ... دنیا کو ان سے واقف کرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انسان کے اپنے اندر کا دروازہ اگر اس کے لیے کھل جائے ... وہ کئی دنیائیں دریافت کر لیتا ہے پھر وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ جب ہی وہ دکھ کے ہوتے ہوئے بھی صدمات ... رتے ہوئے بھی مگن رہتا ہے۔ مطمئن نظر آتا ہے۔"

"پھر وہ مضطرب کیوں ہو جاتا ہے کچھ باتوں پر۔ کچھ یادوں پر اس کی آنکھ سے آنسو کیوں ٹپکتے ہیں ماسٹر ..." فراز جانتا تھا کہ اسے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا مگر اس نے دانستہ یہ سوال پوچھا۔ وہ یہ سوال اپنے لیے پوچھ رہا ...

"انسان جو ہوتا ہے یار!" ماسٹر جی اس ساری گفتگو میں پہلی مرتبہ مسکرا کر بولے پھر انہوں نے اپنی عینک ... اپنی کرسی کی پشت پر رکھے چھوٹے تولیے سے اپنی آنکھیں خشک کیں۔ تہبند کے پلو سے عینک صاف کی۔ آپ جناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن کے لیے یہ کائنات تخلیق کی رب تعالیٰ نے، محبوب خدا تھے، پر ...ت پوست بھی عطا کیا۔ دل بھی عطا کیا۔ جذبات بھی۔ علم کے، عرفان کے، آگہی کے، صبر کے، حوصلے کے، بر... ...ے کس چیز کے خزانے عطا نہیں کیے۔ آپ جناب صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر ہم کتنی جگہ پڑھتے ہیں کہ آپ صلی ... وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، رقت طاری ہوئی، مضطرب ہوئے۔ ہم تو فراز احمد! پیروں کی خاک بھی نہیں ...ے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود آگاہ بھی تھے اور اسرار کائنات سے بھی آگاہ تھے۔ کون سی بات مخفی تھی ان ..."

انہوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا مگر دنیا نے تسلیم کیا کہ انسان تو ہیں مگر انسان کامل ہیں۔ کاملیت کا وہ مقام ہے ... نہ پہلے کوئی پہنچا تھا، نہ اب پہنچا ہے نہ رہتی دنیا تک کوئی پہنچ سکتا ہے۔ تو پھر ہم کیا چیز ہیں فراز احمد! ہم تو خاک ... دھول ہیں۔ ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔ پھر بھی اسرار کائنات سمجھ میں نہیں آتے۔"

"اور وہ ماسٹر جی! شاہنواز صاحب، وہ آپ کے فیض سے کیونکر محروم ہوئے۔"

"وہ گنوں والا آدمی تھا۔ بڑی صفتیں تھیں اس میں، بس ایک فرق تھا۔ وہ دنیا داری کا بندہ تھا۔ من کا نہیں نفس کا ...ا۔ یوں ٹریک بدل گئے اس کے اور میرے۔" ماسٹر جی نے مختصر جواب دیا۔

"ہم نے تو یہ سنا ہے کہ وہ تصویریں اور مورتیں بنایا کرتے تھے۔ آپ اس لیے ان سے ناراض ہوئے، اور ... چھوڑ دیا۔"

"اور یہ بات تو تو نے ہی نہیں ساروں نے سنی ہے۔" ماسٹر صاحب نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"بس یہ بھی کاز اینڈ ایفکٹ والی بات ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ جو ہنر اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسے ...ال کرنے کا فن کبھی نہیں جان سکے گا۔ پھر یہ بھی تھا کہ میں تھا پرانے وقتوں کا آدمی۔ مجھے خوف آتا تھا خدائی ... میں ہاتھ ڈالنے سے۔ سو میں اسے منع کرتا تھا۔ اس کام میں ہاتھ نہ ڈال، پر اس میں سرکشی تھی۔ بغاوت تھی۔ وہ

خود کو میرا بھی استاد سمجھتا تھا۔ میں نہیں کہتا کہ وہ مجھ سے زیادہ باعلم نہیں تھا۔ یقیناً اس میں میرے سے کئی زیادہ تھے کہیں زیادہ گن تھے پر تجربہ بڑا استاد ہوتا ہے۔ وہ اس استاد کو نہیں مانتا تھا۔ بحث کرتا تھا۔ ضد کرتا تھا۔ اسے بات سے بھی ضد تھی کہ اس بستی کے لوگ مجھے اتنی عزت کیوں دیتے تھے۔ وہ کہتا تھا یہ شخص پرائمری اسکول کا ما یہاں آ کر بن گیا ہائی اسکول کا ہیڈ ماسٹر تو کیا ہوا۔ بڑی کوشش کی میں نے اور مرحومہ رقیہ بی بی نے بھی کہ اسے ٹریک ہونے سے بچا لیا جائے پر اس سلسلے میں ہماری پیش نہیں گئی۔ جہاں خدا نے ہمیں بمشکل سر چھپانے کا آ تھا۔ اسی بستی کے اردگرد کی بیٹیوں سے معاشقے لڑانے لگا۔ ہمارے سفید ہوتے سروں میں خاک ڈالنے کے لیے میں نے ایک رات بڑی دعا کی اس کے واسطے۔ میرے دل نے کہا ''چھوڑ دے ہدایت اللہ! اسے اس کے حا چھوڑ دے۔ یہ دنیا کا بندہ ہے۔ اسے دنیا کی بندگی کرنے دے اور بھول جا کہ تو نے اسے اپنے ہاتھوں سے پا اور تجھے اس سے کوئی امید، کوئی توقع ہونی چاہیے۔'' رقیہ بی بی نے بھی اس رات یہی خواب دیکھا۔ صبح فجر و لیے کہنے لگی۔ ''ماسٹر جی! اپنے بچے کے قاتل کے بیٹے کو سینے سے لگا کر اس میں اپنی روح اتارنے کی کوشش کر دیں۔ فطرت کبھی بدل نہیں سکتی۔ اسے اس کے رستے پر چلنے دیں۔ ہم دونوں کو یہ بستی کافی ہوگی۔'' کہنے کو تو نے کہہ دیا مگر جب اس نے شاہنواز احمد کو ٹور دیا تو مرتے وقت تک اسے یاد کر کر کے روتی رہی۔''

''آپ کو یاد نہیں آتے وہ؟'' فراز نے ایک اور سوال جھجکتے ہوئے کیا۔

''پہلے پہل تو مجھے قوی گمان تھا کہ روتا ہوا واپس آ جائے گا۔ پچھتائے گا اور من کی دنیا کی طرف مڑ جائے مگر یہ اس کا مقسوم نہیں تھا۔ وہ جس رستے پر چلا اللہ نے اسی پر اسے نوازنا شروع کر دیا پر میرے دل سے اس کے دعا نہیں نکلی، بندہ بشیر تھا نا دل ڈاھڈا ہو گیا میرا زندگی کی اس ناکامی پر، پر جب اس نے یہ غیر مسلم کو مسلم کرکے والی تصویر بھیجی مجھے تو اس رات میں ڈھاریں مار مار رویا۔

واہ ہدایت اللہ! تو بچے پڑھانے کو ہی نیکی سمجھ کر کرتا رہا، اور وہ جسے بے دین، بے ہدایتا کہتا تھا۔ وہ تجھ پر لے گیا۔ اس نے اپنی آخرت بھی سنوار لی۔ کیا ہوا جو وہ اور معاملوں میں مس ڈائریکٹڈ (گمراہ) ہو گیا۔ یہ عمل ہی ا بخشوانے کے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد پھر میں نے اس کے لیے دعائیں بھی کرنا شروع کر دیں اور اسے یا کرنے لگا۔ وہ جیسا بھی تھا میرا خون تھا۔ وہ پودا تھا جسے اپنے ہاتھوں سے سینچا تھا میں نے۔ کتنا بھی دل پتھر کرتا نے ہارنا ہی تھا۔ ویسے بھی عمر بڑھتی جاتی ہے تو بندہ کمزور ہوتا جاتا ہے۔ میں جو کبھی کبھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ بند ہو ہوں نا کمرے میں تو ان ہی یادوں میں تو کھویا ہوتا ہوں۔ اپنی زندگی کی کتاب کو باب در باب، ورق ورق ہوں۔ اپنے پیاروں کی پیاری صورتیں یاد کرتا ہوں۔ ان کی آوازیں میرے اردگرد گونجتی ہیں۔ بندہ بڑا بے بس ہے۔ فراز یا! بڑا نمانا، بڑا کمزور، عمر بھر سایوں کا تعاقب کرتا رہتا ہے، خود ختم ہو جاتا ہے۔ سائے ہاتھ نہیں آتے۔ فہم، ساری عقل و دانش، ساری بزرگی بندے کی صفر ہو جاتی ہے جذبات کے آگے۔''

''ماسٹر جی! آپ کو تنہائی بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے اب؟'' فراز کو دل میں درد اور چبھن سی محسوس ہو رہی تھی

''اصل میں فراز احمد۔ جب ہم اپنے پیاروں کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں نا، تو یہ تو کبھی سوچتے ہی نہیں کہ وقت وہ بھی آتا ہے جب ہم الگ الگ ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔ مگر جب وہ وقت آتا ہے تو کچھ عرصے بعد ایسا لگتا ہے جیسے کبھی ملے ہی نہیں تھے۔ پھر ہم نئے چہروں سے، نئے لوگوں سے مانوس ہو جاتے ہیں جیسے میں۔ اب یہ جو اتنے پیارے پیارے لوگ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیے ہیں چاروں طرف تو مجھے مدتوں کوئی نہیں آتا۔'' آخری جملہ ماسٹر جی نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

میں ان کو بتا دوں کہ ان کے چہیتے شاہنواز احمد کی نیکی اس کا واحد نیک عمل جو ان کے خیال میں اسے لیے کافی ہوگا، اس کا انجام کیا ہوا۔؟''

گفتگو کے اختتام پر ماسٹر جی کے قدموں میں پیڑھی پر خاموش بیٹھا فراز سر جھکائے سوچ رہا تھا۔ دل نہیں۔ ''اس کے دل نے سرزنش کی۔ ''ان کے دل سے واحد اطمینان چھیننا چاہتے ہو، اور اس بدقسمت میں مانگی جانے والی واحد دعا بھی۔ جب قدرت ان دونوں کے بھرم رکھ رہی ہے تو تم کون ہوتے ہو یہ الے۔'' وہ سوچ رہا تھا اور بے خیالی میں ہاتھ میں پکڑے تنکے سے کچی زمین پر نقش و نگار بنا رہا تھا۔

ر جی! آپ میرے لیے کیا دعا کرتے ہیں۔'' طویل خاموشی کے بعد اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

تیری محنتوں کے بہترین ثمر کی دعا کرتا ہوں۔ یہ ثبوت تیرے سامنے ہے کہ میری دعاؤں میں خلوص ہی وہ بار آور ہوتی ہیں۔'' فراز نے دیکھا ان کی نگاہ اس کے بے خیالی میں بنائے نقش و نگار پر تھی۔ اس اخون سمٹ کر چہرے ارکانوں میں جمع ہو گیا۔ وہ نظر اٹھانے سے قاصر ہو گیا۔

''یہ فن ہوتا ہے، ہنر ہوتا ہے کیا ہوتا ہے، میں نہیں جانتا پر یہ خداداد ہوتا ہے اور خداداد جو چیز ہوتی ہے، اس پر کا اختیار نہیں ہوتا، یہ بات میں نے بہت بعد میں جانی۔ تجھے بھی خدا نے عطا کی ہے میں جانتا ہوں۔ پر میرا اپتر خواست ہاتھ جوڑ کر تجھ سے کرتا ہوں۔ اسے شوق رہنے دے اسے جنون نہ بنا۔ اسے کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں۔ ایک استاد کا شاگرد پر اتنا سا تو حق ہوتا ہے نا۔ باقی کرنی تو تو نے اپنی مرضی ہے۔''

''ماسٹر جی!'' فراز نے تڑپ کر ان کے جڑے ہوئے ہاتھ پکڑے۔ ''اللہ کے واسطے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میرے حق میں بس یہ دعا کریں کہ میں اس پر اختیار حاصل کر لوں۔ ہر اس چیز کا شوق دل سے نکال دوں جسے ناپسند کرتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ محض آپ کی خوشنودی مقصود ہے مجھے بلکہ اس لیے کہ میں اپنی عاقبت سنوارنا ہوں۔ میں اپنے رب کا وہ بندہ بننا چاہتا ہوں جو اس کے Near Ones (قریب) کی پہلی فہرست میں جگہ پا نا۔ پلیز ماسٹر جی پلیز۔''

فراز کی آنکھوں سے زندگی میں پہلی مرتبہ اس طرح آنسو نکلے تھے اور وہ بے اختیار رو رہا تھا۔ وہ دل گرفتہ اور ہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے اشک بہائے اتنے کہ اس کی ذات کی ساری کثافتیں اور آلائشیں ان کے ساتھ مل کر بہہ جائیں اور وہ ماسٹر جی کے گھٹنوں پر سر رکھے رو رہا تھا۔ اور وہ دھیرے دھیرے اس کے بال رہے تھے۔

...…۞……

''ماسٹر جی کہتے ہیں فراز تو بادصاب بن گیا ہے۔ اس کے ولیمہ پر تو بڑے بڑے لوگ آئیں گے۔ وہ ادھر بستی نہیں کرے گا نا ولیمہ۔ وہ تو کسی ہوٹل میں کرے گا پھر ہم سارے وہاں کیا کریں گے۔ یخنی کا پیالہ پینا ہمیں تو آتا نہ ہم سے پیا جاتا ہے۔ نہ ٹھنڈے توس کھائے جاتے ہیں میٹھی تلائی والے۔ اس کا مطلب ہے یار! فراز ہم سب لیے پر نہیں آ سکیں گے۔''

یہ بعید تھا جو فراز کی اپنے گھر آمد پر اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کے کان کھا رہا تھا۔ اس روز لالہ شفیع فراز احمد (ہونے والے داماد) اور اس کے گھر والوں کی خصوصی دعوت تھی۔ ماسٹر جی بطور مہمان خصوصی مدعو بڑی خوش دلی سے سب کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

دفع کر ہوٹل شوٹل کو، ہم تو فراز کا ولیمہ ادھر کریں گے۔ اپنی بستی میں جیسے ماسٹر جی کہیں گے ویسے کریں

گے۔" فراز کی اماں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "اس کے باؤ دوستوں نے آنا ہو گا تو آ جائیں گے خود ہی ادھر، ہمارے
کیا کمی ہے۔ کیوں فراز؟"

فراز کا ذہن قطعی حاضر نہیں تھا۔ وہ پچھلے دو دن سے اپنی اور ماسٹر جی کی گفتگو میں الجھا ہوا تھا اور اب
چہرے کا ازلی سکون، معصوم مسکراہٹ اور نارمل انداز دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ "وہ خواب تھا یا یہ خواب ہے"
رہا تھا۔

پھر اس نے لالہ شفیع کی بیٹھک کے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ہلکے نیلے رنگ کی آمیزش والی قلعی
رہی تھی۔ بغیر بازو کے صوفوں پر سفید کور بڑے سلیقے سے چڑھائے گئے تھے۔ صوفے کی پشت والے حصے
وقفے سے تین مور کڑھائی کیے گئے تھے۔ چار عدد نئی کرسیاں بھی موجود تھیں فرش پر نئی چٹائی بھی بچھی تھی۔
اللہ، محمد کے طغرے بھی آویزاں تھے اور کڑھائی کیے فریم بھی۔ ایک مینٹل پیس پر سعید کا دیسی ڈیک بھی سجا
کونے میں بچھے پلنگ پر صاف ستھری چادر بچھی تھی۔ جس کے چاروں طرف فریم لگائی گئی تھی۔ پلنگ پر دو گا
ایک سرہانہ رکھا تھا۔ وہ بھی ہاتھ سے کاڑھے گئے پھولوں سے مزین تھا۔ ایک الماری میں کتابیں تھیں
فاؤسٹ اور شیکسپیئر کی "مچ ایڈو اباؤٹ نتھنگ"۔ اس نے کتابوں پر سلیقے سے چڑھائے گئے سفید ٹائٹلوں پر
لکھے گئے ناموں کو پڑھا، واہ بھئی مبینہ کلثوم ہینڈ رائٹنگ تو تمہاری اچھی ہے۔ اس نے سوچا کمرے کی صفائی
اور سلیقہ اس کے دل کو بھا رہا تھا۔ پھر کھانا پیش کیا گیا۔ پلاسٹک کا ڈنر سیٹ جو یقیناً مانو کی چوائس تھا۔ قور
پالک گوشت، شامی کباب، رائتہ، سلاد، کسٹرڈ اور ماسٹر جی کا پسندیدہ زردہ، یہ بھی یہاں کا مخصوص مینو تھا۔
معیار اعلیٰ تھا اور پیش کرنے کا انداز بھی سلیقہ ظاہر کر رہا تھا۔

فراز نے دل ہی دل میں اس گھر کے سیٹ اپ کا موازنہ ان گھروں اور ان لوگوں سے کیا جن
اتنے عرصے رہ رہا تھا۔ لینا ڈی سوزا کا گھر اور اس کا اسٹائل، اسفند یار کا گھر اور اس کا طرز زندگی، یمی پراچہ
اس کا لائف اسٹائل منی باجی کا گھر اور ان کی بنائی ڈشز، شاہنواز احمد کا گھر اور اسٹائل اور بہت سے ایسے جن
اس کا قریبی تعلق تھا۔

"میں کہاں فٹ ہوتا ہوں؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ "ادھر یا ادھر؟" اس کے دل نے دانستہ کو
نہیں دیا۔ وہ خود ابھی تک فیصلہ نہ کر پایا تھا پھر اسے وہ چمکتے دمکتے چہرے یاد آئے جو اس کی قربت کے خواہش
اور پھر وہ چہرہ بھی اس کی نظروں کے سامنے آیا جو اس وقت روایت کے مطابق اس سے پردے میں تھا۔

"شرم تو نہیں آتی مجھ پر شک کرتے ہوئے۔" اسے اپنے الفاظ یاد آئے اور اس کے ان الفاظ نے کیا
کا کام کیا تھا اسے یہ بھی یاد آیا۔ وہ دو انتہائی سچویشنز میں پھنس گیا تھا۔

"فراز احمد! وہ بندہ جو اللہ کے نزدیکی بندوں کی فہرست میں شامل ہونا چاہتا ہے، وہ مصلحت اندیش
پرست یا بزدل نہیں ہوتا۔ وہ دل کی بات کہنے سے نہیں گھبراتا۔ اس کا دل درست کی طرف خود بخود کھنچتا ہے
تجھے خود میں یہ باتیں محسوس ہونے لگیں تو سمجھ لینا کہ تو اپنی منزل کی طرف جانے والے راستوں پر چل نکلا ہے
اسے ماسٹر جی کی دو دن پہلے بتائی بات یاد آئی اور پھر کمرے کی کھڑکی کی جالیوں سے خود کو دیکھتی
بھی نظر آ گئیں جن میں حیا خوشی اور کچھ پا لینے کا احساس جھانک رہا تھا۔ وہ ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔

"واقعات کے تسلسل کو بالآخر تم ہی پر منتج ہونا تھا۔ مبینہ کلثوم! سو جیتی رہو۔ تمہارا وجود، تمہارا احساس
اور باقی سب احساسات ہار گئے۔" اس نے دل میں اسے مخاطب کیا اور رغبت سے اس کا محبت سے بنایا کھا

ہو گیا۔

……۞……

نے انکل ڈیتس سے اپنے گھر کی چابی لی۔ اور کئی دن سے مقفل تالا کھول کر کواڑ اندر کی طرف دھکیلے۔ ہر
کی بو تھی۔ اور اندھیرا بھی۔ اس نے کمرے کی لائٹ جلائی۔ وہاں سناٹا تھا۔ گرد اور جالے تھے اور اُترتی
یوں میں ابھرتی جھینگروں کی آوازیں۔ اس کے سامنے ایک موٹا سا چوہا کھڑکی سے پھدک کر نیچے اترا اور
رف بھاگ گیا۔

ہستہ قدموں سے چلتی صحن میں آئی۔ گرینی کے لگائے پیڑ مرجھائے کھڑے تھے اور ان سے گرے صحن میں
بکھرے زرد پتے اس کے قدموں تلے چرمرا گئے تھے۔ اس نے صحن کی لائٹ آن کی اور برآمدے کی
بز لکڑی سے بنی جافری پر انگور کی بیل البتہ اسی طرح چڑھی تھی اور انگوروں کے گچھے بھی لٹک رہے تھے۔
ں رکھی کرسیاں اور تخت پوش جوں کے توں رکھے مگر گرد آلود تھے، گرینی کے کمرے میں ان کا اور آنٹ
کھا سامان اسی طرح پڑا تھا۔ اس کے اور للی کے کمرے میں بھی ویسا ہی سناٹا۔ گرد اور مکڑیاں تھیں جن کو
کا خوب موقع ملا ہوا تھا۔ کچن میں برتن اسی طرح دُھلے اور ترتیب سے رکھے تھے۔ چولہا صاف تھا۔ ماچس
ے گیلی ہو رہی تھی۔ آٹے اور چاول کے ڈبوں میں کیڑے پڑ چکے تھے اور وہ گیلے ہو کر چپکے پڑے تھے۔
رانی اور سناٹے سے گھبرا کر وہ صحن میں نکل آئی۔

ں کی نظر برآمدے میں کیل پر لٹکی پلاسٹک کی ٹوکری پر پڑی۔ جس میں سے رنگ رنگ چمک دار فیتے باہر
تھے اور گرد اور وقت کی تہہ میں کھو کر اپنی آب و تاب کھو رہے تھے۔

کیسا کرسمس سیلی بریٹ کرتا تم لوگ' کرسمس تو ام سیلی بریٹ کرتا تھا اپنا اینڈ ڈیڈ کے ساتھ۔ اکھا اونچا والا
میں آتا۔ اپنا کنٹونمنٹ والا بینگلو پر ام جو کرسمس ڈنر ہوسٹ کرے گا سارا انگلش کریم کا گیٹ ٹو گیدر کرتا
ں ٹری یہ جو تم نے سجایا اپور کھالی پیلی ٹکیوں والا اور دیسی بتیوں والا۔ کرسس ٹری اگر کبھی تم دیکھتا جو امارا امام
ے ڈیکوریٹ کرتا۔"

فیتوں کو دیکھ کر اسے گرینی کی بات یاد آئی۔ وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹی' پیچھے دھرے گملے میں اس کا پاؤں
ٹکرا گئی۔

انے گھبرائی ہوئی نظروں سے سامنے کی تخت پوش کو دیکھا۔ اسے لگا مفلوج اور زبان بند آنٹ جینس اسے
ولں سے گھور رہی تھیں۔ اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔

ام اور تمہاری مورلیلیٹیز تمہیں مبارک ہوں' میں اپنا فیوچر محفوظ کرنا چاہتی ہوں کہ کسی بھی قیمت پر' جیسے بھی
ساان گاڈ فار سیکن کمیونٹی کا حصہ بنے نہیں رہنا چاہتی جس کا تصور کرتے ہی لوگوں کو جھاڑو پکڑے مردو
نے لگیں۔ میری مانو تو تم بھی لینا ڈارلنگ! زندگی کا فائدہ اٹھاؤ۔ یہ صرف ایک بار ملتی ہے۔ ہاتھ سے چلی
ں نہیں آتی۔"

لما پیچھے سے اچانک للی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ تینوں مانوس چہرے جنہیں دیکھے عرصہ ہو گیا
ا جو عمر بھر اس کے ساتھ رہی تھیں اور اب نجانے کہاں گم تھیں اور خود وہ زندگی کے اس لق و دق صحرا میں
ا جنگ لڑنے کے لیے تنہا رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے اور اپنے چہرے پر پھیلتی نمی
ا پھر دفعتاً اسے لگا کہ گزرے ہوئے وقت کے بھوت اس کے ارد گرد ناچنے لگے تھے۔ اس پر قہقہے لگانے

لگے تھے وہ سب اس کا تمسخر اڑا رہے تھے۔ اس نے سرعت سے ساری لائٹس اور دروازے بند کیے اور دروازے کو تالا لگا کر بھاگتے قدموں سے انکل ڈینس کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی۔

"انکل ڈینس! انکل ڈینس!" اس نے وحشیانہ انداز میں دروازے پر دستک دی۔ انکل ڈینس نے بڑی جلدی سے دروازہ کھولا تھا۔ ان کے سامنے پسینے سے بھیگے ہوئے چہرے اور بکھرے بالوں کے ساتھ روتی ہوئی لینا کھڑی تھی۔

"ارے ابھی تو تم اپنا گھر کا چابی لے کر گیا تھا لینا۔ کیا بات ہے آر یو آل رائٹ!" انکل ڈینس نے اسے سہارا دے کر اندر لاتے ہوئے کہا اور صحن میں بچھی چارپائی پر بٹھا دیا۔

"کم آن ڈارلنگ' کیا ہو گیا تم کو؟" وہ اسے دلاسا دے رہے تھے جب کہ وہ یوں ہانپ رہی تھی جیسے لمبی دوڑ میں حصہ لے کر آئی ہو۔ کچن میں کھٹ پٹ کرتی آنٹ سوسن بھی گھبرا کر باہر نکل آئی تھیں۔

"پیچھے ہٹو ڈینی! ام امارا ڈاٹر کو خود سنبھالتا۔" صورت حال کو سمجھنے کے بعد انہوں نے آگے بڑھ کر انکل ڈینس کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بچی ڈر گیا ہے۔ اتنا ٹائم سے گھر بند پڑا ہے۔ بند گھروں پر باہر کا شے قبضہ کر لیتا ہے۔ یو نو!" وہ لینا کو چمکارتے ہوئے انکل ڈینس کو بھی معلومات فراہم کر رہی تھیں۔

"تم کائے کو گھبراتا لینا ڈارلنگ' ام تمہارا ساتھ ہے ام ابھی جندہ اے تم جیسا ڈارلنگ ڈاٹر تو سب کو بہت پیارا ہوتا ہے۔" وہ لینا کے اعتماد کو بحال کرنا چاہتی تھیں۔

"کچھ نہیں۔" لینا نے ان کے ہاتھ میں پکڑے گلاس سے دو گھونٹ پانی پینے کے بعد کہا۔ "کچھ باقی نہیں انکل ڈینی! سب ختم ہو گیا' ہماری زندگیاں ہماری خوشیاں' ہمارے آنرز' ہماری انفرادیت' گرینی کی اسٹوریز' لاارا لیڈیز کی والا بیگ گراؤنڈ' آنٹ جینس کے ہیلنگ ہینڈز سب کچھ ختم ہو گیا اور اب ہم سب اپنے اپنے بھوتوں کے تعاقب میں ہیں۔"

"میں نے بڑا سمجھایا تھا ایلس کو۔" انکل ڈینس نے افسردہ ہوتے ہوئے کہا۔ "اس عمر میں اپنا گھر چھوڑ کر نہ جاؤ۔ اپنا بچہ لوگ کا واسطہ تم ادھر ہی رہو۔ ہم لوگ تمہارا پاس ہے مگر وہ نہیں مانا۔ اسے روشنیاں یاد آنے لگی تھیں۔ بڑے مزے' آرام' پیسہ' فنکشن' میوزک' ڈانس وہ سب کچھ جس کو چھوڑنا کا واسطہ اس نے خود پر اتنے سال جبر کیا۔ پاسٹ کا سارا دروازہ بند کر دیا تھا اس نے پر اب للی کی شکل میں شیطان نے ایک بار پھر اس پر اٹیک کیا اور وہ اس کے ٹریپ میں پھنس گئی۔ جینس کا جاب چلا گیا۔ تمہارا جاب چلا گیا۔ پیسہ کا سارا سورس ختم ہو گیا۔ ایلس ڈیئر ہوا اور پانی کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے مگر پیسہ کے بغیر نہیں۔ بس للی کا کمایا پیسہ ہی اس کو اس عمر میں اپنا ساری زندگی کا اسٹرگل برباد کرنے کے لئے ساتھ لے گیا۔"

"ہم خود گیا تھا جینس کو دیکھنے کا واسطے خداوند کا بڑا بلیسنگ ہوا اس کا ساتھ۔ شی از کوائٹ نارمل ناؤ۔ انہوں نے ہمیں ڈاکٹر نے بتایا۔ ایک بڑا پیسہ والا آدمی ڈھیر سارا پیسہ ڈونیٹ کر گیا۔ جینس کا ٹریٹمنٹ کا واسطہ اس نے جینس کے نام کا اکاؤنٹ اوپن کروایا اور روپیہ سفٹ کرایا اس کا اکاؤنٹ میں۔" آنٹ سوسن نے لینا کو خوش کرنے کے لیے ایک اچھی خبر سنانا چاہی۔

"وہ کون آدمی تھا آنٹ سوسن؟" ان کی اس بات پر لینا کو جھٹکا سا لگا تھا اس نے اپنے آنسو پونچھ کر بڑا الجھ کر ان سے پوچھا۔

ز اس کا اتا پتہ کوئی مالوم نہیں ہے۔ ہاسپٹل کا منیجمنٹ کہتا ہے کہ اس آدمی نے اپنا نام ڈس کلوز کرنے

"بد یار صاحب کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے اتنا دل والا۔" لینا بڑبڑائی۔ "لیکن وہ تو خود ہی آنٹ جینس کو ہم سب جانتے ہیں پھر اس نئی مدد کے سلسلے میں اپنا نام چھپانے کی ان کو کیا ضرورت تھی؟"

"ہم بھی ہے لینا ڈارلنگ! اس کا نیکی اس کا ساتھ ہے۔ ہم لوگ اس کا واسطہ اتنا ہی کافی ہے کہ جینس اب وہ خود سے بیٹھ جاتی ہے۔ کھا پی لیتی ہے۔ ہلکے سے سہارے کے ساتھ چل پھر لیتی ہے پھر الفاظ بھی اب اس کی اسپیچ تھراپی کا انتظام بھی ہو رہا ہے۔ کیا یہ Miracle (معجزہ) نہیں۔؟" انکل ڈینس کرنا چاہتے تھے جن سے لینا کو زندگی کی نعمتوں کا احساس ہونے لگے اور وہ خود ترسی کی اس کیفیت سے

"ہوا بہت اچھا۔" لینا نے اپنا چہرہ خشک کرتے ہوئے کہا۔ "انکل ڈینی میرے پاس صرف ڈیڑھ دن پس ڈیوٹی پر جانا ہے ہم کل صبح آنٹ جینس کو دیکھنے جائیں گے نا۔" اس نے واسطہ دیتی نظروں سے یکھا۔

"ں نہیں' ضرور جائیں گے۔" انکل ڈینس مسکرا کر بولے۔ "مگر پہلے ہم ڈنر لیں گے اور ریسٹ کریں ز ریڈی ہے نا اور لینا کے لیے بیڈ ہم اپنے ساتھ ہی صحن میں لگائیں گے۔"

"ریڈی ہے۔ آؤ لینا! کھانا لگائیں۔ آج میں نے قیمہ ساگ چھونکا ہے۔ اور کچنار کا بھجیا بنایا ہے۔ چلو یں۔ سب کو بھوک لگ رہی ہے۔" آنٹ سوسن نے لینا کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ساگ اور کچنار کی بھجیا۔" چھن سے لینا کے اندر کچھ ٹوٹا۔ گرینی ہر دوسرے روز قیمہ ساگ پکاتی تھیں ل تو کبھی فریج سے ختم ہی نہیں ہوتی تھیں۔ وہ اوہ گرینی۔ تم کہاں ہو۔ کیا کر رہی ہو۔ کیا تمہیں میری یاد ؟" میز پر پلیٹیں رکھتے ہوئے وہ روتے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

......❁......

"ر اولی ایک آنٹ نائیں اے جیوفری' ٹمارا تین تین آنٹس ہیں یو نو۔" ایلس بچے کو پش چیئر میں بٹھا کر گھماتے ہوئے اس سے باتیں کر رہی تھی۔

"تو یہ والا آنٹ للی ہے نا' ایک آنٹ لینا ہے۔ ایک آنٹ جینس ہے سوب کا سوب بوت نائس اے۔ لیڈم سوفٹ سپوکن' فیریز موافق (پریوں کی طرح) نائٹنگل (Nightingale) کا طرح اے آئی ے ملتا تو بوت کھوش ہوتا۔ بوت کھوش۔"

چیئر کا ہینڈل پکڑے ادھر ادھر کھیلتے بچوں کے درمیان گھوم رہی تھی۔ جب اچانک للی اس کے سر پر آن ں کا چہرہ دیکھتے ہی بھانپ گئی کہ وہ غصے میں تھی اور اب ضرور کسی بات پر اس کی شامت آنے والی تھی۔

"گرینی! تم جیسا گھوے گھمانے والا دوسرا بندہ میں نے کبھی دیکھا نہیں۔" للی کو اس سے بات کرتے اب کا خیال نہیں آیا تھا۔ "تم جانتی ہو کہ اس بچے کو ڈھونڈنے والے کتوں کی طرح اس کے پیچھے لگے لوں اسے باہر گھما رہی ہو جیسے یہ سالا کسی نواب صاحب کی اولاد ہی اسٹیٹ میں گھومنے آیا ہوا ہے۔"

"لائٹ چلا گیا تھا للی ڈارلنگ! ہم سفوکشن سے گھبرا کر بچہ لوگ کو اریا اوپن ایریا میں لے آیا۔" گرینی نے نف بیان کیا۔

''گرینی! تم مجھے ضرور جیل کی ہوا کھلاؤ گی۔ پہلے اس مصیبت کو تم نے اپنی ذمہ داری پر لے باندھ لیا۔ اس کو باہر گھمائے پھرتی ہو۔ تم مرواؤ گی مجھے گرینی ضرور مرواؤ گی۔'' واپس فلیٹ میں آ کر للی نے پٹخنے کے انداز میں بچے کو صوفے پر پھینکا اور اس کی پش چیئر کو ٹھڈا مارا۔ وہ اپنے پہیوں پر بھاگتی سامنے کی دیوار سے جا ٹکرائی۔ ہنگامی صورت حال سے گھبرا کر بچے نے رونا شروع کر دیا۔ گرینی کی ماما تڑپ اٹھی۔

''للی! تم ہیومن بینگ ہے کہ نا ئیں۔'' ابھی تک وہ جو من میں آیا کر رہی تھی۔ بچے کو گود میں اٹھا کر بولی۔ ''ام اس بچہ کو گود میں لیا تھا تمہارا واسطہ اگر ام ایسا نہ کرتا تو تمہارا یہ کیریئر یہ عیش بلکہ شاید تمہارا زندگی بھی ختم ہو جاتا۔ ای تو بھتا لیتا نا وہ بلڈی باسٹرڈ گینگسٹر چاچڑ تمہارا سے یہ بچہ تم اپنا پاس نہ رکھتا تو تمہارا لائف ختم کر دیتا۔ مٹک لیتا اسٹیج پر مزا کا ساتھ۔''

''کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ صرف دھمکی دے رہا تھا۔ میرے ایک فون کال پر اگر ڈر اسی وقت یہاں نہ پہنچ جاتا تم کہتیں۔ مگر تمہیں تو جلدی پڑی تھی' بچہ لے لو۔ ورنہ تمہارا سب کچھ خلاص ہو جائے گا۔'' تمہارا پوتا زر رہتا ہے تمہیں صرف اس سے مطلب ہے۔ اس کے لیے تم نے یہ مصیبت گھر میں گھسالی۔ میں اس کے بارے میں لوگوں کے سوالوں کے جواب دے دے کر تھک گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے گلا گھونٹ دوں کم بخت کا۔''

للی نے دانت کچکچا کر کہا۔ اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بشیر' بشیر ڈارلنگ!'' ایلس نے باہر دیکھتے ہوئے آواز دی۔ ''بابا لوگ کا ڈریس چینج کرنا مانگتا۔ اس کا دودھ اور سنیکس لے آؤ۔ کم آن ڈارلنگ! رونے کا نا ئیں' ام ہے نا تمہارا واسطہ ام تم کو نا ئیں چھوڑیں گا۔ کبھی بھی نا ئیں چھوڑں گا۔''

بشیر نے بچے کو کپڑے اور کھانا لا کر اسے پکڑا یا۔ اور وہ بچے کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ للی ٹن ٹن کرتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''دیکھو' تم کمینگی کی انتہا کر رہے ہو۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آخر ان لوگوں سے تمہاری دشمنی کیا ہے؟ ایک عرصے سے ان کے پیچھے پڑے ہو؟''

''کیسے نادان دوست ہو پارٹنر' اتنے سالوں سے میرے ساتھ ہو اور تمہیں یہ ہی سمجھ میں نہیں آیا کہ میری ان سے دشمنی کیا ہے۔''

''اس لیجنڈری مصور سے تو تمہاری دشمنی سمجھ میں آتی ہے مگر اس بیچارے اسفند یار نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''وہ الو کا پٹھا اس شخص کا بیٹا ہے جس نے میری ماں کے ترلوں اور واسطوں پر کان نہ دھرا اور اسے ذلیل کر کے نکال دیا وہ نہ اس کی بن سکی نہ دھندے کی رہی۔ خون تھوکتی مر گئی۔''

''پارٹنر' لوگوں کے تو ایک ایک والد صاحب ہوتے ہیں۔ تیرے تو کئی باپ ہیں پھر یہ دعویٰ کیسے کر سکتا ہے کہ اسفند یار کا باپ تیرا باپ ہے؟''

''ہو سکتا ہے کہ نہ ہو مگر میں نے سنا ہے کہ مجھے پیدا کرنے سے پہلے وہ اسی کے پاس گئی تھی یہ دعویٰ کرنے کہ میں اس کا بچہ تھا۔''

''مگر تیری ماں کا اصل یار تو شاہنواز احمد تھا؟''

''شاہنواز احمد کو تو اس نے رکھا ہوا تھا ترس کھا کر' اسی نے تو ایکسپلائٹ کیا تھا میری ماں کو' اور ہائی لائٹ بھی کیا فتنے کو۔ میری نانی نے مار جوتیوں کے میری ماں کو فرش کر دیا۔ بے چاری لیڈی شرافت کی زندگی گزارنے کی

شرفاء کے ہتھے چڑھ گئی اور اگلے جہاں سدھار گئی وہاں بھی پتا نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہوگا۔''

تو سب ٹھیک ہے لیکن تجھے یہ کیسے یقین ہے کہ آفتاب جمیل یا شاہنواز احمد میں سے کوئی تیرا باپ ہے یا ماں کی زندگی تباہ کرنے کے اصل ذمہ دار؟''

مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان دونوں میں سے کوئی میرا باپ تھا یا نہیں۔ مجھے اس سے بھی کوئی فرق میری ماں کی تباہی کا ذمہ دار ان میں سے کوئی تھا یا کوئی اور۔ میرے حالیہ باپ نے جو یقیناً میرا اصل نہ صرف مجھے اپنایا بلکہ جو زندگی اس نے مجھے دی' ان دونوں میں سے کسی کا بھی دو نمبر بیٹا بن کر مجھے نہ ماں کا انجام مجھے نہیں بھولتا' یار! میں یاد کرتا ہوں تو میرا خون کھول اٹھتا ہے۔ میں ان دونوں کو آدھا کر ہی چکا ہوں۔ باقی آدھا سین ابھی چلنا ہے۔''

ت کروایا یار! بہت ہو چکی۔ دونوں کی اولادیں برباد ہو چکیں' اب اور کیا انتقام لو گے؟''

دیکھتے جاؤ پارٹنر' میں یاسین بھٹی کے ہاتھوں کا پالا شیر بچہ ہوں۔ ہم اگر کسی کو ٹارگٹ بنا لیں تو پھر اس کی دیکھنا' اس کا آخری انجام دیکھنا ہمیں بے حد اچھا لگتا ہے۔ ابھی تو اینٹی کلائمکس بھی نہیں ہوا۔ کلائمکس تو بہت بھی آفتاب جمیل کی عمر بھر کی شرافت کا نقاب چہرے سے اترنے کا وقت ہے۔ میں نے سوہا پیرزادہ کی شکل اس کے لیے بچھایا ہے اس سے نکلے گا تو جانے گا۔ شہریار کے بچے کی اطلاع اور اس کے اغوا کا تو اس پر ہوا۔ مگر سوہا پیرزادہ کی اداؤں کا اثر اس کے جوان بیٹے کے اعصاب پر ضرور ہوگا۔ نہ پہنچایا اسے میں چوں والے کے مکان پر واپس تو میرا نام بدل دینا۔''

میں سمجھنے سے قاصر ہوں یار! پتہ نہیں وہ کس کا بچہ ہے جسے تم لوگوں نے اتنے عرصے سے کھلونا بنایا ہوا ہے تھ' کبھی اس ہاتھ۔ اس کا کیا قصور ہے؟''

میرا کیا قصور تھا۔ جوان دونوں شرفاء نے مجھے کھلونا بنائے رکھا۔ ایک دوسرے پر الزام لگاتے رہے کئی سال ہے کرتے رہے' اپنے اپنے بچوں کی تو شناخت بنالی۔ مجھے ایک دوسرے کے کورٹ میں پھینکتے رہے۔''

سارہ کو کیسے اپنا لیا شاہنواز احمد نے۔ وہ بھی تو تمہاری ماں کی بہن کی بیٹی تھی؟''

سارہ Profitable Item تھی نا۔ دوسرے اس کی ماں سے تو نکاح کیا تھا موصوف چار بندوں کے کیسے نہ اپناتا۔''

کیا فائدہ پہنچا سکی سارہ شاہنواز احمد کو۔ آج یہ حال ہے کہ باپ کی شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں اس کو۔''

اس میں بھی تو میرا اور میرے باپ کا کریڈٹ ہے سارا کا سارا۔ اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ سارہ اپنے رت کرتی ہے اور میری دوست ہے۔''

تم پورے کے پورے الو کے پٹھے ہو۔ اول سے آخر تک کمینے۔''

کیسے نہ ہوتا۔ نامعلوم باپ کی اولاد ہوں۔ روزینہ بائی کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور یاسین بھٹی کے زیر سایہ پلا خون میں بھلائی تو کہیں ہے ہی نہیں۔''

اچھا یہ تو بتا' میری ماں تو کلیم کرتی تھی آفتاب جمیل کو تیرا باپ۔ یہ شاہنواز احمد کی اس قصبے میں کیا انوالومنٹ

وہ پٹھا تھا میری ماں اور میری ماسی کے کوٹھے کا۔ جو صاحب بہادر ادھر کا رخ کرتا تھا یہ سوسائٹی میں جا کر اس کے کھولنے کی دھمکی دے کر بھتہ وصول کرتا تھا اپنا۔ منتھلی لگی ہوتی تھی' اس کے منہ بند رکھنے کے لیے۔ اسی

حرام کے پیسے سے تو سالا پڑھ گیا۔ نیشنل کالج آف آرٹس میں ورنہ اس کی کیا اوقات تھی کہ گیٹ کے اندر بھی گھسنے دیتا اس کو۔"

"پھر آفتاب جمیل اس سے کیوں نہیں ڈرا۔ اس نے اس کے کہنے پر کیوں منہ بند کرنے کو پیسہ دیا اس کو؟"

"آفتاب جمیل مرچوں والے کا بیٹا تھا۔ نئی نئی کرپشن شروع کی تھی' اس نے اپنے محکمے میں' چھوٹے چھوٹے ہاتھ مارتا تھا۔ یونہی یار دوستوں کے ساتھ شغلاً جانے لگا روزینہ بائی کے کوٹھے پر۔ وہیں میری ماں زرینہ بائی کی زلفوں کا اسیر ہوا۔ خیال اغلب ہے کہ اس اسیری کے نتیجے میں میرا ظہور ہونے کے آثار پیدا ہو گئے۔ شاہنواز جیسے شاطر آدمی کے لیے اس سے بڑھیا موقع کہاں پیدا ہونا تھا۔ اس نے میری ماں کو جذباتی طور پر بلیک میل کیا' لے گیا اسے آفتاب کے گھر پرانے لاہور میں۔ وہاں آفتاب صاف مکر گیا اس بات سے اور اس نے نہ صرف دونوں کو ذلیل کیا بلکہ شاہنواز اور میری ماں سے یہ بھی کہا کہ وہ دونوں' اپنا گناہ اس کے سر لگا رہے تھے۔ اس وقت وہ میڈیا کر سے اسٹیٹس کا بندہ تھا۔ محلہ اس کی شرافت کا گواہ تھا۔ وہ حملہ جیت گیا۔ پھر اس نے راتوں رات کرا ہاتھ مارا یا یوں سمجھو کہ اس کا لگ گیا۔ بس چند دنوں میں وہ یہ بن گیا جو آج ہے' مرچوں والے صاحب کا ویسے کر گئے اگلے جہاں آفتاب نے پرانے لوگوں سے تعلق توڑ لیا۔ اس واقعے کے عینی شاہد بھی گئے' واقعہ بھی گول ہوا۔

میری پیدائش تک بے چارے شاہنواز نے بڑا زور لگایا کہ کسی طرح اس کا ہاتھ پڑ جائے آفتاب کے گلے چند سکوں پر لیکن وہ بھی ایک اکائیاں آدمی تھا۔ ہائی سوسائٹی میں آنے کے بعد بھی اس واقعے کی بازگشت سے بچنے کے لیے اس نے یہاں کے مروجہ گناہوں سے کنارا کیے رکھا تا کہ اگر کوئی اس قسم کا ذکر کرے بھی تو اس کے کردار کو دیکھتے ہوئے یقین نہ کرے۔"

"پھر یاسین بھٹی نے کہاں سے انٹری دی اس سارے قصے میں؟"

"یہ سارے ایک ہی حمام میں نہاتے تھے جب ہی ایک دوسرے کو خوب جانتے تھے۔ یاسین بھٹی میری ماں کا مداح خاص تھا اور اسی محکمے کا ملازم تھا جس میں آفتاب کام کرتا تھا۔ وہ بڑا ہاتھ جس نے آفتاب کو صحیح معنوں میں آفتاب بنا دیا۔ دونوں کا مشترکہ منصوبہ تھا' مگر آفتاب نے کمال مہارت سے اسے ہری جھنڈی دکھائی اور سارا مال سنبھال لیا۔ یاسین بھٹی زخم خوردہ سانپ تھا۔ میری ماں کے مرتے وقت اس نے عہد کیا تھا کہ وہ آفتاب کو چین سے بیٹھنے دے گا جب ہی تو اس نے مجھے اڈاپٹ کر لیا۔ ورنہ میں پڑا رل رہا ہوتا اس بڑے بازار کی گلیوں میں۔"

"یاسین بھٹی کے پاس پیسہ کہاں آ گیا پھر؟"

"اس نے پیسہ بنانے کے سارے گر سیکھ لیے۔ اس بازار کی ساری حسیناؤں کو پرموٹ کرنے کے گن' نجی محفلیں سجانے کے گن۔ عرب امارات کے شیخوں کے دل بہلانے کے گن۔ پونو گرافی کا فن' شریف گھرانوں کی ایکسپورٹ کرنے کی دھندے یاسین بھٹی ایک دم امیر نہیں ہوا یار! اس نے قدم قدم زندگی بنانا سیکھا اور آہستہ آہستہ پیسہ بھی کمایا اور تعلقات بھی بنائے۔ آج اس کا نام فن کی دنیا میں بڑا بلند ہے۔ کتنے جانتے ہیں کہ وہ فلم ڈسٹری بیوشن کی آڑ میں کیا کام کرتا ہے۔ تم یہ دیکھو۔ اس کے ٹھاٹ باٹ دیکھو۔ اس کی سجنے والی محفلیں دیکھو۔ فن کی دنیا کے نقشے میں اس کی آنیاں جانیاں دیکھو یار۔"

"ویسے اس تمہارے روحانی باپ نے بلکہ گرو نے اپنی شادی کیوں نہیں رچائی؟"

"وہ شادی کے بغیر ہی دولہا ہے ان سب کا جو کہتی ہیں ابھی ہمارا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس کے مزے ہیں نا وہ ایک بیوی کے شوہر کے کبھی ہو نہیں سکتے اسے کیا ضرورت ہے شادی کے پھندے میں پھنسنے کی۔

میں جو ہوں اس کے ساتھ' دنیا سمجھتی ہے۔ اس کی بیوی یعنی ماں مر گئی اور وہ ایسا وفادار ہے کہ اس کے بعد شادی نہیں کی۔"

"ون فیس انڈر دی اور One Face Under The Other اور اس کے نیچے ایک اور' اور اس کے نیچے ... میں تو تم لوگوں کے اور ان سب لوگوں کے چہرے ڈسکور کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ اصل چہرہ کہاں ہے؟"

"نہیں کبھی خود بھی نہیں دیکھا۔ کبھی نظر ہی نہیں آیا۔"

"اور اب جو اس غریب ولایتی ککڑی دیسی چک مس ککو دی ڈانسنگ ڈول کو اس کہانی میں گھسیٹ لیا ہے تم نے' بے چاری کا کیا قصور ہے؟"

"یہ دانے یونہی استعمال ہوتے ہیں شکار پکڑنے کو۔ یہ ڈانسنگ ڈول مس للی ڈی سوزا سے ککو دی ڈانسنگ ڈول بننے کے لیے کتنوں کی دلہن ایک رات کی بنی ہے' تمہیں معلوم ہے؟ نہیں نا۔ تو بس جان لو کہ اس قسم کے سکے ہی چلتے ہیں۔ اس کو اپنے کیریر کی پڑی ہے' ہمیں بچے کو چھپائے رکھنے کی۔ جب تک بچے کی اصلیت اسفند یار چین کی نیند نہیں سوئے گا جس دن یہ اصلیت کھل گئی' اس دن بچہ ہمیشہ کی نیند سو جائے گا۔"

"او مائی گاڈ۔ یار! تمہیں اس سارے میں کیا ملے گا؟"

"دل کا چین' دماغ کا سکون' ہم گیم ڈالنے والے لوگ ہیں مائی ڈیر! گیم ڈالے بغیر ہمیں مزا نہیں آتا۔"

"کبھی جو تم لوگوں کو دیکھنے والے' سراہنے والے تم لوگوں کے کام کے پیچھے دیوانے ہونے والے لوگ تمہاری اصلیت جان لیں تو ان کا کیا بنے اور تمہارا کیا حال ہو؟"

"تم یہ ڈرنگ لو میری جان! میرے چوچے' تمہارا کبوتر کا سا جگر اور چوہے کا سا تن نازک ان باتوں کی تاب نہیں لا سکتا۔ سو تم پاؤڈر سونگھو اور اپنی پسند کے مشروب پیو اس بار میں سے اور پڑے رہو یہیں کہیں۔ ہم یاروں کے یار معاملے میں بڑے دل والے لوگ ہیں۔ یونو۔"

"آپ نے اس روز مجھ سے پوچھا تھا۔ رباب کیانی کون ہے۔ آج میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ یہ سوہا کون ہے؟" اسفند نے آفتاب جمیل کے سامنے بیٹھتے ہوئے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میرے سوال کا جواب تم نے نہیں دیا تھا۔"

"تمہارے سوال کا جواب میں نہیں دوں گا۔" اتنی ہی سنجیدگی سے آفتاب جمیل نے جواب دیا۔

"مگر میرے لیے یہ انتہائی اہم معاملہ ہے' مجھے آپ سے پوچھنا ہی ہے۔ وہ خاتون کون ہے اور اس سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"رباب کیانی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" ادھر سے سوال آیا۔

"میرے سوال کو پلٹائیں نہیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ رباب کون ہے اور میرا اس سے کیا تعلق ہے۔"

"تو کیا تم نہیں جانتے کہ سوہا کون ہے اور میرا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"نہیں۔" اسفند نے درشت لہجے میں کہا۔ "میں نہیں جانتا کیونکہ اس قسم کی کوئی بات پہلے میں نے کبھی سنی نا میں ان خاتون کے نام سے پہلے واقف تھا' نہ میں اس کے ویرا باؤٹس سے واقف ہوں۔"

"تمہیں اور تمہاری ماں کو تحقیقات کرنے اور جاسوس چھوڑنے میں مہارت حاصل ہے۔ اپنی مہارت سے کام

کیوں نہیں لیتے۔ آزماؤ اپنے حربے اور جان لو کہ سوہا کون ہے؟''

''ڈیڈی! یہ آپ ہیں؟'' اسفند ان کے لہجے اور انداز پر ششدر رہ گیا۔

''ہاں' یہ میں ہوں۔'' انہوں نے سر اٹھا کر کہا۔ ''ایک عمر تک اپنے گھر میں بھاڑے کے ٹٹوؤں جیسی گزارنے والا شخص۔ بیوی وہ جس نے اپنی قسمت کی بارآوری پر شکر کرنے کے بجائے تکبر کیا اور ہمیشہ کوشش مجھے اپنی ناک کے نیچے رکھے۔ بیٹے وہ جو معاشرے میں میرے لیے باعث فخر بننے کے بجائے شرمندگی کا بنتے رہے۔ ایک نے میرے بدترین دشمن کی بیٹی سے دوستی گانٹھ لی اور اس سے بیاہ رچانے چلا۔ میری عمر بھر کمائی کو لوگوں کے گھروں میں راشن بھرنے پر لگا دیا۔ دوسرا اس سے بھی چار ہاتھ آگے نکلا جسے اس سوسائٹی کے اقدار پسند ہی نہیں آتے۔ وہ نچلے درجے کے لوگوں کا گاڈ فادر بن بیٹھا۔ اس کی تعلیم کے سلسلے میں' اس کے سلسلے میں' اس کی بیماری کے سلسلے میں' بیوہ غریب عورتوں کے سلسلے میں' بوڑھے اپاہج لوگوں کے سلسلے میں' میں وہ کروں۔ ادھر سے نکالوں' ادھر خرچ کروں۔ میاں صاجزادے! تم سب کے اس منظر نامے میں میری حیثیت ہے؟ کسی کے جسم کی لاش اٹھاؤں' کسی کی عقل کی۔ میرا کام یہی رہ گیا ہے کیا؟ بیگم صاحبہ ہیں جو زمانے کی احمق' سر پھری' بے وقوف' خوشامدی' پھڑ باز عورت ہے۔ وہ ان کے حلقہ احباب میں شامل ہے۔ تھرڈ کلاس چیزیں خریدنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ دوسروں کے رخسار سرخ دیکھ کر خود کو تھپڑ مار کر اپنے رخسار سرخ کرتی ہے۔ اچھے بھلے شریف لوگوں پر کیچڑ اچھالنا ان کی فیورٹ ہابی ہے اور تم سب لوگوں کے ان مشاغل کو پورا کرنے کے لیے دن رات گدھوں کی طرح محنت کر کے کماؤں میں سر نہ اٹھاؤں' اف نہ کروں' سی نہ کہوں۔ بس جس طرف ہانکو ہنک جاؤں۔''

اسفند کو اپنی سماعت اور بصارت دونوں پر شک ہوا۔ یہ شک تو اسے کچھ دن پہلے سے ہو رہا تھا' اب یقین ہونے لگا تھا کہ اس کا باپ کسی بڑے ٹریپ میں پھنس گیا تھا۔ شہری کی موت کے بعد وہ شخص جو شکست خوردہ اور دکھی نظر آتا تھا' سراسر بدل چکا تھا۔ اس میں پہلے کا تکبر' سختی اور غرور پیدا ہو گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں' اپنی بیوی اور بیٹوں کے معاملے میں بھی اسی قسم کا رویہ اپنانے لگا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اپنے کام کے سلسلے میں میری محنت اور جدوجہد پر آپ کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔'' بمشکل اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے

''محنت اور جدوجہد تم کس چیز پر کر رہے ہو۔ میری عمر بھر کی کمائی سے بنے یونٹس پر' وہ جو سب میں نے بنائے جس کے مالک تم ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بن گئے۔

''آئی ایم سوری ڈیڈی!'' اب کے اسفند کا لہجہ تخت ہو گیا۔ ''آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری تعلیم میرے کام میں مہارت آپ کے پیسے کی محتاج ہے نہ ہی آپ کے یونٹس کی۔ مجھے اپنی الگ شناخت بنانے میں مشکل پیش نہیں آئے گی۔''

''یہ تعلیم اور مہارت تم نے کہاں سے حاصل کی؟ کون تھا جو تمہیں سپورٹ کر رہا تھا۔ تمہارے ساتھ لوگوں نے یہ تعلیم' یہ مہارت' یہ آسائشات انجوائے کیں اب تک۔؟''

......✿......

"یہ کوئی احسان نہیں آپ کا ہم پر، سب ہی باپ اپنی اولاد کے لیے یہ کچھ کرتے ہیں...... جتنی جس کو توفیق ہو۔"

"مگر اس کے جواب میں ان باپوں کی کوئی حیثیت ہوتی ہے، جو میری ہرگز نہیں ہے نہ تمہاری نظر میں نہ ہی تمہاری ماں کی نظر میں۔"

اسفند نے بغور ان کو دیکھا اور پھر گہرا سانس لیتے ہوئے اپنی چابیاں اور سن گلاز ان کی ٹیبل سے اٹھائے۔ "میرا خیال ہے کہ ہم پھر اس موضوع پر بات کریں گے، فی الحال مزید بات کرنے سے ممکن ہے کہ کچھ ناپسندیدہ الفاظ ہم دونوں کی زبان سے نکل جائیں۔"

"میرے الفاظ، میرے خیالات اور میرا لہجہ یہی ہو گا تم جب بھی بات کرو گے اسفند!" اسے اپنے عقب سے آواز آئی "ہیل وِد دس ٹاپ آف لائف جو میں گزارتا رہا ہوں اب تک، احمقانہ زندگی، گدھوں سے برتر زندگی۔ کان کھول کر سن لو تم اور بتا دینا اپنی ماں کو بھی۔ اب میں وہ زندگی گزاروں گا جو مجھے آج سے کئی سال پہلے سے گزارنا چاہیے تھی، میں مزید تم لوگوں کے اشارے پر نہیں ناچ سکتا۔"

اسفند نے کچھ دیر رک کر عقب سے آتی آواز اور الفاظ پر غور کیا اور پھر دروازہ کھول کر ان کے آفس سے باہر آ گیا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا اور قدم بھاری تھے۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ نیچے جانے کے لیے لفٹ میں اس وقت وہ تنہا تھا ورنہ کوئی بھی دوسرا شخص اس کی ظاہری حالت پر تشویش کا اظہار کر سکتا تھا۔ وہ کس طرح اس بلڈنگ کی لابی سے نکل کر باہر پارکنگ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ اسے کہاں جانا تھا، گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے تک اسے معلوم نہیں تھا۔ وہ اپنی زندگی کی دوسری بڑی ٹریجڈی سے دوچار ہوا تھا۔ اس کی زندگی کا پہلا دکھ شہری کی موت تھی اور اس دکھ کے حصار سے باہر نکلنے میں اس کا باپ اس کا سب سے بڑا معاون ثابت ہوا تھا۔ اسے غیر متوازن ذہنی کیفیت سے باہر نکال کر ایک نارمل زندگی کی طرف لانے والا شخص جو اس کا باپ تھا، آج خود ہاتھوں اسے پھر اسی ذہنی کیفیت کی طرف دھکیلنے کے درپے ہو رہا تھا۔

"وہ کہاں جائے، اس نے سلگتے ذہن کے ساتھ سوچا۔" اپنے آفس میں واپس جانے کو اس کا دل نہیں چاہا

حالانکہ اس روز اس کو ایک بہت اہم میٹنگ اٹینڈ کرنا تھی۔ مگر اس وقت وہ جانتا تھا کہ وہ کوئی میٹنگ اٹینڈ کر پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ گھر چلا جائے، اس نے دوسرا آپشن سوچا۔ مگر باپ کی گفتگو سن لینے کے فوری بعد اسے گھر بھی مشکل لگ رہا تھا۔ پھر اس نے گاڑی ڈیفنس کی طرف موڑ لی۔ سلمان کے ساتھ مل کر جس ملٹی نیشنل کمپنی ڈیپارٹمنٹل اسٹور اس نے پہلی بار پاکستان میں کھولا تھا، اس کی پہلی برانچ ڈیفنس میں تھی۔ اسٹور کا ایڈمن منیجر اس کی آمد کا سن کر بھاگا آیا تھا۔ وہ اسے اپنے آفس میں لے جانے پر اصرار کر رہا تھا۔

اس نے سلمان کے بارے میں پوچھا۔ وہ زیر تعمیر ویر ہاؤس کا جائزہ لینے سائٹ پر گیا ہوا تھا۔ اس نے سلمان کا آفس کھلوایا اور سختی سے خود کو ڈسٹرب کیے جانے سے سب کو منع کر کے دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔

''اپنی جنگ خود لڑو گے تم اسفند یار! اس بار کوئی نروس بریک ڈاؤن کوئی دماغ کی خرابی نہیں ہوگی۔ اس بار اپنے حواسوں میں رہو گے اور اس صورت حال کا سامنا خود کرو گے۔''

اس نے خود کو باور کرانے میں دوپہر سے شام کر دی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی گھریلو زندگی نارمل کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ وہ دونوں اپنے ماں باپ سے ذہنی طور پر ہمیشہ ہی دور رہے تھے۔ مگر یہ غنیمت تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے۔ اپنے باپ کے بارے میں ہمیشہ سے ان کا خیال تھا کہ وہ حد درجہ مادہ پرست انسان تھے۔ ان کے نزدیک انسانی جذبات و احساسات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مگر شہری کی موت کے بعد وہ جس باپ سے متعارف ہوا تھا، وہ سراسر مختلف انسان تھے۔ اس نے انہیں شہری کے لیے آنسو بہاتے بھی دیکھا تھا۔ اپنی بیوی کی حسی کا ذکر کرتے بھی سنا تھا۔ اپنے معیار سے کم تر لوگوں کے دکھ سکھ سنتے بھی دیکھا تھا۔

''لو شہری جس منظر کو دیکھنے کی تم کو تمنا تھی وہ تو تمہارے جانے کے بعد اسٹیج ہوا۔'' اس نے کئی بار دل میں شہری کو مخاطب کرتے ہوئے سوچا تھا، پھر ممی کے ساتھ کئی معاملات پر بحث کے دوران اس نے دیکھا تھا کہ وہ اس کا ساتھ دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی کمپنی کے تمام شیئرز میں ہر جگہ اس کا آدھا حصہ رکھوا دیا تھا۔ شہری کے تمام شیئرز بھی اس کے نام پر ٹرانسفر کروا دیے تھے، کچھ یوں کہ بغیر اس کے دستخط کے وہ کسی اکاؤنٹ کو اکیلے چھیڑ نہیں سکتے تھے۔ اکاؤنٹس البتہ ایسے تھے جو ممی اور ڈیڈی کے مشترکہ تھے۔ پہلی بار اس نے سنجیدگی سے سوچا اور اس نتیجہ پر پہنچا۔

یقیناً یہ ان کا بخشا ہوا اعتماد اور اس پیسے کا بل بوتا ہی تھا جو وہ یوں من مرضی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے بغیر کیا تھا۔ وہ سوشل لائف، وہ سماجی کردار، فلاحی کام، شہری کی زندگی اور موت کے اسرار جاننے کے لیے کی گئی کوششیں وہ سب اس پیسے اور اسٹیٹس کے بغیر ممکن تھا جو ڈیڈی کی سماجی پوزیشن نے اسے عطا کیا تھا۔ کیا اس کے بغیر وہ ایک گمنام اور عام سا شخص نہیں تھا؟

شام ڈھلنے تک وہ ایک اہم نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا ایسا فیصلہ جو خالصتاً اس کا اپنا تھا۔

''لو میں یونہی مضطرب رہتی ہوں، خدا کی رحمت سے مایوس اور نا امید۔'' لینا نے آنٹ جینس کو ملنے کے بعد سوچا۔ جس حالت میں وہ اس سینٹر میں لائی گئی تھیں، اس حالت میں اتنی بہتری کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خود سے بیٹھ سکتی تھیں، اس حالت میں اتنی بہتری کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خود سے بیٹھ سکتی تھیں، کھا پی سکتی تھیں ذرا سے سہارے کے ساتھ چل سکتی تھیں اور ان کی پہچان ۔۔ت بہتر ہو چکی تھی۔ وہ اتنے عرصے کے بعد لینا کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھایا تھا۔ اس کی پیشانی پر پیار کیا تھا اور اب وہ دھیرے دھیرے اس کی کمر سہلا رہی تھیں۔

''خداوند، انہیں کیوں نہ اور۔ اور بہت اور نوازے، جنہوں نے آنٹ جینس کے ساتھ، ہمارے ساتھ اتنی نیکی کی۔'' لینا نے بارہا سوچا اور دعا کی۔ اور یہ دعا کرتے ہوئے اس کے سامنے اسفند یار کا چہرہ تھا۔

''مام، مام، ما بل، لی لل لی!'' آنٹ جینس نے تین بار بمشکل نام لے کر اس سے گرینی اور للی کے بارے میں پوچھا۔ وہ خاموش رہی۔ اس سوال ۔۔۔س کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور وہ یہ کہہ کر ان کے دل کو رنجور نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ان کی ماں اور بیٹی کو ان کی یاد نہیں ستاتی تھی یا یہ کہ وہ اپنی اپنی زندگیوں میں اتنی مصروف اور خوش تھیں کہ انہیں آنٹ جینس کی یاد آتی تھی نہ ہی لینا کی۔

''ہمارا پاس اڈریس (ایڈریس) موجود ہے للی کا، ایک بار ہم گیا تھا للی سے ملنا کا واسطہ، وہ کوئی (خوش) تو نہیں ہوا تھا ہم سے مل کر، بٹ ہم تو ایلس کے پاس گیا تھا۔ وہ تھا نہیں للی مل گیا۔ کیا بولتا ہے، آنٹ تمہارا کو ڈرامہ کا پاس چاہیے تو لے لو، ہم اپنا سرونٹ بوائے کا ہاتھ بھجوا دیں گا تم کو پاس، مطلب تم یہاں سے ہو جاؤ جلدی۔'' آنٹ سوسن نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اس ری ہیبلیٹیشن (Rehabilitation) سینٹر سے باہر نکل رہی تھیں۔

''آنٹ سوسن! وہ شخص کون ہو سکتا ہے جو آنٹ جینس کے لیے اتنی رقم ڈونیٹ کر گیا کہ کسی اور ڈونیشن کی ضرورت باقی نہیں رہی۔'' لینا کا ذہن کسی اور طرف مصروف تھا۔

''اس ونڈرفل ورلڈ میں لینا ڈرالنگ! خداوند کے ایسے کئی ماننے والے بھی ہیں جو بغیر کسی صلے کے ہیومنٹی (انسانیت) کا کھدمت کرتا، چپکے چپکے بغیر کسی کو بتائے اسکار یٹرن اس کی اونلی گاڈ سے ملنے کا ہے۔ ہم انسان اس کو ریٹرن دے نہیں سکتا۔''

''آنٹ سوسن! چلیں گرینی کے پاس چلتے ہیں۔'' لینا کو اچانک ایک اور خیال سوجھا۔

''او شیور، ضرور چلتے ہیں، ادھر کا ویگن میں بیٹھ جاتے ہیں۔'' آنٹ سوسن تو جیسے اشارے کی منتظر تھیں۔ وہ لوگوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں جنہیں نئی نئی باتیں سننے اور نئی نئی صورت حال دیکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ وہ بس میں لینا کو بٹھا کر بڑے شوق سے اس نسبتاً نئے رہائشی علاقے کی طرف لے آئیں جو لینا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کوئی نئی ہاؤسنگ اسکیم تھی جس کے فلیٹ نمبر بارہ میں للی رہتی تھی۔ یہ فلیٹ کچھ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر چھوٹا بھی نہیں تھا۔ بیل کی آواز پر ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکے نے ان کا نام پوچھا تھا۔ لینا کے نام پر دروازہ کھٹاک سے کھل گیا تھا۔ چھوٹا سا لاؤنج تھا۔ جس میں سامنے ہی گرینی کھڑی تھیں۔

''او لینا، مائی ڈارلنگ، ام آج اپنا گاڈ سے کچھ اور مانگ لیتا تو وہ بی مل جاتا، ڈارلنگ ام لاسٹ نائٹ سے تم کو اتنا مس کرتا، اتنا مس کرتا کہ تم بلیو نہ کرتا۔''

وہ اس کو گلے سے لگا رہی تھیں۔ پیار کر رہی تھیں۔ لینا نے گرینی کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان دیکھا۔ وہ عرصہ ہوا کھو چکا تھا۔ چلو کسی کو سہی میسر تو آیا، اس نے سوچا۔ گرینی اب آنٹ سوسن سے محو گفتگو تھیں۔ لینا نے نظر دوڑا کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اسے کمرے میں بے ترتیبی اور پھیلاوے کا احساس ہوا۔ پھر اس کی نظر چھوٹے کھلونوں اور پیش چیئر پر پڑی۔ وہ ٹھٹک گئی۔

''گرینی! یہاں آپ کے اور للی کے ساتھ کوئی اور بھی رہتا ہے۔'' اس نے پوچھا۔ گرینی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر یہ کھلونے کس کے ہیں، یہ ملازم لڑکا تو اچھا خاصا بڑا ہے۔''

''لو...... یہ بے بی ٹوائز۔'' گرینی قہقہہ لگا کر بولیں۔ ''یہ سب تو جیوفری کا ہے۔ باسیر (بشیر) او باسیر! جلدی

سے بابا لوگ کو ایدر لے کر آنا کا کرو۔ اس کا آنٹ لینا آیا ہے اس سے ملنے کا واسطہ۔'' انہوں نے بلند آواز م

''بابا لوگ، آنٹ لینا۔'' لینا کا سر گھوم گیا۔ اگلے لمحے ملازم لڑکا ایک ڈیڑھ دو سال کے بچے کو تھا
آیا۔ بچہ پیارا تھا اور شرارتی بھی مگر اسکے خدوخال بالکل مقامی تھے۔

''یہ کس کا بچہ ہے گرینی۔ آپ کے پاس کیسے آیا؟'' لینا اپنی حیرت چھپا نہ سکی۔

''یہ لینا ڈارلنگ!'' گرینی نے لمبا سانس لینے کے بعد کہا ''بڑا معجزہ ہے یہ بچہ۔ للی کو اس کا فرینڈ
اس کا فرینڈ نے دوسرا شادی بنایا۔ سیکنڈ ہزبینڈ اس کو رکھنا کا واسطہ بالکل تیار نائیں تھا۔ ام یہ اسٹوری سنا تو ۂ
بچہ معصوم کا کیا گلتی (غلطی) اپنا فرینڈ سے بولو بچہ ام کو دے دیویں۔ ام پالیں گا بچہ کو، للی بولا گرینی اتنا بڑا
ام کیسا پورا کریں گا۔ ام بولا۔ ام کدھر پورا کریں گا للی ڈارلنگ! گاڈ پورا کریں گا ہم سیلف (خود) لے آیا
دیکھو ابی سوسن، یہ بچہ یاور گھر میں آیا اور للی کو ایک کا باریک آفر نے لگا رولز کا، بچہ بوت لکی اے امارا واسطہ۔''
من گھڑت کہانی بے دھڑک سنا دی۔ انہوں نے للی کے ساتھ مل کر یہ کہانی گھڑی تھی جس میں کوئی جھول نہیں

''لکی گرینی! لکی یو آر۔ تم بولو، تم یہاں خوش ہو نا؟''

''کھوش!'' گرینی نے الٹا سوال کیا ''لینا ڈارلنگ ام اونلی کھش نائیں بوت کھوش ہے۔ ام ار
لائف سے چھوٹ گیا امارا مانو۔ تم بی ایدر آجاؤ، للی تمارا واسطہ بی ڈرامہ والا سے بات کرے گی۔''

لینا کو جھرجھری آگئی ''گرینی تم خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں۔ تم روشنی میں رہتی تھیں اس میں واپس
درمیان میں وہ کیا تھا۔ شاید تمہاری آزمائش یا شاید یہ تمہاری آزمائش ہے۔ للی وہی گرینڈ ڈاٹر ہے تمہاری جو
قیمتی جیولز لے کر بھاگی تھی اور جس واقعہ پر تم نے ہمیں جی بھر کر وعظ سنائے تھے۔ نیکی کا راستہ، اگلے جہاں کا
پیسہ اور آسائش دیکھ کر تمہاری ترجیحات دبل گئیں۔ اچھا ہوا، کم سے کم تم اخیر عمر کی کھٹنائیوں سے تو بچ گئیں۔''

''بس یہی۔'' گرینی نے صوفے کو ہتھی پر ہاتھ مارا۔ ''بس اسی بات کا واطہ للی تم لوگ سے نہیں ملا
کوئی اس نے منع کیا۔ وہ بولتا گرینی وہ تم کو اوٹ پٹانگ باتیں سنائیں گا، کیا گلاط ہے کیا رائٹ ہے ام تم فیصا
کون اے۔ اونلی گاڈ سب جاننا والا ہے۔''

''ٹھیک کہتی ہو تم۔'' لینا نے کارپٹ پر بیٹھے بچے کو مزے سے بشیر کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ ''فراز ا
بتاؤں گی، سارہ شاہنواز کے گھر تو کوئی بچہ نظر نہیں آیا البتہ ککودی اڈانسنگ ڈول کو ایک عدد بچہ کہیں سے ضر
ہے۔'' اس نے اپنا ڈپریشن کم کرنے کے لیے اپنے تئیں ایک مزے کی بات سوچی۔

''ام تمہارا کو کیا بتائیں سوسن۔ کیسا کیسا بڑا لوگ للی کا فین ہے۔ للی تو بہت بزی ہو گیا کبھی ادرا ہے تو
اسلام آباد، فیصل آباد، کراچی مری، دوبئی، کویت اب تو اس کا گروپ ولایت، امریکہ جانے والا۔ پیسہ ے
لاتا واپسی پر ساتھ۔'' لینا تم ایک دم ویک ہو گیا تم ملک نائیں لیتا نا اب چوکولیٹ والا اور سوسن ام کھد اپنا ہاتھ
کو ملک پلاتا اب یہ اپنا کھیال (خیال) کھد نائیں رکھتا نا۔'' لینا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔

''چلیں آنٹ سوسن! اب دیر ہو رہی ہے۔'' لینا نے ایک دم اٹھتے ہوئے کہا۔

''ابی بیٹھو، ام تمہارا واسطہ ڈنر بناتا۔'' گرینی نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

لینا کو اس سارے ماحول، گرینی کی گفتگو ہر چیز سے وحشت ہو رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے نکا
تھی۔

''لینا ڈارلنگ! تم ون نائٹ کا واسطہ اور رہ جاؤ، ام کھوب باتیں کریں گا۔'' گرینی بولیں۔ لینا ایک

ایک منٹ مزید ادھر رکنے کا تصور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور آنٹ سوسن سے بھی پہلے
ے باہر نکل آئی۔ باہر اسے تازہ ہوا کا احساس ہوا اور اسے اپنا سانس بحال ہوتا محسوس ہوا۔ آنٹ سوسن
رینی کی گفتگو سے متاثر ہو چکی تھیں۔ یا مایوس، واپسی کے راستے میں انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

......۞......

''اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میری اولین خواہش بن چکا تھا۔'' اپنی اگلی سیٹنگ میں سارہ نے رباب کو بتایا تھا
ہم کئی جگہ پر ایک دوسرے سے ملے بھی، گفتگو بھی ہوئی مگر اس کا رویہ میرے ساتھ محض دوستوں والا تھا اس سے
کر نہیں۔''

''کیوں؟'' رباب پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''کیونکہ محبت کے لیے اس کا معیار دوسرا تھا اور شاید نہیں یقیناً میں اس معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔'' رباب
لیے یہ ایک غیر متوقع بات تھی۔

''مگر میں نے سنا ہے کہ تمہارے اور اس کے افئیر کی کہانی خوب مقبول ہوئی تھی ان دنوں۔''

''ہوئی نہیں، کروائی گئی تھی دانستہ۔''

''دانستہ؟'' رباب نے دہرایا۔ ''کس نے کیا تھا ایسا؟''

''شہریار نے، خود شہریار نے۔'' رباب کے لیے یہ یقیناً ایک نیا انکشاف تھا۔

''مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟''

''ایسا کرنا اس کی ضرورت بن گیا تھا۔ اسی میں مصلحت سمجھتا تھا وہ۔ اپنے لیے میرے جذبات کو اس نے کیش
انے کا پلان بنایا اور اس میں وہ کامیاب ہو چکا تھا اگر وہ حادثہ نہ ہوتا۔''

......۞......

''میرا دل چاہتا ہے، انکل ڈینس کہ میں Nunnery جوائن کر لوں، زندگی کا کوئی مقصد تو ہو گا۔'' لینا نے
ذکر تے ہوئے انکل ڈینس سے کہا۔ نت نئے وقوع پذیر ہوتے واقعات نے اسے مایوس اور بددل کر دیا تھا۔

''تمہارا یہ فیصلہ قابل ستائش ہوتا اگر دل سے کیا جاتا۔'' انکل ڈینس نے جیم لگا ٹوسٹ پلیٹ میں رکھتے ہوئے
ا ''تم نے یہ فیصلہ یونہی کر لیا ہے جیسے کرنے کو یہ کام نہیں تو وہ کر لیا جائے۔ لینا ڈارلنگ! جو کام کرنے کو تم کہہ رہی
وہ بہت مشکل ہے اور صبر آزما بھی۔ دنیا کو ترک کر دینا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں اور ویسے بھی جو لڑکی یہ راہ اپناتی
ہے اگر خداوند کی خاص تائید حاصل ہو تو ہی وہ اسے راستے کو کامیابی سے طے کرتی ہے۔''

''پھر کیا کیا جائے؟'' لینا نے اپنی پلیٹ پرے کھسکاتے ہوئے کہا۔ ''آپ دیکھ رہے ہیں انکل ڈینی! زندگی
کیا رنگ بدلا ہے۔ گرینی کی واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جن آسائشات کی عادی ہو چکی ہیں۔ ان سے
ہارا ممکن نہیں۔ مجھے افسوس ہے گرینی نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ریاضت میں گزار دینے کے بعد اس عمر میں اپنے
للے وہ ریاضت ضائع کر دی ہے۔ آنٹ جینس اگر مکمل طور پر ٹھیک ہو بھی گئیں جو کہ ایک بڑے معجزے والی
ہوگی تو زیادہ سے زیادہ زندگی کے بقیہ دن ہی گزاریں گی نا، رہ گئی للی تو وہ نہ پہلے میری سگی تھی نہ اب کبھی ہو گی۔
بتائیے کہ میں کیا کروں؟''

انکل ڈینس اور آنٹ سوسن نے ایک دوسرے کی طرف کن اکھیوں سے دیکھا۔ ان دونوں کو ہی اس بچی کی بے
بسی کو محسوس ہو رہا تھا۔ ان دونوں کو یہ بچی بہت پسند تھی۔

"لینا ڈارلنگ! تمہارے مسئلے کا ایک حل شادی بھی ہے۔" انکل ڈینس کو کچھ بولنے سے روکتے ہوئے آنٹ سوسن نے کہا۔ "ڈارلنگ! تمہارے جیسا گولڈن گرل کو کوئی بھی اچھا والا لڑکا اپنا بناتے ہوئے خوشی محسوس کرے گا اور فخر بھی کرے گا تمہارا ساتھ پر۔"

"نہیں آنٹ سوسن! یہ بھی آپ کا وہم ہے۔" لینا نے ٹشو پیپر سے اپنی نم آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا "آپ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر جانتی ہیں کہ ہماری کرسچن کمیونٹی کے لڑکے آج کل کیسی کیسی ڈیمانڈز کرتے ہیں شادی کے سلسلے میں، میں تو کسی معمولی سے لڑکے کی ڈیمانڈ پوری کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں اور پھر جو فیملی کے چھوٹے موٹے اسٹیٹس کا حال کیا ہے گریبی اور للی نے، اس کے پیش نظر کون شریف اور اچھا خاندانی لڑکا مجھ سے شادی کرے گا۔ آپ بس مجھ پر ایک احسان کر دیں۔ مجھے Nunnery میں متعارف کروا دیں۔ میں مزید یہ زندگی نہیں گزارنا چاہتی آپ خداوند سے میرے لیے دعا بھی کیجیے۔ کہیں تو مجھے یکسوئی نصیب ہو جائے۔"

"ہم تمہارے لیے خصوصی دعا کریں گے لینا ڈارلنگ! خداوند تمہاری خصوصی مدد کرے گا، ڈونٹ وری۔" انکل ڈینس نے اس کے دکھ کو دل سے محسوس کرتے ہوئے کہا۔

اس رات لینا دیر تک بائبل پڑھتی رہی اور انکل ڈینس کو سناتی رہی۔

"اے میری جان! خداوند کو مبارک کہہ اور اس کی کوئی نعمت کو فراموش نہ کر۔ وہ تیری ساری بدکاری کو بخشتا ہے۔ وہ تجھے تمام بیماریوں سے شفا دیتا ہے۔ وہ تیری جان ہلاکت سے بچاتا ہے۔ وہ تیرے سر پر شفقت اور رحمت کا تاج رکھتا ہے۔ خداوند سب مظلوموں کے لیے صداقت اور عدل کے کام کرتا ہے۔ خداوند رحیم اور کریم ہے۔ قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی۔ وہ سدا جھڑکتا نہ رہے گا۔ وہ ہمیشہ غضب ناک نہ رہے گا۔ جس قدر آسمان زمین سے بلند ہے، اسی قدر اس کی شفقت ان پر ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔

اے خداوند! میری دعا پر کان لگا۔
اور میری منت کی آواز پر توجہ فرما۔
میں اپنی مصیبت کے دن تجھ سے دعا کروں گا۔
کیونکہ تو مجھے جواب دے گا۔
اے خداوند! مجھ کو اپنی راہ کی تعلیم دے۔ میں تیری راستی میں چلوں گا۔
میرے دل کو یکسوئی بخش تاکہ تیرے نام کا خوف مانوں۔"

لینا نے دعا اور کلام مقدس ختم کیا اور بائبل کو بند کر کے سر اٹھایا۔ انکل ڈینس کو دن بھر کے بعد اس کے چہرے پر سکون اور طمانیت پھیلی نظر آئی۔ انہوں نے دل سے اس بچی کے لیے یکسوئی کی دعا کی اور اسے سو جانے کی تلقین کرتے ہوئے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔

"کیا ایسا نہیں تھا کہ شہر یار محمد کو تم سے اتنی ہی محبت ہو گئی تھی جتنی تمہیں اس سے تھی۔"

رباب کو سارہ کا یہ انکشاف ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اسفند یار نے اسے بتایا تھا کہ سارہ شاہنواز وہ لڑکی تھی جس سے شہر یار نے محبت نہیں عشق کیا تھا اور اسی عشق کی خاطر وہ عمر بھر کا تابع فرمان بیٹا ماں باپ کے سامنے سر اٹھانے سے بھی نہیں ہچکچایا تھا۔

"بادی النظر میں تو ایسا ہی نظر آتا تھا سب کو، کیونکہ ہم دونوں ہر جگہ اکٹھے پائے جانے لگے تھے،

تقریبات، ہوٹلنگ، بورن فائرز، شکار، جم خانہ ہم ہر جگہ اکٹھے نظر آتے تھے بلکہ میں اگر یہ کہوں کہ وہ مجھے ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتا تھا تو غلط نہ ہوگا۔" سارہ نے اسی ٹون میں انکشاف کیا۔

"کہنا چاہتی ہو کہ وہ دانستہ طور پر ایسا کرتا تھا جب کہ حقیقت کچھ اور تھی۔" رباب نے بے یقینی سے کہا۔ اسے غلط بیانی کر رہی تھی یا پھر شاید وہ اپنی کہانی کا ٹریک بدلنا چاہتی تھی۔

"ضروری تو نہیں جن سے ہم محبت کرتے ہوں، وہ بھی ہم سے اسی طرح محبت کریں۔" سارہ نے اس محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "شہر یار محمد نے محبت ہی نہیں عشق کیا تھا۔ مگر اس کی محبت میں نہیں تھی۔ وہ کوئی اور تھی جس پر شہر یار محمد تن من دھن سے فدا تھا۔"

"کون تھی؟" رباب کو سارہ کی گپ پر غصہ آنے لگا۔

"صبا تھی، صبا مسعود!"

"کون ہے؟" رباب نے بے اختیار کہا۔

"ہے نہیں تھی۔" سارہ نے ایک اور انکشاف کیا۔

وقت اس کا موبائل بجا "ڈرامہ توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔" وہ کسی سے بات کرتے ہوئے کہہ رہی تھی اب مزید یہاں نہیں رکوں گی۔ تم پرسوں کی کسی فلائٹ سے سیٹ او کے کروا لو، ہاں یہ بتاؤ وہ دونوں اور نیہا چلنے کے لیے تیار ہیں نا، بس پھر ٹھیک ہے، واپس جا کر بھی کاموں کا ایک انبار ہوگا جو ہمیں سمیٹنا نے فون بند کر کے مسکراتے ہوئے رباب کی طرف دیکھا۔

مرتبہ میں پاکستان آتے ہوئے بہت چڑچڑی ہو رہی تھی، پتہ نہیں کیا بات ہے، میرا اب یہاں دل نہیں اس مرتبہ مجھے یہاں دو خوشیاں ملیں۔ میرا ڈرامہ جو شاہی قلعہ میں اسٹیج ہوا۔ انتہائی کامیاب رہا۔ اور دوسری سے بھی بڑی ہے۔ وہ تم سے اتنی طویل اور اچھی ملاقاتوں کی ہے۔ رباب! کبھی میں سوچتی تھی کہ دوستوں میں کون ایسا ہے جس سے دل کی بات کرتے ہوئے میں جھجکوں گی نہیں۔ میرا دل چاہتا تھا۔ کوئی ایک بھی ملے جس سے بات کرتے ہوئے مجھے اس کے خلوص پر شک نہ ہو۔ میں ذرا بھی اچھی انسان نہیں خدا تو سب کا ایک ہی ہوتا ہے نا نیکوں کا بھی اور بدوں کا بھی۔ اس نے شاید میری دعا سن لی اور اس دفعہ پر مجھے تم مل گئیں۔"

"سارہ! تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے، تم کیا یونہی زندگی گزارے چلی جاؤ گی؟" رباب نے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"تم اپنے والد کے پاس کیوں نہیں جاتیں، تم نے انہیں کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ تمہیں علم بھی ہے کہ وہ بیمار رہتے انہیں تمہاری ضرورت ہوگی۔" رباب کو معلوم تھا کہ اس کی یہ بات سارہ کو اچھی نہیں لگے گی۔ اس نے پھر

"ایک تو رباب تم میرے والد کی وکالت کرنا چھوڑ دو۔ تم نہیں جانتیں......"

"یقیناً میں نہیں جانتی۔" رباب نے اس کی بات کاٹی "مگر سارہ، باپ تو پھر باپ ہوتا ہے۔ وہ کتنا ہی برا انسان ہو، اپنی اولاد کے لیے وہ کبھی برا نہیں سوچ سکتا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تم نے انہیں سمجھنے کی کوشش ہی مجھے لگتا ہے کہ تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ جو کچھ بھی انہوں نے کیا، اس کی وجہ کیا تھی۔"

''اگر زندگی میں کبھی میں اپنے ظرف اور دل کو اتنا وسیع کرنے میں کامیاب ہوگئی تو تمہارے مشور
عمل کروں گی۔'' سارہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''اور وہ شہریار محمد کا قصہ۔'' رباب کو اچانک یاد آیا کہ وہ ایک دن کے بعد واپس جانے والی تھی۔

''میں دیکھ رہی ہوں رباب! تمہیں شہریار والے قصے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی ہے۔'' سارہ نے ہنر

''یقین جانو، یہ بڑا غیر متوقع قصہ ہے۔ اس سلسلے میں جو ہونا چاہیے تھا، وہ نہیں ہوا اور جو ہوا۔ وہ عموماً نہیں ہو

''شہریار محمد نے وروک میں میرے ساتھ ایک شارٹ کورس میں حصہ لیا تھا۔ شاید تب ہی مَن اس کے
میں جاننا چاہتی ہوں۔'' رباب نے اس قصے سے متعلق اپنی دلچسپی کی وجہ بتانے کے لیے ایک بہانہ گھڑنے
کی۔

''یہ تم مجھے اب بتا رہی ہو!'' ایزی چیئر پر جھولتی سارہ اچانک ساکت ہوئی ''تو پھر تو تم نے اسے د
بتاؤ بھلا کیا اس کی شخصیت میں وہ بات نہیں تھی کہ جو بھی دیکھتا اس پر مر مٹتا۔''

''مر مٹنے کے لیے بھی ہر ایک کے اسٹینڈرڈز الگ الگ ہوتے ہیں سارہ! لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ا
رشک شخصیت کا مالک تھا۔'' رباب نے اعتراف کیا۔

''مجھ سے زیادہ کوئی بھی اس کے اتنے قریب نہیں رہا۔ وہ کسی کو اپنے انتہائی قریب آنے نہیں دیتا تھا
کیونکہ اس کی ضرورت بن گئی تھی اس لیے اس نے مجھے اپنے قریب آنے کا موقع دیا۔''

''تم اس کی ضرورت کیوں بن گئی تھیں؟'' رباب نے پوچھا۔

''اس کی محبوبہ صبا مسعود تھی، وہ بیرسٹر مسعود میاں کی بیٹی تھی اور شہریار کو اپنے بھائی کی شادی کی تقریب
تھی۔ شہری کہتا تھا سارہ۔ وہ ایک مکمل عورت کا عملی نمونہ تھی۔ وہ ذہین تھی اور باعلم بھی، وہ ایک نیک اور باعمل
لڑکی تھی۔ اس کا لباس مکمل اور اس کے جسم کا ہر حصہ ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔ وہ خوش شکل بھی جی بھر کر تھی۔ اسکی آنکھ
اس کے ہونٹ بے مثال حسن کا نمونہ تھے۔ ایک، دو تین فقط تین ملاقاتوں میں صبا مسعود نے شہریار محمد کو
شانے چت کر دیا اور وہ اس کی ڈوری سے بندھ گیا۔ شہری کے بقول یہ اس کی زندگی کی واحد حقیقت تھی جو ا
اپنے بھائی اسفندیار سے بھی شیئر نہیں کی۔ تم اسفندیار کو جانتی ہو رباب؟'' سارہ کے اس سوال پر رباب بری ط
بڑا گئی۔

''اسفندیار، شہریار کا جڑواں بھائی ہے۔'' اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر سارہ نے خود ہی بتانا شرو
''آئیڈینٹیکل ٹوئنز (ہم شکل جڑواں) تھے وہ دونوں۔ ایک کو چھپاؤ دوسرے کو نکال لو۔ مگر طبیعت اور مزا
اسفندیار، شہریار کے پاسنگ بھی نہیں۔''

''تم اس کو بھی اس طرح جانتی ہو جس طرح شہریار کو۔'' رباب کے دل کو سارہ کی یہ بات بری لگی تھی۔

''نہیں، میں اسے اس طرح نہیں جانتی۔ مگر شہری کی موت کے بعد پاکستان واپس آ کر میرے اور شہر
تعلق کے بارے میں سننے کے بعد اس نے جس طرح مجھے زچ کرنے کی کوشش کی وہی مجھ سے اس کا تعلق بن

''اس نے تم سے ہی کیوں اس تعلق کے بارے میں جاننے کی کوشش کی؟''

''وہ مجھے شہریار کی موت کا سبب سمجھتا تھا۔''

کیوں؟'' رباب نے چونک کر پوچھا۔ ''شہریار کو کسی نے قتل تو نہیں کیا تھا۔ وہ ایک حادثاتی موت مرا تھا

''حادثہ بہت مشکوک تھا۔ بہت مشکوک۔'' سارہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اُدھر جیسے اسے کچھ یاد کر

گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے اور پھر اپنا چہرہ بھی دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔

میں پوچھ سکتی ہوں کہ یہ حادثہ کیوں مشکوک تھا۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ ایک مشکوک حادثہ تھا؟'' میں نے
اس بات کو خود اپنے آپ سے شیئر کرنے کی کوشش کی۔ میں ڈر جاتی تھی۔ یہ بہت خوفناک تھا، بہت

''

باب نے اب کے دانستہ کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ صرف سارہ کے چہرے کے تاثرات کو جانچنے کی کوشش کرتی

اس دوپہر کو شہریار اور میں نے کورٹ میرج کر لی۔ اس کے پیپرز میرے پاس نہیں ہیں۔ اس لیے میں اس
ت پیش نہیں کر سکتی۔''

شہریار نے تم سے کورٹ میرج کر لی؟'' رباب نے شدید حیرت کا اظہار کیا۔ ''جبکہ تم بتا رہی ہو کہ اس کی
اور تھی۔''

میں نے کہا نا کہ اس قصے میں جو ہونا چاہیے تھا۔ وہ نہیں ہوا اور جو ہوا وہ عموماً نہیں ہوتا۔''

اس نے صبا سے شادی کیوں نہیں کی؟''

کیونکہ اس کی شادی کسی اور سے ہوگئی تھی۔''

شہریار سے کیوں نہیں ہوئی؟''

صبا کے والد نے اس کی شادی طے کر دی تھی او شہریار کا پروپوزل قابل قبول ہونے کے باوجود وہ اپنی طے کی
سے مکرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے شہر کے معروف نیورو سرجن شہزاد لطیف سے صبا کی شادی کر

تو پھر تم شہریار کی دوسری ترجیح بن گئیں۔'' رباب کے لیے یہ ساری باتیں نئی تھیں۔

نہیں، میں شہریار کی کوئی ترجیح ہی نہیں تھی۔'' سارہ نے ایک اور انکشاف کیا۔

اس نے بلاوجہ ہی تم سے کورٹ میرج کر لی پھر۔''

میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔'' سارہ نے اپنی چیئر سے اٹھ کر فرش پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اپنے اور
کے درمیان رکھی میز پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے چہرہ ٹکاتے ہوئے اسے اپنی اور شہریار کی کورٹ میرج کے
ما بتانے لگی۔

......✿......

کسی نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ جینس ڈی سوزا اپنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی
نے والے کو دیکھ کر اس کا جسم بری طرح کپکپایا۔ اس کے ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ وہ کوئی لفظ ادا کرنے سے قاصر

تم ڈر گئیں؟'' آنے والے نے نرمی سے کہا اور اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ہاں یہ میں ہوں، مجسم اور زندہ، کہو، کیا تمہیں میرا انتظار نہیں تھا؟''

ہوں، اوں۔'' جینس کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

دیکھو۔ کتنے سال گزر گئے، گرمی، سردی، بہار، خزاں، برسات۔'' آنے والا کہتا گیا ''تمہیں بہار کا موسم
تھا نا۔ تمہیں وہ سبزہ یاد ہے جو بہار کے موسم میں پھوٹتا تھا اور جس پر سیر کرتے کرتے ہم نے بے شمار باتیں کی

تھیں۔ تمہیں وہ دن تو بہت اچھی طرح یاد ہوگا۔ جب ہم نے گھاس کے اس قطعے میں سالگرہ کا کیک کاٹا تھا، تمہیں یاد ہے نا؟''

جینس کی آنکھیں پھیل رہی تھیں اور وہ بے بسی کی ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔

''تم واپس لوٹ گئیں۔ یہ تم نے برا کیا۔ تم نے تو عمر بھر میرے ساتھ رہنے کا عہد کیا تھا۔''

''غوں، غوں، غاں۔'' جینس انتہائی کوشش کے باوجود کوئی لفظ منہ سے نکال نہ سکی تھی جبکہ اس کے معالج کا خیال تھا کہ اس کی اسپیچ تھراپی کامیابی سے جاری تھی۔

''مجھے بھی اپنی غفلت کا احساس ہے، مجھے بہت پہلے تمہاری خیریت دریافت کرنا چاہیے تھی مگر تم جانو میرا بزنس اور اس کے کام، پھر تمہارا کچھ اتا پتا بھی نہیں تھا، لیکن تم فکر مت کرو۔''

''اب میں تمہاری خیریت دریافت کرتا رہوں گا۔ تمہارے ڈاکٹرز سے میری بات ہوتی رہتی ہے۔ اب تم خیراتی رقم سے علاج نہیں کرواؤ گی۔ اب تمہارا علاج میں کرواؤں گا۔''

''نا نا نا!'' جینس نے بمشکل کہا مگر اس طرح کہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

''میری یہاں آمد کے متعلق کسی کو بتانا مت، ویسے بھی یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے نا، دوسروں کو اس میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''

اب جینس بے بسی سے اپنے بستر پر ہاتھ مار رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کے بال بکھر گئے تھے۔ ''ناں، ناں، ناں۔'' وہ دائیں بائیں سر مارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''پریشان مت ہو، اور ایسا ردعمل بھی ظاہر مت کرو، میرے پیسے پر تمہارا حق ہے، یہ کوئی احسان تو نہیں ہے۔'' آنے والے نے اٹھ کر جینس کو شانوں سے پکڑ کر تھامتے ہوئے کہا۔ اس نے جینس کے بال بھی سمیٹے اور اپنے ہاتھ سے اس کا چہرہ صاف کیا۔

''اب چلتا ہوں، پھر آنے کی کوشش کروں گا، نہ آ سکا تو معاف کر دینا۔''

اس نے ہاتھ کے اشارے سے جینس کو خدا حافظ کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ جینس کا حرکت کرتا ہوا وجود ایک دم ساکت ہو گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے خواب دیکھا تھا یا وہ حقیقت تھی۔ وہ بیڈ سے ٹانگیں لٹکائے بیٹھی سوچتی رہی۔ بیڈ کے کنارے کو اس کے دونوں ہاتھوں نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ چہرے جسے وہ زمانے بھر کے چہروں میں تلاشتی رہی تھی، اس کے روبرو تھا۔ وہ حقیقت تھا یا التباس۔ یہ سوچتے سوچتے جینس کا ذہن الٹنے لگا اور وہ بلند آواز میں رونے لگی۔ روتے روتے اس کا ہاتھ اپنے بیڈ کے دائیں طرف لگے بیل بٹن پر پڑ گیا۔ بیل بجتے ہی اس کی خصوصی نرس اور بوائے بھاگتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف آئے۔

''آپ صورت حال کو سمجھ رہی ہیں یا نہیں؟'' اسفندیار نے مسز رابعہ آفتاب کو ایک گھنٹے کی بریفنگ کے بعد پوچھا۔

''یہ تمہارا باپ۔'' وہ کسی بھی بات سے متاثر ہوئے بغیر کولڈ کافی کے سپ لیتے ہوئے سکون سے بولیں ''تم نے اس کو زبان لگ گئی تو یہ کیا سمجھتا ہے کہ ہم اس کی باتوں سے ڈر جائیں گے۔'' انہوں نے گلاس میز پر رکھ کر اپنے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ''دونوں ہاتھ کاٹ کر میرے ہاتھ میں دے رکھے ہیں اس نے۔ سنا تم نے دونوں ہاتھ...''

''آپ کس دنیا میں رہ رہی ہیں ممی! ان کے چالیس ہاتھ ہوتے اور سارے کے سارے کاٹ کر اگر انہوں نے آپ کے ہاتھ میں پکڑا رکھے ہوتے تب بھی جو گفتگو میں نے آپ کو سنائی ہے اس کے بعد کیا آپ کو گوارا ہے کہ

پر ایک دن بھی گزارا کریں۔'' اسفند نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''یوں، ایسی کون سی بات کہی اس نے؟'' وہ بے نیازی سے بولیں۔

''پلیز۔'' اسفند جھلا گیا ''وہ احسان جتا رہے تھے، بے زاری کا اظہار کر رہے تھے۔ مجھ سے بھی اور مجھ پ سے۔''

''کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اسے ایسے دورے پڑتے ہی رہتے ہیں، تم پروا کیوں کرتے ہو۔''

''آپ کے لیے دورہ ہوگا، میرے لیے تو انتہائی بے عزتی کا مقام۔'' اسفند نے سر جھٹک کر کہا ''وہ مجھ پر بیٹے پر احسان جتا رہے تھے تعلیم دلوانے کا، اسٹیٹس اور پیسے کی فراوانی کا۔ ان کا خیال ہے کہ اگر وہ نہ ہوں تو میں دو کوڑی کا ہو کر رہ جاؤں گا۔''

''ہونے دو اسے اسفی! میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔'' رابعہ نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری ممی!'' اسفند نے ان کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''میں یہ باتیں سننے کے بعد مزید ڈیڈی کے ں کر سکتا۔ میں ان پر ثابت کروں گا کہ ان کے نخرے اسٹیٹس کے بغیر بھی میں کیا ہوں اور کیا کر سکتا

''جانے دو اسفی! وہ تمہارا باپ ہے، باپ غصے میں کچھ کہہ دے تو کیا ایسا ردعمل ہونا چاہیے۔''

''ہونہہ!'' اسفند پھنکارا۔ ''وہ باپ ہیں میرے، یاد ہے آپ کو شہری کے بعد کیسا زبردستی روکا تھا انہوں نے ہیلپ لیس ہو رہے تھے ان دنوں۔ میں شہری نہیں تھا، میں اس جیسا ہو ہی نہیں سکتا تھا مگر اس کی ڈیتھ پر انہوں نے مجھے اپنا آپ فراموش کر کے شہری جیسا بننے پر مجبور کر دیا۔ ورنہ میں کہاں رک رہا تھا اس پاگل ''

''اسفی تم جذباتی ہو رہے ہو۔'' رابعہ نے ایک مرتبہ پھر اسے تسلی دینا چاہی۔

''ممی میں تو جذباتی نہیں ہو رہا ہوں ممی! میں نے فیصلہ کر لیا ہے، میں ڈیڈی کو بیساکھیوں کے بغیر جی کر دکھاؤں گا۔'' اسفند نے حتمی لہجے میں کہا۔

''تم ایک بہت بڑی حماقت کرو گے۔'' رابعہ نے ٹشو پیپر سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا ''کچھ نہیں کر سکے گا جمیل دی ملینر'' انہوں نے یقین سے کہا ''اس جادوگر کی جان جس طوطے میں ہے وہ میرے ہاتھ میں ہے۔''

''آپ ایک دوسرے کے خلاف نمبر اسکور کرنے کا یہ گیم کھیلتے رہیں، میرے لیے یہ انتہائی چیلنجنگ صورت ہے۔'' اسفند نے جھلا کر کہا۔

''تم مجھ سے الگ نہیں ہو اسفی!'' رابعہ نے اس کے قریب آ کر جذباتی انداز میں کہا۔ ''تم دونوں بھائیوں کو میری عادات سے کتنا ہی اختلاف ہو، تمہاری ماں والی میری حیثیت بہر حال برقرار رہے گی۔''

''میں نے کبھی اس بات سے انکار نہیں کیا۔'' اسفند ان کے لہجے سے متاثر ہوتے ہوئے بولا۔

''میں نے ایک بیٹا کھو دیا اسی آفتاب کے کا میلینیئر کو بچاتے ہوئے، میں دوسرے بیٹے کو ہرگز نہیں گنوانا

''وہ جو کوئی بھی کا میلینیئر تھے۔ وہ صرف ڈیڈی کے ہی نہیں تھے۔ آپ کو بھی خوف تھا کہ سوسائٹی پر آپ کی لگ گئی تو کیا ہوگا۔''

''یہ سوسائٹی!'' رابعہ اس کی بات پر بھڑک اٹھیں ''میری جوتی ڈرتی ہے اس سے یہاں کون کر دکان سجائے بیٹھا ہے۔ مجھے کیا علم نہیں ہے۔ مگر تمہارے باپ کو پرانے گناہوں کی کتاب کھل جانے کا ڈر

''روزینہ بائی والی یا زرینہ بائی والی؟'' اسفند نے بے ساختہ۔ رابعہ کا منہ کھلا رہ گیا وہ حیرت طرف دیکھ رہی تھیں ''تمہیں کس نے بتایا؟''

''خود ڈیڈی نے اور کسی اور نے بھی۔'' بی بی زینب کا نام لیتے لیتے وہ رک گیا اسے اندیشہ تھا کہ نام سننے پر وہ بھڑک اٹھیں گی۔ ''اوہو۔'' رابعہ نے طنزیہ لہجے میں کہا ''تو وہ اب اپنی گندی لینن بھی جوا سامنے فخر سے دھونے لگا ہے۔'' اسفند کو اپنی ماں سے ایسی پڑھی لکھی بات کی توقع نہیں تھی۔ وقت نے اا کر دیا تھا۔

''وہ کون ہے آخر جس کے بل پر آفتاب اتنا سر چڑھ کر بول رہا ہے۔'' وہ کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔ کرو اسفی! آفتاب ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ ایسا کرے گا تو وہ کوڑی کا ہو کر رہ جائے ا۔ تم بے فکری سے جاؤ۔ ہاں ایک بات جس کا گلہ مجھے تم سے ہے، وہ تمہاری لاپروائی ہے۔ تم پیسہ بغیر سوچے سمجھے خرچ کر۔ خاندان پال رہے ہو تم اپنے پیسے پر اور کتنے یتیم مسکین اکٹھے کر رکھے ہیں تم نے مختلف جگہوں پر۔''

''دعا کریں! ممی کہ ان یتیموں، مسکینوں کی خدمت کے عوض اللہ مجھے اس یتیم سے ملا دے جس ک میری زندگی کا واحد مقصد بن کر رہ گیا ہے۔'' اسفند نے سنجیدگی سے کہا ''اور خاندان پالنے کی بات مت میرے ماسٹر جی کہتے ہیں کہ اگر ہم خدا کے دیے میں سے لوگوں کو کچھ دیتے ہیں تو احسان والی کیا بات ہو

''تمہارے ماسٹر جی۔'' رابعہ ایک مرتبہ پھر چونکیں ''تم نے نئے سرے سے کسی مدرسے میں داخلہ جو ماسٹروں کی ہدایتوں پر چلنے لگے ہو۔''

''اس معاملے کو رہنے ہی دیں ممی! اس پر بات کرنا ایک نئی بحث شروع کرنے کے مترادف ہوگا اب بھی کہتا ہوں کہ چند دن ڈیڈی کو 'اکیلے' ہونے کا مزہ چکھنے دیں، میرے ساتھ چلیں، جہاں میں لے

''میں یہ حماقت نہیں کر سکتی، اس پر کسی کا ایسا ہی جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے تو مجھے یہاں سے دکھائے۔''

''اچھا پھر میرے لیے دُعا کیجئے گا، میں ادھر ہی ہوں مانی کے ساتھ جو اسٹور میں نے لانچ کیا تھا میری اپنی انکم سے بنا ہے، رابعہ ٹیکسٹائلز میں میرے شیئرز کے پرافٹ سے، میں ڈیفنس میں ہی ایک کرائے پر لے رہا ہوں۔ میری چاروں گاڑیاں باہر کھڑی ہیں اور یہ ان کی چابیاں ہیں۔ میں نے کل ہی اپنے اکاؤنٹ سے چیک کیش کروا کر ایک کلٹس خریدی ہے اور اب اسی پر میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

''تم کلٹس ڈرائیو کرو گے۔'' رابعہ چلا کر بولیں۔ ''اسفی! تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، تم ہوش شاید۔''

''میں اب ہی تو ہوش میں آیا ہوں ممی! ماسٹر جی نے تو بہت پہلے مجھے یہ بات سمجھائی تھی۔ میر نہیں آیا تھا۔ آپ کو پتہ ہے ممی! انہوں نے مجھے کیا بتایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔

دل جو ہے راہ نیک کا مالک
دنیا کے اوصاف کا مالک
جتنی بھلائی وہ کرتا ہے

دہ کشائی وہ کرتا ہے
ے باپ ہو، چاہے ماں ہو
ای عزیز جاں ہو
ی نہیں ہے دل پر فائق
ے ہے بہبود خلائق
ی ہے شب افادہ
ن ہے محسن دل سے زیادہ

وں نے تو مجھے اندر کی دنیا کا سراغ لگانے کا درس دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس دنیا پر کسی کو بھی فوقیت مت سمجھ ہی نہیں سمجھا۔'' وہ نیچی آواز میں بولتا چلا جا رہا تھا اور رابعہ اسے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے ان کے سامنے شخص کھڑا تھا۔

سفی! اسفی! تم ہوش میں تو ہو؟'' انہوں نے اس کا بازو جھنجھوڑا ''کیا مصیبت آنے والی ہے۔ باپ کا دماغ ہے۔ صاحبزادے واہی تباہی بکنے لگے ہیں۔ میں کس کس کا دماغ درست کروں گی آخر۔'' وہ یوں وقت کو سی طرح سے بھی وہ طرح دار خاتون نہیں لگ رہی تھیں جس سے ان کا حلقہ آشنا تھا۔ ان کے ہر انداز سے ں منظر جھلک رہا تھا۔

ں چلتا ہوں ممی! میرے لیے دعا کیجئے گا۔'' اسفند نے چونک کر کہا۔

سفی! دیکھو میرے بچے! میں نے تو ابھی تمہاری خوشیوں کے دن دیکھنے ہیں، میں نے تمہارے سر پر سہرے ۔ میری جان! کیوں میرے خواب مجھ سے چھیننا چاہتے ہو۔'' وہ خالص جمیل مرچوں والے کی جذباتی بہو ں۔

ی بھی کروں گا ممی، کیوں نہیں کروں گا۔ آپ کا یہ خواب ضرور پورا ہوگا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

چھا!'' وہ خوش ہو کر اپنی جون میں واپس آئیں ''تم ایمن سے ملے ہو، مسز صدیقی کی اکلوتی بیٹی ہے، تین ہا مالک۔ مسز صدیقی کے سوئس اکاؤنٹس بھی دراصل ایمن کے لیے ہی ہیں۔ نام وام تو وہاں ہوتا نہیں ہے ہ انتہائی اونچی آسامی ہے۔''

ں موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے ممی۔'' وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولا اور اس کے چلے جانے پر ار پھر اس کا ہٹ دھرم لہجہ اور فیصلہ کن انداز یاد آیا۔ ''ڈیفنس میں کرائے کا چھوٹا سا گھر، کلٹس کی خریداری ل اسٹور کے پچاس فی صد شیئرز انہیں اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔

رے اس بیٹے کے ساتھ کچھ اونچ نیچ ہوئی تو میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں آفتاب!'' انہوں نے تصور میں ب کو مخاطب کیا ''تمہاری تاریخ کی کتاب کا ورق ورق نہ الٹا دیا تو رابعہ نام نہیں ہوگا میرا۔'' ان کے دل میں ر پکڑتی جا رہی تھی۔

.......۞.......

ھے آپ کی آواز ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہی۔ آپ ذرا اونچا بولیں، یہاں سگنلز بڑے ویک ہیں۔'' ر کی چھت پر چڑھا موبائل کان سے لگائے چیخ رہا تھا۔ جس دن سے وہ گاؤں آیا تھا، اس کو ملنے والی یہ ماجرا اسفند نے اسے کی تھی۔ وہ چھت پر تھا اسی لیے اسے اپنے موبائل کی رنگ کی آواز سنائی دے گئی تھی

لیکن اب اسفند کیا کہہ رہا تھا اس کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔

''آپ ایسا کریں، میسج کر دیں۔ وہ تو میں کسی طرح پڑھ ہی لوں گا۔'' تھک کر اس نے کہا اور موبائل دیا۔

''ساتھ والے گاؤں میں شاہ جی کے گھر پہلا ٹیلی فون لگا تھا جب میں نے دیکھا تو حیران رہ گئی سا چھا ہے جس میں دوسروں کی آوازیں آتی ہیں۔'' اس کی ماں اس کے قریب بیٹھی میتھی چنتے ہوئے بولیں ''اب تو لوگوں کے گھروں میں فون ہے۔ ایک ادھر ہماری بستی میں ہی کچھ نئی چیز نہیں آتی۔ کہتے ہیں خاص کھمبا لگے تو فون لگتے ہیں۔ فراز! یہ کون سا فون ہے جو بغیر کھمبے کے بات بتا دیتا ہے اگلے کی؟''

''یہ سائنس کی نئی نئی کرشمہ سازیاں ہیں اماں۔'' فراز ہنسا ''یہاں ہماری بستی میں بھی اب یہ کئی لڑکوں پاس ہے۔ آپ نے دیکھا تو ہوگا۔''

''ہاں۔ دیکھا تو بہت سوں کے پاس ہے پر سمجھ میں نہیں آتا، ہر ایک کو اسکی ضرورت کیا ہے، چھتوں پر سننا پڑتا ہے پھر بھی بات سنائی نہیں دیتی۔ لیکن پھر بھی اسے لیے پھرتا ہے۔'' اس کی اماں اپنی فطری سادگی سے گئیں۔

''آپ مجھے پیٹھے کا حلوہ بنا کر کھلانے کا وعدہ کرتی رہیں گی اور میرے جانے کے دن بھی آ گئے۔'' اسفند کی کال نے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ اسفند نے اسے واپس بلانے کے لیے فون کیا ہے۔

''لے، جانے کے دن بھی آ گئے۔'' اماں کے مصروف ہاتھ رکے ''اتنی جلدی، ابھی تو میرا دل بھی نہیں بھ''

''میں چار مہینے بھی یہاں رہ لوں۔ آپ کا دل نہیں بھرنا، مگر میں سارے کام چھوڑ کر یہاں بیٹھا تو نہیں نا!''

''تو چھوٹا تھا نا!'' انہوں نے ہاتھ روک لیے۔ ''تو میں تجھے اپنی جان سے لگا کر رکھتی تھی۔ ماسٹر جی کہتے نور فاطمہ اتنا سہل نہ بنا اسے، اس نے بڑے اوکھے ویلے جھیلنے ہیں۔ اس کو سخت جان بنا، سخت جان میں کہتی تھی جی۔ یہ میرا بچہ پیدائشی بدقسمت ہے، باپ کی شکل نہ دیکھ سکا، ہزار آزمائشوں کے دن آ گئے اس کے پیدا ہو بعد۔ خدا جیتا رکھے دل نواز کو، اس نے میری بانہہ پکڑ لی۔ اب اس کو اگر میں اتنا سا بھی جان کے ساتھ نہ لگا کر تو یہ کیا یاد کرے گا۔ ماں نے میرے ساتھ کیا نیکی کی۔ کہنے لگے اور نور فاطمہ جھلیئے یہ تجھے بدقسمت لگتا ہے۔ او اندھی۔ اس کی پیشانی دیکھ۔ اس کی قسمت کا ستارہ تو اس کی پیشانی پر نظر پڑتے ہی چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ مضبوط ہو جاتا ان کی یہ بات سن کر۔ اب چاہے وہ مجھے تسلی دینے کو ہی کہتے ہوں پر دیکھ، اللہ نے تیرے مقد اونچے بنا دیے۔ اللہ تجھے اور بھی شان اور عزت دے میرے بچے! ایک بات یاد رکھیں۔ کبھی کسی کا دل نہ توڑنا رب ہمارے دلوں میں بستا ہے، ہم ایک دوسرے کا دل نہیں توڑتے۔ اپنے رب سے آزمائش مول لے لینے دل نہ توڑنا کبھی کسی کا فراز احمد! یہ میری تجھے پکی نصیحت ہے۔''

''اور اماں! اگر کسی کا دل رکھنے پر بندے کا اختیار ہی نہ ہو تو پھر!'' فراز کی آنکھوں کے سامنے اپنی بات سن کر لینا ڈی سوزا کا چہرہ گھوم گیا۔

''وہ اللہ جانتا ہوتا ہے پر اگر ہم جانتے بوجھتے کسی کا دل توڑیں نا تو بس پھر سمجھ لے کہ ہمارے مقدر کی آ شروع ہو گئی۔''

''بس اماں! آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں نا تو سمجھ لیں کہ میں شیطان کے شر سے محفوظ رہوں گا۔''

دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے کہا۔

ں تو دو نفل صبح فجر کے وقت، دو نفل رات عشاء کے بعد خاص تیرے لیے پڑھتی ہوں۔ اسی شیطان کے شر نے کے لیے۔'' اماں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

پ یہ بھی دعا کیجیے کہ میں اپنے امتحان میں کامیاب ہو جاؤں اور پھر اس کے بعد جو بھی کام کروں، اس مجھے کامیابی عطا فرمائے اور اگر اس نے مجھے اپنی جناب سے اتنا عطا کیا تو پھر میں آپ کو اور بھائی دل نواز رنے نہیں دوں گا۔ میں آپ لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔'' فراز نے کہا۔

بھئی نہ۔'' اماں نے دوبارہ میتھی کی گڈی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔ ہمارے محنتوں کی عادت ہو گئی ہے۔ اب تو دل نواز نے چاچا اللہ رکھا والی زمین بھی خرید لی۔ اب ہمارا کام بڑھ م تو یوں ہی فصلیں اُگاتے، سبزیاں اُگاتے، جانور پالتے رہیں گے۔ میرا تو شہر کے نام سے ہی دل ڈرتا

ہی بے نیاز اور بے غرض محبت کرتی ہے اماں!'' فراز نے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا یہ ہی حال بھائی ا اور بھابی کا بھی۔ ان دونوں کو اللہ نے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا اور ان دونوں کا رویہ بھی اس کے ن کا سا تھا، مگر کیا مجال تھی کہ کبھی انہوں نے اس کے مستقبل سے اپنے کسی مفاد کو وابستہ کیا ہو۔ وہ سب بس لیے دعائیں کرتے ہی نظر آتے تھے۔

اتنی خالص اور بے ریا محبتوں کی کوکھ سے جس کا خمیر اٹھا ہو، وہ خود غرض اور ناخالص کیسے ہو سکتا ہے۔'' نے اپنی ذات کا تجزیہ کیا اور اسے اپنی خوش قسمتی کا یقین ہو گیا۔ اسی لمحے اس کے موبائل پر میسج کی ٹون ے ایک کونے میں جا کر موبائل آن کیا۔ اس کے میسج باکس میں اسفند کے تین میسج محفوظ تھے۔ تینوں میں ہی ہں آنے کی تاکید کی گئی تھی۔ اسے اسی قسم کے پیغام کی توقع تھی۔

پھا اماں! ایسا ہے کہ میں کل پرسوں واپس چلا جاؤں گا۔ میری چھٹی ختم ہو رہی ہے۔'' اس نے اماں کو خبر

ھٹی ختم ہو جائے تو جانا ہی ہوتا ہے، اگلے ایسے ہی تو تنخواہ نہیں دیتے۔'' انہوں نے یہ بات سن کو معصومیت یمان داری سے کام کرنا فراز احمد۔ ایمان داری سے کام کرے گا تو عزت بھی ملے گی دولت بھی اور کون

ر کچھ؟'' فراز ان کی نصیحتوں کو دھیان سے سنتے ہوئے بولا۔

ر کچھ میں ان پڑھ مزدور عورت تجھے کیا باؤں گی۔ تیری قسمت اچھی کہ تجھے ماسٹر جی جیسا فرشتہ مل گیا راستہ لیے۔ اچھی بات بتانے کے لیے۔ جو وہ بتاتے ہیں، اس پر عمل کرتا جا، خیر ہی خیر ہے۔'' ہاں جانے سے گھر جا کر پاء شفیع اور بہن رشیدہ سے ضرور مل آنا۔ تمہارے شہروں کا تو پتہ نہیں۔ ادھر ہمارے لوگ تو ان ہی باتوں کو نبھانے پر راضی ہو جاتے ہیں نہ نبھانے پر ناراض ہو جاتے ہیں۔''

نے ان کے جفاکش ہاتھوں کو دیکھا۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ ان ہاتھوں کو مصروف ہی دیکھا والد تھوڑی سی زمین چھوڑ کر گئے تھے، ان کے پاس صرف دو بھینسیں تھیں اور چند بکریاں۔ اسی مختصر سی ا اماں نے عدت ختم ہونے کے بعد کام شروع کیا تھا۔ فراز کو اچھی طرح یاد تھا کہ جانوروں کے چارے ہماری گٹھر وہ یوں اٹھا کر لاتی تھیں جیسے ہلکا سا بوجھ اٹھایا ہو۔ کھیتوں میں فصل کی بوائی ٹھیکے پر دے رکھی تھی

مگر زمین کے تھوڑے حصے میں سبزیاں خود اگاتی تھیں۔ گرمی کی چلچلاتی دوپہروں میں فراز نے انہیں اور بوا نواز کو سبزیاں توڑتے دیکھا تھا، مکئی کے بھٹے توڑتے دیکھا تھا جن کو توڑتے ہوئے ان کے ہاتھ زخمی ہو جاتے جانوروں کے لیے ٹوکے سے چارہ وہ خود کاٹتی تھیں۔ دودھ کی بالٹیاں اٹھاتے، جانوروں کا گوبر سنبھالتے ہوئے کی پروا کیے بغیر انہوں نے ہنستے مسکراتے زندگی گزاری تھی۔

فراز نے کبھی حرف شکایت ان کی زبان پر آتے نہ سنا تھا۔ جب ہی تو ماسٹر جی اسے یاد دلاتے تھے کہ ا نیک ماں کا دودھ پیا تھا۔ اس لیے اس کے راستے آسان ہو گئے تھے اور ادھر اماں تھیں جو سارا کریڈٹ ما دے رہی تھیں۔

"یہ ہوتے ہیں بڑے لوگ۔" فراز نے اس کانفرنس کو یاد کرتے ہوئے سوچا جس میں چند بڑے لو مقالے پڑھے گئے تھے، ایسے نجانے کتنے بڑے لوگ ہوتے ہیں جو یوں ہی گمنام رہ جاتے ہیں مگر اپنی روش نجانے کتنے نئے چراغ جلا جاتے ہیں۔"

وہ وہیں چھت پر بیٹھے اسی قسم کی باتیں سوچتا رہا پھر اسے یاد آیا کہ اسے مانو کے بنائے نوٹس چیک کر جو ماسٹر جی نے اسے دیے تھے، اسے مانو کے نوٹس پڑھتے ہوئے یہ خیال بھی آیا تھا کہ اگر یہ لڑکی براہ راست کر ادارے سے ماسٹرز کر رہی ہوتی تو اس کی ذہانت چمک اٹھی ہوتی۔

"ہیلو اسفند! تم کہاں ہو اتنے دن سے؟" اسفند کے کانوں نے دنوں بعد رباب کی آواز سنی تھی مگر اا وہ شدید ذہنی تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا اور اس کا کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر وہ رباب کی جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

"میں کتنے دن سے تمہارے اس نمبر پر ٹرائی کر رہی ہوں جو میرے پاس تھا، لیکن وہ نمبر رسپانڈ نہیں کر تمہارے آفس سے سعید صاحب نے مجھے یہ نمبر دیا، وہ بھی انتہائی ضروری بات کرنے کا کہنے پر۔ کیا مسئلہ تمہارے ساتھ۔ تم کیوں چھپتے پھر رہے ہو مجھ سے۔"

وہ رباب کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ چھپتا نہیں پھر رہا تھا کم از کم اس سے تو بالکل بھی نہیں۔ وہ اسے بتانا چاہتا وہ ان دنوں ذہنی بحران اور نئی صورت حال سے دوچار تھا مگر یہ وہ باتیں تھیں جو کسی کو فون پر نہیں بتائی جا سکتی تھیں

"رباب! میں تم سے کچھ دیر بعد بات کرتا ہوں، آئی ایم سوری۔ میں اس وقت مصروف ہوں۔" ا بمشکل کہا۔ وہ اس قسم کی بات کسی سے نہیں کرنا چاہتا تھا، کم از کم اس لڑکی سے تو کبھی بھی نہیں۔ مگر یہ بات ا سے کرنا پڑ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" رباب نے اس کی بات سن کر نجانے کیا اندازہ لگایا تھا۔ "مجھے افسوس ہے، میں نے ڈسٹرب کیا۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا تھا۔ اسفند کچھ دیر تک موبائل کو اپنی نظروں کے سامنے کیے د اور پھر اس نے اسے بند کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ وہ اس وقت اس نامکمل ویئر ہاؤس میں کھڑا تھا جس کی ت اس نے اب تک ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ مگر اب یہ ہی اس کی توجہ کا واحد مرکز بن کر رہ گیا تھا۔ اس پرسنل اکاؤنٹ تفصیل سے چیک کیا تھا اور اسے معلوم ہوا تھا کہ اس کے پاس کچھ بہت زیادہ رقم موجود نہیں تھی کام اس نے سلمان کے ساتھ مل کر شروع کیا تھا، اس میں ابھی مزید پیسہ لگنا تھا۔ اس نے جو گڈز ہوم اور ری

لوگوں کے ساتھ مل کر بنائے تھے ان کی مد میں بھی اچھی خاصی رقم اس کے اکاؤنٹ سے ہر ماہ ٹرانسفر ہو جاتی اسے فوری طور پر سارے کام پہلے کی طرح چلانے کے لیے پیسہ چاہیے تھا اور اس کا ذہن اس بات میں الجھا ہوا کہ یہ پیسہ کہاں سے آتا تھا۔ وہ چاہتا تو اپنے ان اکاؤنٹس سے رقم ٹرانسفر کروا سکتا تھا جو بزنس کے سلسلے میں کئی ملکوں میں موجود تھے مگر ایسا وہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہر نئی صورت حال سے کمپرو مائز کر لینے والا شہر یار محمد نہیں تھا، اس کے اندر بغاوت تھی۔ اسے اشتعال بھی آتا تھا اور اسے اپنی انا بیحد عزیز تھی۔

اس نے ویئر ہاؤس سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے شدید تنہائی اور بے بسی محسوس کی۔ اس وقت اس کے سامنے کوئی ایسا اتنا نزدیکی دوست نہیں تھا جس سے وہ اپنے مسائل ڈسکس کر سکے۔ اس کے حلقے کے لوگوں کے لیے یقیناً یہ نئی خبر ہوتی دلچسپ گوسپ، جس کی خوشبو شام تک چہار سو پھیل جاتی۔ اسی لیے اس نے فراز کو میسج کیا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس آ جائے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ حیثیت کے تفاوت کے باوجود وہ ایک ایسا ہو سکتا تھا جو اس کی بات سن کر اسے بہتر مشورہ دے سکتا تھا اور اس کی اس صورت حال کو اپنے تک ہی محدود رکھ سکتا تھا اس سے ملنے اس کے ٹیکسٹائل ملز والے آفس میں بہت سے لوگ آتے تھے۔ اس کے نمبر پر بے شمار کالز بھی آتی تھیں۔ اسی لیے اس نے اپنا نمبر بدل لیا تھا نیا نمبر محدود لوگوں کو معلوم تھا۔ مگر وہ فوری طور پر اس شہر سے، اس ملک سے فرار بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

"بینک لون۔" گاڑی ڈرائیو کرتے کرتے اسے خیال آیا "رباب کیانی۔" اسے دوسرا خیال آیا۔ اس نے گاڑی اس سڑک پر ڈال دی جو رباب کیانی کے اپارٹمنٹ کی طرف جاتی تھی۔

"یہ دیکھیں بی بی زینب! کون آیا ہے؟"

بی بی زینب نے صحن میں دھرے چولہے پر رکھی ہنڈیا میں ابلتی دال کا نمک چکھتے چکھتے کسی کا کی چہکار پر گردن اٹھا کر دیکھا۔ وہ بشیر کی ماں تھی جس کے ساتھ پندرہ سولہ سالہ وہ لڑکا کھڑا تھا جو چند سال پہلے ان سے سیپارہ پڑھنے کے لیے آتا تھا۔ انہوں نے ڈوئی ہانڈی پر رکھی اور قریب تپائی پر رکھی اپنی عینک لگاتے ہوئے وہیں بیٹھے بیٹھے انہیں بلایا۔

"میں نے کہا۔ آج آیا ہے تو بی بی زینب سے ضرور ملنا ہے۔ وہ تجھے بہت یاد کرتی ہیں، چل وے بشیر اسلام کر بی بی زینب کو۔" بشیر کی ماں نے اس کو بازو سے پکڑ کر آگے کیا۔ وہ لڑکا کچھ شرماتا کچھ جھجکتا ہوا آگے بڑھا۔

"جیتا رہ بشیر، جیتا رہ۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا "اوپر ہو کر بیٹھ، نیچے کیوں بیٹھ گیا۔" بی بی زینب کے کہنے پر اس نے ممنون نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کام کی سنا، پھر ٹھیک جا رہا ہے نا۔ یہ تیری ماں تو بڑی تعریف کرتی ہے اس میم اور اس کی دادی کی۔"

"ہاں جی بڑی اچھی ہیں وہ دونوں۔" بشیر نے جوش سے کہا اور پھر ان دونوں میموں کی تعریف میں بولتا ہی گیا۔

"وہ بڑی نیک ہے جی دادی، صاف اردو نہیں بول سکتی ماڑا متاڑا کرتی ہے۔ چھوٹی میم للی صاحب ٹھیک اردو بولتی ہے۔ ڈراموں میں کام کرتی ہے۔ بڑا پیسہ کماتی ہے، باہر کے ملکوں میں بھی جاتی ہے۔ بڑے بڑے لوگ اسے ملنے آتے ہیں۔ یہ اتنا سارا سامان ہے ان کے پاس، میموں والے کپڑے پہنتی ہیں دونوں۔ کاکا جو ہے نا وہ انگریز نہیں لگتا۔ اس کی شکل ادھر کے لوگوں جیسی ہے مگر اس کا نام انگریزوں والا ہے جیوفری۔ بڑی میم صاحب اس کو

جیف کر کے بلاتی ہے۔'' پھر اس نے اپنے موبائل پر ان کی تصویریں بی بی زینب کو دکھائیں۔ ایک شوخ و شنگ لڑکی ٹخنوں سے اوپر چڑھی تن مور کی پینٹ پر چھوٹی سی شرٹ جس کو آگے سے گرہ دے کر باندھ رکھا تھا اس نے ''توبہ استغفار'' بی بی زینب نے دل میں کہا۔

''یہ دادی، گرینی ہے۔'' اگلی تصویر ایک اچھی عمر کی سبز آنکھوں والی عورت، اسکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس سفید بالوں کا جوڑا بنائے عینک لگائے مسکرا رہی تھی۔

''یہ کاکا۔'' اگلی تصویر آئی۔ ایک ہنستا کھیلتا بچہ جس کے چہرے کے خطوط بہت واضح نہیں تھے۔

''یہ دادی اور کاکا۔'' اگلی تصویر میں دادی بچے کو کرسی پر بٹھائے مسکرا رہی تھی۔ بی بی زینب نے اپنی عینک کے شیشے صاف کیے اور عینک دوبارہ لگا کر دیکھنے لگیں۔ ایک دو مزید تصویریں بشیر اور بچے کی تھیں۔

بی بی زینب نے یوں فون پر یہ تصویریں دیکھ کر سائنس کے کرشموں پر روشنی ڈالی اور پھر بشیر سے اس کی تنخواہ اور دوسری سہولتوں کے بارے میں پوچھنے کے بعد اسے دعائیں دے کر رخصت کیا۔

.......✿.......

ڈیئر ڈائری۔

بعض اوقات مجھے لگتا ہے کہ تم بھی ایک روز مجھ سے تنگ آ جاؤ گی۔ میں تم پر کچھ لکھنا چاہوں گا اور پھر تمہارے صفحات میرے قلم کا رنگ ہی نہیں پکڑیں گے۔ اس لیے کہ دنیا کا ہر شخص مجھ سے تنگ آ گیا ہے شاید میری شخصیت میری گفتگو، میرا کام سب یکسانیت کا شکار ہو گئے ہیں اور کسی کو بھی مجھ میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی۔

میں کچھ کچھ سائیکک ہوتا جا رہا ہوں ڈیئر ڈائری! مجھے عجیب عجیب سے وہم ہوتے رہتے ہیں ہارر فلمز میں دیکھے مناظر میری آنکھوں کے سامنے ناچتے رہتے ہیں۔ کبھی لگتا ہے کہ کوئی لمبے دانتوں والی بلا اچانک میرے سامنے آ گئی ہے، کبھی لگتا ہے میرے سر پر چمکتی تلوار لٹک رہی ہے، کبھی دیکھتا ہوں کہ کوئی چڑیل اپنا خون آشام جبڑا کھولے میری جانب بڑھ رہی ہے۔ میں خوف زدہ رہتا ہوں ڈیئر ڈائری! میرا دل کانپتا رہتا ہے۔ میرے ملنے والے مجھ سے استفسار کرتے ہیں کہ میں ایک دم اتنا بوڑھا کیوں لگنے لگا ہوں۔ میں آئینہ دیکھنے سے گریز کرتا ہوں۔ شیو کرانے کے لیے بھی روزانہ اپنے باربر کے سیلون پر چلا جاتا ہوں اور وہاں آنکھیں بند کرے بیٹھا رہتا ہوں۔

کل رات عجیب واقعہ ہوا۔ میں اسی قسم کی شکلوں کے خوف کے حصار میں تھا کہ اچانک میرے قریب سے کسی کی آواز آئی۔

''آیت الکرسی پڑھ شاہو، چل شاوا۔ شروع کر آیت الکرسی۔''

میرے دماغ نے یاد کرنے اور زبان نے پڑھنے کی کوشش کی مگر ڈیئر ڈائری مجھے کچھ یاد نہیں آیا اور میں یونہی پڑا کپکپاتا رہا۔ پھر مجھے لگا وہی آواز میرے پاس بیٹھی مجھے آیت الکرسی سنا رہی ہے۔ میں نے اس آواز کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اور پھر یوں ہوا جیسے کوئی بچہ کسی چیز کو پہلی بار یاد کرتا ہے۔ میں یاد کرتا گیا وہ آواز یاد کراتی گئی اور پھر میں نجانے کب سو گیا۔

مجھے یاد ہے ڈیئر ڈائری! جب میں بہت چھوٹا تھا تو یہ ہی آواز یونہی مجھے آیت الکرسی یاد کراتی تھی اور یونہی یاد کرتے کرتے مجھے نیند آ جاتی تھی اور آج صبح سے مجھے اپنا وہ friend of childhood بہت یاد آ رہا ہے۔ وہ جس کا کام ہی ہدایت دینا اور انگلی پکڑنا تھا، میں نے ہمیشہ اس کی ہدایت کو بھاشن کا نام دیا اور ہمیشہ ہی اس کے دوسروں کی انگلی پکڑنے کو کسی کامپلیکس، کی تسکین قرار دیا۔ کیا میں غلط تھا۔ کیا میں اب بھی غلط ہوں۔ اگر میں غلط تھا ڈیئر ڈائری! تو

یا تھا۔ پھر غلط اور درست کا فیصلہ کس نے کرنا ہے۔ سب سوال ہیں، الجھنیں، گتھیاں ہیں۔ شاید کبھی وقت ان ہے۔

وسرین کی بیٹی کے متعلق معلومات بھی شاید میری اس کیفیت کی ایک وجہ ہے۔ نوسرین کی یہ بیٹی گھٹیا قسم کے موں کی ٹاپ ہیروئن ہے۔ سنا ہے کہ اس کے ڈراموں کی کہانیاں اور ڈائیلاگ اتنے ولگر اور گرے ہوئے کہ شریف آدمی ان کو دیکھنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتا۔ مجھے میرے جاسوس نے اس لڑکی کی تصویریں بھی لا ہیں۔ وہ کہیں سے بھی نوسرین کی بیٹی نہیں لگتی، وہ کسی دیسی بندے کی اولاد نہیں لگتی۔ شاید اس کے یہ ہی نین تھیٹر کی اس دنیا میں لے گئے ہیں۔ اب میں نے اپنے جاسوس سے نوسرین کے فیملی بیک گراؤنڈ کا پتہ ہا ہے۔ ویسے اس لڑکی کی شکل صورت میرے قلب کے لیے بڑے اطمینان کا باعث ثابت ہوئی، مگر دل میں ابھی بھی موجود ہے جو چین لینے نہیں دیتا اور اسی خلجان نے مجھے چڑیلوں، بھوتوں اور بلاؤں کے نرغے میں ہے۔

یر ڈائری، ابھی ابھی میرے ملازم نے مجھے دو تین نامور ہستیوں کی مجھ سے ملاقات کے لیے آمد کے متعلق بو میں پھر اپنے چہرے پر مہذب اسکالر، آرٹسٹ، مجسمہ ساز، تنقید و تحقیق کے ماہر کا نقاب چڑھاتا ہوں اور نوں سے ملاقات کو جاتا ہوں۔''

.......✿.......

'میں تیرے ادھر آ کر رہنے کی خوشی میں یہ بتانا بھول ہی گیا تھا کہ تو نے واپس بھی جانا ہے۔'' اس شام ماسٹر تے کا کش لگاتے ہوئے کہا۔ اس شام ان کے لیے حقہ فراز نے تازہ کیا اور ان کا کہنا تھا کہ اسے یہ کام کرتے ل مزہ آیا تھا۔

'یہ حقہ اگر آپ کے ساتھ نہ ہو ماسٹر جی تو آپ ادھورے ادھورے سے لگتے ہیں۔'' فراز نے انہیں اداس ہ کر ان کا دھیان بٹایا۔

'اب تو خیر لوگ سیانے جو ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تمباکو نوشی صحت کے لیے مضر ہے اور ہو گا بھی یہ ٹھیک ہی۔'' نے ایک اور کش لگاتے ہوئے کہا۔ ''پر تو اب میری عمر دیکھ، اتنی عمر کو تو پہنچ گیا ہوں حقہ پیتے پیتے اب یہ حقہ تو کیا ہو گا اپنی عمر تو میں نے جی لی۔''

ادھر بڑے شہروں میں شیشے کا رجحان چل نکلا ہے، وہ بھی حقے کی طرح ہی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ عرب ملکوں و شیشہ کہتے ہیں۔ بڑے ماڈرن اور ینگ لوگ پیتے ہیں شیشہ۔ کراچی میں تو سنا ہے کہ لوگ نشے کی طرح ہے ہیں اس کے۔'' فراز یہ باتیں محض ماسٹر جی کا اور اپنا دھیان بٹانے کے لیے کر رہا تھا۔

چلو، یہ اطمینان کی بات ہو گئی میرے لیے۔'' ماسٹر جی ہنسے۔ ایک تو سوچتا تھا کہ جب ہماری والی نسل کے ل گزر گزار گئے تو حقے کی روایت تو ختم ہو جائے گی، دوسرا یہ اطمینان ہو گیا کہ ہم بڑے ہی نہیں اس کے ڑکے ٹر کے بھی شغل کرتے ہیں اس کا، پر تو کبھی نہ اس کو ہاتھ لگانا، یہ زہر ہی ہے سمجھ۔'' انہوں نے اپنی خر میں فراز کو تنبیہ کی۔

لیکن میں تو سوچ رہا تھا کہ روایت ہدایت اللہ کو جاری رکھنے کے لیے اگر مجھے حقہ بھی پینا پڑا تو کچھ نہ کچھ گا اس سلسلے میں۔ اب آپ خود ہی منع کیے دے رہے ہیں۔'' فراز نے مسکرا کر کہا۔

اچھا چھوڑ ان باتوں کو۔'' انہوں نے حقے کو پرے کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''جو کرنے کی بات ہے وہ

کرلیں۔"

"جی فرمایئے۔" فراز ہمہ تن گوش ہوا۔

"فراز احمد! میں نے اس بستی میں بیٹھے بیٹھے پوری کوشش کی ہے کہ یہ جو لڑکی ہے مبینہ کلثوم، اسے علم طاق کردوں، جو آج کل کی دنیا کا طور طریقہ ہے۔ وہ بھی بتادوں، سکھادوں۔ بچی نیک اور سعادت مند ہے، اسے سیکھنے کا شوق بھی ہے۔ میری ہمت ہوتی تو اس کے ماں باپ کو کہہ سن کر اسے شہر بھجوا تا پڑھنے کے لیے۔ چاہے ہاسٹل میں رہ لیتی۔ مگر وہ مجبور ہیں ان کی ایک ہی بیٹی ہے، برادری والے لوگ ہیں۔ ڈرتے ہیں لوگوں کی باتوں سے۔ سو میں چپ رہا۔ اب کہنا یہ ہے کہ ماسٹرز وہ کسی نہ کسی طرح کرلے گی۔ لائق اور محنتی ہے۔ پر یار! وہ جو ایک خاص ماحول ہوتا ہے نا شہر والوں والا، وہ جو تو دیکھتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ تجھے اچھا ہی لگتا ہو، وہ نہیں آیا اس میں۔ اس کا کوئی قصور بھی نہیں ہے اس میں۔ جو دیکھا نہیں، اس کی عادی کیسے ہوجائے۔ تجھ سے کرنے کی بات یہ تھی کہیں تو اس کی اس کمی کو محسوس تو نہیں کرتا، کہیں کبھی اس سوچ میں تو نہیں پڑجاتا کہ ماسٹر جی نے ایک ان چاہا ساتھ میرے سر پر مسلط کردیا ہے جو زندگی بھر مجھے فرمانبرداری میں نبھانا پڑ گیا ہے۔"

"میں فوری طور پر یہ نہیں کہوں گا ماسٹر جی! کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد فراز نے ایمانداری سے کہا "پہلے پہل مجھے یہ ہی محسوس ہوتا تھا کہ اس تعلق کو میں نے محض آپ کی تابعداری میں قبول کرلیا۔ یہ بھی درست ہے کہ میں شخصیت کا موازنہ بھی کرتا رہا۔ مگر پھر بغیر میری شعوری کوشش کے یوں ہوا کہ خود بخود یہ تعلق میرے دل میں گھر کرگیا۔ اس میں آپ کی ذات کے احترام کا ایسا دخل نہیں تھا۔ نمبر ایک تو میں مانو کے شوق اور محنت سے متاثر ہوا۔ نمبر دو اس کے سلیقے اور شعور سے۔ نمبر تین اس کے کردار سے۔ میں نے اس کے بنائے نوٹس پڑھے ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ لڑکی شہر میں جا کر کسی ماڈرن ادارے میں دو ماہ لگالے تو کئی لوگوں کو پیچھے چھوڑ دے گی۔ پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ اس بستی کی تقریباً تمام ہی بچیاں آپ کی شاگرد رہ چکی ہیں پھر مانو پر ہی آپ کی خاص نظر کرم کیوں ہے؟۔ اس سوچ نے مجھے اس کی ساری ظاہر اور مخفی خوبیوں سے متعارف کروادیا۔ اسی لیے کچھ دن پہلے ہی میں نے سوچا کہ مجھے آخر اور چاہیے بھی کیا تھا۔ قدرت نے آپ کے ذریعے میرے لیے بہترین فیصلہ کروادیا ورنہ عین ممکن تھا میں اس سلسلے میں بھٹک جاتا۔"

"اچھا یونی ایسا بھی ممکن تھا؟" ماسٹر جی نے عینک کے اوپر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے پر دل سے کسی بوجھ کے اتر جانے کا احساس تھا۔

"یہاں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے ماسٹر جی! سب کچھ ممکن ہے۔ خدا ہی کرم کرے۔" فراز نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"دوسری بات جو تجھ سے کرنا تھی وہ میری اپنی ہے ذاتی۔" ماسٹر جی نے اس کی بات بے دھیانی سے سن کر سوچتے ہوئے کہا۔ فراز نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"تو اُدھر شہر میں رہتا ہے یار! تیرا اب بڑے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے اور وہ جو ہے کم بخت، وہ بھی، دل کہتا ہے کہ گمنام آدمی نہیں ہے۔ نام شام کما چکا ہے اچھا خاصا۔ اس کا تو کہیں پتہ کرکے بتا مجھے، وہ کس حال میں ہے۔"

فراز کو محسوس ہوا جیسے اس کا دماغ سن ہوگیا تھا۔ وہ بغیر پوچھے ہی جان گیا تھا کہ وہ اسے کس کے بارے میں پتہ کرنے کو کہہ رہے تھے۔

"میں کوشش کروں گا ماسٹر جی!" اس نے نیچی آواز میں کہا۔

"اس کا آگا پیچھا، آل اولاد سب کا پتہ کرکے آؤں گا۔ چلو شاید ایک بار پتہ چل جائے تو دل کو کوئی سکون مل جائے۔"

"آپ ان کے لیے دعا کرتے ہیں نا!" فراز نے کہا۔

"صبح شام کرتا ہوں، یہ سوچ کر کہ اس کے لیے دعا کرنے والا دوسرا ہے کون۔"

"بس پھر آپ بےفکر رہیں۔ وہ خیریت سے ہی ہوں گے۔"

فراز نے انہیں تسلی دی۔ اس کے بعد میں عجیب سی چبھن تھی۔ وہ انہیں کچھ بھی بتانا نہیں چاہتا تھا اور سوچ رہا تھا قدرت نے اسے اتنے سارے رازوں کا امیں کیوں بنا رکھا تھا۔

.......۞.......

بی بی زینب اپنے معمول کے کام نبٹا کر عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر سونے کے لیے لیٹے لیٹے تسبیح پڑھ رہی تھیں جب ان کی آنکھوں کے سامنے بشیر کا چہرہ آگیا۔

"کیا خوش لگ رہا تھا، پیسہ آنے لگے تو چہروں پر آسودگی خود بخود آجاتی ہے، چاہے وہ پیسہ دوسروں کے برتن دھو کر ہی کیوں نہ ملے۔"

وہ سوچنے لگیں۔ پھر انہیں اس موبائل فون میں محفوظ انگریز میم اور اس کی بولتی شکلیں یاد آنے لگیں۔

"ایک جیسے ہوتے ہیں یہ انگریز اور ان کی اولادیں۔ دیکھو، خدا کی قدرت ہمارے ملک کے لوگ پیسہ کمانے کے دیس جاتے ہیں اور یہ ہمارے ملک میں بیٹھ کر پیسہ کما رہی ہیں۔"

تسبیح کے دانے گراتے گراتے ان کا ذہن ان ہی باتوں میں الجھا رہا اور وہ تصویریں یاد آتی رہیں۔ انگریز میم، لی دادی، بشیر اور پھر وہ بچہ، بچہ، انہیں وہ غیر واضح شکل یاد آئی۔ اچانک ان کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ "وہ انہوں نے ایک بار پھر یاد کیا اور ایک دوسرا جھماکا ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں کتنی مرتبہ اس بچے کی تصویر دیکھنے کے انہیں خیال گزرا تھا کہ اس بچے کا چہرہ واضح نہ ہونے کے باوجود انہیں مانوس سا لگ رہا تھا۔ انہوں نے وہ چہرہ دیکھا تھا۔ اپنی چارپائی پر یونہی بیٹھے بیٹھے تسبیح پڑھتے وہ یاد کرتی رہیں۔ اتنے سالوں میں کون سا اتنا سا بچہ انہوں نے بار بار دیکھا تھا جو اس کی شبیہ ان کے ذہن میں محفوظ تھی۔ وہ یاد کرتی رہیں۔ پھر ان کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔

ہاں انہیں اچھی طرح یاد آگیا تھا کہ اس بچے کو انہوں نے پہلے کہاں دیکھا تھا اور اس کی شکل اتنی مانوس کیوں لگ رہی تھی۔ وہ یونہی بیٹھے بیٹھے وظائف میں مشغول صبح کی روشنی نظر آنے کا انتظار کرنے لگیں۔ ان کو اپنے دل اور جسم میں ایک واضح سا ارتعاش محسوس ہو رہا تھا۔

.......۞.......

ایلس ڈی سوزا کے گھر کے دروازے پر تالا لگا تھا اور گھر کی بیرونی دیواروں پر اگتی گھاس اور پھیلتی کائی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس گھر میں کافی عرصے سے کوئی رہ نہیں رہا تھا۔ فراز نے ہاتھ کے جھٹکے سے وہ تالا کھینچا اور پھر مایوسی کا احساس لے کر واپس مڑا۔ دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھے وہ ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ واکنگ اسٹک کے سہارے انکل ڈینس اسے دور سے آتے دکھائی دیے۔

"ہیلو ینگ مین!" انہوں نے اسے دور سے دیکھ کر اشارہ کیا۔ وہ وہیں رک گیا۔ "تم لینا سے ملنے کے واسطے

آئے ہو؟'' وہ تیزی سے چلتے ہوئے اس کی طرف آئے تھے۔ اسی لیے ان کا سانس پھول رہا تھا۔

''جی!'' فراز نے کہا۔ ''میرا خیال تھا کہ آج وہ ادھر ہوگی کیونکہ مجھے پتہ چلا تھا کہ اس کا آف تھا آج۔''

''نہیں وہ ادھر آیا تھا تھوڑے دن پہلے، اور پھر اس نے جو گھر کا حال دیکھا تو شاید اکیلے پن اور گھر کی حالت کی وجہ سے کبھی ادھر آنے کا سوچے گا بھی نہیں۔'' انکل ڈینس اسے بازو سے پکڑ کر اپنے گھر کی طرف لاتے ہوئے بولے۔

''سوسن!'' انہوں نے گھر کا دروازہ کھول کر صحن میں داخل ہوتے ہوئے آواز لگائی ''ایدر دیکھو، ہمارا گیسٹ آیا ہے۔'' انہوں نے زبردستی فراز کو مہمان بناتے ہوئے کہا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی آنٹ سوسن کچن سے نکل کر باہر آگئیں اور فراز کو دیکھ کر مسکرائیں۔

''آج ہمارا اچھا دن ہے، آج ہمارا بچہ کا سوئٹزرلینڈ سے لیٹر آیا اور دوسرا تم آئے ہمارا مہمان بن کر۔'' انہوں نے بید کی کرسیاں صحن میں رکھتے ہوئے کہا۔

''میں زیادہ دیر نہیں بیٹھوں گا پلیز، آپ کوئی تکلف نہیں کیجئے گا۔'' فراز نے ان کو کچن میں جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''لینا پور ڈارلنگ بچہ۔'' پھر انکل ڈینس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس کا واسطہ کوئی ٹھکانہ نہیں رہا ہے اس کے لیے۔ ایدر وہ آیا اپنا والا گھر کھولا اور خوف زدہ ہو کر ہمارا طرف بھاگا بولا، انکل ڈینی کچھ باقی نہیں رہا۔ ہم سب بھوتوں کے تعاقب میں ہیں۔ اصل میں ایلس نے بڑا ظلم کمایا۔ اس عمر میں اپنا گھر اور اپنا بچہ لوگوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا انکل ڈینس! انہوں نے ایسا کیوں کیا؟'' جبکہ میں نے خود ان کو کوئی بار للی، اس کے کام اور طریقوں کے خلاف بات کرتے سنا ہے۔''

''ایلس دل کا بہت اچھا عورت ہے، مگر زندگی گزارنے کے واسطے جب کبھی بھی اس کا ہاتھ تنگ پڑا، ہم ہمیشہ اس کو ہسٹریک ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب جینس کا بیمار پڑنے پر اس کے اوپر مسلسل فنانشل کرائسس آ گیا۔ فنانس ایلس کی زندگی کا بڑا مسئلہ ہے۔ اس نے ان حالات میں للی کے کمائے پیسے کو اچھا سمجھنا شروع کر دیا کیونکہ اس پیسے سے کمفرٹس خریدے جاسکتے تھے۔'' انکل ڈینس افسردگی سے بتا رہے تھے۔

''ہوں!'' فراز نے ساری صورت حال کو سمجھتے ہوئے کہا ''اور آنٹ جینس وہ اب کیسی ہیں۔

اور لیڈی ایلس کیا کرتی ہیں وہاں؟'' فراز نے بے دھیانی میں ہی پوچھا۔

وہ اس بے بی بوائے کو لک آفٹر کرتا، بوٹ کیوٹ بے بی ہے، وہ ام اس کو بوت یاد کرتا۔'' آنٹ سوسن نے بتایا۔

''بے بی بوائے۔'' فراز نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، ایلس بولتا تھا کہ اس کو، اس بچہ لوگ کو للی نے اڈاپٹ کیا ہے۔ اس کا فرینڈ کا بچہ ہے وہ۔''

''للی نے اڈاپٹ کیا ہے۔'' فراز کے لیے یہ حیران کن خبر تھی۔ ''امیزنگ۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''جیوفری نام ہے اس بچہ کا۔ بڑا کیوٹ بچہ ہے۔'' آنٹ سوسن بچے کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

''فاراز، ینگ مین، ہم تم سے ایک ریکویسٹ کریں گا۔'' انکل ڈینس نے اس ذکر کو لپیٹتے ہوئے کہا۔

''جی پلیز۔'' فراز ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''تم لینا کا ایک اچھا فرینڈ ہے۔ پور لینا اپنا پورا لائف میں کوئی خوشی نہیں دیکھا۔ وہ زندگی کا ہر بلیسنگ کو

...ا نے اتنا ڈھیر سارا لائف صبر کے ساتھ گزارا۔ لیکن وہ زندگی کی خوشیوں سے مایوس ہو گیا ہے۔ ابھی ...ا تھا انکل ڈینی ہم Nunnery جوائن کرنا چاہتا۔ یہ کوئی برا بات نہیں ہے مگر لینا کو لائف کا خوشیاں ملنا چاہیے کہ نہیں؟''

...ڈینس نے اپنی بات کے درمیان میں رک کر فرز سے تائید چاہی۔ فراز نے سر ہلا دیا۔

...تم اس کو سمجھانا، اس کو بولنا کہ وہ کسی اچھا لڑکا کے ساتھ شادی بنا لے۔ اس کا آگے پیچھے کوئی اپنا باقی نا ...دونوں۔'' انہوں نے اپنی اور آنٹ سوسن کی طرف اشارہ کیا ''اور تم ایک فرینڈ، ہم لوگ کا ریسپانسبلیٹی ...کے واسطہ اس کا خوشیوں کے واسطہ کچھ کرے۔''

...نے اسے پہلے بھی کہا تھا مگر وہ مانی نہیں۔'' فراز نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

...اس کو منالو، لڑکا ہم دیکھ لیں گا، ہم لینا کو Nunnery جوائن نا ئین کرنے دینا چاہتا۔''

...کوشش کروں گا انکل ڈینس، شاید وہ آپ جیسے مخلص لوگوں کے خلوص کو دیکھ کر ہی مان جائے۔'' فراز نے کہا۔

...ڈینس کے گھر سے نکل کر وہ بلا مقصد سڑکوں پر موٹر سائیکل گھماتا رہا۔ اتنے دن گاؤں میں اپنوں کے ...آنے کے بعد اس کا دل کہیں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اسفندیار، جس نے اسے پیغام دے کر بلایا تھا۔ شہر ... اسے پتا چلا تھا کہ وہ کئی دن سے اپنے آفس بھی نہیں آیا تھا۔ اسفند کے سلسلے میں اس کا دل کسی انہونی ...اشارہ دے رہا تھا۔ اسفند کے موجود نہ ہونے کا سن کر وہ لینا کے آفس کی طرف گیا تھا۔ اسے پتہ چلا تھا ...روز چھٹی تھی اسی لیے وہ بغیر اسے کال کیے اس کے گھر کی طرف چلا گیا تھا۔ اسے لینا بھی نہیں ملی تھی۔ ...علق انکل ڈینس اور آنٹ سوسن کی بتائی باتوں نے اسے اداس کر دیا تھا۔ ''اب نجانے کن کن محرومیوں کا ...لے رہی ہے اور لیتی رہے گی۔'' وہ سوچ رہا تھا۔ پھر اسے لیڈی ایلس کے متعلق سنی باتیں یاد آئیں۔ ...انوں کا مقسوم ازل سے لکھا ہوتا ہے وہ جینا چاہیں منہ موڑ لیں اس سے بچ نہیں پاتے۔''

...نے سوچا ''چلو ماسٹر جی کے حساب سے ایک اور نیکی ان کی آل اولاد نے کمائی۔ شاہنواز احمد نے ایک غیر مسلمان کر کے امت کا فرد بڑھایا۔ اب اس کی بیٹی کسی کا بچہ پال کر مزید نیکی کر رہی تھی۔ گڈ مس للی ڈی ...نگ ڈول۔'' وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوا۔ وہ اس وقت لبرٹی مارکیٹ میں گھوم رہا تھا۔ اس کا ارادہ ...کا دورہ کرنے کا تھا۔ جب ہی ڈنکن ڈونٹس، کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے سارہ شاہنواز اور ...نکلتے دکھائی دیے۔

...رے اسفند بھائی اس پزل کے کتنے ٹکڑے انہوں نے جوڑے، مگر کچھ ٹکڑے پاس نہ ہونے کی وجہ سے ...ل مکمل نہیں ہو سکا۔''

...رہ شاہنواز کو گاڑی میں بیٹھتے دیکھ کر سوچ رہا تھا۔ جب ہی اسے ایک اور گاڑی سے ایک لڑکی باہر نکلتی نظر ...نے حجاب پہن رکھا تھا۔ سارہ اپنی گاڑی سے باہر نکل آئی۔

...رباب!'' وہ اتنا اونچا بولی تھی کہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑے فراز کو صاف سنائی دے گیا۔

...ہاں، میں ابھی جانے کی تیاری ہی میں ہوں۔ آٹھ بجے فلائٹ ہے میری۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

...یہ رباب ہے، رباب کیانی!'' اس نے فیروز بھٹی سے اس لڑکی کا تعارف کروایا۔

...ٹو میٹ یو۔'' فیروز بھٹی نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حجاب والی لڑکی نے اس کے ہاتھ کا نوٹس نہیں لیا۔ وہ

حجل ہو کر پیچھے ہٹا۔

''رباب کیانی، اسفند یار محمد کی بہت اچھی دوست ہیں۔ سارہ! تمہیں معلوم ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ فراز دیکھا۔ اس بات پر سارہ شاہنواز کو جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا تھا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر حیرت سے حجاب والی لڑ کو دیکھ رہی تھی۔

''آئی ایم سوری رباب!'' اس نے بمشکل کہا تھا۔ ''یوٹو۔''

''ایک منٹ سارہ، رکو۔'' حجاب والی لڑکی نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر سارہ اپنی گاڑی میں واپس بیٹھ کر ا اسٹارٹ کر رہی تھی۔ فیروز بھٹی نے حجاب والی لڑکی کو دیکھ کر شانے اُچکائے اور خود بی سارہ کی ساتھ والی سیٹ پر گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر چشم زدن میں گلبرگ کی طرف غائب ہو گئی۔

حجاب والی لڑکی وہیں کھڑی رہ گئی۔ وہ اپنے ہاتھ مروڑ رہی تھی۔ چھوٹے قد اور نازک سے سراپے والی لڑ فراز نے اس روز پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ رباب کیانی تھی۔ اسفند یار کی ذوست۔

''لینا آئی، آنٹ سوسن آئی، تم نے سب کے سامنے اس بچے کو پیش کر دیا۔ اوہ گرینی! تم سا کم عقل بھی کوئی گا۔'' للّی نے جب سے واپس آ کر یہ سنا تھا کہ لینا اور آنٹ سوسن یہاں آ کر اس بچے کو دیکھ گئی تھیں وہ مسلسل ایلس چیخ رہی تھی۔

''اس میں خرابی والا کیا بات اے للّی، لینا اور سوسن امارا اپنا لوگ اے۔ وہ امارا کوئی برائی کرنا والا لوگ نا اے۔'' ایلس اسے سمجھا سمجھا کر تھک رہی تھی۔

''اس بچے نے مجھے مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ نجانے وہ کون سی گھڑی تھی جب میں نے تمہارے کہنے اسے گھر میں رکھ لیا تھا۔ ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہیں کوئی آ نہ دھمکے اسے لینے، کوئی ریڈ نہ ہو جائے ادھرے۔'' للّی پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔

''ام ٹمارا کریر بچانا کا واسطہ اس بچہ کو ایدر رکھا۔ ٹم کو یاد نا ئیں، کیا وہ گونڈا لوگ تم کو تھریٹ کر رہا تھا۔ اگر ام نا بی بولتا پھر بھی بچہ ٹم کو ایدر رکھنا پڑتا تھا۔ یہ سن لو ٹم۔''

''میں ان بھٹی لوگوں سے ویسے ہی جان چھڑانے کا سوچ رہی ہوں۔ میری بات چل رہی ہے الطاف والوں سے، وہ ان سے اونچے لوگ ہیں زیادہ پہنچے ہوئے۔ ایک بار مجھے ان کا کیمپ مل جائے، پھر دیکھتی ہوں کیسے بندوا کے زور پر یہ بچہ ادھر رہتا ہے۔''

''ایسا بات دوبارہ نا ئیں کرنے کا للّی، اس جنگل ورلڈ کا اندر تم اپنا گاڈ فادر چیلنج کرنے کوشش کرے گا تو سید ھا ٹم کو نیکسٹ ورلڈ میں پونچائیں گا۔ ام ایسا لوگ کو خوب جانٹا۔'' ایلس نے اسے ایک نئی بات سنائی۔

''تم کچھ نہیں جانتیں گرینی! جو میں جانتی ہوں میں وہی کروں گی اور اتنے سارے اپس اینڈ ڈاؤنز سے گزر میں یہاں تک پہنچ گئی ہوں نا تو پھر آگے کا راستہ بھی میں خود ہی نکال لوں گی۔'' للّی نے دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے کہا۔

اسی وقت بشیر بچے کو اٹھائے دانت نکالتا ادھر آ گیا۔ ''او مائی ڈارلنگ بے بی ٹم کیدھر تھا؟'' ایلس بچے کو دیکھ نہال ہو گئی۔

''میری اماں کا فون آیا تھا جی!'' بشیر نے ہنوز دانت نکالتے ہوئے کہا۔ ''ادھر ہمارے محلے میں نا ایک بی بی

انہوں نے مری امان کو پتہ ہے۔ کیا کیا ہے جی وہ کہتے ہیں چاچی عیشا کے پاس جو بچہ تھا نا
نب۔ وہ یہ بچہ تھا نا جواب مل نہیں رہا۔ وہ یہ بچہ تھا جو اپنا جیوفری صاب، میں نے اپنے موبائل پر تصویر
رہا۔ اس وقت تو بولیں نہیں۔ بعد میں پتہ نہیں کیسے یاد آ گیا کہ یہ وہ بچہ ہے۔ بھلا چاچی عیشا والا بچہ کوئی
نا جیف صاب تو بادشاہ آدمی ہے جو، وہ تو کوئی چوڑا سا بچہ تھا۔ بی بی نب کی تو نظر اور مغز سب خراب
دھن میں بولے چلے جا رہا تھا جبکہ ایلس اور للّی سراسیمگی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھتی جا رہی
جس بات کا ڈر تھا وہ ہو کر رہی تھی۔

نے رابعہ ٹیکسٹائل اور ہجویری گروپ چھوڑ دیا ہے، چیمبر آف کامرس کی رکنیت سے بھی استعفیٰ دے دیا
اس ورکنگ یونٹ کا مزید حصہ نہیں رہا۔''
نے فراز کو اطلاع پہنچائی۔ وہ اسی روز کراچی سے واپس پہنچا تھا۔ فراز کو جس گڑبڑ کا اندازہ ہو رہا تھا وہ
سامنے آ گئی تھی۔ مگر اس نے اس سلسلے میں اسفند سے کوئی سوال نہیں کیا۔
وہ شاپنگ مال جو میں نے سلمان کے ساتھ مل کر شروع کیا تھا۔ اس کا میں اب بھی پچاس فیصدی
فی الحال میرا آثاثہ یہی ہے۔''
اب بھی خاموش رہا۔ شاید وہ اسے یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جس طرح وہ پہلے اس پر ہاتھ رکھتا تھا۔
نہیں کر سکے گا۔ لیکن ایسی کون سی افتاد اچانک آ گئی تھی تو جو یکا یک وہ ساری بزنس امپائر زمین بوس ہو

یہ سمجھو کہ یہ ڈیڈی کا اور میرا ایک پرسنل معاملہ ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ مجھے تم سے ایک فیور چاہیے فراز! کیا
؟'' یہ بات البتہ غیر متوقع تھی۔
ہوں نہیں اسفند بھائی! آپ کہیں۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوا۔
شاپنگ مال میں ایک شاپ ہم اپنی رکھیں گے، جیولری شاپ اور اس کا کام تم سنبھالو گے۔ مجھے یقین
تم کر لو گے۔ اس وقت جو نام تم بنا چکے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس منصوبے کو کامیاب کرانے کے لیے

انے کبھی بھی اس کام کو کیریر بنانے کا نہیں سوچا۔'' فراز کہنا چاہتا تھا مگر یقیناً کہ وہ موقع نہیں تھا جب
یہ بات بتاتا تھی۔
یناً میں ایسا کروں گا۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔
اس میں تم اپنا پورا ہنر صرف کرو گے۔ ہے نا!''
نے اس سے تائید چاہی میٹریل اور ورکنگ میں تمہیں مہیا کروں گا، صرف اتنا ہے کہ اس میں میرا نام
منافع کی تقسیم کے بارے میں ہم بعد میں فیصلہ کر لیں گے۔''
جانتا تھا کہ اس قسم کے کئی کاروبار اس شہر میں کئی جگہ یونہی چل رہے تھے جن میں کرنے والا کوئی اور ہوتا
الک کوئی اور۔
اب جلد از جلد اس امیج کو ری بلڈ کرنا ہے۔'' اسفند نے آخری بات کی۔
اسفند بھائی! کیا آپ کے سوشل سرکل میں اس صورت حال کو لوگ سمجھ نہیں جائیں گے؟'' فراز نے پہلی

بات پوچھی۔

''یقیناً سمجھ جائیں گے، مگر اس کی مجھے پروانہیں۔'' اسفند نے لاپروائی سے کہا۔

''اور کیا لوگوں کا رویہ آپ کے ساتھ تبدیل نہیں ہو جائے گا۔؟''

ضرور ہو جائے گا بلکہ ہو رہا ہے، مجھے پروا نہیں، تمہیں معلوم ہے کہ میرے پاس جو ڈگریز ہیں، وہ مجھے ملک کے بہترین اور سب سے زیادہ پے کرنے والے اداروں میں چٹکی بجاتے میں جاب دلوانے کے لیے کافی مگر میں جاب کروں گا نہیں، میں اسی میدان میں اپنی قسمت آزمانا چاہتا ہوں جہاں سے مجھے بے دخل کر کے مجھے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ میں ان کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔'' اب بات کچھ کچھ فراز کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

''والدین کے بغیر بچے کچھ بھی بن جائیں، ادھورے ہوتے ہیں۔'' اب بہت کچھ فراز کو سمجھ آ رہی تھی۔

''والدین کے بغیر بچے کچھ بھی بن جائیں، ادھورے ہوتے ہیں۔'' اس نے بہت سنبھل کر اسے ایک سمجھانے کی کوشش کی۔

''مجھے ادھورا رہنا منظور ہے۔ میں شہری کی طرح یہ دباؤ برداشت نہیں کر سکتا۔'' اسفند نے لاپروائی سے کہا

''شہریار صاحب سے یاد آیا اسفند بھائی! آپ نے سارہ شاہنواز کے متعلق پتہ لگا لیا؟'' فراز کو وہ دن پہ واقعہ یاد آ گیا۔

''نہیں، فی الحال یہ معاملہ التوا میں رہے گا، میں پوری توجہ کے ساتھ یہ کام کرنا چاہتا ہوں۔'' اسفند نے کہا

''اور وہ جو سوشل ورک آپ کر رہے تھے'' فراز نے یاد دلایا۔

''وہ انشاء اللہ جاری رہیں گے، ان کے سلسلے میں، میں ورک آؤٹ کر چکا ہوں اور اللہ بھی شاید میری مدد کر رہا ہے۔ جینس ڈی سوزا کے سلسلے میں جو رقم جاتی تھی۔ اس کی اب ضرورت نہیں رہی کیونکہ ان کے معاملات ایک صاحب نے اپنے ذمے لے لیے ہیں۔''

''یہ مجھے بھی معلوم ہوا تھا۔'' فراز نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''یہ کون صاحب ہیں اسفند بھائی! جوان جیسی بے آسرا خاتون کو امداد دے رہے ہیں۔''

''ایسے معاملات کے سلسلے میں کچھ لوگ تشہیر کے قائل نہیں ہوتے، مگر یہ اتنا حیرت انگیز نام ہے کہ میں تمہیں بتائے بغیر رہ نہیں سکتا۔ تمہارے لیے یہ دلچسپی کا باعث ہوگا کیونکہ تم تو ان صاحب کے پہلے ہی بڑے مداح ہو'' اسفند نے اس ساری گفتگو میں پہلی بار مسکراتے ہوئے کہا۔

''کون ہیں یہ؟'' فراز دھڑک اٹھا۔

''گڈ اولڈ شاہنواز احمد، شیطان پر نیکی کا سودا سوار ہوتا ہے، دیکھو، کب تک سوار رہتا ہے۔'' اسفند نے انکشاف کیا۔

......۞......

ڑکا شہریار محمد نہیں ہے، آفتاب جمیل صاحب! یہ اسفند یار محمد ہے اور آپ اس کے باپ ہیں، ان دونوں راہونے والے بچوں کے مزاج اور عادات میں کتنا فرق ہے۔ یہ آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔ ایک کو تو کے ہاتھوں سے اڑا کر لے گئی، دوسرے کو اڑانے کے لیے آپ خود پنجے کھول رہے ہیں۔''

اُفتاب نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ ان کے سامنے بیٹھے شخص کے چہرے کے تاثرات اب بھی ویسے ہی ات سے پہلے تھے۔

جانتے ہو، وہ تمہیں چھوڑ کر جا چکا ہے۔ اس نے خود کو ہر اس چیز سے الگ کر لیا ہے جو تمہاری ملکیت ب جمیل کے بے تاثر چہرے کو دیکھ کر غصہ آنے پر وہ آپ سے تم پر آ گئیں۔

اچھی طرح جانتا ہوں۔'' انہوں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''یہ اس کی حماقتوں میں سے ایک بڑی

تم نے اسے اتنی آسانی سے یہ حماقت کرنے دی؟'' رابعہ مزید اشتعال میں آ گئیں۔

قل اور آنکھیں رکھتے ہوئے کنویں میں گرنا چاہتا ہے، میں اسے کیسے روک سکتا ہوں۔''

نویں میں گر جائے گا، تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہے نا؟'' رابعہ نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے

ب گر جائے گا، اس وقت دیکھوں گا۔'' انہوں نے اپنی ٹائی درست کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم بے کار رہی ہو، مغز تمہارے پاس اللہ کے فضل سے ویسے ہی کم ہے، جو ہے اسے بھی ضائع کر دو گی یوں الجھ کر۔''

ت بھیجتی ہوں میں تمہارے مشوروں پر، تم انسان نہیں، پتھر ہو۔ آفتاب جمیل جسے کسی بھی بات سے کوئی ''وہ چلا کر بولیں۔

''......'' آفتاب جمیل نے ان کی یہ بات سن کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو مجھ سے؟''

ا سے پہلے رابعہ اور پھر خود اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''پتھر کیا ہوتا ہے اور موم کسے کہتے ہیں،

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ''تم رابعہ بیگم یاد کرو، آج سے چند سال پہلے تمہاری طرح یونہی
اسی طرح میں کھڑا تھا، تمہارے سامنے اور میں نے عرض کیا تھا تم سے کہ پرانے قصوں کو سینوں میں دفن کر کے
میں جینے کا سامان کرنے کی کوشش کرتے ہیں رابعہ! سارہ شاہنواز احمد کی بیٹی ہے، روزینہ بائی کی بیٹی ہے یا زرینہ
کی یا پھر شاہنواز احمد، یونہی اس کوٹھے سے اسے اٹھا لایا ہے جو بھی ہے، وہ ہمارے بیٹے کی پسند ہے اور وہ خود اپنے
سے اس کے ساتھ شادی کرنے کی بات بارہا کر چکا ہے تو جانے دیتے ہیں پرانے اختلافات اور بیٹے کی پسند کو
سے لگا لیتے ہیں۔ مگر یاد ہے کہ تم نے اس کے جواب میں کیا کہا تھا۔''

وہ ان کی جانب مڑے۔

''تم نے کہا تھا کہ مر جاؤں گی زہر کھا کر، اس لڑکی کو بہو نہیں بناؤں گی۔ کیسا تم نے مجھے بھی برین واش کر
کہ یہ لوگ، یہ شاہنواز احمد اور یہ لڑکی سارہ شاہنواز دانستہ ہماری فیملی میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے اور ایک وقت
آنے والا تھا جو میں وہ بھری محفل میں ہمارے کپڑے اتار پھینکیں گے۔ تم نے ڈراوے دیے تھے مجھے اسٹیٹس
جانے کے، عزت سے ہاتھ دھل جانے کے اور کرپشن کے مقدموں میں ملوث ہو جانے کے۔ یاد کرواؤں
دروازوں کے پیچھے کیا ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسی قسم کا ڈرامہ ہم دونوں نے اسٹیج نہیں کیا تھا۔ اس ڈرامے کی اختتامی سطر
یاد کرو رابعہ بیگم۔'' ''یہ فیصلہ ہو چکا کہ کسی بھی صورت شہری کی شادی اس مردود، خبیث، بلیک میلر کی بیٹی کے ساتھ
ہو سکتی کیونکہ ہمیں اپنی نئی شناخت کو، سوسائٹی میں اپنے مقام کو اور اپنے صاف ہاتھوں کو کرپشن کے میلے جھاگ
بچانا ہے اور پھر کیا ہوا۔ معلوم ہے تمہیں۔''

انہوں نے ایک مرتبہ پھر رابعہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''پھر تمہارا معصوم، سادہ لوح، بے ریا بیٹا تمہاری باتوں کی دلدل میں پھنس کر رہ گیا، نہ اسے آگے کا
سوجھا، نہ پیچھے کا اور اسی تذبذب کا شکار وہ اس حادثے کا شکار ہو گیا۔ وہ بدنصیب جس کی موت پر تمہارے نازاٹھ
نے تمہیں صرف چند آنسو بہانے کی اجازت دی۔ اس کے بعد تم یوں کمپوزڈ رہیں جیسے یہ اتنا بڑا سانحہ وقوع پذیر
نہیں تھا۔ اس کی بڑی وجہ تمہارے دل کی وہ تسلی تھی کہ اس کی موت نے اسے زرینہ یا روزینہ بائی کی بیٹی کا دلہا
سے بچا لیا تھا۔ گڈ، ویری گڈ۔ رابعہ بیگم! لکی یو آر۔'' وہ سامنے دھری ایزی چیئر پر جا بیٹھے اور اسے جھلانے لگے۔

''اور پھر تمہیں معلوم ہے کیا ہوا؟'' پھر وہ اسی طرح چیئر جھلاتے ہوئے بولے۔ ''شہری نے اسی
شاہنواز سے شادی کر لی۔ کورٹ میرج۔ یو نو کورٹ میرج کیسے کہتے ہیں اور میری معلومات کے مطابق وہ
ایک عدد بچہ پہلے ہی پیدا کر چکی تھی، شادی سے پہلے۔ کورٹ میرج تو ایک فارمیلٹی تھی۔ وہ تمہارے ایک عدد پو
والدہ بننے کا شرف پہلے ہی حاصل کر چکی تھی۔ یہ وہی پوتے صاحب ہیں جن کے اغوا کے متعلق کالز نہیں اور نہ
صاحبزادے کو آتی رہی تھیں۔''

رابعہ آنکھیں پھاڑے یہ انکشافات سن رہی تھیں۔ ''اور تم نے ہمیں ٹال دیا۔ یہ کہہ کر کہ یہ سب ہمیں بلیک
کرنے کے طریقے ہیں۔ تم نے سب کچھ جانتے ہوئے آفتاب! سب کچھ جانتے ہوئے ہمیں اندھیرے میں رکھا
''بتانے کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ وہ بچہ ہمارے سامنے آ جاتا تو بھی نہ تم نے، نہ میں نے، ہم دونوں نے کبھی
بچے کو اپنا پوتا تسلیم نہیں کرنا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے کئی سال پہلے پرانے محلے والوں کے سامنے تماشا ہوا تھا۔ ایک
ایک تماشا اور لگنا تھا اور ہم نے اس سوسائٹی کے سامنے ہمیشہ کے لیے اسکینڈلائز ہو جانا تھا۔ ہمارا بیٹا گیا، پیچھے وہ
داستانیں چھوڑ گیا۔ ان کو اکٹھا کر کے کتاب کی شکل دینے کی ہمیں کیا ضرورت تھی۔ رابعہ! تم اچھی طرح جانتی ہو

کرتا تھا، نہ میں نے۔ سو قصہ ختم۔ اس سارے قصے کو تمہارے گوش گزار کرنے کا فی الحال مقصد یہ تھا کہ
زار دینے سے پہلے اپنے ماضی میں جھانک کر دیکھو۔ تمہارا دل کتنے پاؤنڈ موم سے بنا ہوا ہے۔''
بھول جاؤ آنی! یہ سب باتیں، یہ قصے، یہ کہانیاں۔ اسفند کو واپس لے آؤ۔ ہم نے عمر بھر اس نعمت کی
تم جانتے ہو کہ یہ نعمت، یہ آخری نعمت بھی ہاتھ سے چلی گئی تو کیا حال ہوگا ہمارا؟'' رابعہ کو اچانک یاد آ گیا
لبابات کرنے بیٹھی تھی۔
ہمارا یہ بیٹا صحیح معنوں میں ملک جمیل احمد المشہور مرچوں کی چکی والے کی روح لیے ان کا اصل پوتا ہے۔
غیرت، خودداری، ایماندار، سماجی خدمات، راست بازی کے طغروں سے سجا لوئر مڈل کلاس طبقے کا فرد
تنگ شخص۔ اس روز میری بات کو سمجھے بغیر مجھے چیلنج کر کے اٹھ کر چلا گیا اور جذبات میں آ کر ہر چیز سے
ا۔ اسے آزما لینے دو، اسے دیکھ لینے دو وہ کیا کر سکتا ہے اپنے زور بازو پر، وہ کیا بن سکتا ہے۔ چند دن
گھر اور کلٹس کی ڈرائیو کا مزہ چکھ لینے دو۔ کاروبار کیسے کیے جاتے ہیں اور یہ کیسے جمتے ہیں، اس کے نشیب
ر لینے دو۔ ہمارے دونوں بیٹوں کے نزدیک ہم احساسات سے عاری، مادہ پرست والدین ہیں۔ ایک تو
لیے اس دنیا سے چلا گیا۔ دوسرے کو یہ تصور پریکٹیکل لائف کی طرف لے گیا ہے۔ تم فکر نہیں کرو ہر حربہ
کے بعد یقیناً وہ ہماری طرف ہی لوٹ کر آئے گا لیکن اس کے ذہنی صحت کے لیے اس کا ان تجربات سے
ضروری ہے۔''
ر سوہا پیرزادہ...... وہ کون ہے؟'' رابعہ بیگم نے سینے میں گڑی یہ انی بھی نکال لینا چاہی۔
وہ میری دوست ہے؟'' آفتاب جمیل نے اپنے کوٹ پر سے نامحسوس گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔ ''وہ عورت
، مجھے زندگی کا اصل مفہوم بتایا ہے اور یہ بھی سمجھایا ہے کہ زندگی بیوی اور اولاد کی آسائش کے لیے کمانے کا
ہے۔ اسے کس طرح انجوائے کیا جا سکتا ہے، اس کا سبق اس نے مجھے پڑھایا ہے۔''
ہ نے کچھ دیر توقف کر کے آفتاب کی اس حد درجہ سکون اور اعتماد سے کہی گئی بات کو ہضم کیا اور پھر اپنے سینے
ت پر قابو پا کر اتنے ہی سکون سے گویا ہوئیں۔
تم نے رٹو طوطے کی طرح یہ سبق رٹ لیا۔ خوب آفتاب جمیل صاحب خوب، لیکن یاد رکھو کہ جس طرح
ا کے ساتھ تم نے یہ کہا کہ اسفند ہماری طرف ہی لوٹ کر آئے گا، اتنے ہی یقین کے ساتھ میں تمہیں بتاتی
معاشرے کے سامنے ایک شریف مرنجان مرنج ار کلین آدمی کا جو امیج بنائے رکھنے کی خاطر تم نے شہری کو
ادی کرنے سے منع کر دیا تھا، تمہارے اس کلین امیج کی دھجیاں اسی سوہا پیرزادہ کے ہاتھوں اڑیں گی کیونکہ
بن بیٹی کی بھی اتنی ہی قریبی دوست ہے، جتنی قربت کا دعویٰ تمہیں اس کے ساتھ ہے۔''
اب جمیل نے چیئر کی پشت کے ساتھ سر ٹکا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ انہیں حقیقت پر مبنی اس نئی خبر میں فی
ہکی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔
ہری، سارہ، کورٹ میرج، بچہ، اغواہ کالز۔'' اپنے کمرے میں آ کر رابعہ بیگم نے چند لمحے پہلے کی گفتگو کو ری
نے کی کوشش کی۔
ٹی، شاپنگ مال، کرائے کا گھر، چھ بی سی گاڑی، 'منی کا چنگل، لاکھوں لٹانے کو بے قرار، ماسٹروں،
روں کی صحبت۔'' ان کی نظروں کے سامنے ان کی ساری زندگی کا نقشہ آ گیا جس کے مختلف ٹکڑے انہوں
جما جما کر سلیقے سے جوڑے تھے۔ صاف، شفاف بے داغ مگر اب انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ مخمل کے اس نقشے

میں کچھ ٹاٹ کے پیوند بھی لگے تھے اور اس مخمل کا نیچے والا استر تو سارے کا سارا ہی ٹاٹ سے بنا تھا۔ ان کا چکرانے لگا۔ زندگی کتنا بڑا راز ہے، معمہ ہے، گتھی ہے۔ نہ سمجھ میں آنے والا، نہ حل ہونے والا، نہ سلجھنے والی۔ ایک لمحے میں انہیں ایک لفظ کاش نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ کاش وہ اس پرانے محلے سے اٹھ کر ادھر ہوتیں۔ کاش ان کی زندگی میں روزینہ، زرینہ، شاہنواز یا سین جیسے کردار نہ آئے ہوتے۔ کاش انہوں نے اپنے کو پڑھا لکھا کر سوسائٹی کے سامنے اپنے ہاتھ میں پکڑی شیلڈز اور گلے میں پڑے تمغے بنا کر پیش کرنے کی تڑ ہوتی۔ کاش وہ سب جو ہوا اور جو ہو رہا تھا، نہ ہوتا۔

وہ چکرا کر اپنے بیڈ پر گر گئیں۔ وہ رو رہی تھیں، بلک رہی تھیں یا بین کر رہی تھیں۔ انہیں کچھ سمجھ میں نہیں تھا۔ وہ اسی حالت میں سسکتے سسکتے تھکنے لگی تھیں۔ جب انہیں ایک نادیدہ ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا محسوس ہوا۔

"ممی! ڈونٹ وری۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

انہیں کہیں سے ایک مانوس نرم آواز سنائی دی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ "شہری......" ان سے نکلا۔ اور اپنے اردگرد دیکھا۔ کمرے میں کوئی دوسرا فرد موجود نہ وہ تنہا تھیں اور ان کے اردگرد سناٹا تھا۔

......❁......

"تمہیں بینک لون لینے کی ضرورت کیا ہے۔؟" رباب نے اسفند سے پوچھا جو اس وقت اس کے گھ بیٹھا تھا۔ "اور تم نے اسموکنگ کب سے شروع کی ہے۔" اس نے دوسرا سوال پوچھا۔

"اور تم اتنے دن سے غائب کدھر تھے؟" تیسرا سوال آیا۔

"تم میری کسی بھی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو؟"

اسفند نے اب بھی اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا سگریٹ ہوئے اسے غور سے دیکھے چلا جا رہا تھا۔ اس نے رباب کو پہلی مرتبہ ساڑھی میں ملبوس دیکھا تھا۔ وہ کسی ایگزیکٹو شرکت کے بعد گھر آئی تھی اور اس نے نیوی بلیو شیفون کی میرون بارڈر والی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ اس کے کا میں نیلے پتھر کے آویزے تھے اور اس کا حجاب قدرے ڈھیلا ہو رہا تھا۔

"اس سے شکل میں کئی درجہ زیادہ اچھی لڑکیاں میری زندگی میں آئیں لیکن میری نظر ان پر پڑ کر بھی نہیں لیکن جو نظر اس پر پڑی، ہو کسی اور پر نہیں پڑی۔ یہ خود بخود مجھے بہت اچھی لگنے لگی ہے اور اب اس کا چہرہ۔ اس اچھا چہرہ کوئی دوسرا نہیں لگتا۔" وہ سوچ رہا تھا۔

"اسفند یار! تم میری کسی بات کا جواب دو گے یا نہیں۔" رباب نے زچ ہو کر پوچھا۔

"تمہارے گھر میں ایش ٹرے نہیں ہے کیا؟" اسفند نے ساری باتوں کے جواب میں سوال کیا۔ رباب کی اس بات سے بے اختیار سارہ یاد آ گئی۔

"نہیں، ایش ٹرے نہیں ہے۔" رباب نے سادگی سے کہا۔ "میں تمہیں کوئی پلیٹ وغیرہ لا دیتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب ایش ٹرے لے ہی لوں۔" وہ اٹھ کر کچن میں جاتے ہوئے بولی۔

"تم نے بتایا نہیں اسفند! تم بینک لون کیوں لینا چاہتے ہو؟" واپس آ کر پلیٹ اس کے سامنے میز پر ہوئے وہ بولی۔

"تم یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں تم مجھے کتنا فیور کر سکتی ہو؟" اسفند نے پوچھا۔ "ویسے میرے کچھ اور بھی ایسے ہیں، جو اس سلسلے میں چلائے جا سکتے ہیں۔"

"پھر تو میرا خیال ہے کہ میری ضرورت ہے ہی نہیں۔" رباب مسکرائی۔ اسفند نے اسے مسکراتے ہوئے اس کے دل کی گھٹن کچھ کم ہوئی۔ "سچ ہے جو چہرہ پسند آ جائے، وہ کیسا بھی ہو اور دوسروں کی اس کے بارے کیسی ہی ہو، پسند کرنے والے کو وہ ہر رنگ میں اچھا لگتا ہے۔"

نہیں، اس سلسلے میں، میں تم سے ہی فیور لوں گا۔" اس نے سگریٹ کے آخری چھوٹے ٹکڑے کو پلیٹ میں ہوئے کہا۔ "ایک بات پوچھوں رباب!" پھر اس نے اچانک کہا۔

"ہاں پوچھو۔"

"تم مجھ سے شادی کرو گی؟" یہ بات اچانک اسفند کے منہ سے نکلی تھی، وہ اس قسم کی کوئی بات کرنے کے لیے ہرگز یہاں نہیں آیا تھا۔

"یہ بات یوں کرنے کی نہیں ہے۔" رباب نے اپنی کلائی میں پڑی کانچ کی نیلی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے

"پھر کیسے کرنے کی ہے؟" اسفند اس کے گھبرائے ہوئے ردِعمل پر محظوظ ہوا۔

"تم احمق ہو جو یہ بات کر رہے ہو اسفند! فی الحال وہ بات کرو جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔" رباب نے سر کہا۔

"یہ بات میں لون والی بات سے پہلے تم سے کرنا چاہتا تھا لیکن درمیان میں چند ایسے واقعات پیش آ گئے کہ یہ پس منظر میں چلی گئی۔ آج تمہیں یوں سجا بنا دیکھ کر اچانک یہ بات یاد آ گئی۔"

"گویا یہ اتنی معمولی بات ہے کہ جب بھی اچانک یاد آ گئی کر دی۔" رباب اس ذکر کو فی الحال ٹالنا چاہتی تھی، اس کو مذاق میں اڑا رہی تھی۔ "تم وہ بات کرو جو کرنے آئے تھے۔ کتنا لون سیکشن کرانا ہے تمہیں اور وہ مسائل جو تمہیں پیش آ گئے؟"

"بتا دوں؟" اسفند نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں۔" رباب نے کہا۔ "بی بی گھر پر نہیں ہیں۔ تم مجھے تھوڑی دیر اجازت دو تمہارے لیے چائے بنا

"

"شیور!" اسفند نے دوسرا سگریٹ سلگایا۔ "اسی بہانے تمہارے ہاتھ کی بنی چائے بھی پی لوں گا۔"

رباب اٹھ کر دوبارہ کچن میں چلی گئی۔ اس گھر میں آ کر اسفند کو پچھلے سارے دنوں کی تھکن اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ کتنے دنوں سے وہ ساری دنیا کے سامنے خود کو انتہائی کمپوزڈ رکھ رہا تھا مگر یہاں آ کر اسے لگا جیسے اسے اپنے دل کھول دینا چاہیے جیسے اس گھر کی مالکن سے وہ اپنے سب غم اور خوشیاں آسانی سے شیئر کر سکتا ہے۔ وہ ایک دم ہو گیا۔

"اچھا ہی ہوا جو میں ادھر چلا آیا۔" اس نے سوچا۔ ڈیڈی سے جھڑپ کے بعد ایک روز جب وہ لون کے سلسلے بینک کی طرف آیا تھا، وہ اسے گھر پر نہیں ملی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے نئے مسائل میں اس طرح الجھا کہ چاہنے کے باوجود اس سے رابطہ نہیں کر پایا تھا۔ اس دوران ایک بار رباب نے خود ہی رابطہ کیا تھا اور آج وہ خاص طور سے اس سے ملنے آیا تھا۔

وہ کچن میں مصروف تھی۔ اسفند نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے میں ادھر ادھر گھومنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے سامنے مین روڈ کی طرف کھلنے والی کھڑکیاں کھول دیں۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ اسے یہ خنک ہوا اچھی

لگی تھی، پھر وہ آہستہ سے چلتا دائیں دیوار کی طرف آیا۔ اس دیوار پر وہ پینٹنگز اور یجنل تھیں۔ پہلی بار اسفند نے نظر انداز نہیں کیا بلکہ انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ لکیریں تھیم، رنگ، مہارت سب کچھ تھا اس میں۔ وہ بنانے والے فن کے کمال سے مرعوب ہوا۔ ''یونہی تو رباب اور فراز سمیت کئی اور اس شخص کے مرید نہیں ہیں۔'' وہ مسکراتے سوچتا رہا۔

''دیکھو تو میرے ہاتھ کی بنائی چائے کیسی ہے۔'' رباب نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اس ساتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔

''ویسے اسفند! تم نے یہ اسموکنگ شروع کر کے اچھا نہیں کیا۔''

''چلو میرا کچھ تو ایسا ہے جو تمہیں ناپسند ہے۔'' اسفند نے دانستہ یہ بات کہی۔ رباب چائے کی پیالی م ہلاتے ہوئے مسکرا دی۔

''اچھا اب بتا ہی دو کہ تمہاری زندگی اور شخصیت میں اتنے مختصر عرصے میں اتنی ساری تبدیلیاں کیسے آ گ رباب نے چائے کی پیالی اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔ جواب میں اسفند نے تفصیل کے ساتھ اسے ساری بات لگا۔

''اررر رے......'' اس کی بات سن کر رباب بے اختیار ہنس دی۔ ''اسفند یار! میرا خیال نہیں تھا کہ تم جذباتی ہو۔''

''مجھے خود بھی علم نہیں تھا۔'' اسفند نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اور شاید میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس بات سیریسلی نہ لیتا لیکن مجھے ایسا لگا کہ مجھے ایسا کرنا چاہیے، تاکہ مجھے خود بھی تو علم ہو کہ میں خود کتنے پانی میں ہوں۔''

''ٹھیک ہے، تم نے ایسا سوچا تو ٹھیک ہی ہوگا۔'' رباب نے کہا۔ ''یہ بھی کتنا اچھا لگتا ہے کہ کوئی ایسا شخص کے پاس موجود ہو، جسے آپ دل کی بات یوں سنائیں اور وہ کوئی سوال جواب کرے نہ ہی نصیحت و فضیحت، نہ ہی کرے، نہ دلائل دے۔'' اسفند نے سوچا۔

''لون کے سلسلے میں جو مجھ سے بن پڑا، میں ضرور کروں گی۔'' رباب نے اپنی کلائی کی چوڑیوں ہوئے کہا۔

''بس اتنا ہی کافی ہے۔'' اسفند نے ریلیکس ہوتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ جو ابھی میں نے تم سے ایک ہے، اس کا جواب کب دو گی۔''

''اس کا جواب چاہو تو ابھی لے لو۔'' رباب نے کہا۔ ''میرا جواب یہ ہے کہ تم سے شادی کرنا میں ڈیزا کرتی۔'' رباب نے رک رک کر جملہ مکمل کیا۔

اسفند نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''ابھی ابھی جو میں نے اپنی موجودہ پوزیشن کی بات بتائی ہے، اس سے؟'' فوری طور پر اس کے ذہن میں رباب کے جواب کی یہی وجہ سمجھ میں آئی۔

''احمقانہ پن کی بات مت کرو۔'' رباب نے تیز لہجے میں کہا۔ ''میں نے یہ نہیں کہا کہ تم مجھے ڈیزرو نہیں۔ میں نے کہا ہے کہ میں تمہیں ڈیزرو نہیں کرتی۔''

''کیوں، تم میں کیا کمی ہے، کیا خرابی ہے؟''

''مجھ میں شاید کوئی خاص کمی یا خرابی نہیں ہے لیکن وہ جسے تمہاری زندگی میں سینٹرل پوزیشن حاصل چاہیے، وہ کوئی اور ہے۔'' رباب نے ایک ایسی بات کی جس نے اسفند کو بری طرح چونکا دیا۔

''وہ کون ہے؟''

''اس کا نام سارہ شاہنواز ہے اور اس سے زیادہ تمہاری زندگی کی ساتھی بننے کی مستحق کوئی دوسری لڑکی نہیں۔'' ب نے سنجیدگی سے کہا۔

......✿......

''رنگوں کا درست امتزاج اور ان کے استعمال سے پیدا ہونے والے تاثر ہی کینوس پر پھیلے منظر کو لافانی ت دلواتے ہیں۔ اس بات کا تو تمہیں علم ہو گا ہی۔'' شاہنواز احمد برش چلاتے ہوئے فراز احمد سے محو گفتگو تھے۔

''مجھے اس بات کا اندازہ ہے، بخوبی اندازہ۔'' فراز محویت سے کینوس کو دیکھتے ہوئے بولا۔ شاہنواز احمد فرش پر اپنے قریب رکھی مختلف رنگوں کی کٹوریوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ اس روز جب وہ ان سے ملنے ان کے گھر آیا تھا ہوں نے اندر اسٹوڈیو میں ہی بلا لیا۔ یہ ایک نئی بات تھی کیونکہ شاہنواز احمد اپنے اسٹوڈیو میں کم ہی کسی کو آنے کی زت دیتے تھے۔ اس بات کا اندازہ فراز کو ان کے اسٹوڈیو کی حالت دیکھ کر ہی ہو گیا تھا۔ شاید وہ اپنی جھکی طبیعت ہاتھوں کسی ملازم کو صفائی کی غرض سے بھی کم ہی اندر آنے کی اجازت دیتے تھے۔ اسٹوڈیو کی دیواروں کے کونوں ا جالے لگے تھے اور اکثر چیزوں پر گرد کی تہہ نظر آ رہی تھی۔

''اس تصور کا عنوان کیا ہوگا؟'' فراز نے مختلف رنگوں کو ایک دوسرے میں کسی خاص ترتیب کے بغیر مدغم ہوتے ھ کر سوال کیا۔

''کچھ عرصے پہلے میں نے تم سے ذکر کیا تھا، بلکہ سوال کیا تھا کہ میری ایک تصویر مکمل کرو گے۔ یاد کرو، جب تم ری علالت کے دنوں میں میرا احوال پوچھنے آیا کرتے تھے۔''

''ہاں جی، شاید، آپ نے ایسا کچھ کہا تو تھا۔'' فراز نے یاد کرتے ہوئے اپنی ٹھوڑی کھجائی۔ ''یہ وہی پینٹنگ ہ''دل من مسافر من'' دیکھو کب سے ادھوری پڑی ہے۔ میں اس کو مکمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، یہ ہر بار ادھوری رہ تی ہے۔ جب ہی تو تم سے کہا تھا کہ اس کو مکمل کر دو۔''

''دل من مسافر من'' فراز نے دہرایا۔ ''میرے دل میرے مسافر، ہوا پھر سے حکم صادر۔ ارے یہ تو فیض احب ہیں۔''

''ہاں، یہ فیض صاحب ہیں۔'' انہوں نے برش ہاتھ سے رکھ کر اپنی آنکھوں سے لگی عینک اتاری۔ ''نجانے بل عرصے سے میرا دل تھا کہ میں اس نظم کی تظیم کو پینٹ کروں مگر جب بھی شروع کرتا ہوں، مجھے اپنا ورک نامکمل لگتا ہے۔ ورک سے میری مراد وہ آئیڈیاز ہیں جو میں اس کے لیے اپنے ذہن میں بنتا ہوں۔'' فراز نے دیکھا، وہ ایک دم رنے، کمزور اور مضمحل لگنے لگے تھے۔

''مرے دل، مرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یار نامہ بر کا

ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتہ تھا اپنے گھر کا
سر کوئے ناشنایاں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
تمہیں کیا کہوں کہ کیا ہے
شب غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا!

فراز نے اپنے دل میں عرصہ پہلے پڑھی یہ نظم دہرائی۔ اتفاق سے یہ نظم اسے اچھی طرح یاد تھی۔

دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یار نامہ بر کا
ہر ایک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا

اس نے زیرلب دہراتے ہوئے اپنے سامنے پھیلے وسیع کینوس پر ایک نظر ڈالی اور دوسری نظر رنگوں کے امتزاج کے خالق پر پھر اچانک جیسے اس کے ذہن میں آگاہی کے کئی در وا ہوئے۔ وہ کیوں اس نظم ہی کی عقیم پر کام کرنا چاہتے تھے اور کیوں یہ تصویر ان کے بار بار شروع کرنے پر بھی مکمل نہیں ہوتی تھی۔ وہ رنگوں اور لکیروں کے جال میں ابھرتی شبیہوں کو پہچان رہا تھا۔ وہ آئیڈیاز کی اور پینٹنگ کو سمجھ رہا تھا۔ اچانک اسے اپنے سامنے بیٹھے اس عظیم فنکار کی تنہائی، بے بسی اور بے چارگی پر شدید ترس آنے لگا۔ وہ لمحے کتنے مشکل اور جان لیوا ہوتے ہیں، جب ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں، کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں اور کر نہیں پاتے۔ ایسا کر نہ پانے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں، جن میں سب سے بڑی وجہ دوسروں کی نظریوں میں ہمارا مقام ہوتا ہے جو ہم کسی طور گنوانا نہیں چاہتے۔" اس نے دکھ کے ساتھ سوچا۔ اس کے ذہن نے اچانک بڑی سرعت کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

"یہاں ایسے، یہ ایسے، وہاں یوں، یہاں یوں۔" اس نے اس کینوس کے مختلف حصوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ اس کے دل کو یقین سا تھا کہ وہ شاہنواز احمد کے ذہن میں موجود تصور کو پڑھ چکا ہے۔ جب ہی اس کی ہر بات کے جواب میں ان کے منہ سے بالکل بالکل، ہاں ہاں، صحیح صحیح کے الفاظ نکل رہے تھے۔ کبھی کبھار وہ زبردست، ایکسیلنٹ کے الفاظ بھی کہہ رہے تھے۔

"یہ اتنا الجھا ہوا کام تو نہیں ہے سر! جو مکمل نہ ہو سکے۔"

اپنی بات کے آخر میں کپڑے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس نے شاہنواز احمد کو مخاطب کیا۔

"تمہارا ذہن اس طرح ہی کام کرتا ہے جیسے اسے کرنا چاہیے۔ میں اب بوڑھا ہو رہا ہوں اور شاید کمزور بھی۔" ہوں نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "تم اس اسٹوڈیو کے چاروں طرف نظر ڈالو، کتنے ادھورے کینوس تمہیں نظر آئیں کو مکمل فائنل ٹچ کے منتظر، یہ مجسمے دیکھو، ادھورے، لولے لنگڑے۔" انہوں نے ایک سائیڈ پر گول پائپ سے پردہ کھینچتے ہوئے کہا۔ "یہ میورلز، یہ ریلیفس جن کے ادھورے خاکے میں نے پنسل سے یہاں کھینچے ہیں۔" ں نے سادہ کاغذ اس کے سامنے رکھے۔ "یہ میری انگلیاں جو ہیں نا فراز احمد!" انہوں نے اپنی ناک لمبی انگلیاں کھاتے ہوئے کہا۔

"یا تو یہ تھک گئی ہیں یا میرا ذہن یا پھر میری سوچ تنقید، تحقیق اور دانشوری تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ جو بھی کچھ تو ہوا ہے جو بہت کچھ ادھورا ہے۔"

"آپ فکر مت کریں سر! میں اب ایک لمبے عرصے کے لیے یہاں ہوں۔ میں اکثر آپ کے پاس آنے کی ش کیا کروں گا اور اگر آپ کا دل مانے تو ہم اکٹھے ان سب ادھورے کاموں پر کام کر سکتے ہیں۔"

فراز نے خلوص دل سے کہا۔ اسے ان سے ہر طرح کے ردعمل کی توقع تھی۔ ان کی انا پرستی انہیں بھڑکا بھی سکتی ان کی ذہنی تنہائی انہیں دوسراہٹ کے تصور سے جھنجلاہٹ میں بھی مبتلا کر سکتی تھی۔ ان کی خودداری ان سے انکار روا سکتی تھی، مگر وہ ہر طرح کے ردعمل کے لیے تیار تھا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوگی۔" وہ توقع کی آخری قسم کے مطابق بولے۔

"میں نے تو پہلے بھی تم سے کہا تھا۔ اس مسافر دل کی کہانی تو مکمل کر ہی لینا چاہیے۔" انہوں نے بچوں کی سی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"ضرور اور بہت ممکن ہے کہ یہ مسافر دل اپنے سفر کی منزلیں طے کرتے کرتے اپنے گھر کا پتا بھی ڈھونڈ لے کوئی اجنبی ایسا مل جائے جو کسی یار نامہ بر کا سراغ دے اور گمشدہ گھر کا پتا بھی بتا دے اور انسان بار بار کی اذیت سے بچ جائے۔" فراز نے بظاہر ہنستے ہنستے بڑی دل کو لگتی بات کر دی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی یہ ن کر ان کے چہرے کا تاثر لمحہ بھر کے لیے بدلا تھا مگر اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت اور بے نیازی انہیں ا گئی۔

"پھر وعدہ کرو، آیا کرو گے۔" انہوں نے رنگوں میں لتھڑا اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ضرور، میں نے کہا نا۔" فراز نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ہلکے سے دبایا۔

"ایک لمبے عرصے کے لیے یہاں ہوں۔" انہوں نے اس کی کہی بات دہرائی۔ "کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

"میں کمپی ٹیشن امتحان دینے کی تیاری میں مصروف ہوں ساتھ کے ساتھ جیولری ڈیزائننگ میں مشغول ی الحال میرا ذریعہ معاش یہ ہی ہوگا کیونکہ میرے "ٹکے" مجھے تھوڑا بہت نام دلوا گئے ہیں اس میدان میں۔"

"فراز......" انہوں نے یاد کیا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔ "تم ہو چھپے رستم میاں! تم نے لائم لائٹ میں آنے ول بڑے اچھے سے اور بڑے بروقت سیکھ لیے۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی، ورنہ بندہ کس قابل ہے۔" فراز آداب بجالاتے ہوئے بولا۔

"اس سلسلے میں میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ آرٹ اسکول کے نام سے اپنا ایک ادارہ کھولوں س میں آرٹ کے یہ لیٹیسٹ ڈپارٹمنٹ موجود ہوں۔ جیولری ڈیزائننگ، پوٹری، فیشن ڈیزائننگ وغیرہ وغیرہ۔"

سارے موچی، لوہار، کمہار درزی اکٹھے کرلوں۔ جب علم اور ہنر یکجا ہو جاتا ہے تو ایک فیلڈ آف نالج ڈیولپ ہو جاتی ہے۔ آج کل ایسا تیزی سے ہو رہا ہے اور یہ سرے کام میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں۔ اس ادارے میں مجھے جوائن کرلو، مزہ رہے گا۔"

"اس سلسلے میں، میں معذرت خواہ ہوں کیونکہ جیولری ڈیزائننگ کے لیے میں پہلے سے ہی کمیٹڈ ہوں۔ ساتھ ساتھ میری اسٹڈیز بھی ہیں۔ ہاں آپ کے ادھورے کام مکمل کروانے کے سلسلے میں آپ کی مدد کے لیے میں ہر دم تیار ہوں۔" فراز نے ان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

"ہائے ہائے بی بی زینب! آپ کو میرا اعتبار نہیں آتا۔ میں نے اتنی دفعہ بشیر سے زور دے کر پوچھا ہے کہ بشیر یا بتا یہ کاکا صاحب کون ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ یہ کوئی چاچی جی عیشال، ویشان کا کاکا نہیں ہے۔ یہ کاکا تو باؤ صاب ہے۔ ایک دم باؤ صاب!"

بشیر کی ماں پچھلے ایک گھنٹے سے بی بی زینب کو باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ بچے کے سلسلے میں انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔

"تو کیا جانے رشیداں! میں نے کاکے کو اپنے ہاتھوں میں پالا ہے کئی دن۔ میں کیسے مان لوں کہ مجھے غلطی لگی ہے۔ یہ مہدیار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

"چلو فرض کیا، یہ بچہ وہی ہے پھر اگر اس کا آگا پیچھا ہی کوئی نہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ کس کے پاس رہتا ہے، کون اس کو پالتا ہے۔" بشیر کی ماں نے دوپٹہ سر پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"او پاگلے! تجھے نہیں پتہ۔ میں دین دار ہوں، اس بچے کو اپنی ذمہ داری پر میں نے اسے اسفندیار محمد کے بچوں والے سینٹر میں داخل کروایا تھا۔ اب یہ تو اس دن سے مجھے اسفندیار محمد کا ٹیلی فون نہیں مل رہا۔ نہیں تو میں اسے بتاتی کہ کدھر بچہ غائب ہوا ہے اور ان انگریز میموں نے اسے اغوا کیا ہے۔

یہ ساری تفصیل سن کر بشیر کی ماں کو جھرجھری آگئی۔

"ابھی بھی ہمیں کون سا یقین ہے جی کہ یہ وہی کاکا ہے۔" بشیر کی ماں نے ان سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"وہی ہوا تو بشیر پوری مدد کرے گا جی، اسے اس کے ماں باپ کے پاس پہنچانے میں۔ وہ میم صاب سے صاف کہہ دے گا کہ جی یہ بچہ اغوا والا بچہ ہے۔ کہیں پولیس نہ آجائے انہیں پکڑنے۔ میں اس سے جا کر بات کرتی ہوں۔"

بشیر کی ماں تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"یہ اسفندیار پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا، اب اس کو دفتر جا کر ہی بتانا پڑے گا۔" بی بی زینب نے دل ہی دل سوچا۔

"سن بشیر! اپنی میم صاب کو خبردار کر دینا، یہ بی بی جی ضرور گڑبڑ کریں گی۔ ابھی میرے ساتھ گھنٹہ لگایا ہے پورا۔ کہتی ہیں کاکا عیشاں والا کاکا ہے۔ اغوا ہو گیا تھا بچوں والے گھر سے۔ بی بی جی کہتی ہیں، یہ میمیں ہی بچہ اغوا کر کے لے گئی ہوں گی۔ اب یہ کسی کو بتائیں گی اور میم صاب کے لیے مصیبت بنائیں گی۔ کہتی ہیں۔ پولیس میں رپورٹ ہوئی تھی بچے کے اغوا کی تو محتاط رہنا بشیر یا! یہ کوئی لمبا چکر ہے۔ پھنس نہ جائیں کسی مصیبت میں۔" بشیر کی ماں اپنی اولاد سے بیٹے کو فون پر کتھا سنا رہی تھی۔

دیکھ، لگ گئی نہ نظر۔ اب یہ بی بی فساد کھڑا کرے گی ساری دنیا میں۔ بس تو میم صاب سے کہنا رکھیں اور تو خود بھی ہشیار رہنا۔" بشیر کی ماں گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے

اب میں فون بند کرنے لگی ہوں تو بس جو میں کہہ رہی ہوں، اس پر عمل کر۔ میں ادھر بی بی پر نظر رکھتی نے چادر سے چہرے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

اسفندیار صاحب سے ملنا ہے بیٹا!" بی بی زینب رابعہ ٹیکسٹائل کے ہیڈ آفس کے بیرونی کمرے میں ارڈز کو بتا رہی تھیں۔

ایدر نہیں ہوتی مائی صیب! اسفندیار ے چھوٹی (چھٹی) کر گئی اے، اب وہ اپنا کام کرتی اے، ادر کا پتہ ام کو بھی مالوم نئیں۔" پٹھان سیکورٹی پنے مخصوص انداز میں کہا۔

ا کام کرتی ہے، کون کرتی ہے۔" بی بی زینب نے حیرت سے پوچھا۔ "جھلیا میں نے تجھ سے رابعاں کے ں پوچھا، میں اسفندیار کو پوچھ رہی ہوں، چھوٹا پتر اس کا۔"

ائی صیب، ام اس کا بات ای کرتی اے، اسپند صیب کا، وہ ایدر نہیں ہوتی اس کو اور جا کر ملو، نیا والا جگہ ں گارڈ نے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ھا، پھر ادھر کا پتہ بتا دو نئی جگہ کا۔" بی بی زینب نے کچھ کچھ بات سمجھتے ہوئے کہا۔

، ام کو مالوم نئیں اے، نیا والا جگہ کا پتہ، کیوں مگز خراب کرتا اے امارا مائی صیب۔" گارڈ نے طیش میں کہا۔

ھا بھائی غصے میں تو نہ آؤ، آرام سے بتاؤ۔ تمہیں پتا نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔ میں چلتی ہوں۔"

ی زینب نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ انہی اس روز یہاں آنے میں خاصی دشواری ہوئی تھی اور وہ یہاں ایوں ہوئی تھیں۔

ب کاکے کا پتا چلا ہے تو اسفندیار کا پتا نہیں چل رہا۔" وہ اسی قسم کی باتیں سوچتی اس گارڈ روم سے باہر نکلی وقت ان کی نظریں اس لڑکے پر پڑی جو موٹر سائیکل پر بیٹھا اسے تک مار رہا تھا۔ بے اختیار ان کا دل چاہا رخواست کریں کہ انہیں بس اسٹاپ تک پہنچا آئے۔ اسی خیال سے وہ اس کی طرف بڑھی تھیں۔

رے بی بی زینب آپ!" ان کی توقع کے بالکل برعکس وہ لڑکا ان کو دیکھ کر خود ہی بول پڑا۔ "آپ یہاں

ے تم مجھے جانتے ہو بیٹا! کیسے؟" بی بی زینب کا ردعمل فوری تھا۔

آپ بی بی زینب ہیں نا جن سے اسفند بھائی نے بچپن میں قرآن پاک پڑھا تھا۔" لڑکے نے مزید اعلان

ال، ہاں!" بی بی زینب نے دل ہی دل میں اس خدائی مددگار کی آمد کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نتے ہو؟"

ل!" وہ لڑکا بے اختیار ہنس دیا۔ "آپ کو وہ لڑکا یاد نہیں بی بی زینب جو پہلی مرتبہ اسفند بھائی کے ساتھ آپ

کے گھر گیا تھا۔"

"ارے ہاں۔" بی بی زینب کو یاد آ گیا۔

"میں وہی لڑکا ہوں فراز احمد نام ہے میرا، آج یہاں ایک کام کے سلسلے میں آیا تھا۔ آپ کہیے، کیسے آئیں" اس نے کہا۔

"میں تو اسفند یار سے ملنے آئی تھی یہ پٹھان کہتا ہے کہ وہ ادھر نہیں ہوتا کسی نئی جگہ پر ہوتا ہے۔ اس کا فون نمبر بھی بدل گیا' مجھے بڑا ضروری ملنا تھا اسے۔"

"اسفند بھائی تو کراچی گئے ہوئے ہیں۔" لڑکے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "کیا کام تھا آپ کو؟ بتایئے۔"

"بیٹا! تم مجھے بس اسٹاپ تک پہنچا دو' اسفند واپس آ جائے گا تو اسے بتانا میں نے اس سے ملنا ہے۔" بی بی زینب نے ٹالتے ہوئے کہا۔ "ویسے بات تو جلدی کرنے کی تھی۔"

"میں نمبر ملا دیتا ہوں۔ آپ بات کر لیجئے۔" لڑکے نے انہیں فائبر گلاس کے شیڈ کے نیچے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور جیب سے فون نکال کر نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو اسفند یار!" لڑکے کے تعارف کروا کر فون پکڑانے پر انہوں نے اناڑیوں کی طرح موبائل پکڑے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ "بیٹا، ضروری بات کرنا تھی۔ وہ کا کا مل گیا ہے، اس کا پتہ چل گیا ہے۔ وہ کدھر ہے؟" سے ذراہٹ کر کھڑے فراز کے کان یہ بات سن کر کھڑے ہوئے

"بڑی تسلی کر لی ہے میں نے، یہ وہی کا کا ہے مہدیاد، بس بیٹا! تو فوراً ان میموں کو پکڑ کر بچہ واپس بچہ گھر میں کروا کر سرخرو ہو جا۔" بی بی زینب اپنی رو میں کہے جا رہی تھیں۔

"اے بیٹا! تم سے بات کرنے کا کہہ رہا ہے۔" اپنی بات ختم ہونے پر انہوں نے فون فراز کے حوالے کر۔ ہوئے کہا۔

"فراز! میں فوراً لوٹنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ تم ایسا کرو کہ بی بی زینب کی بات ذرا دھیان سے سن جہاں یہ کہتی ہیں پہنچ جاؤ اور بچے کے بارے میں معلوم کرو۔"

"ٹھیک ہے اسفند بھائی! آپ فکر نہ کریں۔" فراز کے ذہن پر ایک عجیب سی کیفیت سوار ہو گئی۔ "خدایا ایسے ہر اہم کام میں میری شمولیت کیوں ضروری ہو جاتی ہے۔" وہ سوچ رہا تھا۔

......❁......

"لے بھئی مبینہ کلثوم! تیرا پارٹ ون تو ہو گیا مکمل تو ایسے ہی گھبرا رہی تھی۔ میں نے یوں ہی تو تجھے ایم اے کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ اب تو تسلی سے تیاری کر پارٹ ٹو کی۔" ماسٹر جی بڑے آسودہ سے لہجے میں مانو سے مخاطب تھے جو اسی روز اپنے امتحان کا آخری پرچہ دے کر لوٹی تھی۔

"آپ کا بس چلے نا ماسٹر جی، تو اس بستی کے بچے بچے کو انگریزی ادب میں ماسٹرز کروا دیں۔ پتہ ہے آپ کو کتنا مشکل کام ہے یہاں سے پیپر دینے میں امتحان سینٹر بھی تو سیالکوٹ میں بنا تھا ہمارا۔" مانو نے ماسٹر جی کے لیے لیموں کا ردل کر اسے رگڑ کر چمکاتے ہوئے جواب دیا۔

"او بچو جی! یہ ہر ایک کے بس کا کام ہی نہیں ماسٹرز کر لینا اور تو تو ہے ہی بڑی بھاگوں والی، گھر بیٹھے، اس بستی میں بیٹھے بیٹھے پڑھ کر امتحان دے لیا، اب اگر کل کو تو فرض کیا کہ پاس ہو گئی تو بھئی یہ تو بڑے کارنامے والی بات ہے

پر تو تجھے خصوصی میڈل ملنا چاہیے۔" ماسٹر جی ہنستے ہوئے بولے۔

"کیا مطلب ہے فرض کیا کہ پاس ہو گئی تو۔" مانو اپنا کام چھوڑ کر بولی۔

"تو بھئی میں نے کون سی غلط بات کی ہے۔ جس طرح تو نے رڑ کھڑ کر بی اے کیا تھا اس کے پیش نظر میری یہ بات غلط تو نہیں۔ ہم ابھی سے فرض کر لیتے ہیں کہ تو نے پاس ہو جانا ہے۔ جس طرح بی اے کی دفعہ ہر امتحان کے بعد کہتی تھی۔"

"تب بات اور تھی۔" مانو نے بالوں کو آگے کو آئی لٹیں کان کے پیچھے کر کے ڈوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ "اپنے ساتھ کی لڑکیوں کو ایک دفعہ فیل ہو کر دوبارہ امتحان دینے کی کوشش نہ کرتے ہوئے دیکھ کر میرا بھی دل کرتا کہ میں بھی دفع کروں اس بی اے کو، مگر آپ نے ضد کر کے زور زبردستی کر کے ہر دفعہ مجھے امتحان دینے پر مجبور کیا۔ سچ پوچھیں تو مجھے کبھی بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ میں امتحان دوں۔ لیکن پھر جب میں پاس ہو گئی اور میرے اندر یہ احساس جاگا کہ میں بستی کی واحد گریجویٹ لڑکی ہوں تو اپنا آپ بہت خاص سا محسوس ہوا۔ پھر آپ نے ایم اے کا حکم دے دیا۔ سوچا یہ تو بڑا مشکل کام ہے، مگر یقین جانیے کہ آپ کی رہنمائی اور فراز کے بھجوائے نوٹس نے مشکل محسوس ہونے ہی نہیں دی اور جوں جوں میں انگریزی ادب، اس کی تاریخ اور اس پر تحقیق پڑھتی گئی مجھے لگا اور آج میں سوچتی ہوں کہ آپ نے میرے ساتھ کتنی نیکی کی جو میرا دھیان اس طرح موڑ دیا۔" مانو نے سچائی سے کہا تھا۔

"تو اس ساری تفصیل میں ایک بڑی اہم بات چھوڑ رہی ہے۔" ماسٹر جی نے کہا۔ مانو نے چونک کر انہیں دیکھا۔ "ابھی کچھ دن پہلے میں اور فراز جب ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے تو میں نے اسے کاز اینڈ ایفکٹ، ایکشن ری ایکشن کی تھیوری سنائی۔ میں اسے بتا رہا تھا کہ ہر اہم بات کے ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ وسیلے خود بناتا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں، تاریخ میں ہونے والے ہر اہم واقعے، ہر اہم بات کو غور سے پڑھے گی تو تجھے ایک بات ضرور سمجھ آئے گی کہ ہر بات کا، ہر واقعے کا ایک کاز ہوتا ہے وہ واقعہ اس کا ایفکٹ ہوتا ہے، وہ واقعہ کسی عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔ کبھی کبھار حالات، ماحول، مزاج یہ سب مل کر کسی خاص واقعے کو جنم دیتے ہیں اور اس کا کاز یا ایکشن بن جاتے ہیں۔ تیرے ایم اے کے سلسلے کو بھی اگر غور سے دیکھیں تو یہ بھی کسی عمل کا ردعمل نظر آتا ہے کسی کاز کا ایفکٹ تو نے ابھی کہا نا۔ بی اے تو نے بجھے دل کے ساتھ کیا، مرضی کے خلاف، میرے زور دینے پر، چل یہ تو ٹھیک ہوا۔ پر اب ایم اے میں تیرا دل لگ گیا پڑھائی میں وہی انگریزی جو تجھے بی اے میں فیل کرواتی تھی اسی انگریزی میں تیری دلچسپی بڑھی۔ تجھے اس میں مزہ آنے لگا۔ اب ذرا سچے دل سے سوچ اور غور فرما کہ یہ ایفکٹ کس کاز کا نتیجہ ہے یہ ردعمل کس وجہ سے ممکن ہوا؟"

مانو نے دیکھا ماسٹر جی کے چہرے اور آنکھوں میں وہ مخصوص شرارت تھی جو کبھی کبھار ہی نظر آتی تھی۔

"آپ نے جو راستہ دکھایا، آپ نے جو کہا۔" مانو کو فوری طور پر یہ ہی جواب بن پڑا۔

"میں نے تو بچو جی! بی اے کے زمانے میں بھی کہا اور راستہ دکھایا تھا تب کیوں نہ میری وجہ سے تیرا دل لگا۔" وہ عجیب انداز میں بولے اور مانو کے چپ رہنے پر قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔ "یہ کوئی بری بات تو نہیں مبینہ کلثوم! جس کا اعتراف کرنے میں دشواری محسوس ہو۔ فراز احمد کے سامنے خود کو منوانے کی خاطر اگر تجھے شوق پیدا ہوا اور یہ سوچ کہ انگریزی ادب اسے اچھا لگتا ہے۔ اس کے بنائے نوٹس پڑھ کر تجھے اس کو پڑھنے میں مزہ آنے لگا تو یہ بڑی اچھی بات ہو گئی۔ میرا پتر۔ کیسا اچھا کاز ہے وہ، جس کا اتنا اچھا ایفکٹ ہوا۔ تیرے لیے فراز احمد وسیلہ بن گیا۔ آگاہی

اور علم حاصل کرنے کا۔"

"اور اس کے لیے کون وسیلہ بنا؟" مانو نے ماسٹر جی کی بات پر اپنی جھینپ چھپانے کے لیے سوال کیا۔

"اس کے لیے میں، میرے لیے میرا چاچا، میرے چاچے کے لیے سر سید احمد خان، سر سید احمد خان کے لیے انگریز کی غلامی، انگریز کے لیے ہندوستان کی زرخیزی اور خوشحالی اور اور اور بس پیچھے پیچھے چلتی جا تجھے وسیلوں کے سلسلوں کی لمبی کہانی نظر آئے گی۔"

مانو متاثر ہو جانے والے انداز میں ماسٹر جی کے قدموں میں بیٹھی منہ اٹھائے ان کی بات سن رہی تھی۔

"پر بڑے کرموں والے ہوتے ہیں مبینہ کلثوم، وہ لوگ جن کے کسی عمل کا ردعمل اچھا ہوتا ہے۔ جو ردعمل ثمر آور ہوتا ہے دنیا اس کی تعریف کرتی ہے، اسی کی مثال دیتی ہے، سو زندگی میں کوشش کرنا کہ اگر تیرے کسی عمل سے کوئی ردعمل پیدا ہو تو وہ اچھا ہو، ثمر آور ہو، اچھے وسیلوں کے سلسلے بڑھانے کی کہانی بنائے ورنہ کئی کاز بہت برا ایفکٹ بھی دے جاتے ہیں کبھی کبھار۔"

ماسٹر جی اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے۔ مانو کو لگا جیسے انہیں کچھ شدت سے یاد آیا تھا۔

"ماسٹر جی! بستی کمال پور میں آپ کی آمد ایک ایسا عمل تھی جس کے سارے ردعمل بڑے ثمر آور تھے۔ آپ نے وسیلوں کے جو سلسلے بنائے دیکھیے ان کے ثمر کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ نے ہم بستی والوں کو شعور اور آگاہی دی، کیسے جیتے ہیں، کیسے بات کرتے ہیں، کیسے پڑھتے ہیں کیسے آگے بڑھتے ہیں۔ بستی کمال پور نے ابھی تک شاہنواز احمد اور فراز احمد صرف دو بندے قابلِ ذکر پیدا کیے ہیں، مگر بستی کمال پور نے کوئی بندہ آج تک آپ کی مدد کے بعد ایسا پیدا نہیں کیا جس کے بارے میں لوگ برے کلمات کہیں۔ دل نواز سے لے کر چاچے رلیے تک، پا امین سے لے کر میرے بھائی سعید تک، آپا شمیم سے لے کر سعدیہ اور مبینہ کلثوم تک، اب یہ چھوٹے چھوٹے زاہد، شاہد، ثنا اللہ، یہ مومنہ، مومل، زینب۔"

مانو نے ایک طرف چٹائی پر بیٹھ کر پڑھتے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کوئی فرد ایسا نہیں جس کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ وہ کردار کا اچھا آدمی نہیں۔ یہ وسیلہ جو آپ کی شکل میں ہمیں میسر آیا ہے اس کے لیے ہماری آگے آنے والی کئی نسلیں بھی شکر ادا کرتی رہیں تو حق ادا نہ ہوگا میں تو دعا کرتی ہوں کہ ایسے وسیلے ساری بستیوں کو میسر آ جائیں اور ایسے وسیلوں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بھی ہر ایک کو ملے، پھر شاید کبھی کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اس ملک میں انسانوں سے زیادہ آدمی بستے ہیں۔"

"اوئے، یہ تو ہے مبینہ کلثوم!" ماسٹر جی نے بھیگی بھیگی آنکھوں سے عینک کے پیچھے سے جھانکا تو بھی اتنی باتیں کر سکتی ہے، دکھانا۔" پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں زور سے ہنس دیے۔ "کیا اچھا ایفکٹ ہے اس اچھے کاز کا۔ شکر ہے میرے مولا کا اس نے مجھے بڑا درست فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس گدھے سے بھی میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ بات کی تھی اس مرتبہ، پتہ ہے کیا کہا اس نے؟" مانو کے حواس چوکنا ہو گئے اور دل دھک دھک کرنے لگا۔

"کہنے لگا، ماسٹر جی بغیر شعوری کوشش کے یہ ہوا کہ خود بخود اس تعلق نے میرے دل میں گھر کر لیا۔ اس میں آپ کی ذات کے احترام کا ایسا دخل نہیں تھا۔ نمبر ایک تو میں مانو کے شوق اور محبت سے متاثر ہوا۔ نمبر دو اس کے سلیقے اور شعور سے، نمبر تین اس کے کردار سے۔" مانو سانس روکے یہ باتیں سن رہی تھی جو اس کے لیے بہت بڑا انکشاف تھیں۔

کہنے لگا میں نے اس کے بنائے نوٹس پڑھے ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ لڑکی شہر میں جا کر کسی ماڈرن ...لے تو کئی لوگوں کو پیچھے چھوڑ دے گی۔ پھر کہنے لگا کہ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس بستی کی تقریباً تمام ...ماہ لگا ...شا گردرہ چکی ہیں پھر مانو ہی پر آپ کی نظر خاص کیوں ہے؟ اس سوچ نے مجھے اس کی ساری ظاہری ...ے متعارف کروایا۔ اس لیے ابھی کچھ دن پہلے میں نے سوچا کہ مجھے آخر اور چاہیے بھی کیا تھا۔ قدرت ...ریعے میرے لیے بہترین فیصلہ کروا دیا۔" ماسٹر جی نے اپنی بات مکمل کر کے مانو کی طرف دیکھا۔ اس ...تھا اور آنسو تواتر کے ساتھ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

...اس کی توقع اور خواہش سے بہت زیادہ تھا۔ پل بھر میں وہ اپنی ہی نظروں میں معتبر ہو گئی تھی۔ فراز کے ...لیے بڑا اعزاز اس لیے تھے کہ اس نے اس سے زیادہ اور اس سے اونچا کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

...! اس میں رونے والی بات کیا ہے۔" ماسٹر جی اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے بولے۔ "تو جانتی نہیں ...رو کرتی ہے یہ ساری باتیں اور ایک وقت وہ آنے والا ہے کہ فراز احمد تیرے ساتھ پر فخر کرے گا، یہ ...لکھ کر رکھ لے کہیں، میں دستخط کر دوں گا اس پر۔"

...ریں ماسٹر جی!" مانو نے بے اختیار اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ "میں اس قابل نہیں ہوں۔ یہ ...ے فیض کی وجہ سے ہے۔ آپ کے مکتب کا کمال ہے جو میں ان لوگوں کی نظر میں حیثیت پا گئی جو میرے ...ل اور معتبر ہیں۔ آپ کے فیض کا کوئی بدل نہیں اس کا حق کوئی ادا نہیں کر سکتا ماسٹر جی! لوگوں کو تو معلوم ...ری اس چھوٹی سی بستی میں ایک ایسا بابا رہتا ہے جو اللہ کا خاص بندہ ہے اور اس کی خصوصیت ایک ایسا ...نے ہماری بستی کے لیے بڑے سلسلے بنا دیے ہیں، محبت کے، پیار کے، اتحاد کے، سلوک کے، امن اور ...ب ہم کس کس کو بتائیں کہ ہم کتنے قسمت والے ہیں کہ وہ شخص جو ہمارا معلم ہے، استاد ہے، وہ خدا تعالیٰ ...ل ہے ہمارے لیے ہم تو اس کے اس کرم کا قرض بھی ادا نہیں کر سکتے مرتے دم تک۔"

...ب تو بس کر پاگلے!" ماسٹر جی نے حق کو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ "اتنا ہی کرموں والا ہوتا نا ماسٹر ہدایت ...کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ مانو ان کی ادھوری بات کو سمجھ گئی تھی مگر وہ اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ان ...ھ کو بخوبی سمجھتی تھی۔

...ندا! تو میرے ماسٹر جی کے دل کو اس طرف سے بھی سکون دے، چین دے اور ان کے دکھ کو دور کر دے ...دل سے دعا کرتے ہوئے حقہ صاف کیا اور اس پر چلم رکھ دی۔

......۞......

...وا انگریز میمیں ہیں بیٹا، جن کے پاس مہدیار ہے!" بی بی زینب نے فراز کے ساتھ واپس اپنے گھر پہنچ ...بیٹھنے کے بعد بتایا۔ "میرے محلے کا ایک لڑکا نوکر ہو گیا میموں کے پاس۔ وہ بڑے شوق سے مجھے موبیل ...میموں کی تصویریں دکھانے لے آیا۔ اس میں ہی میں نے مہدیار کاکا کی تصویر دیکھ لی۔ پوچھا تو بولا کہ یہ ...مانے دیا ہے پالنے کے لیے۔ یہ کاکا انگریز نہیں دیسی ہے۔ میں نے لڑکے کی ماں کو کہہ دیا کہ بچہ عیشاں ...ور اسے میموں نے اغواء کروایا ہے اپنے بیٹے سے کہہ بچے کو واپس اس کے وارثوں کو دے دے۔ نہیں تو ...تھ خود بھی پکڑا جائے گا۔"

...بی بی زینب! یہ آپ نے کیا کیا۔" فراز نے جھنجلا کر کہا۔ "آپ کو یہ بات اس عورت کو نہیں بتانا چاہیے ...ٹ ہو گئی ہوگی اور اس نے اپنے بیٹے کو نجانے کس طرح یہ بات بتائی ہوگی۔"

''اتنی سیانی نہیں ہے وہ اسے باتیں بنانی نہیں آتیں۔ اس نے ڈر کر ہی سنائی ہوگی۔'' بی بی زینب نے پر اعتماد کے ساتھ کہا۔

''آپ ایسا کریں کہ اس عورت سے پتا مجھے لا دیں، میں خود معلوم کر لوں گا۔'' فراز نے ہاتھ بڑھاتے ہو کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' بی بی زینب کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔ ''لو میں ابھی گئی ابھی آئی۔'' وہ چادر سنبھا ہوئے باہر نکل گئیں۔

''یا خدا! میں کہاں کہاں پھنس جاتا ہوں۔ یکسوئی تو نصیب ہی نہیں ہوتی۔ ہر ایسی بات میں میں انوالو ہو ہوں جس سے میرا دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔'' ان کے جانے کے بعد تنہائی میسر آنے پر فراز نے تھکے ہو انداز میں کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند کر سوچا۔

''وہ بندہ تو بڑا ہی کرموں والا ہوتا ہے فراز احمد! جو کسی کی الجھن، تکلیف اور مصیبت دور کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس کے نصیبوں کے سلسلے کی تو کوئی حد ہی نہیں ہوتی۔'' اسے ماسٹر جی کی بات اچانک یاد آئی۔ ''اور کیا، تمہیں اچھا محسوس نہیں ہوتا کہ ہم کسی کے لیے وسیلہ بنیں۔ کسی کے دل کو سکون پہنچانے کا باعث۔'' اسے ان کی ا اور بات یاد آ گئی۔

''اور میں کتنا ناشکرا ہو رہا ہوں۔'' وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''اسفند بھائی میرے محسن، میرے مربی اور ان ہی کام پڑ جانے پر میں تنگ ہو رہا ہوں۔ اللہ میاں! مجھے معاف کر دیجیے، اس شیطانی وسوسے پر جو ابھی کچھ دیر میرے؟ ذہن میں آیا۔'' اس نے فوراً توبہ کی اور بی بی زینب کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد بی بی زینب کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کا انداز مایوسانہ تھا۔

''کیوں، پتہ نہیں ملا؟'' فراز نے ان کے چہرے پر چھائی مایوسی کو دیکھ کر پوچھا۔

''وہ کہتی ہے کہ اس کے پاس پتہ نہیں ہے جس گھر میں وہ پہلے گئی تھی بشیر سے ملنے وہ میموں نے بدل لیا۔ اب وہ کہیں اور چلی گئی ہیں اور وہاں کا پتہ اس کو معلوم نہیں۔''

''اور ان کا کوئی نام وام؟'' فراز نے دوسرا سوال کیا۔

''نا۔'' بی بی زینب نے سر ہلایا۔ ''وہ کہتی ہے، وہ بھی اسے معلوم نہیں۔ اس کی بیٹی سے صرف یہ پتہ چلا چھوٹی میم تھیٹر کے ڈراموں میں کام کرتی ہے۔ بڑے نام والی ہے، پر نام اسے بھی یاد نہیں تھا کہہ رہی تھی اے کہتے ہیں لوگ!'' بی بی زینب سخت مایوس تھی ان کا بشیر کے گھر جانا بے کار ہی ثابت ہوا تھا۔ مگر فراز کے اردگرد ایک جھماکے کے ساتھ روشنی سی پھیل گئی۔

''دو انگریز میمیں، تھیٹر میں کام، بلبل، ایلس کے پاس ایک چھوٹا بچہ تھا۔ اس نے اسے ایڈاپٹ کر لیا۔ آنٹ سوسن کی سنائی خبر۔ سب اس کے ذہن میں گڈمڈ ہونے لگا۔ ''لیڈی ایلس اینڈ للی ڈی سوزا۔ آر یو دی کلپ (Are you the culprits)'' اس نے دل میں سوال کیا اور بی بی زینب کو خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

......❁......

''اوئے تم نے اچھا نہیں کیا۔ ککودی ڈانسنگ ڈول کے گھر پر حملہ کر کے۔''

''تم ابھی بچے ہو میرے پیو! تم کو کچھ معلوم نہیں ذرا بڑے ہو جاؤ، سب سمجھ میں آ جائے گا۔''

''مگر یار! یہ بچہ تو تم لوگوں نے خود ہی اس کے حوالے کیا تھا، پالنے کے لیے، پھر اس سے واپس کیوں چ

ں لیے کہ وہ اس کی موجودگی کو لوگوں کی نظروں میں آنے سے روکنے میں ناکام ہوگئی تھی۔''

ر بچہ تو آخر بچہ ہوتا ہے، وہ ہنستا بھی ہے، روتا بھی ہے۔ اس بچے کی موجودگی کو وہ کیسے چھپا سکتی تھی؟''

ہیں چھپا سکی نا اسی لیے واپس لے آئے۔''

ر تم لوگوں نے اس کے ساتھ دی ڈانسنگ ڈول کے ساتھ بہت برا سلوک کیا یار! یہ کام اس کے بغیر بھی تو

ں طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ وہ ککو اور اس کی دادی وہ اولڈ مال فرام گرھیشا ہو بچہ ے مسلسل انکار کر رہی تھیں۔ اس پر ہمیں ڈاروں اور چاچڑوں کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ یار! یہ تو بہت ا کہ پاسین بھٹی کے بندوں کو ڈاروں اور چاچڑوں جیسے چڑوں، کی دھمکیاں دی جائیں۔ یوں سمجھ لو کہ ککو ری کے ساتھ ٹٹ فار ٹیٹ ہو گیا۔

بڑی ٹریجڈی ہے یار! اس کا تو کیریر بھی ختم ہو سکتا ہے۔''

ے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ انڈر ورلڈ مافیا کا پٹھو بننے اور پھر اس بنیاد پر کیریر بنانے کے لیے قربانیاں بھی ، وہ پرانا پڑھا ہوا سبق بھول گئی۔ پھر اس کے ساتھ یہ ہی ہونا تھا۔''

چ، ککودی ڈانسنگ ڈول، ایک مختصر کیریر، ایک المناک انجام، ویری سیڈ یار ویری سیڈ۔''

ہا!''

......❁......

کی ابھرتی ہوئی فنکار للی ڈی سوزا عرف ککودی ڈانسنگ ڈول پر قاتلانہ حملہ۔

نے اس روز شام کے اخبار کے فرنٹ پیج کی ایک شہ سرخی پڑھی اور اس کے ہاتھ کپکپا گئے۔ خبر کے ساتھ اور ایلس کی خون میں لت پت تصویریں بھی تھیں دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے اس نے اس خبر کی اشروع کی۔

رکی مایہ ناز ابھرتی ہوئی فنکارہ مس للی ڈی سوزا اور اس کی دادی ایلس ڈی سوزا پر اس کے گھر میں اس لہ کیا گیا جب وہ اپنے فلیٹ پر موجود چند نامور شخصیات کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ مطابق نامعلوم حملہ آوروں اور ککودی ڈانسنگ ڈول کے درمیان کسی معاملہ پر تلخ کلامی ہوئی جس کے اتے مس ککو اور اس کی دادی کو فائرنگ کر کے شدید زخمی کر دیا اور فرار ہو گئے۔ واقعہ کے بعد علاقے میں راس پیدا ہو گیا اور لوگ اپنے گھروں میں پناہ گزین ہو گئے۔ اے پی پی کے نمائندے کے مطابق مس دادی کو فوری طور پر ہسپتال پہنچا دیا گیا، جہاں ان کی حالت خطرے سے باہر بتائی جاتی ہے۔ مس ککو کی الس پیوست ہو جانے کی وجہ سے ڈاکٹروں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کی ٹانگوں کو شدید نقصان پہنچ سکتا مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔''

ا ایلس اینڈ للی ڈی سوزا۔'' فراز مسلسل اخبار میں چھپی ہوئی ان دو تصویروں میں موجود چہروں میں سے کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جن سے وہ مانوس تھا۔ خون میں لت پت یہ چہرے تو اجنبی سے لگ رہے ل اتنی بدل چکی تھیں یا اس حادثے نے ان کی شکلیں بدل کر رکھ دی تھیں۔ وہ دیر تک سوچتا رہا اور للی لا ڈی سوزا سے اپنی پہلی ملاقات سے لے کر اب تک کے واقعات کی فلم کو اپنے ذہن کے پردے پر

چلتا دیکھتا رہا۔ ابھی اس صبح ہی تو اس نے کوشش کر کے للی کی رہائش گاہ کا پتہ معلوم کیا تھا اور وہ مہدیار کے وہاں جا کر خود للی سے بات کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔

"اور وہ بچہ!" اسے اچانک خیال آیا۔ "اور بی بی زینب کا مجلے دار ملازم لڑکا۔ ان کا کیا بنا ہوگا؟" اسے نہیں آ رہا تھا کہ فوری طور پر وہ کیا کرے۔ یہ پولیس کیس تھا اور اس میں کسی قسم کی انولومنٹ کی تک بنتی تھی نہ کرنا وہ افورڈ کرتا تھا۔

"اور لینا!" پھر اسے ایک اور خیال آیا۔ "وہ کہاں ہوگی، اور اسے واقعے کی خبر سن کر اس کے دل پر کیا گزری ہوگی؟" اس کی نظروں کے سامنے وہ سادہ، معصوم اور دکھی سا چہرہ آ گیا۔ اس نے فوراً اپنا موبائل نکال کر ملایا۔

٭٭٭

"او مائی گاڈ! یہ کیسا ہوریبل انسیڈنٹ ہے۔ امار تو مکھ ہی پھر گیا سارا بات سن کر۔" آنٹ سوزن نے ڈینس سے للی اور ایلس والی خبر سن کر جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ کمپاؤنڈ میں یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل

"اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ خود پر کنٹرول کر کے یہ سوچو۔" انکل ڈینس نے اس واقعہ کو نظرانداز کر کہا۔

"او مائی ڈیر فرینڈ ایلس! تمہارا ساتھ کیسا جلم (ظلم) ہو گیا، وہ کون کم بکھتی (کم بختی) مارا تھا جو کھون (خون) میں نہلا کر چلا گیا۔ تمہارا ایسا کون دشمن تھا؟"

سوزن مسلسل واویلے میں مصروف تھی۔

"ٹپیکل ویمن نیچر۔" انکل ڈینس نے سوچا اور اپنی چھڑی کی نوک فرش پر زور سے مار کر ذرا اونچا بولے۔

"سوزن! میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ اب ہم کو کیا کرنا ہے۔ اس پورا کمپاؤنڈ میں ہم سے بڑھ کر ا فرینڈ کوئی دوسرا نہیں تھا اور اب جبکہ کمپاؤنڈ کے ہر گھر سے کوئی نہ کوئی بندہ اس کو پوچھنے کے خاطر جا رہا ہے تو گھر بیٹھے اسے روتے رہیں گے؟ ہماری رسپانسیبلٹی زیادہ ہے۔ جینس کو دیکھنا ہے۔ اس پور گرل لینا کو بیچارا بچی کا حالت خراب ہوگا یہ سب سن کر۔ ہم یوں گھر میں بیٹھے نہیں رہ سکتے تم اٹھو ہمت کرو۔ گھر کو لاک کرو۔ دوست وہ ہوتا ہے جو ایسا مصیبت میں دوست کے کام آئے۔ چلو اٹھو گڈ اولڈ لیڈی!"

٭٭٭

"آج آپ کے اسٹروکس میں وہ جان نہیں سر، جو دو دن پہلے تھی۔" فراز نے شاہنواز احمد کے کپکپاتے ہاتھوں کو دیکھ کر کہا۔ ان کے ہاتھ میں واضح ارتعاش تھا۔

"آج دل میں وہ لگن ہی نہیں میاں! جو دو دن پہلے تھی۔" اس نے محسوس کیا کہ ان کی آواز بھی لڑکھڑا رہی تھی۔ اس نے انہیں غور سے دیکھا، وہ بے تحاشا پیے ہوئے تھے اور یقیناً اپنے حواسوں میں نہیں تھے۔

"آئی ایم سوری سر!" اس نے ان کے سامنے فرش پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم سوری صاحبزادے! آج میں شاید زندہ ہی نہیں ہوں۔" انہوں نے عجیب و غریب بات کی۔

"میں سمجھا نہیں؟" فراز چونکا۔ "آپ...... میرا خیال ہے کہ اٹھیے۔ بیڈروم میں چلیے اور آرام کیجیے، باقی باتیں بعد میں کر لیں گے۔"

"جانے دو میاں!" انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ ان کے ہاتھ میں پکڑے برش نے فراز کی سفید قمیض پر رنگین دھبے ڈال دیے۔ "بعد کب آتا ہے۔ نجانے آتا ہے کہ نہیں۔ کون جانے اس کا بعد کب آنا ہے۔"

"میں آپ کے لیے کافی منگواؤں سر؟" فراز نے ان کے شانے چھوڑتے ہوئے کہا۔

"فراز میاں! یہ بتاؤ کہ کوئی بہت اپنا بہت اچانک نظر آئے اور تم اس سے ملنے کو بے تاب بھی ہو مگر اسے اپنا نہ کہہ سکو، اس لیے کہ تمہارے دل پر کسی بات کا خوف سوار ہو تو تمہیں کیسا لگے گا؟" کچھ دیر بعد انہوں نے سر اٹھا کر پوچھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"خوف سے ذہن کو آزاد کرنے کی کوشش کروں گا سر! اور کیسا لگے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا۔"

"اور اگر وہ بہت اپنا اچانک کہیں معدوم ہوتا نظر آئے اور پھر بھی تم نہ کہہ سکو کہ یہ تو میرا اپنا ہے، اس لیے کہ رسوائی کا خطرہ ہو تو تم کیا کرو گے؟"

"وہی۔" فراز نے ان کی کیفیت کو نہ سمجھتے ہوئے بھی کہا۔ "میں اپنے ذہن کو خوف کے اس حصار سے آزاد کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ کے ساتھ بھی اگر ایسی کوئی صورت حال ہے تو آپ بھی کوشش کیجیے۔"

"سچ...... نا ہیں۔" انہوں نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔ "اب کچھ نہیں رکھا ہے۔ اب کچھ ہو نہیں سکتا مگر ہم وہ نہیں کر سکتے جو ہمارا دل چاہتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کا اصل خول در خول بند رہتا ہے اور نادیدہ ہوتا ہے۔" انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔ "آج کام نہیں ہوگا، آج کام ہو نہیں سکتا۔ تمہارا آنا بے کار رہا۔"

"میں کام کرنے نہیں آیا تھا سر! میں کسی کام سے اس طرف آیا تھا۔ سوچا آپ کو سلام کرتا جاؤں۔ آپ ریسٹ کریں میں چلتا ہوں۔" فراز کو ان کے اس انداز پر وحشت محسوس ہو رہی تھی۔

شاہنواز احمد نے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر اس لڑکے کو اسٹوڈیو سے باہر جاتے دیکھا جو پچھلے کئی دن سے ان کے ساتھ کی اس پینٹنگ پر حسب وعدہ کام کروا رہا تھا اور اس کے ہر ہر آئیڈیا پر ان کا دل جھوم جھوم جاتا تھا۔ انہوں نے ماؤف ہوتے ذہن اور بند ہوتی آنکھوں پر قابو پانا چاہا اور ان کی نظروں کے سامنے اخباروں میں چھپنے والی خبروں اور تھیٹر کی اداکارہ پر ہونے والے حملے کی تفصیل ناچنے لگی۔ پھر ان کی نظر دروازے کے قریب گرے کاغذ پر پڑی جو شاید اس لڑکے کی فائل سے جاتے ہوئے گر گیا تھا جو اس کے پاس تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کے قریب پہنچے اور وہ کاغذ اٹھا لیا۔ ان کے پاس عینک نہیں تھی۔ انہوں نے سر کے اوپر جلتے بلب کی طرف کر کے پڑھنا چاہا۔

بستی کمال پور

از طرف ہدایت اللہ بنام فراز احمد حال مقیم لاہور "بعد سلام کے عرض ہے کہ خیریت موجود ہے۔ تمہاری خیریت مطلوب ہے۔ تمہارے جانے کے بعد سے اب تک تمہارا کوئی خط یا اطلاع، موصول نہیں ہوئی۔ والدہ اس سلسلے میں پریشان تھی۔ سو اس کی کے کہنے پر یہ خط ارسال کر رہا ہوں۔ بھلے تم بہت مصروف اپنے کام میں اپنی خیریت کی اطلاع گاہے بگاہے ضرور بھجوا دیا کرو۔ بستی بھر میں ہر طرح سے خیریت ہے۔ سب کا سلام ہے۔"

والسلام

ہدایت اللہ بستی کمال پور ڈاکخانہ خاص

فراز احمد، وہ لڑکا جو پچھلے ایک عرصے سے ان کے پاس آ رہا تھا اور جس کی گفتگو اور طور طریقوں میں ا مانوس سی جھلک نظر آتی تھی اور جس کی نظر میں معتبر بننے کے لے انہوں نے کیا کیا طغرے اپنی شخصیت پر سجا اور پچھلے کئی دنوں سے تو وہ اسے فن اور اس کی تاریخ پر نجانے کتنے لیکچرز دے چکے تھے اور اپنی زندگی کے کئی درخشندہ ابواب سنا کر انہیں از حد متاثر کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ وہ فراز احمد جس کو انہوں نے کئی بار پوچھ کون تھا اور جس کا جواب اس نے کبھی نہیں دیا تھا، وہ فراز احمد......

انہوں نے سر جھکا کر کاغذ کا وہ پرزہ دیکھا جس پر لکھی تحریر کی لکھائی بے حد مانوس تھی۔ انہوں نے آنکھ کے سوچا۔

وہ جسے متاثر کرنے کے لیے وہ اتنے پاپڑ بیلتے رہے تھے۔ اس کے سامنے تو وہ بری طرح "ظاہر" تھے انہیں شدت سے شرم آنے لگی تھی۔ کاغذ کا وہ ٹکڑا ہاتھ میں پکڑے وہ دو قدم آگے بڑھے اور بری طرح لڑکھ انہیں اپنے سینے میں دل چیر دینے والی درد کی لہر کا احساس ہوا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چکرا کر فرش پر گر چکے کے ارد گرد ان کے رنگ، برش اور کینوس بکھرے ہوئے تھے۔

......۞......

درد اتنا تھا کہ اس رات وحشی نے
ہر رگ جاں سے الجھنا چاہا
ہر بن مو سے ٹپکنا چاہا
میرے ویرانہ تن میں گویا
سارے دکھتے ہوئے ریشوں کی طنابیں کھل کر
سلسلہ وار پتا دینے لگیں
رخصت فاصلہ شوق کی تیاری کا
اور جب یاد کی بجھتی ہوئی شمعوں میں نظر آیا کہیں

وہ اپنے سامنے کی دیوار پر نظریں جمائے دل میں الفاظ اور ان کی ترتیب یاد کرتے ہوئے شاعر کو داد دینے کی ں میں مصروف تھے۔ جب کسی نے آہستگی سے ان کا بازو دبایا۔ انہوں نے دیوار سے نظریں ہٹا کر اپنی مخاطب کو ا۔ جو نرم مسکراہٹ کے ساتھ ان کے بازو میں لگے کینولہ سے ڈرپ کی سوئی نکال رہی تھی اور دھیمی آواز میں کہہ ی۔

"گڈ آفٹر نون سر! اب تو آپ بہت بہتر نظر آ رہے ہیں۔" ان کے کان اس کی آواز سن رہے تھے مگر ان کی ل کے سامنے ترمرے سے ناچنے لگے تھے۔ ان کی پردہ ذہن پر چند تصویریں ابھرنے لگیں۔ بستی کما لپورہ ایک سا گاؤں اور اس کے گرد و نواح کی تصویر۔

دوسری تصویر، بابا ہدایت اللہ اور مائی رقیہ۔

تیسری تصویر، پرانا برگد کا درخت اور اس کے نیچے بیٹھ کر قاعدے پڑھتے اور تختیاں لکھتے بچے۔ چوتھی تصویر س پاس شاہنواز احمد۔ اگلی تصویر باغی شاہنواز احمد۔

اور پھر شاہنواز احمد اور جینس ڈی سوزا۔ اس سے اگلی تصویر شاہنواز احمد اور زرینہ عرف جینا بمعہ ایک چھوٹی بچی ا کی تصویر ٹاپ ماڈل سارہ شاہنواز۔ انہوں نے آنکھیں میچیں۔ سب تصویریں گڈمڈ ہو گئیں۔

"کوئی ہے، کوئی ہے۔" انہوں نے چلانا چاہا۔ "کوئی ہے جو ذرا میری آنکھیں مل دے۔ میرا ویژن خراب ہو گیا ہے۔ مجھے ٹھیک طور پر نظر نہیں آ رہا۔ پلیز، پلیز کوئی آئے۔ میرا ویژن درست کر دو پلیز۔" انہوں نے کہنا چاہا مگر ان کے حلق کے الفاظ برآمد نہ ہو پائے تھے۔ انہوں نے گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر سر مارا۔ ان کے جسم کے کئی حصوں پر ٹیوبز اور سوئیاں لگی تھیں۔ ان کے کمرے میں ہلکی روشنی تھی اور اے سی کی ہلکی سی سرسراتی آواز۔ انہوں نے ایک بار پھر آنکھیں میچ کر بے بسی کے عالم میں دوبارہ کھولیں۔ کلک۔ ان کے دماغ نے سگنل دیا اور ایک چہرہ پردہ ذہن پر ابھرا۔ ایک خوبصورت نوجوان، مسکراتے چہرے کے ساتھ ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دیکھا سر! کیسا پکڑا آپ کو اور آپ کتنے کمزور دل کے نکلے۔ اتنی سی حقیقت کی تاب نہ لا سکے۔" انہیں محسوس ہوا ان کا سانس اکھڑ رہا ہے۔

"کوئی ہے؟" انہوں نے ایک بار پھر پکارا۔ الفاظ اب بھی ان کے حلق سے نکل نہ پا رہے تھے۔ لیکن کوئی آن ڈیوٹی اسٹاف اسی وقت دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا

"اوہ میرے خدا! یہ کیسی ٹریجڈی ہو گئی۔" رباب نے اخبار پڑھتے پڑھتے بے اختیار کہا۔

"بیٹا! کیا ہو گیا؟" ٹوسٹر سے ٹوسٹ نکالتے ہوئے بے بی کے ہاتھ رک گئے۔

"افوہ چچ...... چچ......" رباب ان کے جواب دینے کے بجائے مسلسل افسوس کیے جا رہی تھی۔

"میرا تو دل گھبرا رہا ہے رابی! جلدی بتاؤ، کیا ہو گیا؟" بی بی اپنا کام چھوڑ کر اس کی جانب آئیں۔

"آپ کو نہیں پتا بی بی! جن کے لیے میں افسوس کر رہی ہوں، ان کا آپ کو علم نہیں۔" رباب نے اخبار تہہ کرتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی بیٹا! پتہ تو چلے۔"

"اچھا ہاں۔" پھر جیسے رباب کو کچھ یاد آ گیا۔ "وہ جو ایک روز میری دوست آئی تھی نا یہاں، وہی جو رات ٹھہری بھی تھی۔ یاد ہے آپ کو۔"

"ہاں ہاں، کیوں یاد نہ ہو گی۔ یہاں آتے کتنے لوگ ہیں جو بھول جائیں گے۔" بی بی نے ناک چڑھا کر کہا۔

"وہی دوست جو فرنگوں جیسی لگتی تھی، اس کو کیا ہوا۔"

"اس کو تو کچھ نہیں ہوا۔" رباب نے ایک بار پھر چہرہ افسردہ بنا لیا۔ "اس کے والد کو شدید ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ساتھ میں فالج بھی ہو گیا ہے۔ بڑی کریٹیکل سچویشن میں ہیں۔"

"بڑی کیا ہیں؟" بی بی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"بڑی نازک حالت ہے ان کی، بی بی! دعا کریں۔" رباب نے کلائی پر گھڑی باندھتے ہوئے انہیں سمجھایا۔

"کیوں نہ دعا کروں گی بیٹا! آخر تمہاری دوست کا باپ ہے، دوستوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں۔" بی بی نے واپس پلٹ کر سنکے ہوئے ٹوسٹ اور آملیٹ کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"بی بی! وہ صرف میری دوست کے والد ہی نہیں، بڑا قیمتی اثاثہ ہیں۔ ایک وائٹل برین، بڑے عظیم فنکار ہیں وہ۔ ان کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" رباب نے ٹوسٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! موت زندگی تو سب کے ساتھ ہے۔ کیا عظیم کیا عام لوگ، سب کو ہی اپنے وقت پر جانا ہے۔ عظیم لوگوں کے ساتھ البتہ ایسا ہے کہ ان کی عظمت کی کہانیاں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ وہ بڑا کچھ چھوڑ جاتے ہیں دنیا کے لوگوں کے

…دوسرے کو سنا کر انہیں یاد کرتے رہیں۔"

"…شاندار آدمی ہیں بی بی! یہ جو تصویریں آپ روز دیکھتی ہیں نا اس دیوار پر لگی ہوئی۔ یہ ان ہی کے ہاتھ … ہیں۔ آپ دیکھیں بی بی! کیا فن ہے۔ کیا کمال کا کام ہے؟" رباب نے عقیدت کے ساتھ سامنے لگی … ہوئے کہا۔ "ان کے تو کئی پروجیکٹس سنا ہے کہ ابھی ادھورے پڑے ہیں۔"

"…انسان قیمتی ہوتا ہے بیٹا! کسی نہ کسی رنگ میں وہ اس دنیا کے لوگوں کے لیے کچھ ہی رہا ہوتا ہے۔ پھر اس … تو وہ اپنے کام چھوڑ کر آگے کو چل پڑتا ہے۔ سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاتا ہے۔ اور بنجارہ لاد چلا جاتا ہے۔"

"دعا کریں بی بی! اللہ ان کو صحت اور زندگی عطا فرمائے۔ ابھی ان کو بہت کام ہے، بہت سا عظیم کام۔" … اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا! تم کہاں چلیں۔ چائے تو پی لو۔" بی بی اپنے خیالوں سے چونکیں۔

"رہنے دیں بی بی! دیر ہو رہی ہے۔ آفس میں ہی پی لوں گی۔" رباب نے سرعت سے حجاب پہنتے ہوئے کہا … اٹھا کر جلدی سے باہر نکل گئی۔

"فی امان اللہ بی بی!" وہ دروازے کے باہر سے اس کی آواز آئی۔

"فی امان اللہ!" بی بی زیر لب بولیں اور برتن سمیٹنے لگیں۔ انہیں اس روز کام جلدی نمٹانا تھا۔ فارغ ہو کر رباب … کے والد کے لیے دعائیں اور وظیفے جو شروع کرنا تھے۔

"وہ سور کا بچہ تھا، حرام جادہ، کسی کنزیر کا اولاد۔" ایلس ڈی سوزا اچھی خاصی زخمی حالت میں بھی خود پر حملہ آور … شخص کو کراری قسم کی گالیاں دے رہی تھیں۔

"ایڈرڈ کھوڈیتی ڈارلنگ، امارا پورا باڈی، ذخم ذخم (زخم زخم) اے۔ امارا سر میں اس کا کروچ نے اتنا بڑا گن کا … ڈارلنگ ڈاٹر للی بیچارہ اس کا ٹانگ، رائٹ ہینڈ کی انگلیاں سب اڑ گیا۔ سب ختم، سب خلاص۔" ایلس … آواز میں رونا شروع کر دیا۔

"ریلیکس۔ ایلس! ریلیکس۔" انکل ڈینس نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تم جانو، … (مقدر) میں ایسا ہی لکھا تھا۔ اس وقت صرف اتنا سوچو کہ ان لوگوں کا کیا کرنا ہے۔ جن لوگوں نے یہ سارا … ہے۔"

"وہ سالا، گنڈا (غنڈہ) موافق لوگ اونلی جیوفری کو لے جانے کا واسطہ یہ سارا چکر چلایا۔ ام پولیس کو کلیئر … دیا۔ ام بتایا، وہ جیوفری کو جبر دستی للی کو حوالہ کیا اور واپس اس کو لینے کا واسطہ بھی جبر دستی امارا اپھلیٹ (فلیٹ) … ام تم بتاؤ، اس پولیس نے ابی تک ان کو پکڑا کیوں نائیں۔" ایلس نے بے بسی سے کہا۔

"یہ جیوفری ہے کون ایلس۔" انکل ڈینس نے نرمی سے پوچھا۔

"وہ امارا پورے بی۔" ایلس کی آنکھوں سے آنسو بھل بھل بہنے لگے۔ ان کا چہرہ بھیگ گیا۔ "سو بن! تم کو وہ … گا جو تم نے اس بار دیکھا تھا۔ امارا گھر جب تم لینا کا ساتھ آیا تھا، وہ پور بچہ کڈنیپ کر کے للی کو گن پوائنٹ … وہ فراڈیا یونی والا۔ بولا لک للی! اگر تم اس ورلڈ آف پرفارمنگ آرٹ میں سروائیو کرنا مانگتا تو بچہ اپنا کسٹڈی … ورنہ ام تم کو ایک دم سے ورلڈ سے آؤٹ کر دیں گا۔"

"امارا للی کا ٹانگ کٹ گیا ڈیتی! اب وہ تھیٹر، اسٹیج پر تتلی کا موافق کیسا موو کریں گا۔ اب وہ اپنا ڈائیلاگ کس کا

سامنا بولیں گا، تم کیا جانو ڈینی! کیسا کیسا پرفارمنس دیا امارا ٹیلنٹڈ بچہ نے۔ سارا لوگ تھیٹر دیکھنا والا ایکدم (دیوانہ) تھا۔ سب چوپٹ ہوگیا۔ ڈینی امارا بچہ کا فیوچر خلاص ہوگیا۔"

ایلس نے باآواز بلند رونا شروع کردیا۔ انکل ڈینس اور آنتی سوسن نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

ایلس اور للی کی حالت عبرت ناک تھی۔ للی کی ایک ٹانگ اور دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں ضائع ہوچکی تھیں۔ اس کے چہرے پر بھی زخموں کے نشان تھے اور وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ذہنی مریضوں کی طرح آنکھیں پھاڑ کر سب کو دیکھتی تھی۔ اس نے کسی کی کسی بھی بات، کسی بھی سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے حواس گم ہوگئے تھے اور پولیس نے اب تک اس کے ساتھ ظلم کرنے والے کسی شخص کو نہیں پکڑا تھا۔ ایلس نے اپنے بیان میں ان لوگوں کے نام صاف صاف بتائے تھے مگر موقع پر موجود تین اور لوگوں حملہ آوروں کے متعلق کوئی واضح بات نہیں کی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ انہیں نہیں پہچانتے تھے۔ ان دونوں خواتین کو کسی بھی قسم کی امداد نہیں دی گئی تھی، نہ ہی ان کی کہیں شنوائی ہورہی تھی۔ ایلس بار بار للی کے پیسوں اور بینک اکاؤنٹ کا ذکر کرتی تھیں، جن کا اس کے فلیٹ میں کہیں نام ونشان نہیں ملا تھا۔ کمپاؤنڈ کے لوگوں اور چرچ کی طرف سے عطیہ کی جانے والی رقم سے ان دونوں کا علاج معالجہ جاری تھا۔ ان دونوں کے پاس انکل ڈینی اور آنٹی سوسن موجود رہتے تھے۔ جینس اسی شہر کے ایک دوسرے اسپتال میں زیرِ تربیت تھی اور لینا ڈی سوزا ڈیوٹی پر تھی۔ لہٰذا وہ اس موقع پر ان کے پاس پہنچ نہیں پائی تھی۔

……✡……

"مجھ میں شاید کوئی خاص کمی یا خرابی نہیں ہے لیکن وہ جسے تمہاری زندگی میں سینٹرل پوزیشن حاصل ہونی چاہیے، وہ کوئی اور ہے۔ اس کا نام سارہ شاہنواز ہے اور اس سے زیادہ تمہاری زندگی کی ساتھی بننے کی مستحق دوسری لڑکی نہیں۔"

اسفند کو رباب کی کہی یہ بات اپنی انتہائی مصروف روٹین میں فرصت کے چند لمحات ملنے پر روزانہ یاد آتی تھی۔ اس نے رباب سے اس بات کی وجہ نہیں پوچھی تھی اور ایسا یقیناً اس نے دانستہ نہیں کیا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ اتنی بڑی بات رباب بلاوجہ نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں در آنے والے نئے مسائل میں الجھ کر سارہ شاہنواز اور اس کے والے قصے کو تقریباً فراموش کرچکا تھا۔ صرف اس روز اسے یہ قصہ یاد آیا تھا جب بی بی زینب نے اسے فراز کے موبائل سے فون کیا تھا۔ اس نے اس بات کا پتہ لگانے کی ذمہ داری فراز کو سونپ دی تھی اور اب کئی دن سے فراز سے ابھی اس کی ملاقات نہیں ہوسکی تھی۔

فراز نے اس کی ہدایت کے مطابق شاپنگ مال میں "فراز" کے نام سے جیولری شاپ کا افتتاح امین گل سے کروایا تھا اور اب وہ اس سلسلے کو چلانے میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ وہ اپنے سی ایس ایس ایگزام کی تیاری بھی کررہا تھا۔ زندگی کی مصروفیت کے عفریت نے ان سب کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔

"اس سے پہلے بھی تو مصروفیت رہتی تھی مگر زندگی پر اتنی بوجھل اور تھکا دینے والی کیفیت طاری نہیں تھی۔" اس روز اس نے کام کرتے کرتے اپنے سامنے رکھی فائلیں بند کرکے اپنی کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندتے ہوئے سوچا۔

"ڈیڈی! آپ نے مجھے چیلنج کرکے ایک اچھے خاصے سرکل کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ وہ سب لوگ جو اس سے ملتے تھے، اپنے اپنے کام میں مصروف تھے اور کسی نہ کسی طور لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے تھے۔ آپ نے ان سب کے

درہم برہم کرکے رکھ دیا۔" اس نے اپنے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے سوچا۔ "لیکن خیر۔"

…یدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

…قسمت میں یونہی لکھا تھا تو یونہی سہی۔ کیا خبر اسی طرح قدرت کچھ اور انتظام کروانا چاہتی ہو۔"

…دیکھے پر صابر و شاکر رہنے کا عادی ہورہا تھا۔ اس پر انکشاف ہورہا تھا کہ واقعات کا تسلسل حالات کو منت…لے جانے کا باعث بنتا ہے اور انسان اگر غور کرے تو اسے یہ نظام کائنات گورکھ دھندا لگنے کے بجائے …نے لگتا ہے۔

…ادھر اُدھر کی باتیں سوچتے سوچتے اسے اچانک رباب سے بات کرنے کا خیال آگیا۔ اس نے رباب کا …ری طرف وہی خوشگوار احساس عطا کرنے والی آواز تھی۔

…بخیر مسٹر بی (bee)!" وہ کہہ رہی تھی۔

…نے میرا یہ نام کب سے رکھا۔" اسفند نے اپنے تنے ہوئے اعصاب کو پرسکون ہوتے محسوس کیا۔

…ب سے تم اتنے مصروف ہوئے کہ دوستوں کے حال احوال کی خبر لینا تم نے چھوڑ دی ہے۔" وہ خوش دلی …ی۔

…ھا یہ بتاؤ کہ کیسی ہو؟" اسفند نے مسکرا کر پوچھا۔

…ں۔" رباب نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔ "کچھ خاص ٹھیک نہیں ہوں۔ میرا دل بہت اداس اور پریشان …رتو ہے۔"

…یں میری بات مضحکہ خیز بلکہ شاید بری لگے گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہنواز احمد کی بیماری کی خبر نے مجھے …اور دل گرفتہ کررکھا ہے۔"

…یں کیا ہوا؟" اسفند نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

…ٹ اٹیک اور فالج۔ اس جدید دور کی مشہور عالم بیماریاں، بے چارے شاہنواز احمد صاحب کی زندگی کا …ہ سے بس یونہی چل رہا تھا۔ میرا اشارہ ان کی بیٹی سارہ کے رویے کی طرف ہے۔ اس نے کافی دن …سے بالکل قطع تعلق کررکھا ہے۔ یقیناً اس صورت حال نے شاہنواز احمد کے دل و دماغ پر بری طرح اثر …

…کے دل و دماغ پر اثر انداز ہونے کے لیے صرف یہ ہی بات کافی نہیں تھی، ان کے اور بھی بہت سے …ایسے ہی الجھے ہوئے ہیں۔ ان کے کئی مسائل سے فراز بھی واقف ہے، وہ اکثر ان کے پاس جاتا رہتا …نے کہا۔

…از کون؟"

…ور جیولری ڈیزائنر "فاراز" تم نے اس کے بارے میں نہیں سنا۔"

…ں۔" رباب نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے جیولری میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

"فاراز" پر ایک دفعہ ضرور جانا۔ تمہیں خودبخود جیولری سے دلچسپی ہوجائے گی۔ بڑی کریٹیوٹی ہے اس کے …

…لری کی وجہ سے تو شاید نہیں، البتہ شاہنواز صاحب کے پاس آنے جانے کی خبر سن کر میں فراز سے ضرور

ملنا چاہوں گی۔"

"تم اس سے ضرور ملنا، تمہیں اور بھی بہت کچھ ملے گا اس کے یہاں۔"

"مثلاً......؟"

"مثلاً تو تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا اس سے مل کر۔"

"میں آج ہی جاتی ہوں "فاراز" پر۔" رباب نے کہا۔ "یہ بتاؤ تمہارے کام کا کیا حال ہے۔"

"کام ٹھیک جا رہا ہے، تم دعا کرو۔ ویسے میں نے ماسٹر جی سے بھی درخواست کی تھی دعا کے لیے۔ نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔

"ماسٹر جی!" رباب چونکی۔ "ہیڈ ماسٹر جی یا ٹیلر ماسٹر جی۔"

"ماسٹر جی صرف ماسٹر جی ہیں۔ نام ان کا ہدایت اللہ ہے اور وہ خلق خدا کو ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں

"کمال ہے بھئی۔" رباب نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ "تمہاری تو بڑی واقفیتیں ہیں۔ لگتا ہے تم احباب خاصا وسیع ہے۔"

"میرا حلقہ احباب تو خاصا محدود ہے، البتہ ماسٹر جی کا حلقہ ارادت خاصا وسیع ہے۔ کبھی وقت ملا تو سے ملواؤں گا۔ وہ بیک وقت بہت سے شعبوں کو کور کرتے ہیں۔ معلم بھی ہیں، دانشور بھی، مفکر بھی اور درو جب ہی تو ہم انہیں ماسٹر جی مانتے ہیں۔

"یہ تو بڑی دلچسپ بات بتائی۔" رباب نے دلچسپی سے کہا۔

"چلو پھر پروگرام بناتے ہیں تمہیں ماسٹر جی سے ملوانے کا۔" اسفند نے کہا۔ "تم نے صدیقی صا میری فائل کے بارے میں بات کرلی یا نہیں۔ انہوں نے ابھی تک واپس نہیں بھجوائی۔"

"میں نے بات کرلی ہے اور تمہاری فائل بھی واپس آ گئی ہے۔ تمہارے کیس کے سلسلے میں بس فائ باقی رہ گیا ہے۔"

"تھینک یو۔ گریٹ یو آر۔" اسفند نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"چلو کسی بہانے تمہارے لہجے کی تھکن تو دور ہوئی۔ ویسے تم بہت مستقل مزاجی دکھا رہے ہو اس چیلنج میں۔"

"تم دعا کرتی رہنا، خدا مزید بہتر کرے گا۔ اب میں اللہ حافظ کہوں گا کیونکہ مجھے ابھی لنچ بھی کر اسفند نے آخری بات کی۔ "ہاں تم "فاراز" کا چکر ضرور لگا لینا۔

......✡......

"لینا از وری لکی۔ مجھے یہ شروع سے علم تھا فراز!" للی ڈی سوا اس خیراتی ہسپتال کے بیڈ نمبر پانچ عیادت کو آئے فراز سے مخاطب تھی۔ حادثے والے دن کے بعد اس روز پہلی مرتبہ بولی تھی۔

"مجھے اس کے لکی ہونے پر چڑ تھی، اسی لیے میں اپنے خیال میں کوئی ایسا کارنامہ کرنے چلی تھی میری شخصیت لینا کی شخصیت کو ڈومینیٹ کر جائے۔ ہونہہ!" پھر وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرائی۔ "مگر لینا ہر معا ہر بات میں، میں اس کا اعتراف کرتی ہوں۔"

"للی! وہ کون لوگ تھے؟ جنہوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا۔" فراز نے اس شکست حال ہاری کو افسوس سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ ایسے ہیں جن کے اصل چہرے صرف ہم جیسے لوگ ہی پہچانتے ہیں۔ ان کا اصل صرف ہمیں ہی م ہے۔ باہر کی دنیا کے لوگ، بلکہ باہر کی دنیا میں اگر ہم بھی انہیں دیکھیں تو پہچان نہ پائیں۔ ان کے پردے اوپر لکتا ہے۔" للی نے تلخی سے کہا۔

"للی! دیکھو، اگر تم مجھے ان کے متعلق صحیح انفارمیشن دے دو تو ممکن ہے کہ ہم انہیں پکڑ لیں۔ انہوں نے ے ساتھ یہ سب کیوں کیا۔" فراز نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

"انہیں کوئی پکڑ نہیں سکتا فراز! وہ انڈر ورلڈ مافیا کے سرغنہ ہیں۔ جاننے والے جانتے بھی ہیں مگر معاشرے ن کی پوزیشن اتنی مضبوط ہے کہ انہیں کوئی پکڑ نہیں سکتا۔"

"دیکھو تم بتاؤ تو شاید کچھ ہو جائے۔"

"کچھ نہیں ہوگا الٹا وہ میری دوسری ٹانگ بھی بے کار کر جائیں گے۔ اگلی بار گولیاں میرے سینے میں اتریں " للی نے مایوسی سے کہا۔

"تم موت سے ڈرتی ہو؟" فراز نے اسے جذباتی کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں، میں موت سے ڈرتی ہوں۔" للی نے صاف اعتراف کیا۔ "میرے اعمال اتنے بوجھل اور گندے ہیں مجھے موت سے ڈر لگنا بھی چاہیے۔"

"تم نے اپنے اعمال کا کفارہ بھی تو ادا کیا ہے اپنے جسم کے چند اعضاء گنوا کر۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا فراز! اعمال کا بوجھ میرے ساتھ ساری عمر رہے گا۔ میں اتنی بدقسمت ہوں کہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے باپ کی شکل نہیں دیکھی یا یوں کہو کہ میرے باپ نے میری شکل دیکھنا نہیں کیا۔ میری ماں ساری عمر دکھی انسانیت کی خدمت کرتی رہی اور اس خدمت کے پیچھے اس نے مجھے اش کیے رکھا۔ میری گرینی ہمیشہ مجھے اعلیٰ حسب نسب کے جھوٹے قصے سنا کر بور کرتی رہی۔ میں شہر کے اس ے میں پلی بڑھی جہاں کے بچے ابھی بھی ہمیں دیکھ کر ہمیں گڑھی شاہو کی کرنٹیاں کہہ کر تالیاں بجاتے ہیں۔ ام عمر مس ڈائریکلڈ رہی۔ گرینی نے مجھے لاڈرز کے قصے سنائے اور فاحشاؤں والے آداب۔ میں دونوں بیک ؤنڈ کے درمیان دب گئی اور جب میں نے دیکھا کہ لاڈرز والے بیک گراؤنڈ کو معاشرہ مانتا نہیں تو پھر جسے ر ہ مانتا ہے اور جس کی وجہ سے لڑکیوں پر روپے اور جواہرات کی بارش برسنے لگتی ہے، میں نے وہ راستہ اپنا لیا۔ نے وہ سارے گر سیکھ لیے جو اس دیوار کے پیچھے کی دنیا میں پسندیدہ ترین کہلاتے ہیں۔ تھیٹر کی دنیا میں چھوٹے رول کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں تو وہ رول جو ملتے رہے ان کے لیے میں نے کیا کیا نہ کیا ہوگا، یہ تم سمجھ ہو۔ مجھے پیسہ ملنے لگا، میری ہوس بڑھنے لگی جن لوگوں کی سرپرستی میں آنے سے سمجھ دار لوگ گھبراتے ہیں، میں ان کی سرپرستی میں چلی گئی کیونکہ مجھے پیسے سے پیار ہو گیا تھا۔ میں نے بے تحاشا کمایا اور بے تحاشا اڑایا۔ ے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جسے ان لوگوں نے عریاں نہ کیا ہو۔ میں عریاں ہوتی رہی اور پیسہ میری جھولی میں گرتا جب میں اچھی طرح ان کے قابو میں آ گئی تو انہوں نے مجھ سے دوسرا دھندا شروع کرا دیا۔ اس میں کمیشن ملتا مگر میرے لیے یہ بڑی بات نہیں رہی تھی پھر انہوں نے اس بچے کو اغوا کر کے میرے پاس بھیج دیا۔ سارا فساد اسی کا ہوا۔"

فراز دھیان سے اس کی بات سن رہا تھا اور اب للی اس نقطے پر آ گئی تھی جس میں اسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی۔

"میں وہ بچہ رکھنے کو تیار نہ تھی مگر گرینی! ان لوگوں کی دھمکیوں سے ڈر گئی اور اس نے وہ بچہ میرے پاس رکھو

الیا۔ شاید اس بچے کے لواحقین کو اس کی سن گن ہوگئی، وہ لوگ بچہ واپس لینے آ گئے۔ میں نے انکار کر دیا۔ میں ان لوگوں سے اچھی طرح واقف تھی۔ زندگی میں پہلی بار میرے دل میں کسی کے لیے ہمدردی کا احساس جاگا تھا۔ وہ اس بچے کو نجانے کہاں کہاں خوار کریں گے، یہ میں جانتی تھی۔ میں نے اپنے ایک مہربان ایس ایچ او چانڈ کو فون کیا۔ اس نے فوری طور پر پہنچنے کو کہا مگر وہ نہیں آیا۔ میں نے انڈر ورلڈ کے دوسرے گروپ کے ایک پٹھے ڈار کو فون کیا۔ میں اس بچے کی خاطر اپنا کیمپ بدلنے کو بھی تیار تھی مگر ان کی طرف سے بھی کوئی مدد نہیں آئی۔ میں نے انہیں چاپڑ اور ڈار کا نام لے کر ڈراتی رہی۔ میں نے انہیں باور کرانے کی کوشش کی کہ بچہ چھیننے کی شکل میں انہیں ان دونوں سے پنگا لینا پڑے گا مگر وہ شاید وہ جانتے تھے کہ یہ خالی دھمکیاں ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہیں، اس کش مکش میں ہار گئی اور بچہ انہیں دینا چاہا مگر گرینی نے واویلا مچا دیا۔ وہ ان میں سے ایک سے گتھم گتھا ہو گئیں اور یہیں ساری گڑبڑ ہوئی۔ گولی چلانا، قتل کرنا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔ سو انہوں نے چلائیں اور بے دریغ چلائیں۔"

"اور وہ بچہ۔" فراز نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ بچہ لے گئے اسی کو تو لینے آئے تھے۔"

"وہ مسلح تھے۔ تم لوگوں پر گولیاں برسائے بغیر بھی اپنا کام کر سکتے تھے۔"

"ایسا انہوں نے دانستہ کیا۔ وہ مجھے میری سرکشی کی سزا دینا چاہتے تھے۔ میرا کیریر ختم کرنے کے لیے انہوں نے ایسا کیا۔ دوسرا وہ میری شکل میں اس دنیا کے دوسرے لوگوں کو پیغام دینا چاہتے تھے کہ ذرا سی سرکشی پر وہ کسی کو بھی عبرت کا نشان بنا سکتے ہیں۔ ایسا انہوں نے پہلی بار تو نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ میرے جیسی کئی لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کر چکے تھے۔"

"تم ان کا نام بتا سکتی ہو۔ دیکھو اس بچے کی خاطر تمہیں ایسا کرنا چاہیے۔" فراز نے ایک کوشش اور کی۔

"تمہاری گرینی نے جو کچھ پولیس کو بتایا، اس پر کوئی خاص ردعمل نہیں ہوا، میں مانتا ہوں لیکن ہم کسی اور طرح بھی تو کوشش کر سکتے ہیں۔"

"تم جس طرح کی کوشش بھی کرو گے، ناکام رہے گی۔ ان لوگوں کو تو پاکستان، انڈیا کی گورنمنٹس نہیں پکڑ سکیں، ہم عام لوگ کیا پکڑیں گے۔"

"تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ وہ کون ہیں۔ میں تمہارا نام نہیں آنے دوں گا۔ اپنے طور پر پتہ چلانے کی کوشش کروں گا اور اگر کچھ نہ بھی کر سکا تو چلو میری معلومات میں اضافہ ہو جائے گا انڈر ورلڈ مافیا میں کون کون لوگ شامل ہیں۔"

"فراز! تم اتنے سویٹ، اتنے اچھے لڑکے ہو، میں تمہیں کسی مصیبت میں نہیں پھنسنے دوں گی بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ تمہیں میری خیریت بھی پوچھنے نہیں آنا چاہیے۔ تمہارا امیج لوگوں کی نظروں میں خراب ہوگا۔"

للی کے کہنے پر فراز نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ لڑکی سراسر بدل چکی تھی، اس سیماب صفت، خودسر اور بدلحاظ لڑکی نے زندگی کی حقیقتوں کو سمجھا بھی تو اس وقت جب وہ سب کچھ گنوا چکی تھی۔

"فور مائی سک للی پلیز۔" فراز نے اب کے منت کی۔ للی نے کچھ دیر اس کو غور سے دیکھا، وہ کچھ سوچ رہی تھی مگر یقیناً وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں للی! کہ تمہارا نام اس سلسلے میں نہیں آئے گا۔ شاید تم نہیں جانتیں کہ وہ بچہ کس کا ہے۔ اگر تم کو پتہ چل جائے تو شاید تم کبھی بھی اس تذبذب میں نہ پڑو۔" فراز نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ للی اس

رہا ہو گی تھی۔

ہم گر وہ بچہ بہت قیمتی ہے اور تم اس کے متعلق کچھ جانتے ہو تو سمجھ لو کہ وہ لوگ اس کے ذریعے اس کے لواحقین سے زیادہ بلیک میل کریں گے۔" اس نے کہا۔

"فرض کرو للی! وہ بچہ تمہارا کوئی قریبی عزیز ہوتا تو کیا تم اس کے لیے کچھ نہ کرتیں۔" فراز نے لفظ تمہارا پر زور دے کہا۔

"مجھے ذرا ادھر ہسپتال سے نکل لینے دو فراز! میں ان (ایک تگڑی گالی) کو خود ہی سمجھ لوں گی۔ میرا اپنا اُدھار ان پر بنتا ہے۔ سو تو ہے میں بچے والی کھٹک بھی نکال لوں گی لیکن تمہیں میں اس رپھڑ میں نہیں پڑنے دوں گی۔ دو نمبر لوگوں کو ہی کرنے چاہئیں۔ تمہارے جیسے صاف ستھرے بندے کا اس کام سے کوئی واسطہ بھی نہیں ہے۔"

فراز نے للی کے لہجے میں خلوص اور اپنائیت محسوس کی۔ تھیٹر کی دنیا میں اتنا عرصہ گزارنے کے بعد گو اس کی معصومیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ چہرہ ایک گھاگ اور شاطر لڑکی کا چہرہ نظر آتا تھا۔ مگر اس حادثے نے اس کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس کے مسلسل انکار پر فراز نے مزید اصرار نہیں کیا۔ وہ اس سلسلے میں ایلس سے معلومات کرنے کا سوچنے لگا تھا۔

"اچھا للی! اللہ تمہاری حفاظت کرے۔ میں اب چلتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گی۔" گہرا سانس لے کر اٹھتے ہوئے رسمی سے الفاظ کہے۔ للی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"فراز! لینا کدھر ہے، وہ کیوں نہیں آئی ادھر، مجھے دیکھنے کے لیے نہ سہی گرینی کو دیکھنے تو آتی۔"

"لینا کا موبائل نمبر رسپانڈ نہیں کر رہا، یا تو اس نے نمبر بدل لیا ہے یا فون ہی بند کر دیا ہے۔ منی باجی نے مجھے بتایا وہ ان سے بھی کافی عرصے سے نہیں ملی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس کی کوچ سروس والے آفس سے اس کا پتہ کروں بس فرصت نہیں ملتی، روزانہ بہت سے کام رہ جاتے ہیں۔" فراز نے بتایا۔

"تم دونوں بہت اچھے دوست ہو نا فراز۔" للی نے یونہی اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے کہا۔ فراز نے دیکھا، اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

"ہوں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"اور شاید تم اس سے شادی بھی کر لو۔" للی نے کہا۔ "لینا از لکی، وہ تم سے شادی بنا لے گی، گھر بنا لے گی، بچے پالے گی۔" وہ اپنی دھن میں حسرت زدہ لہجے میں کہے جا رہی تھی۔

"ایسا نہیں ہوتا للی!" فراز نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ لینا ایک اچھی لڑکی ہے اور دوست بھی ہے۔ لیکن ضروری تو نہیں کہ مخلص دوست ایک دوسرے سے شادی بھی کر لیں۔ میں اس کی خوبیوں کا معترف ہوں اور اس کے حق میں بہتری کی دعا مانگتا ہوں۔ وہ اتنی خوش قسمت ہے کہ اس سے ملنے والا ہر شخص اس کے لیے بہتر دعا مانگتا ہے۔ خدا اس کے لیے اچھے راستے نکالے گا۔"

"اوہ میں غلط سمجھی۔" للی نے ڈھیلے پڑتے ہوئے کہا۔ "لینا لکی ہے اور للی بے حد ان لکی۔ وہ راستہ پائے گی اور منزل بھی۔ للی نے نہ راستہ پایا نہ منزل پائے گی۔ للی بھٹکتی رہی، اس کے لیے ہر راستہ ڈیڈ اینڈ ثابت ہوا۔ ہر گلی بند ملی۔ لینا کے لیے سب لوگ دعا کرتے تھے۔ للی کے لیے دعا کرنے والا کوئی بھی نہیں۔ للی بہت خراب ہے۔ شی از لنگڑی، لولی، گنجی، گڑھی شاہو کی کرنٹی۔" للی پر عجیب سا دورہ پڑ گیا تھا اور وہ چلا رہی تھی۔

”کیا تماشا بنا رہی ہو۔“ ایک کرخت صورت والی نرس ادھر کو آئی۔ ”بکواس بند کرواپنی۔ یہ کوئی نہیں جہاں ڈائیلاگز بولے جائیں۔ یہاں مریض پڑے ہیں، یہاں سے وہاں تک تم سب کو تنگ کر رہی ختم کرو، ورنہ یہاں سے نکال باہر کی جاؤ گی۔“ وہ غراتے ہوئے بولی۔ للی نے ایک دم چیخنا بند کر دیا۔

”پرسکون ہو جاؤ للی! تمہیں سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔ تم ان سب باتوں کو سوچنا چھوڑ دو۔ مڑا اور تیز قدموں سے چلتا اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے دل و دماغ پر اس لڑکی کے اتنے الم نا بہت اثر تھا۔

”ام کلیئرورڈز میں بتایا ان پولیس والا کو۔ ان لوگ کا ساڑا شکل صوڑت، پرٹم دیکھا ینگ مین اتنا ڈنگ میں سے ایک بی پکڑا نائیں گیا۔“ دوسری طرف ایلس اپنے انداز میں چیخ رہی تھیں۔

”لیڈی ایلس! آپ کو ان میں سے کسی کا نام پتہ معلوم ہے تو......“ فراز اپنی سی کوشش کر کے تھک تقریباً آدھے گھنٹے سے ایلس کا واویلا سن رہا تھا۔ مگر اسے کسی بھی بات کا کوئی سرا نہیں ملا تھا۔

”ام اس کا نام وام نائیں جانتا مگر اس کا شکل اچھی طرح دیکھا۔ وہ لمبے بال والا پونی بناتا اے۔ کان میں ایررنگ بی اے۔ وہی ان کا ان سے حرام جادہ کا گاڈ فادر اے۔“

”لمبے بال، ایررنگ......“ فراز نے سوچا۔ یہ کوئی ایسی نشانی نہیں تھی۔ جس سے کوئی پہچانا جاتا۔ و مایوس سا اس اسپتال سے باہر نکل آیا۔ اس نے اسے انتہائی مصروف شیڈول سے وہ دن ان مریضوں کے تھا جو اس کے بہت قریب رہے تھے۔ اس خیراتی ہسپتال سے نکل کر اس کا رخ شہر کے مہنگے ترین ہسپتال کی جہاں ایک ایسا شخص زیرِ علاج تھا جو اسے اپنے دل سے قریب محسوس ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کے دل میں اس بہت سے شکوے بھی تھے۔

”بولتا کیوں نہیں بشیریا! کیا ہوا تھا۔ تیری میموں کے ساتھ۔“ بی بی زینب اپنے سامنے بیٹھے بشیر کو ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ جو پھٹی پھٹی خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور ”وہ تو جی مر گئیں۔“ بمشکل اس کے منہ سے الفاظ نکلے۔

”ہا ہائے۔“ بشیر کی ماں کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”کیسے مر گئیں۔“

”چار بندے آئے تھے بندوق لے کر پستول لے کر کلاشنکوف تھی۔ پتہ نہیں کیا تھا، ساری گو دیں۔ انہوں نے فائر کر کر کے بڑی میم صاب بھی خون وخون ہو گئی چھوٹی بی بی جو پہلے بندے آئے تھے گئے۔“

”وہ کیسے بچ گیا؟“ بی بی زینب نے لرز کر پوچھا۔

”میں پچھلے پائپ سے نیچے اتر گیا اور میں نے دوڑ لگا دی۔ میں چاچے خان کے پاس جا کر چھ پٹرول پمپ والے کمرے میں۔“

”پھر۔“

”پھر میں اتنے دن ادھر ادھر ہی چھپتا رہا ہوں۔ آج آیا ہوں، میم صاب ضرور مر گئی ہوں گی، خون ہو گیا تھا۔“

”وہ بچہ بھی مر گیا کیا؟“ بی بی زینب کو بچہ یاد آ گیا۔

”نہیں، وہ نہیں مرا۔“

بی بی زینب کی جان میں جان آئی۔

”اسے وہ اٹھا کر لے گئے، وہ ہی تو بچے کو لائے تھے۔ جی، واپس لینے آئے تھے۔ میم صاب نے کہا۔ بچہ بنا، جاؤ بھاگ جاؤ۔ کہنے لگے۔ تو نے بچہ سنبھالا نہیں، اس کی سن گن مل گئی ہے لوگوں کو۔ بڑی میم صاب نے چھین لیا اور انہیں ہاتھوں سے مارا۔ بس اس کے ساتھ ہی فیرنگ (فائرنگ) شروع ہو گئی۔“ بشیر بتا رہا تھا لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے فلم چل رہی ہوں۔

”میں اس سوہنے رب کے صدقے جاؤں جس نے میرے بشیر کو بچا لیا، اسے کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی۔“ ماں نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”اماں! میم صاب بہت اچھی تھیں۔ مجھے اپنے بیٹے کی طرح پیار کرتی تھیں۔ اماں! اب میم صاب کہاں ملیں بشیر سسکنے لگا۔

”لوگوں کی نظر لگ گئی، لوگ بڑا شور کر رہے تھے۔ بشیر کہاں نوکر لگ گیا۔ بشیر کی مالک خطرناک ہیں۔ بس کچھ نہ کچھ ہونا ہی تھا نا۔“ بشیر کی ماں نے بی بی زینب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بشیر! وہ کون لوگ تھے؟ وہ کاکے کو کدھر لے گئے۔“ بی بی زینب کو اس قصے کے کسی اور حصے میں دلچسپی نہیں

”خصمانوں کھائے جی کاکا۔ سارا فساد ہی اس کاکے کا تھا۔ نہیں تو میمیں بے چاریاں تو بڑے آرام و سکون کی گزار رہی تھیں۔

”میموں کو کس نے مت دی تھی کہ جو بچہ اغوا ہوا ہو، اسے اپنے پاس رکھ لیں۔ جب پھڈے کا کام کریں گی تو نتیجہ نکلے گا نا۔“ بی بی زینب نے چڑ کر کہا۔

”دفع کریں کاکے کو۔ میرا بشیر بچ کر آ گیا ہے، میرے لیے تو یہ ہی بڑا ہے۔“ بشیر کی ماں نے بشیر کے بال تے ہوئے کہا۔

”بشیر! جو لوگ کاکے کو لے گئے ہیں، وہ کون ہیں؟“ بی بی زینب نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”وہ بھٹی ہے جی، وہ بھی ڈرامے بناتا ہے۔ میم صاب نے اس کے بڑوں ڈراموں میں کام کیا ہے جی، اسے صاب ہی کہتے ہیں اور کسی نام کا پتہ نہیں ہے۔“

”بھٹی کون سا نام ہوا۔ بھٹی تو ادھر کتنے ہی ہیں۔ خالی بھٹی سے کیا پتہ چلے گا؟“ زینب بی بی نے پریشان ہوئے کہا۔

”او دفع کرو جی بھٹی ہو کہ لودھی، ہمیں کیا لینا دینا۔“ بشیر کی ماں نے ایک مرتبہ پھر اپنے بیٹے کو سینے سے لگاتے کہا۔

”تمہیں کیا پتہ؟“ بی بی زینب نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ ”تمہیں اپنے بچے کی پڑی ہے، وہ بھی تو کسی کا بچہ ساری دنیا میں خجل خوار ہو رہا ہے یا میرے مولا! اس بچے کی حفاظت کرنا۔ بڑی عجیب قسمت والا بچہ ہے۔ کوئی ٹھکانہ ہی نہیں بن پاتا۔ اسے اپنی امان میں رکھیو میرے مولا!“ بی بی زینب نے ہاتھ باندھ کر ہل ہل کر دعا شروع کر دی۔ بشیر کی ماں نے موقع غنیمت جان کر اپنے بیٹے کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور سلامالیکم کہتی باہر نکل

گئی۔

انہوں نے اپنے قریب کسی کی موجودگی کو محسوس کر کے آنکھیں کھولیں۔ انہیں اپنے سامنے کا منظر دیر دھندلا نظر آ رہا تھا۔ جیسے ہر دفعہ آنکھیں کھولنے پر آتا تھا۔ اس وقت آنکھیں کھولنے پر دھند کے اس پار کسی ڈاک وارڈ بوائے کے چہرے کے بجائے ایک مانوس چہرہ نظر آیا ان کی نظر نے ان کے دماغ کو جو سگنل دیا وہ لطیف مانوس تھا۔

''اوہ تم؟'' انہوں نے کہنا چاہا۔ ''اب آئے ہو اتنی دیر سے، اتنے دن بعد۔'' پھر ایک کاغذ کا ٹکڑا ان کی نظ کے سامنے ناچ گیا۔

''از بستی کمال پور، از طرف ہدایت اللہ بنام محمد راز احمد مقیم لاہور۔'' ان کا دماغ چکر کھانے لگا۔

''آئی ایم سوری سر! مجھے اسی دن پتہ چل گیا تھا آپ کی تکلیف کے متعلق لیکن میں کچھ ایسے کاموں میں ا رہا کہ فوراً آپ کے پاس نہ آ سکا۔ میں بے حد معذرت خواہ ہوں۔'' کہیں دور سے انہیں آواز آ رہی تھی۔

''آپ کی یہ حالت کیسے ہوئی سر! اس روز تو میں کچھ دیر پہلے ہی آپ کے پاس سے گیا تھا۔ اس وقت تک آپ ٹھیک تھے پھر کیا ہو گیا؟'' وہ ان سے پوچھ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں جان لیا تھا اس لیے۔ مجھ پر تم عیاں ہو گئے تھے اس لیے۔'' وہ کہنا چاہتے تھے مگر ان کی ز ان کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ ان کی زبان کو فالج کے حملے نے بند کر دیا تھا۔ وہ خوش شکل ہنستا مسکرا، ذہین آنکھ والا لڑکا ان کے سامنے بیٹھا نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ انہیں سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔

فراز احمد ایک مانوس سی خوشبو بکھیرتا وجود، وہ انہیں پہلی بار میں ہی کیوں اتنا مانوس، اتنا اپنا لگا تھا کہ وہ شا احمد جن کی گردن میں لوگوں کے بقول لوہے کی راڈ فٹ تھی اور جن کی نظروں میں کوئی سماتا ہی نہیں تھا، اس کا نو لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک ایسی تصویر جس کے سارے خطوط ان ہی ہاتھوں کھینچے تھے۔ جنہوں نے خود ان کے اپنے خطوط کھینچنے کی پوری سعی کی تھی مگر ناکام رہے تھے۔ ہاں وہ تھا مجسم وہی تص جو برسوں پہلے کسی نے انہیں بنانا چاہا تھا اور جن کی کوششوں سے گھبرا کر وہ ان سے باغی ہو کر بھاگ آئے شاہنواز احمد کا خیال تھا کہ ماسٹر ہدایت اللہ سے بڑھ کر ان کے راستے کھوٹے کرنے والا دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا ان کا خیال تھا کہ اگر وہ اپنی باگیں ان سے نہ چھڑاتے تو شہرت کی بلندیوں کو نہ پہنچ سکتے تھے۔ جن کو پہنچ گئے۔ اگر انہوں نے اسے پانے کے لیے سخت محنت اور طویل سفر کیا تھا مگر یہ لڑکا یہ ان کی خوابوں کی عملی تعبیر تھا۔ خود وہ اس فن اور خیالات کے دل سے معترف تھے۔ اس کے راستے بھی آسان تھے اور منزل صاف نظر آ رہی تھی۔ پھر کچھ تھا تو کہاں تھا، وہ سوچ رہے تھے اور ان کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

''اگر ٹریٹمنٹ کے لیے ڈاکٹرز آپ کو بیرون ملک جانے کا مشورہ دے رہے ہیں تو آپ کو چلے جانا چا سر! آپ کو صحت یاب ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ جیسے فنکار، آپ جیسے برین کو اس ملک کی بڑی ضرورت ہیں۔''

وہ کہہ رہا تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ الفاظ ان کو دیکھنے آنے والے بے شمار لوگوں کی طرح رٹے رٹے الفاظ نہیں تھے ان الفاظ میں سچائی تھی اور خلوص تھا۔

''وہ کیسے ہیں فراز احمد؟'' وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے ''وہ سب لوگ، وہ راستے، وہ فضائیں، وہ سب ہیں فراز احمد! جنہیں میں نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔''

ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ ایک آدھ ہفتہ کے علاج کے بعد آپ اٹھ کر بیٹھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ کا رنے لگے گا پھر ہم لکھ کر باتیں کر سکیں گے۔ ہے نا۔'' وہ انہیں حوصلہ افزا باتیں کہہ رہا تھا۔ ''آپ جلد ٹھیک ہو ے سر! ابھی تو ہم نے اپنی وہ مشترکہ پینٹنگ بھی مکمل کرنی ہیں۔''

میرے دل، میرے مسافر۔'' اس کی اسبات کو سن کر ان کا ذہن ایک دوسرے ٹریک پر چڑھ گیا۔ ''او سافر دل تو کب تک سفر میں رہے گا، کب تک۔'' ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

تم ہی تو وہ اجنبی ہو فراز احمد! جس سے میں اپنے گھر کا سراغ پا سکتا ہوں۔ تم ہی تو وہ نامہ بر ہو جس کا سراغ ے لگا رہا ہوں۔ گلی گلی صدائیں دیتا پھر رہا ہوں فراز احمد! تم نے اب تک مجھے کیوں نہیں بتایا تھا کہ تم کون دیتے تو شاید یہ سب نہ ہوتا جواب ہوا۔'' وہ سوچ رہے تھے کہنا چاہ رہے تھے مگر ان کے لب خاموش تھے۔

دوسری طرف فراز اپنے دل میں حیران ہو رہا تھا۔ یہ کیوں اتنی حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھے جا رہے ید انہیں اپنے بول نہ سکنے پر بے بسی محسوس ہو رہی ہے۔'' اسے ان کی نظروں سے وحشت سی محسوس ہو رہی ے اللہ! تیرے سارے رنگ ہی انوکھے ہیں۔ ایسا ہی کچھ عرصہ پہلے آنٹ جینس کے ساتھ ہوا۔ آنٹ ہیں انہوں نے سالوں کبھی دیکھا بھی نہیں تھا نہ ہی ان کا پتا لیا تھا۔ نجانے پھر تو نے ان کے دل میں کیا خیال ہوں نے تمام خرچ کی ذمہ داری لے لی۔ جب تک یہ غافل رہے تو انہیں ڈھیل دیتا رہا۔ جب یہ متوجہ ہوئے تو ن اسی طرح پکڑ لیا جیسے آنٹ جینس کے ساتھ ہوا۔ یا اللہ! تیرے یہ سارے رنگ دیکھ کر کون ہو گا جو تیرے انکار کر سکے گا۔ میں جوں جوں دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں تجھ پر میرا ایمان پہلے سے زیادہ پختہ ہوتا جاتا تیرا شکر گزار ہوں اے میرے خدا! جو تو نے مجھے یہ سب دیکھنے کا موقع دیا، مگر میرے اللہ میاں! تو میری بات سن لے۔ تو انہیں اس بے بسی کے عالم سے نکال دے۔ انہوں نے تمام عمر گناہ ہی تو کیے ہوں گے۔ نیکی بھی ان سے سرزد ہو گئی ہو گی۔ اس نیکی کے صدقے تو انہیں معاف کر دے اور ان کو صحت عطا فرما

وہ ان کے سامنے بیٹھا کچھ دیر ان سے باتیں کرنے کے بعد دل میں اسی قسم کی باتیں سوچتا رہا اور جب وہ اٹھ نے لگا تو اس نے ان کا ڈرپس کی سوئیوں میں جکڑا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ انہوں نے آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف نا نظروں میں ایک درخواست تھی۔ ایک خواہش مچل رہی تھی۔

''پھر آنا، آتے رہنا۔''

راز نے ان کا ہاتھ دبا کر انہیں یقین دلایا کہ وہ آتا رہے گا۔ ان کا ہاتھ واپس ان کے سینے پر رکھ کر وہ باہر نکل ا کا دل بے حد بوجھل تھا۔ صبح اس نے للی ڈی سوزا اور لیڈی ایلس کو جس حالت میں دیکھا تھا، اس کے ذہن لت حال بیٹھ سی گئی تھی۔ اور اب یہ شاہنواز احمد۔ اس نے ہسپتال سے باہر نکل کر آسمان پر چمکتے ستاروں کو ی سردیوں کی وہ شام قدرے خنک تھی۔ وہ یہاں اپنی بائیک پر نہیں آیا تھا۔ اسے روٹ ویگن سے واپس نے پر پہنچنا تھا۔ اس نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھسائے اور اس کشادہ سڑک کی سائڈ پر چلنے لگا۔ سڑک رواں تھی۔ گاڑیوں کی روشنیاں، بڑے بڑے بورڈز کے نیون سائن اور لیمپ پوسٹس کی روشنیاں جگمگا رہی

کا دل ان روشنیوں کو دیکھ کر گھبرانے لگا تھا۔ اسے کچھ دن پہلے شاہنواز احمد کی سنائی نظم یاد آنے لگی۔ ''وہ ذہنی بحران کا شکار ہو رہے تھے۔ جو انہیں یہ نظم یاد آئی وہ اپنی پینٹنگ ''دل من مسافر من'' پر کام کرتے

ہوئے گنگنا رہے تھے۔

اے روشنیوں کے شہر!
کون کہے کس سمت ہے تیری روشنیوں کی راہ
ہر جانب بے نور کھڑی ہے ہجر کی شہر پناہ
تھک کر ہر سو بیٹھ رہی شوق کی ماند سپاہ
آج میرا دل فکر میں ہے
اے روشنیوں کے شہر!

فراز نے رک کر اپنے سامنے روشنیوں میں جھلملاتی لمبی شفاف سڑک کو دیکھا اور پھر اسے پہلے دن کے د
ہوئے شاہنواز احمد سے لے کر اب سے کچھ دیر پہلے بستر پر پڑے شاہنواز احمد کی شکل فلم کی طرح یاد آنے لگی۔

دور افق تک گھٹتی بڑھتی، اٹھتی گرتی رہتی ہے۔
کہر کی صورت بے رونق دردوں کی گدلی لہر
بستا ہے اس کہر کے پیچھے روشنیوں کا شہر
اے روشنیوں کے شہر
اے روشنیوں کے شہر

اب کے وہ اپنے دل میں خود ہی گنگنایا، اور اسے لگا کہ اس کا چہرہ بھیگنے لگا تھا۔

......❁......

رابعہ آفتاب کو اس روز اسفند یار جتنا تھکا ہوا اور کمزور محسوس ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔ وہ ا
سے زبردستی ٹائم لے کر اس کے اس چھوٹے سے گھر میں ملنے کے لیے آئی تھیں، جس کے بارے میں ان کا خیال
کہ وہ کسی طرح سے بھی اس کے شایانِ شان نہیں تھا۔ وہ اس کے چھوٹے سے لاؤنج میں راڈ آئرن کے نازک
ٹو سیٹر صوفے پر بیٹھی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"میں کوئی جذباتی ماں نہ سہی مگر ماں ضرور ہوں، اسفی!" انہوں نے کہا تھا۔

"تم نے ساری زندگی ایسی سختی اور تلخی نہیں دیکھی اور تمہیں اس طرح دیکھ کر میرا دل کٹا جا رہا ہے۔ تم دفع
اس ساری تگ و دو کو اور جہنم میں بھیجو اپنے باپ کی ضد کو تم واپس اسٹیٹس چلے جاؤ، شیری کی ڈیتھ کے بعد یہاں آ
سے پہلے جو کام تم کر رہے تھے وہ کرو۔ نہ تمہاری بات جائے گی نہ تمہارے باپ کی۔"

"یہ ممکن نہیں ہے ممی!" اسفند نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کر
ہے کہ میں وہاں واپس نہیں جا سکتا۔ میں نے جو کام شروع کر لئے ہیں انہیں ادھورا چھوڑا نہیں جا سکتا۔ شیری تو چلا
مگر اس کے بہت سارے معاملات ابھی سلجھنا باقی ہیں۔ اور یہ معاملات ایسے ہیں کہ میرے دل میں انی کی طر
گڑے ہیں۔ میں جب تک انہیں نکال نہ لوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"شیری میرا بیٹا تھا اسفی! مگر افسوس میں نے اسے جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ہماری ضد نے اسے
معاملات میں الجھا دیا، ہم نے تو ان کی خبر لینے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس میں میری غفلت اور ہٹ کا زیادہ د
ہے۔ تمہارے ڈیڈی اس کے معاملات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شیری نے سارہ شاہ
سے کورٹ میرج کر لی تھی۔ جب کہ سارہ اس کورٹ میرج سے پہلے شیری کے بیٹے کی ماں بن چکی تھی۔ یہ وہ بچہ

ے میں ہم دونوں کو فون آتے رہے۔ ہم نے کچھ رسپانس نہ دیا تمہارے ڈیڈی کے کہنے پر اور اب وہ
ہیں ہوگا۔"

والے تیں انوکھے انکشافات کر رہی تھیں جب کہ ان کے سامنے بیٹھ کر سگریٹ کا دھواں اڑاتا اسفند
پہلے کوئی بھی بات چونکانے میں ناکام رہی تھی۔

"انی! تمہیں شیری کے بارے میں یہ باتیں سن کر حیرت نہیں ہوئی۔" انہوں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے
نے انہیں پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔ وہ ان چند دنوں میں ہی کافی بدلی بدلی لگ رہی تھیں۔ اس نے
یری کے متعلق بات کرتے ہوئے ان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"آپ اب رو رہی ہیں اس کو میری ماں، جسے گئے اتنا عرصہ گزر گیا ہے۔ اب ایسی کیا انوکھی بات ہو گئی ہے جو
بھر گئیں۔ ڈیڈی کی بے اعتنائی؟ مجھ سے دوری یا پھر پیسہ ہاتھ سے جانے کا اندیشہ۔" اس نے سارے ہی
لیے۔

"انی! تم واپس امریکہ چلے جاؤ۔" وہ پچھلی بات بھول کر اچانک پھر اسی بات پر آ گئیں۔ "یہ بڑی لمبی
ہے جو تم نے اپنے گلے ڈال لی ہے۔ تم سے اس پر پورا اترا نہیں جائے گا۔"

"آپ تو دعائیں دیتی ہیں، ممی! ڈراتی تو نہیں۔" اسفند نے آگے بڑھ کر ان کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے
جدوجہد طویل ہی سہی مگر بڑی مبارک ثابت ہوئی ہے۔ مجھے اپنے لیے فکر کرنے والی، مشورے دینے والی
وہ ماں جو برسوں پہلے میں کھو چکا تھا۔"

"میں بڑی بدقسمت ہوں بے حد بدقسمت!" انھوں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس دو ہیرے جیسے
ان کی میں نے قدر نہ کی۔ تمھیں پتا ہے اسفی! انھوں نے بچوں کی سی خوشی کے ساتھ کہا۔ "شیری روزانہ رات
پاس آتا ہے، وہ مجھے تسلیاں دیتا ہے۔ کہتا ہے ڈونٹ وری ممی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا
ٹھیک ہو جائے گا، ہم نے تو زندگی کی دوڑ کے سارے سرے آپس میں الجھا دیے ہیں۔" خوش ہوتے ہوتے
دکھی ہو گئیں۔

"شیری قسمت والا تھا ممی! اتنا قسمت والا کہ اس دنیا سے جانے کے بعد بھی آپ کو تسلیاں دینے آ جاتا ہے۔
لیے بھی تسلی اور ڈھارس کا سورس بنتا ہے ممی! میں بھی آپ سے یہ ہی کہوں گا کہ ڈونٹ وری سب ٹھیک ہو
ہم سب حالت کفارہ میں ہیں۔ نے پُر آسائش زندگی کا آغاز ایک غلط نقطے سے کیا تھا۔ ہم سب اس آغاز کا
کر رہے ہیں، اللہ ہمیں اس آزمائش پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ بھی دعا کریں یہ سوچ کر کہ یہ
کی ماڈرن لیڈیز والی زندگی آپ کا مقسوم نہیں آزمائش تھی۔ درحقیقت تو آپ پر وہی گیٹ اَپ بجتا ہے۔
والے کی بہو رابعاں کا گیٹ اَپ۔"

اسفند نے یہ بات شرارتاً کہی تھی۔ مگر رابعہ سنجیدہ ہو گئیں۔

"میں خود بھی ایسا ہی سوچتی ہوں اسفی! شاید یہ سب ہمیں سوٹ نہیں کرتا تھا۔ ہم نے زبردستی اس قسم کی زندگی
جینے کی کوشش کی، اللہ نے ہمیں نواز کر آزمایا اور ہم اس آزمائش میں ناکام رہے۔ ہم نے شیری کو گنوا دیا اور
اس کے کھو جانے کا احساس نہیں ہوا۔ اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا اور ہو سکتی ہے۔"

اسفند نے ذرا پیچھے ہٹ کر اپنی ماں کو حیرت اور غور سے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ماں ایسی
ہو گئی تھی۔

"اسفند بھائی! سیفائرز اور اونیکس کی سپلائی رکی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے کتنا ہی کام تعطل کا شـ
ہے۔" اسی دم اس چھوٹے سے گھر کے کسی کمرے سے فراز نکل کر ادھر آیا اور مسز رابعہ آفتاب کو دیکھ کر ٹھ
گیا۔

"فاراز!" رابعہ نے اسے دیکھ کر زیر لب کہا۔ اسفند کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آئی۔

"ممی! یہ فاراز ہیں۔ اس وقت کے ٹاپ جیولری ڈیزائنر، میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ فاراز مجھ
میرے گھر آئے ہیں۔"

"ارے یہ تو میرے بھی ڈیزائنر ہیں ابھی ریسنٹلی میری ساری جیولری انھوں نے ہی ڈیزائن کی ہـ
نے غیر ارادی طور پر اپنا مخصوص چولا اوڑھا۔ اسفند قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"ممی! یہ فراز احمد ہے۔ وہی لڑکا جو پہلے ہماری اینکسی اور پھر فارم ہاؤس میں رہتا تھا اور جس کے ا
جگہ رہنے پر آپ کو سخت اعتراض تھا۔ آپ نے مجھ پر ایرے غیرے، نتھو خیرے پالنے کا الزام بھی لگایا
آپ نے۔ میں نے کیسا جیم (Gem) اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ آج یہ لڑکا "فاراز" کے نام سے جیولری ڈ
رینکنگ میں ٹاپ تھری پوزیشنز میں رہتا ہے۔ سی ایس ایس کی تیاری کر رہا ہے اور جتنا یہ ذہین اور لائق ہا
مجھے یقین ہے کہ وہاں بھی ٹاپ کرے گا۔"

"ہیں!" رابعہ نے حیرانی کا مظاہرہ کیا۔ "ٹاپ جیولری ڈیزائنر ہے تو کروڑوں کما سکتا ہے۔ پھر ا
سی ایس ایس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ لگی بندھی تنخواہ اور یا ئیں یا ئیں کر کے بنائی نوکری۔"

"میں نے بھی اسے یہ ہی کہا تھا۔" اسفند نے ٹیبل ٹاپ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ کہتا۔
ایس ایس کرے گا کیونکہ یہ اس کے ماسٹر جی کا حکم ہے یا پھر شاید ان کی خواہش ہے۔"

"یہ اتنے سارے ماسٹر کہاں سے پیدا ہو گئے اچانک۔ کبھی تم ماسٹر کرتے ہو، کبھی اس کے بارے
کے حکم سنا رہے ہو۔ یہ تم لوگ کس اسکول میں داخل ہو گئے ہو دوبارہ سے۔" رابعہ نے ایک مرتبہ پھر حیرت
کیا۔

"اسکول آف ہدایت میں، کیوں فراز؟" اسفند نے فراز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو اپنے یہاں
جانے پر کچھ خجل سا کھڑا تھا، اس پر مستزاد اس کے بارے میں سارے انکشافات اکٹھے ہی ہو گئے تھے۔

"تم لوگوں کو کوئی سمجھا نہیں سکتا۔" رابعہ نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "ایک وہ گروپنی رہیں تمام عمر وہ منی
اسکول آف ہدایت کا ماسٹر ٹِک پڑا کہیں سے۔ بس ان ہی باتوں سے میرا دل الجھنے لگتا ہے۔ اللہ جانے
چکروں میں پڑ جاتے ہو تم، چلو تم کچھ بھی کر لیتے۔ میری ایک بات تو مان جاتے۔" پھر انھیں کوئی دوسرا خیال

"وہ بھی کہہ دیں۔" اسفند نے تابع داری کا مظاہرہ کیا۔

"تم شادی کر لیتے، کم سے کم یوں اکیلے تو نہ رہتے۔"

"کر لوں گا، جو حکم آپ کا؟" اسفند نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"ہیں!" وہ خوش ہو گئیں "کس سے؟"

"میں نام لوں گا تو آپ برا مان جائیں گی۔" اسفند نے کہا تو رابعہ کے ساتھ ساتھ فراز کے کان
ہو گئے۔

"میں نہیں برا مانتی۔ تم بے فکر ہو کر بتاؤ۔ کون ہے وہ؟" رابعہ نے بے تابی سے کہا۔ "وہ جیسی بھی ہو

ـے تمہاری شادی کروں گی۔"

ـور؟" اسفند نے لائٹر کا شعلہ کھولتے بند کرتے ہوئے پوچھا۔

ـ تو اور کیا، تم بتاؤ تو سہی۔"

ـں کا نام سارہ شاہنواز ہے۔ بتایئے اس سے شادی کر دیں گی میری؟" اسفند نے ان کی سماعت پر بم
ـے کہا۔

......۞......

ـں پہلے بھی دو مرتبہ یہاں آئی ہوں۔ مگر میرے آنے کا مقصد جیولری خریدنا نہیں تھا۔ مجھے آپ سے یعنی
ـے کا شوق تھا۔" فراز کے سامنے کھڑی وہ دھان پان سی لڑکی کہہ رہی تھی جس نے شیفون کے گلابی پھولوں
ـے سفید سوٹ پر دوپٹے کے علاوہ حجاب بھی پہن رکھا تھا اور جسے دیکھ کر اسے خیال آیا تھا کہ اس نے
ـں کہیں دیکھا تھا۔

ـپ؟" اس نے اپنی یادداشت درست کرنے کے لیے پوچھا۔

ـے رباب کیانی کہتے ہیں۔" اس نے تعارف کروایا۔

ـ آئی سی۔" فراز کے ہونٹ نیم دائرے کی شکل میں سکڑے۔ "آیئے پلیز، آپ اس طرف آ جایئے۔"
ـ شاپنگ مال کی لفٹ کی طرف بڑھا اور اندر جا کر ٹاپ فلور کے لیے بٹن دبا دیا۔ ٹاپ فلور پر غالباً آفس

ـسفند بھائی کا آفس ہے، ویسے وہ بہت کم ادھر آتے ہیں۔ یہاں زیادہ تر سلمان صاحب ہوتے ہیں، وہ
ـور یا گئے ہوئے ہیں۔" فراز نے آفس کھول کر رباب کو اندر چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ـا تو تم فاراز ہو۔" آفس میں رکھے صوفوں کی قطار میں سے ایک پر بیٹھنے کے بعد رباب نے کہا۔

ـنے جھینپ کر سر جھکایا۔ "دراصل مجھے اپنی اس عجیب و غریب شناخت پر الجھن سی محسوس ہوتی ہے۔ اچھا
ـ تھا محمد فراز احمد، اس فیشن کی ماری سوسائٹی نے اسے پکڑ کر "فاراز" بنا دیا۔ آپ یقین جانیں، مجھے ذرا
ـ لگتا جب مجھے کوئی اس نام سے پکارتا ہے۔"

ـی ہے، ناموری تو تمھیں اس نام سے ملی نا۔" رباب نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے تم نے مجھ سے میرے
ـیلات تو پوچھی ہی نہیں اور مجھے اس آفس میں لے آئے۔ اسفند نے بتایا تھا کیا میری آمد کے متعلق؟"

ـں، انھوں نے مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ مگر اسفند بھائی کے حوالے سے ہی میں نے آپ کا نام سن رکھا ہے
ـفاق سے سرِ راہ آپ کو دیکھ بھی لیا تھا۔"

ـ... دراصل سچویشن ہی ایسی تھی کہ میں آپ کو پہچان گیا۔" فراز نے ایک مرتبہ پھر قدرے جھجکتے ہوئے

ـاوہ کیسے؟" رباب نے دلچسپی سے پوچھا۔ جواب میں فراز نے اس شام کا واقعہ دہرا دیا۔

ـا!" رباب نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔ "تم نے اس بات کا ذکر اسفندیار سے تو نہیں کیا؟"

ـا! مجھے معلوم تھا کہ وہ یہ بات سن کر مزید پریشان ہو جائیں گے۔" فراز نے کہا۔ "ویسے اس شخص سے
ـ کا اتنا گہرا تعلق کیوں ہے، جب کہ وہ مسلسل اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔"

ـروز بھٹی ہے اور سارہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے بہت سی مصیبتوں میں اس شخص نے پھنسایا ہے۔ اس

سے تعلق توڑنے پر تیار نہیں۔"

"فیروز بھٹی!" فراز کے ذہن میں یہ نام کلک ہوا۔ وہ فیروز کو اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن اس وقت یہ کے ذہن میں کیوں کلک ہوا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"تم نے اپنے جیولری ڈیزائنز مجھے نہیں دکھائے۔" رباب نے فراز کی منگوائی کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لیتے کہا۔

"اس کا ڈسپلے سینٹر نیچے ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ جیولری دیکھنے آئی ہیں۔ میں نے آپ کو اسف کا مہمان جانا تھا۔" فراز نے کہا۔

"تم شاہنواز احمد کے فن کے بھی زبردست مداح ہو، میں نے سنا ہے۔" رباب نے اسے چونکایا۔

"یہ خبر آپ کو کس نے دی؟"

"اسفند یار نے۔ اور مجھے اس لیے بتایا کہ میں خود بھی ان کے فن کی مداح ہوں بہت زیادہ۔" ربا گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اسفند بھائی بھی خوب ہیں۔" فراز نے سر جھٹک کر کہا۔ "شاہنواز احمد کے جتنے خلاف ہیں، اتنے کے مداحین کے نزدیک ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوستی میں پسند ناپسند کے مشترک ہونے کی شرط نہیں رکھتا۔"

"یقیناً" فراز نے سر ہلا کر کہا۔ "جب ہی ان کے اردگرد مخلص دوستوں کا ایک اچھا خاصا گروپ موجو

"سنا ہے کہ تم شاہنواز احمد کے ساتھ کام بھی کرتے رہے ہو؟" رباب نے اس کی بات بے دھیانی۔ اگلا سوال کیا۔

"اتفاق سے۔" فراز نے جواب دیا۔ "وہ بہت سر پھرے اور اونچے دماغ کے آدمی ہیں لیکن م ڈانٹ ڈپٹ کی پروا کیے بغیر ان کے پاس اکثر جاتا رہا۔ شاید میری مستقل مزاجی سے ہار کر انھوں نے مجھے ا دو ادھورے کام دکھائے، جن پر کام کرنے میں میں ان کی تھوڑی بہت مدد کرتا رہا۔"

"اور اب جبکہ وہ اتنے بیمار ہیں، ان کے ادھورے کام کون مکمل کرے گا۔" رباب نے مضطرب ہو کہا۔

"وہ خود ہی کریں گے ان شاء اللہ" فراز نے پر یقین انداز میں کہا۔ "گو اس وقت ان کی حالت خاصی ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس سال کے شروع میں بھی وہ اسی طرح بیمار ہو۔ لیکن جلد ٹھیک بھی ہو گئے تھے۔"

"ان کی بیماری کی ایک بڑی وجہ تو سارہ ہے۔" رباب نے دکھ کے ساتھ کہا۔ "اس نے ان کو یوں اور تنہا چھوڑ کر بہت برا کیا۔ میں نے بہت سمجھایا تھا اس کو مگر وہ ان کے متعلق بغاوت کی آخری حد کو چھو رہی۔ کا خیال ہے کہ اس کی زندگی کے ہر بحران کی وجہ اس کے والد ہیں۔"

"یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن شاہنواز احمد کی اپنی زندگی کے بحران کی کئی وجوہات ہیں۔ صرف سار سلسلے میں ایک اکیلی وجہ نہیں ہے۔" فراز نے کہا۔

"میں کوشش کر رہی ہوں سارہ سے رابطہ کرنے کی۔ دراصل وہ اس روز والے واقعے کے بعد خاصی ب گئی ہے مجھ سے اور میرا فون بھی اٹینڈ نہیں کرتی۔ نیٹ پر بھی آن لائن ہو تو میرے سائن اِن ہوتے ہی شٹ ڈ

ہے اس شخص فیروز بھٹی نے اسے زندگی میں کوئی بھی نیکی کرنے نہیں دینی۔" رباب نے اپنے بیگ کے اسٹریپ بلتے ہوئے کہا۔

"فیروز بھٹی!" فراز کے ذہن میں ایک مرتبہ پھر یہ نام کلک کیا۔ پھر اس شخص کا چہرہ بھی یاد آ گیا۔

"ام اس کا نام وام نائیں جانتا۔ مگر ام اس کا شکل اچھی طرح دیکھا۔ وہ لمبے بال والا پونی بناتا اے۔ اس کا کان میں ایر رنگ بی اے۔" اسے لیڈی ایلس کی بات یاد آ گئی۔

"ہوں......" اس نے گہرا سانس لیا اور رباب کی طرف متوجہ ہوا جو اب اس سے ماسٹر جی کے بارے میں رہی تھی۔

دو دن میں مسز رابعہ آفتاب اور رباب کیانی دو شخصیات نے اس سے ماسٹر جی کے بارے میں سوال کیا بلکہ وہ ان کی شکل سے قطعی واقف نہیں تھیں۔

رباب کیانی کے ساتھ شاہنواز احمد کے فن پر کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ پھر رباب نے اس سے اسفند کے کے متعلق پوچھا۔ "مجھے ان کے کام کے بارے میں تو کچھ اتنا علم نہیں لیکن بہت کم دنوں میں ان کی اچیومنٹس ر ایبل ہیں۔" فراز نے مبہم سا جواب دیا۔

"یہ تو اطمینان والی بات ہے۔ اب تم مجھے اپنے ڈیزائنز دکھا دو۔ مگر یہ ذہن میں رکھ کر کہ مجھے جیولری میں کچھ دلچسپی نہیں ہے نہ ہی میں کچھ خریدوں گی۔" رباب نے کہا۔ فراز مسکراتے ہوئے اسے نیچے لے آیا۔ سیکنڈ فلور پر از" کے جیولری ڈیزائنز ڈسپلے پر رکھے تھے۔ رباب نے تفصیل کے ساتھ اس کا کام دیکھا۔

"گو مجھے کبھی یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک سنار کے کام میں اور جیولری ڈیزائنر کے ڈیزائنز میں کیا فرق ہے مگر تمہارا کام دیکھ کر لگ رہا ہے کہ کچھ فرق ضرور ہے۔" واپسی کے لیے باہر نکلتے ہوئے رباب نے کہا۔

"تم بہت اچھے اور منفرد لڑکے ہو۔ تمھیں دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اس قوم کے نوجوانوں میں تم جیسے لوگ موجود ہیں۔ تم پتھروں کی تراش خراش کر کے انھیں ڈیزائن کرتے ہو اور کمال کام کرتے ہو۔ تمھارے ماسٹر جی نے تمہاری تراش خراش کر کے تمہاری شکل میں جو ڈیزائن بنایا ہے، وہ بھی کمال کا کام ہے۔ میری دعائیں تمھارے ساتھ رہیں گی۔"

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے خلوص کے ساتھ کہا۔ فراز کو رباب کے ریمارکس اچھے لگے تھے۔ اس نے کچھ عرصہ میں بہت سے لوگوں کو اپنی تعریف کرتے سنا تھا۔ مگر تعریف کا یہ انداز بہت مختلف اور منفرد تھا۔ وہ کچھ دیر باہر کھڑے رہنے کے بعد اندر کو مڑا۔ اب اس کے ذہن میں ایک ہی نام گردش کر رہا تھا۔ "بھٹی، فیروز بھٹی۔"

........۞........

"آپ اب بہت بہتر ہیں نا آنٹ جینس!" لینا جینس کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ جینس نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"بوہت" اب الفاظ اس کے منہ سے قدرے آسانی سے نکلتے تھے۔

"آپ نے تمام عمر لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے، ان کی خدمت کرتے گزاری، آپ دیکھیں کہ اس کا صلہ آپ کو کتنا اچھا ملا۔ لوگوں نے آپ کی اس حالت میں کتنی مدد کی، کہاں کہاں سے لوگ آ کر آپ کے لیے امداد دے گئے۔ اور وہ صاحب تو کمال کے نکلے، جنھوں نے اتنی ساری رقم آپ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دی۔ دیکھا بعض دفعہ خداوند ناشناسا لوگوں کے دل میں بھی نیکی کا جذبہ ڈال دیتا ہے۔"

لینا کہہ رہی تھی جبکہ جینس کی نظروں کے سامنے ایک چہرہ گھوم گیا تھا۔ "نہیں لینا! وہ ناشناسا تو نہیں تھا۔ وہ تو

اپنا تھا، بہت اپنا۔'' وہ کہنا چاہ رہی تھی مگر اس نے نہیں کہا۔

''ماما! لی لی؟'' اس کے بجائے اس نے لینا سے سوال کیا، لینا کا اس کے ہاتھوں میں دبا ہاتھ کانپ گیا۔ ا
کے دل پر گرینی اور للی کی طرف سے پہلے ہی وحشت چھائی ہوئی تھی۔ وہ اس مرتبہ دانستہ طور پر بہت دن بعد لاہور آ
تھی۔ گرینی اور للی والی خبر ملے بھی بہت دن گزر چکے تھے۔ مگر اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی ان کی خبر لینے کی۔ نجانے
ہوگیا ہو؟ ہر بار ایسا سوچنے پر اس کے دل میں خیال آتا۔ اس نے اپنا موبائل بند کر رکھا تھا، اور دانستہ اپنے تئیں لوگو
کی نظروں سے چھپ کر بیٹھ رہی تھی۔

''آنٹ جینس مری گئی تھی آنٹ فینسی سے ملنے کے لیے۔ وہاں آنٹ وائیلٹ موجود تھیں۔ وہ دونوں م
میں بہت خوش ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ میں بھی ان کو جوائن کرلوں۔'' اس نے آنٹ جینس کی بات کا جوا
دینے کے بجائے موضوع بدل دیا۔

''ناہیں، یہ بہت مشکل ہے۔'' جینس نے فوراً منع کرنے کی کوشش کی۔

''آپ خود ہی بتائیں، میں ایسا نہ کروں تو کیا کروں۔ میرا دل نہیں لگتا اس دنیا میں، میرا اپنا تو شاید کوئی کبھی
ہی نہیں۔ اب تو جب سے گرینی، للی اور آپ اپنے مرکز سے ہٹ کر اِدھر اُدھر بکھر گئی ہیں اور بھی تنہائی محسوس ہو
ہے۔ ایسے میں میرے لیے بہترین راستہ یہ ہی ہے، وہاں مجھے سکون تو ملے گا اور شاید ہیر آفٹر میں میری نجات بھی ہ
جائے۔'' لینا بے بسی سے بولی۔

''تو م اے سا نا ہیں کروگی۔'' جینس نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''میں اب ٹھی ک ہو رہی ہوں۔ ہم دونوں مل ک
رہیں گے۔'' لینا نے اس کے دونوں ہاتھ چوم لیے۔

''خداوند آپ کو جلد از جلد ٹھیک کرے گا آنٹ جینس! مگر میں اپنے دل کی گھبراہٹ اور وحشت کا کیا کرو
جو کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتی۔ آپ کو پتا ہے کہ میری ممی کے بارے میں منی باجی نے بہت سی انفارمیشن اکٹھی کر ل
ہیں۔ جو کچھ ان کے بارے میں گرینی نے بتایا تھا، اسی کی مدد سے پہلے انھوں نے انٹرنیٹ پر ان کے متعلق کچھ پتا چلا
اور پھر ابھی جب وہ اپنا ڈرامہ گروپ لے کر انگلینڈ گئی تھیں، وہاں سے ان کے متعلق مزید معلومات کر کے آئی ہیں۔
میرا دل ان کے آنے تک بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا رہا لیکن انھوں نے واپس آ کر مجھے بتایا کہ وہ وہاں پر قحبہ خان
چلاتی ہیں اور گندم کی روٹی کھاتی ہیں۔ انھوں نے منی باجی سے کہا کہ وہ مجھے اپنے پاس واپس لے جانا چاہتیں ت
برسوں پہلے ایسا کرسکتی تھیں کیونکہ انھیں میرے ڈیڈی کے بیک گراؤنڈ اور یہاں کے ایڈریس کے بارے میں اچھ
طرح معلوم تھا۔ لیکن انہوں نے ایسا کیوں کرنا تھا، کیونکہ میرے جیسے کئی بچوں کو وہ جنم دے کر اِدھر اُدھر پھینکتی رہ
تھیں۔ وہ کس کس کو سمیٹ سکتی تھیں۔ منی باجی کے اصرار پر انھوں نے صرف اتنا مانا کہ وہ مجھے اسپانسر کر کے وہاں بلا
سکتی ہیں۔ لیکن وہاں جا کر مجھے اپنی روزی خود کمانا ہوگی۔ اب آپ بتائیں آنٹ جینس کہ میں ایسا کیوں کروں گی۔''

''تم کوچھ نا ہیں کروگی۔'' لینا سے یہ نئی خبر سن کر آنسو بہاتی جینس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
''تم او نلی چھ دن اور میرا ویٹ کروگی۔ میں ڈس چارج ہو جاؤں، پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اٹک اٹک
کر بولی۔

''آئی ول ناٹ لیٹ یو ڈو اینی تھنگ (میں تمھیں کچھ کرنے نہیں دوں گی) میرے پاس اتنا پیسا ہے کہ ہم
آسانی سے زندگی گزار لیں گے۔''

صرف یہ چند حرف تسلی سن کر لینا کے دل میں ڈھیروں سکون اترا تھا۔ ''تو م ان کل ڈینی کے پاس جاؤ، ان

ب حال معلوم کرو۔'' انھوں نے اسے ہدایت کی تھی۔ لینا کے دل نے ایک بیٹ مس کردی۔ ''میں کس کا حال
م کروں آنٹ جینس! ان کا جو معلوم نہیں کہیں ہیں بھی کہ نہیں اور اگر ہیں بھی تو کہاں اور کس حال میں ہیں؟'' اس
دل میں سوچا اور آنٹ جینس کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔
''میں چلتی ہوں آنٹ جینس! انکل ڈینس سے ملنے کے بعد آ کر آپ کو بتاؤں گی۔'' اس نے بیگ کندھے
لتے ہوئے کہا۔

''بچے کو فیروز بھٹی نے اغوا کروایا ہے۔ اسفند بھائی! آپ مان جائیں۔'' فراز پچھلے ایک گھنٹے سے اسفند کے
بحث میں الجھا ہوا تھا۔ ''اسی فیروز بھٹی نے آپ کو شہر یار صاحب اور سارہ شاہنواز کے تعلق اور بچے کے متعلق
کیا تھا۔ اسی بھٹی نے سارہ کو آپ کا ڈراوا دے کر بچہ، بی بی زینب کی سہیلی کے پاس رکھوا دیا اور جب بچہ کڈز ہوم
پہنچ گیا تو وہاں سے اغوا کروا کر للی ڈی سوزا کے پاس پہنچا۔
بی بی زینب کو بشیر کی زبانی اس بات کا پتہ چلا تو انھوں نے خواتین والی مخصوص دہائی ڈال دی، جس کی خبر اس بھٹی
پہنچ گئی۔ وہ بچہ واپس لینے للی کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے انکار پر اس غریب کا برا حشر کر کے بچہ واپس لے گیا۔ اور
بانے اسے کس حال میں رکھا ہوا ہے۔ آپ پلیز اپنے سورسز استعمال کریں اور اس کے متعلق پتا کروائیں۔''
''بچہ شیری کا ہے یا نہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تم نے اس خبر کی تردید کردی تھی، یاد ہے یا نہیں۔'' اسفند یار نے
ے ہوئے کہا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' فراز جھنجلا گیا۔ بچہ تو وہ غریب ہے نا جو اتنے عرصے سے ادھر ادھر رل رہا ہے۔ اسی
لے کر وہ خبیث آپ کو اور آپ کی والدہ کو بلیک میل کرتا رہا۔ کوئی بات تو اس بچے کے سلسلے میں ایسی ہوگی نا جو وہ
ر شہر یار صاحب سے منسوب ہوا اور یوں بلیک میلنگ اور غلط فہمیوں کی وجہ بنا۔ پھر اگر وہ بچہ، شہر یار صاحب کا نہیں
ہے تو بھی مت بھولیں کہ وہ آپ کے کڈز ہوم سے اغوا ہوا تھا اور آپ نے اس کے اغوا کا پرچا بھی کٹوایا تھا۔''
''اچھا فرض کرو کہ ایسا ہی ہے تو اب کیا کرنا ہے؟'' اسفند نے اس ساری بحث سے تنگ آ کر کہا۔
''آپ صرف اس بھٹی کے خفیہ ٹھکانوں کا پتا لگوائیں۔ آپ کے لیے ایسا مشکل بھی نہیں کیونکہ اس کے بہت
لق دار آپ کے بھی جاننے والے ہیں اور آپ کو بتانے میں انھیں کوئی حرج بھی محسوس نہیں ہوگا۔''
''میں پتا لگوا دیتا ہوں، جو بھی اس سلسلے میں ہوسکتا ہے۔ کردوں گا۔ لیکن باقی کا کام کرنے کی ذمہ داری اگر تم
ہو تب ورنہ میں اس وقت جس پوزیشن میں ہوں، اس قسم کے کسی پنگے میں پڑنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔'' اسفند
لہ کن انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے یونہی سہی'' فراز نے کہا۔ ''پہلے مجھے اس قصے میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی تھی مگر للی کے ساتھ
الے ظلم اور بچے کو خوار کرنے کے اقدامات نے مجھے ضد دلا دی ہے۔ میں بھی اس سلسلے میں جو کر سکا ضرور
گا۔ اور......''

اس کی بات اس کی جیب میں رکھے موبائل کی آواز نے کاٹ دی۔ اس نے موبائل نکال کر اسکرین دیکھی۔
بر تھا۔ اس نے فون آن کر کے کان کے ساتھ لگا لیا۔
''ہیلو فراز! تم کدھر ہو؟'' بھائی دل نواز کی آواز تھی۔ ''ہم ادھر لاہور پہنچے ہوئے ہیں۔ ماسٹر جی بھی میرے
ساتھ۔ اپنا پتہ بتاؤ جلدی سے۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

ماسٹر جی کا ایک اچانک لاہور آ جانا فراز کے لیے سخت اچنبھے کی بات تھی۔ اس سے پہلے وہ خود اور بستی کے ک ایسے لوگ جو لاہور آتے رہتے تھے۔ کئی مرتبہ ماسٹر جی سے لاہور آنے کا کہہ چکے تھے۔ ایک دو مرتبہ ان کی طبیعہ بگڑنے پر بھی فراز نے ان سے لاہور چلنے اور کسی اچھے ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کے لیے کہا تھا مگر وہ ہر بار سختی سے انکا کر دیتے تھے۔ ان کے انکار کی شدت کی وجہ سے ہی اب فراز نے انھیں کہنا چھوڑ دیا تھا اور اب تو اسے کبھی خیال بھ نہیں آتا تھا کہ ماسٹر جی لاہور آ سکتے ہیں جبکہ اس روز وہ بھائی دلنواز اور بستی کے تقریباً پانچ چھ دوسرے لوگوں ک ساتھ اس کی قیام گاہ پر پہنچ چکے تھے، جہاں فراز کو ان کی اس اچانک آمد کی خوشی تھی، وہیں اس کا دل اس اچانک آمد کسی انجانے اندیشے میں بھی ڈوبا ہوا تھا۔

دوپہر سے شام تک ان کی خاطر مدارت کرتے اور بستی کے لوگوں کا احوال سنتے وقت گزر گیا۔ رات کو جب ا اپنے کمرے میں سب کو قالین پر سونے کے لیے ایڈجسٹ کر کے فارغ ہوا، اس نے دیکھا۔ ماسٹر جی اس کے بیڈ بیٹھے کسی فکر میں غلطاں تھے۔

''آپ سو جائیں ماسٹر جی! یقیناً آپ بہت تھک چکے ہوں گے۔'' اس نے آگے بڑھ کر بیڈ کے قریب بیٹھ کر کہا اور ان کی ٹانگیں دبانے لگا۔

''سو کیسے جاؤں فراز باؤ! نیند نہیں آ رہی۔'' انھوں نے اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ کہا۔

''نئی جگہ ہے نا جی اور پھر آپ کا حقہ بھی نہیں ہے۔ سگریٹ پینے کی آپ کو عادت نہیں ہے۔'' فراز نے اپ دانست میں درست توجیہہ پیش کی۔

''او نہیں فراز یار! ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولے۔ ''مجھے تو تیرا یہ کمرہ، رہن سہن او مصروفیت دیکھ کر خوش ہونا چاہیے تھا، پر پتہ نہیں میرا دل پریشان سا ہے۔''

''ماسٹر جی! ادھر میرے حالات میں کوئی غلطی، کوئی خامی نظر آ گئی۔'' فراز نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

''نہیں نہیں فراز باؤ! ایسی کوئی بات نہیں ہے میرے دل کا یہ حال ادھر آنے کے بعد نہیں ہوا یہ تو پیچھے سے پریشان آیا ہے۔'' انھوں نے سادگی سے جواب دیا۔

آپ اگر مناسب سمجھیں تو میرے ساتھ شیئر کر لیں جو بھی بات آپ کے دل میں ہے۔'' فراز نے سعادت ی کہا۔

''او یار! سارا مسئلہ اس شیئرنگ کا ہی تو ہے۔ اگر ہم شیئر کرنے کے عادی ہو جائیں تو ہمارے دلوں پر بوجھ ں کیوں۔ ہم جھجکتے رہتے ہیں۔ شتر مرغوں کی طرح گردنیں ریت میں چھپا لیتے ہیں۔ کبوتروں کی طرح بند کیے رکھتے ہیں۔ اپنی انا اور خودی کو سنبھال کر بیٹھے رہتے ہیں کہ جی ہم کس طرح دل کی بات کسی سے اگلا ہماری بات کم سنے گا۔ مخول (مذاق) زیادہ اڑائے گا۔ ایک کی دس بنا بنا کر آگے کسی اور کو سنائے گا اور ہمارا وہ امیج بگڑ جائے گا جو ہم نے بڑی مشکلوں سے بنایا ہے۔ جب ہم یہ رویہ اپنا لیتے ہیں نا فراز باؤ! تو ہم ر لیتے ہیں۔ آدمیوں کے ہجوم میں اکیلے پھرتے رہتے ہیں۔ چاہیں بھی تو اس ذہنی تنہائی سے نجات حاصل اتے۔''

''میرا نہیں خیال کہ آپ مجھ سے کوئی بات شیئر کرتے ہوئے جھجکیں گے جی۔'' فراز نے سر جھکا کر کہا۔ ''ہے تو بڑی بات والی بات مگر ماسٹر جی! جس انسان کو بغیر توقع کے اچانک اپنے انتہائی گہرے رازوں میں شریک ے پھر اس سے کیا چھپانا۔''

''یہ تو تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ پر کیا کروں یار! حوصلہ نہیں پڑتا۔ اتنے عرصے سے روزہ رکھ چھوڑا ہوا ہے، توڑوں ژوں۔ باؤ! پچھلے ایک دو ہفتے سے میرے اندر آگ سی لگی ہوئی ہے۔ بے چین ہو کر نیند سے اٹھ جاتا ہوں۔ ن کوئی نہیں ہے۔''

راز کا دل یہ بات سن کر دھڑک اٹھا۔ وہ معاملے کو کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔

''کس وجہ سے آپ کا یہ حال ہے ماسٹر جی؟'' اس نے ہاتھ کا دباؤ ان کے پیروں پر بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یار! میں نے تجھ سے ایک درخواست کی تھی، جب پچھلی بار تو گاؤں گیا تھا۔'' بالآخر وہ اپنے دل کی بات پر رضامند نظر آنے لگے۔ ''میں نے تجھے کہا تھا کہ اس کم نصیب جھلے شاہو کا پتہ کرا، وہ کس حال میں جیتا ے شاید یاد نہیں رہا۔''

''وہ جی، بس......'' فوری طور پر فراز سے کوئی جواب بن نہیں پڑا۔

''بس کیا یار!'' وہ اپنے پاؤں کھینچتے ہوئے بولے۔ ''او ساری بے سکونی اسی کی وجہ سے تو ہے۔ خوابوں میں یشان حال وجود مجھے آ کر چونکا دیتا ہے۔ ہر وقت اس کا خیال میرے وہم کو ستاتا رہتا ہے۔ میں تجھے بتا دوں وہ جہاں بھی ہے نا، اس وقت اس کا حال اچھا نہیں ہے۔ بہت برا ہے۔''

راز نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ ''یا اللہ! یہ دل اور تعلق کے معاملے کیا اتنے حساس ہوتے ہیں کہ کہ یوں جان جائیں، حال بھی اور اس کی اچھی بری ساری خبریں۔''

''اتنے سال گزر گئے۔ میں اکیلا اس کو یاد کرتا، اس کے لیے دعا کرتا رہا۔ اس کی چیزیں، اس کی تصویریں ما کر دیکھتا رہتا۔ کئی کئی دن اپنی ذات اور گھر کے دروازے پر تالا ڈال کر میں نے اس کی یاد میں گم رہتے ار دیے۔ پر وہ اللہ کا بندہ مجھے کسی اچھے برے حال میں نظر نہیں آیا۔ میں انتظار ہی کرتا رہا کہ کہیں غیب سے لی زندگی اور خوشحالی کی تصویر نظر آ جائے، پر نہیں۔ وہاں تو جیسے پکا پردہ پڑا ہوا تھا۔ پر اب کچھ دنوں سے کوئی ل جاتا جب اس کی تصویر، اس کا بیمار، کمزور، پریشان وجود میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹتا ہو۔ میں نے اسے پوچھا یار! یہ کیا ہے۔ میرے دل نے مجھے جواب دیا کہ تجھے سمجھ نہیں آ رہی جھلیا، تجھے کیوں پتہ نہیں چل

رہا کہ اس کا حال خراب ہے۔ وہ کسی مصیبت میں، پریشانی میں پھنسا ہوا ہے پھر کل رات ایسی ہڑک اٹھی دل میں صبح ہوتے ہی دلنواز، شفیع محمد اور تاج دین کو بلا لیا۔ کہا، میں نے لاہور جانا ہے فراز احمد کے پاس۔ وہ سارے حیران تو انھوں نے ہونا تھا، اتنے سال کس کس نے کتنا کتنا زور نہیں لگایا مجھے بستی کمال پور سے نکال کر کچھ دیر کہیں لے جانے کا۔ پر میں نہیں گیا پھر اچانک مجھے تیرے پاس آنے کی کیا سوجھی۔ دل نواز غریب سمجھا۔ شاید فراز احمد کوئی پریشانی آ گئی ہے، پوچھتا رہا۔ ''ماسٹر جی! میرا فراز تو ٹھیک ہے نا۔ جھلا مجھے ولی اللہ سمجھتا ہے۔''

انھوں نے عینک اتار کر اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا۔

''پھر کہنے لگا ماسٹر جی! آج تو جانے کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ آج میں پسرور جا کر ٹیکسی والے کو کہہ آؤں گا تو چلیں گے۔ ہوا اڑ گئی گاؤں میں ماسٹر جی نے لاہور جانا ہے، بیبیاں، بہنیں آ گئیں۔ ماسٹر جی! لائیں سامان باندھ دیں۔ لڑکے بالے، مرد کئی آ گئے۔ ماسٹر جی! میں لے کر جاؤں گا۔ دوسرا بولا۔ میں اپنے یار کی گاڑی مانگ کر لاتا ہوں۔ پپو جو کسی کوچ میں کنڈکٹر لگ گیا ہے۔ بولا۔ ماسٹر جی! میں اپنے استاد سے کہہ کر پوری کوچ ہی کرائے پر لے آؤں گا۔ اس کی سیٹیں بڑی آرام دہ ہوتی ہیں۔ میں نے کہا۔ اوچھڈ یار! میں نے آرام لے کر کیا کرنا ہے۔ پر سب کا پیار محبت دیکھ دیکھ کر سوچتا رہا۔ ''یا اللہ تیرا یہ حقیر بندہ ہے اس خلوص اور محبت کے لائق۔'' اب تو دیکھ دل نواز امین تو میرے خیال سے اپنا اپنا کام چھوڑ کر آ گئے میرے ساتھ۔ پر یہ تاج دین، سعید، سلام اور مالک صرف اس لیے آئے ہیں کہ کوئی تکلیف نہ ہو ماسٹر جی کو۔ خدمت کرنے والے ساتھ ہونے چاہئیں۔ یار! ایک طرف اتنا پیار کہ پچھلی ساری دردیں نکل گئیں۔ دوسری طرف اس بدبخت کا خیال نجانے کہاں ہوگا اور اس پر کیا کڑا وقت آیا۔ جب تک پتہ نہ چل جائے، سکون کیسے آئے۔''

فراز نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس کی زبان چاہتے ہوئے بھی پھر کہہ نہ پا رہی تھی۔

''میرا دل اتنے سال لاہور شہر کے تصور سے ہی ڈرتا رہا۔ مجھے بڑا خوف آتا تھا اس کے نام سے میں نے اپنی زندگی کے کئی سال ادھر گزارے ہیں۔ پر اب تو مجھے لگتا تھا، یہ شہر نہیں، کڑکی (چوہے پکڑنے کا آلہ) ہے جس نے اس میں قدم رکھا، وہ پھنس گیا۔ جب ہی میں ادھر آنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ پر اب معاملہ ہی دوسرا ہو گیا ہے۔ لے فراز احمد!''

انھوں نے فراز کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''لے میں تیرا ترلا کرتا ہوں۔ ہاتھ جوڑتا ہوں یار! اس کا کہیں سے پتہ کر، سن گن لے۔ یہاں اتنے لوگ ہیں۔ کوئی نہ کوئی تو اسے جانتا ہوگا۔''

فراز ماسٹر جی کے اس عمل پر بھونچکا رہ گیا۔ دوسرے لمحے ہی اس نے تڑپ کر ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔ ''آپ حکم دینا ہے، یہ ہاتھ جوڑنا آپ کے مقام کی شان کے خلاف بات ہے۔ آپ نے ایسا کر کے مجھے سخت شرمندہ کر دیا ہے۔''

''نہیں فراز احمد! میں نے تجھے شرمندہ نہیں کیا۔ میں تو خود شرمندہ ہوں یار! اپنے آپ سے، اپنے خدا سے، مخلوق خدا سے۔ میں اتنے سال کیسے پتھر دل بنا رہا۔ کیا کیا خیال نہ آتا ہوگا میری بستی کمال پور کے لوگوں کے دلوں میں کہ یہ کیسا چاچا ہے جو بھولے سے بھتیجے کا نام بھی نہیں لیتا۔ وہ بے چارے میری خاطر ایسا ڈرے کہ انھوں نے کبھی میرے سامنے اس کا نام بھی نہیں لیا۔ پر فراز احمد! یہ کوئی انسانیت تو نہیں تھی نا۔

میں سینکڑوں بچوں کا استاد، تربیت کرنے والا خود اپنی اصلاح نہ کر سکا اور میں نے اتنے سال اسے چھوڑے

رف اپنی بات کی ہٹی کرنے کے جرم میں کیا چاہتا تھا وہ صرف تصویریں بنانا اور مورتیں بنانا۔ ہے تو یہ خدائی ہے یار! پر میں چاہتا تو کچھ اس کی سمجھ لیتا، کچھ اپنی سمجھا لیتا۔ پر نہیں، مجھے تو صرف اپنی ہی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے ہماری خودی، انا یہی تو ہمیں آدمی کے درجے سے اوپر نہیں جانے دیتی۔ ساری عبادتیں، ساری ریاضتیں بے کار ثابت ہو جاتی ہیں جو بندہ اگر اپنی ''میں'' نہ مار سکے۔'' وہ کہہ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے اشک رواں

''ماسٹر جی! ایک شرط ہے اس بات کو سننے کی جو میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔'' کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد نے کہا۔

''تیری تو ساری منظور ہیں فراز! تو نے کبھی غلط بات نہیں کی۔ کم از کم میرے سامنے پھر تیری تو سنے بغیر ہی منظور ہیں۔'' ماسٹر جی نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

فراز ذہن میں کیے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مبادا کسی کش مکش میں پڑ جائے۔ سو اس نے فوراً احمد سے اپنی پہلی ملاقات سے اب تک کی ساری داستان بلاکم و کاست ماسٹر جی کے گوش گزار کر دی۔ ایک ایک واقعہ، ایک کے بعد ایک موڑ۔ وہ سارے حالات، وہ ساری سچویشنز، وہ ساری ملاقاتیں۔ شاہنواز احمد کے اپنے برتاؤ، معاشرے میں ان کا مقام، اس مقام کے پس منظر میں اس کے حصول کے لیے کی جانے والی ان کی کامیابیاں، ان کی ناکامیاں، ان کی الجھنیں، ان کے ذہن کی کش مکش اور پھر ابھی حال ہی میں ان پر آنے والے وقت کی کہانی۔

وہ دھیرے دھیرے سنا رہا تھا اور ماسٹر جی دم بخود سن رہے تھے۔ رات لمحہ لمحہ بیت رہی تھی۔ باہر ہوا کی خنکی میں اضافہ ہو گیا تھا اور رات کے آخری پہر میں ہلکی پھوار پڑنے لگی تھی۔

……۞……

''تم کدھر غائب ہو گیا تھا میری بچی! ہم نے تم سے کانٹیکٹ کرنے کا واسطہ بہت کوشش کیا۔'' انکل ڈینی لینا سے کہہ رہے تھے جو سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی اپنی دادی اور کزن کے متعلق بدترین خبر سننے کی منتظر تھی۔

''کتنا یاد کرتا تم کو ایلس اور للی، تم کو کچھ خبر ہے پور لیڈیز، دہائی سوسن لینا کدھر ہے؟ وہ ام کو دیکھنا واسطہ کیوں نہیں آیا؟'' آنٹ سوسن نے اسے کوکو ملے دودھ کا کپ پکڑاتے ہوئے کہا۔

''گرینی اور للی مجھے یاد کرتی ہیں؟'' لینا نے دودھ کی اوپری سطح پر دائروں کی شکل میں گھومتی جھاگ بنی کوکو کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''آنٹ سوسن نے ان کے لیے تمھیں کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے، اس کا ہے۔'' اس سے آگے اس سے کچھ سوچا ہی نہیں گیا، اس کے اندر ایک گہرا اطمینان اتر گیا تھا۔

''پور للی!'' پھر آنٹ سوسن نے اس کے بنا پوچھے ہی اسے سنانا شروع کیا۔ ''ٹانگ کٹ گیا اس کا اور ہاتھ کا ہڈی بھی اڑ گیا ایک دم۔ اس کا شکل بھی ویسا نہیں رہا، سب فیس پر جکھموں (زخموں) کا نشان ہے سب کا سب۔'' وہ اشارے سے اسے سمجھا رہی تھیں۔ ''ادھر ایلس کا اپنا کنڈیشن خراب ہے، اس کا ایج اتنا بڑا حادثہ کیسا سہہ سکتا ہے۔ جکھمی ہونا کا علاوہ وہ شاکڈ ہے۔ اس کا مکھ ٹھیک نہیں رہا۔''

''ہولڈ آن سوسن پلیز کیپ کوائٹ۔'' انکل ڈینی دیکھ رہے تھے کہ اس خوفناک نقشے کو سن کر لینا کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی۔ سو انھوں نے سوسن کو روکا۔

''تم خداوند کا شکرانہ ادا کرو، اس کا شکر گزاری کا واسطہ دعا کرو۔ لینا ڈارلنگ! تمہارا گرینڈ مدر اور کزن کو اس

نے زندہ بچالیا، ورنہ ان ظالم لوگ نے ان دونوں کو مار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' انھوں نے لینا کو
بات سنانے کی خاطر کہا۔ ''مگر تم یہ سب سننے کے باوجود آیا کیوں نہیں؟''

''میں...... میں......'' لینا نے کپکپاتے ہونٹوں کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا حوصلہ
بڑا انکل ڈینی! کہ میں ان اتنی بری، اتنی تلخ حقیقتوں کا سامنا کروں اور انھیں برداشت کروں۔ میں ان سے
حاصل کرنا چاہتی تھی۔ میں حالات کو ٹھیک کرنے پر قدرت نہیں رکھتی۔ میں کچھ بھی اچھا نہیں کرسکتی، اس لیے میں
چاہا کہ میں ان سے فرار حاصل کرلوں۔ میں مری چلی گئی تھی آنٹ نینسی کے پاس۔ میں نے ان سے درخواست کی
وہ مجھے بھی 'نُنری' جوائن کروادیں۔ انھوں نے مجھے ایسا کرنے کے بعد کے سارے حالات سمجھائے اور کہا کہ
ایک مرتبہ پھر ان پر غور کروں۔ میں نے سوچا کہ اس میں غور کرنے والی کیا بات ہے۔ دنیا میں گزارہ نہ کرسکنے کا
سے بہتر علاج کیا ہوگا کہ دنیا سے الگ تھلگ ہو جایا جائے لیکن آنٹ نینسی نے مجھے واپس آکر آنٹ جینس
مشورہ کرلینے کی نصیحت کی۔ کل میں آنٹ جینس کے پاس گئی تھی۔ انھوں نے سختی سے مجھے منع کردیا اور آپ کے پا
بجھوادیا گرینی اور للّی کی خبر لینے کے لیے۔ تب میں نے سوچا کہ خداوند چاہتا ہے کہ میں ان دونوں کی خبر لوں۔ خدا
مجھے اس سے فرار حاصل نہیں کرنے دے گا۔ واقعی ہم اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے خدا کو پہچانتے ہیں۔ یہ بات
نے اسکول کے دنوں میں ایک کتاب میں پڑھی تھی اور اب مجھے اس پر یقین آتا جارہا ہے۔''

''بات غلط بھی نہیں ہے ڈارلنگ! اگر انسان کے ارادے نہ ٹوٹیں اور اس کی اسکیمز فیل نہ ہوں تو وہ تو خ
بھول ہی جائے۔'' انکل ڈینی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہاں آکر آپ سے گرینی اور للّی کے بارے میں سن کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ کاش میں یہاں نہ
ہوتی، نہ ہی مجھے پتہ چلتا کہ ان دونوں کے ساتھ کیا بیتی۔ آپ یقین کریں کہ اتنے دن میں نے کسی انجانے خوف
وجہ سے نہ کوئی اخبار دیکھا، نہ ہی کہیں نیوز سنیں۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگتا تھا کہ وہ دونوں اب اس دنیا میں نہیں ہوں گ
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟''

''وہ بچہ ڈارلنگ...... وہ بچہ۔ جو اس روز ہم نے ایلس کے گھر دیکھا تھا یاد ہے تمھیں۔'' آنٹ سوسن نے کہا

''ہاں ہاں، وہ جسے گرینی جیوفری کہہ کر بلارہی تھیں۔'' لینا کو یاد آگیا۔

''بس اسی بچہ کا فساد ہوا سارا۔ اسی بچہ کا واسطہ وہ گونڈا (غنڈہ) لوگ ایلس اور للّی کو زکھمی (زخمی) کرکے گیا۔

''مگر کیوں؟'' لینا کو حیرت ہوئی۔

''وہ بچہ کسی بڑا آدمی کا بچہ تھا۔ کسی نے اس کو کڈنیپ کیا اور للّی کو بولا اس کو تم پالو۔ ایلس نے اس کو پالنا
واسطہ ایڈپٹ کرلیا پھر وہ گونڈا دوبارہ آیا۔ بچہ واپس لینا کا واسطہ ایلس بولا۔ اب بچہ ہم نہیں دینے کا، بس اسی بات
اس کم بکھت (کم بخت) نے گولی کا زبان بولا۔''

''لیکن وہ بچہ کون تھا، اسے کیوں کڈنیپ کیا کسی نے؟'' لینا حیران ہوتے ہوئے بولی۔

''بڑا لوگ کا بات بڑا لوگ ہی جانتا ہے۔ لینا ڈارلنگ! امارا تمارا سمجھ میں یہ بات آنے کا نہیں۔'' آنٹ سو
نے لینا کو اس قصہ کہانی کا اثر لیتے ہوئے دیکھ کر، اپنے بیان کی خوبی پر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''سب کہانی قصہ چھوڑ دو سوسن! لینا ڈارلنگ! تم کو خوشی اور اطمینان حاصل ہونا چاہیے کہ تم جن لوگوں کو مرا
جان کر خوفزدہ رہیں، وہ زندہ ہیں اور جلد ہی کسی دن ٹھیک بھی ہو جائیں گی پھر ہم سب ان دونوں کو ادھر واپس
آئیں گے، اس اولڈ ہاؤس میں۔'' انکل ڈینی نے لینا کی خاطر ایک خوش آئند بات کی۔ ''پھر سب ٹھیک ہو جا

ب ٹھیک ہو جائے گا۔'' لینا نے دہرایا۔ ''کیا ٹھیک ہو جائے گا انکل ڈینی! خوشی سے چہچہائے وہ روشن دن
بیتے گزارے کیا وہ واپس آجائیں گے۔ ان دنوں اور ان دنوں کے درمیان اتنا طویل وقفہ ہے انکل ڈینی
نے کو کچھ سامان ہاتھ میں نہیں رہا۔ اب تو صرف زندگی کے دن پورے کرنے والی بات ہے۔''

آئی ایم سوری لینا ڈارلنگ! تم ضرورت سے زیادہ پیسی مسٹ ہو رہی ہو۔ تمہارا اشکل میں ایک Sadist
امنے بیٹھا ہے جو ماسوائے تاریک باتوں کے کچھ اور نہیں سوچتا۔''

کیا اندھیاروں کے پیچھے کچھ روشنی بھی ہوتی ہے انکل ڈینس! یا اندھیاروں کے پیچھے اور بھی اندھیارے ہی
ہا۔''

اندھیاروں کے بعد روشنی ضرور نظر آتی ہے لینا ڈارلنگ! خداوند نے تاریکی کو مٹا کر ہی روشنی سے کہا تھا کہ
ی پہلا دن ہوا تھا۔ سو رات کے بعد دن کو ضرور آنا ہوتا ہے۔ تم فکر مت کرو، یہ اندھیارے جو تم لوگ کی
آئے ہیں، ان کو بھی ایک روز روشنی کو جگہ دینا ہی ہوگا۔''

آپ کتنے اچھے ہیں انکل ڈینی! کتنے خوش فہم، کتنے مضبوط یقین والے۔ آپ کے پاس آکر ساری مایوسی
ئی ہے۔'' لینا نے مسکرا کر کہا۔

تھینک یو لینا ڈارلنگ! مجھے تمھارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔'' انکل ڈینس نے خوش
ئے کہا۔ ''تم لنچ کرلو تو پھر تمہاری گرینی اور کزن سے ملنے چلتے ہیں۔''

''میں فراز سے مل کر اتنی خوش نہیں ہوئی، جتنی خوشی مجھے محمد فراز احمد سے مل کر ہوئی۔''
رباب نے اسفندیار کو بتایا۔ وہ اس کی بات پر بے اختیار مسکرادیا۔

''بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے ''فاراز'' میں سے محمد فراز احمد کو ڈھونڈ نکالا۔ دراصل فاراز کا چولا اس پر اتنا
اوراوپرا سا لگتا ہے کہ اس کے اندر کا محمد فراز احمد ڈھونڈ نکالنا کچھ اتنا مشکل نہیں۔''

''یہ اتنا مصنوعی اور اوپرا اس لیے بھی لگتا ہے کہ وہ لڑکا خود کو اس چولے میں فٹ محسوس نہیں کرتا۔ اس کی اصل
اس چولے کے اندر سے باہر نکلنے کو بے چین رہتی ہے۔'' رباب نے اس کی بات کی مزید تشریح کی۔

''دراصل وہ اتنا اوریجنل، اتنا خالص اور اتنا حقیقت پسند ہے کہ اس کو کوئی چولا اڑھانا بہت مشکل ہے مگر یہ
ئز ہائر سوسائٹی اور مارکیٹنگ بلز کے چلائے ہوئے ٹرینڈز ان سے تو اللہ بچائے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جنھوں
ب فراز احمد کو فاراز بنادیا۔ بہرحال اس کا کام تو یقیناً تمھیں پسند آیا ہوگا۔''

''ہاں۔'' رباب نے سر ہلایا۔ ''ایسا کام ہے جس کو کرنے والے کا ذہن یہ سوچ کر اسے کرتا ہے کہ اب تک یہ
ہ کیوں نہیں ہوا۔ مثلاً پتھروں کے کامبینیشن ہی کو لے لو۔ اس نے ان پر غیر روایتی انداز میں کام کیا ہے۔ جن
ل کا تصور کرکے ہم سوچ سکتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک ہی چیز میں لگے اچھے نہیں لگیں گے۔ اس
ان دونوں کو خاص فارمیشن دے کر جیولری ڈیزائن کی ہے اور یقیناً یہ ایک منفرد طریقہ ہے۔''

''جب ہی تو وہ فاراز بن گیا، ٹاپ ڈیزائنر۔'' اسفند نے کھل کر ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تو اس سے اصرار کرتا ہوں کہ وہ فیشن ڈیزائننگ میں بھی ہاتھ چلائے۔ یقیناً اس کے تیار کیے ہوئے
ملبوسات مارکیٹ میں ہاٹ کیک کی طرح بکیں گے، مگر وہ اس اصرار کے جواب میں ہاتھ جوڑ دیتا ہے۔''

''وہ ٹھیک کرتا ہے۔'' رباب نے کافی کی پیالی ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''دراصل وہ خود کو ایسے کام۔ خیال نہیں کرتا، اس کی نظریں کسی اور آسمان پر ہیں اور وہ اسی آسمان پر پرواز کرنا چاہتا ہے۔''

''وہ یقیناً کرے گا بھی کیونکہ اتنے عرصے کے تعلق میں، میں نے دیکھا ہے کہ وہ جس کام کا تہیہ کر لیتا کو کر کے چھوڑتا ہے اور اپنی عاجزی پسند طبیعت، محنت اور دوسروں کے کام آنے کے جذبے جیسی خصوصیات سے وہ اتنا بلیسڈ ہے کہ اس کے کام آسانی سے ہوتے جاتے ہیں۔'' اسفند کو فراز کی تعریف پر دل سے خوشی محسوس رہی تھی۔

''کیا آج ہم صرف فراز کے بارے میں باتیں کرتے رہیں گے۔'' رباب نے اس موضوع کو بدلنا چا

''نہیں، ہم اور بھی بہت سی باتیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً میں کافی دیر سے ایک بات کرنا چاہ رہا ہوں لیکن ا نہیں کر رہا کہ تم برا مان جاؤ گی۔'' اسفند نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکالتے ہوئے کہا۔

''تم میرے سامنے اسموکنگ نہیں کرو گے؟'' رباب نے تنبیہ کی۔

''ہمارے درمیان ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔'' اسفند نے اس کی بات کا نوٹس نہ لیتے ہوئے کہا۔ کروا اپنی ناک پر ٹشو پیپر رکھ لو۔ پرفیومڈ ٹشو پیپر۔''

''اگر ایسا ہے تو میں آئندہ تم سے ملنے سے پہلے سوچا کروں گی۔'' رباب نے ناراضی کا اظہار کیا۔

''تمھارے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہوگی۔ مجھ سے ملنے کو اب شاید تمہارا ویسے بھی دل نہیں چاہتا۔ مجھے ریجیکٹ بھی کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ بندہ مسکین تمہاری کوئی بات مانے تو کیسے مانے۔''

''اس بندہ مسکین کو خبر ہونی چاہیے کہ میں اس سے سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر چھین بھی سکتی ہوں۔ لہٰذا و چاپ اسے واپس رکھ دے۔'' رباب نے اسفند کی کہی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اچھی بات لگی مجھے۔ دوستی میں اتنا استحقاق تو ضرور ہونا چاہیے۔'' اسفند نے لائٹر اور سگریٹ واپس ہوئے کہا۔

''ویٹس گڈ۔'' رباب نے اس کی اس حرکت کو سراہا۔

''تم سناؤ، تمھارے شاہنواز احمد کا کیا حال ہے۔ زندہ ہیں یا لڑھک گئے؟''

''توبہ استغفار، کیسی دل شکن اور سخت باتیں کرتے ہو۔ خدا نہ کرے جو انھیں کچھ ہو۔''

''بڑی ہمدردی اٹھ رہی ہے جبکہ تمھیں علم ہے کہ ہر انسان نے یہاں سے واپس جانا ہی ہے۔'' اسفند اس کو تاؤ دلا رہا تھا۔

''تم زندگی اور موت کو بھی ذاتی پسند و ناپسند کے پیمانے پر کیوں تول رہے ہو۔ تمہارا کوئی پیارا موت دہانے پر کھڑا ہو تو کیا اس وقت بھی ایسے ہی بات کرو گے۔'' رباب نے تحمل سے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''شاہنوا سے تمہارا ذاتی عناد ضرور ہوگا لیکن یہ مت بھولو کہ وہ ایک قومی اثاثہ ہیں، ان کے لیے دعائے صحت کرنا ہمارا ہے۔''

''میرا اس شخص سے ذاتی عناد بھی کیا ہو سکتا ہے رباب!'' اسفند نے یکدم سنجیدہ ہو کر سر جھکاتے ہوئے ''بھائی میرا رہا نہیں جس کا پرپوزل اس شخص نے ٹھکرا دیا۔ باپ سے تعلقات بگڑ کر تہ ہونے کے برابر رہ گئے جو شاہنواز احمد کی بلیک میلنگ اور کروک طبیعت کے بارے میں بتاتا تھا۔ خود میں تو اس شخص سے کبھی ملا بھی نہیں۔ بھی اب مجھے تلخ یادیں دل سے نکال دینے کی عادت سی ہوگئی ہے۔''

اچھی عادت ہے۔ بھول جانا اور معاف کر دینا یہ پیغمبرانہ وصف ہیں۔ ہمیں ان کی تقلید میں اس وصف پر
ی کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔''
بتاؤ کہ تمہاری دوست سارہ شاہنواز بھی بھول جانے اور معاف کر دینے کی عادت اپنائی کہ نہیں۔''
ارہ کی بات دوسری ہے۔'' رباب نے فوراً حمایت کرتے ہوئے کہا۔ ''اسے زندگی سے مثبت باتیں سیکھنے
حالات ملے ہی نہیں پھر بھی وہ اچھی خاصی میچور لڑکی ہے۔''
تو وہ ہے۔'' اسفند نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تمھیں پتا ہے کہ میں تمہاری کہی بات پر کتنا یقین کرتا ہوں اور
نے کا ارادہ بھی کر لیتا ہوں۔''
لا......؟''
لاتم نے کہا کہ میری زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل کرنے کی حقدار صرف سارہ شاہنواز ہے۔ میں نے
بات پر یقین کر لیا اور اپنی ممی کی سماعت پر بھی یہ بم برسا دیا کہ میں سارہ سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا
مجھے یہ پوچھنے کا حق بھی تو دو کہ میں کیوں ایسا کروں گا۔''
نے میری بات کا یقین کرنے کے بعد یہ سوال کیوں کیا؟''
ونکہ یقین کرنا اور سوال کرنا، دونوں کے حقوق مجھے حاصل ہیں۔''
سارہ کو کتنا اور کیا جانتے ہو؟'' رباب نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔
اس سے ایک ہی تعارف رہا ہے اور وہ یہ کہ وہ میرے بھائی کو پسند تھی، اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔
ہو بھی گئی تھی مگر اس لڑکی کا نام میرے ذہن میں صرف اس وقت گونجتا ہے جب میں سوچتا ہوں کہ شہری
۔ اس کی اچانک موت کی ایک وجہ یہ لڑکی بھی ہے کیونکہ اس اچانک حادثے کے وقت سارہ، شہری کے
ی میں موجود تھی جس کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ شہری مر گیا اور سارہ بچ گئی پھر وہ پُراسرار طور پر جائے حادثہ سے
میں جگہ بناتے غائب ہوگئی۔ اس کی وہاں موجودگی کے تمام ثبوت پُراسرار طریقے سے مٹا دیے گئے۔
خود ہی اندازہ لگا سکتی ہو کہ سارہ شاہنواز کو میں کیا اور کتنا جانتا ہوں۔''
ا۔'' رباب نے غور سے اس کی بات سننے کے بعد کہا۔ ''اور یہ معلومات تمھیں کس نے فراہم کیں۔ میں
ہوں، فیروز بھٹی نے۔ ہے نا؟'' اسفند نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔
سارہ کو وہاں سے اس جائے حادثہ سے غائب کس نے کروایا۔ اس کی وہاں موجودگی کے ثبوت کس نے
تے ہو۔'' اسفند نے نفی میں سر ہلا دیا۔
فیروز بھٹی نے۔ شہریار کی نئی گاڑی کی بریکس کس نے فیل کروائیں۔ جانتے ہو؟'' رباب کی آواز بلند
ی فیروز بھٹی نے۔ سارہ اور شہریار کے پاس جو بچہ تھا جس بچے کی خاطر شہریار نے سارہ سے کورٹ
بچے کو یہاں سے اٹھا وہاں رکھوا، وہاں سے اٹھا، یہاں رکھوا والی گیم کس نے ڈالا جانتے ہو؟ اسی فیروز
رہ کو شہریار والے حادثے کے بعد ذہنی طور پر ہراساں کر کے اس سے ایک کے بعد ایک حماقت کس نے
فیروز بھٹی نے۔ بی بی زینب کے محلے میں بچے کو اسی نے رکھوایا۔ کڈز ہوم سے بچہ اسی نے اغوا کروایا۔
کے پاس بچہ فیروز بھٹی رکھوا کر آیا۔ بچے کے بارے میں تمھیں اور تمہاری والدہ کو کالز اس نے کیں۔
کارہ پر فائرنگ کر کے بچہ دوبارہ اس کے پاس سے اغوا کیا۔ اسی فیروز بھٹی نے تمہارا دل سارا کی طرف
ی فیروز بھٹی نے۔ تم جانتے ہو اسفند! تمہاری، تم سب کی زندگیوں کو بے سکونی، انتشار، حادثات،

پریشانیاں اور دکھوں سے ہمکنار کرنے والا ایک ہی شخص ہے اسفندیار! اور اس کا نام فیروز بھٹی ہے۔''

''تمھیں اس بات کا اتنا یقین کیسے ہے جبکہ اس سے ہماری کوئی دشمنی نہیں۔'' اسفند نے رباب کے اصرا
قطعی متاثر نہ ہوتے ہوئے کہا۔

''تمام واقعات اور تمام حالات ان سارے معاملات میں ایک ہی شخص کے ملوث ہونے کی نشاندہی
ہیں۔ میں بہت سی باتوں کو نہیں جانتی تھی مگر تمہاری بات سننے کے بعد اور خاص طور سے سارہ سے ملنے کے بعد
نے اپنے طور پر ان حالات کی کھوج لگانے کی کوشش کی اور اب سے کچھ دن پہلے تک میں اسی سلسلے میں انفارمیشن
رہی ہوں۔ میری ساری ریسرچ کا نتیجہ یہی نکلا ہے اور اس میں غلطی کا کوئی امکان ہے ہی نہیں۔''

''چلو پھر یہ وقت پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ تمھارے یقین کو سچ ثابت کر دے۔'' اسفند اب بھی چنداں مت
نظر نہ آ رہا تھا۔ ''مگر یہ میری بات کا جواب تو نہیں ہے رباب! میں نے تم سے پوچھا تھا کہ میں سارہ شاہنوا
شادی کیوں کروں۔''

''میری بات کے اندر ہی اس بات کا جواب موجود ہے اسفند! اگر تم غور کرو۔ تم سے ہر ملاقات کے بعد
یہ احساس پہلے سے زیادہ ہوا کہ تم اپنے مرحوم بھائی سے شدید محبت کرتے ہو۔ محبت کی اس شدت نے ہی تمھیں
کے پرسنل معاملات کو جاننے کی جستجو پر لگایا اور تم سارہ تک پہنچ گئے مگر تم نے اس معاملے کی اصلیت جاننے
کی کوشش ہی نہیں کی۔ گو میں نے سارا سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی بھی کسی کو وہ سب نہ سناؤں گی جو اس نے مجھے
حقیقت یہ ہے کہ تم ''کسی'' نہیں ہو، تمہارا ان معاملات سے براہِ راست تعلق ہے اور تمھیں ان کا علم ہونا چاہیے
مفروضوں اور غلط فہمیوں سے بچ سکو۔''

رباب نے رک کر ایک نظر اسفند کو دیکھا جو شاید اب اس کی بات پوری توجہ سے سن رہا تھا۔

''سارہ، شہباز سے اس وقت ملی جب وہ ملک کی ٹاپ ماڈل بننے کی دوڑ میں شامل تھی، مرد کے بارے
لڑکی کی اپنی سوچ اور معیار ہوتا ہے۔ سارہ کا بھی تھا اور اتفاق سے اس معیار پر شہریار محمد پورا اترا۔ سارا پہلی
میں اس کی شخصیت سے متاثر ہو گئی اور اس نے ہر اس جگہ پہنچنے کی کوشش شروع کر دی، جہاں شہریار کی مو
امکان ہو سکتا تھا۔ اس نے اس کے قریب رہنے کے لیے وہ تمام حربے استعمال کیے جو اس عمر کی ایک امپورٹڈ
تھی مگر شہریار کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ بہت عمدہ شخصیت رکھنے کے علاوہ انتہائی مختلف، بلند اور پختہ سوچ کا ما
سارہ جیسی لڑکی اس کا معیار ہو ہی نہیں سکتی تھی۔''

''یہ تم سراسر غلط بات کر رہی ہو۔'' اسفند نے رباب کو ٹوک دیا۔ ''شہری کی پرسنل فائلز سارہ کی تعریف
لکھے گئے جملوں سے بھری پڑی ہیں۔''

''تم یہ بات یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو۔ کیا ان میں کہیں سارہ کا نام بھی لکھا ہے؟''

''نام تو شاید نہیں مگر اس کی تصویریں موجود ہیں ان فائلز میں۔''

''تم میری بات کو مکمل ہو لینے دو، تمھیں تصویروں کی حقیقت کا علم بھی ہو جائے گا۔'' رباب نے اسے
رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''چلو میں نہیں بولتا۔'' اسفند ایک مرتبہ پھر ہمہ تن گوش ہوا۔

''شہریار کو متوجہ کرنے کی سارہ کی تمام کوششیں ناکام رہیں پھر اس نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ شہریا
کیوں اتنا نظر انداز کر رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ شہریار انتہائی بے باک اور شوخ لڑکیوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا،

چلے اور مزاج کے ساتھ اس کے سامنے آتی تو شاید وہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا لیکن معاملہ یہ بھی تھا کہ شہریار،
وہ، نامی لڑکی کے ساتھ بے حد انوالوڈ تھا اور اس سے شادی کر لینے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اس نے
ائی اور کم آمیزی اختیار کر رکھی تھی۔''

''صبا مسعود سے شادی کرنے میں وہ کیوں ناکام رہا؟'' خلافِ وعدہ اسفند نے اس کو پھر ٹوک دیا۔

''ظالم سماج ہی ایک وجہ ہو سکتی تھی۔'' رباب نے یوں ٹوکے جانے اور اپنا انہماک ٹوٹنے پر اسے غصے سے
ہوئے کہا۔

''اُفوہ بھئی، بڑی روایتی سی کہانی ہے۔'' اسفند کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے رباب کی سنائی کسی
یقین نہیں آیا تھا۔

''تم نے سنی ہے یا نہیں؟'' رباب تنگ آ کر بولی۔

''آئی ایم سوری میم!'' اسفند نے مسخرے پن سے کہا ''لیں، میں کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں۔ اب نہیں بولوں

''سارہ نے اپنے انداز و اطوار بدل ڈالے۔ اس کی خاطر کم از کم شہریار کے سامنے، اگرچہ اس عرصے میں وہ
ماڈل بن چکی تھی۔ اس کی تمام تر کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہریار نے کچھ کچھ اس کی موجودگی اور شخصیت کا نوٹس
وع کر دیا۔ ایک آدھ بار کسی فیشن شو میں اس نے سارہ کے گیٹ اپ اور ماڈلنگ کی تعریف بھی کی۔'' سارہ کے
بھی بڑی کامیابی تھی۔

''بڑی جلدی......'' اسفند نے کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر رباب کے تیور دیکھ کر چپ ہو گیا۔

''ان ہی دنوں صبا مسعود کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور صبا واپس اپنے والد کے گھر آ گئی۔''

''یہ تو اچھا ہو گیا، ظالم سماج والی مجبوری ختم ہو گئی۔'' اسفند کی گفتگو سے لگ رہا تھا جیسے وہ اس کہانی کو افسانوی
کی طرح سن رہا ہے اور اسی طرح اس سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

''اگر تم یونہی بولتے رہو گے تو میں تمھیں کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔'' رباب اس مرتبہ بالکل ہی برا مان گئی۔

''اچھا سوری۔'' اسفند فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

''صبا کے شوہر کے انتقال کے وقت صبا کے ہاں بچے کی ولادت متوقع تھی۔ شوہر کے انتقال کا صبا پر بہت برا
اور وہ بیمار رہنے لگی۔

''شہریار کو خوب موقع ملا ہو گا اس کی تیمارداری کا۔'' اسفند اپنے وعدے پر دو منٹ بھی قائم نہیں رہ سکا۔

''یقیناً وہ اس کی تیمارداری کرتا رہا ہو گا۔''

رباب اس بار اس کے ٹوکنے پر برا مانے بغیر بولتی گئی۔

''لیکن ڈیلیوری سے کچھ ہفتے قبل صبا کی حالت انتہائی خراب ہو گئی۔ اس کا بی پی لو رہتا تھا اور ہارٹ بیٹ
کمزور۔ ان ہی دنوں یونہی اس نے شہریار سے درخواست کی کہ اگر وہ بچے کو جنم دینے کے بعد زندہ نہ رہ سکی تو اس
شہریار اڈاپٹ کر لے، اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ وہ بچہ شہریار کا نہیں تھا، ماسوائے صبا کے والد اور
ماں کے۔''

''عجیب سی بات ہے۔'' اسفند نے بے یقینی کا اظہار کیا۔ ''صبا کے سسرال والے کہاں گئے اور دل نہیں مانتا
کہ ماڈرن ایج میں بھی کوئی لڑکی زیبا، شبنم اور شمیم آراء کے زمانے کی فلموں کی ہیروئنز کی طرح ہیرو کو یوں وعدوں

کا پابند کرسکتی ہے اور اگر وہ کرنے کی کوشش بھی کرے تو کوئی لڑکا یوں پابند ہو بھی جائے۔"

"تمھیں یقین نہیں آ رہا ہوگا، بہر حال ہوا ایسے ہی تھا۔ اس کی تصدیق صبا کے بھائیوں سے کی جاسکتی ہے۔ رہا سسرال والوں کا سوال تو انھوں نے تو اپنے بیٹے کی ڈیتھ کے فوراً بعد ہی صبا سے اعلان لاتعلقی کر دیا تھا۔"

"پھر شہری نے یہ درخواست مان لی۔" اسفند نے رباب کو آگے سنانے کا اشارہ دیا۔

"مان لی یا نہیں، اس کا تو درست اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ البتہ ان دنوں وہ بہت اَپ سیٹ رہنے لگا تھا اور وہ دن تھا جب سارہ سے شہریار کے تعلقات پہلے کی نسبت بہت بہتر ہو گئے۔ شہریار نے سارہ کو صبا کے بارے بتایا اور یہ اس بات کی نشاندہی تھی کہ وہ سارہ پر اعتماد کرنے لگا تھا۔ ڈیلیوری کے وقت صبا مختلف قسم کی پیچیدگیوں کا شکار ہو گئی اور پھر اس کی ڈیتھ ہو گئی۔"

"ویری سیڈ، آگے چلو۔" اسفند نے کہا۔

"شہریار پر صبا کی ڈیتھ کا بہت اثر تھا اور جن دنوں وہ جذباتی طور پر کمزور اور اداس ہو رہا تھا، ان ہی دنوں ا کی سارہ شاہنواز کے ساتھ دوستی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ شہریار نے سارہ کو بتایا کہ وہ ہر حال میں صبا کے ساتھ کی ہ کمٹمنٹ نبھانا چاہتا تھا لیکن وہ یہ کیسے نبھا سکتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سارہ نے اس کے جواب میں ا پیشکش کی کہ اگر شہریار، سارہ سے شادی کر لے تو وہ اس بچے کو ماں کی حیثیت میں گود لے لے گی۔ کچھ اس طرح کہ کسی کو خبر تک نہ ہوگی۔ شہریار ان دنوں صبا کی وجہ سے اتنا جذباتی ہو رہا تھا کہ اسے یہ تجویز بہت پسند آئی۔ اس اپنے والدین سے سارہ شاہنواز کے ساتھ شادی کی بات کی جس کے ردعمل سے تم بخوبی واقف ہو۔ سارہ کے و کاری ایکشن بھی تقریباً یہی تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے پھر ان دونوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ا دوسرے کے انتہائی قریب اور لوگوں کی نظروں میں آنے کی کوشش شروع کر دی۔ دبئی، قاہرہ، انگلینڈ، اٹلی، پیرا سارہ اور شہریار کئی جگہوں پر اکٹھے گئے۔

لندن کے ایک نرسنگ ہوم میں سارہ کے نام کو شہریار نے نجانے کس طرح انٹر کروایا اور پھر کچھ عرصہ انھوں نے کورٹ میرج کر لی۔ صبا مسعود کے بھائیوں سے بچہ قانونی طور پر اپنے نام لے لیا۔ اس کامیابی پر شہریا دل کسی اور وجہ سے مسرور تھا اور سارہ کا کسی دوسری وجہ سے۔ شہریار، صبا کی روح کے سامنے سرخرو ہو گیا اور سار شہریار مل گیا۔ شہریار کا خیال تھا کہ یہ سارہ کی بہت بڑی قربانی تھی جس نے اس کا دل جیت لیا تھا اور یہ تھی بھی۔"

رباب سناتے سناتے لمحہ بھر کو رکی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس وقت اسفندیار اس کی بات کو توجہ سے سن رہا تھا

"ان دونوں نے جوہر ٹاؤن میں ایک گھر کا بالائی پورشن کرائے پر لے لیا تھا اور جلد ہی وہ ایک نئی زندگی آغاز کرنے والے تھے۔ بچہ اس وقت سارہ کی ایک دوست زینی پاشا کے پاس تھا۔ جب گھر کے لیے کچھ خریداری کے لوٹتے ہوئے ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ سارہ اس وقت شہریار کے ساتھ موجود تھی مگر معجزانہ طور پر ا صرف معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ ڈرائیور سائیڈ پر گاڑی مکمل طور پر پچک گئی تھی۔ لوگوں کا ہجوم بڑھنے کا امکان تھا۔ وقت شام کی تاریکی پھیل چکی تھی اور اتفاق سے وہ روڈ بھی اتنی روشن نہیں تھی۔ جب ہی سارہ کو اردگرد جمع لوگوں میں ایک شناسا چہرہ نظر آیا۔ فیروز بھٹی کا چہرہ جو اس کی سائیڈ کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے منہ اندر ڈالے اسے باہر نکل آنے اور فرار ہو جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

"تم پھنس جاؤ گی سارہ! بہت مشکل میں پڑ جاؤ گی۔ تم کہیں یہ ثابت نہیں کر سکو گی کہ تم کون ہو اور اس وقت شہریار کے ساتھ کس حیثیت میں موجود ہو۔ دیکھو یہ محض حادثہ نہیں ہے۔ شہریار نے غالباً ڈرگز لے رکھی ہیں۔ تم

میں پڑ جاؤ گی۔ وہ تو مر رہا ہے، تم جیتے جی مر جاؤ گی۔" وہ جملے اتنے الجھا دینے والے تھے کہ سارہ بغیر سوچے ی سے باہر نکل آئی۔ فیروز نے کمال صفائی سے اسے لوگوں کے درمیان سے نکالا۔ قریب ہی اس کی گاڑی ی، وہ اسے لے کر وہاں سے نکل گیا۔ جائے حادثہ پر موجود لوگوں میں سے کوئی بھی پُر یقین نہیں تھا کہ یں کوئی لڑکی بھی موجود تھی۔ لڑکی کی موجودگی کی نفی کرنے والوں میں میرے اندازے کے مطابق فیروز بھٹی بھی تھے۔

سارہ کے لیے یہ ایک خوفناک حادثہ تھا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔ ان دنوں میں وہی فیروز بھٹی اس کی عث بنتا رہا اور بقول سارہ کے اس نے اسے ہر طرح کا جذباتی سہارا دیا۔ بچہ ان دنوں زینی پاشا کے ہاں خصوصی آیا اس کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔ سارہ جب نارمل زندگی کی طرف لوٹی تو وہ یقیناً بہت بدل چکی ں کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اسے مل کر چھن چکی تھی جس شخص کے لیے وہ اپنا کیریئر داؤ پر لگانے والی اسے چھوڑ کر جا چکا تھا۔ فیروز بھٹی اور زینی پاشا نے سارہ کو اکسایا کہ وہ اس بچے سے چھٹکارا حاصل کرے اور کے بھائیوں کو واپس کر آئے لیکن یہی ایک بات تھی، جس پر سارہ نے ان سے اختلاف کیا۔ بچے کی شکل میں نزدیک شہریار کی ایک جیتی جاگتی نشانی اس کے پاس تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ جتنے دن شہریار زندہ رہا، بچہ رنے کے بعد اس نے اسے اتنا پیار دیا، جتنا شاید اس کے سگے والدین بھی نہ دے سکتے۔ سو سارہ نے بچہ ار کھ لیا۔

یہاں پھر فیروز بھٹی نے اپنا وار چلانا شروع کیا۔ اس نے اس سے کہا کہ صبا کے بھائی یا شہریار کے والدین بچہ پاس رہنے نہیں دیں گے کیونکہ شہریار کے والدین کو یہی بتایا جائے گا کہ بچہ شہریار کا ہے۔ اسی فیروز بھٹی نے بی زینب کے محلے کی عورت عائشہ کے متعلق بتایا اور جذباتی بلیک میلنگ کے ذریعے اس سے بچہ وہاں چھڑوا کی کہانی تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو۔ سارہ نے فیروز بھٹی کے کہنے پر عائشہ کے پاس بچہ رکھوا دینے کے نوں تک اس کی بے حد خدمت کی، انہی دنوں میں اس کا سامنا بی بی زینب سے ہوا، جنھوں نے اسے اس کے متضاد راستہ دکھایا جس کے متعلق اس وقت اسے کسی نے نہیں بتایا تھا۔ قریب تھا کہ وہ سچا، روشن اور سیدھا ی۔ تم نے اسے فون کر کے ڈرا دیا۔ اس سے پہلے وہ نتھیا گلی میں تمھیں دیکھ کر خاصی خوفزدہ ہو چکی تھی۔ اسے کہ تم شہریار کے کتنے قریب تھے اور تم ہی وہ شخص ہو سکتے تھے جو شہریار کے پرسنلز کے متعلق جاننا چاہتے تھے۔ بھی فیروز نے اسے ڈرا دیا۔ فیروز نے اسے بتایا کہ تم بچے کو اس سے چھین لو گے اور یہ بھی کہ تمھیں علم ہو چکا شے کے وقت شہریار کے ساتھ سارہ بھی موجود تھی۔ اس نے سارہ کو بچے سے ملنے سے منع کر دیا اور اسے اس حد زدہ کر دیا کہ اس نے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔

ان ہی دنوں خوف، غم اور ڈپریشن کو دور کرنے کے لیے فیروز نے سارہ کو ڈرگز پر لگا دیا۔ سارہ کے لیے دوسری پنے والد کا رویہ بھی تکلیف کا باعث تھا، جنھوں نے کبھی اس کے دل کی بات جاننے اور اس کے دکھ کو محسوس کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ ایک بار پھر نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہونے لگی۔ اس کا کام ساتھ ساتھ جاری تھا مگر حالت کی وجہ سے بہت کم لوگ اسے شوز اور ایڈز میں کام کرنے کی آفر دے رہے تھے۔ اسی قسم کے کسی شو کے ئی گئی اور پھر وہیں کی ہو کر رہ گئی۔ اس کا کیریئر ختم ہو گیا اور وہ مکمل طور پر نشے میں ڈوب گئی۔

س کی دوست زینی پاشا جو اس وقت دبئی میں مقیم تھی۔ وہ ہی اس وقت اس کے کام آئی اور اس نے سارہ کو اسے ڈرگز کی عادت سے نکالا، پھر اس نے فیروز بھٹی کے ساتھ مل کر فیشن ڈیزائننگ اور فیشن شوز منعقد

کرانے شروع کر دیے اور تا حال وہ یہ ہی کام کر رہی ہے۔ بچہ کو عائشہ نجانے کہاں چھوڑ کر غائب ہو گئی سارہ نے ا
دکھ کو بھی دل سے لگا لیا۔ والد کی بے گانگی اور سرد مہری اس کا اضافی دکھ بن گئی تھی اور یوں سارہ شاہنواز وہ شخصیت ب
گئی جس کا اس نے خود بھی کبھی اندازہ نہیں کیا تھا۔"

رباب نے بات مکمل کی تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں اور اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

"کیا تمھیں اس ساری کہانی پر یقین ہے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے اسفند کی بھاری آواز سنی۔

"اگر یقین نہ ہوتا تو تمھیں کبھی نہ سناتی۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ "جب میں تم سے ملی تھی یہاں لاہور میں
پہلی بار۔" پھر اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "تو مجھے شہریار کی ڈیتھ کے بارے میں بالکل بھی علم نہیں تھا۔ پھر تم نے مجھے سا
کے بارے میں بتایا۔ اتفاق سے سارہ سے میری شناسائی رہ چکی تھی۔ تمہاری خاطر میں نے اس سے تجدید دوستی کی ا
پھر جو میں نے سنا۔ وہ تمھارے سامنے سنا دیا۔ اس کی صداقت پر مجھے شک اس لیے بھی نہیں کہ سارہ کو اپنے حعا
ایسی باتیں مجھے سنانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ جس جذباتی اور ذہنی بحران کا شکار ہو چکی ہے۔ اس میں اسے مر
ایک ہمدرد سامع کی ضرورت تھی جو میری شکل میں اسے مل گیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ تمھارے اس بھائی جو تمھیں جان۔
پیارا تھا کے لیے اتنی قربانیاں دینے والی لڑکی وہ اس بات کی حق دار نہیں کہ تمہاری زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل
سکے۔" رباب نے سوال کیا۔

"میں تمہاری اس بات پر کوئی کمنٹ نہیں کروں گا، فی الحال۔" اسفند نے لمبا سانس لے کر چہرے پر ہا
پھیرتے ہوئے کہا۔

"فیروز بھٹی!" اب اس کے ذہن میں بھی یہ ہی ایک نام گونج رہا تھا۔

"اچھا پھر مجھے گھر ڈراپ کرتے ہو یا نہیں، میری گاڑی آج خراب ہے۔" وہ اس وقت فریڈیز کینے
بیٹھے تھے وہ اسفند کے ساتھ اپنے آفس سے یہاں آئی تھی۔

"مجھے معلوم ہے۔" اسفند نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ میں تمھیں چھوڑ آؤں۔"

رباب کے گھر پہنچنے تک وہ دونوں خاموش رہے۔ رباب اسفند کی ذہنی حالت کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے اس
خاموشی کو نظر انداز کر دیا۔

……۞……

فراز اور ماسٹر جی ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں خاموش تھے باہر صبح کا اجالا پھیل
تھا۔

"آپ کمبل اچھی طرح اوڑھ کر لیٹ جائیں ماسٹر جی، آپ تھک جائیں گے۔" فراز نے اس خاموش
توڑنے کی خاطر کہا۔ جواب میں وہ ابھی بھی خاموش رہے۔

"آپ ناراض ہو گئے مجھ سے ماسٹر جی؟" فراز نے پوچھا۔

"نہیں یار! میں نے تجھ سے کیوں ناراض ہونا ہے۔" ماسٹر جی نے کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ تو نے
سارا کچھ اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ کسی سے کچھ نہ کہا، نہ مجھ سے نہ اس بدنصیب سے، تو بڑا آدمی ہے فراز احم
تیرے بھاگ بڑے اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنے اتنے سارے رازوں کا امین بنائے، وہ بڑا قسمت و
ہوتا ہے یار! کسی راز کا امین ہونا بڑی بھاری بات ہوتی ہے۔ بہت بڑی ذمہ داری تو ابھی بہت چھوٹا ہے، فراز بان
اتنا مجبور اتنا باشعور کیسے ہو گیا؟"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں ماسٹر جی!" فراز نے سر جھکا کر کہا۔ "میری کیا اوقات ہے جی یہ تو اتفاق ہے
اس نے سر اٹھایا۔ "میرے لیے بڑی مشکل تھی جی آپ کو بتانے کی سوچتا تو آپ کی ناراضی کا ڈر رہتا۔ ان
یہ کہتا تو وہ ناراض ہو جاتے۔ ویسے بھی ماسٹر جی جب میں پہلی مرتبہ ان سے ملا تھا اس وقت وہ دماغ داری کی
نچ پر پہنچ چکے تھے جہاں اس قسم کی بات سننا گوارا نہیں ہوتا، میں نے دانستہ ان سے اپنا غلط تعارف کروایا کیونکہ
ان کی کمپنی میں وقت گزارنا چاہتا تھا۔ یہ جانچنا چاہتا تھا کہ کہاں کچھ غلط ہوا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ میں ان کی اصل
ت کا کھوج لگاؤں۔"

"اصل شخصیت تو کیا ہونی ہے پتر جی! تو دیکھ اس بدقسمت نے کتنوں کی زندگیاں ضائع کر دیں۔ وہ بچی جس
نے بتایا۔ اس نمانی کی کوئی ماں بھی ہو گی۔ وہ کرسچن نرس اور پھر اس کی بچی غریب، جس پر ابھی بھی اتنا ظلم ہوا اور
ر اس کی حماقتوں کا اور کون کون کتنا شکار ہوا ہو گا۔"

"آپ اسفند بھائی کے بھائی شہریار محمد کو بھول گئے ماسٹر جی! آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں نے اس شخص کی
ریف سنی ہے۔ مختلف لوگوں سے، ان کی زندگی مختلف تضادات کا شکار محض اس لیے ہوئی کہ ان کے والدین کو
از صاحب اپنی ابتدائی زندگی میں بلیک میل کرتے رہے۔ وہ کام جو سیدھے طریقے سے ہو جاتا، الٹے طریقے
وا اور اپنے پیچھے کتنی پیچیدگیاں چھوڑ گیا۔"

"اسی لیے۔" ماسٹر جی نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے میں تم سے کہتا تھا کہ میں نے اسے اس لیے چھوڑ دیا
صرف میرا گستاخ نہیں تھا۔ وہ اللہ سے سرکشی کرنے پر اتر آیا تھا۔ سو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ میں اس کے کسی
ا کا شریک نہیں بننا چاہتا تھا۔"

"مگر ان کی ذات کا صرف یہ ایک تاریک پہلو ہی تو نہیں ہے ماسٹر جی! دوسری طرف انھوں نے بڑا نام کمایا
پنے میدان میں۔ اتنا نام اور ایسا بڑا مقام کہ پاکستان میں آرٹ کے شعبے کی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں
۔ نا صرف پاکستان میں بلکہ عالمی سطح پر بھی ان کے بے شمار مداح ہیں۔ ان کے کام پر کئی پیپرز مقالے اور ریویوز
جا چکے ہیں۔ کئی یونیورسٹیز میں ان پر تھیس لکھے گئے ہیں۔ یہ سب کامیابیاں ایک عام شخص کے بس کا روگ
کچھ تھا تو سہی ان میں جب ہی وہ اتنا کچھ کر گئے۔" فراز نے انھیں تصویر کا دوسرا رخ دکھانا چاہا۔

"اور یہ سب تو یہیں رہ جانا ہے فراز باؤ۔ آگے کیا لے کر جائے گا، کون سا عمل پیش کرے گا اس کے حضور کیا
گا۔ میں لوگوں کو بلیک میل کرتا تھا اور ان سے پیسہ بٹورتا تھا۔ میں عورتوں کو خراب کرتا تھا، شراب پیتا اور جوا کھیلتا
تا مجھے فراز احمد، کیا جواب دے گا وہ؟"

ماسٹر جی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"ٹھیک کہتی تھی مرحومہ رقیہ بی بی کہتی تھی۔ ماسٹر جی! آپ نے اس سے لاتعلقی اختیار کر لی اور اسے بھول
کی کوشش کرتے ہیں، یہ تو سوچیں اس کو نیک ہدایت دینے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا ہونے کے
ان دعا کرے گا۔ وہ تو تنہا رہ جائے گا راہوں میں رلنے کے لیے، وہ ٹھیک ہی تو کہتی تھی، ٹھیک ہی کہتی تھی۔" اب
ی غالباً خود اپنے آپ سے مخاطب تھے۔

"آپ کہیں تو میں آپ کو لے چلوں ان کے پاس۔" فراز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کو کس طرح تسلی

"او نا یار! وہ فوراً بولے "مجھے دیکھ کر تو وہ ضرور مر جائے گا نہ بھی مرتا ہوا تو۔" انھوں نے فوراً انکار کر دیا۔

”پھر کیا کریں ماسٹر جی؟“ فراز نے بے بسی سے پوچھا۔

”کچھ بھی نہ کر، تو بس یوں کر کہ ان سب کو ناشتہ کرا کے واپس بھیج دے، سب کے کاموں کا حرج ہو انھوں نے نیچے قالین پر سوئے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں یہاں ہی رہوں گا، مل کر اس کے لیے کریں گے۔ یہاں اس کی خیر خبر تو ملتی رہے گی۔ تجھے تکلیف تو نہ ہوگی فراز احمد؟“

”کیسی بات کر رہے ہیں ماسٹر جی؟“ فراز نے کہا۔

میرے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ آپ میرے پاس رہیں۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ چھوٹا محدود سا کمرہ ہے۔ آپ کو تو تکلیف نہ ہوگی یہاں۔“

”میری تکلیف، آرام کا خیال نہ کر، میں بڑے آرام سے رہوں گا یہاں، تو ان نمانوں کو فارغ کر۔“

”جی ماسٹر جی!“ فراز اٹھ کر باہر نکل گیا۔ وہ ان سب کے لیے ناشتہ لینے جا رہا تھا۔

……۞……

”کیا چیاؤں پیاؤں لگا رکھی ہے اس الو کے پٹھے نے۔“

”اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں، تم یہ بچہ یہاں لے آئے ہو، اب کرو اس کی آیا گیری!“

”تو بڑا ذلیل ہے، مجال ہے ایک بار بھی کوئی مدد کی ہو اس سلسلے میں تجھے پتہ ہے، یہ بچہ گلے میں پڑی ہڈی طرح پھنس گیا ہے میرے حلق میں۔“

”وہ جو خاتون رکھی تھی تو نے بچے کے لیے، اس کا کیا ہوا؟“

”وہ بھاگ گئی، اس کم بخت نے اسے چین سے ایک دن بھی نہیں رہنے دیا۔“

”تجھے پتا ہے کہ تو واچ ہو رہا ہے کئی سمتوں سے، یہ سارا معاملہ بہت سے لوگوں کے کانوں تک پہنچ چکا ہے ککودی ڈانسنگ ڈول زخمی شیرنی کی طرح پھنکار رہی ہے اور اب وہ کیا کیا کچے چٹھے لوگوں کو نہ سنائے گی تو بتا۔“

”جہنم میں جائے گی سیدھی کچے چٹھے سنا کر، بس ایک گولی کی مار ہے وہ جو ضائع کرنے کا افسوس مجھے ضرا ہوگا۔ مسئلہ تو سارا میرے روحانی والد صاحب نے کھڑا کر رکھا ہے جو بچے والے معاملے کو میری حماقت قرار دے رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہی تو کہتے ہیں والد صاحب، ان کا تجربہ وسیع ہے، گھاٹ گھاٹ کی ام الخبائث پی رکھی ہے انھوں نے۔“

”ایک دل تو چاہتا ہے اس الو کے پٹھے کو گلف کے شیخوں کے حوالے کر دوں، جتنا یہ دماغ کا تیز بچہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بڑا اچھا جوکی بنے گا۔“

”تیرا دماغ ہے کہ شیطان کا کارخانہ۔ تجھے خدا کا خوف بالکل ہی نہیں رہا یار!“

”پو! تجھے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ معاملہ کی سمجھ نہ آئے تو خدا کے ڈراوے نہ دینے بیٹھ جایا کر، ہم شیر ہیں شیر عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر گھر میں نہیں بیٹھ سکتے۔“

”کون سا زمانہ چل رہا ہے یار! آج کل کون سی عورتیں چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ رہی ہیں، مگر میں تجھے مشورہ دے رہا ہوں کہ بچے کو کسی شیخ وشخ کے حوالے نہ کرنا، تجھے سارے قتل، سارے ڈاکے اور پیشے ہضم ہو سکتے ہیں مگر یہ ظلم ہضم نہ ہوگا، اس بچے کو رولنگ اسٹون بنا رکھا ہے تم لوگوں نے، اس معصوم کا کیا قصور ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ چوسنی جو میں بچے کے لیے لے کر آیا تھا۔ وہ تجھے دے دوں، تجھے زیادہ ضرورت ہے؟

”میں تیرا دوست ہوں یار! دوست کا کام ہے اچھا مشورہ دینا، وہ میں نے دیا، اب آگے تیری مرضی ہے۔“

”ایک درخواست ہے تجھ سے یار! بس منہ بند کر، دیکھتا جا جو ہوتا ہے۔“

”میرا منہ بند ہونے سے تیرا بھلا ہوتا ہے تو یونہی سہی، مگر یہ تو بتا کہ اگر اسفند یار نے بچے کے معاملے میں ...نہ لی تو تو کیا کرے گا۔“

”نہ لے وہ دلچسپی، ادھر سارہ بیٹھی ہے نا دلچسپی لینے کو، واقعات سے واقعات ٹکرائیں گے۔ اب تو فائنل گیم ...والی ہے یار! شاہنواز احمد بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے۔ آفتاب کے گھر کا شیرازہ بکھر گیا ہے، اب تو فائنل ٹچز باقی ...اس کہانی کی صورت نکھر کر آئے گی پھر دیکھنا تم۔“

”دیکھنے کی خواہش بھی ہے پر دل بھی ڈرتا ہے اینٹی کلائمکس، کلائمکس میں تبدیل ہو گیا تو؟“

”منہ اچھا نہ ہو تو بات تو اچھی کرنی چاہیے، یہ بھِڑ کا جال ہے بھِڑ کا، اس بھٹ میں آ کر کوئی کم ہی سلامت ...جاتا ہے، تو اینٹی کلائمکس اور کلائمکس دونوں ہی دیکھے گا۔ جسٹ سے یسٹ آف لک بھئی، یسٹ آف لک۔“

……۞……

”لینا! تم اپنا پور گرینی کو دیکھنا واسطہ کیوں نہیں آیا ڈارلنگ! تم کو ذرا برابر بھی فکر نہ ہوا امارا؟“ ایلس لینا سے ...رہی تھی جو اپنی دادی کی حالت دیکھ کر بے حد پریشان تھی۔

”ام جلھم جلھم ...... (زخم زخم) ہو گیا، وہ کھنزیر کا بچہ، للّی کو ہینڈی کیپڈ (معذور) کر گیا، سب خلاص ہو گیا۔ وہ ...جس کالیا للّی اتنی پاپڑ بیلا۔“ گرینی اپنی دھن میں کہے جا رہی تھی۔

”لینا فار گاڈ زسیک، اس صاب کا، اس اسفند صاب کا ترلا کرو، وہ ام دونوں پور لیڈیز کو یہاں سے نکال کر کسی ...الا اسپتال میں لے جائے۔“ پھر ایلس نے لینا کا ہاتھ پکڑ کر اس کی منت کی ”یا اس جینٹل لیڈی کا جو تمارا انتظام ...رپنڈی میں۔“

”میں نے آنٹ نینی سے بات کی تھی گرینی! انھوں نے وعدہ کیا ہے، وہ مشن کے ذریعے آپ کے لیے کچھ ...ں گی۔“

”مشن کو چھوڑ دیو، مشن کچھ کرنے کا نا ئیں اے۔ تم اپنا صاب یا لیڈی صاب سے باٹ کرنا واسطہ جاؤ، اونلی وہ ...ای امارا ہیلپ کرنے کا اے، تم کو جیزس کرائسٹ کا واسطہ لینا، امارا واسطہ، ام پور لوگ کا واسطہ کچھ کرو۔“ ایلس ...نا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

”گرینی پلیز۔ شور مت کرو، کچھ بہتر ہو جائے گا۔ اس طرح شور کرنے سے کچھ نہیں ہونا۔“ لینا نے نیچے آواز ...ا۔

”آؤ لینا! ہم للّی کو دیکھ آئیں، وہ دوسرا وارڈ میں ہے۔“ انکل ڈینس نے اپنی واکنگ سٹک پر دباؤ ڈال کر ...ہوئے کہا۔

”للّی!“ لینا نے آنکھیں میچ کر سوچا۔ ”وہ کس طرح سامنا کر پائے گی للّی کا وہ شوخ و شنگ، تیز طرار، فیشن ...تلیوں کی طرح اڑتی پھرتی لڑکی، جسے رشتوں اور اخلاقی اقدار سے کوئی غرض نہیں تھی اور جو صرف اپنا مطلب ...نا جانتی تھی جہاں سے بھی، جیسے بھی۔ وہ للّی کو ایسی بے بسی کے عالم میں پڑا کیسے دیکھے گی۔ وہ سوچ رہی تھی مگر للّی

سے اسے بہر حال ملنا تھا اور اسے سامنے پا کر اس کا دل حیرت کے سمندر میں تیرنے لگا۔ سادہ چہرے اور نقاہت زدہ وجود کے ساتھ جو لڑکی اس کے سامنے تھی، وہ اس للی ڈی سوزا کا پرتو بھی نہیں تھی جسے لینا جانتی تھی۔ لینا کو دیکھ کر اس نے دکھ سے شکوہ کیا تھا۔

"لینا! میں نے کبھی سوچا نہ تھا کہ مجھ پر ایسی مصیبت آئے گی تو تم مجھے دیکھنے بھی نہ آؤ گی۔"

لینا کے پاس اس کے اس شکوے کا کوئی جواب نہ تھا، پھر باقی کا وقت وہ انتہائی تحمل اور سکون سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ گرینی کے برعکس اس نے اپنے ساتھ ہونے والے حادثے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات سے خاموشی سے سمجھوتا کر لیا تھا، یوں جیسے اس نے جان لیا تھا کہ جو راستہ اس نے اپنایا تھا، اس کا اختتام اسی موڑ پر ہوتا تھا۔

"شاید ایک ہفتے تک میں اِدھر سے ڈسچارج ہو جاؤں، انکل ڈینی پلیز، آپ سیموئیل وغیرہ سے کہہ کر گھر کی صفائی کروا دیجیے گا۔" وہ انکل ڈینس سے کہہ رہی تھی۔

"تم واپس کمپاؤنڈ چلی جاؤ گی للی؟" آنٹ سوسن بے یقینی سے پوچھ رہی تھیں۔

"اور کہاں جانا ہے آنٹ سوسن!" وہ ہولے سے مسکرا کر بولی تھی "چیزوں اور انسانوں کو اپنے اصل کی طرف ہی لوٹنا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اصل ہی میں سوٹ کرتے ہیں۔ انکل ڈینی! ہم نے یہ بات انگلش کی کتاب میں پڑھی تھی جب ہم سکستھ گریڈ میں تھے۔ ہے نا لینا؟" للی نے لینا کی طرف دیکھا۔ "اس وقت تو اس بات کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن اب سمجھ میں آتا ہے، ٹھیک ہی ہے جب تک کیفیات ہم پر سے گزر نہ جائیں، ہمیں ان کا احساس نہیں ہو پاتا۔"

"یہ للی ڈی سوزا بول رہی ہے، بلبل دی ڈانسنگ ڈول یا پھر کوئی اور، کیا اس کی روح نے نیا جنم لیا ہے۔" لینا نے ایک مرتبہ پھر دل میں سوچا "او خداوند، تو ایسے حالات کیوں پیدا کر دیتا ہے جو انسانوں کو اتنا بدل دیں کہ ان کے چہرے بھی پہچانے نہ جائیں۔"

"میں نے پرسوں یہاں ایک پیشنٹ سے موبائل لے کر کچھ ڈائریکٹرز سے بات کی تھی میری کچھ پے منٹس باقی تھیں ان کی طرف، لیکن یہ کام صرف ایک مرتبہ فون کرنے سے نہیں ہوگا۔ انھیں تو بار بار یاددہانی کرانا پڑے گی۔" اب وہ اپنے مالی امور انکل ڈینس کو سمجھا رہی تھی۔

"تم یہ لے لو۔" لینا نے اپنے بیگ سے موبائل نکال کر للی کو پکڑا دیا "میں نے کل ہی اس میں کارڈ ڈلوایا تھا اور ابھی اس میں کافی بیلنس موجود ہے۔"

"تھینک یو لینا!" للی نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔ "انسانوں کو، سب انسانوں کو لینا ڈی سوزا کی طرح نیک دل اور صابر ہونا چاہیے، جب ہی ان کے راستے کھل سکتے ہیں، دوسری طرح کے لوگ زندگی کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر ڈیڈ اینڈز سے سر ٹکراتے پھرتے ہیں اور منزل سے محروم رہتے ہیں۔"

"منزل!" لینا نے نظریں اٹھا کر للی کی طرف دیکھا۔ "کہاں ہے منزل ڈیر کزن! اور کون سی ہے منزل، میں تو وہ مسافر ہوں جسے نہ منزل کا علم ہے نہ ہی منزل کے نشان کا۔"

"ڈونٹ وری، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" للی نے جیسے اس کی نظروں کا پیغام پڑھ لیا تھا۔

"ہم سب کو اس قسم کے تجربات سے گزر کر ہی عقل آتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اب بھی نجانے کہاں کہاں کیا کر رہے ہوتے۔ ہمارا مقسوم ہی یہ تھا۔ بے لگام گھوڑوں کی طرح زندگی کی ریس میں اندھا دھند بھاگ کر تا تھک...

ہو کر ڈوالیں اور پھر جب ہوش آئے تو نفع نقصان کا اندازہ کرنے کے لیے میزان لے کر بیٹھ جائیں۔"

"تم کمپاؤنڈ میں واپس آ جاؤ گی للی، ایلس کا گھر آباد ہو جائے گا، سارے مسئلے حل ہو جائیں گے، حالات کچھ بھی رہے ہوں اگر انھوں نے تمہارا ذہن اور تمہاری سوچ بدل دی ہے تو ڈارلنگ! یقین جانو یہ بہت بڑی اچیومنٹ ہے۔ بہت کم انسانوں کو خداوند اندھیاروں کے بعد روشنی عطا کرتا ہے۔ تم اپنے دل میں عہد کرو کہ روشنی میں آنے کے بعد دوبارہ اندھیاروں کا رخ نہیں کرو گی۔" انکل ڈینس للی کی گفتگو سے متاثر ہوتے ہوئے بولے۔

"یقیناً نہیں" للی نے سامنے کہیں خلاؤں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس حادثے کے بعد جس طرح مشن اور کمپاؤنڈ کے لوگوں نے ہماری مدد کی ہے۔ اس نے مجھے ایک نئے منظر سے روشناس کروایا ہے۔ اب میں کوشش کروں گی کہ میرا وجود کسی کے لیے باعث آزار نہ بنے بلکہ کسی کے کام آ سکے۔"

للی ڈی سوزا نے اندھیاروں کے بعد روشنی پا لی۔ جینس ڈی سوزا نے طویل علالت کے بعد صحت، ایلس ڈی سوزا نے زندگی کے سارے تجربے کر کے دیکھ لیے، غلط صحیح، اچھا بُرا ہر ذائقہ چکھ لیا مگر لینا ڈی سوزا، تم سوچو تم نے اب تک کیا کھویا کیا پایا، تمہاری زندگی کو نہ کوئی جہت ملی نہ منزل، تم کس سمت رواں ہو، تمھیں یہ بھی علم نہیں۔"

اس رات لینا نے ٹیبل لیمپ کی روشنی میں آنٹ نینسی کو خط لکھ کر لفافہ بند کرتے ہوئے سوچا۔

"اور جب تمہارا دل و دماغ کسی معاملے کو سمجھ نہ پائے تو خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو، وہ تمھیں جہاں بھی لے جائے اسی کو اپنا مقسوم اور خداوند کی بھیجی ہوئی اس کی مقرر کردہ منزل سمجھو اور اگر تم ان باتوں کو سمجھ پاؤ تو جانو کہ تم نے سب کچھ سمجھ لیا۔"

اسے خداوند یسوع کی کہی بات یاد آئی اور اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

⁂

"سارہ! تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے والد کتنے علیل ہیں۔" رباب نے سارہ کے لیے ای میل میں لکھا تھا۔

"ڈاکٹرز ان کی زندگی کے بارے میں زیادہ پُر امید نہیں ہیں، کیا ایسے میں بھی تمہارا دل نہ چاہے گا کہ تم ان کے پاس آ جاؤ۔"

سارہ کی نظریں میل پڑھ رہی تھیں اور اس کے ذہن کے پردے پر کئی منظر ابھر کر مٹ رہے تھے۔ شاہنواز احمد، دی گریٹ آرٹسٹ، مجسمہ ساز، نقاد، محقق، دانش ور، پینٹنگز، مجسمے فریسکوز، ریلیفس، ہر طرف آرٹ کے اعلیٰ نمونے، تعریفیں، تمغے، ایوارڈز، تقریبات آوازیں، تحسین آمیز کلمات، تالیاں، شور اور ان سب کے ساتھ ساتھ ایک پُرخلوص مسکراہٹ اور اسٹائل والا چہرہ شاہنواز احمد، شاندار شخصیت، گفتگو میں لوگوں کے دل موہ لینے والا شخص، خواتین کے حلقے میں بے حد مقبول شخص۔

"ڈیڈی!" پھر اس کے دل نے پکارا، بچپن سے لے کر آخری ملاقات تک کے کتنے مناظر اس کی نظروں کے سامنے ناچ گئے۔

"دنیا گالی کی زبان جانتی ہے سارہ! گالی کی زبان میں بات کرو تو دم ہلاتی آتی ہے انسان کے پیچھے، سو اس زبان سے واقفیت حاصل کرو، اگر سروائیو کرنا ہے تو۔"

"ہمیں کون بلیک میل یا اسکینڈلائز کر سکتا ہے، ہم تو لوگوں کے پوتڑوں تک سے واقف ہیں۔ تم یقین رکھو، ہم کو کوئی مائی کا لال بلیک میل نہیں کر سکتا۔"

"ٹرینڈز کو فالو کرنے کا زمانہ ہے سارہ! کپڑوں سے جسم کو ڈھانکنے کا زمانہ لد چکا۔ کپڑے تو قدرت کی

فنکاری کو ڈھانپ کر پوشیدہ کر دیتے ہیں، جسم کو ایکسپوز کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ فنکاری قدرت سب کو نظ
آئے۔"

"اس میں کیا حرج ہے کہ تم کمرشل کی شوٹنگ کے لیے دبئی چلی جاؤ، آخر تمھارے ساتھ اور بھی تو لوگ ہوا
گے، سارہ! تم ہر قدم اتنا ڈر ڈر کر کیوں اٹھاتی ہو، تم شاہنواز احمد کی بیٹی ہو۔ شاہنواز احمد جو ترقی پسند تحریک کا رو
رواں ہے۔"

"کیریر بنانے کی کوشش کرو سارہ! میں تمھیں سپر ماڈل کی پوزیشن پر دیکھنا چاہتا ہوں، میں نے تم سے بہ
امیدیں لگا رکھی ہیں۔"

"پیسہ، سارہ پیسہ، دنیا کی سب سے بڑی حقیقت پیسہ ہے۔ پیسہ کمانے کے لیے کسی بھی حد سے گزرنا پڑے
گزر جاؤ۔ کیونکہ زندگی میں جب بھی ضرورت پڑے گی سو کالڈ اخلاقی اقدار نہیں پیسہ ہی تمھارے کام آئے گا۔"

جتنا سارہ سوچ رہی تھی، اتنا ہی اس کو گزرا ہوا وقت، حالات اور باتیں یاد آ رہی تھیں۔

"تم اس لڑکے سے شادی کرو گی۔ اس مرچیں پیسنے والی چکی کے مالک کے پوتے سے۔" ایک رعونت بھری
آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "کم آن سارہ! کم سے کم تم نے اس کا بیک گراؤنڈ اور پچھلا اسٹیٹس تو دیکھا ہوتا۔
میں نے اپنا موجودہ مقام ان ہاتھوں سے Carve out (تراشا) کیا ہے، تم اس کو مین ٹین کرنے کے بجائے یا اس
میں اضافہ کرنے کے بجائے اسے مرچوں کی چکی میں جھونک دینا چاہتی ہو۔"

"فارگیٹ اباؤٹ شادی سارہ! تم اپنا کیریر بنانے کی فکر کرو، تمھیں زندگی گزارنے کا ڈھنگ کب آئے گا؟"

"کیا ہی اچھا ہوا، وہ مرچوں والے کا پوتا اپنی موت مر گیا، تم سوچو، اس سے شادی کرنے کا سوچ کر تم کیہ
تاریک مستقبل اپنانے کی کوشش کر رہی تھیں۔"

"کیسا تڑپا ہوگا بیٹے کی موت پر مرچوں والے کا بیٹا، کوئی بات نہیں۔ ایسے ہی بہت سوں کو تڑپایا ہے اس نے،
میں تو شکر کرتا ہوں کہ میں نے تمھیں اس کے چکر میں پڑنے سے بچا لیا۔"

"تم کیوں کمرے میں بند پڑی رہتی ہو سارہ! تمہارا کیریر تباہ ہو رہا ہے، کیریر سارہ! کیریر، کیوں اپنی تباہی کی
درپے ہو رہی ہو؟"

"شاہنواز احمد!" سارہ کے حلق سے سسکی ابھری۔ "ایک آرٹسٹ، ایک مجسمہ ساز ایک نقاد، ایک خطاط، ایک
دانشور کے بیمار پڑ جانے پر مجھے افسوس ہے، بہت افسوس، مگر ایک باپ کے بیمار پڑ جانے پر۔" اس نے سوچا "باپ تو
شاید کوئی میرا تھا ہی نہیں، وہ تو ایک شخص تھا۔ ایک مفاد پرست شخص جو میرے گارجین کے طور پر میرے ساتھ رہا،
وہ باپ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا، جس نے مجھے میری شناخت، میرے پس منظر اور میری ماں کے بارے میں کچھ بھی نہیں
بتایا، سو میں کس کے لیے دعا کروں، سوائے ایک بڑے نام، بڑی شخصیت کے لیے مگر ایک باپ کے لیے ایک بیٹی کی
طرح دعا کرنے والا دل کہاں سے لاؤں، ایسا دل تو عرصہ پہلے اس شخص نے بے موت مار دیا تھا۔"

وہ اپنے گھٹنوں میں سر دیے سوچتی رہی تھی اور اس کے آنسو اس کے دامن کو تر کر رہے تھے۔

"آپ ماسٹر جی! یہاں آرام سے نہیں رہ سکتے۔ یہ کمرہ مختصر ہے اور یہاں سکون بھی نہیں ہے، آپ پلیز
میرے ساتھ چلیں میرے گھر۔" اسفند ماسٹر جی کو اپنے گھر لے جانے پر مصر تھا اور انھیں اس کے لیے منا رہا تھا۔

"مجھے کتنی جگہ چاہیے باؤ صاحب! رہنے کے لیے، میں اکیلا آدمی ہوں، یہ فراز احمد صبح اپنے کام پر نکل جاتا

اس کے لائے ہوئے اخبار پڑھتا ہوں اور یہ اس ٹی وی پر خبریں دیکھتا رہتا ہوں۔ اس کے پاس جو کتابیں
وہ پڑھتا ہوں اور شام کو یہ واپس آ جاتا ہے تو اس سے باتیں کرتا ہوں۔ میرا دل لگا رہتا ہے اور میرے علم
ہو رہا ہے۔" ماسٹر جی نے سادگی سے کہا۔

فراز یار! تم ہی مناؤ ماسٹر جی کو، میں انھیں اپنے ہاں لے جانا چاہتا ہوں۔"

فند نے فراز کو مخاطب کیا جو اس کے چہرے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ یہ شخص جو اتنا مصروف، اتنا تھکا ہوا
س وقت کتنا فریش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس نے پچھلی شام ہی اسے ماسٹر جی کی آمد کے متعلق بتایا تھا اور
ہی وہ ان سے ملنے آ گیا تھا اپنی تمام تر مصروفیات چھوڑ کر۔

دیکھو، اتنے بہت سے لوگ ہیں جنھیں میں ماسٹر جی سے ملوانا چاہتا ہوں، میں سوچتا تھا کہ کہاں سب کو بستی
لے جا سکتا ہوں، اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے خود ماسٹر جی کو ہی ادھر بھیج دیا۔ اب یہ تو چھوٹے دل والی بات ہوئی
سے ملاقات کی سعادت کو صرف اپنے تک محدود رکھیں اور دوسرے لوگوں کو موقع نہ دیں۔" فراز نے دیکھا
مد پُرجوش نظر آ رہا تھا۔

اسفند بھائی! میرا خیال ہے کہ ماسٹر جی یہیں رہنے کو ترجیح دیں گے۔ ان کا لاہور اس طرح اچانک آنا یونہی
ہوا۔ اس کے پیچھے کوئی خاص بات ہے جو مجھے بھی فی الحال معلوم نہیں۔ میں ریکویسٹ کروں گا کہ آپ
کریں۔" اس نے سہولت سے کہا۔

تم ایک آدھ دن کے لیے ہی منا لو انھیں۔" اسفند کا انداز بچوں کا سا تھا۔

ز نے کچھ دیر اس کے شوق کے عالم پر غور کیا اور پھر گردن موڑ کر ماسٹر جی کو مخاطب کیا۔

سٹر جی! اسفند بھائی چاہ رہے ہیں کہ کل شام ہم ان کے گھر دعوت کھائیں اور رات وہیں رہ کر صبح واپس
"۔

میں نے کہا نا باؤ صاحب! بڑی مہربانی ہے آپ کی، جم جم آپ کی ہر دعوتیں ہیں جی۔ آپ تردد کیوں
۔" ماسٹر جی مسکرا کر بولے۔

ں ماسٹر جی! اس میں تردد والی کیا بات ہے؟" اسفند اٹھ کر ان کے قریب آ گیا "یوں کہیں کہ آپ اس
ا کہ میں آپ کا شاگرد جو نہیں۔"

ستادی شاگردی کی کوئی خاص عمر نہیں ہوتی باؤ صاحب! کسی بھی عمر میں کسی کا استاد، کسی کا شاگرد بنا جا سکتا

ا پھر آپ مجھے اپنا شاگرد بنا لیں اور مجھ پر اتنا کرم ضرور کریں کہ مجھے اپنی میزبانی کا شرف بخش دیں۔"
س مرتبہ پھر اپنی بات دہرائی۔

ا پھر وقت اور بتا پوچھ لے فراز! باؤ صاحب اتنی محبت سے کہہ رہے ہیں تو انکار کیسے کریں۔" فراز اور
ن کی اس سادگی اور معصومیت پر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

پ کو لاہور آ کر کیسا لگا ماسٹر جی! یہ شہر کیسا ہے؟" اسفند نے مطمئن ہونے کے بعد موضوع بدلتے ہوئے

ور میرے لیے کوئی نیا شہر نہیں ہے باؤ صاحب پر مسئلہ یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شہروں کے
ا جاتے ہیں۔ نئے نئے لوگ شہروں میں آ کر بس جاتے ہیں اور شہر اپنے مکینوں کے اجتماعی مزاج میں

ڈھل جاتے ہیں۔ میں کیونکہ مدت سے اس شہر کا باسی نہیں ہوں، اس لیے میرے اور اس شہر کے مزاج میں بعُ آ گیا ہے۔ لہٰذا مجھے یہاں آ کر اپنا آپ بالکل اجنبی سا لگ رہا ہے۔"

"آپ کو فراز کی روٹین کیسی لگ رہی ہے، یہ تو خیر سے خاصا مصروف ہو گیا ہے۔" اسفند نے دوسرا سوال

"یہ لڑکا پارہ صفت نہیں ہے، اس کا مزاج ٹھہرا ہوا ہے۔ مگر شہر میں آ کر شہر کے عمومی مزاج کے مطابق ا ڈھلنا پڑتا ہے۔ یا پھر اس نے خود پر یہ مزاج طاری کر رکھا ہے، جو بھی ہے یہ اس کے لیے اچھا ہی ہے تو یہ ا ساتھ چل رہا ہے نا۔" ماسٹر جی نے پیار سے فراز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماسٹر جی! فراز جیولری ڈیزائن کرتا ہے، یہ اس کا نیچرل ہنر ہے، دوسری طرف یہ مقابلے کے اِم تیاری کر رہا ہے۔ یہ دو بالکل مختلف ڈائمنشنز ہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا، اس کو صرف ایک لائن پر نہیں چلنا چا اسفند کے تیسرے سوال پر فراز کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"جیولری ڈیزائن کرنا ایک شوق ہو سکتا ہے۔ اسے پیشے کے طور پر اپنائے گا تو حماقت کرے گا۔ مقا امتحان میں کوئی کارنامہ دکھا گیا تو یہ بڑی بات ہو گی۔ باؤ صاحب! جس بستی سے یہ یہاں کچھ پڑھنے کے ا بننے کے لیے آیا تھا۔ اس بستی کو ایک بڑے مورال بوسٹر (Morale booster) کی ضرورت ہے یہ امتحان کر گیا تو اس بستی سے آئندہ آنے والے وقتوں میں کئی فراز نکلیں گے۔ اس لیے اسے اسی لائن پر لگا رہنے دیں ماسٹر جی نے سنجیدگی سے کہا۔ اسفند نے فراز کی طرف دیکھ کر شانے اچکا دیے۔ فراز یوں مسکرا رہا تھا جیسے ماسٹر جی کے جواب کا پہلے سے علم تھا۔

"میں اب چلوں گا جی، اجازت دیجیے، کل شام میں آپ کا انتظار کروں گا۔" اسفند نے اٹھتے ہوئے ا

"تم نے بھٹی کے متعلق مزید پتا کیا کچھ؟" باہر نکل کر اسفند نے فراز سے پوچھا۔

"وہ تو آپ کو کرنا تھا اگر آپ کو میری بات کا یقین آ جائے تو۔" فراز نے کہا۔

"اس کے متعلق پتا کرنا بہت ضروری ہے لیکن وہ پکا اور مضبوط آدمی ہے۔ ٹھوس ثبوت کے بغیر کوئی پو کار اس پر ہاتھ ڈالنے کو تیار نہیں۔"

"بے چاری للّی بھی یہی کہہ رہی تھی، آپ تصور نہیں کر سکتے کہ اس لڑکی کا ان ظالموں نے کیا حشر کیا فراز نے کہا۔

"میں نے ان دونوں لیڈیز کی کہانی سن لی ہے۔ بہت افسوس ناک ہے۔ کسی روز ان کو دیکھنے چلیں اسفند نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"کل آپ کے ہاں وہ بھی مدعو ہوں گی۔" فراز نے ماحول کو خوشگوار کرنے کی خاطر کہا۔

"کون۔"

"وہی رباب کیانی؟" اسفند اس سوال پر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"تم کہو تو سارہ شاہنواز کو بھی بلا لیں اور ماسٹر جی کی موجودگی میں سوئمبر رچا لیں۔"

"لو ماسٹر جی سے مجھے جوتے بھی کھلوائیں کہ ایسے لوگوں کو دوست رکھتے ہو۔" فراز نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"لیناڈی سوزا کو بھی بلایا جا سکتا ہے، تم کہو تو۔" اسفند نے مزید مذاق کیا۔

"جی یہ ضرور کیجیے گا، اس سے ملاقات ہوئے عرصہ گزر گیا۔" فراز نے دانستہ کہا۔

"اور یہی پراچہ ماہین سرفراز زی زی اور موموب کو۔" اسفند نے ان سب خواتین کا نام لیا جو فراز کے ساتھ مصروف تھیں۔

"جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فراز نے بے نیازی سے کہا۔ "ہاں آپ لدہ کو بلانا نہ بھولیے گا جو اسکول آف ہدایت کے ماسٹر کے ذکر سے چڑ جاتی ہیں۔"

"چلو پھر بچو! کل ماسٹر جی کو ان رنگ برنگی تتلیوں سے ملوا ہی دیا جائے جن میں ان کا ہونہار شاگرد اپنے ہوئے مزاج کے ساتھ ہمہ وقت گھرا رہتا ہے۔"

اسفند نے اس کی بات اَن سنی کرتے ہوئے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ فراز ہاتھ ہلا کر ایک سائیڈ پر کھڑا ہو گیا۔

"لیں ماسٹر جی! آپ کی شخصیت کے طلسماتی کرشمے یہاں بھی ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ لوگ اب خود چل کر ملنے آیا کریں گے۔" اس نے سوچا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھسا کر اندر کی طرف چل دیا۔

......✡......

"کتنا کہا تھا، کتنی درخواست کی تھی میری نظروں نے تم سے فراز احمد! کہ ملنے کے لیے آتے رہنا، مگر تم تو جیسے ہی ہو گئے۔"

وہ بیڈ پر لیٹے سامنے کی دیوار پر پھیلے روشنی کے عکس کو دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

"دن بھر میری نظریں تمہاری منتظر رہتی ہیں، دن بھر نت نئے لوگ یہاں آتے ہیں روایتی پھولوں کے گلدستے رسمی گفتگو کر کے غائب ہو جاتے ہیں، وہ جب آتے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ زور زور سے چلا کر کہوں۔ لاسٹ، گیٹ لاسٹ، مگر دیکھو۔ میں کتنا مجبور ہوں، میری زبان بند ہے اور میں بے بس ہوں، میں تو جسے ویلکم چاہتا ہوں، اسے بلا کر لانے کی بات بھی کسی سے نہیں کر سکتا۔ یہ ڈاکٹرز مجھے مسکن دوائیں دیتے ہیں مگر میں کیا ۔ مجھے رات بھر نیند نہیں آتی، ایک عرصہ سے میری کرنیوں کے جو بھوت مجھے کبھی رات کو آ کر ستاتے تھے۔ تنہائی میں میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ مجھے آنے والے وقت کے بدشکل بھتنے بھی ڈراتے ہیں، روز آخرت اور کے حساب کتاب کی کہانی سناتے ہیں۔ عجیب اتفاق کی بات ہے فراز احمد! کہ جن باتوں پر میں نے کبھی یقین لیا تھا۔ اب وہ مجھ پر اپنا آپ روشن اور واضح کر رہی ہیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرا حساب کتاب ابھی سے شروع ہے، ایک آواز ہے جو مسلسل میرے اعمال کے بارے میں مجھ سے سوال کرتی ہے اور میرے ماضی کا ایک ایک بری نظروں کے سامنے روشن ہوتا جاتا ہے۔ ایسے میں کوئی ایک چہرہ میرے سامنے نہیں آتا جو مجھ سے خوش نظر ۔ میری تعریفیں کرنے والی زبانیں شعلے اگلتی ہیں۔ مجھ سے وابستہ لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھا اٹھا کر حملہ کرتے ہیں ماآنکھیں بند کرنے پر بھی ان سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ پھر ایک آواز، ایک بھاشن دیتی آواز بھرتی ہے۔

"ساری حیاتی تجھے جن کرنیوں سے خوف نہیں آنا، وہی تجھے وقت آخرت ڈرائیں گی پھر تو کہاں بھاگے گا تو کیسے بچے گا پھر، پھر کہاں بھاگے گا اور کیسے نظریں چرائے گا۔"

تم فراز احمد، اس بابے سے تو واقف ہو، اسی کی کھیتی کی فصل ہو یار! کبھی آؤ تو میں تم سے کہوں۔ کہیں سے اسے لاؤ۔ میں اسے ایک نظر ہی سہی دیکھ تو لوں۔ پھر میں تم کو نوسرین کے بارے میں بتاؤں اور کہوں۔ اس سے بھی مجھے معافی ملی یا نہیں۔ اس کی بیٹی جو شاید میری ہی نشانی ہے اس کے چھلنی جسم پر مرہم لگانے کی درخواست ما، جن کے باپ گم کردہ راہ ہو جائیں، وہ بچے اسی قسم کے انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کو اس انجام سے بچا نہیں سکتا۔ اور میرا دل چاہتا ہے کہ تم آؤ تو تمہیں سارہ کو ڈھونڈ لانے کا کہوں۔ وہ مجھ سے ناراض ہے۔

ناراض تو خیر مجھ سے ہر کوئی ہے مگر ہر کسی کی ناراضی کی میں کیا پروا کروں گا۔ ہاں یہ دو چار لوگ جو مجھ سے میر
سے ناراض ہیں، ان کے سامنے ہاتھ تو جوڑ سکتا ہوں جو اگر منہ سے معافی طلب نہ کر سکوں تو۔

دیکھو تو فراز احمد! میں غائبانہ تم سے کتنے بہت سے کام کرنے کو کہہ رہا ہوں۔ بھلا تم کیوں کرو گے میرے وہ بھی اتنے ذاتی کام لیکن نجانے کیوں دل یہ ہی کہتا ہے کہ تمھارے علاوہ اس دل کی بات کسی دوسرے سے کہ نہیں جا سکتی۔ مگر جو تم میرے کام کر دو تو...... تم بھی تو اسی قبیلے کا حصہ ہو جس کے روحانی باپ کی دل آزاری کا با میں بنا تھا، تمھارے تو اپنے دل میں میرے لیے بہت سے شکوے گلے ہوں گے۔ چلو فراز احمد نہ سہی، تم آؤ، نہ سے کچھ کہہ سکوں۔ مگر یوں تم کو مخاطب کر کے اتنی باتیں کر کے ہی میرا دل کچھ ہلکا ہو گیا ہے۔ لو اب یہ ڈاکٹر چلا ہے اب نجانے یہ کیا سنائے گا۔

"لو بھئی لینا! یہ اپنے گھر کی چابی پکڑو، سب گھر کی صفائی کروادی ہے۔ پودوں کو پانی دے دیا ہے۔ کچن میں راشن ڈال دیا ہے، اب تم سہولت سے اپنی گرینی اور للی کو گھر لے آؤ۔" انکل ڈینس نے چابی لینا کو پکڑاتے ہوئے کہا

"آپ گریٹ ہیں انکل ڈینس! آپ کی عظمت کے آگے ہم تو بولنے کے بھی قابل نہیں۔" لینا نے ل آواز میں کہا۔

"ذکر مت کرو ڈارلنگ، یہ اونلی ہم نے نہیں کیا۔ ہمارے ساتھ سارا کمپاؤنڈ کا لوگ ملا تب جا کر یہ سارا ہوا۔ ہم کمپاؤنڈ کا سارا لوگ کالا ہی سہی پر اپنا کمیونٹی کے لوگ کو تکلیف میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔" انکل ڈینس اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اور گرینی عمر بھر ان کالا لوگ کے بارے میں تعصب رکھتی رہیں۔" لینا نے سوچا۔

"ہم للی اور گرینی کو لینے کے لیے کب جائیں گے انکل ڈینی؟ وہ دونوں وہاں بہت بری حالت میں ہیں۔

"کہو تو آج شام ہی، مگر جینس کا کیا کرنا ہے۔ وہ بھی تو گھر آنے کو بے چین ہے۔"

"آنٹ جینس کو گھر لانے سے پہلے ذہنی طور پر تیار کرنا ہوگا انکل، وہ اس حادثے کے متعلق کچھ جانتیں۔"

"جینس نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی طور پر بھی صحت مند ہو چکی ہے اور یقیناً وہ اتنے مضبوط اعصاب کی ما ہے کہ وہ اس حادثے کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کو برداشت کر لے گی۔" انکل ڈینی نے اسے تسلی دی۔

اور ان کی بات سچ ہی ثابت ہوئی۔ گرینی اور للی کو گھر لانے کے پانچ دن بعد آنٹ جینس بھی گھر آ گئی۔ وہ ماں اور بیٹی کی حالت کو دیکھ کر کچھ دیر تو گنگ ہو کر رہ گئی مگر رفتہ رفتہ اس کے دل و دماغ نے مثبت طور پر کام کرنا شروع دیا۔ اور اس نے سمجھ لیا کہ جس ناپسندیدہ زندگی کو ماما اور للی نے اپنا رکھا تھا، اس کا کچھ بھی ناخوشگوار انجام ہو سکتا تھا۔

دو دن بعد ہی وہ پرانی سسٹر جینس کا روپ دھار چکی تھی۔ اور گرینی اور للی کی تیمارداری میں مصروف ہو تھی۔ لینا نے یہ ڈیڑھ ہفتہ لاہور میں ان سب کے ساتھ گزارا اور پھر جاب پر لوٹنے کا کہہ کر رخصت ہوئی۔ گھر باہر نکل کر اس نے بیرونی دروازے پر سرسراتے جالی کے پردے کو دیکھا۔ گھر کے اندر سے بولنے اور برتنوں کھنکھنانے کی آوازیں آ رہی تھیں ایک عرصے سے اجڑا یہ گھر دوبارہ آباد ہو چکا تھا۔ اس نے مسکراتے ہونٹوں اور آنکھوں سے اس پر ایک الوداعی نظر ڈالی۔ وہ سب اپنے اصل کو لوٹ چکے تھے مگر اس وقت تک لینا ڈی سوزا راستے اور منزل بدل چکی تھی۔ اسی دوپہر وہ مری جانے کے لیے پنڈی والی کوچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"تمہارا نام؟"

شندہ اکبر۔"

نے والی کہاں کی ہو؟"

اں لاہور کی ہی، ساندہ کلاں۔"

ہم۔"

اے۔"

ین بھٹی کے اس گھر میں کب سے ملازم تھیں؟"

دہ عرصہ نہیں ہوا۔ یہی کوئی ڈیڑھ ماہ پہلے ملازم ہوئی تھی۔"

ارے کام کی نوعیت کیا تھی؟"

ں نے مجھے گورنس کے طور پر اپائنٹ کیا تھا۔"

کی گورنس؟"

بچہ تھا جی، اس کی لک آفٹری۔"

آفٹری۔ یہ کیا ہوتی ہے؟"

بھال جی۔"

ں کا تھا؟"

م نہیں جی۔"

کا نام؟"

م نہیں جی۔ سب اس کو جو جو کہہ کر بلاتے تھے۔"

ں چھوڑی کیوں؟"

کا ماحول عجیب سا تھا۔"

ج وہاں کیا کرنے گئی تھیں؟"

نخواہ لینے جی، دے نہیں رہے تھے۔"

ا؟"

نے پہلو بدلا۔ وہ اب تک خاصے تحمل سے یہ گفتگو سن رہا تھا لیکن اب اسے یہ بے تکی اور طویل لگنے لگی تھی۔
پلیز، پوچھنے والی بات پوچھیں۔"

والی بات ہی پوچھ رہے ہیں سر! پولیس کی تفتیش ایسی ہی ہوتی ہے۔" وہ ایک بار پھر پہلو بدل کر

یتے تھے جی، کہتے تھے، نوکری کیوں چھوڑی۔ آج تو مجھے واپس ہی نہیں آنے دے رہے تھے۔ میں جان چھڑا کر وہاں سے بھاگی تھی کہ آپ نے دھر لیا۔"

بچہ وہیں تھا آج؟" اسفند نے بے قرار ہو کر خود ہی پوچھ ڈالا۔

ا، بچہ وہاں نہیں تھا۔ چاچے نذیر نے مجھے بتایا تھا کہ بچے کو شیخ صاحب لے گئے ہیں دبئی۔" اسفند کا

......✿......

’’میں اتنے عرصے کے علاج کے دوران یہ سوچتی رہی کہ میرا علاج کیوں ہو رہا ہے مجھے اب جی کر ہے، مگر اب میں سوچتی ہوں کہ میری زندگی کی مجھے نہیں کچھ اور لوگوں کو تو ضرورت ہے نا۔‘‘ جینس ڈی سوزا اپ یابی کے بعد پہلی مرتبہ انکل ڈی سوزا سے تفصیلی گفتگو کر رہی تھی۔

’’ماما کا اور للّی کا جو حال ہوا اس میں تقدیر تو شامل ہے مگر ان کا اپنا بھی اس میں بہت دخل ہے۔ مما۔ براؤن کے کہنے پر اور پاپا کی خاطر گناہ کی زندگی چھوڑ دی مگر پارسائی کی زندگی میں وہ ایڈجسٹ نہیں کر پائی۔ ادھر کی رہی نہ ادھر کی۔ للّی کے اعمال میں بہت سی باتوں کا دخل تھا۔ میں روزی کمانے کے چکر میں پڑ کر اسے حوالے کرتے ہوئے یہ بھول ہی گئی کہ ماما جس کی اپنی زندگی تضاد کا شکار ہے وہ اس بچی کی کیا تربیت کرے گی۔

’’ایسا بات مت بولو جینس!‘‘ انکل ڈی سوزا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ’’لینا بھی تو للّی کے ج اس کا تربیت بھی تو ایلس نے ہی کیا۔‘‘

’’جبلت کا بھی تو فرق ہوتا ہے نا! انکل ڈینی! لینا میری بھائی کی بیٹی ہے اور للّی......!‘‘

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ انکل ڈینس اس کے جذبات کو سمجھ رہے تھے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ للّی کے نام نہیں لینے والی تھی۔

’’مگر یہ بھی میں شاید غلط کہہ رہی ہوں۔‘‘ جینس کو اچانک جیسے کچھ یاد آ گیا۔ اس کی نظروں کے سا ہیبلیٹیشن سینٹر کے اس کمرے کا ایک منظر گھومنے لگا تھا۔

’’للّی کی قسمت میں ہی ایسا لکھا تھا وہ ماما کی پوتی تھی، اس کی جبلت میں ماما کا اثر آ گیا۔‘‘ اس نے پچھلی کہی بات بدل ڈالی۔

’’ہوں!‘‘ انکل ڈینس نے اسے غور سے دیکھتے ہو کہا۔ ’’ہم سب خداوند کے شکر گزار ہیں جینس! یسو کا کرامت ہے کہ تم کو صحت عطا ہوا۔ کتنے ہی حادثے گزر جائیں۔ کتنی ہی ٹریجڈیز ہو جائیں اگر ان کا ا انسان کا انجام بھلے پر ہو جائے تو اس سے بڑا گڈ لک اور کوئی نہیں ہو سکتا۔‘‘

جینس نے اپنی روتی آنکھیں خشک کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

’’تم مجھ کو یہ بتاؤ۔ ہمارا وہ ڈارلنگ ڈاٹر لینا کدھر ہے۔ اتنے دن سے اس کا کچھ اتا پتا نہیں ہے۔ جو میں سچ کہوں کہ لینا سے ملے کچھ دن گزر جائیں تو دل اداس ہونے لگتا ہے۔‘‘ انکل ڈینس نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

’’لینا پر ان تمام واقعات، حادثات اور خود اپنی زندگی میں آنے والی ناکامیوں نے بڑا منفی اثر کیا ہے انکل! میں نے بہت سمجھایا تھا کہ وہ کوئی انتہائی فیصلہ نہ کرے۔ میں نے سارے اپنے ہونے کا یقین دلایا تھا۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی زندگی کی سب محرومیوں کو مٹا ڈالنے کی کوشش کروں گی، مگر اتنے تلخ حالات سے گذر کر شاید اسے میری بات کا یقین ہی نہیں ہوا وہ کزن ننسی کے پاس چلی گئی ہے، نن بننے کے لیے۔ میرا دل اس کی وجہ سے بوجھل ہوا جاتا ہے، اس میں کس بات کی کمی تھی جو وہ دنیا میں ایسا کچھ بھی نہ پا سکی۔ جس کی اسے تمنا تھی۔‘‘ جینس ایک مرتبہ پھر رونے لگی۔

’’یہ بہت دکھ والا بات ہے۔‘‘ انکل ڈینس نے تاسف سے کہا۔ ’’مگر خداوند نے شاید اس کا قسمت میں یہ ہی لکھا تھا۔ وہ ہیئر آفٹر کا واسطہ اپنا راستہ سیدھا کرے گی اور اس پٹی ورلڈ کی نجاستوں سے بچ جائے گا۔ یہ بھی تو بڑا انعام ہے جو کم کم لوگوں کو ملتا ہے۔‘‘ وہ جینس کو تسلی دے رہے تھے اور جینس اپنے تصور میں سیاہ اسکارف، سیاہ لباس میں ملبوس لینا کو دیکھ رہی تھی جس کے جسم کے گرد بندھی رسی اس کے دنیاداری چھوڑ دینے کی علامت تھی۔

’’یسوع باپ تمہارا مددگار ہو میری بچی۔ شاید۔ تم اس میں ہی منزل کو پالو۔‘‘ اس کے دل سے دعا نکل رہی تھی۔

’’میں اسفند یار بات کر رہا ہوں فیروز! شاید تم نے میری آواز پہچانی نہیں۔‘‘ اسفند اپنے موبائل پر کسی سے مخاطب تھا۔

’’تمہاری آواز میں ضرور پہچانتا ہوں اسفند! مگر تمہارا نمبر شاید بدل گیا ہے۔ جب ہی میں نے تم سے تمہارا نام پوچھا ہے۔ کہو کیسے ہو؟‘‘ دوسری جانب سے آواز آئی۔ جو پہلی مرتبہ اسفند کو استہزائیہ سی لگی۔

’’ہاں نمبر تو واقعی بدل لیا میں نے، تمہیں بتانا یاد نہیں رہا۔ بہت عرصے سے ملاقات نہیں۔ کہو کہیں ملتے ہو؟‘‘ اسفند نے اپنے لہجے میں مکمل کنٹرول رکھتے ہوئے کہا۔

’’فوراً تو شاید ممکن نہ ہو۔ میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں کراچی آیا ہوا ہوں، واپسی پر تمہیں کال کروں گا۔ تمہاری کیسی گزر رہی ہے۔ سنا ہے کہ اپنے والد سے ناطہ توڑنے کے بعد تم نے خاصی تیزی سے ترقی کی ہے۔ بزنس سرکل میں تمہارا نام تو پہلے ہی ان تھا مگر اب اس کا حوالہ بدل جانے کے باوجود بھی خاصا اونچا اڑ رہا ہے۔‘‘

’’تم دوستوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔ یہ سب ورنہ میں کس قابل ہوں۔‘‘ اسفند نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

’’خوب کہی۔‘‘ دوسری جانب سے قہقہہ لگا کر کہا گیا۔ ’’ہم تو جان من دوستوں کے دوست ہیں، تم کہو، آج خاص طور پر کیسے یاد کیا۔‘‘

’’بڑے کائیاں ہو یار! کیسے بھانپ لیا تم نے کہ تمہیں کسی خاص مقصد کے لیے یاد کیا ہے میں نے۔‘‘

’’ہم دوستوں کے دوست ہونے کے علاوہ استادوں کے استاد بھی ہیں، اڑتی چڑیا کے پر گننے والوں کے لیے کوئی اندازے لگانا کچھ خاص مشکل کام تو نہیں۔‘‘

"ہوں!" اسفند نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو بس یہ سمجھ لو کہ اڑتی چڑیا کے پر گننے والوں سے اڑتی چڑیا قینچ کرنے کا طریقہ پوچھتا ہے۔ ویسے تم اتنے استاد آدمی ہو اس کا اندازہ مجھے پہلے نہیں تھا۔"

"تم لاکھ جوان سہی۔ پاکستان میں قیام کے حساب سے تو تم اب ہی پل کر جوان ہوئے ہو تمہیں اندازے اب ہی ہوں گے۔ ویسے حکم کرو، کس چڑیا کے پر قینچ کرنے کا ارادہ ہے۔ طریقہ تمہیں کیا بتانا ہے کہو تو قینچ کر کے تمہارے حضور حاضر کر دیں گے۔"

"یہ ہوئی نا دوستوں والی بات!" اسفند کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر مسکراہٹ پھیلی۔ "چڑیا تمہاری جانی ہے۔"

"نام تو لو، جانی پہچانی کوئی ایک ہو تو سمجھوں۔"

"گڈ اولڈ سارہ شاہنواز!"

اواؤ۔" دوسری جانب سے ایک مرتبہ پھر قہقہہ لگایا گیا۔ "تمہارے دل میں بیٹھی کدورت ایک مرتبہ پھر گئی۔ غالباً اتنے عرصے تو سوئے ہی رہے اس معاملے میں۔"

"سویا تو خیر کبھی بھی نہیں تھا۔ بس درمیان میں یہ بزنس کے معاملات سلجھانے پڑ گئے۔ بس تم سمجھو کہ میری سوئی سارہ شاہنواز پر اٹک گئی ہے۔"

اس اٹکی ہوئی سوئی کو جھٹک ڈالو تم۔ بس یہ بتاؤ کہ کرنا کیا ہے؟"

"وہ ابھی تک صحیح طرح ایکسپوز نہیں ہوئی دنیا کے سامنے، اسے ایکسپوز کرنا ہے یار کہ کیسے اس نے م بھائی کو اتنی آسانی سے مروا دیا، یہ بھی پتا لگانا ہے کہ شہریار کو مروا کر یہ عورت کیا حاصل کرنا چاہتی تھی؟"

"ویری سمپل یار! یہ سمجھنا تو بہت مشکل ہے کہ وہ کیا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس کی نظر شیری کے اثاثوں مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اثاثے سوئس اکاؤنٹس کی طرح گم نام ہیں۔ اتنے عرصے سے وہ ان ہی کی کھوج لگی ہوئی ہے۔ جس دن اس کی کھوج مکمل ہوگئی وہ ان کی دعوے دار بن کر خود تمہارے سامنے آجائے گی۔"

"تو یار! کھوج لگوا دو نا اس کو، میں تمہیں اکاؤنٹ نمبرز اور تفصیلات دیتا ہوں تم اس تک پہنچا دو۔ اس آسان کر دو تا کہ وہ خود ہمارے سامنے آجائے۔"

"گریٹ!" دوسری جانب سے بے پناہ خوشی کا اظہار کھل کر کیا گیا۔ "تم یہ تفصیلات کسی طرح میری طرف دو، میں آگے کا کام خود کر لوں گا۔"

"ضرور، جلد ہی تمہیں یہ معلومات مل جائیں گی اپنا ای میل ایڈریس لکھواؤ۔" اسفند نے بال پوائنٹ اٹھا ہوئے کہا۔

"میں نے مبینہ کلثوم سے کہا تھا کہ نیلی پگڑی ضرور سامان میں رکھنا شاید بھول گئی" ماسٹر جی نے سفید قمیص پہن کر تیار ہونے کے بعد کہا۔

"میں دیکھتا ہوں جی، آپ کے سامان میں۔" فراز نے ان کے سفری بیگ کی زپ کھولتے ہوئے کہا۔ اس نے بیگ میں تہہ در تہہ استری شدہ کپڑے اٹھا کر بیڈ پر رکھے۔ سب سے نیچے کلف لگی پگڑی رکھی تھی۔

"ماسٹر جی پگڑی تو موجود ہے۔" اس نے پگڑی نکال کر بیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "پگڑی کے نیچے اور سا اخبار کے کاغذ رکھے تھے۔ بڑے اچھے طریقے سے رکھی تھی۔ جی، ذرا بھی خراب نہیں ہوئی۔"

"مبینہ کلثوم کا سلیقہ یہ باؤ صاحب، کوئی مذاق تو نہیں۔" ماسٹر جی نے پگڑی دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"چھوڑیں ماسٹر جی اس کے سلیقے کی۔ وہ ایم اے کے امتحان کی تیاری سے فارغ ہوگی تو سلیقہ سیکھے گی۔ نہ اس ٹرز مکمل ہونا ہے نہ اس نے کچھ اور سیکھنا ہے۔ آپ نے اسے مشکل کام میں ڈال دیا ہے جی!" فراز نے مذاقاً ان کہا۔

"بس تو تو یہ ہی چاہتا ہو گا نا کہ تو بستی کا اکلوتا سولہ جماعت پاس فرد بنا رہے، کسی اور کے حصے میں یہ اعزاز نہ ے۔"

ماسٹر جی اس کے مذاق کو سمجھتے ہوئے بولے۔

"بچو جی تو دیکھتا رہ جائے گا وہ تجھ سے بھی زیادہ نمبر لے لے گی۔ کہ تو نے اس کی لگن، اس کا شوق نہیں دیکھا، تو تو باتوں میں کر گیا ماسٹرز، جیسے وہ کر رہی ہے وہ تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ آفرین ہے اس بچی پر فراز تو شاید سمجھتا نہیں ہے۔"

"سمجھتا ہوں ماسٹر جی، سب سمجھتا ہوں۔" فراز ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"سمجھتا ہے تو پھر قدر کرنا بھی سیکھ لے۔ کسی کی ناقدری کرنا بڑا گناہ ہے۔" ماسٹر جی نے پگڑی سر پر جماتے ے کہا۔ "پہلے وقتوں میں جب کوئی کسی استاد کا شاگرد بننے کے لیے آتا تھا تو احترام کی علامت کے طور پر پگڑی بں تحفے میں لے کر آتا تھا۔ اب تو پگڑی متروک ہو گئی۔"

"متروک کیوں ہو گئی ماسٹر جی! آپ ہیں نا اور آپ جیسے کئی اور" فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اسفند کو انہیں لینے لیے آنا تھا اور باہر غالباً اسی کی گاڑی کا ہارن بج رہا تھا۔

اس شام فراز نے دیکھا، ماسٹر جی کو اپنے ہاں لے جانے اور ان کا میزبان بننے کی خوشی اسفند کے چہرے اں تھی۔ وہ اس روز اپنی تھکن اور پریشانیاں سب بھولا ہوا تھا۔ اس کے گھر پر چیدہ چیدہ لوگ مدعو تھے۔ منی باجی خاص پنڈی سے آئی ہوئی تھیں۔ رباب کیانی اور سلمان، اسفند کے قریبی دوست تھے۔ ڈاکٹر مسعود کڈز ہوم کے انچارج تھے اور ڈاکٹر کامران واسطی سوشل ورکر اور ریفارمر تھے۔ اسفند نے ماسٹر جی کے متعلق ان لوگوں کو نجانے کہانیاں سنا رکھی تھیں کہ وہ سب ان سے ملنے کو بے چین نظر آتے تھے۔ اور ان سے مختلف سوالات کر رہے تھے۔

اس نے دیکھا ماسٹر جی کے چہرے پر مخصوص معصومیت چھائی ہوئی تھی۔ اور ان کے سوالات کے جواب بھی معصومیت اور سادگی سے دے رہے تھے۔

"میں کوئی بہت پڑھا لکھا...... تو ہوں نہیں۔ میری ساری عمر ایک چھوٹے سے دیہات میں گزر گئی۔ جہاں ات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ کم کم ملتا ہے پھر میرے پاس علم اور دانش کہاں سے آتا۔ یہ تو اس بستی کے معصوم ں کے لیے ہی کافی ہے باؤ صاحب، تم لوگوں کا علم تو اللہ کے فضل سے بہت زیادہ ہے۔ اور پھر تم لوگ اسے ال بھی کر رہے ہو لوگوں کے لیے ملک کے لیے تو پھر یہ تو بڑا کام ہوا نا۔"

"ماسٹر جی! جب باہر کی دنیا محدود ہو جاتی ہے تو اندر کی دنیا وسیع نہیں ہو جاتی کیا؟" منی باجی پوچھ رہی تھیں۔

"اندر کی دنیا تو ہوتی ہی وسیع ہے بی بی صاحب! وہ تو ہم بندے اپنی مصروفیت میں بھول جاتے ہیں اس من کی ں جھانک کر دیکھتے ہی نہیں۔" ماسٹر جی نے کہا۔

"اور اگر جھانک کر دیکھیں تو کیا کائنات کے اسرار کے دروازے وا نہیں ہو جاتے۔" منی باجی نے دوسرا کیا۔

''یہ تو قسمت پر، نصیب پر منحصر ہے۔ قسمت میں ہوا تو اسرار و موز سب سمجھ میں آ جاتے ہیں نہ لکھا ہو تو م دنیا میں جھانکنے پر بھی کچھ نہیں مل پاتا۔''

''آپ کا ذاتی تجربہ کیا ہے۔ وہ کیسا رہا؟'' رباب نے پہلی مرتبہ ان سے کچھ پوچھا ماسٹر جی نے چونک اسے دیکھا۔

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا بٹیا رانی کہ میں نے من کی دنیا میں جھانکا۔''

''آپ کا چہرہ بتا رہا ہے۔'' رباب نے پر یقین لہجے میں کہا۔

''نہیں بٹیا رانی! مجھے وہ مت سمجھو جو تمہیں خیال آ رہا ہے میں تو سیدھا سادا سا آدمی ہوں یہ دو چار بات کر لیتا ہوں تو وہ بھی اس لیے کہ میرے اردگرد کے لوگوں کے لیے یہ ہی کافی ہوتی ہے وہ بے چارے سمجھتے ہیں ماسٹر جی کے پاس بڑا علم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ میرا دل رہ جاتا ہے۔''

''آپ ایسا کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہوگا۔'' رباب کے چہرے کی مسکراہٹ عجیب سی تھی۔ فراز نے محسوس کیا وہ یوں مسکرائی تھی جیسے کسی کا بھرم رکھنا مقصود ہو۔ پھر وہ لوگ ماسٹر جی کو اپنے اپنے کام اور ان کی تفصیل بتانے لگے اٹھ کر اسفند کے قریب بیٹھ گیا۔

''بھٹی کا کچھ پتا چلا۔؟'' اس نے نیچی آواز میں پوچھا۔

''نہیں، مگر میں کوشش کر رہا ہوں۔ اس کے فیروز پور روڈ والے گھر سے ایک لڑکی پکڑی ہے پولیس۔ غالباً میڈ تھی وہاں۔''

اس نے کیا بتایا؟''

''اس نے ایک عجیب سی بات بتائی ہے بقول اس کے وہ بچہ اب وہاں نہیں ہے۔ اسے کوئی شیخ صاحب گئے ہیں۔''

''کون سے شیخ صاحب۔''

''یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ ان کے ہاں نئی نئی ملازم ہوئی تھی۔ اس لیے اسے کچھ زیادہ علم نہیں تھا

''اس نے آپ کو دوبارہ بچے کے اغوا کے بارے میں فون کیا۔'' فراز نے پوچھا۔

''نہیں، وہ اب ایسا کرے گا بھی نہیں۔ اسے معلوم ہے کہ یہاں نوٹس لینے والا کوئی نہیں۔''

''تو پھر اگر اس نے بچے کو نقصان پہنچایا؟''

''وہ ایسا بھی نہیں کر سکتا۔ یوں تو اس کا سارا گیم ہی ختم ہو جائے گا۔ نہ وہ مجھے بلیک میل کر سکے گا نہ شاہنواز کو۔''

''اگرچہ مجھے اس قصے میں پہلے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مگر اب ہے۔'' فراز نے ماسٹر جی کو کسی بات پر ہنستے ہو دیکھ کر اسفند کو بھی ان کی جانب دیکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر میری دلچسپی کی وجہ نہ آپ ہیں نہ سارا شاہنواز بلکہ اس بچے اور للی ڈی سوزا کے خیال نے مجھے سارے قصے کی طرف متوجہ کیا اور فیروز بھٹی نے جس طرح میرے سامنے رباب کیانی کو سارہ کی نظروں سے گرا کی کوشش کی۔ اس سے مجھے بخوبی اندازہ ہوا کہ وہ شخص کیا اور کتنا کر سکتا ہے۔''

''رباب کے ساتھ اس نے کیا کیا؟'' اسفند اس واقعے سے لاعلم تھا۔ فراز نے مختصراً اسے اس روز وا واقعے کے متعلق بتایا۔

''جب ہی رباب اس کے متعلق اتنے تحفظات رکھتی ہے۔'' اسفند نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''خیر تم فکر مت کرو۔ بھٹی اب میری ہیڈک ہے تم اپنے کام اور پڑھائی کی طرف توجہ دو۔ ماسٹر جی کی بہت خواہش ہے کہ تم سی ایس ایس کر لو۔'' اسفند نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''اتنی بڑی خواہش ہے کہ دیکھیے وہ مجھے امتحان دلوانے خود آ گئے ہیں یہاں پر میں جب کام سے فارغ ہو کر جاتا ہوں تو وہ میرے سر پر بیٹھ کر مجھے پڑھاتے ہیں۔ کیا مجال ہے جو ذرا اونگھ بھی جاؤ، رات ایک بجے سے

''

''فراز مسکرا کر بولا۔ اب وہ دونوں اٹھ کر ماسٹر جی کی طرف چلے آئے۔

''یہ دیکھ لے فراز! ان اسفند باؤ صاحب کو میری پسند کا کیسے اندازہ ہو گیا کہ انہوں نے کھانے میں زردہ ۔ واہ بھئی یہ تو موج ہی ہو گئی۔''

ماسٹر جی نے انہیں دیکھ کر کہا، فراز مسکرا دیا۔ اسے معلوم تھا کہ انہوں نے یہ بات محض بڑے بڑے موضوعات رائے کا اظہار کرنے سے بچنے کے لیے کی تھی۔

کتنے سادہ آدمی ہیں ماسٹر صاحب!'' کوئی کہہ رہا تھا۔

''لیکن انہیں ایسا ہی مت سمجھو، ان کے اندر علم کے دریا ہیں۔'' ڈاکٹر مسعود عمر نے کہا تھا۔ ''ایسے ہی لوگ سادہ نظر آتے ہیں جتنے یہ ماسٹر جی نظر آ رہے ہیں۔''

''آج مجھے اسفند کے ساتھ ہونے والی بلیسنگز کا راز سمجھ میں آ گیا۔''

''سلمان، رباب سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ ایسے لوگوں کو احترام اور عزت دیتا ہے جو واقعی اس کے قابل ہوتے پیسے اور شہرت کے بل بوتے پر عزت پانے والوں سے عموماً میں نے اسے گریز ہی کرتے دیکھا ہے۔'' فراز، کے خیال سننا چاہتا تھا مگر ماسٹر جی سے متعلق اس نے کوئی خاص بات نہیں کی تھی۔

واپسی کے سفر میں ماسٹر جی اسفند کا بار بار شکریہ ادا کر رہے تھے اور وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔

''آپ میرے پاس چند دن ٹھہرتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔ لیکن میں پھر بھی بہت خوش ہوں۔''

''آپ دنیا میں موجود چند ایسے خوش نصیب لوگوں میں سے ایک ہیں باؤ اسفند! جو دل کے سچے ہوتے ہیں۔ شفاف ہونا انسان کے باطن میں ایک ایسے آئینے کو فٹ کر دیتا ہے جس میں انسان اپنا آپ دیکھ سکتا ہے یہ آئینہ کی ایکسرے مشین کی طرح ہوتا ہے جو انسان کے اندر موجود اعضاء اس کے اندر ڈھانچے اور اس کی رگوں رتے خون تک کی رپورٹ دے دیتا ہے۔'' ماسٹر جی نے کھل کر اسفند کے بارے میں بات کی تھی۔

''میری شخصیت میں، میری ذات میں تو ماسٹر جی بڑی الجھنیں ہیں۔ ان سے نجات کیسے پاؤں۔'' اسفند نے لہجے میں کہا۔

''زیادہ الجھنیں اس وقت پڑتی ہیں جب انسان بیک وقت بہت سی گتھیاں سلجھانے لگتا ہے جب وہ سمجھنے لگتا ہی ہوں جس کے پاس جادو کی وہ چھڑی ہے جس نے سارے مسئلوں کا حل کرنا ہے۔ پھر وہ الجھنوں کے باب کھولتا پھرتا ہے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کبھی کبھار کہ مسئلوں کے باب آپس میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور نے والا بھول جاتا ہے کہ کس کو کہاں سے کھولا تھا، اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ زیادہ گتھیاں سلجھانے میں نہ پڑا یہ بات بالکل مسلمہ ہے کہ راز اور اسرار بھی زیادہ دیر تک راز اور اسرار نہیں رہتے ایک وقت آتا ہے جب کوئی بھی کھولے تو یہ خود ہی کھل جاتے ہیں۔''

''ماسٹر جی نے سمجھانے کے انداز میں اسفند سے بات کی۔ جواب میں اسفند نے انہیں اپنی زندگی کے تمام حالات سنا دیے اس وقت وہ فراز کے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔

''فراز باؤ! وہ تو کیا بناتا ہے اپنے لیے روز رات کو۔ وہ تو بنا دے۔'' ماسٹر نے اس کو جواب دینے سے پہلے کہا۔

''کیا چینو''

''ہوتی تو وہ کافی ہی ہے۔ پر اگر تیرا دل یہ اوٹ پٹانگ نام لینے سے ہی راضی ہوتا ہے تو یہ ہی سہی۔'' ماسٹر جی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''آپ کا ہر معاملے میں وہی مسئلہ ہے اسفند باؤ، آپ کا من شفاف ہے اور اس میں آپ جھانکتے ہیں تو سب اردگرد موجود لوگوں کے من آپ کو اپنے جیسے ہی نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ حقیقت میں واقعہ یہ ہے کہ آپ کے اردگرد کے لوگ منافق ہیں۔ پر مسئلہ اب یہ ہے کہ منافقوں کو منافق کیسے کہیں تو اس کے لیے بھی میں عرض کرتا ہوں کہ وقت کا انتظار کریں، وہ سارے راز خود ہی کھول دے گا۔'' پھر وہ اسفند سے مخاطب ہوئے۔

''میں اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے زیادہ دل برداشتہ ہوں ماسٹر جی! مال دولت کی تو مجھے رتی بھر بھی پروا نہیں ہے، مگر میرا مختصر سا کنبہ بکھر گیا ہے۔ میرے والد وہ بن گئے ہیں جو وہ کبھی بھی نہ تھے۔ میری والدہ کی شخصیت ٹرانسفارم ہو رہی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ہم سب بہت کچھ گنوا چکے ہیں۔ میں اپنی ضد میں پڑا ہوں۔ میں نے اپنی ہمت سے بڑے چیلنج قبول کر لیے ہیں۔ چلیں چیلنج قبول کرنے کی بھی کوئی بات نہیں مگر مجھے لگتا ہے کہ میں خود کو ثابت کرنے کی اس جدوجہد میں ہی فنا ہو جاؤں گا اور کسی کے ہاتھ بھی کچھ نہیں آئے گا۔'' اسفند کے لہجے میں اضطراب تھا ماسٹر جی کچھ دیر توقف کیے اور اس کا مضطرب چہرہ دیکھتے رہے۔

''آپ یقین جانو باؤ صاحب، اسی فنا سے آپ کی بقا کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اسی انتشار سے شیرازہ بندی کے کام کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ اپنے خاندان کو جس نکتے پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کا عزم اسے اس نکتے پر لے ہی جائے گا۔ اس کی گارنٹی میں دیتا ہوں۔''

''آپ کی باتیں بڑی امید افزا ہیں ماسٹر جی! مگر مجھے یقین نہیں آتا۔'' اسفند کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''پھر آپ اپنا راستہ ہی کھوٹا کرو گے۔ ورنہ آپ کی منزل تو بڑی صاف، سیدھی آپ کے سامنے کھڑی ہے۔'' ماسٹر نے لاپروائی سے کہا۔

''اسفند نے ایک نظر ماسٹر جی کو غور سے دیکھنے کے بعد فراز کی طرف دیکھا وہ کافی کا مگ ہاتھ میں پکڑے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اب بحث مت کیجیے گا۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کیا۔ اسفند گہری سانس لے کر رخصت ہونے کے لیے اٹھ گیا۔

......۞......

''ان کی طبیعت بہتر ہوتی ہے۔ پھر بگڑ جاتی ہے۔ ان کے بلڈ پریشر میں تسلسل نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے کبھی وہ بہت بہتر معلوم ہوتے ہیں اور کبھی ان کی حالت ہنگامی ہو جاتی ہے۔''

ڈاکٹر سلطان، فراز کو شاہنواز احمد کے بارے میں بتا رہے تھے۔

''پچھلے دو دن تک ان کی حالت بہت بہتر رہی۔ وہ سہارا لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور انہوں نے کچھ باتیں لکھ کر ...ھیں۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ ان کا ذہن تقریباً پچاسی فیصد درست کام کر رہا ہے۔ درمیان میں وہ کچھ ...ول بھی جاتے ہیں لیکن زیادہ تر یاد ہیں ان کو۔ آج رات کو ان کی طبیعت دوبارہ بگڑ گئی۔ ابھی دوپہر کو ہی ڈاکٹر ...نے ان کو وزٹ کیا ہے اور اب وہ بہتر معلوم ہو رہے ہیں۔ بہتر سے میری مراد یہ ہے کہ وہ پرسکون لگ رہے ...ہوں نے کچھ خوراک بھی لی ہے۔''

''ان کے مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے کتنے فیصد چانسیز ہیں ڈاکٹر صاحب۔'' فراز نے پوچھا۔

''یہ سوال ایک مستقل سوالیہ نشان کے ساتھ ہم سب کے ذہنوں سے چپکا ہوا ہے ہم کچھ بھی ٹھیک سے نہیں کہہ ...ہ مکمل طور پر صحت یاب ہو سکیں گے یا نہیں کیونکہ ان کے جسم کے کئی اعضاء درست طور پر کام نہیں کر رہے۔''

''اور بیرون ملک اگر وہ لے جائے جائیں تو؟''

''یہ فی الحال ممکن نہیں۔'' ڈاکٹر سلطان نے تاسف سے کہا۔

''ان کی جو حالت ہے اس میں وہ سفر نہیں کر سکتے۔''

''اوہ!'' فراز نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔

''ویسے وہ اپنے اسٹوڈنٹس کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ آپ ان سے ملیں وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوں

''میں ان کا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں سر!''

''اوہ، اچھا!'' انہوں نے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''کوئی بات نہیں، آپ پھر بھی ان سے مل لیں۔''

...راز ان کے کمرے میں اکیلا بیٹھا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ شاہنواز احمد کو دیکھنے ان ...ے میں جائے یا بغیر دیکھے ہی لوٹ جائے۔ ان کی کیا حالت تھی وہ ماسٹر جی کو کیا بتائے گا۔ وہ ماسٹر کے ...کو دیکھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا۔ مگر وہ خود ادھر آنے پر تیار نہیں تھے۔ وہ خود بہت دنوں بعد ادھر آیا تھا۔ اور ...میں تھا کہ ان سے ملے یا نہیں۔ پھر وہ اٹھ کر ڈاکٹر سلطان کے کمرے سے باہر آ گیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر بلا ...منے کے بعد اس نے شاہنواز احمد کے کمرے میں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب وہ پچھلے پندرہ منٹ سے ان ...ے بیٹھا تھا۔ اور وہ اس پر نظریں جمائے لیٹے تھے۔ پھر وہ ان کے قریب ہوا۔

''مجھے افسوس ہے سر! میں اتنے دن آپ کے پاس نہیں آ سکا۔'' اس نے کہا ''مگر میرا دل آپ کے لیے دعا گو ... اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور مکمل شفا عطا کرے گا۔ آپ کی ساتھ بہت سے لوگوں کی دعائیں ہیں۔ آپ جلد ٹھیک ...سر! ابھی تو ہم نے بہت سے کام مل کر مکمل کرنے ہیں۔''

...از کو اپنا اس طرح باتیں کرنا جیسے بچے کو بہلایا جائے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ...ن سے کیا بات کرے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ اس کی بات سن بھی رہے تھے یا نہیں۔

...آپ اس مرتبہ بالکل ٹھیک ہو جانے پر اپنے اردگرد بہت سارے پیار کرنے والے لوگوں کو دیکھیں گے۔ اس ...کو یقین دلاتا ہوں، سر! ایسے چہرے جو اپنی دانست میں آپ سے پیار کرتے ہیں اور آپ کے لیے دعا گو بھی ...سر! اپنی قوت ارادی کو بڑھائیں اور صحت مند ہو جانے کی کوشش کریں۔ خدا آپ کو ضرور صحت عطا کرے

...سانے دیکھا اس کی اس بات کے جواب میں ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اور ان کے ہونٹ لرزنے لگے ...ب بھی وہ ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھے جا رہے تھے۔ اس نے ان کا کپکپاتا ہاتھ تھام لیا۔

’’وہ لوگ سر! جو پیچھے رہ گئے جن کو آپ نے چھوڑ دیا اور وہ جو آپ کو چھوڑ گئے۔ سب آپ کے قریب آجائیں تو آپ کو بہت اچھا لگے گا نا۔ آپ سے میرا وعدہ ہے کہ میں ان سب کو آپ کے پاس لاؤں گا۔ لیکن آپ یوں بیمار کے آگے ہتھیار نہیں ڈالیں پلیز۔‘‘ شاہنواز احمد کے ہونٹ زیادہ تیزی سے ہلنے لگے۔

’’میں نے ان سب لوگوں کا سراغ لگا لیا ہے سر! جن کو آپ کی نظریں ڈھونڈتی ہیں۔ اور جن کا آپ انتظ کرتے ہیں آپ تسلی رکھیے‘ میں انہیں آپ کے پاس لے آؤں گا۔‘‘ آنسو تو اتر سے ان کی آنکھوں سے رواں ہو گئے

’’ابھی بہت سی ایسی صبحیں‘ شامیں‘ موسم اور رُتیں ایسی آنی ہیں جن کو آپ نے صحت مند جسم اور صحت مند اعضاء کے ساتھ دیکھنا ہے۔ سر!‘‘ وہ کہہ رہا تھا۔ شاہنواز احمد نے ہلکے سے سر ہلا دیا۔

’’آپ حوصلہ رکھیے سر! جلد ہی آپ اس ہسپتال سے باہر ہم سب سے ملیں گے۔‘‘ وہ جلدی سے کہہ کر کھ ہو گیا۔ ان کے آنسو اور بے بسی کا عالم اب اس کی برداشت سے باہر ہونے لگا تھا۔

’’ٹھہرو‘ ٹھہر جاؤ فراز احمد! کچھ دیر اور رک جاؤ۔‘‘ اس بیمار وجود نے اس کے پیچھے سے ایک خاموش فریاد تھی۔ ’’دیکھو میں تو بہت دنوں سے تمہارا منتظر تھا۔ میری نظریں تو تمہارا ہی انتظار کر رہی تھیں۔ پھر تم کیوں اتنے د بعد آنے کے باوجود زیادہ دیر رکے نہیں۔‘‘ ان کا دل کہہ رہا تھا۔

’’اور وہ کون پیارے لوگ ہیں جن کا سراغ لگا لینے کی خبر تم مجھے دے رہے تھے۔ بابا ہدایت اللہ اور بستی کما پور کے مکین۔ ہاں‘ تم نے ٹھیک سوچا ہوگا کہ ان میں سے کچھ کو میں نے چھوڑا اور اس کے ردِّ عمل کے طور پر باقیوں۔ مجھے چھوڑ دیا۔ مگر میرے دوست اس دنیا میں تو کئی اور بھی ایسے چہرے ہیں جنہیں میں نے چھوڑا اور کئی ایسے بھی ہ جو مجھے چھوڑ گئے‘ جیسے سارہ۔ کیا تم سارہ کو ڈھونڈ کر میرے پاس لا سکتے ہو۔ کیا سارہ کو میری بیماری کی خبر سنا کر یہا آنے پر مجبور کر سکتے ہو؟ نہیں میرے عزیز! تمہارا خلوص اپنی جگہ مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مجھ چھوڑ چکے ہیں۔ مجھ سے متنفر ہو چکے ہیں۔ جنہیں میں نے اپنے ہاتھ سے گنوا دیا ہے۔ اور وہ اب میری شکل بھی دیک نہیں چاہتے۔ فراز احمد‘ یہ بھی خدا کا ہی کرم ہے جو اس نے تمہیں میرے پاس بھیج دیا۔ جو تمہیں میری بے بسی کا خیا دلا دیا۔ جن الفاظ میں تم نے مجھے تسلی دی ہے ایسے تو کوئی آمیز تمہارے الفاظ محض الفاظ ہی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے میرا وجود کھوکھلا ہو چکا ہے اور میرے اندر قوت ارادی نام کی کوئی شے باقی نہیں رہی ہے۔ جب ہی تو میرے ڈا مایوس ہیں اور دوائیں بے کار ہوئے جا رہی ہیں۔ اور اس بے بسی کے عالم میں موت کر قدم قدم اپنی طرف بڑ دیکھتا ہوں اور بہت سی پچھلی باتیں جو میرے کانوں نے سنیں اور اڑا دیں یاد آتی ہیں۔ تھوہڑ کھانے کو اور پینے کو آ زقوم‘ مجھے یاد آتا ہے کہ مجھے بتایا گیا تھا کہ بدکار‘ بدعمل شخص کی خوراک ہوگی اگلے جہان میں اور کہا جائے گا۔ ’’یہ ہے بدلہ اس کا جو تم نے اپنے لیے آگے بھیجا تھا۔ اور لپکنے والی آگ جس میں وہ رہیں گے ہمیشہ‘ تو تم سوچو فراز ! کے جس کو وہ سب بنی ہوئی باتیں حقیقت بنتی نظر آئیں گی اس کا حال کیا ہوتا ہوگا۔ یہ جان کنی کا عذاب ہے یا آ والے وقت کا خوف‘ میں بہت خوفزدہ ہوں فراز احمد۔ میں بہت خوفزدہ ہوں۔ پلیز تم میرے پاس رک جاؤ پلیز یہیں رہو۔ تمہارے چہرے میں مجھے بہت سے اپنے نظر آتے ہیں۔ فراز احمد تم کیوں چلے گئے ہو پلیز تم رک جاؤ۔

’’سر کیا ہوا سر۔ ہیلو سر۔‘‘ کمرے میں کسی دوسرے ذی روح کی آواز ابھری تھی۔

’’سسٹر زہرہ! آپ ڈاکٹر منور کو کال کریں پلیز۔ شاہنواز صاحب کی حالت پھر بگڑ گئی ہے۔‘‘

’’تیری لیٹسٹ ڈیویلپمنٹ کیا ہے جلدی بتا۔‘‘

’’تو سنے گا تو حیران رہ جائے گا۔‘‘

’’چل پھر جلدی حیران کر۔‘‘

’’پہلے وعدہ کر دادا جان کی طرح نصیحتیں نہیں کرنے بیٹھ جائے گا۔‘‘

’’میں کروں بھی تو تجھے کون سا اثر ہو جائے گا؟ تو نے کون سا میری سن لینی ہے۔‘‘

’’سنتا تو خیر میں اپنی باپ کی بھی نہیں ہوں۔ پر تیری‘ تیرے وعظ یار! اچھے خاصے میٹھے میں بھی کڑواہٹ ڈال ں۔ یوں منہ کا مزا بھی بدل جاتا ہے۔‘‘

’’تو میری چھوڑ‘ اپنی سنا‘ تو نے کیا کیا ہے نیا تازہ۔‘‘

’’اب ڈرامے کی وہ اسٹیج ہے جہاں واقعات خود بخود اس سمت چل پڑتے ہیں۔ جہاں ڈائریکٹر چاہتا ہے۔‘‘

’’چلو پھر ڈائریکٹر صاحب! اب بتا بھی دو۔‘‘

’’اب اسفند یار خود سارہ کو ٹریپ کرنا چاہ رہا ہے۔‘‘

’’وہ کیسے۔ تجھے کیسا پتا ہے؟‘‘

’’وہ ایسے کہ اس نے خود مجھے کہا ہے کہ سارہ کو پکڑو۔ اسے سب کے سامنے ایکسپوز کرو۔‘‘

’’اسے اچانک یہ کیا سوجھی ہے۔؟‘‘

’’اسے یہ سوجھی تو بہت پہلے کی ہے بس درمیان میں وہ اپنے اَبّے والے چکر میں پڑ گیا۔ اس لیے بھول گیا۔‘‘

’’مگر اس نے تجھے ایسا کرنے کو کیوں کہا ہے؟‘‘

’’ویری سمپل‘ وہ خود فرنٹ پر آنا نہیں چاہتا۔‘‘

’’اور تجھے فرنٹ پر لانا چاہتا ہے۔ ہے نا۔؟‘‘

’’یقیناً اس لیے کہ سارہ اور اسفند کو صرف میں ہی تو جانتا ہوں درحقیقت الو کا پٹھا ہوگا تو جو اس کے کہنے پر ے کوئی بات کرے گا۔‘‘

’’واہ میرے پپو بڑی دور کی کوڑی لائے۔ بھلا بتا کہ میں کیوں کوئی بات کروں گا سارہ سے۔ مگر جانِ من اسفند کی یہ ری کرنا بھی تو بہت ضروری ہے آخر وہ یار ہے اپنا۔‘‘

’’یعنی تو وہ کرے گا جیسا اسفند یار تجھے کرنے کے لیے کہے گا؟‘‘

’’کوئی حرج نہیں اس میں‘ سارہ کو کہاں ہوش ہوتا ہے یہ سوچنے کا کہ اس سے کیا کرنے کو کہا گیا ہے۔‘‘

’’میں سمجھتا ہوں کہ تو اپنے جال میں خود ہی پھنس رہا ہے۔ تجھے پتہ ہے کہ اس کو پکڑ لیا گیا تھا اس لڑکی رخشندہ

’’دو گھنٹے بعد چھوڑ بھی تو دی گئی تھی۔ رخشندہ‘‘

’’اس سے بچے کے بارے میں پوچھا گیا؟‘‘

’’ہاں مگر اس نے کچھ خاص نہیں بتایا۔‘‘

’’بچے کی یہاں موجودگی کا اقرار تو کیا۔‘‘

’’وہ تو کیا مگر بچہ کہاں ہے یہاں ذرا بتا۔ جس کا دل چاہے آ کر ڈھونڈ لے۔‘‘

’’وہ بھی تیری بہت بڑی خباثت ہے۔‘‘

’’برا کیا کیا‘ جو کی بنے گا مستقبل کا بڑا اعلا شیخ باسط البارح الخاطر کے پاس رہ کر‘ کیا نام ہے یار! اس شیخ کے

بچے کا بھی اور کیا خوبصورت لہجے میں مخاطب کرتا ہے یا اخی' یا اخی۔"

"میں کہتا ہوں تو نے یہ بڑا ظلم کیا۔"

"میں ایسا نہ کرتا تو کیا تیرے جیسے گیدڑوں کے کہنے پر اسے واپس چھوڑ آتا' کڈز ہوم میں۔"

"تجھے ضرورت کیا تھی بلبل دی ڈانسنگ ڈول کے ہاں سے اسے اٹھانے کی۔"

"بلبل کے پاس بلبل کا بچہ رہ جاتا نا تو ادھر سریلے نغمے گائے جاتے تیرے اس ساؤنڈ پروف دیواروں وا ٹھکانے میں مٹھو۔"

"تو پھنسے گا میری بات سن' تو بری طرح پھنسے گا۔"

"تیرے جیسے کالی زبان والے میرے ارد گرد رہے تو یقیناً پھنسوں گا۔ میں نے تجھے ہمیشہ سمجھایا ہے کہ تو نہ بولا کر' بس چپ چاپ تماشا دیکھتا جایا کر۔"

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں بڑے عرصے سے دیکھ رہا ہوں' مگر مجھے نجانے کیوں لگتا ہے کہ جن کو اب تک تو نچایا ہے وہ تجھے نچائیں گے اب۔"

"یہ چوسنی پکڑ اور منہ میں رکھ لے۔ شاید تیری فکریں ختم ہو جائیں۔"

"اس کی سنا' بلبل کا' وہ کس حال میں ہے آج کل۔"

"چسکے بھی لیتا ہے' پوچھتا بھی ساری ہے اور پھر نصیحتیں بھی کرتا ہے۔"

"وہ میں تجھے بچانے کے لیے کرتا ہوں' تو سنا بلبل کی۔"

وہ بڑی ٹھیک ہے۔ لکڑی کی بیساکھی پر کھٹ کھٹ کرتی پھدکتی ہے۔"

"یہ بھی بڑا ظلم تھا۔"

"سارے ہی ظلم تھے یار! جنگل کے بادشاہ ایسے ہی کرتے ہیں۔ اس کی سنا' آفتاب کی اسفندیار کے ل کی۔"

"تو ایسے سوال پوچھ رہا ہے جیسے تو کوئی عامل ہے اور میں معمول' اس کی سنا اس کی سنا کرتا جا رہا ہے۔ تجھے سب پتا جو ہوتا ہے اسی لیے پوچھ رہا ہوں۔ چل سنا اس کی کیسی گزر رہی ہے۔ بیٹے کے بغیر۔"

"ابھی تو چند دن اچھی گزرے گی۔ بری تب شروع ہوگی جب رابعہ ٹیکسٹائل سوہا ٹیکسٹائلز میں بدل جا گی۔"

"یہ کیسے ممکن ہے جب کہ آفتاب کی ہر بزنس ڈیل میں اس کی بیوی براہ راست انوالوڈ ہوتی ہے۔"

"اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے میرے پپو! ناممکن ایک پرانا لفظ بن چکا اب۔"

"اور شاہنواز احمد۔"

"اس کی میں کیا سناؤں۔ اس کی تو ہر اخبار سنا رہا ہے آج کل۔"

"میں اخبار نہیں پڑھتا۔ لائیو بلیٹن سنتا ہوں تیرے منہ سے۔"

"اس کا کیا بننا ہے وہ اب موت کا منتظر ہے آج کل۔ بس کچھ ہی دن باقی ہیں اس کے قل کے چنے پڑھیں گے چل کر اکٹھے۔"

"شاہنواز احمد کے قل ہوں گے' چنے پڑھے جائیں گے۔ کون کرے گا اس کے لیے یہ سب۔"

"اور رہنے دے یار! وہ قومی اثاثہ ہے۔ قوم خود ہی کرلے گی اس کے لیے یہ سارے انتظام' اتنی مروت تو

حلقے میں۔"

"وہ تو مر جائے گا تو بتا اس کھیل میں اس کے سلسلے میں تجھے کیا حاصل ہوگا؟"

"دل کا چین' دماغ کا سرور' اس کی موت اتنی جلدی آتی بھی تو میری محنت کے صدقے ہے۔"

"خدا کا خوف یار! کبھی کوئی اپنی موت کے آئے بغیر بھی مرتا ہے۔"

"کچھ کو خدا مارتا ہے۔ کچھ کو حالات' شاہنواز احمد کو اس کے حالات نے مارنا ہے تو دیکھتا جا۔ وہ ویسے ہی اَن ت مرے گا۔ جیسے میری ماں مری تھی۔ بڑے سال پہلے۔"

"جس موت کے اصل ذمہ دار کا تجھے ٹھیک سے یقین ہی نہیں۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے تو نے کہاں کہاں لردیا ہے۔ مجھے بڑا ڈر لگتا ہے یار!"

"تو اس شیر کی کچھار میں بڑا گوشت کھاتا جا اور شراب اڑاتا جا تجھے ڈر نہیں لگے گا۔ میرے چو ہے۔ جب دھر ہے تجھے کوئی بھیانک منظر دیکھنے کو نہیں ملے گا ہاہاہا۔"

……۞……

جنیس نے گردن موڑ کر اپنے پیچھے سے آتی آواز پر دھیان دیا۔ "کھٹ کھٹ کھٹ۔" وہ للّی تھی جو اپنی کے سہارے چلتی کچن کی طرف جا رہی تھی۔ معذور اور اپاہج للّی' اس نے گردن سیدھی کرتے ہوئے اپنے بیٹے فراز کو دیکھا جو ان سب کے گھر واپس آ جانے کے بعد پہلی مرتبہ ان سے ملنے آیا تھا۔ اس نے محسوس کیا یہ ی للّی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی تاسف پھیلا ہوا تھا۔

"یہ بہت تکلیف دہ ہے۔" اس نے بے اختیار کہا۔

"یہ اس کے لیے تکلیف دہ ہے اور ہمارے لیے اس کو دیکھنا بے حد تکلیف دہ ہے۔ مگر ہم صبر کے سوا کچھ کر نہیں ونکہ ہم سب کی قسمت میں ہی یہی تھا۔" جنیس نے رک رک کر الفاظ ادا کرتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

"یہ سب تو خدا کی طرف سے آئی آزمائش تھی مگر آنٹ جنیس! آپ نے لینا کو کیوں جانے دیا۔ آپ نے ل نہیں سمجھایا۔" فراز نے کہا۔

"میں نے اسے بہت سمجھایا تھا میرے بچے! مگر لینا تنہا جن حالات کا سامنا کرتی رہی۔ ان کا بوجھ ہی اسے نہا کی طرف لے گیا۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ لینا جیسی اچھی لڑکی کے لیے تو کرنے کے بہت سے کام تھے۔ دنیا میں بہت سے ائل ہیں جنہیں لینا جیسے لوگ ہی مل کر کر سکتے ہیں۔ محبت' میٹھے بول' نرم مسکراہٹ' خوش مزاجی' حوصلہ اور صبر زی جیسی خصوصیات صرف لینا جیسے لوگوں کے پاس ہوتی ہیں۔ اور یہ دنیا میں اب بہت کم رہ گئی ہیں۔" فراز کا تصور کرتے ہوئے کہا۔

"ایسے لوگ دنیا تنہائی بھی محسوس کرتے ہیں کیونکہ انہیں اکثر اپنے جیسا کوئی دوسرا نہیں ملتا۔ مجھے اپنی باقی کی ل شدت سے اس دکھ کا احساس رہے گا کہ ہم سب میں ماما اور للّی ہمیشہ لینا کے ساتھ زیادتی ہی کرتے م یہ ہی سمجھتے رہے کہ اسے ہم اپنے پاس رکھا' پالا پوسا یہ ہمارا اس پر بڑا احسان ہے۔ ہم نے اس کے ت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ جب کہ اس نے اب میری بیماری کے دوران سب کچھ تنہا سنبھالے رکھا۔ ماما ساتھ بھی دیا۔ اپنی نوکری کے ساتھ ساتھ گھر کے معاملات کو بھی دیکھا۔ مگر ہم اب بھی اس کے لیے کچھ نہ ۔" جنیس نے آنکھوں پر رومال رکھتے ہوئے کہا۔

"لیڈی ایلس کہاں ہے؟" فراز نے اس تکلیف دہ موضوع کو بدلنے کی کوشش کی۔

"ماما اب بہتر اور ٹھیک ہوتے ہی اپنی پرانی روٹین پر لوٹ گئی۔ اس کا ذہن کچھ زیادہ ٹھیک نہیں رہا۔ کمپاؤنڈ میں گھر گھر پھرتی رہتی ہے۔ یہاں کے لوگ اچھے ہیں' ماما کو ویلکم کرتے ہیں' بٹھاتے ہیں۔ خدمت کرتے ہیں' مگر کتنے روز کریں گے۔ جب کہ ماما سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتی۔ سنبھالنے سے بھی نہیں سنبھلتی۔ صبح کے بعد نکل جاتی ہے۔ کمپاؤنڈ کے یہ وہی لوگ ہیں جن سے ماما ہمیشہ نفرت اور بےزاری کا اظہار کرتی رہی اور سوا انکل ڈینی کے کبھی کسی کے گھر تک نہیں گئی' مگر اب ان ہی لوگوں میں صبح شام رہتی ہے۔ جھوٹے سچے قصے سناتی گانے گاتی اور ناچتی پھرتی ہے۔"

"ویری سیڈ!" فراز نے کہا۔ "آنٹ جینس میں آج آپ سے ایک خاص بات کرنے آیا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں اور برا نہ مانیں تو؟"

"تم کہو میرے بچے! تم جیسے مخلص اور پیارے بچے کی بات کا میں برا کیوں مانوں گی۔ صرف تم ہی تو ہمیں اچھے حالوں میں بھی یاد رکھتے رہے اور ان برے حالوں میں بھی یاد رکھتے ہو۔" جینس نے پہلی مرتبہ مسکرا کر بات کی۔

"دیکھیے یہ بہت ذاتی بات ہے مجھے ڈر لگتا ہے۔ آپ برا نہ مان جائیں۔"

"ہرگز نہیں۔ تم کچھ بھی کہو میں برا نہ مانوں گی۔"

"دراصل جب آپ پر پہلے دن فالج کا اٹیک ہوا تھا۔" فراز نے جھجکتے جھجکتے کہنا شروع کیا۔ "تو لینا نے کال کر کے بلایا تھا کیونکہ اس وقت بھی وہ تنہا اور بےبس تھی۔ ہم آپ کو ایمبولینس میں لے کر گئے تھے ہاسپٹل اس وقت آپ کی ایک کولیگ نے آپ کی چند انتہائی ذاتی اشیاء لینا کے حوالے کی تھیں۔ ان میں ایک نکاح نامہ تھا۔ میں کیوں کہ لینا کے ساتھ تھا اتفاق سے تو میں نے بھی وہ دیکھ لیا۔"

فراز نے کہتے کہتے نظر اٹھا کر جینس کا ردِعمل دیکھنا چاہا وہ بےتاثر چہرے کے ساتھ توجہ سے سن رہی تھی۔

"اس روز لینا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اس نکاح نامے کے بارے میں کسی سے بات نہ کروں گا اور گواہ ہے کہ میں نے کسی سے بات نہیں کی ماسوائے ایک شخص کے' ان کے متعلق میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا شاہنواز احمد سے میرا تعلق بہت قریبی ہے بھی اور نہیں بھی آپ کو معلوم ہے کہ میرا ابھی فائن آرٹس کی فیلڈ سے رہا۔ اسی سلسلے میں ان سے ملتا رہا ہوں ان سے میرا ایک دوسرا تعلق بھی ہے وہ بھی میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔" آنٹ جینس آپ کو برا تو نہیں لگ رہا ہے۔"

"نہیں' تم کہتے جاؤ۔"

"مجھے معلوم نہیں بلکہ میں یقین سے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا حالات ہوتے کہ شاہنواز احمد آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور للی جو ان ہی کی بیٹی ہے کو عمر بھر کیوں نہیں ملے' مگر اب جبکہ وہ شدید علیل ہیں اور ڈاکٹر ان کی حالت اور زندگی کے بارے میں مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں میں آپ سے یہ درخواست کرنے آیا ہوں کہ آپ انہیں معاف کر دیں۔ ان پر سختی کا جو عالم ہے شاید اس میں کچھ کمی آ جائے۔"

فراز نے اپنی بات مکمل کر کے ڈرتے ڈرتے آنٹ جینس کی جانب دیکھا جن کا چہرہ تپتا ہوا لگ رہا تھا۔

"میں اس کو بہت سال پہلے معاف کر چکی تھی فراز! میرے دل میں اس سے کوئی رنجش پھر اس کے بعد آئی' نہیں' اس لیے کہ اس وقت جو اس کا مزاج تھا اس نے اس سے یہ ہی کروانا تھا۔ وہ چند دنوں کی رفاقت کا متمنی تھا

اس سے زبردستی کسی ٹھوس تعلق میں بندھنے کی ضد کی تھی۔ اس نے وہ باندھ بھی لیا' عہدہ پیمان بھی کیے مگر اپنی کے مطابق پاؤں میں پڑی زنجیر میں زیادہ دیر بندھا نہ رہ سکا۔ کیونکہ یہ اس کی فطرت ہی نہ تھی۔ جس نکاح کی اب کی ایک بوتل ہو' وہ نکاح کتنی دیر قائم رہ سکتا تھا۔ سو اس نے اپنے مزاج کے مطابق جو کیا وہ ٹھیک کیا۔ یہ اس کے چلے جانے کے کئی سال بعد سمجھا تھا اور تب ہی میں نے اسے معاف کر دیا تھا کیونکہ یہ اس کی تو تھی لیکن میری وہ پہلی محبت تھی۔ محبت کا تقاضا ہی قربانی ہے اور ایثار' سو میں نے سوچا کہ میرے دل کی رنجش اسے عمر بھر خوار نہ کیے رکھے میں نے اپنے خدا کے حضور حاضر ہو کر اسے دل سے معاف کر دیا تھا۔ رہا للی کا اس کے لیے میرے دل میں یہ دکھ ضرور ابھرتا رہا کہ اس جیسے سیلڈ اور نامور شخص کی بیٹی کی قسمت میں ایسی در خواری کیوں لکھی گئی۔"

"میں جانتا ہوں کہ یہ ان کی بڑی زیادتی ہے لیکن پھر بھی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ انہیں کر دیں۔" فراز نے اپنی بات دہرائی۔

"میں نے کہا نا کہ میں نے اسے بہت سال پہلے ہی معاف کر دیا تھا۔"

"اور للی۔" فراز نے کہا۔ کھٹ کھٹ عقب سے آواز آئی۔

"مجھے پہلے یہ بتاؤ کہ وہ ہے کون؟" للی نے سامنے آتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری چند باتیں تو سن چکی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آئیں مگر جو بھی ہے یقیناً اس شخص کے بارے میں ہے جو میری پیدائش کا ذمہ دار ہے۔"

"میں تمہیں بعد میں تفصیل سے بتاؤں گی للی! فی الحال اس موضوع کو بند کر دو۔" جینس نے للی کے ممکنہ ردِعمل نظر کہا۔

"نہیں ماما! تم فکر مت کرو۔ میں اس وہ پرانی للی نہیں رہی۔ اب میں یہ بات سمجھ چکی ہوں کہ مسلم سوسائٹی کا آدمی ہماری کمیونٹی کی کسی عورت سے اگر کوئی تعلق جوڑ بھی لیتا ہے تو اس کے پیچھے ماسوائے چند روزہ تفریح کوئی وجہ نہیں ہوتی۔"

"قصور ہماری کمیونٹی کی عورت کا بھی تو ہوتا ہے وہ اپنے جذبات کے ہاتھوں اتنی مجبور ہو جاتی ہے کہ خدا کی ں نہیں ایک انسان کی طلب میں اپنا مذہب بھی تبدیل کر لیتی ہے' دنیا سے مخفی رکھنے کو کہتا ہے تو مخفی بھی رکھ لیتی نام بدنام کر لیتی ہے' بےنام و نشاں بچے پال لیتی ہے مگر اس کا ذکر زبان پر نہیں لاتی۔ قصوروار تو دونوں ہوئے

"مگر ان دونوں کے قصور کی سزا کون بھگتتا ہے' وہ بےنام و نشان بچے جو گم کردہ راہ ہو جاتے ہیں جن کی نہ کوئی دتی ہے نہ کوئی راستہ۔"

"للی! جو ہو چکا اس پر بحث کرنے کا اب کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اس معاشرے میں نجانے ایسی کتنی کہانیاں پڑی ہیں۔ جو بھی ہوا خدا کو یہ ہی منظور ہوگا جب ہی ہوا۔ تم اس وقت محض یہ جان لو کہ وہ جو تمہارا باپ ہے وہ بستر مرگ پر پڑا ہے۔ اس کے لیے دل میں جو گلے شکوے ہیں نکال دو۔" جینس نے سخت لہجے میں کہا۔

"ایسی کہانیوں کا یہ ہی انجام ہوتا ہے اکثر ان لوگوں کو بستر مرگ پر پڑ کر ہی یاد آتا ہے کہ ماضی میں کیا غلطیاں ہیں پھر معافی تلافی کے دقت آ جاتے ہیں۔" للی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم فراز' اب اگر اس کے پاس جاؤ تو اس سے کہنا کہ نسرین کلثوم نے اسے معاف کیا' ان چند دنوں کے وں کی وجہ سے اس کی زندگی میں لطیف احساس چھوڑ گئے اور رہا للی کا سوال تو دعا کرو کہ وہ بھی اپنے دل میں

اسے معاف کردے۔ اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ جو پیسہ اس نے میرے نام جمع کروایا تھا' وہ میں نے للّی کے نام
کردیا ہے۔ اس سے یہ بھی کہنا کہ میں اس روز بھی اسے یہ بتانا چاہتی تھی کہ میں نے اسے معاف کردیا جب
اس ری ہیبلیٹیشن سینٹر میں میرے پاس اپنے لیے معافی مانگنے آیا تھا مگر میری زبان میرا ساتھ نہ دے پائی تھی۔"
جینس نے جو بات کہی' وہ فراز کے لیے ایک نیا انکشاف تھی۔

"آپ بہت اچھی اور عظیم ہیں آنٹ جینس! دعا کریں جس طرح خدا نے آپ کو صحت اور زندگی عطا
انہیں بھی عطا فرمائے۔" فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ اپنے پیچھے ان دونوں ماں بیٹیوں کے درمیان نہ ختم ہونے والی بحث اور وضاحتیں چھوڑ آیا تھا۔

"وہ تو جتنا غلط تھا' تھا ہی' تم میری غلطی کا احساس بھی تو کرو للّی! اپنی ماں کو بتائے بغیر میں نے اس سے نا
لیا اور اس کے بچے کی ماں بننے والی بھی ہوگئی۔ غلطی میری بھی تھی۔ عمر بھر میں نے جو کاٹا وہ اسی کا پھل تھا۔ ہم غل
کے تجزیے میں خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔" جینس للّی کو سمجھا رہی تھی۔

"مگر اس غلطی کی سزا مجھ ایسے بچوں کو کیوں ملتی ہے۔" للّی نے اپنا موقف دہرایا۔

"تم سے بدتر بھی ہوتے ہیں کئی لوگ' تم سمجھتی کیوں نہیں ہو' تمہارے پاس تو میں تھی' ماما اور لینا تھی ا
ساری کمیونٹی۔"

"کمیونٹی' ہونہہ!" للّی نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"اسی کمیونٹی کا مپلیکس سے نکلنے کے لیے میں نے کیا کیا فیس کیا۔ تم کیسے سمجھ سکتی ہو۔"

"تو پھر ان لوگوں کا بھی سوچو جنہوں نے تمہارے کسی قصور کے بغیر تمہارا یہ حشر کردیا۔" جینس نے ا
ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں کیا ہوا تھا؟ کون سا انٹرسٹ اور کون سا گناہ؟"

"میں تمہاری طرح صابر نہیں ہوں' مجھے اپنے نفع سے خوشی ہوتی ہے اور نقصان پر افسوس' جب ہی ا
نامعلوم باپ کا تذکرہ سن کر مجھے افسوس ہوا کہ اگر وہ بڑے نام والا شخص تھا تو پھر میری عمر کیوں یوں عزت کی زند
ترستے ہوئے گزر گئی۔"

"جب اتنی زندگی ایسے گزر گئی تو باقی کی بھی گزر جانے دو' جس قصے پر اتنا عرصہ مٹی ڈالے بیٹھی رہی ہو ا
اب بھی نناک پڑے رہنے دو۔"

"ٹھیک ہے' کیونکہ مجھے دوسروں کے کہنے پر اپنی سوچ سے زیادہ یقین آنے لگا ہے' میری سوچ نے مجھے
حال تک پہنچا دیا۔ اب دیکھتی ہوں کہ دوسروں کے کہنے پر چلنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

"گڈ گرل!" جینس مسکرائی "چلو اب کچن میں چلتے ہیں' ماما کا فیورٹ قیمہ ساگ پکائیں' جب وہ گھر وا
آئے گی اس وقت اسے خوب بھوک لگی ہوگی۔"

"ہاں!" للّی نے اپنا کٹی انگلیوں والا ہاتھ نظروں کے سامنے لاکر کھولتے اور بند کرتے ہوئے کہا۔

.......۞.......

"ہے لو جی میں بستی کمال پور سے' ہیلو جی میں بول رہی ہوں مبینہ کلثوم بستی کمال پور سے' مجھے اپنے ماسٹر
سے بات کرنی ہے' ہیلو آپ کو میری آواز آرہی ہے جی' آپ کون بول رہے ہیں جی؟" فراز کے موبائل پر بہت آ
آواز سنائی دے رہی تھی۔ یوں جیسے کوسوں دور سے آرہی ہو۔ پھر بھی اسے سمجھ میں آرہا تھا کہ یہ کال کہاں سے آر
تھی اور کون کررہا تھا مگر وہ دانستہ اس کال کو لمبا کررہا تھا اور بار بار کہہ رہا تھا

"دیکھیے جی' آپ کی آواز نہیں آرہی۔"
"ٹھہریں میں اوپر چھت پر جاتی ہوں۔" پھر آواز آئی اور چند سیکنڈز کے بعد آواز کلیئر ہوگئی۔ "میں مبینہ کلثوم
رہی ہوں جی' بستی کمال پور سے مجھے ماسٹر جی سے ماسٹر ہدایت اللہ سے بات کرنی ہے جی۔"
"بڑا لمبا تعارف کرایا مس مبینہ کلثوم! سیدھے طریقے سے کہو کہ مانو بات کررہی ہوں۔" فراز نے شرارت

"میں نے ماسٹر جی سے بات کرنی ہے۔" دوسری جانب سے اپنی بات دہرائی گئی۔
"کوئی سلام دعا اس غریب سے بھی کرلو۔"
"یہ سعید کا موبائل ہے۔ وہ بھائی دل نواز سے لے کر آیا ہے' کہہ رہا تھا پیسے کم ہیں اس میں' میری ماسٹر جی سے
دو۔" دوسری جانب سے رعب سے کہا گیا۔
"جو حکم جناب! ابھی لیجیے۔" وہ اپنی جگہ سے مڑا اور پیچھے صوفے پر بیٹھے ماسٹر جی کے قریب آگیا' بستی سے
ہے ماسٹر جی!" اس نے موبائل انہیں تھما دیا۔
"اوئے ہوئے بھئی یہ تو کلثوم کا فون ہے۔" ماسٹر جی چہکتی ہوئی آواز میں کہہ رہے تھے "او شاباش اے بھئی' تو
ہمت کرلی فون کرنے کی' اچھا اچھا دل نواز نے دیا ہے۔ ہاں بھئی میں بالکل ٹھیک ہوں۔ واپس ہی آنا ہے
اس نالائق کو امتحان دلوادوں۔ یہ تو بڑا لاپروا ہے بھئی' اس کے سر پر رہنا بڑا ضروری ہے' نہیں تو کیا پتہ فیل
جائے اور ہمیں کہہ دے کہ امتحان دیا ہی نہیں تو خیریت ہی ہے نا' تیرا چاچا تیری اماں۔"
فراز کچھ دیر وہیں کھڑا یہ گفتگو سنتا رہا اور پھر آہستہ قدموں چلتا کمرے سے باہر آگیا۔ اس کال نے اس کے
رور کردیا تھا۔ کتنے کم عرصے میں دنیا کے سارے خطوں کی طرح بستی کمال پور نے بھی ترقی کرلی تھی۔ اب
عرصہ پہلے ہی اس بستی میں موبائل فون کے بارے میں صرف باتیں ہی کی جاسکتی تھیں اور دوسری بہت سی
بادات کے بارے میں کہانیاں ہی سنائی جاسکتی تھیں' وہاں اب وہ فون استعمال ہورہا تھا اور وہاں کی لڑکیاں
لواستعمال کرنا جان گئی تھیں۔ گویا ماسٹر جی کے خواب کی تعبیر اب دور نہیں۔" اس نے سوچا اور مسکرا دیا۔

.......۞.......

"رباب! یہ میں ہوں سارہ شاہنواز' میں تم سے محض اس لیے رابطہ نہیں کرپارہی تھی کیونکہ میں تم سے دل میں
ندگی محسوس کرتی ہوں۔ دراصل جب انسان بہت سی کیفیات میں بیک وقت الجھ جاتا ہے تو اسے کچھ پتہ نہیں
ے کس بات پر کس طرح کا ردعمل ظاہر کرنا چاہیے۔ ہم عام سے انسان اکثر جو نظر آتا ہے اسی پر یقین کرلیتے
ا روز جو واقعہ لاہور میں ہوا' وہاں سے واپس آنے کے بعد میں نے سوچا کہ میرا ردعمل غلط تھا۔ یہ کوئی بری
ا کہ اسفند یار تمہارا دوست ہے۔ شاید مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تم نے مجھ سے میری کہانی صرف اسفند یار کو
کے لیے سنی۔ اگر ایسا بھی تھا تو بھی کوئی بری بات نہیں۔ کیونکہ اب میرے دل سے لوگوں کا اور لوگوں کی باتوں
مٹ چکا ہے۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد میں سوچتی ہوں کہ شہر یار کے سلسلے میں ہونے والے کسی بھی
واقعے کی محرک نہیں تھی پھر میں نے اتنا عرصہ یوں ایسے گھٹ گھٹ کے نہ منا سکی۔ اب میں اس خوف کے
باہر نکل آئی ہوں۔ میرے دل پر کوئی بوجھ بھی نہیں ہے۔ اب تم اسفند یار سے کہہ سکتی ہو کہ بے شک مجھ سے
کر پوچھے کہ اس کے بھائی کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا۔
یرے ڈیڈی شاہنواز احمد سے متعلق تمہاری ای میل مجھے موصول ہوگئی' ان کے سلسلے میں یہاں اور بھی بہت

سے لوگ بات کرتے رہتے ہیں۔ ان کے ذاتی معالج ڈاکٹر سلطان سے میں نے بات کر کے ان کی خیریت پوچھی، جو انہوں نے بتایا وہ یقیناً امید افزا نہیں ہے۔ میں اس بات پر بھی سوچتی ہوں کہ وہ میرے باپ ہونے کی حیثیت سے زیادہ اہم ہیں یا ایک نامور مصور، مجسمہ ساز، دانشور، محقق، نقاد ہونے کی حیثیت سے۔ مجھے ہمیشہ دوسری حیثیت زیادہ اہم لگتی ہے۔ میرے ڈیڈی بہت بدقسمت ہیں رباب! انہوں نے شہرت اور ناموری حاصل کرنے کی تگ و دو میں محبتیں اور جذبات گنوا دیے۔ مگر میں پھر بھی ان کے لیے دعا گو ہوں کیونکہ انہوں نے اپنے ملک کے لیے بہت سی جگہوں پر بڑا نام اور عزت کمائی۔ ایک بیٹی کی حیثیت سے نہیں، ایک مداح کی حیثیت سے، میں بھی انہیں پھولوں کا گلدستہ اور جلد صحت یاب ہو جانے کی دعاؤں کا کارڈ بھجواؤں گی۔

یہ بھی ایک عجیب سی بات ہے رباب کہ میرے اردگرد اتنے بہت سے لوگوں کا ہجوم ہے اور ان میں بہت سے دوست بھی ہیں۔ مگر میں دوستی کی مد میں اکثر تمہارے متعلق ہی سوچتی ہوں۔ تم بہت خوش قسمت ہو رباب کہ تمہیں ایسے والدین کی تربیت حاصل ہوئی جو زمانے کی قدروں کے ساتھ ساتھ روایات اور اخلاقیات کی پاس داری سکھاتے تھے۔ تمہاری متوازن اور کامیاب زندگی میرے لیے سوچ کے بہت سے در وا کر جاتی ہے اور اب میں نے غور کرنا شروع کر دیا ہے کہ دنیا میں ہم لوگوں کی اصل شناخت کیا ہونی چاہیے۔ میری اس سوچ کا ایک محرک بی بی زینب کی ذات بھی ہے۔ تم لاہور میں رہتی ہو۔ اگر موقع ملے تو بی بی زینب سے ضرور ملنا۔ وہ ایک اَن پڑھ عالمہ ہیں اور ان کی صحبت ذہن جو جِلا بخشنے کا محرک ثابت ہو سکتی ہے۔

رباب! تم میرے لیے دعا کرنا کہ اگر میرے ذہن میں عرصے کے بعد کچھ مثبت سوچ نے ڈیرا جمایا ہے تو میں اس سوچ کو سوچتی ہی رہوں۔"

رباب نے سارہ کی طویل ای میل پڑھی۔ اس کا دل رنج اور خوشی دونوں طرح کے احساسات محسوس کر رہا تھا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ اتنے سارے تجربات سے گزر جانے کے بعد ہی انسان کی سوچ پختہ ہو۔'' اس نے سوچا ''لیکن یہ بھی تو ایک نعمت ہے کہ تب بھی ایسا ہو جائے، نہ ہو تو بھی کیا کیا جا سکتا ہے۔''

پھر اسے دوسرا خیال آیا۔ ''مگر سارہ! یہ جو تم اپنے والد کے بارے میں سوچتی ہو۔ یہ سوچ ہرگز مثبت نہیں۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ انسان کو روایات اور اخلاقیات کی پاس داری کرنا ضروری ہے تو پھر تمہیں اپنے والد کے متعلق سوچ کو ان کے عمل کے ردعمل کے طور پر جانچنا ترک کرنا پڑے گا۔ تم صرف اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہو، اپنے والد کے عمل کی نہیں۔ تم صرف اتنا سوچو کہ تمہارا عمل کیسا ہونا چاہیے پھر یقیناً تمہارے ذہن کے اور بھی بہت سے حصے پرسکون ہو جائیں گے۔ تمہارے کہنے پر میں بی بی زینب سے ضرور ملوں گی۔ بعض اوقات ہم سوچ نہیں سکتے کہ ہمیں راہنمائی کہاں سے ملنے والی ہے۔ تم بی بی زینب کو محرک قرار دیتی ہو۔ یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ماسٹر ہدایت اللہ سے راہنمائی حاصل کر رہے ہیں اور ان کی شخصیات میں زمین آسمان کا فرق آ چکا ہے۔ جب تم اپنے والد کو دیکھنے پاکستان آؤ گی میں تمہیں ماسٹر ہدایت اللہ سے ضرور ملواؤں گی۔ یقیناً وہ تمہیں تمہارے بہت سے سوالوں کے جواب دے سکتے ہیں۔''

اس نے سارہ کی ای میل کے جواب میں لکھا تھا۔

......❁......

''تم سوہا پیرزادہ کو اپنی بزنس پارٹنر بنانے کے بارے میں سوچ رہے ہو، میں نے سنا ہے۔'' رابعہ آفتاب نے آفتاب جمیل کے کان کے پاس پھنکارتے ہوئے کہا۔

''تم صرف بزنس پارٹنر بنانے کی بات کر رہی ہو، میرا تو کچھ اور بھی ارادہ ہے۔'' آفتاب جمیل نے کوٹ پہنتے ہوئے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''وہ ارادہ کیا ہے۔ مجھے بھی بتاؤ۔'' وہ اور بھی چلّا کر بولیں۔

''ایک لفظ لائف پارٹنر ہوتا ہے، اس کا مطلب جانتی ہو تم۔''

''ہوں!'' رابعہ نے آفتاب کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''گویا بوڑھی گھوڑی کو لال لگام پہننے کی سوجھ رہی ہے۔ خوب بہت خوب۔'' وہ طنز سے بولیں ''مگر تمہیں تو لال رنگ کبھی پسند نہیں آیا آفتاب اس کا مطلب ہے اس کا تعلق بھی اسی جگہ سے ہے۔''

''اپنی حدود میں رہو رابعہ!'' آفتاب نے ڈپٹ کر کہا۔

''یہ میری ہی حدود ہیں جہاں تم اس وقت کھڑے ہو آفتاب، چاہوں تو تمہیں کھڑے کھڑے نکال دوں یہاں سے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولیں ''یہ لائف پارٹنر بنانے کی دھمکیاں بہت پرانی ہو گئیں، مجھ جیسی سادہ گھریلو عورت کو تم نے اپنے ہاتھوں جس پٹری پر چڑھا دیا تھا اس کے لیے اب یہ احمقانہ دھمکیاں بے معنی ہیں۔''

''چلو ایسا ہی سہی، تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا نا تو نہ پڑے، ویسے بھی تمہارا بیٹا اتنے کم عرصے میں ایک بڑا اور کامیاب بزنس مین بن چکا ہے تمہیں فرق پڑنا بھی نہیں چاہیے۔ بہتر ہے کہ اب تم دونوں اپنی مرضی سے زندگی گزارو اور مجھے میری مرضی سے گزارنے دو۔''

''یہ کھیل بھی کھیل کر دیکھ لو آفتاب، لگتا ہے تمہارے واپس مرچوں کی چکی پر بیٹھنے کے دن قریب آ گئے ہیں۔ اچھی طرح سوچ لو کہ اس عمر میں جو نقصان کا سودا تم کرنے جا رہے ہو اس کا انجام جب ہو جائے گا تو تمہارا کیا ہو گا۔ میرا تو بیٹا خیر اس قابل ہو چکا کہ مجھے سنبھال لے گا، تم کیا کرو گے اس وقت جب سوہا تمہیں بھاٹی لوہاری کو جانے کا راستہ دکھائے گی۔''

''طعنے، کوسنے، بددعائیں جتنی ہیں تمہارے پاس سب دے لو، مگر یہ جان لو کہ جدھر کا راستہ تم مجھے دکھا رہی ہو وہاں جانے کا وقت تمہارا آنے والا ہے۔ پچھلے چند ماہ میں تم نے جن بزنس ڈیلز پر دستخط کیے ہیں وہ ڈیلز کے کاغذات نہیں تھے بلکہ وہ کمپنی کے تمام بزنس افیئرز سے تمہاری دستبرداری کے اعلانات کے کاغذات تھے اور اس سلسلے کا آخری کاغذ آج شام ہی تم نے رابعہ ٹیکسٹائل کے مین آفس میں بیٹھ کر سائن کیا ہے۔ مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ اس حقیقت پر خوشی ہو رہی ہے کہ تم ایک پڑھی عورت نہیں ہو۔''

آفتاب نے ہنستے ہوئے رابعہ پر جو انکشاف کیا تھا وہ ان کی روح کھینچ لینے کے مترادف تھا۔

''مجھے تمہارا وجود کسی معمول کی مانند نظر آ رہا ہے، تم کن کے اشاروں پر یہ سب کر رہے ہو مجھے معلوم نہیں مگر یاد رکھنا یہ گھاٹے کا سودا ہے بہت گھاٹے کا۔''

انہوں نے لرزتی آواز میں کہا۔ ان کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں اور اب ان میں اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

''تم شام تک سوچ لو کہ تم نے کیا کرنا ہے۔ سوہا سے میری شادی کے نتیجے میں تمہیں سوسائٹی سے منہ چھپا کر رہنا پڑنا ہی ہے۔ فیصلہ کر لینا کہ اسی گھر میں منہ چھپانا ہے یا اپنے بیٹے کے کاٹیج میں۔'' وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر جاتے ہوئے بولے۔

رابعہ کو اپنا گردوپیش گھومتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اپنی راجدھانی اُجڑی ہوئی اور اپنا وجود کھوکھلا محسوس ہونے لگا تھا۔

انہوں نے بہ وقت اپنے قریب رکھا فون اٹھا کر اسفند کا نمبر ملایا تھا اور اس کے بعد انہوں نے اسفند سے کیا کہا تھا اپنی بات مکمل کر بھی سکی تھیں یا نہیں انہیں پتہ نہیں چلا تھا۔

.......۞.......

''تم مجھے جن الفاظ میں بھی منع کر لو' میں اپنے ارادے سے ہٹنے والی نہیں' ایک نہیں کئی زندگیوں کو اتنے آر سے بھیانک انجام سے دوچار کرنے والے یوں آزادی اور بے فکری سے دنیا میں گھومتے رہیں یہ کب تک چلے میری تو ضائع ہو ہی گئی' اس کی بھی قائم نہیں رہنے دوں گی۔'' للّی کسی سے فون پر مخاطب تھی۔

''میرے ہاتھوں نے طاقت پکڑ لی ہے اور مجھے لکڑی کی ٹانگ پر چلنا بھی آ گیا ہے۔ موت سے مجھے ڈر نہ لگتا کیونکہ زندگی میرے لیے بے معنی ہو چکی ہے۔ مجھے صرف تمہاری اتنی ہی مدد کی ضرورت ہے جتنی میں نے تم مانگی ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ ایک آدھ کے مر جانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا' مگر وہ ایک آدھ کیوں نہ مرے جو کئی زندگیاں تباہ کر سکتا ہے۔''

''میں نے اس مسئلے کے ہر پہلو پر غور کر لیا ہے غوری' میں نے کن مرحلوں سے گزر کر زندگی کا وہ مقام حاصل تھا یہ میں ہی جانتی ہوں اور جب میں اسے ذرا انجوائے کرنے لگی تو اس کم بخت نے مجھے چھلنی کر دیا۔ نجانے اس۔ س معصوم بچے کا کیا حشر کیا ہوگا میرے اندر غصے اور انتقام کی ایک آگ ہے جو میرے وجود کو جلا کر راکھ کیے دے رہ ہے۔ اس سے پہلے کہ میں خود کو ختم کر لوں بہتر ہے کہ میں اس کو ختم کر کے ختم ہو جاؤں۔''

''تو پھر میری اتنی سی مدد کر رہے ہو نا؟'' اس نے آخری بات کرتے ہوئے کہا۔ ''اب زیادہ بات نہیں کیونکہ بحث میں پڑ کر اصل بات رہ جاتی ہے۔'' دوسری طرف سے کسی یقین دہانی پر اس نے مطمئن ہو کر فون بند دیا۔ وہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں چنگاریاں بھری تھیں اور اس کا سانس تیز ہو رہا تھا۔

''میں تمہیں چھوڑنے والی نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں۔'' ہاتھ میں پکڑے موبائل کو اپنے معذ ہاتھ کی پشت پر بجاتے ہوئے وہ تصور میں کسی سے مخاطب تھی۔

''للّی' للّی تم کہاں ہو۔'' باہر سے اسے ایک مانوس آواز آتی سنائی دی۔ ''للّی' پلیز باہر آؤ۔'' اس آواز۔ دوبارہ کہا۔

''فراز!'' اسے یاد آیا۔ ''تم کتنے سویٹ ہو فراز' سوائے تمہارے باہر کی دنیا سے ہمیں ملنے کون آتا ہے۔'' مسکرائی اور اپنی لکڑی کی ٹانگ پر جو حال ہی میں لگی تھی بمشکل چلتی باہر نکل آئی۔ صحن میں اس کی ماما اور فراز کے علا بھی کوئی شخص موجود تھا۔ سفید شلوار قمیص اور نیلی پگڑی میں ملبوس یہ بوڑھا سا شخص کون تھا۔ وہ اسے نہیں جانتی تھی اور فراز کے ساتھ ان کے گھر میں کیوں آیا تھا وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی۔

''للّی' آگے بڑھو۔ آؤ تمہیں ان سے ملواؤں۔''

فراز نے مسکرا کر کہا تھا۔ وہ بے اختیار ہی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔

.......۞.......

للّی کو یہ نئی صورت حال عجیب سی لگی تھی، یہ حقیقت تھی کہ اس نے زندگی بھر اپنے باپ کے بارے میں نہ تو سوچا تھا نہ ہی کبھی اس کے متعلق کسی سے کوئی سوال کیا تھا۔ جس قسم کے علاقے میں وہ رہتی آئی تھی اور جس طرح ڈی سوزا نے اس کی پرورش کی تھی، اس کے دل میں یہ خیال بیٹھ چکا تھا کہ دنیا میں ہزاروں ایسے بچے اور بھی ہیں کے باپوں کا کچھ پتا نہیں ہوتا اور یہ کہ اسے اپنی زندگی یونہی گزارنا تھی بغیر باپ کے۔ اب اسے یہ بات عجیب سی رہی تھی کہ ایک عمر یونہی گزر جانے کے بعد اور ہر اچھے برے تجربے سے دوچار ہو جانے کے بعد اچانک ایک تو ے اس کے باپ کا ذکر کیوں ہونے لگا تھا۔

ایک روز فراز نے ماما سے یہ ذکر چھیڑا اور اب وہ اس بزرگ کو ان کے گھر لے آیا جو بقول اس کے للّی کا دادا للّی کو اس ڈرامائی صورت حال پر جھنجلاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر اس کی ماما جینس ڈی سوزا یوں خوش تھی، جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ وہ بزرگ کے آگے بچھی جا رہی تھی۔ ان کے سامنے نظریں اور سر جھکائے بیٹھی

''دیہاتی لہجے میں گفتگو کرنے والے، پگڑی اور کھسے جیسے عجیب و غریب پہناوے میں ملبوس اس شخص سے کوئی ظاہر ہو جانے پر کیسے خوش ہوا جا سکتا ہے۔'' اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے سوچا تھا۔

''انسان کی بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ وہ غلط کر رہا ہوتا ہے اور اسے پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ غلط کر رہا ہے۔ پھر اگر کسی وقت اسے احساس ہو بھی جائے تو وقت اتنا آگے جا چکا ہوتا ہے کہ وہ اپنے غلطی کی اصلاح کرنے کے قابل ہوتا، اس سے بڑی بدقسمتی کیا کرنے کے قابل نہیں ہوتا، اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے۔'' وہ بزرگ کہہ تھے اور ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملاتے صاف نظر آ رہے تھے۔

''صبر کرنے کا حکم تو رب نے دیا ہے پتر جی! سارے پیغمبر ایک سا پیغام ہی لے کر آئے تھے تو نے صبر کیا۔ بڑا تجھے اس کا اجر اپنے رب سے ملے گا، ہم مسلمان اس وہم میں رہتے ہیں کہ انسان ہونے کی ساری صرف ہمارے پاس ہی ہیں، یہ سوچتے ہوئے ہم بھول جاتے ہیں کہ انسانیت کا پیغام تو سارے پیغمبروں نے گمراہ اور بدراہ تو کوئی بھی ہو سکتا ہے مگر جو سیدھے راستے پر خدا پر مکمل ایمان رکھتے ہوئے چلتا ہے، اسے س کے

حصے کی آفرین ملنی چاہئے۔ ہم تو تیرے بڑے مشکور ہیں پتر جی۔''

انہوں نے جینس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم تو ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے آئے ہیں اپنی اولاد بے انصافی اور زیادتی کی، تیرا اپنا نہیں کہ تو معاف کرتی کہ نہیں پر ہمارے ہاتھ جڑے ہیں اور سر جھکے ہوئے ہیں۔'' انہوں نے جینس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا فراز کے دل پر جیسے چھریاں چل گئی تھیں۔ اس نے نظر اٹھا کر جینس کی طرف دیکھا جس نے تڑپ کر ان ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

''آپ ایسا نہ کریں سر! اس سارے میں جو ہوا، میں خود کو بھی اتنا ہی قصور وار سمجھتی ہوں جتنا للّی کا باپ یوں انجام، اجنبیوں کی محبت میں اتنا آگے بڑھ جانے کی سزا میری طرح کی عورتوں کو یوں ملنی چاہیے آپ مذہب کی بات کرتے ہیں۔ مجھ بدقسمت کو دیکھیں کہ اس شخص کی محبت میں مذہب بھی بدل لیا نئے مذہب کی پچھلے کی۔ عمر بھر سوچتی رہی کہ میں ہوں کون؟ دنیا کے سامنے جینس ڈی سوزا اور دل کے اندر نسرین کلثوم، ظاہر کو جھٹلا سکتی تھی نہ اس باطن کو، مگر یہ میرے حصے کی سزا تھی جو خداوند نے مجھ کو دی۔ مجھے اس سزا پر خداوند سے گلہ شکوہ نہیں۔'' وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

''پر یہ بچی! تو ناکردہ گناہ کی سزا بھگتتی رہی عمر بھر، دیکھ فراز، اوئے دیکھ اس ظالم دنیا نے اس کا کیا حا دیا۔'' ماسٹر جی نے للّی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ اب آنسوؤں کے ساتھ رو رہے تھے۔ فراز نے آگے بڑھ کر انہیں شانوں سے تھام لیا اور للّی کی طرف جس کے چہرے پر ماسٹر جی کا تعارف سن کر تلخ اور ناگوار تاثر ابھرا تھا مگر اب یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ان کی گف ششدر تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں آنسو بھر رہے تھے۔

''وہ کون ہے ماما؟ وہ شخص کون ہے؟'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے مضبوط آواز میں پوچھا۔

''ان کا نام شاہنواز احمد ہے للّی! وہ بہت بڑے آرٹسٹ ہیں۔ مصور، مجسمہ ساز استاد، دانش ور، شاید تم شاہنواز کے نام سے واقف ہو گی۔ کچھ عرصے پہلے کی سپر ماڈل سارہ شاہنواز۔ وہ بھی ان کی بیٹی ہے۔'' فراز نے بتایا۔

للّی نے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی اور پھر جیسے اسے بہت کچھ یاد آ گیا۔

''ماما! یقیناً وہ نسرین کلثوم یا جینس ڈی سوزا بہت خوش قسمت عورت تھی جس کی بیٹی سارہ شاہنواز ہے باپ کے حوالے سے شناخت تو دی اس شخص نے، تم ماما احاطے کی کرسچن ہی رہیں، بلڈی کریچر، بل شٹ، کوڑا وائے خاکروبوں کی اولاد، تمہاری اسی حیثیت کی وجہ سے تمہارے ساتھ اس شخص کا تعلق چند روز ہی قائم رہ سکا سپلائی کرنے والی اقلیت کی رکن، ان کی گلیوں، گھروں اور کرداروں کا کوڑا اٹھانے والے ہم لوگ اگر بتائیں کون یقین کرے گا کہ ہم ان کے کون کون سے گند دیکھتے ہیں اور سمیٹتے ہیں۔ جھاڑو، مانجھے، ماچس وائپر، دا پاؤڈرز، کلینزز، فنائلز اور ایرومیٹک لیکوڈز کی مدد سے ہم نے ان کے ظاہر کو کتنا پالش کیے رکھا۔ آزادی سے لے تک ہم لوگ، ہماری نسلیں اگر تم لوگوں کا یہ بار نہ اٹھاتیں تو تم لوگ کیا یونہی رہتے۔ گندے سندے۔'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان کو دیکھو۔'' اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر کلین! ان ہاتھوں کی طرف دیکھ تمہارے پھیلائے ہوئے گند کو صاف کرتے کرتے خود گند سے لتھڑ گئے ہیں۔ مگر کیا فرق پڑتا ہے، یہ بھلے لتھ

تم تو پاک صاف ہونا۔ تمہارا گند تو کسی کو نظر نہیں آ رہا، احاطے کے عیسائیوں سے نیک نکاح کر کے گلی گلی پلے ہیں۔ ...را کر کے پھینکنے والے صاف لوگو، کبھی تم پلٹ کر یہ دیکھنے کی کوشش بھی کرو کہ ان پلوں کی زندگیاں او مستقبل کیا بن ...ے ہیں۔ کتنی بچیاں جو تمہاری ہیں، بے نام و نشان زندگیاں گزارتی ہیں للّی ڈی سوزا طرح اور پھر جوان ہونے پر ...ماڑ دو پونچھے اٹھائے کسی شاہنواز احمد، کسی فیروز بٹ، ہی شبیر چاچڑ، کسی عابد باکسر کی آلہ کار بن کر اپنی شخصیت کو اور ...ردار کو داغ دار معذوری سے ہمکنار کر لیتی ہیں مگر اتنی بے بس ہوتی ہیں کہ تم پر انگلی نہیں اٹھا سکتیں کیونکہ تم تو مسٹر کلین ...معاشرے میں چمکتی دمکتی شخصیتوں کے حوالے سے پہچانے جانے والے لوگ تم پر گند کیسے اچھالا جا سکتا ہے۔''

وہ تینوں اپنی جگہ پر ساکت للّی کی گفتگو سن رہے تھے اور جیسے ٹرانس میں بول رہی تھی۔

''تھینک یو اولڈ مین!'' وہ نیچی پیڑھی لے کر ماسٹر جی کے سامنے بیٹھ گئی ''تھینک یو ہولی مین'' اس نے ہاتھ جوڑ ...ر کہا۔ ''آپ لوگ گریٹ ہیں، جب زندگیاں برباد ہو چکی ہوتی ہیں، جب انسان اپنے ہوش و حواس کھو دینے کی اسٹیج ...آ چکا ہوتا ہے، اس وقت ہی سہی، آپ احساس ہو جانے پر کم از کم معافی مانگنے تو آ ہی جاتے ہیں۔ آپ گریٹ ہو ...، جینس ڈی سوزا کے دل و دماغ اور للّی ڈی سوڑا کی ٹانگ ہاتھ اور کیریر آپ کی گریٹ نیس پر قربان، تھری چیرز ...ر یو مسٹر لیڈر ٹو بی آف دی ہیر آفٹر۔''

پھر وہ بازو اوپر اٹھا کر چلائی اور قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔ وہ اتنا زیادہ اور اتنی بری طرح ہنس رہی تھی کہ فراز کو گمان ...ا کہ وہ بے دم ہو کر گر پڑے گی۔

''شٹ اَپ للّی، شٹ اَپ!'' جینس نے لرزتی ہوئی آواز میں اسے خاموش کرانے کی کوشش کی۔ ''تمہیں ...علوم ہے کہ یہ ہی ایک ملک ہے جہاں اقلیتوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے۔ ان کا مذہب انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ ...رے مذہب کو ماننے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

''ان کا مذہب!'' للّی نے بے تحاشا ہنسنے کے باعث آنکھوں میں آتے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔ ''ان ...ا مذہب، بھلا پوچھو تو ماما انہیں خود بھی معلوم ہے کہ ان کا مذہب کیا کہتا ہے، انہیں تو خود بھی نہیں پتا کہ انہیں کون سا ...ہب فالو کرنا ہے، ملا کا مذہب یا عالم کا مذہب؟'' وہ ایک مرتبہ پھر بری طرح ہنسنے لگی پھر کچھ دیر بعد خود ہی یکدم ...اموش ہو گئی۔

''آئی ایم سوری فراز!'' اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بعد کہا۔ ''میں ری ایکشنزی ہو گئی ہوں ...اید، میں ایسا ہونا نہیں چاہتی مگر حالات نے مجھے ایسا بنا دیا ہے۔ آئی ایم سوری بابا جی۔'' وہ بابا جی کی طرف مڑ کر ...لی۔

''یہ میں نے غلط نہیں کہا کہ آپ گریٹ ہیں، وہ لوگ گریٹ ہی ہوتے ہیں جو دوسروں کی غلطیوں پر معذرت ...رتے ہیں جبکہ یہ ان کی ذمہ داری بھی نہیں ہوتی۔''

''تو سچی ہے بیٹا رانی، تو بالکل سچی ہے۔ تیرے ساتھ زمانے نے جو سلوک کیا ہے۔ اس کا ردعمل یہ ہی ...ونا چاہیے۔'' ماسٹر جی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اب تم لوگ تو بڑے پڑھے لکھے ہو۔ تمہارے تجربے بھی بڑے ...ہیں۔ تمہیں مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ دنیا میں واقعات کے محرک انسان خود ہوتے ہیں۔ اچھا، برا نتیجہ جیسا بھی ہو، ...ل کا محرک اچھا یا برا انسان ہی ہوتا ہے۔ یہ سارے سلسلے اللہ کے چلائے ہوئے ہیں اس نے دنیا کا نظام اسی طرح ...چلانا تھا سو چل رہا ہے۔ ہم نے شاہنواز احمد کی تربیت اچھے خطوط پر کرنے کی کوشش کی، مگر مٹی زرخیز نہ ہو تو چاہے جتنا ...چھا بیج ڈالو پودا یا تو نکلے گا نہیں، نکلے گا بھی تو فائدہ پہنچانے والا نہیں ہو گا۔ یہ اکیلے اس کی بدقسمتی نہیں ہے۔ یہ ہماری

بھی بدقسمتی ہے۔ بڑی بدقسمتی ہے۔ وہ دنیا میں اتنا نام نہ بھی کماتا تو ہمیں شاید فرق نہ پڑتا، مگر یہ جو کمانے کے نے جگہ جگہ جھوٹ بے ایمانی اور ناانصافی کی سیڑھیاں لگائی ہیں، وہ اس کے اوپر بھی بوجھ ہیں اور ہماری پو سامان بھی کرنے والی ہیں۔ سب کچھ جانتا ہوں۔ سب سمجھتا ہوں پر پھر بھی باپ ہوں، اس کی آخرت ہوں۔ اسے توفیق نہ ہوئی نہ ہوگی۔ اسی لیے تم لوگوں سے معافی مانگتے چلا آیا ہوں۔"

"اس شخص کے لیے یہ بلیسنگ کیا کم ہے باباجی! کہ آپ اس کے بزرگ ہیں۔ ہم ایسے بدقسمتوں کو تو بھی نہیں ملتی۔" للّی نے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے ہاتھ ماسٹر جی کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔

"میں نے اسے دیکھا نہیں، وہ مشہور ہے تو بھی میں اسے نہیں جانتی، میں نے اس سے کچھ پایا نہیں مگر آ اس آمد کی وجہ سے، اور آپ کی باتوں کو سن کر میں سمجھتی ہوں کہ ایسے انسان سے کیا گلہ اور شکوہ اور ناراضی رکھن کے لیے وہ شخص دعا کر رہا ہے۔ جسے اس نے سب سے زیادہ دکھ پہنچایا۔ کوئی گلہ نہیں۔ کوئی رنج نہیں۔ کوئی نا نہیں، آج کے بعد۔ یہ سوچ کر بھی نہیں کہ ٹاپ ماڈل سارہ شاہنواز اور اسٹیج ڈانسر بلبل دی ڈانسنگ ڈول ایک باپ کی بیٹیاں تھیں تو ان کے مقدر اتنے مختلف کیوں رہے۔"

"اس بات سے دل میں ملال مت لاؤ للّی!" فراز نے پہلی مرتبہ اس گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے مقدر تو سارا کے بھی مختلف نہیں رہے۔ جس سخت حالات کا تم کو سامنا کرنا پڑا، اس سے زیادہ برے حالات کا اسے کرنا پڑا۔ وہ تو شاید اب تک تنہا بھگت رہی ہے۔ ہاں۔ اتنا فرق ضرور پڑا کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں پلی اور ماں سے محروم رہی اور تم اپنی ماں کے گھر میں پلی بڑھیں باپ سے محرومی کے ساتھ۔"

"اچھی وکالت کی آپ نے بھی۔ للّی آنسوؤں کے درمیان مسکرا دی۔

"بڑا دل، بڑا حوصلہ ہے۔ پتر! تیری ماں کا اور تیرا۔" ماسٹر جی مشکور ہوتے ہوئے بولے۔ "بڑی نیکی کما دونوں نے اس کم نصیب کا بوجھ اتار کر۔"

"ام تم کو بتا دیا جینس ڈالنگ! یدر کمپاؤنڈ والا لوگ ام کو سینٹ ماننا لگا۔ سوب لوگ بولتا۔ ایلس ازاے سول اور ایک دن ایسا آنے والا جب ایلس کا دعا سے سوب لوگ کو سفا ملنا والا جسٹ ایز جیزس کرائسٹ واز بلیسڈ"

اسی دم ایلس بولتے ہوئے گھر میں داخل ہوئیں۔ فراز نے انہیں عرصے بعد دیکھا تھا۔ ان کے چہر مرونی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ بوڑھی لگ رہی تھیں۔ اور کمزور بھی۔

"اویو فراز۔" وہ اس کو دیکھ کر مسکرائیں۔ "کیسا ہے ینگ مین۔"

"میں اچھا ہوں لیڈی ایلس! آپ بتائیے کیسی ہیں؟" وہ مسکرا کر احترام سے بولا۔

"لیڈی ایلس!" ایلس نے اپنے الجھے ہوئے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے آنکھیں گھمائیں اررے۔" پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔ "او ینگ مین، تم کتنا اسٹوپڈ اے۔ آ گیا نا امارا باٹوں میں۔ ام، ام۔" پھ اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے بولیں "ام کوئی لیڈی ویڈی نا ئیں اے۔" انہوں نے اپنا ہا نچایا۔ "ام تو ایلس ووڈا اے، ایک ویگا باؤنڈ بینڈ ماسٹر کا ڈاٹر جس کا ماں ایک نیٹو آیا تھا۔"

"کیبرے ڈانسر، یونو کیبرے کیا ہوتا اے۔" انہوں نے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر گھومنے کی کوشش کی ا لڑکھڑا کر گرنے لگیں فراز نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔

ایلس یقیناً اس وقت نشے میں دھت تھیں۔

"بیٹھ جاؤ ماما! خاموش ہو جاؤ۔" جینس نے ڈپٹ کر کہا۔ "تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ایک باعزت شخص ہمارے ر میں مہمان بن کر آیا ہے تم اپنی مستیوں میں پڑی ہو۔"

"باعجت۔" ایلس نے اپنی بند ہوتی آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔ "یو مین آنریبل جولی گڈ نیوز۔" انہوں نے لیتے ہوئے کہا۔

"اوباباجی!" پھر ماسٹر جی سے مخاطب ہوئی۔ "اب ڈی سوزا فیملی کا پاس کیا بچا جو تم مول لینا آیا اے۔ ام کھر بت والا لوگ تم، عجت والا لوگ کو سلام کرنا مانگتا۔ سلام پاک سرزمین سلام۔" وہ جھوم جھوم کر گانے لگیں۔

"ماما پلیز! شٹ اَپ" جینس نے اٹھ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اسے تقریباً گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لے

"دیکھا آپ نے۔" اس سارے میلو ڈرامے کے بعد کی خاموشی کو للّی نے توڑا وہ ماسٹر جی کے چہرے کی دیکھ رہی تھی جس پر اضطراب پھیلا ہوا تھا۔

"ایسی ہوتی ہیں وہ زندگیاں جن کے تانے بانے اس معاشرے کے لوگ بنتے بھی ہیں اور تار تار بھی کرتے یہ وہ سچویشنز ہیں جن میں سے گزرتے ہوئے خیال آتا ہے کہ کاش ہمیں بھی نارمل لائف ملی ہوتی۔"

"للّی! لائف تو اب بھی نارمل ہو سکتی ہے۔" فراز نے اپنی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"لائف تو جب تک ہے، اس میں بہتری کی گنجائش رہتی ہے، یہ زندگی جو تمہیں ایک طرح سے دوبارہ ملی ہے، ، تو اسے بہت بہتر طریقے سے گزار سکتی ہو۔"

"ابھی تھوڑا وقت لگے گا اس نمانی کو تیری بات سمجھنے میں، جب سمجھ جائے گی۔ سوکھی (آسانی میں) ہو جائے ماسٹر جی نے کہا۔

"اب چلیں فراز باؤ۔" پھر وہ فراز کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"چلیں جی۔" فراز نے انہیں سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"باباجی! آپ ہمیں میزبانی کا موقع نہیں دے رہے۔" للّی نے کہا۔ اس کا چہرہ پرسکون لگ رہا تھا۔

"پھر سہی پتر جی! پھر سہی۔ ابھی تو جا کر اپنی نانی کو دیکھ۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں۔" ماسٹر جی نے اپنی گرم التے ہوئے کہا۔ اور فراز کا سہارا لے کر آہستہ قدموں سے چلتے باہر آ گئے۔

"ام ایسا ویسا لوگ نا ئیں اے۔ ام اصل لارڈ لوگ کا فیملی کو بی لونگ کرتا اے۔" عقب سے ایلس ڈی سوزا سنائی دے رہی تھیں۔

......۞......

سنا تھا کہ انسانوں پر آنے والے وقت اور حالات ایک سے نہیں رہتے۔ انسان تمام زندگی حالات کے سفر ہے۔ کبھی بہت اچھے حالات، کبھی نارمل، کبھی برے۔ مگر اس بات پر یقین کبھی نہیں آیا تھا کیونکہ میں نے ت کو اپنی نظر سے دیکھا جو ایک بار اچھے ہوئے تو اچھے ہی رہے بلکہ بہت اچھے کی طرف چل دیے۔ آج میں رتہی داماں بیٹھی ہوں تو مجھے حالات اور وقت کی گردش کے تجزیے کا بڑا خیال آ گیا۔"

جہ آفتاب اسفندیار کے مختصر سے گھر کے دو بیڈ رومز میں سے ایک کی کھڑکی کے قریب بیٹھی سوچ رہی تھی۔ پردے لپٹے ہوئے تھے اور سرما کی نرم گرم دھوپ کی ہلکی سی تمازت وہاں بیٹھے بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ان نظر سے لان کا سبزہ اپنی بہار دکھا رہا تھا۔ موسم کے مختصر پھول ادھر ادھر اپنے رنگ بکھیر رہے تھے، ایک

طرف مختلف رنگوں کی گل داؤدی کیک چند گملے ایک خاص ترتیب سے رکھے تھے اور ایک مختصری کیاری میں نرگس کے پھول اپنی ڈنڈیوں پر سر اٹھائے کھڑے تھے۔ فضا میں سویٹ پیز کی مہک رچی ہوئی تھی۔ رابعہ نے کھڑکی کے شیشے ایک طرف ہٹا دیا، اب یہ مہک اندر تک محسوس ہونے لگی تھی۔

انہوں نے پینیزی، کارنیشن اور گلاب کے پھولوں کے رنگ، شکلیں اور ترتیب کو غور سے دیکھا اور ایک ادا مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی۔ انکی نظروں کے سامنے وہ وسیع لان گھوم گئے جو ان کے مختلف گھروں میں سجائے گئے تھے اور جو اپنے کام میں ماہر لوگوں کے ہاتھوں نے ترتیب دیے تھے۔ روکریز اور فالز سے سجے لان دنیا کے بیش قیمت پودوں اور درختوں کا کلیکشن، جن کی لش گرین گھاس کی کٹائی بھی بیش قیمت مشینوں سے کی جا تھی۔ لاکھوں کی مالیت کا لان فرنیچر اور لائٹس نجانے کہاں کہاں سے منگوائی جاتی تھیں۔ اونیکس فاؤنٹینز اور ماربل کے مجسموں سے سجے وہ لان اب خواب ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے اسفند کے چوکیدار کو کیاریوں کی صفا کرتے دیکھا اور انہیں یاد آیا کہ ان کے لانز میں کئی کئی مالی کام کرتے تھے اور ان کے سر پر بھی ایک سپروائزر کھڑا ر تھا۔ اور اب اسفند کے مختصر سے گھر کا یہ باغیچہ اور اس میں گوڈی کرتا یہ مالی جو بیک وقت چوکیدار بھی تھا اور مالی بھی ان کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیلی۔

''اس آنگن کو بھی تو یاد کرو رابعہ! جس میں موتیے کے دو پودے اور نیم اور مولسری کے دو درخوست لگا کر بہار کا مزا لیا کرتی تھیں۔'' کسی نے ان کے کان میں سرگوشی کی۔

''اس آنگن سے اٹھا کر جو تمہیں وسیع و عریض خوبصورت لان، سوئمنگ پول جیکوزی اور سوانا باتھ جیسی سہولتوں میں مزین گھر میں لے جا سکتا ہے، وہ اس طرح کے مختصر باغیچے والے گھر میں واپس بھی لا سکتا ہے۔ بس مسئ یہ ہوا کہ تم ''اس'' کو بھول چکی تھیں۔ تمہیں یاد ہی نہ رہا تھا کہ نعمتیں جو ملیں، وہ بھی ''اس'' کے کرم اور جو چھنی گئیں بھی ''اس'' کے غضب کا نتیجہ ہیں۔

کوئی ان سے کہہ رہا تھا اور ان کا دل کانپنے لگا تھا۔ اب ان کی نظروں کے سامنے ایک خشخشی داڑھی والا مرنجا مرنج شخص آ بیٹھا تھا۔ جس کے سر پر چار خانے والا رومال بندھا تھا اور جس نے سوتی کپڑے کا بے داغ لباس پہن رکھا تھا۔ یہ چہرہ اپنی چکی پر خالص مرچیں پیسنے والے جمیل احمد کا چہرہ تھا۔

''دیکھ لیا رابعہ بی بی! تجھے اب تو سمجھ آ ہی گئی ہو گی کہ میں کس واسطے حق حلال کی روزی کمانے میں لگا رہا۔ مجھے بنگلوں اور کاروں میں دلچسپی کیوں نہ پیدا ہوئی۔ میں نے اور اور اور کا لالچ کیوں نہ کیا۔ صرف پاؤ بھر بوھا ڈالنے ہی تو بات تھی، ایک سیر مرچوں میں۔ پھر سیر کا سوا سیر ہوتا جاتا پر پھر جہاں میں اب ہوں۔ وہاں کیسے آتا، پھر تو میں وہاں ہوتا جس کی طرف دیکھتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں۔ تیرا بھلا ہو گیا رابعہ بی بی کہ تجھے اتنی غفلت میں پڑے پڑے ٹھوکر لگ گئی۔ باغوں سے اٹھ کر باغیچوں میں آ جانے کا غم نہ کر۔ شکر گزار ہو جا۔ شکر گزار بڑی نعمت ہے۔ بڑی بات ہے۔ تُو تو شکر گزار ہونا سیکھ۔''

''دادا ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں ممی! آپ نے ہر طرح کی زندگی گزار کر دیکھ لی۔ آپ کے لیے یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں کہ آپ کو کیسی زندگی گزارنا چاہیے۔''

''جمیل احمد کے چہرے کے پیچھے سے ایک اور ہنستا مسکراتا چہرہ جھانک کر کہہ رہا تھا۔

''آپ نے محسوس نہیں کیا ممی! کہ اسفی دیکھنے میں تو بڑے بڑے چیلنجز میں گھرا ہوا ہے، مگر وہ کتنا پر سکون رہتا لگا ہے۔ جو تھوڑی بہت الجھنیں اس کے ساتھ ہیں۔ وہ تو آپ ہی سلجھا سکتی ہیں نا۔ ممی، پلیز، فیصلہ کرنے کا یہ موقع

جانے نہ دیجئے گا۔ کیونکہ آپ کے فیصلے پر ہیدادا کی نسلوں کا مقدر ڈیپنڈ کرتا ہے۔'' اس چہرے کا لہجہ ملتجیانہ تھا۔

''ہیلو ممی! ہاؤ آر یو!'' عقب سے آتی ایک جانی پہچانی آواز اسننے پر انہوں نے خلاؤں سے اپنی نظریں ہٹا لیں اور اپنا دوپٹے سے پونچھتے ہوئے پیچھے کی طرف مڑیں۔

''کیا بات ہے ممی! آپ رو کیوں رہی ہیں اور آپ اتنی گھبرائی ہوئی سی لگ رہی ہیں؟'' اسفند نرمی اور محبت سے پوچھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے گردن گھما کر ان خلاؤں کی طرف دیکھا جہاں چند لمحے پہلے ان کی نظریں تھی۔ اب انہیں وہاں کچھ نظر نہیں پر آ رہا تھا۔

''ممی! آپ خود پر حالات کو اس طرح سوار کر لیں گی تو آپ کے لیے مشکل ہو جائے گی۔''

''اسفند نے انہیں شانوں سے پکڑ کر اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔

''اللہ کے فضل سے ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ وہ سب جو ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے ہوتا ہے، وہ ہماری دسترس میں ہے۔ ہاں بس ایک ڈیڈی کی کمی ہے۔'' وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکرایا۔ مسکراہٹ میں شرارت تھی۔ تو وہ بھی ایک دن پوری ہو جائے گی۔ ڈیڈی بھی واپسی کے سفر میں ہیں۔ یہ اور ہے کہ ان کا سفر ابھی لمبا ہے اور اس کے دوزان انہیں بہت کچھ سیکھنا ہے۔'' رابعہ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہ بولیں۔

''یہ دیکھئے۔'' اسفند نے ان کی چپ توڑنے کے لیے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک اسٹائلش سی مخملیں تھیلی نکالتے ہوئے کہا۔ ''یہ میں فاراز سے لایا ہوں، آپ کے لیے۔'' اس نے نازک ہیرے جڑا ایک نفیس سا کنگن، دکھاتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھئے کتنا یونیک ڈیزائن ہے ڈیمنڈز اور سیفائرز کا ایسا زبردست کمبی نیشن دیکھا ہے کبھی آپ نے؟'' وہ گھماتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ فاراز کے ذہن کا کمال ہے۔ فاراز جو آپ کا جیولری ڈیزائنر ہے آپ کا فیورٹ۔''

''اسفند! مجھے جیولری میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی۔'' رابعہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ارے ممی!'' وہ بے اختیار ہنس دیا۔ ''اتنی جلدی خود کو مت سمیٹیں نہ ہی اپنے معاملات کو، زندگی ختم نہیں ہوئی بس اس کی روٹین کچھ بدل گئی ہے۔''

''اسفی پلیز۔'' وہ بیبسی سے بولیں۔ ''میں ایک عجیب سے موڑ پر کھڑی ہوئی۔ سوسائٹی سے میں نے منہ چھپا لیا کہ وہاں نہ جانے کیسی کیسی افواہیں اڑ رہی ہوں گی۔ اس محدود اور مختصر دنیا میں میرا دل نہیں لگ پا رہا۔ نہ میں جانا چاہتی ہوں، نہ یہاں رہنا چاہتی ہوں۔ ہاتھ میرے خالی ہیں۔ بتاؤ میں کیا کروں؟'' وہ بری طرح رونے لگیں۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کو میری ذات کوئی کانفیڈنس نہیں پہنچا رہی۔ یا پھر شاید میں ہی ناکام ہو گیا ہوں، آپ کو یقین دلانے میں کہ میرے ہوتے ہوئے آپ تنہا نہیں ہیں، نہ بے بس ہیں نہ مجبور نہ ہی خالی ہاتھ۔ میرے پاس جو ہے، کم سہی مگر سب آپ کا ہے۔ آپ کہیں تو میں ہر کام میں اپنے شیئرز آپ کے نام منتقل کروا دوں، میرے بزنس سیٹ اپ میں آپ جس سیٹ پر بیٹھنا چاہیں وہ حاضر ہے۔ ممی! آپ مجھے حکم کریں۔ آپ کا دل کہاں اور کیسے مطمئن ہو گا۔''

''اسفند کی اس تسلی پر وہ اور بھی بے اختیار ہو کر رو دیں۔

''میں تو بہت گناہ گار ہوں۔ ایک عمر گمراہی میں پڑی رہی۔ میں نے تو تم دونوں کی ظاہری شخصیتو سنوارنے کے لیے کوششیں کرنے میں عمر گزار دی۔ تم دونوں اندر سے اتنے خوبصورت کیسے ہوگئے اسفی! میر جیسی گمراہ ماں کی اولاد اتنی اچھی، اتنی بلند، اتنی خوبصورت کیسے ہوگئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا جب کہ مجھے ہوش ابھی آیا ہے۔ اور میں نے تم لوگوں کو پہچانا بھی اب ہی ہے۔''

''سچ کہو، برا تو نہیں مانیں گیں'' اسفند کی آنکھوں میں جو چمک تھی، وہ اس کی تاب نہ لا سکی تھیں، انہوں نظریں جھکا لیں۔

''میں ہرگز برا نہ مانوں گی۔''

''یہ ہمارے دادا جمیل مرچوں والے مرحوم کی نیکیوں اور تقویٰ کا اثر ہے۔ جو ہمارے ساتھ رہا۔ میرے تو اتنا نہیں۔ مگر شیری کے سر پر ان ہی نیکیوں کا سایہ تھا۔ میں نے اس کے خمیر سے اٹھنے والی باس کا تعاقب کرتے کر ہی بہت کچھ پایا ہے۔ ورنہ میں تو آپ سے بھی زیادہ الجھا ہوا اور پریشان تھا، پھر میری خوش قسمتی کہ مجھے فراز احمد گیا۔ فراز کی پرسکون طبیعت اور بلیسڈ قسمت نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا کہ وہ اتنا کول، اتنا ڈاؤن ٹو ارتھ کیسے رہتا ہے جب کہ وہ بے شمار خوبیوں کا مالک ہے۔ اسی جستجو نے میری ڈائریکشن ماسٹر جی کی طرف موڑ دی اور ان کی شخصیت کے اثر نے میری شخصیت وہ بنا دی جو آج سے چھ سات سال پہلے تصور بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ممی یہ بڑے پراسرا معاملات ہیں نہ سمجھ میں آنے والے۔ ماسٹر جی کی کاز اینڈ ایفیکٹ کی تھیوری والے۔ آپ کو پتا ہے کہ وہ یہ تھیوری زندگی کے ہر معاملے پر اپلائی کر کے دکھاتے ہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ ایسا ہی ہے۔ وہ ایکشن اور ری ایکشن کی بات کرتے ہیں اور سننے والے کو ماننا پڑتا ہے کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''مجھے اور آفتاب کو عمر بھر ایسے لوگ کیوں نہیں ملے، ہمیں شیری کے اندر وہ انسان کیوں نظر نہیں آیا جو ہماری راہنمائی کرتا۔'' رابعہ نے تڑپ کر کہا

ماسٹر جی کہتے ہیں کہ دعا کیا کرو، اللہ کسی کو آزمائش میں نہ ڈالے۔ آزمائش بڑی ڈاہڈی چیز ہوتی ہے۔ یہ مٹی کو سونا بنا کر دکھاتی ہے اور بندے کی عقل پر کالی پٹی باندھ دیتی ہے۔ وہ اندھوں کی طرح آزمائش کی گلیوں میں دوڑنے لگتا ہے، سونا ہوئی مٹی کو جھپٹتا پھرتا ہے اور خود کو کامیاب اور فاتح سمجھنے لگتا ہے۔ جب کالی پٹی اُترتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ جسے وہ سونا سمجھ کر جمع کرتا رہا، وہ تو سب مٹی ہے خاک کا ڈھیر، اس وقت اس بدقسمت انسان کے پاس اسے دوبارہ سونا بنانے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

''اسفی! مجھے بھی ان ماسٹر جی کے پاس لے چلو۔ ان سے کہو میرے لیے دعا کریں۔ خدا مجھے معاف کرے، میں بھی اتنا عرصہ مٹی کو سونا سمجھ کر جھپٹتی رہی۔ یہ نہ سمجھی کہ یہ تو بڑی آزمائش ہے۔ اپنے ماسٹر جی سے پوچھنا کہ اس آزمائش سے نکلا کیسے جا سکتا ہے؟'' رابعہ کی لرزتی آواز کمرے میں ابھری۔

''آپ کی آزمائش ختم ہونے کا وقت لگتا ہے، ممی! آپ کو مبارک ہو۔'' اسفند کی آواز ان کے کانوں نے سنی تھی۔

......✿......

''ان نمانیوں کا تو بہت ہی برا حال ہے یار فراز احمد! بڑا دل پریشان ہے ان کو دیکھنے کے بعد۔'' جینس ڈی سوزا سے ملنے کے بعد ماسٹر جی نے ایک پورا دن ان کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی مگر اگلے روز رات کو جب وہ بستر میں

ے اور فراز ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ انہوں نے ڈی سوزا فیملی کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''ان کا بیک گراؤنڈ، ان کے حالات کی ایک بڑی وجہ ہے ماسٹر جی! ایسی فیملیز میں سے اکثر کے حالات ہیں۔'' فراز نے کہا۔

''اور وہ تو جو ہے سو ہے پر دکھ تو اس بات کا ہے کہ ان کے حالات میں بھی اس کم نصیب شاہو کا دخل ہو گیا۔ ہے اس بچی نسرین کلثوم کا انجام یہ ہی ہونا ہوتا، پر کیا تھا جو اس بے نصیبے کا کوئی ہاتھ نہ ہوتا اس میں۔ اب تو میں ہوں ان سے۔''

''ماسٹر جی! آنٹ جینس نے کہہ تو دیا کہ انہوں نے شاہنواز کو معاف کر دیا اور للی نے بھی یہ ہی بات کہی پھر ں شرمندہ ہیں اب؟'' فراز نے تعجب سے پوچھا۔

''یہ تو ان کا بڑا پن ہے نا پتر جی! پر وہ سوچتی تو ہوں گی کہ یہ جو بابا اپنی طرف سے بڑا عزت والا بن کر آیا ہے، ے پہن کر، سر پر پگ باندھ کر اس کی نسلوں کے کرتوت دیکھو ذرا۔''

''وہ بالکل نہیں سوچیں گی ایسا، جہاں تک میرا خیال ہے کیونکہ وہ دونوں بہت سمجھ دار اور تجربہ کار ہیں۔ آپ ی ایلس کا حال نہیں دیکھا۔ یہ خاتون ایک وقت میں لارڈز کی فیملیز سے اپنا ناتا جوڑتی تھیں اور ناک پر مکھی دیتی تھی۔ آپ نے دیکھا، وقت نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ان کے اصل کو کیسا برہنہ کر کے سب کی کے سامنے لا کھڑا کیا۔ ان کی کہانی میں تو آپ یا آپ کی نسل کا کوئی قصور نہیں۔ بھلا آپ سے زیادہ کون جانتا ر جی! کہ ہر انسان اپنی قسمت ساتھ لے کر آتا ہے اور اسے اپنی کرنیوں کا پھل ملتا ہے۔ اس میں نسلوں کی دخل کچھ اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔'' فراز نے پرسکون لہجے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''اور اس بے چاری کا تو اور بھی برا حال ہے، اس کا، لیڈی ایلس کا۔'' ماسٹر جی کو یاد آ گیا۔

''بے چاری اپنے منہ سے ہی اعتراف کرنے لگی کہ وہ ہے کون اصل میں۔ فراز باؤ! خود کو سمجھانے کی کوشش ں، سمجھا نہیں پاتا۔ اس بچی للی کی باتیں سماعت میں ہتھوڑے بن کر برستی ہیں اور اس بے چاری لیڈی کی ا کو دہلاتی ہیں۔ اور یار! ہم نے کیا کیا اتنے برسوں میں۔ ہمارے پیغمبر نے گورے کو کالے پر اور کالے ، پر کوئی ترجیح نہ دینے کا اعلان فرمایا تھا۔ ہم ترجیح کی شرط بھول کر اب تک گورے کالے، درجہ اول درجہ دوم ں پڑے ہیں۔ اب تو مجھے ہی دکھ، بڑا سیانا بنتا ہوں۔ بڑے وعظ کرتا پھرتا ہوں کل جب وہ بچی میرے لیے ں لے کر آئی تو سوچ میں پڑ گیا کہ ان کے گھر کا، اس کے ہاتھ کا پینا جائزہ ہے کہ نہیں۔ پھر سوچا، یہ جو عورت کی بیوی، یہ تو اسلام قبول کر چکی ہے۔ اس کے اسلام قبول کرنے کے صدقے ہی پی جاتا ہوں۔ پھر خیال آیا انی کو تو اب تک خود بھی ٹھیک طرح پتہ نہیں کہ یہ جینس ڈی سوزا ہے کہ نسرین کلثوم، یہ پتہ نہیں پاکی پلیدی کا ا بھی ہے کہ نہیں۔ بس پھر قدرت خدا کی دیکھ کہ اسی سوچ میں پڑا ہوا تھا۔ جب اس پانی میں مکھی گر گئی اور ھ دیا کہ مجھے اب پیاس نہیں رہی۔ اب مسلسل یہ سوچ رہا ہوں کہ حکم تو یہ بھی ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ کھاؤ و، نکاح بھی کر سکتے ہو، پھر پانی کا ایک گلاس، واہ بھئی، ہدایت اللہ! شاباش ہے۔ تیری عقل نے اتنا بھی دیکھ لے۔ اللہ کیسی کیسی آزمائش کرتا ہے۔ بندے کی۔''

''اتنی گہری باتیں تو صرف آپ سوچ سکتے ہیں ماسٹر جی! ہمیں تو شاید کبھی خیال بھی نہ آئے۔'' فراز نے اپنے ں کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''او چھڈ یار! میں کیا اور میری سوچ کیا ڈ'' ماسٹر جی مسکرا کر بولے۔ ''جب سے تیرے اس شہر میں آیا ہوں، نئی

نئی چیزیں، عمارتیں، لوگوں کے کام کرنے کے طریقے سلیقے۔ سوچ، علم اور باتیں دیکھ سن کر میں تو حیران ہو رہا ہوں کہ یا مولا، اتنی وسعت اور بلندی عطا کر دی تو نے ان لوگوں کو تو پھر ان کو مل جل کر ملک کو ترقی دلانے کے کام پر کیوں نہیں لگایا۔ سب کو اپنی اپنی فکر میں کیوں ڈال رکھا ہے جس سے بھی تو نے ملایا ہے، اسے اپنی پڑی ہے۔ میرا کاروبار، میرے مسائل، میری نوکری، میری سفارش، میرے لیے دعا، اور بھلیے لوکو! شاباش ہے بھئی۔ تمہارا وہ سب جو تمہارا ہے مل جل کر اگر ہمارے میں بدل جائے تو پھر دیکھیں۔ کون سا امریکہ آنکھیں دکھاتا ہے ان کو۔ پر نہیں جی۔" وہ تاسف سے سر ہلا کر بولے۔

"یہ انکی آزمائش ہے۔ سب کو میرے میرے میں ڈال رکھا ہے اس نے۔"

"ہاں یاد آیا!" فراز کو کتاب کھولتے دیکھ کر کچھ توقف کے بعد وہ بولے۔ "کل جو فون آیا تھا نا بستی سے لالہ شفیع کا اور سعد کا اور مبینہ کلثوم کا۔ وہ سب اصرار کر رہے تھے کہ میں واپس چلا آؤں۔ سب بہت اداس ہو گئے ہیں۔"

"ان سے آپ نے کہا نہیں کہ آیا اپنی مرضی سے تھا، واپس فراز کی مرضی سے جاؤں گا۔" فراز نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ، میں نے تو کہا تھا کہ اس نالائق کو امتحان دلوالوں پھر آ جاؤں گا پر وہ تو کوئی بات ہی نہیں سن رہے تھے تو ایسا کر، میری واپسی کا کوئی انتظام کر دے یا پھر دل نواز کو فون کر دے۔ مجھے آ کر لے جائے۔"

"یہ بات فی الحال آپ دوبارہ نہیں کریں گے۔ ماسٹر جی! آپ کی واپسی کا وقت ابھی نہیں آیا۔" فراز نے ان کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیتے ہوئے کہا۔

"تو میری واپسی کا وقت کب آئے گا باؤ صاحب!" ماسٹر جی خوشگوار انداز میں بولے۔

"جب آپ شاہنواز صاحب سے مل لیں گے۔"

"میں نے اس سے نہیں ملنا۔ میں نے تجھے پہلے ہی بتا دیا تھا۔" ماسٹر جی کا خوشگوار موڈ ہوا ہو گیا۔ "اس کے متعلق میرے دل میں کھٹک تھی، وہ یہاں آ کر، تیری سن کران بیبیوں سے معافی مانگ کر کچھ ہلکی پڑ گئی ہے۔ اب خدا اسے صحت دے۔ دعا کر چھوڑا کروں گا۔ تو مجھے واپس بھجوا دے۔"

"ماسٹر جی! ہم عام سے انسان تو خود کو دھوکا دے کر کچھ وقت گزار لیتے ہیں، آپ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ آپ کے من میں کوئی کھوٹ، کوئی بہلاوا نہیں ہے۔ حقیقت کیا ہے۔ آپ کو سب پتا ہوتا ہے پھر آپ کس طرح خود کو دھوکا دے سکتے ہیں۔" فراز دوبارہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"تم عام انسان ہو اور میں خاص۔" ماسٹر جی نے مذاق میں ٹالنا چاہا۔ "یہ بندوں کی کیٹیگریاں بنانے کا کام تم نے کب سے سنبھالا ہے۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں۔ آپ کو بھی معلوم ہے کہ درست ہے، ماسٹر جی اور شاید کسی کو اتنے یقین سے معلوم نہ ہو لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ جس شخص کو اپنے اندر چھپائے رکھتے ہیں۔ اس پر اللہ کا خاص کرم ہے۔ میں آپ کو اب سے نہیں کئی سالوں سے واچ کر رہا ہوں ماسٹر جی، آپ کی باتیں، آپ کے فیصلے، آپ کے علم سے، پلیز اب آپ مجھے جھٹلانے کی کوشش مت کیجئے گا۔ ایک عام انسان ناخلف اولاد کی کرنیوں پر متاثرین سے معافیاں مانگنے نہیں جا بلکہ اس لاتعلقی کو عمر بھر قائم رکھتا ہے جو اس نے اپنی ناخلف اولاد کے بارے میں فیصلہ کی ہوتی ہے۔ ایک عام انسان یوں برسوں کی لاتعلقی اور سرد مہری کے باوجود اچانک ہڑبڑا کر بستی کمال پور سے لاہور نہیں آ جاتا، میں اس گستاخی کی

چاہتا ہوں۔" پھر فراز نے سر جھکا کر کہا "مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ کے راز آپ سے ڈسکس کروں یا ان کو ...وں، مگر اس معاملے میں میرا دل نہیں چاہتا کہ آپ اپنے دل پر اتنے پتھر رکھیں۔" اپنی بات مکمل کر کے اس نے ...ٹھا کر دم بخود بیٹھے ماسٹر کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری ماسٹر جی! اگر میں نے آپ کا دل دکھایا ہے تو۔" اس نے ان کے گھٹنوں کو چھوتے ہوئے

"نہیں یار!" انہوں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تو اس کو دیکھ آتا ہے۔ مجھے بتا دیتا ہے، پتہ ...ا ہے یہ ہی بہت ہے، میں اس کے سامنے جانا نہیں چاہتا، ہم میں سے کوئی ایک سخت شرمندہ ہو جائے گا یوں ...امنے پر، فراز باؤ تو سمجھ میری بات کو۔"

"اچھا چلیں۔ ایسا کریں کہ ان کی صحت یابی تک آپ یہاں رکیں، یہاں رہ کر ان کے لیے دعا مانگیں۔ ابھی تو ...نے یہاں بہت کچھ دیکھنا ہے لوگوں سے ملنا ہے۔ اسفند بھائی کے شاپنگ مال پر جانا ہے۔ ان کے کڈز ہوم کی ...ی کی ارتھ بریکنگ کے آپ مہمان خصوصی ہیں۔ ارباب کیانی کے گھر کھانے پر جانا ہے اور اب تو اسفند بھائی ...تھے کہ ان کی ممی بھی آپ سے ملنے کی خواہش مند ہیں۔ پھر کرسمس قریب آ رہی ہے، آپ اپنی بہو اور پوتی کو ...کریں گے کرسمس پر۔" فراز نے انہیں بہلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"چل پھر تو اپنی مرضی کر۔" وہ ہار مان کر بولے۔ "پر مبینہ کلثوم کو فون تو خود کرے گا یہ بتانے کے لیے، وہ مجھ ...ی تجھ سے زیادہ جتاتی ہے۔ اسے اپنے امتحان کی فکر پڑی ہے۔ میرے شاگرد بھی آج کل وہ ہی سنبھالتی ہے، ...تو اسے کہہ دیا تھا کہ یہ تیری ریہرسل کا پیریڈ ہے۔"

"میں بھائی دل نواز کو فون کر دوں گا۔" فراز نے کہا۔

"میں مبینہ کلثوم کی بات کر رہا ہوں۔"

"بھائی دل نواز سے کہہ دوں گا، وہ اسے بتا دیں۔"

"نہ اوے بھلیا لوکا، یوں نہیں کرتے، ہر بندے کی آس اور مان کا خیال کرتے ہیں۔ تو اسے بتائے گا تو اس کا ...ہ جائے گا کہ اسے بتایا گیا ہے۔"

"ماسٹر جی! اس کے خود کے پاس تو فون ہے نہیں، جس کسی سے کہوں گا کہ مانو سے بات کرنی ہے۔ وہ اسے ...رپیرائے میں تشریح کرے گا اور یہ اچھی بات نہ ہو گی۔" فراز نے انہیں رسان سے سمجھایا۔

"او تو تو بڑا عقل مند ہے یار۔" ماسٹر جی اس کی بات کو سمجھ کر بولے۔ "چل میں کہوں گا دل نواز سے کہ مبینہ ...سے بات کرا دے۔ ٹھیک ہے۔"

"آپ بڑے لبرل ثابت ہو رہے ہیں ماسٹر جی! لالہ شفیع مجھے اور مانو دونوں کو جوتیاں مارے گا۔" فراز نے ...رکہا۔

"اس کی ایسی کی تیسی، تو صبح اٹھتے ہی ملانا نمبر دل نواز کا۔ دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے۔" وہ کمبل اوڑھ کر لیٹتے ...ہوئے بولے۔ فراز نے لائٹ آف کر کے اسٹڈی ٹیبل کا لیمپ آن کر لیا۔

......❁......

"گیٹ ویل سون، آئی وش یو اے سپیڈی ریکوری۔"

"فرام سارہ شاہنواز ٹو اے لیونگ لیجنڈ آف دی ورلڈ آف آرٹ۔

ان کے سامنے تارہ خوبصورت پھولوں کا ایک بڑا سا بوکے رکھا تھا جو سنہری جالی دار شیٹ میں لپٹا تھا۔ ا
نظروں نے بوکے کے نیچے لپٹی ربن کی بو پر درج بڑے بڑے الفاظ پڑھے اور آنکھیں موند لیں۔

''چلو یونہی سہی، سارہ جان! تم نے مجھے کسی میدان کا ماہر سمجھ کر ہی یاد بھی کیا اور دعا بھی دی۔ سنا ہے بڑ
کئی دعائیں اللہ ضرور سنتا ہے، مگر جو تم بیٹی بن کر یہ لو کے بھیجتیں تو۔''

انہوں نے آنکھیں کھول کر قریب کھڑی نرس کو وہ بوکے اپنے قریب لانے کا اشارہ کیا۔ نرس نے پیکنگ
کر ان کی سینے پر دھری دی۔

''نائس فلاورز سر، کتنا خوب صورت کلر کمبی نیشن ہے ان کا انٹرنیشنل کوریر سے آیا ہے، کسی اور ملک سے''
نے پیکنگ کے ساتھ لٹکتے ٹیگ پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''سر! آپ کے فینز تو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور یہ بہت بڑا آنر ہے۔ پرسوں پرائم منسٹر صاحب آپ
خیریت دریافت کرنے آ رہے ہیں اور ہاسپٹل میں صفائی اور سیکیورٹی کے سلسلے میں ایک شور مچا ہوا ہے یہ بہت بڑا
ہے سر!''

''وہ انہیں اسی طرح بہلا رہی تھی، جیسے اسے سکھایا گیا تھا۔

''مریض اور نرس کا یہ رشتہ بھی بڑی نعمت ہے۔'' انہوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔

''یہ مہربان ہاتھ اور نرم آواز بھی نہ ہوتی تو مجھ جیسے تو وقت سے پہلے ہی مر جاتے۔'' ان کا وہ ہاتھ جو ذرا
حرکت کر سکتا ہے اسے وہ مسلسل سینے پر دھرے پھولوں پر پھیر رہے تھے۔

''لائیے سر! میں اسے واپس رکھ دوں؟'' ان کا بلڈ پریشر چیک اور نوٹ کرنے کے بعد سسٹر نے ان کے
پر دھرے پھول اٹھانے چاہئے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔

''آپ کو بہت پسند آئے یہ پھول سر!'' ان کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر سسٹر کی آواز اچانک سرگوشی میں بدل گئی۔

''آپ کے لیے تو سر منسٹر آف کلچر اینڈ ٹورازم اور ائیر پر منسٹر نے بھی پھول بھجوائے ہیں۔ وہ آپ کو پسند نہیں
آئے؟'' وہ ان پھولوں پر سے بھجوانے والے کا نام پڑھے بغیر اپنے دھیان میں بولتی گئی۔ اسی دم دروازہ کھلنے ا
ڈاکٹر کے قدموں کی آواز آئی سسٹر فوراً مستعد نظر آنے لگی۔

ڈاکٹر، شاہنواز احمد کی اس دن کا ہسٹری چارٹ دیکھ رہے تھے۔ عین اسی وقت ڈاکٹر سلطان کے آفس م
فراز ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس روز اسے فون کر کے یہاں بلوایا گیا تھا اور وہ یوں بلوائے جانے پر حیران تھا۔ اے
فون کرنے والے شخص نے اپنا نام کامران احمد ایڈووکیٹ ہائی کورٹ بتایا تھا، اور اسے ڈاکٹر سلطان کے آفس میں
پہر تین بجے پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ اپنے دائیں طرف بیٹھے جس شخص سے ڈاکٹر سلطان نے اس کا تعارف کروایا تھا
وہ کامران احمد ہی تھے۔

''یہ شاہنواز کے پرسنل لائر ہیں۔ ان ہی کے سلسلے میں بات کریں گے۔'' ڈاکٹر سلطان نے اپنی عینک ناک
جماتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو اپنے آفس میں بھی بلوا سکتا تھا۔'' کامران احمد نے فراز کا شناختی کارڈ دیکھنے کے بعد اسے واپس
پکڑاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ڈاکٹر سلطان کے پاس جو فارغ وقت ہوتا ہے، اس سے میرے فارغ وقت کا کلیش ہو
رہا۔ اس لیے ہم نے سوچا کہ آج یہیں ملاقات کر لی جائے کیونکہ آج مجھے شاہنواز صاحب کے قانونی مشیر کی
حیثیت سے ویسے بھی یہاں آنا تھا۔''

فراز کی اب تک سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ یہاں کیوں بلوایا گیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم پہلے بھی آتے رہے ہو، یہاں شاہنواز کی خیریت دریافت کرنے۔'' ڈاکٹر سلطان نے
ے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی سر!'' فراز نے سر ہلایا'' پچھلی مرتبہ جب میں آیا تھا تو آپ سے تفصیلی بات ہوئی تھی شاہنواز صاحب
میں۔''

''ہوں!'' یقیناً ڈاکٹر سلطان کو یاد نہیں آیا تھا، مگر انہوں نے ایسے ہی سر ہلا دیا تھا۔

''لیٹس کم ٹو دی پوائنٹ ڈاکٹر۔'' کامران احمد نے کہا اور پھر اپنے بیگ سے کچھ کاغذات نکالے۔ بیماری کے
لے کے بعد جن دنوں شاہنواز صاحب کچھ سنبھلے تھے۔ انہوں نے لکھ کر اپنی وصیت مختصر الفاظ میں میرے
تھی۔ میں ان کی فیملی سے یعنی، ان کی بٹی سارہ سے بہت اچھی طرح واقف ہوں اور میرا خیال تھا کہ اس
ے میں یقیناً ساری بات سارہ کے حوالے سے ہی کہی ہوگی، مگر انتہائی غیر متوقع طور پر ان کی کل جائیداد،
غیر منقولہ کی سپرداری تمہارے یعنی فراز احمد المعروف فاراز کے نام کر دی گئی ہے۔ یہ شکستہ تحریر شاہنواز
کے ہاتھ کی ہے۔ جس کے خطوط پر میں نے وصیت نامہ تحریر کروایا ہے۔ آج ان کے سامنے اسے دہرانے
میں یہاں آیا ہوں۔''

انہوں نے ایک کاغذ فراز کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

میری جائیداد میری دولت، میرے اثاثے، میرا فن، میری رائلٹی، سب حوالے فراز احمد ساکن بستی کمال پور
رور ضلع سیالکوٹ المعروف فاراز دی جیولری ڈیزائنر جس کا فون نمبر میرے موبائل میں مل جائے گا۔ فراز
ساب کا کہ کیا کس کے حوالے کرنا ہے، کون حق دار ہے اور اگر کوئی نہیں ہے تو وہ میرا والی ہے قانونی، اس
ے۔''

کل پڑھی جانے والی اس تحریر نے فراز کے حواس چند لمحوں کے لیے مختل کر دیے۔ ''فراز احمد ساکن بستی
'' اسکی نظر اس جملے پر اٹک گئی۔

ہ میرا والی ہے قانونی۔'' دوسرے جملے نے اس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ''بستی کمال پور، میرا حوالہ، وہ کیسے
انہیں کیسے معلوم ہوا؟'' حواس بحال ہونے کے بعد اس نے سوچا۔

یرا خیال ہے کہ پاور آف اٹارنی دینا چاہ رہے ہیں وہ فراز احمد کو لیکن ہمیں اس سلسلے میں چند پہلوؤں کو
ظر رکھنا پڑے گا۔'' کامران احمد کوئی قانونی بحث کر رہے تھے لیکن فراز کو اس بحث میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
نا میں ایک ہی سوال بار بار گردش کر رہا تھا۔

اہنواز احمد نے اسے کیسے پہچانا۔''

ایک تحریر اور بھی ہے مسٹر فراز! جو بہت مشکل سے پڑھی جائے گی لیکن اس میں بھی آپ کا نام درج ہے
ے لیے اس کو پڑھنا ضروری ہے۔'' کامران صاحب نے ایک اور پرچہ اس کی طرف بڑھایا۔

از، مسافر دل کی کہانی مکمل کرے گا، میرے وارڈ روب کی چابیاں فراز......'' اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو بمشکل
ڑھ اور سمجھ سکا تھا۔

کٹر صاحب! اگر شاہنواز صاحب جاگ رہے ہیں تو کیا ہم ان سے مل سکتے ہیں۔'' کامران صاحب
اسے پوچھ رہے تھے۔

''ایک منٹ۔'' ڈاکٹر سلطان نے انٹر کام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

''آپ شاہنواز صاحب کے شاگرد ہیں کیا؟'' کامران صاحب نے فراز سے پوچھا۔

''باقاعدہ شاگرد تو نہیں ہوں، یونہی کبھی کبھار۔''

''آپ کی ان سے پرانی شناسائی ہے۔''

''بہت پرانی تو نہیں، پچھلے دو تین سال میں، میں ان سے چند بار ہی ملا ہوں۔''

''تو وہ پھر آپ پر اتنا ٹرسٹ کیوں کر رہے ہیں۔''

''میری اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' فراز نے گہرا سانس لیتے ہوئے پہلو بدلا۔ اس کا ذہن ایک عجیب سی کش شکار تھا اور اس وقت شاید وہ کسی بھی بات کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ کامران احمد اور ڈاکٹر سلطان شاہنواز احمد کے پرانے دوست تھے۔ اب وہ دونوں ان کے چند ایسے معاملات پر بات کر رہے تھے جو یقیناً ا انتہائی ذاتی تھے۔'' سارہ شاہنواز احمد کے معمولات، سارہ کی مبینہ بے راہ روی، یاسین بھٹی سے پرانی چپقلش، کے کانوں میں ان دونوں کی آوازیں پڑتی رہیں مگر اس کا ذہن حاضر نہیں تھا۔

''چلیں مسٹر فراز! شاہنواز صاحب کے پاس۔'' کامران احمد کی آواز سے وہ چونک گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اس کمرے میں موجود تھے جہاں شاہنواز احمد سینے پر پھول رکھے لیٹے تھے۔

''گڈ آفٹر نون سر!'' آن ڈیوٹی نرس ان سب کو دیکھ کر مسکرائی۔ ''شاہنواز صاحب کو اپنے کسی فین کے بھ یہ پھول بہت پسند آئے ہیں۔''

اس نے پھولوں کے اس جگہ موجود ہونے کی توجیہہ پیش کی، جہاں ڈاکٹر سلطان کے مطابق وہ نہیں چاہیں تھے۔ باتوں کی آواز پر شاہنواز احمد نے بند آنکھیں کھولیں اور ان کی نظر اپنے سامنے کھڑے فراز پر پڑ کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کامران احمد ان کا ہاتھ دبا کر ان کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔

''سسٹر پلیز۔'' ڈاکٹر سلطان نے نرس کو باہر چلے جانے کا اشارہ دیا تھا اور اب کمرے میں وہ چاروں تھے۔

''یہ فراز احمد ہے شاہنواز، یہ ہی وہ لڑکا ہے کیا جس کے بارے میں تم نے اس پیپر پر لکھا تھا۔'' ڈاکٹر ان سے پوچھ رہے تھے۔ شاہنواز احمد نے ایک مرتبہ پھر فراز کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''فراز احمد کو تمہارے تمام معاملات کا نگران مقرر کر دیا جائے۔ کیا ایسا ہی ہے؟'' انہوں نے دوسرا سوا جواب پھر اثبات میں تھا۔

''اللہ آپ کو لمبی حیات عطا فرمائے شاہنواز صاحب، مگر یہ تصدیق بہت ضروری تھی۔'' کامران احمد تیار کروائے ہوئے کاغذات نکالتے ہوئے کہا اور پھر ان کاغذات کے مندرجات با آواز بلند پڑھنے لگے۔

''آپ نے یہ سب باتیں سن لیں، آپ ان سے اتفاق کرتے ہیں۔'' پیپر پڑھنے کے بعد انہوں نے احمد سے پوچھا۔ ان کا سر پھر اثبات میں ہلا۔

''آپ ذرا سی کوشش کر کے اپنے دستخط یہاں کر سکتے ہیں۔'' انہوں نے ان کے ہاتھ میں قلم پکڑاتے کہا، شاہنواز احمد نے ایک نظر ڈاکٹر سلطان کی طرف دیکھا۔ ''ڈونٹ وری شاہنواز! کوئی پریشانی وال نہیں ہے۔'' انہوں نے عینک کے اوپر سے جھانکتے ہوئے کہا۔ جو دستخط شاہنواز صاحب نے کیے تھے۔ یقیناً شکستہ تھے کیونکہ ان کا ہاتھ بالکل بھی ٹھیک طرح سے کام نہیں کر رہا

''مسٹر فراز!'' اب کامران صاحب فراز کی طرف مڑے ''آپ یہ ذمہ داری لینے پر تیار ہیں؟'' وہ پینٹ کی یں ہاتھ گھسائے سر جھکا کر اس انتہائی غیر متوقع صورت حال سے دوچار ہو جانے پر حیران ہو رہا تھا۔

''مسٹر فراز'' کامران صاحب نے نرمی سے کہا۔ فراز نے سر اٹھا کر شاہنواز صاحب کی طرف دیکھا۔ ان کے پر امید اور آس کا تاثر تھا اور ایک عجیب سی بے چینی بھی۔ شاید یہ فراز کا ردعمل دیکھنے کی بے چینی تھی۔ فراز نے ھا کہ وہ پیپرز کامران صاحب سے لے لیے اور خاموشی سے دستخط کر دیے۔

''تو پھر یہ طے ہے۔'' کامران صاحب نے شاہنواز احمد کو دیکھا۔ ''اب آپ بے فکر ہو جائیے اور جلد از جلد صحت ی۔'' انہوں نے ان کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں باہر نکلنے لگے۔ فراز کو وہیں کھڑا دیکھ کر ڈاکٹر سلطان نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹر صاحب، پلیز میں کچھ دیر رکوں گا۔'' اس نے ان سے اجازت مانگی۔

''او کے۔'' انہوں نے سر ہلایا اور باہر نکل گئے۔

فراز نے شاہنواز احمد کی طرف دیکھا، وہ بھی اس کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ پھول ابھی تک ان کے سینے پر تھے۔ فراز کی نظر پھولوں کو باندھنے والے ربن اور ٹیگ پر پڑی۔

''فرام سارہ شاہنواز ٹو اے لیونگ لیجنڈ آف دی ورلڈ آف آرٹ۔'' اس نے اس پر لکھے الفاظ پڑھے۔

''جب ہی۔'' اس نے ہونٹ بھینچ لیے اور پھر کرسی ان کے قریب رکھ کر اس پر بیٹھ گیا۔

''یقیناً میری سمجھ میں نہیں آیا سر کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ یقیناً میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آیا کہ آپ کو کیسے ہوا کہ میرا تعلق بستی کمال پور سے ہے۔ لیکن میں یہ ضرور سمجھ چکا ہوں کہ بستی کمال پور سے میرے تعلق کا علم ہو پر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں اسی مکتب کا شاگرد ہوں جہاں سے آپ نے آگاہی کی منزلیں طے کرنا کی تھیں۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے متعلق پچھلی مرتبہ میں آپ کو یقین دلا رہا تھا کہ میں خود ان کو آپ کے پاس آؤں گا۔ صرف یہ ہی نہیں میں آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ میں جینس ڈی سوزا عرف نسرین کلثوم اور اس کی بیٹی کو بھی کے پاس لے کر آؤں گا۔''

''اس نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی، جس پر ہراس چھا گیا تھا ان کی آنکھوں میں خوف تھا۔

''اور بہت سے لوگ جو آپ کی زندگی میں آئے ہوں گے اور کسی نہ کسی وجہ سے متاثر ہوئے ہوں گے ان کے تو مجھے علم نہیں لیکن یہ چند لوگ جن سے میں وقف ہوں سر یہ تو یقیناً آپ سے ناراض نہیں ہیں۔ آپ بے حد مت انسان ہیں سر! کہ وہ سب جن کے ساتھ آپ نے زیادتیاں کیں، سب آپ کو معاف کر چکے ہیں۔ آپ ہیں کہ جب ایک شخص ماسٹر ہدایت اللہ آپ کو معاف کر چکا تو پھر باقیوں نے آپ کو معاف کرنا ہی تھا۔ کیونکہ ہدایت اللہ کا دل صرف معاف نہیں کرتا۔ دعا بھی کرتا ہے اور جو شخص اپنے بزرگوں کی دعاؤں کے حصار میں ہے اس کے لیے سب بلیسنگز خود بخود اترنے لگتی ہے۔ ایک یہ ہیں۔''

اس نے پھولوں کو ان کے سینے سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''مس سارہ شاہنواز۔ ان کا معاملہ ذرا مختلف ہے کیونکہ یہ پکڑائی نہیں دیتیں اور ان کا مزاج خالصتاً آپ سے ۔ وہ ابھی یہ جان نہیں پائیں کہ اس مزاج کے ساتھ انسان تنہا رہ جاتا ہے، لیکن فکر نہیں کریں مجھے یقین ہے کہ ارہ بھی اس اسٹیج پر آ جائیں گی جہاں رنجشیں، شکوے۔ اور گلے سب ہوا جاتے ہیں، آپ سر!'' اس نے ان کا ڑتے ہوئے کہا، آپ اپنے دل میں ماضی کے واقعات پر کڑھنے اور اپنی تنہائی کے غم میں مبتلا رہنے کی بجائے

ان نعمتوں کا خیال کریں جو اللہ نے آپ پر انعام کیں اگر آپ نے اپنے ہاتھوں بہت کچھ گنوایا ہے تو اپنی ہی محبت کے بل پر بہت کچھ پایا بھی ہے۔ آپ کے سینکڑوں مداح آپ کی صحت یابی کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ یہ وہ خصوصی نعمت ہے جس کی وجہ سے سارہ شاہنواز نے اپنی تمام تر ناراضگی کے باوجود آپ کے لیونگ لیجنڈ آف دی ورلڈ آف آرٹ تسلیم کیا ہے۔

''میں یہ سب باتیں آپ سے پہلے بھی کرنا چاہتا تھا۔'' کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا ''میں آپ کو بتا چاہتا تھا کہ اپنی زندگی کے جن پہلوؤں کو آپ بظاہر چھپائے بیٹھے ہیں۔ میں ان سب سے واقف ہوں۔ لیکن اپنے چھوٹے منہ کا خیال آجاتا تھا، آپ کی شخصیت کا رعب آڑے آجاتا تھا اور اب تو اس خیال سے بتا نہ پاتا تھا شاید اس بیماری کی حالت میں آپ یہ انکشاف برداشت نہ کر پائیں گے کہ میں بستی کمال پور کا رہنے والا ہوں میرے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ بستی کمال پور سے آپ کو اتنی شدید نفرت ہے کہ اپنے متعلق دیے گئے کسی انٹرو اور تعارف میں آپ نے اپنا تعلق اس بستی سے ظاہر نہیں کیا۔ گو میں اس بات پر حیران ضرور ہوتا رہا کہ مجھ سے بعض ملاقاتوں میں آپ نے کسی دیہات سے اپنے تعلق کا برملا اظہار کیسے کر لیا۔''

فراز نے ان کے چہرے پر نظر ڈالی جس پر ابھی تک ہراس تھا۔

''زندگی بہت بڑی نعمت ہے سر!'' اس نے کہا۔ ''مگر اپنی اپنی زندگی کا بار ہر انسان خود اٹھاتا ہے۔ وہ غلط کر ہے یا صحیح جو بھی کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے، نیکیاں گناہ، سب اپنے اختیار پر کرتا ہے سزا اور جزا کے راستے بھی خو منتخب کرتا ہے، کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑتا نہ ہی کوئی اسے شاباشی دیتا ہے۔ کیونکہ اپنے اکثر اعمال کا عمل صرف اس کو خو کو ہی ہوتا ہے، لیکن اس کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ ہم سب دوسروں کے اندازوں پر کھے جاتے ہیں۔ جنرل اوپنین ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے بل پر ہمارے اعمال کے رخ بدل جاتے ہیں سر! یہ آپ کے ساتھ ہوا ہے آپ بھی جنرل اوپنین پر پرکھے جائیں گے۔ شاہنواز احمد دی لیونگ لیجنڈ کہنے والوں کے ہاں پکار رینک یہ ہے۔ بڑا ہے، مگر پبلک کا چھوٹا سا گروہ ایسا بھی ہے جسے لیونگ لیجنڈ میں کوئی دلچسپی نہیں اسے اپنی محرومیوں، ضرورتوں اور خواہشوں کی یاد آتی ہے، اسے اس وقت کی یاد آتی ہے جو گزر چکا اور بہت برا گزرا۔ مگر آپ پھر بھی خوش قسمت ہیں سر کہ اس چھوٹے سے گروہ کو ماسٹر ہدایت اللہ جیسا شخص لیڈ کر رہا ہے۔ جس کا دل وسیع ہے او جو کرب اپنے اندر چھپانا جانتا ہے، جسے آگ پر پانی ڈالنے کا فن آتا ہے۔ وہ دعا بھی کرتا ہے اور دوا بھی تجویز کرتا ہے۔ گو اس کی تجویز کردہ دواؤں کی پریپریشنز عام فہم نہیں ہیں۔ سر! سب کچھ گنوا کر بھی اگر ایک ایسا درخت بچا لیا جائے جس کی چھاؤں میں بیٹھ کر حدت کا احساس ختم ہونے لگے اور دل کو سکون مل جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں سر کہ آپ کا ایسا درخت بچ گیا اور سلامت ہے اور۔''

اچانک فراز کو محسوس ہوا کہ شاہنواز کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔

''سر!'' وہ تیزی سے اٹھا اور ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا ''آر یو آل رائٹ؟''

''اس نے جھک کر پوچھا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں، ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''آئی ایم سوری سر، شاید آپ کو میری باتیں تکلیف دے رہی ہیں۔''

انہوں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور اسے اپنے اوپر مزید جھکنے کا اشارہ۔ اس کے جھکنے پر انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی اور اس کی پشت کو دوسرے ہاتھ سے سہلایا۔ فراز کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔ انہوں نے اس کے بال سہلائے اور ہولے سے مسکرا دیے۔ اسی دم ڈاکٹرز اور نرسز کا ایک گروپ اندر داخل ہوا۔ فراز نے

ا ہاتھ دبایا اور باہر نکل گیا۔

''تمہاری دوست سارہ شاہنواز کا کیا حال ہے؟'' اسفند نے رباب سے پوچھا۔

''تمہیں اس کا خیال کیسے آ گیا؟'' رباب نے کافی پھینٹتے ہوئے پوچھا۔

''یونہی۔'' اسفند مسکرایا ''تم نے جو تجویز مجھے دی تھی۔ میں نے آج کل سنجیدگی سے اس پر غور کرنا شروع کر دیا ہے۔''

''کس بات پر غور کرنا شروع کر دیا ہے بیٹا؟'' بی بی کچن سے تازہ گرم بھاپ اڑاتے چھوٹے اسفنج ں کی ٹرے اٹھا کر ادھر آتے ہوئے بولیں۔

''رباب نے مجھے ایک لڑکی کے متعلق بتا کر اس سے شادی کا مشورہ دیا تھا، اس کی بات کر رہا ہوں بی بی!''

و شرارت سوجھی۔

''اے وہ کون لڑکی ہے۔'' بی بی کا رباب کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا، اتنا اچھا لڑکا تھا اسفند اور اسے کسی ا لڑکی سے شادی کرنے کا مشورہ دے رہی تھی۔ اتنا معقول لڑکا ہاتھ سے گنوا کر خود یونہی چھڑی چھانٹ پھرتی ں۔ وہ سوچ رہی تھیں۔

''اس کی کوئی دوست ہے سارہ!'' اسفند نے مسکرا کر رباب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اسے سر کے اشارے بات کرنے سے منع کر رہی تھی۔

''کون سارہ؟'' بی بی نے استفہامیہ انداز میں رباب کی طرف دیکھا۔ ''وہی تو نہیں جو ایک روز یہاں آئی رات بھی ٹھہری تھی۔'' اس سے قبل کہ رباب کوئی بات بتاتی، اسفند نے فوراً کہا۔

''وہی، وہی بی بی! آپ کو یاد ہے۔''

''استغفار!'' بی بی نے منہ بنا کر کہا۔ ''وہ بھی کوئی لڑکی ہے جسے تجویز کیا جائے۔''

''کیوں بی بی! اچھی لڑکی نہیں ہے وہ کیا؟'' اسفند نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''اچھی بری کا تو خیر مجھے علم نہیں ہے مگر اس کا حلیہ ذرا بھی معقول نہیں تھا۔ اوپر سے سگریٹ بھی پیتی تھی، یہ رابی یں ہی سدا کی دوست نواز، اس کی سگریٹیں اور ان کا دھواں مجھ سے چھپاتی پھریں، لو بھلا میں اتنی احمق ہوں بھ نہ پاؤں گی۔''

''اچھا سگریٹ بھی پیتی ہے؟'' اسفند نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''رباب کو تو سگریٹ پینے والے لوگوں سے ہے کیوں رباب۔''

''تمہیں نہیں کرنی نا سارہ سے شادی تو مت کرو، اس ٹاپک کو رہنے ہی دو۔'' اس دوران رباب بری طرح تی۔

''ارے تم تو برا ہی مان گئیں، جبکہ میں تو اب تک سیریس ہو چکا ہوں، اس میں زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ میری جان سے اس بات پر رضامند ہو چکی ہیں کہ وہ سارہ سے میری شادی کر دیں گی، کیونکہ انھیں شیری کی بات نہ پچھتاوے نے آن گھیرا ہے۔'' بی بی کے کمرے سے نکلنے پر اسفند نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

'اسفند! تم فضول میں اب اس کہانی میں الجھ رہے ہو۔ ہر بات تم پر کلیئر ہو چکی، سارہ سے شادی کی تجویز میں ا اس لیے دی تھی کہ میرا دل کہتا تھا کہ جو لڑکی تمھارے بھائی کی خاطر اتنی بڑی قربانی دینے پر تیار ہو گئی، اس کو ن ملنا چاہیے۔ اس کی تنہا زندگی میں دوسراہٹ کا احساس ہی سہی۔''

"تم ایسا اس لیے سوچتی ہو رباب! کہ تمہارا دل بہت سادہ اور نیت بہت نیک ہے۔" اسفند نے کافی کے کپ میں سے اٹھتی سنہری بھاپ کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا "جبکہ سارہ کا مسئلہ کچھ اور ہی ہے۔ اسے شہری پسند تھا، اسفند اور شہریار میں بہت فرق ہے بہت زیادہ اور اس فرق کو وہی محسوس کر سکتا ہے جو دونوں کے قریب رہا ہو۔ سارہ میرے اور شہری کی شخصیتوں کے فرق کو ایک ملاقات میں جانچ سکتی ہے کیونکہ وہ اس کے بہت قریب رہ چکی ہے۔ میں تمہاری بات سننے کے بعد اس سے بہت متاثر ہوا، سمجھو توقع سے زیادہ مگر میں اس کو اور اس کی سپرٹ کو سیلوٹ کرنے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ میں شہریار نہیں ہوں، نہ ہی سارہ میرے لیے گول اور رینڈ کاز ہے۔ البتہ تم سے کچھ عرصہ پہلے جو سوال میں نے کیا تھا۔ میں اسے آج بھی دہرانا چاہوں گا، کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

رباب جو محویت سے اس کی بات سن رہی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے گڑبڑائی اور پھر اس نے ایک لمبا سانس لینے کے بعد اس کی طرف دیکھا "مجھ میں ایسی کیا بات نظر آئی تمہیں۔ میں تو آج کل کے لڑکوں کے اسٹینڈرڈ سے بہت مختلف ہوں بلکہ شاید میں تو آج کل کے لڑکوں کے اسٹینڈرڈ پر پوری ہی نہ اتروں۔"

"تم یوں سمجھو کہ میں ہوں تو آج کل کا ہی لڑکا مگر میری سوچ ذرا پچھلے وقت کی ہے۔ مجھے اپنی لائف پارٹنر میں جو کچھ چاہیے، وہ تم میں موجود ہے بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔" اسفند نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"جو زیادہ ہے، اسے کیسے سنبھالو گے؟" رباب اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔

"وہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم صرف میرے سوال کا جواب دو۔"

"تمہارے سوال کا جواب دینے کے لیے مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ گو میں اعتراف کر سکتی ہوں کہ اب تک میں جتنے لوگوں سے ملی ہوں۔ تم ان سب سے منفرد ہو اور یقیناً ایک آئیڈیل شخصیت رکھتے ہو، مگر شادی ایک ایسا سوال ہے جو مجھے ابھی خود اپنے آپ سے کرنا ہے۔ شادی میری ترجیحات کی لسٹ میں کون سے نمبر پر ہے اور ہے بھی کہ نہیں ہے۔ تم مجھے یہ تھوڑا سا وقت دے دو۔" رباب نے اپنی انگلی میں پڑی انگوٹھی کو گھماتے ہوئے کہا۔

"تم جتنا وقت چاہو لے لو، میں منتظر رہوں گا۔"

"اور اس کے بعد جب تک میں خود نہ کروں، تم یہ بات مجھ سے نہیں کرو گے۔" رباب نے کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ ایسی بات سن کر نجانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان ایک نامحسوس سا فاصلہ آن کھڑا ہوا ہے۔"

"یہ تو میں ہرگز نہیں چاہوں گا۔" اسفند نے اپنی پینٹ کی کریز درست کرتے ہوئے کہا۔ "چلو یہ تو ڈن ہے۔ میں اب کوئی بات نہیں کروں گا اور تم بھی سارہ شاہنواز کی کوئی سفارش مجھ سے نہیں کرو گی۔"

"ویسے یہ ایک ایسا آپشن ہے، جس پر تم ایک دفعہ سوچ لو دوبارہ۔"

"شٹ اپ۔"

"او کے۔" رباب مسکرائی اور میز پر دھرے کپ اٹھانے لگی۔

"ایک گڈ نیوز ہے تمہارے لیے سارہ!" سارہ نے اپنے سامنے موجود فیروز بھٹی کو کہتے سنا۔

"وہ کیا؟"

"شہریار محمد کے جن اکاؤنٹس کے متعلق تم معلوم کرنا چاہتی تھیں، ان کے متعلق معلومات اس وقت میرے

کی اندر والی جیب میں موجود ہیں۔"

"میں ان معلومات کا کیا کروں گی فیروز؟" سارہ نے بے نیازی سے کہا۔

"تم کلیم کرو گی مسٹر آفتاب جمیل پر، تم اس کی قانونی بہو ہو، اس کے شاید قانونی شاید غیر قانونی پوتے کی ڈ مدر۔"

"مجھے یہ ثابت کر کے کیا ملے گا۔ یہ کلیم مجھے کیا عطا کرے گا؟"

"دل کا سکون، جان کا چین۔"

"تم کیا سمجھتے ہو، یہ دونوں چیزیں ایسے مل جاتی ہیں فیروز۔"

"یقیناً، تمہارے کلیم کی خبر سن کر وہ تڑپے گا، تلملائے گا مگر کچھ کر نہ پائے گا ماسوائے انھیں تسلیم کرنے کے۔"

"بس......" سارہ نے ہاتھ جھاڑے "پھر کیا ہوگا؟"

"پھر ایک طرف تو تمہاری دولت میں اضافہ ہوگا، دوسرا تم اس شخص سے انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤ گی کی "نا" نے تمہاری زندگی بربادیوں کے سمندر میں ڈال دی۔"

"اور وہ بچہ جسے میں پوتا ظاہر کروں گی وہ ہے کہاں، وہ تو نجانے کہاں کھو گیا۔"

"اس کی فکر نہ کرو، اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"اب تک تو نکال نہ پائے تم۔"

"یہ کیسے ممکن ہے کہ نکال نہ پائے، سمجھو اپنے پاس ہی ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ مائی ڈیر سارہ! کہ پوتا اپنے پاس ہی ہے۔ جن خاتون کے حوالے تم نے کیا تھا۔ وہ تو اسے اسفند کے کڈز ہوم میں داخل کروا آئی تھیں۔ اسفند کو پتا چلے، اس سے پہلے ہی میں نے اسے وہاں سے اٹھوا لیا تھا۔"

"تو اب کہاں ہے وہ؟"

"کہا نا، اپنے پاس ہی ہے، تم جب سمجھو گی اس کی ضرورت ہے۔ حاضر کر دیں گے۔"

"تم پلیز، مجھے بھی اس کے پاس لے چلو۔" سارہ نے بے چینی سے کہا۔

"اتنی بے چینی کیا ہے۔ مل جائے گا، ذرا صبر کرو۔ ویسے یہ بتاؤ کہ بچہ نہ تو تمہارا ہے نہ تمہارے اس شہریار کا اس کے متعلق اتنی بچھی کیوں ہو؟"

"تم نہیں جانتے کہ وہ بچہ میرے لیے کیا ہے؟"

"بھئی، عشق کی ایسی داستان تو کبھی سنی نہ دیکھی۔ محبوب کی نشانی اتنی سنبھال کر رکھی جا رہی ہے اور اس کے بھی میں مبتلا ہوا جا رہا ہے۔ ویسے یہ عشق اس وقت کہاں تھا جب بچہ عائشہ پروین کے ہاں چھوڑ آئی تھیں۔"

"ایسا کرنے کے لیے تم نے کہا تھا، مت بھولو۔"

"اور تم نے مان لیا، واہ خوب!"

"گویا تم مان رہے ہو کہ تم نے مجھے غلط رستے پر چلایا۔"

"میں نے تمھیں غلط رستے پر نہیں چلایا، ایک راستہ سجھایا تھا۔ اسفند کی وہ فون کال یاد کرو جن کو سننے کے بعد یں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔"

"ٹھیک ہے، وہ میری غلطی تھی۔" سارہ نے فیروز کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری غلطی یہ بھی تھی

کہ میں اسفند کی کالز سے خوفزدہ ہوگئی، میری غلطی یہ بھی تھی کہ میں مسٹر اور مسز آفتاب کو بلیک میل کرنے کے لیے شہریار کے اکاؤنٹس کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھی، کیونکہ میرا خیال تھا کہ میری اور شہریار کی زندگی میں ساری تباہی ان ہی کے انکار کی وجہ سے آئی تھی۔ مجھے دولت بھی درکار تھی اور سیکورٹی بھی۔ لیکن اب وقت بدل چکا ہے، وقت گزر چکا ہے۔ اب میں خوف، غم اور لالچ کے ہر قسم کے حصار سے آزاد ہو چکی ہوں۔ اب مجھے ایسا کوئی کھیل نہیں کھیلنا جس کی لپیٹ میں اتنی ساری زندگیاں آتی ہوں۔ میں زندگی کی کہانی کے اس باب کے سارے کرداروں کو بھول جانا چاہتی ہوں۔ فیروز، تم مجھے الجھاؤ نہیں پلیز۔"

"اور بچہ، بچے کو بھی بھول جانا چاہتی ہو، کیا نام تھا اس کا بھلا۔"

"مہدیار!" سارہ کی آواز لرز گئی "وہ کہاں ہے فیروز، اگر سنجیدگی سے کہہ رہے ہو کہ وہ تمھارے پاس ہے تو پھر اسے مجھ سے ملوا دو پلیز۔"

"وہ مہدیار، جو کاکا تھا، پھر جیوفری بنا، اب شاید کوئی شیخ صاحب بن چکا ہے، اسے بھی بھول جاؤ سارہ! وہ بھی اسی باب کا ایک کردار ہے۔"

"فیروز! اگر تمھیں اس کے متعلق علم ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"فارگیٹ ہم سارہ! اور مجھے اپنے کارڈز کھیلنے دو، یاد رکھنا کہ شطرنج کی اس بساط سے اپنا والا مہرہ تم نے خود اٹھایا ہے یا شاید پٹا لیا ہے۔"

"فیروز پلیز۔" سارہ نے کہنا چاہا مگر وہ کمرے سے نکل چکا تھا۔ "اوہ مائی گاڈ!" اس نے صوفے پر ڈھتے ہوئے کہا۔ "رباب! تم شاید ٹھیک کہتی تھیں۔ مگر مہدیار! اوہ مائی گاڈ۔ اسے اس نے اٹھوایا، اسفندیار کے کڈز ہوم سے اور اس کا اعتراف بھی کر رہا ہے۔"

وہ سوچتی گئی اور اس کے بند ذہن کے سوتے کھلتے گئے۔ اب اسے بہت کچھ یاد آنے لگا تھا اور شاید سمجھ بھی۔

......✿......

"تم اپنا نام بتاؤ گے۔"

"میرے نام کا کیا کریں گے سر! اور یہ آپ مجھے کیوں پکڑ لائے ہیں۔ میں تو ایک شریف سا انسان ہوں۔"

"شریف انسان، الو کے پٹھے، تم نشے میں دھت یاسین بھٹی کے خفیہ تہہ خانے سے ملے ہو اور تم شریف انسان ہو۔"

"سر! شریف انسان تو کہیں بھی مل سکتا ہے۔ پلیز، آپ مجھے یہاں سے جانے دیں۔"

"تم سیدھی طرح اپنا نام بتاؤ اور یہ بھی بتاؤ کہ تم وہاں کیسے موجود تھے، یاسین بھٹی اور فیروز بھٹی سے تمہارا کیا تعلق ہے اور وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"وہ کون ہیں؟"

"بکواس بند کرو اور نام بتاؤ۔"

"سر! میرا اصل نام تو شاید مجھے بھی معلوم نہیں، مجھے پپو کہتے ہیں غالباً۔"

"ان دونوں باپ بیٹوں سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"سر! انھوں نے مجھے رکھا ہوا ہے۔"

"رکھا ہوا ہے کیا مطلب؟"

"سر! میں ان کا پٹھا ہوں۔"

"اوئے ہوش کر، سیدھا ہو کر بیٹھ۔ کیا کہہ رہا ہے؟"

"سر! آپ مجھ سے آرام سے بات کریں، میں ایک شریف آدمی ہوں۔"

"تیرے جیسے پچاس شریف روزانہ یہاں لتر کھاتے ہیں ہمارے تو شرافت سے بھونک دے کہ تو ان دونوں ارے میں کیا جانتا ہے۔"

"سر! میں ان کے بارے میں کیا جانوں گا جی، میں تو پڑا رہتا ہوں وہاں فیروز کا دل بہلانے کے لیے۔ آپ امواہ پکڑ لائے، مجھے سردی لگ رہی ہے یہاں۔"

"تجھے ابھی ہیٹر کے آگے بٹھاتے ہیں۔ اوئے کرم دین! ذرا ہیٹر تو لا اس شریف آدمی کے لیے۔"

"پلیز سر! آپ مجھے ڈرائیں نہیں۔"

"چل نہیں ڈراتے، یہ بتا کہ وہ جو بچہ تھا، وہ کہاں ہے اب؟"

"پھنسے گا، ضرور پھنسے گا، میں نے کہا تھا اس سے۔"

"کس سے کہا تھا؟"

"فیروز سے اور کس سے، میں نے اس سے کہا تھا۔ بچے والا ظلم نہ کر تو پھنسے گا۔ اس نے لے کر مجھے پھنسوا دیا بھاگ گیا۔"

"خود کہاں ہے؟"

"خود تو جی سمندر پار کر گیا، آپ مجھے ماریں گے تو نہیں، پلیز سر! اس بچے والی بات کے تو میں بھی خلاف تھا۔ کو بتاتا ہوں جی بچہ کہاں ہے۔"

"اب آیا ہے نا لائن پر، چل بول، کرم دین لکھنا شروع کر۔ اوئے تجھے پتا نہیں کہ تیرے لیے شامت کا یہ ڈنڈا پلایا ہوا ہے۔ بتائے بغیر تو تو بچ ہی نہیں سکتا۔"

......✿......

"ہیلو، از اسفندیار آن لائن؟"

"میں بول رہا ہوں ڈیڈی! کیا یہ آپ ہیں؟"

"اسفند! تم اس وقت کہاں ہو، مجھے تم سے ملنا ہے۔"

"میں یہیں ہوں ڈیڈی! اس وقت اپنے آفس میں موجود۔"

"میں آ رہا ہوں تمھارے پاس۔ مجھے ضروری بات کرنی ہے۔"

"آپ کی حالت مجھے صحیح نہیں لگ رہی۔ آپ وہیں رکیں۔ میں آتا ہوں آپ کے پاس۔"

"جتنی جلدی ممکن ہو، آؤ۔"

"ڈونٹ وری، آئی ایم جسٹ کمنگ سر!" اسفند نے ریسیور کریڈل پر رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ وقت آنا ہی باپ کے بلاوے پر نہ اسے حیرت ہوئی تھی نہ ہی غصہ آیا تھا۔ نہ ہی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ے اپنا کام سمیٹا اور آہستہ قدموں سے چلتا آفس سے باہر نکل آیا۔ بیس منٹ پر کار پارکنگ تک پہنچتے اس کو لے اور ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ اپنی کلٹس میں بیٹھا اپنے ڈیڈی آفتاب جمیل کے آفس کی طرف رواں تھا۔

......✿......

محبت شاید صرف ایک لفظ ہے، یہ نا نظر آنے والی چیز ہے۔ یہ ایسٹر کٹ ہے۔ محبت غالباً ایک احساس کا نام ہے اور یہ ایسا ناپید احساس ہے کہ ہر کسی کو محسوس نہیں ہو سکتا۔ سو جب ہم ایک دوسرے سے محبت کے بارے میں یہ سوال جواب کرتے ہیں کہ کبھی ہوئی کہ نہیں تو شاید ہم غلط کر رہے ہوتے ہیں جس کو ہم محبت سمجھ کر ایک دوسرے سے اس کے متعلق پوچھ رہے ہوتے ہیں، وہ تو ایک فیشن ہے، ایک مذاق، ایک کموڈٹی جو جس کے پاس نہ ہوئی، وہ مذاق کا نشانہ بن سکتا ہے۔ اس لیے ''محبت' ہونے یا نہ ہونے کے متعلق سوال بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔''

''آپ محبت کو جس طرح بھی ڈیفائن کرتی ہیں، کیا آپ کے خیال میں آپ کا کوئی احساس اس ڈیفینیشن پر پورا اترتا ہے؟''

''آپ گھما پھرا کر پھر وہی سوال کر رہی ہیں آپ یقیناً بہت ذہین ہیں اور ایک اچھے لائیو پروگرام کو ہوسٹ کرنے والی لڑکی کو اتنا ذہین ہونا بھی چاہیے۔''

''آپ نے اب بھی میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''محبت کے بارے میں جو ڈیفینیشن میری ہے، اس کے مطابق میرا خیال ہے کہ مجھے زندگی میں کبھی محبت نہیں ہوئی۔ جس احساس کو میں محبت سمجھتی تھی، اب اس کو میری اس عمر کی سوچ، طلب قرار دیتی ہے۔ اسے خواہش کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میں اب تک کی زندگی میں اس احساس سے دوچار نہیں ہو سکی۔''

''کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ اپنے جس احساس کا آپ نے بھی ذکر کیا، وہ کس خوش قسمت کے لیے تھا؟''

''یہ احساس ماضی کا حصہ بن چکا ہے اور اس پر وقت کی راکھ بھی پڑ گئی، اس لیے میرا خیال ہے کہ اس راکھ کو کریدنا حماقت ہوگی۔''

''چلیں، اس سوال کو رہنے دیتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی اچیومنٹ آپ کس چیز کو قرار دیں گی؟''

''زندگی کی سب سے بڑی اچیومنٹ حاصل ہونے کے بعد کھو بھی گئی۔ اس کے بعد کوئی اچیومنٹ نہیں لگی۔''

''زندگی میں کوئی پچھتاوا؟''

''بہت سے ہیں، اتنے کہ شمار نہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ کوئی بھی انسان پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ انسان ہی ہوتا ہے، ہیں بن سکتا اور اسی وجہ سے ہر انسان کی زندگی میں پچھتاوے ضرور ہوتے ہیں۔''

''آپ ایک نامور باپ کی بیٹی ہیں، اپنے والد کے فن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ بڑے انسان ھے باپ یا عظیم آرٹسٹ۔'' ان کی زندگی کا کون سا پہلو آپ کے خیال میں دس میں سے دس نمبر لے سکتا ہے؟''

''وہ ایک بہت بڑے مصور اور مجسمہ ساز ہیں۔ وہ دانش اور نقاد بھی بہت بڑے ہیں۔ ان کی زندگی کا یہ پہلو سو ہو نمبر لے سکتا ہے۔''

''کیا وہ ایک عظیم باپ نہیں ہیں۔''

''باپ سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔'' باپوں کی عظمت کو تولنے والا ترازو ابھی ایجاد نہیں ہوا۔''

''آپ کی پرورش اور گرومنگ میں ان کا کتنا ہاتھ ہے؟''

''دیکھیے۔ میں آپ کی اس بات کا جواب دے چکی ہوں۔ میری والدہ حیات نہیں تھیں تو ایک بن ماں کی بچی ڈھی، پڑھ لکھ گئی تو یقیناً باپ کی وجہ سے ہی ایسا ہوا ہوگا۔''

''آپ ملک کی سپر ماڈل رہی ہیں اور اب فیشن ڈیزائنگ کے شعبے میں کام کر رہی ہیں۔ اس شعبے کا مستقبل ے خیال میں کیسا ہے؟''

''بہت روشن، کیونکہ آگاہی جوں جوں بڑھ رہی ہے، اس رفتار سے آرٹ کے شعبے میں نئی نئی برانچز ڈیولپ ں، اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ آرٹ سے متعلق ہر شعبے کا مستقبل بہت روشن ہے۔''

''زندگی میں کس شخصیت سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔ کس شخصیت نے آپ کے دل اور ذہن پر اثرات یے؟''

''اثرات مرتب کرنے والی شخصیت زندگی میں ایک آدھ ہی ملتی ہے۔ کبھی کبھار اچانک ایسی شخصیت مل جاتی ے کے اثر سے ہم تمام عمر نہیں نکل پاتے۔ میری زندگی میں دو ایسی شخصیات آئیں۔ ایک کا ذکر رہنے دیں، نصیت بی بی زینب کی ہے۔ ایک عام، سادہ، کم پڑھی لکھی خاتون جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا، وہ مجھے نک ملیں لیکن شاید اسی لیے ملیں کہ میری ذات پر اپنا اثر چھوڑ سکیں۔''

''مستقبل کے بارے میں کیا ارادے ہیں؟''

''کچھ خاص نہیں۔ مستقبل تو ویسے بھی اندھیرے میں ہے۔ ہماری قسمتیں طے شدہ ہیں، ہمارے ارادے محض دلوں کے بہلاوے ہیں۔ میں آج وہ نہیں کر رہی جو میں نے دس سال پہلے پلان کیا تھا تو یہ کیسے سوچ سکتی نے والے سالوں میں وہ کروں گی جو آج پلان کر رہی ہوں۔''

''آپ کا خیال ہے کہ انسان کو چاہیے کہ خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دے؟''

''نہیں، ایسے نہیں کرنا چاہیے۔ کوشش اور عمل جاری رہنا چاہیے مگر ارادوں کے بننے اور ٹوٹنے سے سبق بھی نا چاہیے۔''

''اپنے مداحوں کے لیے کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟''

''صحیح وقت پر درست فیصلہ کرنے کی عادت ڈالنے آپ کی زندگی سہل ہو جائے گی۔''

''بہت بہت شکریہ۔ آپ نے ہمارے لیے وقت نکالا۔ آپ کی آمد کا بہت شکریہ۔''

''ناظرین یہ تھیں ماضی کی ٹاپ ماڈل سارہ شاہنواز۔''

میزبان زوایتی جملے کہہ رہی تھی اور مہمان اسکرین سے آؤٹ ہو چکی تھی۔

فراز نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھا اور ماسٹر جی کی جانب دیکھا۔

"بند کردوں جی۔"

"ہیں۔" وہ محویت سے دیکھ اور توجہ سے سن رہے تھے۔ "ختم ہو گیا؟" انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی......!"

"پھر بند کردے۔" انہوں نے گرم چادر اپنے گرد لپیٹتے ہوئے کہا۔

"اس بچی کی شکل اپنی دادی سے بہت ملتی ہے۔" کچھ دیر بعد وہ بولے۔ "اس کی جو اصلی دادی تھی نا شاہو' ماں، اس سے۔ میں تو یک دم گھبرا رہی گیا تھا اسے دیکھ کر۔ یہ ہاجرہ بی بی کہاں سے آ گئی۔ وہی جوانی، وہی صورت فراز باؤ! یہ شکلیں وغیرہ میرا مطلب ہے کہ ان کی مماثلت تو نسلوں میں ٹرانسفر کر جاتی ہیں کہ نہیں۔؟"

"یقیناً کر جاتی ہے ماسٹر جی!" فراز نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس لیے پوچھ رہا تھا کہ تو اس روز کہہ رہا تھا نا کہ ہر انسان اپنی کرنیاں بھگتتا ہے۔ اس کے اعمال م نسلوں کی جبلت کچھ ایسی غائب بھی نہیں ہوتی انسان کی فطرت سے۔ آپ نے سنا ہی ہو گا قوموں اور ذاتوں م ایک مخصوص قسم کی فطرت اجتماعی طور پر پائی جاتی ہے، وہ جبلت ہی ہوتی ہے۔ مثلاً ہندو، بنیا قوم ہے، سکھ عقل سے پیدل، آئرش بے وقوف اور اسکاٹس کنجوس۔"

"اور مسلمان؟"

"مسلمان، گوشت خور۔" فراز نے ماسٹر جی کے سامنے پلیٹ میں رکھے ہنٹر بیف کے ٹکڑوں کی طرف دیکھ ہوئے کہا۔ ماسٹر جی نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"سیانے کہتے تھے کہ استاد کو شاگرد سے اتنا فاصلہ ضرور رکھنا چاہیے کہ شاگرد اس پر طنز نہ کر سکے۔"

"طنز کرنے کی تو میں جرات ہی نہیں کر سکتا۔ یہ تو میں یونیورسل فیکٹس کی بات کر رہا ہوں۔" فراز نے موبائل اور گھڑی میز پر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آج اتنی صبح کہاں جا رہا ہے۔" ماسٹر جی نے چائے پیتے ہوئے پوچھا۔

"آج ایک ضروری کام نپٹانا ہے اور پھر ورکشاپ کا چکر بھی لگانا ہے۔ واپسی پر تفصیل بتاؤں گا۔"

"تو نے مبینہ کلثوم کو فون کر دیا تھا؟"

"میں نے سعید سے بات کی تھی، مبینہ کلثوم بھی وہیں کہیں ہو گی۔ بہرحال پیغام اسے مل چکا ہو گا فی الحال آ واپس نہیں جا رہا ہے۔"

"اب تو فراز باؤ! میں بھی ان پڑھے لکھے لوگوں کی طرح بور ہونے لگا ہوں تو دن بھر کے لیے چلا جاتا ہے میں اخبار رسالے پڑھ پڑھ کر، ٹیلی ویژن دیکھ دیکھ کر تھک جاتا ہوں۔ بھئی بڑی ہو گئی، بڑا رہ لیا۔ اب تو مجھے واپس بھجوا دے۔"

"ماسٹر جی! ابھی آپ کے جانے کا وقت نہیں آیا۔" فراز نے ان کے سامنے نیچے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ویسے آپ نے اپنی پوتی کی گفتگو کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا؟"

"اس بے چاری نے تو سمجھ اور شعور کی کئی منزلیں اتنی سی عمر میں طے کر لیں۔ وہ تو اب بے نیاز اور قانع ہو چکی

اس پر کیا تبصرہ کروں۔"

"محض اتنی سی بات سن کر ہی اس کے متعلق آپ نے یہ اندازہ لگا لیا۔" فراز ان کے تبصرے پر حیران رہ گیا۔

"اس کو ولایت کی آنکھ نہ سمجھ لینا، یہ تجربے کی آنکھ ہے فراز باؤ! جس نے یہ اندازہ لگا لیا ہے، تم لوگوں کی متعلق رائے سن سن کر مجھے لگتا ہے کہ میں بھی اس زعم میں مبتلا ہو جاؤں گا کہ کسی بڑے درجے پر فائز ہو گیا"

"ہم نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔ ہو سکتا ہے کہ تجربے کی آنکھ ہی ہو۔"

فراز نے مسکرا کر کہا اور خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل آیا۔ اس روز اسے شاہنواز احمد کے گھر جانے کے لیے ان احمد نے بلوایا تھا۔ وہ اس کی موجودگی میں ان کی اہم چیزوں کو مقفل کرانا چاہتے تھے۔

......۞......

اسفند نے ایک نظر بہت غور سے اپنے سامنے بیٹھے آفتاب جمیل کو دیکھا جن کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور اس خنک میں بھی ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکتے نظر آ رہے تھے۔

"یہ کوئی چونکا دینے والی خبر تو نہیں ہے ڈیڈی! کہ سوہا پیرزادہ کے ساتھ آپ نے جتنی بھی بزنس ڈیلز کیں، ان پ کو نقصان ہو گیا۔" اس نے نیچی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ کا ڈاؤن فال آہستہ آہستہ ہو یہ تو بڑی جلدی ہو گیا۔ سچ ہے کہ کامیاب ترین انسان کی آنکھ پر بھی جب کسی بھی عمر میں اندھے عشق کی پٹی جاتی ہے تو کچھ ہی دنوں میں اس پر ناکام ترین انسان کا لیبل لگ جاتا ہے۔ آپ کے عشق اور آپ کی شادی کی وزہ بہاریں ختم ہو گئیں۔ اب بیٹھ کر کیلکولیٹ کیجیے کہ کیا پایا، کیا گنوایا؟"

"میں نے اس سے شادی نہیں کی۔" آفتاب جمیل نے کمزور لہجے میں کہا۔

"وہ شادی کے بغیر ہی آپ کا بہت کچھ لے کر چمپت ہو گئی۔" اسفند نے مسکرا کر کہا۔ "بہت خوب، کمال ذہن خاتون نے۔ مجھے اس سے نہ مل سکنے کا افسوس رہے گا۔"

"تم طنز کر رہے ہو، تمہیں اندازہ ہے کہ ہمارا کتنا نقصان ہوا؟" آفتاب جمیل کے کمزور اور شکست خوردہ لہجے اہٹ اتر آئی۔

"ہمارا نقصان۔" اسفند نے سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ "ڈیڈی! اسے ہمارا نہیں، صرف اپنا نقصان ہے۔ ہمارا نقصان جو ہونا تھا، اسے ہوئے کچھ عرصہ ہو چکا ہے۔ یاد رہے کہ ہمیں تو آپ اپنے نفع اور نقصان اسے بے دخل کر چکے ہیں۔"

"وہ تمہاری حماقت تھی۔" اب کے آفتاب جمیل صاحب کی آواز قدرے بلند ہوئی۔

"یہ آپ کی حماقت ہے۔" اسفند نے تحمل سے جواب دیا۔ "آپ نے ایک عورت کے ساتھ محض چند دن نے کی خاطر برسوں کی محنت سے کمائی عزت اور پر سکون زندگی کو داؤں پر لگا دیا۔ آپ یہ بھی بھول گئے کہ آپ پ کا گھرانہ کسی کے انتقام کی تسکین کے لیے ٹارگٹ بنا ہوا ہے۔ آپ سب کو پیچھے ہٹا کر خود نشانے کے سامنے۔ اب آپ کو چاہیے کہ حملے کو فیس کریں۔ کیا ہوا ہو گا؟ زیادہ سے زیادہ آپ کے کچھ شیئرز ڈوب گئے ہوں آپ کا کچھ مال ادھر سے ادھر ہو گا۔ آپ جیسا ذہین اور پرانا بزنس مین اتنا ہی داؤ کھا سکتا ہے۔ ڈونٹ وری۔ ان آپ چھ ماہ کے اندر پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"اور بھگو کر مارو مجھے، اچھی طرح بھگو کر۔" آفتاب صاحب اب پوری طرح بھڑک چکے تھے۔" میں نے

غلطی کی جو تمہیں یہاں بلالیا۔"

"یہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ یقیناً آپ کی غلطی ہے۔" اسفند ان سے اس درجہ ناراض ہو چکا تھا۔ کہ ا
ان کی کسی بات میں دلچسپی محسوس نہ ہو رہی تھی۔ آفتاب صاحب نے حیرت اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"انہوں نے ایک ویڈیو فلم بنا رکھی ہے۔ آئی کانٹ ٹیل یو ہاؤ۔ (میں تمہیں بتا نہیں سکتا کیسے) اور اب وہ مجھے
بلیک میل......" ان کی کانپتی آواز بھرا گئی۔ اس سے آگے وہ بول نہ سکے تھے۔

"یہ انہوں نے اور وہ کون ہیں...... ڈیڈی؟ وہ تو اکیلی تھی، صرف ایک سوہا پیرزادہ۔" اسفند نے کی چین کو ا
پر گھماتے ہوئے انہیں غور سے دیکھا۔

"یاسین بھٹی...... وہ یاسین بھٹی کی دوست ہے۔"

"او......" اسفند نے کچھ سمجھ جانے کے والے انداز میں کہا۔ "مگر بلیک میلنگ کا یہ طریقہ تو بہت پرانا
ڈیڈی! وہ لوگ آپ کو شاہنواز احمد کی بیٹی کے ذریعے بلیک میل نہ کر سکے۔ شیری کی موت کے ذریعے بلیک میل نہ
سکے۔ شیری کے مبینہ بیٹے کے اغوا کی خبر سنا کر بلیک میل نہ کر سکے تو ایک ویڈیو ٹیپ کے ذریعے کیسے بلیک میل کر لیں
گے؟"

"تمہیں معلوم نہیں۔" انہوں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"اس بلیک میلنگ کا مقابلہ کرنے کا فن آپ کو بھی تو آتا ہوگا ڈیڈی! آفٹر آل، آپ نے بڑا اچھا ذہن
ہے۔ جو ذہن ایک معمولی گورنمنٹ سرونٹ کو اتنا بڑا بزنس مین بنا سکتا ہے، وہ ایک معمولی ویڈیو ٹیپ کا مقابلہ نہیں
سکتا۔"

"شٹ اَپ اسفی!" آفتاب صاحب کی کمزور آواز ایک مرتبہ پھر بلند ہوئی۔ "وہ لوگ میری عزت کے در
ہیں۔ یاسین بھٹی کا نیٹ ورک کہاں تک پھیلا ہوا ہے تمہیں اندازہ نہیں۔ وہ اسکینڈلائز کرے گا اس پورے قصے کو
اس کے بڑے بڑے ہائی اپس کے ساتھ تعلقات ہیں۔ میڈیا پر اس کا قبضہ ہے۔ وہ کیا کر سکتا ہے، تمہیں اس
اندازہ نہیں ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے ڈیڈی!" اسفند نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے حیرت ہے کہ اس نے یہ داؤ اتنا لیٹ
کیوں کھیلا لیکن شاید اب مجھے اس کی وجہ بھی سمجھ میں آ رہی ہے، اس نے آپ کو مکمل طور پر تنہا کرنے کے بعد آپ
ساتھ یہ داؤ کھیلا تا کہ آپ آسانی سے سرنڈر کر سکیں۔ ویسے ڈیمانڈ کیا ہے اس کی؟"

"اس پورے بزنس سے دستبرداری۔ میں آل ریڈی کچھ چیزیں سوہا کے نام منتقل کر چکا ہوں۔ یہ نکاح
پہلے اس کی ڈیمانڈ تھی۔" آفتاب صاحب نے مجرموں کی طرح سر جھکا کر کہا۔

"اسفی! پلیز اس ساری بات کو سننے کے بعد مجھ پر طنز کے تیز چلانے کے بجائے میری مدد کرو۔" اچانک
انہوں نے اسفند کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ایسے مت کریں ڈیڈی!" اسفند نے ان کے جڑے ہاتھوں سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میں جو مشو
آپ کو دوں گا اور جیسے آپ کی مدد کرنا چاہوں گا، مجھے یقین ہے آپ کو قبول نہیں ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے آپ ا
مسئلے کا حل آپ خود نکالیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

"میں بہت سوچ چکا ہوں، میرے پاس اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے اسفی! میں نے اپنے تمام سورسز استعما
کر کے دیکھ لیے۔ قصور میرا اپنا ہے، میں نے اپنے آدھے ہاتھ کاٹ کر سوہا کو پکڑا دیے۔ دستک دینے والا دستک د

ب تک دروازہ اندر سے کھولنے والا نہ ہو، دستک دینے والا اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ میں نے دروازہ اپنے ہاتھ
ا ہے۔ میرا خیال تھا کہ دروازہ کھول دینے سے میرے عمر بھر کے ذہنی بوجھ، شیری کی بے وقت موت کا دکھ اور
انی تنہائی سب کچھ ختم ہو جائیں گے۔ انسان کی عقل پر جب پردہ پڑتا ہے، اسے ایسی ہی سوجھتی ہیں۔"
صاحب کی آواز ایک مرتبہ پھر کمزور پڑ کر لرزنے لگی۔ "تم اپنی رائے دو جیسے بھی میری مدد کر سکتے ہو کرو۔ میں
ں ہوں، پلیز اسفند! مجھے اس میں سے نکالو۔"

اسفند ان پر طنز کرنا نہیں چاہتا تھا، نہ ہی اسے ان کا یہ کمزور اور گڑگڑاتا لہجہ اچھا لگ رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ
ے باپ نے زندگی میں صرف دو مرتبہ بے ایمانی کی تھی۔ ایک مرتبہ کی بے ایمانی نے اسے آسمان پر لے آئی
زندگی کے معاملات کے بارے میں اسفند کے نظریات یکسر بدل چکے تھے۔ اب اس کی سوچ نے نئی جہت
ر لی تھی اور اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ایک بے ایمانی کا کفارہ دوسری بے ایمانی کے نتیجے کے ذریعے اد
تھا۔ ان دونوں بے ایمانیوں اور ان سے پہلے اس کے باپ نے ایک صاف ستھری زندگی گزاری تھی، پرفیکٹ
ین کی سی زندگی۔ اس کا خیال تھا کہ کفارہ ادا کر چکنے کے بعد انہیں اپنی اسی صاف ستھری زندگی کے صدقے کسی
ئی خطرہ نہیں تھا۔

"اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے لیے انہوں نے کوئی راہ کھلی نہیں چھوڑی تو آپ ان کی ڈیمانڈ پوری کر
خاصے توقف کے بعد وہ بولا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے، پاگل ہو گئے ہو تم؟" وہ چلائے۔

"پھر نہ کریں اور انتظار میں بیٹھ جائیں کہ وہ کون سے تھیلے سے کیسی بلی نکالتے ہیں۔" ان کے بھڑکنے پر اس
ر امشورہ دیا۔

"تمہیں میں نے ساری صورتِ حال سمجھائی ہے، تم اب بھی انجان بن رہے ہو۔ وہ یاسین بھٹی ہے،
ں کا بادشاہ۔ اس نے اتنے برس بلیک میلنگ کے سارے گر سیکھتے ہی تو گزارے ہیں۔" آفتاب صاحب نے
کھوں کو انگلیوں کی پوروں سے دباتے ہوئے کہا۔

"ایک تو میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ یاسین بھٹی اور اس کے بیٹے فیروز بھٹی سے آپ کا جھگڑا کیا ہے۔"

"یاسین کا کوئی بیٹا نہیں ہے، اس نے شادی ہی نہیں کی۔" آفتاب صاحب نے اس کی معلومات درست
نے کی کوشش کی۔

"تو پھر فیروز بھٹی کون ہے، وہ خود کو یاسین بھٹی کا بیٹا کیوں کہتا ہے؟" اسفند نے آفتاب صاحب کی آفس
پر رکھے ورلڈ گلوب کو گھماتے ہوئے پوچھا۔

"خدا جانے کس خبیث کی اولاد ہے، حرام کا جنا۔" آفتاب صاحب کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ پھسلے۔
کو حرکت میں لاتا اسفند کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکا اور اس نے غور سے آفتاب صاحب کو دیکھا۔

"اس عیاروں کے بادشاہ اور اس حرام کے جنے کسی خبیث کی اولاد کی آپ سے ہماری فیملی سے کیا دشمنی ہے
ا؟ آج آپ اس حقیقت پر سے پردہ اٹھا ہی دیں تو شاید میں آپ کے لیے کوئی بہتر دے آؤٹ نکال لوں۔"
نے انہیں لالچ دیتے ہوئے کہا۔ آفتاب صاحب نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر کچھ وقت سوچنے
ار دیا۔

"لاہور کے اس بازار کی دو نامور طوائف بہنوں روزینہ بائی اور زرینہ بائی کا طوطی بولتا تھا، ان دنوں، جب

میں اور یاسین بھٹی سول سیکرٹریٹ میں ملازم تھے ہمارا تعلق فنانس ڈیپارٹمنٹ سے تھا اور یہ وہ وقت تھا جب ا گرد لوگوں کو مختلف بے ایمانیاں کرتے دیکھ کر ہم بھی بے ایمانیوں کے گر سیکھ رہے تھے۔ چھوٹی موٹی ریشوتیں تھیں جن سے جیب گرم ہو جاتی تھی۔ یاسین بھٹی شیخوپورہ کا رہنے والا تھا اور بی کام کرنے کے بعد یہا اسکیل پر ملازم ہوا تھا۔ اس کا باپ نائی تھا اور لوگوں کی حجامتیں بناتا تھا۔ ادھر میرے والد جمیل مرچوں والے سے مشہور تھے۔ ہماری زندگیاں یونہی گزری تھیں اور حسرتوں کا ایک ہجوم تھا جو ہمارے اردگرد پھیلا ہوا تھا۔ چھوٹی رشوتیں بڑی رقموں میں بدلنے لگیں اور ہم اپنے باپوں کے پڑھائے سبق بھولنے لگے۔ انہی دنوں یاسی ترغیب دلانے پر میں نے بھی روزینہ بائی کے کوٹھے پر جانا شروع کر دیا۔ مجھے اس گناہ کی زندگی میں مزا آ تھا۔ روزینہ بائی کی بہن زرینہ بائی اس سے زیادہ حسین تھی اور میری خواہش ہوتی تھی کہ مجھے اس کا گانا سننے کو میں اس کا گانا سننے کا عوضانہ دینے سے اکثر قاصر رہتا تھا۔ اس خواہش کو پورا کرنے کا منصوبہ بناتے بناتے ہی رشوت اور غبن کا وہ منصوبہ بنایا جس نے مجھے زندگی میں اونچی اڑان اڑا دیا۔ سارا منصوبہ یاسین کے زرخیز دما پیداوار تھا اور عمل مجھے کرنا تھا۔ ہم نے اہم فائلیں جلا دینے کے عوض لاکھوں روپے رشوت لی اور لاکھوں کی رق کرنے کا پروگرام ایک ہفتے کے وقفے سے ترتیب دیا تھا اور ہم اپنے دونوں منصوبوں میں کامیاب ہو گئے۔
آفتاب صاحب سنا رہے تھے۔

"اور آپ پکڑے نہیں گئے؟" اسفند نے ان کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"ہماری آزمائش شروع ہونے والی تھی، اسی لیے پکڑے نہیں گئے۔ ان ہی دنوں حکومت بدل گئی، اوپر نیچے تک بڑے پیمانے پر تبدیلیاں ہوئیں۔ نئی حکومت نیا نظام لائی تھی۔ اس نے اپنی پسند کے بندے مختلف جگہو تعینات کر دیے۔ ہماری والی فائلیں، پرانی فائلوں کے انبار تلے دب گئیں۔ غبن والا قصہ محکمے کے ایک بڑے اف ڈال دیا گیا فوجی عدالت سے اسے سزا بھی ہو گئی۔"

"اور آپ لوگ سکون سے یہ سارا تماشا دیکھتے رہے؟" اسفند نے پھر سوال کیا۔

"ہمیں تو جگہ نہیں مل رہی تھی کہ اتنا پیسہ چھپائیں کہاں۔ یاسین کا تو کوئی مستقل ٹھکانہ ہی نہیں تھا اور ا ہر دم یہ دھڑکا بھی لگا رہتا تھا کہ ہم پکڑے جا سکتے ہیں۔ سو اس نے سارا پیسہ مجھے اپنے پاس ہی رکھنے کو کہا۔ یقیناً ا خیال ہو گا کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہو تو اکیلا ہی پکڑا جاؤں۔ میں نے رابعہ کو اعتماد میں لے کر ساری بات بتائی۔ ا نے اس کام پر میری پیٹھ ٹھونکنے کے ساتھ ساتھ رقم سنبھالنے کا بندوبست بھی کر لیا۔"

"وہ کیسے؟"

"اس نے وہ رقم گندم اسٹور والے بھڑولے میں رکھ کر اوپر دانے ڈال دیے۔ آٹا پسوانے کے لیے گندم خود ہی صاف کر کے رکھتی تھی۔ سو اباجی کو معلوم ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔" آفتاب صاحب نے رک کر پا کا گلاس اپنے سامنے سے اٹھایا۔

"پھر آپ نے وہ رقم تقسیم اور استعمال کب کی؟"

"ہم تو خطرہ ٹل جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ رقم میرے گھر پر ہونے کی وجہ سے یہ ہوا کہ مجھے زرینہ بائی کا گا سننے کا موقع ملنے لگا۔ یہ سلسلہ ابھی بھی شروع ہوا ہی تھا کہ اس کہانی میں ایک نئے کردار شاہنواز احمد نے انٹری د دی۔"

"اوہ...... میں اب پہنچا۔" اسفند نے بے اختیار کہا۔

"شاہنواز ایک معمولی درجے کا پینٹر تھا اور خود کو زرینہ بائی کا عاشق خاص ڈکلیئر کرتا تھا۔ دونوں بہنوں کی تھا۔ ان کے مجروں کی سائیاں پکڑتا تھا۔ اور ان کے کوٹھے پر آنے والے رؤسا کو بلیک میلنگ کرنے کا کام اگر وہ اس کی بلیک میلنگ میں نہیں آتے تو سوسائٹی میں ان کی پگڑیاں اچھالنے کا کام بھی وہ بخوبی کر لیتا

"آپ کے ساتھ اس نے کیا کیا؟" اسفند نے ایک مرتبہ پھر سوال کیا۔

"میرے ساتھ اس وقت اس نے کیا کرنا تھا؟ نہ تو اس وقت تک میں کسی کی نظر میں رئیس تھا نہ ہی اسے مجھے ٹھے پر لے جانے کا تردد کرنا پڑتا تھا۔ البتہ یاسین کے ساتھ اس کی زرینہ بائی والے معاملے پر ٹھنی رہتی تھی۔ رینہ کا عاشق کہتا تھا۔ اور اس کے پورٹریٹس بنانے میں لگا رہتا تھا۔ اس نے ان پورٹریٹس کے ذریعے اپنا صاف کیا۔ ادھر یاسین بھی زرینہ کی محبت میں گرفتار تھا۔"

"آپ نہیں تھے؟" اسفند نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ آفتاب صاحب نے کن اکھیوں سے اس کی یکھا۔

"شاید میں بھی تھا مگر مجھے ابھی کسی ایسی بات کا نہ ڈھنگ آتا تھا، نہ سلیقہ۔ میرے لیے اس کا گانا سن لینا ہی ہوا کرتی تھی۔ جس روز ہمارے محکمے کے اس افسر کو غبن کے جرم میں سزا ہوئی۔ وہ دن ہمارے لیے مسلسل کیفیت سے نکل آنے کی نوید لے کر آیا تھا۔ میں نے رابعہ کو وہ خبر سنائی تو اس نے خوش ہونے کے ساتھ ساری رقم ہضم کر جانے کا مشورہ دیا۔ پہلے تو میرا دل اس مشورے کو نہیں مانا مگر جوں جوں میں نے غور اس میں اپنا فائدہ نظر آنے لگا۔ میں بڑی صفائی سے تمام رقم کو اپنے تصرف میں لا سکتا تھا۔ اس رقم کا کوئی تھا۔ ہمارا نام پورے کیس میں کہیں نہیں تھا کیونکہ براہ راست کسی طرح بھی اس میں ملوث نہ تھے۔ سو میں کے اپنے حصے کی رقم مانگنے پر اس سے صاف انکار کر دیا بلکہ سرے سے ہی مکر گیا کہ میرے پاس ایسی کوئی رقم تھی۔"

"کیا ایسا کرنا آسان کام تھا؟" اسفند نے پوچھا۔

"نہیں۔ یاسین نے بہت فساد مچایا میرے انکار پر اباجی کے سامنے قصہ کھولنے کی دھمکیاں دیں بلکہ مجھے زندہ کی قسم بھی کھائی۔"

"پھر وہ داداجی تک نہیں پہنچا۔"

"ایسا ہو نہیں سکا، قدرت میری ہر طرح سے مدد کر رہی تھی۔ اس کے اباجی تک پہنچنے سے پہلے ہی اچانک اباجی وگیا۔ اسی وجہ سے مجھے ان کے مرنے پر دکھ کے بجائے ایک عجیب سا اطمینان بھی ہوا تھا۔ مجھ سے زیادہ ھی کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے ہم کسی بھی صورت اس رقم کو استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اباجی کے ختم کے نے رقم کو استعمال کرنے کی بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔ ایک نئی شروع ہوتی میں پیسہ لگایا۔ ایک گھر خریدا اور پچھلے کا سودا کر لیا۔ ادھر یاسین اب اپنی کرنے پر آچکا تھا۔ یہ ان ہی دنوں جب شاہنواز احمد، زرینہ بائی کو لے کر ہمارے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے الزام لگایا کہ زرینہ کے والے بچے کا باپ میں تھا۔ یہ مشورہ زرینہ کو یاسین نے میرے پاس موجود دولت کا لالچ دیتے ہوئے دیا پیشے سے منسلک تھی، اس کے تقاضوں کے عین مطابق اسے ایسی ڈرامہ بازی پر کوئی عار محسوس نہیں ہو سکتا لباً وہ خود بھی جانتی تھی کہ اس بچے کا باپ کون تھا۔ اس نے کسی کے استفسار پر میرا نام لے دیا۔ شاہنواز

احمد جیسے بڑے بلیک میلر کے لیے پیسہ کمانے کا اس سے بڑا موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ پہلے تو اس نے بالا ہی بالا مجھ سے بات ختم کرنے کا سودا طے کرنا چاہا۔ میرے انکار پر اسے لے کر میرے گھر پہنچ گیا۔"

"اور آپ کی بیوی اور محلے والوں نے جمیل مرچوں والے کے بیٹے کی شرافت کی قسمیں کھا کر انہیں سے نکال باہر کیا۔ سنا ہے خوب فساد ہوا تھا اس وقت وہاں۔" اسفند نے پھر لقمہ دیا۔

"وہ غلط نہیں کہتے تھے۔ میرے کردار میں ایسا کوئی جھول تھا بھی نہیں۔ میں یاسین کی اس چال کو سمجھ گیا اور میرے لیے عافیت اسی میں تھی کہ میں جلد سے جلد اس سرکل سے نکل جاؤں۔ میں نے دو تین دن کے اندر شہر اور کاروبار کا کام مکمل کیا اور دنوں کے اندر ہی پیسے کے بل پر نئے تعلقات قائم کر لیے۔ میرے دن محاورتاً حقیقتاً بہت جلد پھر گئے۔ میں نے جہاں جہاں بھی پیسہ انویسٹ کیا مجھے بہت منافع ہوا۔ میں ایک کے بعد ایک کامیابی کی طرف جانے والی سیڑھی چڑھتا چلا گیا۔"

"یاسین بھٹی نے آپ کو معاف کر دیا؟"

"ہرگز نہیں مگر میں جس طرح اوپر ہی اوپر جا رہا تھا اور جتنے تعلقات بنا چکا تھا، اس کے پاس کچھ کرنے کا راستہ ہی نہیں تھا۔ شاہنواز احمد نے البتہ اپنی فطرت کی وجہ سے مجھے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ زرینہ بائی کے کوٹھے پر میری آمدورفت کے اس کے پاس کئی گواہ تھے۔ زرینہ بائی اپنے بچے کو میرا بچہ ڈکلیئر کرتی پھر رہی تھی۔ دونوں خاموش رہنے کا معاوضہ مانگتے تھے۔"

"آپ نے دیا؟"

"کئی بار۔" آفتاب صاحب نے سر جھکا کر کہا۔ "کئی مرتبہ مجھ سے پیسے لینے کے بعد بھی شاہنواز احمد ایک عرصہ تک مجھے بلیک میل کرتا رہا۔ اس وقت تک جب تک وہ خود ایک معروف مصور نہیں بن گیا۔ اس سے پہلے اس کا پیشہ ہی یہی تھا۔ میری طرح کے کئی اور بھی تھے جن کے ساتھ وہ یہی کرتا تھا۔"

"اور زرینہ بائی؟"

"وہ کچھ عرصہ کے بعد ہی مر گئی۔ مجھے علم نہیں کیسے مری۔"

"اور وہ بچہ۔"

"وہ بچہ یاسین بھٹی لے گیا۔ اس نے نوکری چھوڑ کر کسی تھیٹریکل کمپنی کیساتھ کام شروع کر دیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے کسی فلم کی میکنگ میں سرمایہ لگایا، یہاں سے اسے فائدہ ہوا اور اسی طرح کے کام کرتا کرتا لاکھوں میں کھیلنے لگا۔ میں نے سنا تھا کہ انڈرورلڈ کے لوگوں سے اس کے تعلقات ہیں۔"

"وہ مشہور فلم ساز بن گیا۔ ابھی ایک دو سال پہلے اس نے پروڈکشن ہاؤس بنا لیا۔ اب وہ ڈرامے بنا کر تھیٹر میں ڈرامے کرواتا ہے۔" کئی لڑکیوں کو اس نے مشہور ماڈل اور اداکارہ بنا دیا۔ اس کام میں اس کا بیٹا فیروز اس کا بہت بڑا پارٹنر ہے دونوں پیسہ بھی کماتے ہیں اور اپنے خصوصی نشانوں کو ہٹ بھی کرتے ہیں۔ ناجائز شراب، لڑکیاں، جوا اور نجانے کس کس کا کاروبار کرتے ہیں مگر ان کی پہنچ بھی وہاں تک ہے، جہاں کے لوگ قانون کی پکڑ میں آنے نہیں دیتے۔" اسفند نے باقی کی کہانی خود سنانا شروع کی۔

"یاسین بھٹی نے بظاہر یہ بات بھول جانے کا ڈرامہ کیا کہ آپ کو زک پہنچا چکے تھے۔ وہ آپ سے ملا نہ ہی کبھی آپ کے سامنے آیا مگر اس لڑکے فیروز بھٹی کے اندر انتقام کی آگ بھرتا رہا۔ اس نے اسے یقین دلایا کہ اس کی ماں آپ کی اور شاہنواز احمد کی وجہ سے سسک سسک کر مر گئی۔ فیروز بھٹی لاکھ برا سہی ماں کے لیے شاید اس

بھی نارمل لوگوں والے ہی ہوں گے۔ جب ہی تو اس نے جوں ہی سر اٹھایا آپ کو اور شاہنواز احمد کو نشانے پر آپ یقیناً جانتے ہوں گے کہ شاہنواز احمد کی بیٹی سارہ کو شیری سے ملوانے والے بھی یہ دونوں باپ بیٹے تھے۔ سارہ کو ماڈلنگ کی پیک پر پہنچانے والے بھی یہی تھے۔ ان ہی دونوں کو معلوم تھا کہ آپ اور شاہنواز احمد کبھی ایک دوسرے سے کوئی ایسا رشتہ جوڑنے پر رضامند نہ ہوں گے۔ ان کی پلاننگ کامیاب رہی۔ سارہ اور شیری کسی بھی ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور شیری نے آپ سے درخواست کی کہ اس کی شادی سارہ سے کروا دے۔ آپ کا جواب دونوں باپ بیٹوں کی توقع کے عین مطابق تھا۔ فیروز بظاہر سارہ کا اچھا دوست تھا، اس نے مشورہ دیا کہ شیری کو پانے کے لیے اس بچے سے محبت کا مظاہرہ کرنا ضرور ہے جو شیری کی محبوب لڑکی صبا مسعود کا تھا۔ شیری اسے اڈاپٹ کر چکا تھا۔

یوں سارہ شیری کے قریب آئی۔ آپ لوگوں کے انکار کے بعد ان دونوں نے کورٹ میرج کر لی کیونکہ شیری بھی طرح بچے کو اپنا بچہ قرار دلوانا چاہتا تھا اور ایسا صرف سارہ کی وجہ سے ممکن تھا جو بچے کی ماں ہونے کا ڈرامہ کرنے پر تیار تھی۔ دونوں شادی کے بعد ایک گھر بنانے کی تیاری میں مصروف تھے، جب فیروز کے شیطانی ذہن نے اور منصوبہ تیار کیا۔ اس نے اپنے بندوں کے ذریعے شیری کی گاڑی کو ہٹ کیا جس کے نتیجے میں وہ خوفناک حادثہ ہوا جس میں ہم نے شیری کو کھو دیا۔

اس نے سارہ کو جائے حادثہ سے بھاگ جانے کا مشورہ دیا اور پھر اس کو اتنا ہراساں کیا کہ وہ شیری کی نشانی اس بچے کو سینے سے لگائے بیٹھی تھی، اسے اپنے سے الگ کرنے پر تیار ہو گئی۔ زندگی میں ہونے والے اسے اتنے بڑے حادثے نے اس سے اس کا کیریئر چھینا، اسے نشے کا عادی بنا دیا اور ایک عرصے تک کے لیے اس کے ذہن کو مفلوج کیے رکھا۔ فیروز نے اس بچے کی وجہ سے مجھے، ممی کو اور آپ کو بلیک میل کرنا چاہا کہ بچہ اغوا ہو چکا ہے۔ ہمارے دھرنے پر اس نے اپنا یہ آخری وار کیا۔ سوہا پیرزادہ والا۔ اسے معلوم تھا کہ میرے اور ممی کے آپ کے ساتھ رہتے ہوئے وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ سو اس نے سوہا کے ذریعے آپ کو مجھ سے اور ممی سے دور کیا۔ آپ کو باور کروایا کہ آپ مظلوم ہیں اور تمام عمر ایک غلط زندگی گزارتے رہے۔ یہ سچ ہے کہ انسان کی عقل زندگی کی کسی بھی اسٹیج پر اس کو دھوکا دے سکتی ہے۔

فیروز بھٹی ہماری فیملی کو اور شاہنواز احمد کی فیملی کو اس طرح تباہ کرنا چاہتا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور وہ اس میں خاصا کامیاب رہا۔ شیری کی موت نے ہماری زندگیوں کا رخ موڑ دیا۔ ہم سب نئی ڈائمینشنز میں چلنے لگے۔ وہ جو ہمارے ارادے تھے، سب بدل گئے۔ اس کی موت نے ممی کو بہت دیر سے سہی لیکن ہم تینوں کو بدل کر رکھ دیا اور اب تک ہم تینوں الجھے ہوئے اور تنہا ہیں۔ ادھر شاہنواز احمد کو بھی اس نے تباہ کر دیا۔ اس کی بیٹی اس سے نفرت کرنے لگی اور اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ بظاہر اس قدر کامیاب انسان، دراصل ایک انتہائی ناکام زندگی گزارتا رہا۔ اس کی ذہنی تنہائی نے اسے مرگ بستر پر پہنچا دیا۔ اس کی زندگی کا کل اثاثہ اس کی بیٹی ابھی بھی اس کے پاس آ کر دیکھنے کی روادار نہیں۔"

اسفند نے ذرا رک کر آفتاب صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ دم بخود اس کی گفتگو سن رہے تھے۔

"فیروز بھٹی چومکھی لڑائی لڑ رہا ہے، اس نے سوہا کو آپ کی طرف بھیجا اور سارہ کو شیری کے اکاؤنٹس کی تفصیل دے کر اسے اس بچے کی ماں بن کر آپ کو مزید بلیک میل کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ معلوم نہیں، اب تک سارہ نے اس سلسلے میں آپ سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔"

"وہ بچہ اب کہاں ہے، کس کے پاس ہے؟" آفتاب صاحب نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اس سارے قصے میں اس معصوم بچے کی بے وجہ ہی شامت آئی رہی۔ فیروز کے ڈرانے پر کہ ہم اس سے بچہ چھین لیں گے، سارہ نے وہ بچہ ایک عورت عائشہ کے حوالے کر دیا جو بے اولاد تھی۔ اتفاق سے عائشہ بی بی زینب کی محلے دار تھی۔ بچے کا بی بی زینب کے ساتھ تعلق بن گیا۔ بی بی زینب اس بچے کو میرے کڈز ہوم میں چھوڑ گئیں کیونکہ سارہ بچہ چھوڑ کر غائب ہو گئی تھی۔ اس بچے کی حقیقت سے نہ بی بی زینب واقف تھیں نہ میں لیکن فیروز نے اس ڈر سے کہ مجھے خبر نہ ہو جائے، بچہ کڈز ہوم سے اغوا کروا کر تھیٹر کی ایک ڈانسر کے حوالے کر دیا جو ان ہی جیسے لوگوں کا دیا کھاتی تھی۔ جب اس نے بچہ اس ڈانسر سے واپس مانگا تو اس نے اسے دینے سے انکار کر دیا اس پر اس نے اس بے چاری لڑکی پر فائرہ کروا کر اسے مفلوج کر دیا اور بچہ لے گیا۔"

"اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"بچہ اس کا خاص ہتھیار تھا۔ شیری کو، آپ کو اور شاہنواز احمد و نشانہ بنا لینے کے بعد اب وہ بچے والا ہتھیار مجھ پر آزمانا چاہتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میں شیری کے معاملات میں کتنا حساس ہوں۔"

"اسے کیسے معلوم ہے؟"

"کیونکہ اتفاق سے وہ میرا دوست بھی رہ چکا ہے۔ سارہ کے بارے میں بھلے غلط مگر ابتدائی معلومات اسی نے مجھے دی تھیں اور مجھے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ شیری کی موت حادثہ نہیں بلکہ سارہ کی چال تھی، وہ اسے مار کر اس کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ مجھے سارہ سے نفرت دلوانے میں کامیاب رہا۔ میں نے سارہ کو دو تین مرتبہ کال کر کے انتہائی سخت الفاظ استعمال کیے، جب ہی وہ اتنی خوف زدہ ہو گئی کہ بچہ عائشہ کے پاس چھوڑ کر خود غائب ہو گئی۔"

"یہ اتنی لمبی چوڑی منصوبہ بندی ان دونوں نے کیوں کی۔ وہ سیدھے سیدھے ہم سب کو گولیاں بھی تو مروا سکتے تھے تو ہماری موت بھی تو اتفاقاً حادثہ ہو سکتی تھی، کسی حادثے کی وجہ سے؟" آفتاب صاحب ہاری ہوئی کمزور آواز میں بولے۔

"اس طرح تو بات بڑی جلد ختم ہو جاتی، وہ ہمیں ذہنی اذیت دے کر مارنا چاہتے تھے اور یہ سچ ہے کہ شیری کی موت کے بعد یہاں آنے پر اس وقت سے لے کر اب تک میں جس ذہنی اذیت سے گزر رہا ہوں، یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔ اگر ماسٹر جی مجھے نہ ملتے تو شاید میں کوئی انتہائی قدم اٹھا چکا ہوتا۔ آپ اب ذہنی اذیت کی جس اسٹیج پر ہیں۔ کیا اس سے انکار کر سکتے ہیں؟ ممی جس ذہنی کرب سے گزر رہی ہیں اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ شاہنواز احمد اور اس کی بیٹی کو ایک دوسرے سے جدا کر کے جو کارنامہ وہ انجام دے چکے ہیں، اس کی کامیابی پر خوش ہونے میں وہ بالکل حق بجانب ہیں۔" اسفند نے ایک مرتبہ پھر رک کر آفتاب صاحب کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں پر سر گرائے بیٹھے تھے۔

"یہ بظاہر ایک ایوریج ذہن کی منصوبہ بندیاں ہیں ڈیڈی! فارمولا فلموں جیسی مگر آپ کو بلکہ ہم سب کو داد دینی چاہیے فیروز بھٹی کو کہ اس نے اپنے پتے کس ہوشیاری اور کمال سے کھیلے کہ ہم میں سے کسی کو بھی علم نہیں ہو سکا کہ ہم اس کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ وہ ہم سب کی نظروں میں ایک مہذب انسان اور دوست تھا۔ یاسین بھٹی نے جس مقصد کے لیے اسے پالا اور جو خیالات اس کے ذہن میں ٹھونسے، کتنا پرفیکٹ آؤٹ پٹ نکلا اس ساری فیڈنگ کا۔"

"تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ پتا تھا تو تم نے اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"
ب صاحب نے پوچھا۔

"میں اس کے بارے میں کیا جانتا تھا؟" اسفند نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ "کچھ بھی تو
" اس نے سر ہلایا۔ "ابھی کچھ عرصہ پہلے تک تو میں فراز اور رباب کی سنائی باتوں کو جھٹلاتا رہا ہوں اور فیروز
تا کمینہ انسان ہو سکتا ہے۔"

"اب تو تمہیں پتہ چل گیا، اب کچھ کرو اسفند! اس نے اس سوہا نے مجھ سے کئی بلینک پیپرز دستخط بھی کروا لیے
"

"اور آپ نے کر دیے۔" اسفند نے مسکرا کر کہا۔ "داد دینا پڑتی وہ اس بزنس مین کی جس نے محض بیس سال
ں اچھی خاصی بزنس ایمپائر کھڑی کر لی اور پھر ایک عورت سے مات کھا گیا۔ ویسے مسلمانوں کی تاریخ اس قسم کی
ں سے بھری پڑی ہے۔ عورت والا ہتھیار کم ہی ناکام ہوتا ہے۔"

"تم پھر طنز کرنے لگے۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں کچھ سوچو۔ ہیلپ می آؤٹ آف دس۔ میرا دماغ پھر سے
نے لگا ہے۔" آفتاب صاحب کو اچانک احساس ہوا کہ اس گفتگو میں خاصا وقت ضائع ہو گیا تھا۔

"کرنا کیا ہے ڈیڈی؟" اسفند نے پرسکون انداز میں کہا۔ "آپ انتظار کریں اس بات کا کہ وہ کیا کر سکتے
ہ سوہا پیرزادہ والا ویڈیو ٹیپ کس طرح استعمال کرنے والے ہیں؟ ہو سکتا ہے وہ محض دھمکی ہو اور اگر حقیقتاً وہ ایسا
نے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر ان کی ڈیمانڈز مان لیجیے۔ جہاں سے چلے تھے، وہیں واپس پہنچ جائیں۔ یہ سمجھ کر کہ
ں میں کچھ ہوا ہی نہیں۔ میرے پاس جو ہے آپ ہی کا ہے۔ ایک سعادت مند بیٹے کی طرح میں اس کے علاوہ
لہوں۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ سمجھ لیں کہ اس سب سے دستبردار ہو کر آپ بے ایمانی کا کفارہ ادا کر رہے ہیں جو آپ
وں پہلے کی تھی۔ رشوت اور غبن والی بے ایمانی۔"

"آپ اپنے فلسفے اور نظریات اپنے تک ہی رکھیں۔ زندگی کے ہر معاملے پر انہیں اپلائی کرنے کی کوشش مت
یاں صاحبزادے!" آفتاب صاحب کی ٹون ایک دم بدل گئی۔ "میں نے ناحق ہی تمہیں یہاں بلایا۔"

"یہ تو ہے۔" اسفند نے اپنی گاڑی کی چابیاں اور موبائل فون اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو آپ کو یہاں
ی کا تھا کہ اسے ہمارا نقصان کہنے کے بجائے میرا نقصان کہیے کیونکہ ہمیں تو آپ پہلے اس بوجھ سے فارغ کر
ا۔"

"مجھے سوچ لینا چاہیے تھا کہ تمہیں میرے کسی معاملے سے کوئی دلچسپی کیسے ہو سکتی ہے۔" اب وہ سخت ناراض
ے رہے تھے۔

"فی الحال تو آپ جذبات ہو رہے ہیں اور ناراض بھی۔" اسفند نے مسکراتے ہوئے کہا اور کھڑا ہو گیا۔
، میں میری بات پر غور کیجیے گا، جس حمام میں آپ دوسروں کے سامنے رسوا ہونے سے ڈر رہے ہیں، یاد رکھیے
احمام میں سارے ہی ننگے ہیں پھر کون کس کو ننگا کہے گا۔ دشمن کی بلیک میلنگ سے ڈرنے کے بجائے اس کا
باد یک پوائنٹ سوچنے کی کوشش کیجیے جس سے الٹا آپ اس کو بلیک میل کر سکیں۔ ویسے میرا دیا ہوا آپشن نمبر
تر ہے۔" اس نے سر جھٹک کر کہا۔ "کفارے والا۔"

ان کے ردعمل سے بچنے کے لیے وہ ان کی طرف دیکھے بغیر خدا حافظ کہہ کر ان کے آفس سے باہر نکل آیا۔
ں کھڑے ہو کر گراؤنڈ فلور کا بٹن دبانے کے بعد موبائل فون پر کسی کا نمبر ملانے لگا۔

''ہاں جہاں زیب! یہ میں ہوں۔ کچھ پروگریس ہوئی؟'' دوسری طرف سے کال ریسیو ہونے پر اس نے پوچھا تھا۔

''کیا نام بتایا اس نے، کیا کہتا ہے وہ۔ تمہارا کیا خیال ہے کچھ مددگار ثابت ہوگا۔''

''اچھا دیکھو، ابھی میں تم سے ملنا چاہتا ہوں فوری۔ ایک ایمرجنسی والی بات ہے۔ اچھا تم میری طرف خ... آ رہے ہو۔ یہ تو بہت اچھا ہے۔ میں آفس پہنچ کر تمہارا انتظار کرتا ہوں۔

گراؤنڈ فلور تک پہنچتے اس کی بات ختم ہو چکی تھی۔ لفٹ سے باہر آ کر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''دیکھیں سر جی! دونوں باتیں پوری ہو گئیں۔ آپ نے مجھے رج کر مار لیا، میں نے آپ کو سب بتا دیا۔ اب مجھے جانے دیں۔''

''بکواس بند کرا وئے، جانے دیں کا پتر۔ یہ حوالات ہے، کوئی خالہ جی کا گھر نہیں، جہاں تو مہمان بن کر آیا ہے اور تجھے اپنی مرضی سے واپس جانا ہے۔''

''سر جی! میں آپ کو ہاتھ جوڑ کر اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے جو پتہ تھا بتا دیا۔ میں فیروز بھٹی کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ میں تو کبھی اس کے اس تہہ خانے سے باہر نکلا ہی نہیں جی۔''

''بکواس کرتا ہے تو نکلا ہی نہیں، تجھے ٹانگیں اور زبان ایسے ہی لگ گئیں۔''

''سر جی! آپ بات بات پر مارتے کیوں ہیں۔ آپ یہ بات مجھ سے ویسے بھی تو کر سکتے ہیں۔ سر جی! میں بن ماں باپ کا بچہ ہوں، مجھے معاف کر دیں جی! مجھے جانے دیں۔''

''تو نے بتایا نہیں فیروز بھٹی کے لنکس کس کس کے ساتھ ہیں۔''

''کسی کے ساتھ نہیں جی، وہ تو کف لنکس بھی نہیں لگاتا، جی اپنی شرٹ کے کفس کو......''

''اوئے الو کے پٹھے۔''

''سر جی! آپ پھر مار رہے ہیں۔ آپ کی مار کھا کھا کر میں یہاں ہی مر گیا تو آپ کیا کریں گے۔ کس نے پوچھیں گے کچھ۔ سر جی! پولیس کا تو فرض ہے مدد قوم کی، آپ تو قوم کی بےعزتی کر رہے ہیں۔''

''یہ بڑا گھنا اور کمینہ ہے خبیث کی اولاد۔ ہمیں باتوں میں لگا کر وقت گزارنا چاہتا ہے تاکہ اس کی اوپر سے سفارش آ جائے کوئی اور، یہ ہمیں کچھ بتائے بغیر ہی دفع ہو جائے یہاں سے۔''

''میں نے آل ریڈی سب کچھ بتا دیا ہے۔ آپ کو سر، بچے سے تو مجھے خود بھی ہمدردی ہے سر! میں نے آ... سے کہا ہے کہ اسے بچا لیں سر! لے آئیے اسے شیخ کے اصطبل سے واپس پاکستان! ویسے سر! آپ شیخ پر تو پرچہ کاٹ نہیں سکتے، وہ تو اس ملک کا باشندہ نہیں۔''

''بکواس بند کرواوئے۔ یہ بتا فیروز بھٹی کے کن کن لوگوں کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں۔''

''سب سے سر! سب سے۔ را سے، موساد سے، کسی زمانے میں کے جی بی سے بھی ہوا کرتے تھے۔''

''اوئے کرم دین! اسے ایک خوراک دینی پڑے گی۔ یہ ایسے نہیں بولے گا۔''

''اچھا جی...... وہ جی...... سر جی آپ سے ملنے کے لیے بختیار چاچڑ صاحب آئے ہیں جی۔ وہ جی ایس ا... او تھے پہلے ادھر تھانے میں جی، ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے جی، انگریز لگتی ہے۔ آپ کے دفتر میں بیٹھے ہیں جی۔''

''اچھا...... اچھا...... تو اس حرام خور کا کوئی علاج کر، بڑی پکی ہڈی ہے۔ اس کے بارے میں روز فون آتے ...جھ بکا کہ نہیں۔ اب یہ کچھ بکے تو ہم بتائیں۔''

''اللہ کا واسطہ ہے سر! مجھے اور نہ ماریں سر! میں نے آپ کو بچے کے بارے میں سچ بتایا ہے۔ میں نے سب ...بتا دیا ہے سر! پلیز......''

فراز نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی۔ ایک سجا سجایا گھر، آرٹسٹک انٹیریر پر، بیش قیمت فرنیچر، نوادرات، مجسمے، ...ت کی ہر چیز حاضر مگر مکین غائب۔ نجانے کب سے بند پڑا تنہا گھر۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ گھر کی ایک ایک چیز ...مالک کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اسی گھر میں وہ شخص اپنی تمام تر بد دماغی اور غرور کے ساتھ رہتا تھا، اسی گھر میں اس ...وہ شہر آفاق پینٹنگز بنائیں جن کی وجہ سے اس کا نام فن کی دنیا میں اتنا مشہور ہوا، وہ تمام مجسمے، خطاطی کے نمونے ...ں نے اس کی شہرت چاروں طرف پھیلا دی، سب اسی چھت کے نیچے وجود میں آئے اور اب وہ سب کچھ ...تھا مگر ایک شخص وہاں نہیں تھا جس کے دم سے اس چھت کے نیچے زندگی موجود تھی۔

''بیٹھیے مسٹر فراز!'' کامران احمد کے ساتھی وکیل صاحب نے کہا۔ اس نے سن روم میں رکھی ایک خوبصورت ...پر بیٹھتے ہوئے قریب رکھی تپائی پر دھرے سگار باکس کا ڈھکن اٹھایا۔ بیتھوون کی ایک مشہور سمفنی کی دھن بجنے ...۔ اس نے ڈھکن بند کر دیا۔

''مسٹر فراز! آپ نے سب چیزیں چیک کر لیں۔'' کامران احمد کسی ملازم سے بات کرتے ادھر آئے۔

''جی!'' اس نے نیچی آواز میں کہا۔

''اس گھر کی تمام چابیاں آپ کے حوالے کی جا رہی ہیں، اس وقت تک، جب تک شاہنواز صاحب تندرست ہو کر ...گھر واپس نہیں آ جاتے۔''

''جی!'' فراز نے بدستور نیچی آواز میں کہا۔

''آپ تمام چیزوں کے متعلق مطمئن ہیں؟'' دوسرے وکیل صاحب نے پوچھا۔

''جی!'' فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''کامران صاحب! میں ایک مرتبہ ان کے اسٹوڈیو اور بیڈروم کا چکر لگا کر ...ہوں۔''

''ہم باہر انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ دونوں باہر نکل گئے۔

فراز اندر کی طرف مڑ کر ٹی وی لاؤنج سے گزرنے کے بعد بائیں طرف مڑ گیا۔ اس طرف پہلا دروازہ ...نواز احمد کے بیڈروم کا تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر بغلی کمرے کے دروازے کا لاک کھولا۔ یہ ان کا اسٹوڈیو تھا۔ ...کے کینوس، رنگ، برش، مجسمہ سازی کے اوزار ہر طرف بکھرے پڑے تھے۔ کمرے کے عین درمیان فرش پر وہ ...ڈس موجود تھا جسے وہ ادھورا چھوڑ گئے تھے۔ رنگوں کی کٹوریاں اور برش اس کے قریب پڑے تھے۔ اسی طرح جیسے ...ام کرتے چھوڑ کر گئے تھے۔ اس نے ایک ایک کر کے کمرے کی تمام بتیاں روشن کر دیں۔ کمرے کے فرش پر گرد تھی ...دیواروں پر جالے لگے تھے۔ پورے گھر میں یہ واحد کمرہ تھا جس میں شاہنواز احمد کے ہاسپٹل جانے کے بعد سے ...تک کوئی داخل نہیں ہوا تھا۔ گھر کے ملازموں کو بھی علم تھا کہ یہ کمرہ ممنوعہ علاقہ تھا۔

فراز کچھ دیر وہیں کھڑا فرش پر پڑے کینوس کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیتا رہا اور پھر گہرا سانس لے کر واپس ...لیا۔ باہر نکلنے سے پہلے اسے دروازے کے پاس ایک مڑا تڑا کاغذ پڑا ملا۔ اس نے کاغذ کھول کر نظروں کے سامنے

کیا۔ وہ اس تحریر کو، اس خط کو بخوبی پہچانتا تھا۔

''از طرف ماسٹر ہدایت اللہ'' اس نے اس کاغذ پر لکھی پہلی سطر پڑھی اور اسے شاہنواز احمد کی لکھی تحریر یاد آ گئی۔ فراز احمد سکنہ بستی کمال پور تحصیل پسرور اور اس کا ذہن اتنے دنوں سے جس الجھن میں پڑا تھا، اس سے آزاد ہو گیا۔ یہ خط اس کی فائل سے یہاں گرا تھا۔ یقیناً اسی روز جب وہ آخری بار یہاں آیا تھا اور اسی روز شاہنواز احمد پر فالج اور دل کا دوسرا اٹیک ہوا تھا۔

''اوہ میرے خدا!'' اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا۔

''گویا ان کی اس حالت کا محرک یہ خط ہے۔ ایسی حقیقتیں برداشت کرنا یقیناً بہت مشکل ہے۔ جب ہی تو میں اتنا عرصہ اپنا آپ ان سے چھپاتا رہا مگر جب خدا کو منظور ہو تو......''

اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کی طرف دیکھا اور آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے اسٹوڈیو سے باہر نکل آیا۔ اس کا دروازہ مقفل کرتے ہوئے اس نے بیڈروم پر ایک نظر ڈالی۔

''میرے وارڈروب کی چابیاں......فراز!''

اسے کچھ یاد آیا اور اس نے ہاتھ میں پکڑے چابیوں کے گچھے کی طرف دیکھا۔ شاہنواز احمد کے وارڈروب میں ترتیب سے رکھے اور لٹکے کپڑوں میں سے ان کے مخصوص پرفیوم کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے وارڈروب کے اندر مختلف درازوں کو کھول کر دیکھا۔ اسے کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی۔ اس نے وارڈروب کو دوبارہ مقفل کر دیا۔ اب اس کا رخ ان کے اسٹڈی روم کی طرف تھا۔ اسٹڈی روم میں بے شمار کتابیں اور اسٹڈی ٹیبل تھی۔ ایک بڑے بک ریک کے نچلے حصے میں بنا دراز مقفل تھا۔ اس نے چابیوں کے گچھے کی مختلف چابیاں اس کے لاک پر آزمانے شروع کیں۔

شاہنواز احمد کے بیڈروم سے باہر نکلتے ہوئے اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ باہر لان میں کامران احمد اور ان کا ساتھی وکیل انتظار کر رہے تھے۔

''آئی ایم ایکسٹریملی سوری سر! خاصا ٹائم لگ گیا اندر۔'' اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

کامران احمد گھر کے ملازمین کو اس کے متعلق بتا چکے تھے۔ انھوں نے سیکورٹی گارڈ اور اوپر کے کاموں کے لیے رکھے گئے میاں بیوی کے علاوہ باقی سب کو چھٹی دے دی تھی۔

......❁......

''بچگانہ جذباتیت کے دور سے باہر نکل آؤ سارہ! میچور انسانوں کی طرح سوچو، تمھارے والد کو اس وقت تمھاری ضرورت ہے۔ ایسی ضرورت جس کو تم سمجھ نہیں پا رہی ہو۔ اور مجھے یقین ہے جب سمجھ گئیں اس وقت حالات پر اور وقت پر تمھارا اختیار نہیں ہوگا۔ تم نے اپنے انٹرویو میں لوگوں کو کیا پیغام دیا ہے؟'' رباب، سارہ سے فون پر بات کر رہی تھی۔

''کون سا والا انٹرویو؟'' سارہ نے جیسے یاد کرنے کی کوشش کی۔

''ابھی جو یہاں کچھ دن پہلے ہم سب نے دیکھا۔ تمھیں یاد نہ ہو تو میں یاد دلا دیتی ہوں، تم نے کہا تھا کہ درست وقت پر درست فیصلہ کرنے کی عادت ڈالیں۔ تم اپنے اس مقولے کو خود پر اپلائی کیوں نہیں کرتیں۔''

''رباب! میں نے بہت سوچا ہے اور سوچنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ میں انھیں ان کی فین کی ایک مداح کی حیثیت سے بہت پیار کرتی ہوں؟ بہت احترام کرتی ہوں۔''

''خدا کا خوف کرو سارہ! میں تمھیں برابر ان کی حالت کے بارے میں بتا رہی ہوں، اور تم پر ابھی بھی کچھ اثر

ہوا۔۔۔ باب نے جھلا کر کہا۔

''تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''تم فوراً یہاں چلی آؤ اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزارو، مجھے یقین ہے کہ تمھاری توجہ پا کر وہ بہت بہتر ہو ں گے۔ اور میں تمھیں ایک مرتبہ پھر بتاؤں سارا! کہ لوگ جب ہمارے پاس نہیں رہتے تو ہمیں ان کی کمی کا بہت طرح احساس ہوتا ہے۔ ان کی موجودگی میں ہمیں صرف ہماری ناراضگیاں غصے، گلے، شکوے اور شکایتیں ہی یاد ہیں۔ لیکن جب وہ چلے جاتے ہیں تو ہمیں ان کی شخصیت کے بہت سے مثبت پہلو یاد آ جاتے ہیں۔ ایسے پہلو ں نے خود ہماری اپنی شخصیتوں کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا ہوتا ہے۔ یہ میں اپنے اردگرد موجود عام لوگوں کی بات ہی ہوں۔ اور وہ تو تمھارے والد ہیں۔ اگر وہ خدانخواستہ نہ رہے تو تم اپنے اس رویے پر بہت پچھتاؤ گی۔ اور مناسب وقت گزر جائے تو پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہم اپنی غلطیوں کو درست کرنے کے قابل رہتے۔''

''میں تمھاری باتوں پر غور کرنے کا وعدہ کرتی ہوں رباب! تمھیں ایک اور بات بتانا تھی۔''

''ہاں کہو۔'' رباب نے اپنے سامنے بیٹھے اسفند اور فراز پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ فکسڈ لائن سے بات کر ا اور فون کا اسپیکر آن تھا۔

''مجھے مہدیار کے متعلق پتہ چل گیا ہے کہ وہ کہاں ہے؟''

''کسی شیخ کے اصطبل میں ہے اور کہاں ہے؟''

''نہیں، وہ فیروز بھٹی کے پاس ہے اور فیروز اتنا ایڈیٹ ہے کہ میرے اتنا خوار ہونے پر بھی نہیں بتایا۔''

''بکواس کرتا ہے فیروز! بچہ اس کے پاس تھا ضرور مگر اب نہیں ہے۔''

''تمھیں کیسے معلوم ہے؟''

''مجھے معلوم ہے سارہ! فیروز اسے کسی عرب شیخ کے ہاتھ بیچ چکا ہے کیونکہ اس کے خیال میں اس کی بچھائی ے بچے والے مہرے کی اہمیت ختم ہو چکی تھی۔'' رباب نے کن اکھیوں سے اسفند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی گاڈ، وہ بکواس کر رہا تھا کیا؟'' دوسری طرف سے گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

''تم یہ بتاؤ کہ فیروز نے تمھیں کیا بتایا بچے کے بارے میں؟'' رباب نے اسفند کے اشارہ کرنے پر کہا۔ یں سارہ نے اپنے اور اسفند کے درمیان ہونے والی گفتگو اسے بتا دی۔

''یہ بھی وہ بکواس کر رہا ہے۔ اسفند نے ابھی تک شہریار کے کسی بھی اکاؤنٹ کی تفصیل اسے نہیں بتائی۔ البتہ یں یہ چارا ڈالنے کے لیے ضرور کہا گیا تھا۔'' رباب نے ایک مرتبہ پھر اسفند کے اشارے پر کہا۔

''اس چال کا کیا مطلب ہے؟'' سارہ الجھ گئی۔

''فیروز کو ایکسپوز کرنا اور کچھ بھی نہیں۔ کیا اب بھی تم فیروز کو ٹھیک سے نہیں سمجھیں۔؟'' رباب نے پوچھا۔

''سمجھ گئی، بہت اچھی طرح سمجھ گئی۔ اگر یہ مہدیار والی حرکت واقعی اس نے کی ہے تو اس نے اپنے پاؤں پر خود ماری ہے، اب اس کو میں خود دیکھوں گی۔'' سارہ کے لہجے میں غصہ تھا۔

''ان سب باتوں سے زیادہ اہم تمھارے والد کی صحت اور زندگی ہے سارہ! فیروز کی طرح تم شاید ان کو بھی نہیں سمجھی ہو۔ میری بات دھیان سے......'' رباب کی بات ادھوری رہ گئی۔ دوسری طرف سے فون بند کر دیا

''بہت بد قسمت ہیں۔'' فراز نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''شاہنواز صاحب کی اس بری حالت کے باوجود ان کا کوئی اپنا ان کے پاس جانے کو تیار نہیں، نہ یہ بیٹی، نہ ماسٹر جی، نہ آنٹ جینس اور نہ ہی دوسری بیٹی۔''

''کیا بولے چلے جا رہے ہو۔'' اسفند نے اس کا بازو دبایا۔ ''سارہ کی بات تو ٹھیک ہے، ماسٹر جی اور آنٹ جینس کا ان سے کیا تعلق بھئی؟ وہ ان کے اپنے کیسے ہوئے اور دوسری بیٹی کون ہے ان کی؟''

''میرا خیال ہے کہ اب بہت سی ایسی باتیں کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں، جن کے کہہ دینے سے کئی مسائل حل ہونے کا امکان ہے۔'' فراز نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

''شاہنواز احمد، ماسٹر جی کے سگے بھتیجے ہیں۔ ماسٹر جی نے ہی ان کی پرورش کی کیونکہ ان کے والدین زندہ نہیں تھے۔

آنٹ جینس، شاہنواز احمد کی باقاعدہ منکوحہ بیوی ہیں اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد آپ دوسری بیٹی کے متعلق خود ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ کون ہے۔''

اس نے اسفند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اس کی بات سن کر دم بخود بیٹھا تھا۔

''ناقابل یقین؟'' کمرے میں چھائی خاموشی کو رباب نے توڑا۔ ''شاہنواز احمد اور ماسٹر جی۔ شاہنواز صاحب کے کسی بائیوڈیٹا میں اس پس منظر کا ذکر موجود نہیں۔''

''سارا فساد پس منظر سے پیچھا چھڑانے کا ہی تو ہے۔ نہ وہ اپنے رہے نہ پس منظر کے۔'' فراز کے چہرے پر بے بس سی مسکراہٹ تھی۔

''اور آنٹ جینس؟'' اسفند نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اور وہ للّی دی ڈانسنگ ڈول۔''

''ایگزیکٹلی۔'' فراز نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''یہ زندگی کا اسٹیج ہے اسفند بھائی! اور دیکھ لیجیے اس پر کیسے کیسے ڈرامے ہوتے ہیں۔''

''امیزنگ۔'' اسفند نے یقین نہ کرنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''ماسٹر جی، شاہنواز احمد سے کیوں ملنے نہیں جاتے فراز! وہ تو آج کل یہاں ہیں لاہور میں۔'' رباب نے کہا۔

''آپ کو تو معلوم ہے اسفند بھائی کہ ماسٹر جی بستی کمال پور سے باہر نکلنے کو بھی تیار نہ ہوتے تھے۔''

''ہاں۔'' اسفند نے اس کی طرف دیکھا۔

''شاہنواز صاحب کے اس مرتبہ بیمار پڑنے کے چند دن بعد ہی ماسٹر جی اچانک یہاں چلے آئے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ حالانکہ ان دونوں کا تعلق ٹوٹے کئی برس گزر گئے۔''

''مجھے کچھ سوچنے کو مت کہو فراز!'' اسفند نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ شاہنواز احمد نے پریکٹیکل لائف کا آغاز انتہائی گھٹیا انداز میں کیا۔ تم جانتے ہو۔ ماسٹر جی کی تربیت میں پلنے بڑھنے والا شخص اور وہ پستی۔ یہ ناقابل یقین ہے۔''

''ماسٹر جی کیا ایکشن اور ری ایکشن والی تھیوری ہے، یہ بھی اسفند بھائی! ماسٹر جی مجسمہ سازی اور بت سازی میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے، اور شاہنواز صاحب ان کو یہ فرق سمجھا نہ پائے۔ اسی ایک اختلاف نے ان کے راستے جدا کر دیئے۔ دی لیجنڈ آف دی ورلڈ آف فائن آرٹس کے سفر کی داستان ایک الگ کہانی ہے۔ وہ گھٹیا انداز میں اب لے

ع ہوا کہ شاہنواز صاحب کے پاس وہ زیرو بھی نہیں تھا جہاں سے انھوں نے ہندسوں کا آغاز کرنا تھا۔''

''اور آنٹ جینس سے نکاح کر کے کیوں چھوڑ گئے موصوف؟'' اسفند کے لہجے میں طنز تھا۔

''ایسے نکاح ان کے لیے وقتی کھیل ہی تھے۔ میں نے کہا نا کہ جب انسان ذہنی پستی پر آتا ہے تو اس کو برے میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ آج وہ جس بے بسی اور تنہائی کا شکار ہیں یہ بھی تو اس سب کا ہی نتیجہ ہے۔''

''پھر یہ فیروز بھی اسی شخص کا بیٹا ہوگا۔'' اسفند نے کہا اور آفتاب جمیل کا قصہ ان دونوں کو سنا دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ اس داستان امیر حمزہ کے تین مرکزی کردار ہیں۔ آفتاب جمیل، یاسین بھٹی اور شاہنواز'' رباب نے اسفند کی بات سن کر کہا۔ ''اور تینوں کو بظاہر دیکھ کر کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان کی ان زندگیوں کا جو ب گزار رہے ہیں، آغاز کہاں سے ہوا۔''

''تینوں اپنی اپنی جگہ انتہائی کامیاب انسان ہیں۔'' فراز نے اضافہ کیا۔

''اور تینوں کے پھیلائے ہوئے مسائل کی لپیٹ میں، اور کتنی زندگیاں آئیں ان کا اندازہ انھیں اپنی اپنی جگہ یہ ہی بھی ہو۔'' اسفند نے کہا۔

''لیکن ہمارے لیے تو یہ موقع ہے کہ ہم بہت سی ایسی چیزوں کو جو غلط ہیں درست کرنے کی کوشش کریں۔'' ب نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''سارہ، فیروز کے متعلق بہت کچھ جانتی ہے۔ وہ ڈانسنگ گرل اس کے بارے میں جانتی ہے۔ تم خود اسفند، تے ہو کہ وہ کتنا بڑا بلیک میلر ہے، ان شیخ صاحب کو اپروچ کیا جا سکتا ہے جو بچے کو اس سے لے کر گئے ہیں۔ رنمنٹ ان بچوں کے لیے بہت کچھ کر رہی ہے جو ریسز میں چارم پیدا کرنے کے لیے لے جائے جاتے ہیں۔ وز ایک مشکل ٹارگٹ نہیں ہے اور اس جیسے مہذب درندے کا بے نقاب ہونا بہت ضروری ہے۔''

''فیروز کا ایک پالتو دوست لاک اپ میں موجود ہے۔ لاشاری میرا قریبی دوست ہے۔ جہاں زیب ثاری۔ بچے کے اغوا کے سلسلے میں ہماری یعنی کڈز ہوم کی مینجمنٹ کی درخواست ابھی تک اسٹینڈ کر رہی ہے۔ اسی لے میں پہلے ایک لڑکی اور اب اس پالتو دوست کو پکڑا گیا ہے۔ فیروز ملک سے باہر ہے اور اس کے والد صاحب ر گراؤنڈ آج کل وہ نیب کے عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ یہ اور بات کہ شیطان انڈر گراؤنڈ ہو کر بھی شیطان ہی تا ہے۔'' اسفند نے کہا۔

''کچھ کام شاہنواز احمد کی ذاتی دستاویزات بھی کریں گی جو اتفاق سے میرے پاس ہیں۔ آپ اپنے دوست ے پوچھیے کہ فیروز کو اس سارے معاملے کی خبر ہوگئی یا نہیں۔'' فراز نے کہا۔

''وہ یقیناً ہوگئی ہوگی۔'' اسفند نے کہا۔ ''بہرحال دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔'' اسفند نے اپنے موبائل فون کی پ پر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''کس پر چھاپا مارا ہے۔'' وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ اچھا کسی لڑکی کی اطلاع پر، کیا یہ کافی ہے۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔ از اور رباب دلچسپی سے اس کی بات سن رہے تھے۔

''تم ماسٹر جی کو وہاں رکھ کر اچھا نہیں کیا ہے ہو۔ یہاں بہت اداسی ہے۔ سب رونق ختم ہوگئی ہے۔ کتنے لوں کے مسائل حل طلب ہیں۔ کتنوں کو مشورے چاہئیں۔ ماسٹر جی کے شاگرد اتنگ ڈسٹرب ہیں۔ تم ایسا کیوں کر ہے ہو؟'' مانو کہہ رہی تھی اور فراز اس کی بات مسکراتے ہوئے سن رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر ماسٹر جی پر ایک نظر ڈالی

اور آہستہ قدموں سے چلتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"تمھیں تو خوش ہونا چاہیے، تم ان کی عدم موجودگی میں بڑی استانی لگی ہوتی ہو، خوب چھینٹی لگاتی ہوگی بچوں کو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فراز! مجھے سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے۔ جو ماسٹر جی وہاں بیٹھ ہی گئے ہیں۔ تمھیں پتا ہے کہ مجھے اندازہ ہے کہ کچھ گڑبڑ ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "ماسٹر جی کی صحت تو ٹھیک ہے نا؟"

فراز نے دل میں اس کی ذہانت کا اعتراف کیا۔

"کچھ ایسی خاص بات نہیں۔ شاید وہ میری ڈھارس کے خیال سے رک گئے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔ وہ جلد واپس آ جائیں گے۔ مجھے البتہ خوشی ہے کہ ان کے یہاں ہونے کی وجہ سے تم سے بات ہو جاتی ہے۔ بستی سے دن میں ان کے لیے کتنے فون آتے ہیں، معلوم ہے؟"

"مجھے معلوم ہے۔ فراز! ماسٹر جی کا بہت خیال رکھنا، ہم لوگ تو یہاں ان کا بچوں کی طرح خیال رکھتے ہیں۔"

"بھئی تم تو بہت حساس ہو رہی ہو۔ میں تصور میں تمہارا چہرہ دیکھ رہا ہوں تم کیسی لگ رہی ہوگی۔" فراز نے مسکرا کر کہا۔

"کیسی لگ رہی ہوں گی؟"

"بالکل سیانی بلی جیسی۔"

"وہ کیا ہوتی ہے؟"

"ایک تو تمہاری جنرل نالج بہت کمزور ہے۔ میں سوچتا ہوں، اس کو کیسے امپروو کیا جائے گا۔" فراز کے لہجے میں شرارت تھی۔

"میری جنرل نالج جنرل لوگوں کی طرح جنرل ہے۔ اور مجھے اسے اسپیشل بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" مانو یقیناً برا مان گئی تھی۔

"اسے جنرل ہی رہنے دو۔ بڑی خوش قسمت ہو جو زیادہ بڑی باتوں میں سر نہیں کھپاتیں۔"

"فراز!" مانو نے کچھ کہنا چاہا مگر خاموش ہو گئی۔

"اندیشہ مت کرو لڑکی! تمہاری جنرل سی نالج ہی میرے لیے بہت اسپیشل ہے۔ بس اتنا ذہن میں رکھو۔" فراز اس کے لہجے پر چھائی تشویش کو فوراً سمجھ گیا تھا۔

"بس تم ماسٹر جی کو فوراً واپس بھیج دو، کیا اب تک تم انھیں اپنے پاس رکھ کر امتحان دیتے آئے ہو۔" مانو نے بات بدل کر کہا۔

"یہ خاص امتحان ہے۔ بڑا ہی خاص، مبینہ کلثوم! دعا کرو۔ میں اس میں کامیاب ہو جاؤں۔" فراز نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اس کے لہجے میں کوئی خاص بات تھی مانو سوچ میں پڑ گئی۔

.......✿.......

"ایک اور دن ختم ہوا۔" لینا نے کمرے کی کھڑکی بند کرتے ہوئے سوچا۔ سسٹر وائیلٹ نے راہداری کی روشنیاں جلا دی تھیں۔ لینا نے اپنے کمرے پر نظر دوڑائی۔ سرد پتھریلی دیواریں سرد فرش، سونے کے لیے لکڑی کا تختہ۔ ایک تسبیح، سیاہ صلیب، ایک سنگی پیالہ، پلیٹ، لکڑی کا چمچ، اس نے اپنے سفید لباس پر ہاتھ پھیرا جو بھیڑ کی اون سے بنا تھا اور کھردرا تھا۔ اسے اچانک چند اپنوں کی یاد آئی اور اس کی آنکھ سے پانی کا ایک چھوٹا سا قطرہ پھسل گیا۔

نیا سے اس کا رابطہ بہت کم رہ گیا تھا۔ وہ دن رات عبادت میں مصروف رہتی تھی۔ اب وہ یسوع باپ کی امت میں سے ایک تھی۔ اور جلد ہی اسے جینز س کرائس کے ننھے فرشتوں کی تربیت پر مامور کیا جانا تھا۔ چرچ میں زہد و تقویٰ اور حلم و مسکینی کا ذکر کیا جاتا تھا۔ اور مدر سپئیر یئر کا کہنا تھا کہ ایک وقت وہ آنے والا تھا جب اس کی ں اثر اور دعا میں شفا آنے والی تھی۔

"اور خداوند! میں نے اپنا وجود تیری رضا کے حوالے کیا اور تارک الدنیا ہو گئی۔ کیا ہوا جو میرے دل کو سکون اور ہین مل جائے۔" اس نے کرائسٹ کے آئیکن کی طرف اپنا رخ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میرا دل اور میری روح مکمل طور پر باہر کی دنیا سے اچاٹ ہو جائے اور مجھے کوئی بھی یاد نہ آئے۔" اس نے ر بند کھڑکی میں لگے شیشوں کے پار دیکھا۔ طویل راستے پر اس پار اسے ایک مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

"اچھا ہی ہو لینا ڈی سوزا! جو تم مجھے بھول جاؤ۔ کیونکہ میں تو کسی اور کا مقدر ہوں۔" وہ چہرہ کہہ رہا تھا۔ لینا کو میں ایک ٹیس سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی اور اس نے اپنی آنکھیں مضبوطی سے بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد اس نے رتے آنکھیں کھولیں، وہ چہرہ اب بھی اسی جگہ موجود تھا۔ اس نے سرعت سے آگے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ برابر

"اگر تم کسی اور کا مقدر ہو تو میرے تصور سے چلے کیوں نہیں جاتے۔" اس نے سوچا اور اس نے اس رات شوع و خضوع سے اپنے دل کے سکون کی دعا مانگی اور رات کے آخری پہر اسے عین اپنے سر پر ایک مسکراتا ا تا محسوس ہوا تھا۔

.......✿.......

"یہ آپ نے کیا حماقت کی؟" اسفند اپنے سامنے بیٹھے آفتاب جمیل سے مخاطب تھا۔

"آپ نے اپنے تمام بڑے پراجیکٹس سوہا پیرزادہ کے نام کر دیے، ڈونٹ ٹیل می ڈیڈی! اتنی خاموشی اور ا سے؟"

"میں یہاں تمھارے اس گھر میں اس لیے آیا ہوں کہ تم سے پوچھوں تمہاری اور تمہاری ماں کی زندگی میں جگہ ہے یا نہیں۔" انھوں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کو یہ بات پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسفند نے کہا۔ اس کا ذہن ان کی بات دا تھا۔

"تو پھر میں تمھارے پاس چند دن رہنے آیا ہوں، رکھ لو گے؟" انھوں نے پوچھا تھا۔

"آپ نے وہ کیوں کیا جو آپ بتا رہے ہیں۔"

"تم نے ہی تو کہا تھا کفارہ ادا کر دو۔ سو میں نے کر دیا۔ یہ صرف ایسے ہی ممکن تھا۔" وہ لاپروائی سے بولے۔

اسفند کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھے۔ مگر اپنے حواس قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"آپ ریسٹ کریں۔ ہم پھر بات کریں گے۔" اس نے انھیں گیسٹ روم کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

یہ دونوں غلط ہی ہوں گے۔ مگر اس شخص یاسین بھٹی نے ان کی زندگیاں اتنی آسانی سے نشانے پر رکھ لیں ا نشانہ بنا بھی لیا۔ میرے لیے اب اس سب کو مزید برداشت کرنا ممکن نہیں۔" اسی شام وہ فراز سے کہہ رہا

ڈیڈی کہتے ہیں کہ انھوں نے سوہا کے بھجوائے تمام کاغذات پر اس لیے دستخط کر دیے کہ وہ برسوں پہلے کی

غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ اب انھیں اندازہ ہو رہا تھا کہ ایک غلط قدم، ایک کے بعد کئی غلط چیزوں کو جنم دیتا ہے۔ وہ ان ساری غلطیوں کو سمجھنے لگے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی برسوں کی کمائی ہوئی عزت داؤ پر لگ گئی۔ چاہیں اور ڈھنگ سے سوچیں تو ابھی بھی ان کے پاس ایسے سورسز موجود ہیں جنھیں استعمال کر کے وہ ان لوگوں سے پیچھا چھڑا سکتے ہیں۔ لیکن وہ میری اس روز کی کہی بات سمجھ گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"رباب نے سارہ سے کل رات بھی بات کی اور آپ کو شاید معلوم نہیں کہ سارہ کل کسی وقت کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہی ہے۔ اس کو یہاں کسی فیشن شو میں شرکت کرنا ہے۔" فراز نے شاید یہ بات اس کا دھیان بٹانے کو کہی تھی۔

"فیروز ملک سے باہر ہے اور اسے یوں پکڑنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ وہ یہاں کے پل پل کی خبر رکھتا ہے۔" اسفند اپنی بات کہے گیا۔

"میں نے آپ کو بتایا ہے اسفند بھائی کہ سارہ شاہنواز یہاں پہنچ رہی ہے۔" فراز نے اپنی بات دہرائی۔

"یہ اس کے باپ کے لیے ایک بڑی خوشخبری ہوگی۔" اسفند نے دھیان دیتے ہوئے کہا۔

"وہ آپ کے لیے بھی ایک بڑی خوشخبری لائے گی اسفند بھائی! مجھے افسوس ہے کہ اتنے لطف مگر اہم حالات میں میرا امتحان شروع ہو رہا ہے۔ آپ کو اب بہت الرٹ اور ٹھنڈا رہنا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ حالات کو سمجھتے ہوئے چلیں گے۔" فراز نے اسے اپنی بات سمجھانے کی خاطر کہا۔

اسفند نے اب بھی کوئی دھیان نہ دیتے ہوئے یونہی سر ہلا دیا تھا۔

......۞......

"میری سمجھ میں تو ایک ہی بات آتی ہے پتر جی! کہ انسان کے سامنے چار آپشنز تو بالکل موجود ہوتے ہیں۔ ریدگی، نفرت، کنارہ کشی اور معافی۔ یہ خود اس پر منحصر ہے کہ وہ کس آپشن کا انتخاب کرتا ہے۔" رباب بہت غور سے ماسٹر جی کی بات سن رہی تھی۔

"ایک آپشن محبت کا بھی تو ہوتا ہے نا ماسٹر جی؟" اس نے پوچھا۔

"محبت کی تو بات ہی اور ہے نا۔ محبت کے موجود ہونے سے تو سبتے ہی خیراں ہوتی ہے۔ میں تو اس صورت کی بات کر رہا ہوں جس میں محبت نہیں ہوتی۔" ماسٹر جی نے رباب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پرسنٹیج کے حساب سے ان کی ریٹنگ کیا ہے، میں جنرل پرسنٹیج کی بات کر رہی ہوں۔" ماسٹر جی کے بالکل سامنے بیٹھی سارہ نے پوچھا۔

"یہ تو بندے کے مزاج پر ڈپینڈ کرتا ہے پتر جی، اور پھر اس کے مقدر پر بھی۔"

"لیکن آپ کے اتنے وسیع تجربے میں یہ بات بھی تو آئی ہوگی کہ زیادہ تر لوگ کس کا انتخاب کرتے ہیں؟" اس کا لہجہ اب کے قدرے سخت تھا، رباب نے محسوس کیا۔

"یہ تو ڈیٹا اکٹھا کرنے والے لوگ ہی بتا سکتے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ انسان کے مزاج اور حالات اور پھر اس کا مقدر ہی اس سے انتخاب کرواتا ہے۔"

"جب مقدر اتنی زیادہ اہمیت رکھتا ہے تو پھر انسان کا قصور تو نہ ہوا نا۔" سارہ نے اسی سخت لہجے میں کہا۔

"تم لوگ تو بہت پڑھی لکھی بیبیاں ہو۔ بھلیو لوکو، میں ایک عام سا انسان ہوں۔" ماسٹر جی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میری ناقص رائے میں انسان کا عمل اور اس کی سوچ ہی اس کا مقدر بناتی ہے۔ برا یا بھلا دونوں طرح کا۔ عمل تو بہر حال انسان کی اپنی مرضی ہوتی ہے۔ فیصلہ کرنے کا وقت بھی آزمائش کا ہوتا ہے۔ اس آزمائش میں سرخ روئی بھی کسی کسی کے حصے میں آتی ہے۔"

رباب نے ماسٹر جی کی بات سن کر سارہ کی طرف دیکھا جس کا چہرہ ابھی بھی سپاٹ تھا۔ وہ سارہ کو یہ بتائے بغیر کہ جن بزرگ سے اسے ملوانے وہ لیے جا رہی ہے، وہ کون تھے۔ اسے ماسٹر جی سے ملوانے لے کر آئی تھی۔ اس نے

ماسٹر جی سے بھی سارہ کا تعارف اپنی ایک دوست کی حیثیت سے کروایا تھا مگر گفتگو کے دوران نجانے کیوں اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ماسٹر جی جانتے تھے کہ سارہ کون تھی۔

"یہ بات تو سراسر غلط ہے۔" سارہ نے ماسٹر جی کی بات سننے کے بعد کچھ توقف کیا اور پھر اپنا خیال ظاہر کیا۔ "تاریخ بتاتی ہے کہ علم و آگاہی اکثر وہاں نظر آتی ہے، جہاں تعلیم کی چھتری بظاہر نظر نہیں آتی۔ سوچ اور شعور کی پختگی کے لیے تعلیم معاون تو ثابت ہو سکتی ہے، لازم قرار نہیں دی جا سکتی۔ ویسے آپ نے تعلیم کہاں سے حاصل کی؟ رباب! بابا جی کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟"

آخری جملہ اس نے رباب کے کان میں سرگوشی کے سے انداز میں کہا تھا۔ رباب نے دیکھا، سارہ کے اس انداز پر ماسٹر جی ذرا سا مسکرا دیے تھے۔

"ماسٹر جی نہ صرف اچھے خاصے تعلیم یافتہ ہیں بلکہ اپنے گاؤں میں ایک عمر سے تعلیم بھی دے رہے ہیں۔ رہا ان کا بیک گراؤنڈ تو وہ ان کی گفتگو میں ہی نظر آ رہا ہے۔" رباب نے سارہ کی طرف تنبیہی نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تم لوگ چائے پیو گی یا کافی؟ فراز احمد نے دونوں کا سارا سامان تو یہاں رکھا ہوا ہے مگر مجھے دونوں ہی اس طرح بنانی نہیں آتیں جیسے فراز احمد بناتا ہے۔" رباب کو ایک مرتبہ پھر محسوس ہوا کہ ماسٹر جی نے گفتگو کا رخ موڑنے کی خاطر یہ بات کی تھی۔

"آپ کو کیسے بنانا آتی ہے؟" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ہم لوگ تو مٹی کے چولہے میں آگ کا "مچ" مچا کر اوپر برتن میں دودھ، پانی، پتی، چینی سب ہی ملا کر رکھ دیتے ہیں۔ دو تین ابال آنے پر جو چیز بن جاتی ہے۔ اسے ہم چائے کہہ کر پیالیوں میں ڈال کر پی جاتے ہیں۔ اب ادھر جو یہ برقی کیتلی رکھی ہے اور جو یہ پتی کی پڑیاں اور پاؤڈر کا دودھ ہے، اس کا ہمیں حساب کتاب نہیں آتا۔ کافی بھی ایک مشین میں بنتا ہے۔ ہمیں اس سارے کا سلیقہ کہاں سے آئے۔" ماسٹر جی نے معصوم سی شکل بنا کر کہا۔ "فراز احمد خود موجود ہوتا تو تم لوگ کب کی پی چکی ہوتیں چائے، کافی۔"

"میں بناتی ہوں ماسٹر جی! آپ سارہ سے باتیں کریں۔" رباب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری دوست تو مس صاحب خفا لگتی ہے تم سے۔ تم اسے ادھر کہاں لے آئیں ایک بابے سے ملوانے۔" ماسٹر جی سارہ کی جانب شفقت سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"میں خفا نہیں ہوں۔" سارہ پہلی مرتبہ نرم لہجے میں بولی۔ "میں ایک اور ہی کیفیت میں مبتلا ہوں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ میں جہاں جاتی ہوں جس سے بھی ملتی ہوں، مجھے نئی نئی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ اتنی ساری باتیں مل کر انسان کے ذہن کو الجھا کر رکھ دیتی ہیں، وہ کس بات پر دھیان دے، کس پر نہ دے۔"

"ہم تو بڑی عام سی، ملوک سی باتیں کر رہے ہیں پتر جی!" ماسٹر جی نے اس کی بات غور سے سنتے کہا۔

"یہ عام باتیں نہیں ہیں نا۔" سارہ کے لہجے میں بے بسی تھی۔ "آپ نے ابھی چار راستوں کی چار چوائسز کی بات کر کے مجھے ایک نئی الجھن میں ڈال دیا۔ ان چاروں میں سے ایک کا انتخاب کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ یہ چاروں ہی بیک وقت بندے کے ذہن و دل پر حاوی ہوں۔"

"ایسے بندے کو اپنا ذہن و دل اچھی طرح ٹٹولنا چاہیے۔ تجزیے اور احتساب کی کٹھن کیفیت سے گزرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ یہ چاروں آپشنز پوری طرح کیلکولیٹ ہو کر اس کے سامنے آ جائیں گے۔ بمعہ اپنی ریٹنگز کے۔"

ی جواب نے سارہ کو چونکا دیا۔

"آپ سینٹ ہیں کیا؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔ مگوں میں پانی انڈیلتی رباب نے ٹھٹک کر ماسٹر جی کی یکھا جو اپنی چھڑی کے اوپری سرے پر ٹھوڑی جمائے مسکرا رہے تھے۔

'وہ کیا ہوتا ہے بیٹا رانی؟" وہ پیار سے بولے تھے۔

'درویش، صوفی، حقیقتوں کو پہچاننے والا شخص۔" سارہ نے اپنے تئیں وضاحت کی۔

اسٹر جی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ "ایک تو میں ادھر آنے کے بعد سے اس نئے ٹرینڈ پر بڑا حیران ہو رہا ہوں۔" نے رباب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی بڑا بزرگ کسی چیز کی وضاحت کرنے لگے تو اسے اتنے بڑے بٹھا دیا جاتا ہے جس پر بڑی بڑی ریاضتیں کرنے والے ہی بیٹھ سکتے ہیں۔ بیٹا جی! درویش اور صوفی کیا مجھ دار ہوتے ہیں۔ کیا انھیں ہر دم میری طرح سود و زیاں کی فکر رہتی ہے۔ مجھے تو دیکھو جی، جب سے ادھر آیا قت یہی فکر لگی رہتی ہے کہ میری مسلسل غیر حاضری سے مایوس ہو کر مائیں اپنے بچے ہی نہ اٹھا لیں میرے ے۔ وہاں جو لوگ ماسٹر سمجھ کر میری اتنی چاہت کرتے ہیں، میرا اتنا خیال رکھتے ہیں سب بھول بھال کسی اور ف دھیان نہ کر لیں۔ میرا کچا کوٹھا خالی رہنے کی وجہ سے ویران اور برباد ہی نہ ہو جائے۔ اب اتنی فکریں لا بندہ درویش یا صوفی ہو سکتا ہے۔ بھلا یہ بتاؤ مجھے؟"

نہیں۔" سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ محض تجربہ نہیں ہے، یہ محض راہنمائی نہیں ہے، آپ کی باتوں نے مجھے چ کی طرف لگا دیا ہے۔ میں بھی اب اپنا تجزیہ کرنے اور کھوج لگانے کی کوشش کروں گی۔"

پھر تم خود ہی جان جاؤ گی کہ انسان کا مقدر اس سے آپشنز کا انتخاب کیسے کرواتا ہے۔" ماسٹر جی نے رباب کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

فراز بہت مصروف رہتا ہے کیا؟ اب تو کبھی کئی دنوں سے نظر ہی نہیں آیا۔" اب کے موضوع بدلنے کی اب نے کی تھی۔ جس مقصد کے لیے وہ سارہ کو ماسٹر جی کے پاس لے کر آئی تھی، وہ کسی حد تک پورا ہو رہا

اب تو وہ اپنا امتحان ختم ہونے کے بعد ہی نظر آئے گا۔" ماسٹر جی نے فراز کے ذکر پر جیسے خوش ہوتے ہوئے

اسٹر جی! فراز وقت سے بہت پہلے اتفاقاً ہی سہی ایک بڑے میدان میں اپنا نام بنا چکا ہے پھر آپ اسے ٹ کا کارندہ کیوں بنانا چاہتے ہیں؟" رباب نے دانستہ یہ سوال پوچھا تھا۔

ول سروسز میں بندوں کی کمی ہو گئی ہے اس لیے۔" ماسٹر جی نے برجستہ جواب دیا مگر رباب کا استفہامیہ نجیدہ ہو گئے۔

ہاری جو بستی ہے نا رباب بی بی!" وہ پھر گویا ہوئے "وہ ابھی تک اتنی ہی پسماندہ ہے جتنی آج سے بیس ں۔ اس کو ترقی دینے کا، ادھر سہولتیں پہنچانے کا نہ ارادہ، نہ کام اب تک ہوا ہے اور نہ کسی کا آئندہ پانچ دس کرنے کا ارادہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی سہولتوں کے لیے لوگوں کو ادھر ادھر بھاگنا پڑتا ہے۔ اس بستی کو نامور ے زیادہ اپنے اندر سے اٹھنے والی کسی ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو انتظامیہ سے متعلق ہو اور ارباب کی توجہ اس طرف دلا سکے۔ ایسا شخص فی الحال صرف فراز احمد ہی ہے۔ ہم نے اسے بھی گنوا دیا نا تو ہمارے ہ ہو جائے گا۔ آپ اسے ہماری خود غرضی کہیں یا حماقت، ہمارا بڑا دل چاہتا ہے کہ سرکاری مشینری میں

ایک بندہ ہمارا بھی ہو جو ہمارے مسئلوں کو سمجھنے والا ہو۔"

"یہ مسائل تو عوامی نمائندے بھی حل کروا سکتے ہیں ماسٹر جی! اس کے لیے اعلا افسر کی تو کوئی خاص ضرو نہیں۔" رباب نے ان کی دلیل پر حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"بستی ہماری چھوٹی ہے بی بی صاحب! ہمارے عوامی نمائندے یونین کونسل کے وہ ممبر ہوتے ہیں جو سال بستی کی . . . ند دکان کے آگے رکھے بنچوں پر بیٹھ کر سگریٹ پھونکتے رہتے ہیں اور اکا دکا اجلاس میں حاضری لگا اپنے چائے سگریٹ کا انتظام کر کے گھر واپس آ جاتے ہیں۔ ان نمانوں کی کون سنے گا۔"

"بھئی ان کی مرضی وہ اپنے بیٹے کو جو بھی بنانا چاہیں۔ تم بحث کیوں کر رہی ہو۔" سارہ نے اچانک ان کی میں دخل دیا۔ اس کا لہجہ اب بھی کھردرا تھا۔

"ہم فراز کی بات کر رہے ہیں سارہ! فاراز...... دی جیولری ڈیزائنر، تمھارے فیشن سرکل میں اس کا نام ان ہے آج کل۔ وہ ماسٹر جی کا بیٹا نہیں مگر ان کا شاگرد رہ چکا ہے۔" رباب نے اسے سمجھانے کی غرض سے کہا۔

"فاراز...... آئی سی۔" سارہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "میں اسے جانتی ہوں، وہ مجھے کافی عرصہ پہلے ملا اس وقت جب وہ "فاراز" نہیں تھا مگر شاید اس ملاقات والی رات ہی وہ فاراز بن گیا تھا۔" اس نے یاد کرتے کہا۔ "ایگزیکٹلی وہی تھا فاراز، ہم ایک ہی کوچ پر پنڈی گئے تھے۔ ان دنوں وہ ایک گمنام سا لڑکا تھا اور کو ہوسٹس سے فلرٹ کر رہا تھا۔"

"میں جی!" ماسٹر جی کے ہاتھ میں پکڑا کپ لرزا۔

"فراز ہوسٹس سے فلرٹ کر رہا تھا؟" رباب بھی حیران ہوئی۔ "تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"یہ بات تو مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کیونکہ اس ہوسٹس کو میں نے ماڈلنگ کے لیے آفر کیا تھا، اسی شاید اس سے اگلے روز، یہ لڑکا فاراز اس کو مختلف بہانوں سے اپنی سیٹ تک بلوا رہا تھا اور وہ خاصی جھلائی ہوئی تھ حرکت پر۔ بعد میں جب میں نے اس کے ڈیزائنز دیکھے اور ایک دو شوز میں اس کو دیکھا بلکہ اسی رات جب مم اس کو ایوارڈ لیتے دیکھا تو مجھے اس کے معیار کو یاد کر کے بہت ہنسی آئی۔"

"ناقابل یقین۔" رباب نے ماسٹر جی سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ وہ فراز کے بارے میں کیا خب رکھتے تھے اور سارہ انھیں کیا سنا رہی تھی مگر ایک بار چونکنے کے بعد وہ تقریباً نارمل ہی نظر آ رہے تھے۔

"میں فراز احمد کی شخصیت سے بہت متاثر ہوں۔ ماسٹر جی!" رباب کو موضوع بدلنے کا کام ایک مرتبہ پڑا تھا۔ "میں فاراز کی بات نہیں کر رہی، میں فراز احمد کی بات کر رہی ہوں۔" اس نے چور نظروں سے ان کی دیکھتے ہوئے کہا جو اثبات میں یوں سر ہلا رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں۔ "میں جانتا ہوں تم یہ بات کیوں کر رہی

"وہ بہت سی ایسی خوبیوں کا مالک ہے جن سے آج کی نوجوان نسل، ہم سب محروم ہیں اور وہ ان خو مالک ہے۔ اس لیے کہ اس کی شخصیت کی تعمیر، اس کی گرومنگ آپ کے ہاتھوں ہوئی ہے، وہ آپ کی ماسٹر بولتا ثبوت ہے۔ آپ نے اس کا صرف ایکسٹیریر (ظاہر) ہی نہیں انٹیریر (باطن) بھی سنوارا ہے۔ وہ بہ ہے۔ اس پر فخر کیا جا سکتا ہے اور رشک بھی۔ اس سے حسد بھی کیا جا سکتا ہے اور اس جیسا بننے کی خواہش بھی۔ محفلوں میں، ٹی وی چینلز پر مختلف شوز میں کسی شخصیت کے تعارف کے آخر میں میزبان کو کہتے سنتے ہیں نا۔ و اونلی۔"

اس نے ماسٹر جی کی طرف دیکھا، وہ بہت دھیان سے اس کی بات سُن رہے تھے۔

"میں فراز کے لیے کہوں گی۔ ون اینڈ اونلی۔ اس کو خود پر کمال کنٹرول حاصل ہے، وہ بہت گہرا ہے مگر بہت بے ریا اور کمپوزڈ۔"

رباب کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ یہ سب فراز کے بارے میں بغیر کسی پیشگی ارادے کے کیوں کہہ رہی تھی۔ جی نے اس کی بات مکمل ہونے پر سر جھکا دیا تھا۔

"آپ مس صاحب ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" انھوں نے اب کے اسے تم کے بجائے آپ کہہ کر مخاطب کرتے کہا۔ "اگر فراز ایسا ہی سب کو نظر آتا ہے جیسا آپ کو تو یقین جانیے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ پتھر تراشنے مطلوبہ پتھر مل جائے تو تراش خراش تو اس کا فن ہوتا ہی ہے۔ اسے مطلوبہ پتھر نہ ملے تو وہ کس پر فن آزمائے گا۔ نے بہت سے بچوں کو عمر بھر تعلیم دی ہے مگر ان میں سے کوئی اور فراز احمد نہیں بن سکا۔ میری زبان بھی ایک سی، تعلیم بھی ایک سا، انداز بھی ایک سا پھر فراز احمد ایک ہی کیوں ہے، باقی کیوں اس جیسے نہ بن سکے؟" انھوں نے کر رباب کی جانب دیکھا۔

"یہ اللہ کی دین ہے، اس کا کرم ہے، اس کی ماں بی بی نور فاطمہ کی گود اور اس کے دودھ کا کرشمہ ہے۔ آپ ہی بستی کمال پور جا کر دیکھو، فراز کی ماں نور فاطمہ، سردی گرمی ہر طرح کے موسم میں بڑی سی چادر کی بکل مارے کھیتوں میں کام کرتی نظر آئے گی۔ اس عورت نے بڑی محنت کی ہے۔ ساری زندگی اپنے خاوند کے مرنے کے میوں کی جھلستی دوپہریں اس نے زمین پر سبزیاں توڑتے، جانوروں کے لیے چارا کاٹتے بناتے گزاری ہیں۔ کی سردیوں میں ہم نے اسے صبح سویرے نم فصل پر کام کرتے دیکھا ہے۔ اس دودھ دوہتی، کچے کوٹھے کی لپائی ، بکریاں، بھینسیں پالنے والی عورت کی زبان سے ہم نے کبھی کوئی گلہ، شکوہ قسمت سے کرتے نہیں سنا۔ وہ بڑی ن، صابر، خوش مزاج اور قناعت پسند عورت ہے۔ اس کا یہ حال تب بھی تھا جب فراز احمد اسکول، کالج کی پڑھائی ہوا تھا۔ اس وقت بھی جب وہ بے روزگار تھا۔ اب بھی وہ ایسے ہی ہے جب فراز کی جیب میں حق حلال کی کمائی ہے اور اس کا سبھاؤ بڑے لوگوں جیسا نظر آتا ہے۔ کل کو وہ افسر بھی بن گیا تو وہ عورت یونہی اپنے کام میں مگن، باش رہے گی۔ یہ اس کا بیٹا ہونے کا فیض ہے جو فراز احمد کو پہنچ گیا۔ فراز کا ستارہ بلند ہے مس صاحب! ورنہ نور کا ایک بیٹا اور بھی تو ہے۔"

"آپ خود کو اس کریڈٹ سے نکال رہے ہیں ماسٹر جی! یہ کوئی ٹھیک بات نہیں۔" رباب نے مسکرا کر کہا۔ "مگر بھولیں کہ قیمتی ترین پتھر کو تراشنے والے ہاتھ اگر ایک ماہر کے نہ ہوں تو وہ پتھر کبھی ایسی شکل اختیار نہیں کر پاتا پر ہر دیکھنے والے کی نظر ٹھہر جائے۔"

"یہ بات آپ کہہ رہی ہیں مس صاحب! کیونکہ آپ کی خود کی تراش خراش بہت منفرد طریقے سے ہوئی ہے۔ خدا نے جوہر شناس نظر اور معاملہ شناس فہم عطا کیا ہوا ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔" ماسٹر جی نے بے اختیار کو دعا دی اور سارہ کے بے زار اور سپاٹ چہرے پر نظر پڑنے پر مایوسی سے سر جھکا لیا۔

"ہم اب چلیں ماسٹر جی! خاصی شام پھیل گئی۔" سارہ کے اس رویے نے رباب کو بھی شرمندہ کر دیا تھا۔ سو ہوئے بولی۔ سارہ اس سے پہلے اٹھ کر باہر چل دی تھی۔

"میری یہ دوست دل کی بری نہیں ہے ماسٹر جی! بس اس کے حالات ہی کچھ عجیب و غریب رہے ہیں، جنھوں ل کا مزاج ایسا بنا دیا۔" رباب نے باہر نکلنے سے پہلے ان کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔ "اور جو بات یہ فراز کے میں کر رہی تھی، اس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ دل میں ملال نہ لائیے گا بلکہ بہتر

ہے کہ آپ خود فراز ہی سے پوچھ لیجئے گا اس بارے میں۔ آپ سے غلط بیانی وہ کبھی نہیں کرے گا۔"

"جیتی رہو پتر جی! آپ کی باتوں نے دل خوش کر دیا۔ آپ کی باتیں سن کر مجھے مبینہ کلثوم یاد آ گئی۔" جی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مبینہ کلثوم۔" رباب نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔ "وہ کون ہے؟"

"وہ مبینہ کلثوم ہے مس صاحب!" ماسٹر جی اس کے سوال پر کھل کر بولے۔ "ہماری بستی کی پہلی انگریزی میں ماسٹرز کر رہی ہے، اپنے فراز سے بڑا زوروں کا مقابلہ چل رہا ہے اس کا۔ اسی کے ساتھ ہم نے فرا کی منگنی بھی کی ہوئی ہے۔"

"اوہ۔ آئی سی۔" اس نے سر ہلایا۔ "اب چلتی ہوں ماسٹر جی! پھر حاضر ہوں گی۔" ماسٹر جی اسے چھو باہر تک آئے، جہاں سارہ اپنی بیزار سی شکل بنائے گاڑی میں بیٹھی تھی۔ "بزرگوں سے دعا پیار لے کر جانا چاہ جی! یہ دعائیں کبھی کبھی کام آ جاتی ہیں۔"

ماسٹر جی نے جھک کر کھڑکی کے شیشے سے ہاتھ اندر کر کے سارہ کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"چار آپشنز تمھارے سامنے رکھے ہیں۔ تم بھی تجزیہ کرو، تم بھی احتساب کرو، میں بھی کروں گا۔ شا ہمیں کوئی راستہ سجھائے۔"

سارہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اس وقت بہت اچانک کو ماسٹر جی کی آنکھوں میں کسی اور کی آنکھوں سے مشابہت محسوس ہوئی اور اس کا دل لرز گیا۔

"تمھارا رویہ ان کے ساتھ اتنا روڈ کیوں تھا سارہ؟" رباب نے گاڑی بلڈنگ کے گیٹ سے باہر نکالنے بعد پوچھا تھا۔

"میرا رویہ روڈ نہیں تھا، صرف ریزروڈ تھا۔" سارہ نے صاف گوئی سے کہا۔ "مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ اگر ان سے زیادہ گفتگو کرنے لگی تو وہ میرا اندر باہر سب ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔ یہ شخص کون تھا رباب؟ تمھیں کہاں ملا مجھے ان کے پاس کیوں لے آئی تھیں؟"

"کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔" رباب نے بے نیازی سے کہا۔ "تم نے ایک بار کسی بی بی کے بارے میں تھا کہ تم ان سے بہت متاثر ہو۔ میں نے سوچا، میں تمھیں ماسٹر جی سے ملواؤں جن سے میں متاثر ہوں۔ کہو مماثلت نظر آئی تمھیں دونوں میں؟"

"نہیں۔" سارہ جیسے ٹرانس کی کیفیت میں بولی۔ "بی بی زینب صرف رہنمائی کرتی ہیں، اچھی بری بات سکھ ہیں، ان کے پاس علم ہے مگر یہ شخص مختلف ہے۔ یہ بہت سی ان دیکھی دنیاؤں کے بارے میں جانتا ہے۔ یہ ایک سا باعلم آدمی نہیں ہے۔ یہ خاص ہے، بہت خاص۔ مجھے ان سے خوف آنے لگا تھا، جب ہی میں نے اپنا رویہ لیا۔"

"تمھیں ایسا کیوں لگا؟" رباب نے جاننا چاہا۔

"عین اس وقت جب میں ان کے سامنے بیٹھی اپنی اس سوچ میں گم تھی کہ مجھے ڈیڈی کے بارے میں کیسا اپنانا چاہیے۔ وہ بغیر کسی تمہید کے چار آپشنز والی بات کرنے لگے۔ انھیں کیسے معلوم کہ میں کیا سوچ رہی تھی اور میرے ہر سوال کا جواب انھوں نے وہی دیا جو مجھ ایسی سوچ اور مزاج کی حامل لڑکی کو دیا جانا چاہیے تھا۔ ایسا بہت ہوتا ہے، ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔"

"سارہ! تم مہدیار کو اپنے ساتھ لانے کا دعویٰ کر رہی تھیں۔ مہدیار تمھارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟ تمھارا کہنا م فیروز سے کہہ کر وہ جہاں کہیں بھی ہوا، اسے ڈھونڈ لاؤ گی۔" رباب نے اس کی بات پر تبصرہ کیے بغیر موضوع یا۔

"تم نے یہ سوال مجھ سے آج کیوں پوچھا ہے، پرسوں جب میں پہنچی تھی اسی وقت کیوں نہیں پوچھا؟" سارہ ں کی طرف دیکھا۔

"اس خیال سے کہ تم برا نہ مان جاؤ۔ یہ نہ سوچو کہ مجھے مہدیار میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور یہ سوچ کر بھی کہ نجانے دن سی مجبوری ہو گی کہ تم اپنا دعویٰ پورا نہ کر پائیں۔ میرے پوچھنے پر تمھیں تکلیف نہ ہو۔" رباب نے سادگی سے

"تو پھر اب کیوں پوچھا؟"

"اس لیے کہ میں بہر حال متجسس ہوں، اس کے بارے میں سننے کے لیے اور ویسے بھی تمھیں آئے دو دن ہو ہیں اور تم نے خود اس کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"یا تو میں بہت بدقسمت ہوں یا وہ بچہ مہدیار۔" سارہ نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی دیتے ہوئے کہا۔ "فیروز مجھے غچہ دیتا رہا۔ اس نے بچے کے بارے میں مجھے نہیں بتایا۔ تم نے مجھے اشارہ دیا کہ وہ شیخ کے پاس ہے۔ زینی کے بہت سے ایسے شیوخ سے اچھے مراسم ہیں جن کے پاس یہاں پاکستان سے بچے تے ہیں۔ ہمیں پتا چلا کہ کچھ بچے حال ہی میں شیخ الصباح کے پاس آئے ہیں۔ ہم ملاقات اور آنے والی ریس کی نحال جاننے کے بہانے شیخ الصباح کے فارمز اور رائیڈنگ کلب کا چکر لگانے گئے۔ مہدیار وہاں موجود تھا۔" ہ کی آواز بھرانے لگی۔ "زینی نے مجھے وہاں کسی قسم کا سین کری ایٹ کرنے سے منع کر دیا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ طور پر یہ معاملہ ہینڈل کر لے گی اور مہدیار کو شیخ کے پاس سے لے آئے گی۔ صرف چار دن کے وقفے کے بعد جب وہاں بچے کے لیے بات کرنے گئی تو معلوم ہوا کہ شیخ کے پاس ایک سائیں نیا آیا تھا۔ اس نے شیخ کو ایک ت گھوڑے سے گرنے سے بچا کر سمجھو اس کی جان ہی بچالی۔ شیخ نے اسے انعام دینا چاہا تو اس نے وہ بچہ اس سے لیا۔ وہ شخص بے اولاد تھا اور اس کی بیوی مہدیار پر فریفتہ تھی۔ سو شیخ نے وہ بچہ اس شخص کے حوالے کر دیا۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" رباب اس نئی خبر پر چکرا کر رہ گئی۔ "کون تھا وہ شخص، اس کے بارے میں معلوم کروایا تم ؟"

"وہ پاکستانی ہے، اس کا نام رمضان ہے، بچہ لینے کے بعد وہ چھٹی پر چلا گیا۔ زینی اس کے بارے میں اس پاسپورٹ اور آئی ڈی کے بارے میں پتہ لگوا رہی تھی۔ مجھے اس ڈرامہ فیسٹیول کے لیے لازمی یہاں پہنچنا تھا، سو آنا پڑا۔ مگر مجھے یقین ہے زینی جلد ہی اس کے بارے میں مجھے خبر کر دے گی۔" سارہ نے بجھے ہوئے انداز میں ا۔

"یا خدا، اس بچے کی قسمت کیا ہے۔ اس کو کسی ایک جگہ رہنا نصیب کیوں نہیں ہوتا۔" رباب کے ہاتھ رنگ پر کپکپانے لگے۔

"اور فیروز!" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "فیروز بھٹی کہاں ہے سارہ؟"

"وہ۔" سارہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔ "شاید فیروز کے بارے میں تمھاری ریڈنگز درست ہیں۔ شاید وہ ایسا ہی جیسا تم سوچتی تھیں۔ اس نے تین مرتبہ خاموش رہنے اور اس کے کسی بھی معاملے میں نہ آنے کی دھمکی دی ہے۔

وہ احمق یہ سمجھتا ہے کہ میں موت سے ڈرتی ہوں، اسے خبر ہی نہیں کہ مجھے تو اب زندگی سے خوف آتا ہے، موت سے نہیں۔"

"وہ ہے کہاں؟" رباب نے اس کی بات اَن سنی کر کے دوبارہ پوچھا۔

"وہ شاید اٹلی گیا ہوا ہے، وہ وہاں اینول فیشن میلہ میں انوائٹڈ تھا۔"

"تمہیں معلوم ہے سارہ کہ......" رباب اسے فیروز کے خلاف ان کیسز کے بارے میں بتانا چاہتی تھی جن میں ممکنہ طور پر وہ وطن واپسی پر گرفتار کیا جا سکتا تھا مگر پھر اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ سارہ اور فیروز کے درمیان تعلق کے موجود ہونے یا ختم ہو جانے کے بارے میں پوری طرح نہیں جانتی تھی۔

......۞......

"میرا نام جاوید شہزاد ہے۔" اسفند کے سامنے بیٹھے شخص نے کہا جو چند لمحے پہلے ہی اس سے ملاقات کے لیے اس کے آفس آیا تھا۔ اسفند کو محسوس ہوا، اس نے اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔

"آپ کی چھوڑی ہوئی چیمبر آف کامرس کی ممبر شپ مجھے مل گئی تھی، آپ کے چھوڑنے کے چند دن بعد ہی۔ ہم لوگ آپ کے جانے پر حیران تھے اور گوسپ بھی کرتے تھے اس بارے میں۔" اس شخص نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"مگر اب وہی لوگ آپ کے بارے میں اور طرح سے گوسپ کرتے ہیں۔ آپ نے بہت لمبا سفر بہت کم دنوں میں طے کر لیا۔ آپ کی پہلے والی ریپوٹ (شہرت) نے اچھی کمپنیز کو آپ پر اعتبار کرنے میں تامل نہیں کرنے دیا۔ یو انڈیڈ ہیوڈن ونڈرز ان حسب فیوڈیز۔" (آپ نے تھوڑے دنوں میں کمال کر دکھایا۔) وہ شخص کہے چلا جا رہا تھا اور اسفند کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کے پاس کیوں آیا تھا۔

"میں بھی ایک جزوقتی بزنس مین ہوں۔ چھوٹا موٹا انڈسٹریلیسٹ۔"

"اوہ۔" اسفند کو کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا کہ وہ اس کے پاس کیوں آیا تھا۔

"نہیں، آپ غلط سمجھے۔" اس نے شاید اسفند کے ذہن کو پڑھ لیا۔ "میں بزنس کے معاملے میں آپ سے کوئی بات کرنے نہیں آیا۔" اسفند نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"میری آمد کی وجہ سراسر ذاتی ہے۔ میں ایک ذاتی معاملہ ڈسکس کرنے آیا ہوں۔ کیا آپ میرے لیے چائے نہیں منگوائیں گے؟" اپنی بات کہتے کہتے اس نے اسفند کو یاد دلایا۔

"شیور!" اسفند نے چونک کر انٹر کام کا بٹن دبایا۔

"ہم تقریباً ہم عمر ہی ہیں۔" پھر اس نے سگریٹ نکال کر اسفند سے پینے کی اجازت مانگنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "برا نہ منائیں تو میں آپ کو تم کہہ کر مخاطب کروں؟"

"شیور!" اسفند کی بے چینی بڑھنے لگی۔

"میں تمہیں زیادہ کنفیوژن میں مبتلا نہیں رکھنا چاہوں گا۔" اس نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "شاید تم میرے بڑے بھائی لطیف شہزاد کے نام سے واقف ہو۔"

"لطیف شہزاد!" اسفند نے یاد کیا۔ وہ اس نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا تھا۔

"یہ میرے مرحوم بھائی، مرحوم بیرسٹر مسعود میاں کے داماد تھے۔"

اس نام سے اسفند واقف تھا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

"بیرسٹر صاحب کی بیٹی صبا مسعود سے لطیف بھائی کی شادی ہوئی تھی۔ میرے بھائی کا انتقال شادی کے صرف

ماہ بعد ہو گیا تھا۔ اچانک ہارٹ فیل، ہی واز اونلی ٹوئنٹی سیون ایرز آف ایج۔" (وہ صرف ستائیس سال کے

"اوہ۔ آئی ایم سوری۔" اسفند نے کہا۔

"ان کے انتقال کے صرف ڈھائی ماہ بعد صبا کا بھی انتقال ہو گیا۔" جاوید نے بات آگے بڑھائی۔ "مگر اس نتقال کے وقت اس کے ہاں ایک بچے کی پیدائش ہوئی تھی۔"

اسفند نے اس کی بات کی تائید میں سر ہلایا۔ اب اپنے مخاطب کے ساتھ اس کی ایک نامحسوس سی ہم آہنگی پیدا گئی تھی۔

"بدقسمتی سے میرے والد اور میرے دوسرے بڑے بھائی نے اس وقت اس بچے کی پرورش کی ذمہ داری ے انکار کرتے ہوئے بچہ بیرسٹر صاحب کی فیملی کے حوالے کر دیا۔ اس کی وجہ مالی مشکلات نہیں "صبا" کا یار محمد" سے دیرینہ تعلق تھا جس کی خبر میری فیملی کو شادی کے بعد ہوئی۔ وہ لطیف بھائی کی بے وقت موت کی وجہ ی ذہنی دھچکے کو سمجھتے تھے جو صبا کے کردار و مزاج کے بارے میں جاننے پر انہیں لگا تھا۔"

"ایک منٹ۔" اسفند کو کچھ بولنے کا ارادہ کرتے ہوئے دیکھ کر جاوید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک قسمتی سے ایسا ہوا۔ یہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، مجھے صبا یا شہریار کے کردار پر کوئی شک نہیں۔ اس کہانی کے اہم کردار اتفاق سے بہت کم عمری میں دنیا سے چلے گئے۔ وہ تو ہم اس کی تفصیل جان سکتے ہیں، نہ ہی کسی پر نے کا کوئی حق ہے۔ ہم اسے صرف قسمت کا لکھا کہہ کر افسوس کا اظہار کر سکتے ہیں۔"

"میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ تم یہ سب مجھے کیوں سنا رہے ہو۔" اسفند نے الجھ کر کہا۔

"لطیف بھائی کی شادی اور انتقال دونوں ہی اہم موقعوں پر میں ملک سے باہر تھا۔ میں جب یہاں آیا، اس با کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ شی واز ایکسپکٹنگ...... میں اس وقت بھی اس سے ٹھیک طرح سے مل نہ پایا ہ دنوں بعد ہی میں واپس چلا گیا۔ وہیں مجھے بچے کی پیدائش، صبا کے انتقال اور بچے کی اس کے ننھیال والوں کو نے کے متعلق معلوم ہوا۔ اس وقت مجھے بھی اس بات میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔ یہاں واپسی پر میں نے وٹی سی انڈسٹری لگا کر کام شروع کر دیا اور میں اس میں بہت مصروف رہا۔ کچھ عرصہ پہلے اتفاقاً مجھے اس کہانی کا سننے کو ملا۔ بچہ بیرسٹر صاحب کی فیملی سے صبا کی خواہش کے مطابق شہریار محمد کے پاس چلا گیا اور باقی کی کہانی اقف ہو۔"

"ہوں، پھر۔" اسفند نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے رکھے کہا۔

"میں اسی وقت سے اس معاملے کو واچ کر رہا ہوں۔ بچہ کڈز ہوم سے اغوا ہوا اور اس پورنوگرافر کے پاس پہنچ گیا ہوا اور گلف پہنچ گیا۔ اٹ واز امیزنگ۔ اٹس اسٹل از امیزنگ۔ کوئی اس بچے کا وارث نہیں بنا اور نہ ہی کسی کو دلچسپی ہے۔ میں نے اپنے سورسز استعمال کر کے اونچی فورس کو معاملے کے پیچھے لگایا ہوا ہے۔ ان سارے لو پیدا کرنے والوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں مگر کچھ لوگ ان سے بھی اوپر ہیں۔ یہی میرے لوگ ہیں، مجھے اس ساتمہاری مدد کی ضرورت ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم اس معاملے سے میری طرح ہی کنسرنڈ ہو۔ گو میں اس ل صرف انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر لے رہا ہوں۔ ایک بچہ جو اس دنیا میں آیا، اسے ہتھیار بنا کر نجانے کس ے جذبات سے کھیلا جا رہا ہے۔ میں سوچتا ہوں تو میرا خون کھول اٹھتا ہے۔"

"تمہارا خون صرف کھولتا ہے جبکہ میرا خون جوش بھی مارتا ہے۔" اسفند نے قدرے بلند آواز میں اپنے

مخاطب کی بات کاٹی۔ ''تم صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد کی بات کرتے ہو میرا اس بچے سے جذباتی تعلق ہے۔ اگرچہ تمہارا رشتہ اس سے خونی ہے اور میرا صرف جذباتی مگر پھر بھی۔'' اس نے اپنے لہجے اور آواز پر قابو پانے کے لیے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ جاوید شہزاد اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' کچھ دیر بعد اسفند نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، تم اس سلسلے کو آگے بڑھاؤ۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ مجھے اس بچے تک کسی بھی طرح پہنچنا ہے۔ کیونکہ وہ میرے بھائی کے محسوسات اور کمٹ منٹ کی نشانی ہے۔''

''تھینک یو۔ مجھے تم سے اسی رویے کی توقع تھی۔'' جاوید شہزاد نے کہا اور اپنا بیگ کھول کر کچھ کاغذات اسے دکھانے لگا۔

......۞......

''شی......'' بی بی زینب کسی کو ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ ''نہ تو یہاں کسی سے زیادہ ملو، نہ ہی زیادہ بات کرو۔'' وہ سرگوشی کے سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔ ''بات بڑی نازک ہے اور بڑے مسئلے والی ہے۔ اس کو خاموشی سے حل کرنا ہے۔'' ان کے سامنے بیٹھی عورت بغیر بولے یوں سر ہلا رہی تھی جیسے ان کی بات کو خوب سمجھتی ہو۔

''بڑا بوجھ ہے میرے دل پر۔ میں خود کو مجرم سمجھتی ہوں اسفند یار محمد کی اور بشیرے کی۔ سچ کہتے ہیں سیانے۔ عورت بڑی کم عقل ہوتی ہے۔ جذباتی اور بے صبری۔''

''جو کرنا ہے، جلدی کرنا ہے۔ میرے پاس ٹائم کم ہے۔'' اس عورت نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''شی......'' بی بی زینب نے ایک مرتبہ پھر اسے خاموش کرایا۔ ''میں نے کہا ہے، زیادہ نہ بولو، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ مجھے پتہ ہے جو کرنا ہے، جلدی کرنا ہے، مجھے سوچنے دو۔ تم اپنا تھیلا اٹھاؤ اور جاؤ اپنے ٹھکانے پر۔ ادھر کسی کو نظر ہی نہ آؤ تو اچھا ہے۔ لوگ سوال کریں گے اور خود ہی جواب بھی گھڑ لیں گے، احتیاط بڑی لازمی ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر میں چلتی ہوں۔'' اس عورت نے قریب رکھا بیگ اٹھایا اور جانے کے لیے کھڑی ہوئی۔

''میرے پاس ایک موبائل فون فالتو ہے۔ یہ آپ رکھ لیں، جب کوئی طریقہ سمجھ میں آ جائے تو فون کر دینا۔ میں خود ہی آ جاؤں گی۔'' اس نے ایک فون نکال کر بی بی زینب کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''چلو نکلو، ابھی گلی میں کوئی نہیں ہے۔'' بی بی زینب نے موبائل لے کر اسے جلدی سے دروازے سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ عورت چہرے پر نقاب ڈال کر باہر نکل گئی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد بی بی زینب نے خالی صحن پر نظر ڈالی اور آہستہ قدموں سے چلتی اپنی نماز والی چوکی کی طرف آ گئیں۔ وہ وضو سے تھیں، انھوں نے نفل کی نیت باندھ لی۔

''میرے اللہ، میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں۔ تو نے میری شرمندگی اور غلطی کے احساس کو ختم کر ڈالنے کا جو انتظام کیا ہے، اس پر عمر بھر تیرا شکر ادا کرتی رہوں تو بھی کم ہے تو غفور الرحیم ہے میرے اللہ تو اپنے بندوں کا حامی و ناصر ہے، تو ہی ان کی پکار سننے والا ہے اور تو ہی ان کے دلوں کا حال جاننے والا ہے۔'' وہ شکرانے کے نفل ادا کرنے کے بعد ہاتھ پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے محوِ گفتگو تھیں اور ان کی آنکھیں اشک بار تھیں۔

......۞......

''میں اس روز تجھے بتانا بھول گیا فراز باؤ۔'' کھانا کھاتے ہوئے ماسٹر جی نے فراز سے کہا۔ ''وہ اسفند باؤ

ے ساتھ جو مس صاب آئی ہے نا ایک دو بار، وہ پرسوں آئی تھیں یہاں۔'' چاولوں میں چمچہ چلاتا فراز کا ہاتھ لمحے بھر کو ں گیا۔ ''اسفند بھائی کے ساتھ؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، وہ تو نہیں تھا۔''

''پھر اکیلی آئی تھی کیا؟'' فراز نے دوبارہ سے چمچہ چلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں، اکیلی بھی نہیں تھی۔''

''تو پھر کس کے ساتھ آئی تھی۔'' فراز ان کی ادھوری باتوں پر مسکرا کر بولا۔

''وہ اپنی سہیلی کے ساتھ آئی تھی۔ اس کی سہیلی کا نام سارہ شاہنواز ہے۔'' ماسٹر جی نے یوں کہا جیسے اس کے نے میں ان کا قصور ہو۔

''ارے۔'' فراز نے چمچہ پلیٹ میں رکھ دیا۔ ''اور آپ اب مجھے بتا رہے ہیں ماسٹر جی، یہ تو بہت بڑی خبر ہے۔ آپ نے یا پھر رباب نے اسے بتایا کہ آپ اس کے کون ہیں۔''

''میں نے تو نہیں بتایا اور رباب نے......'' ماسٹر جی کہتے کہتے رک گئے۔ ''وہ کیسے بتا سکتی ہے جھلیا، وہ کیا نے۔''

''ہاں۔'' فراز کو احساس ہوا، وہ جوش میں کچھ زیادہ بول گیا تھا۔ ''مگر آپ نے کیوں نہیں بتایا؟''

''میں اسے کیسے بتاتا فراز باؤ! وہ تو یہاں آ کر ایسے بیٹھی تھی جیسے تیز مرچیں کھانے کے بعد بیٹھی ہو۔ کچھ راض، کچھ پریشان، اکھڑی اکھڑی سی لگ رہی تھی۔ میں نے سوچا۔ اس کا مزاج تو پہلے ہی گرم ہے۔ اگر میں نے یہ شتے، تعلق والی بات چھیڑ دی تو کیا پتہ میرا سر ہی پھاڑ ڈالے۔ مجھے تو باؤ صاحب! ایسی لڑکیوں سے بڑا خوف آتا ہے۔ لڑکیاں تو نمانی سی، ملوک سی ہی اچھی لگتی ہیں۔ وہ دوسری مس صاب رباب جیسی......'' ماسٹر جی اپنے مخصوص راز میں کہہ رہے تھے۔

''وہ نمانی اور ملوک لگتی ہے آپ کو ماسٹر جی! توبہ استغفار۔ اس غلط فہمی میں مت رہیے گا۔ وہ بڑی توپ چیز ہے۔ بینکنگ کے شعبے میں بڑا نام ہے اس کا۔ ماہر اکانومسٹ ہیں خاتون۔ بڑے بڑے ناموں والے اداروں کی فرزان کے جوتے کی نوک پر رہتی ہیں اور آپ اسے نمانی سی ملوک سی کہہ رہے ہیں۔'' فراز تیزی سے بولا۔

''تو یہی تو کمال ہے اس کا جھلیا۔'' ماسٹر جی اس کی بات سن کر مسکرائے۔ ''اتنا بڑا نام ہے اس کا اپنے شعبہ ں اور اتنی عاجزی ہے اس میں۔ بی بی بچیوں کی طرح لیے دیے رہتی ہے۔ شرافت اور نیک فطرتی اس کے چہرے ے جھلکتی ہیں۔ ایسے رہنے سے اس کے کریڈٹ سے اس کی ذہانت اور تجربہ منفی تو نہیں ہو جاتے نا۔ مجھے تو وہ دوسری بینہ کلثوم لگتی ہے۔ سیدھی سادی، بھولی سی۔ میں نے تو اس سے کہہ بھی دیا کہ تم بالکل مبینہ کلثوم لگتی ہو۔''

''مبینہ کلثوم کون ہے، اسے کیا علم؟'' فراز ان کی سادگی پر مسکرا کر بولا۔

''تو میں کوئی اتنا احمق بھی نہیں ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ مبینہ کلثوم کون ہے۔'' پانی پیتے ہوئے فراز کو اس لشاف پر اچھو لگ گیا۔ ماسٹر جی شرارت بھرے انداز میں سر ہلا رہے تھے۔

''اور سارہ شاہنواز کو میں بتاؤں گا کہ آپ کون ہیں۔'' فراز نے بے ساختہ کہا۔

''بتاؤ بچو جی! ضرور بتاؤ۔ میرا کیا جاتا ہے۔ میں نے تو ویسے بھی اسے جس رستے پر چلا دیا ہے، اس پر چلتے چلتے اسے سب سمجھ آ جائے گی۔ یہ بھی کہ وہ خود کون ہے، یہ بھی کہ میں کون ہوں۔'' ماسٹر جی نے عینک کے اوپر سے جھانکتے ہوئے کہا۔

''تیرا امتحان بھی ختم ہونے والا ہے۔ میں تو واپس چلا جاؤں گا تیرا امتحان ختم ہونے کے بعد۔ پھر تو بھگتتا رہنا ان بیبیوں کو۔''

''ٹھیک ہے۔'' فراز نے کھانے کے برتن اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''امتحان ختم ہو جاتا ہے تو پھر اکٹھے چلیں گے شاہنواز صاحب کے پاس۔ سارہ کو بھی وہیں بلوالیں گے۔ خاصا اچھا منظر رہے گا۔''

''اس بے ہدایتے کی تو تو نے کوئی خیر خبر ہی نہیں سنائی۔ کبھی پوچھا نہیں کسی سے۔'' ماسٹر جی اس ذکر پر اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے۔

''کلچرل منسٹری نے ماہر ڈاکٹرز کی ایک ٹیم اپائنٹ کی ہے خصوصیت سے ان کے لیے۔ وہ سفر نہیں کر سکتے مگر ڈاکٹرز سفر کر سکتے ہیں۔ اب ڈاکٹرز کی یہ نئی ٹیم ان کا علاج شروع کرے گی۔'' فراز نے بتایا۔

''ماسٹر جی! آپ بور تو خوب ہوتے ہوں گے ان دنوں۔'' پھر اسے خیال آیا۔

''تیرے لیے دعا کرنے سے فرصت نہیں ملتی فراز باؤ! میں نے کیا بور ہونا ہے اور اب تو یہ سامنے والے کمرے میں رہنے والے لڑکے کا دادا جب سے آیا ہے نا سانگلہ ہل سے۔ مجھے بھول ہی گیا ہے کہ بوریت کیا ہوتی ہے۔ وہ بابا تو بڑا اسلیقے والا نکلا۔ اس نے حقے کا بندوبست بھی کیا ہوا ہے۔ سینکڑوں کی آگ جلا لیتا ہے اور چلم بھر لیتا ہے۔ اب تو بڑی موج ہو گئی ہے۔ کل اس نے گڑ والے چاول بھی پکائے تھے۔ کہہ رہا تھا، میرا بڑا پوتا آئے گا نا سانگلہ ہل سے تو رہو کی کھیر منگواؤں گا اس سے۔''

''بندے کو وہی ملتا ہے ماسٹر جی! جس کی وہ چاہ کرتا ہے۔ ہے نا۔'' فراز نے برتن دھو کر ریک میں رکھنے کے بعد کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ آپ امتحان کے بعد بھی کچھ دیر رک سکتے ہیں۔''

''نا بھئی نا۔'' ماسٹر جی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ''ایک دن بھی اور نہیں رکوں گا۔ میری تو آنکھیں ترس گئی ہیں۔ یار! اب بس کر۔''

''یہ تو بتائیں، آپ کی پوتی سے ملاقات کیسی رہی؟'' فراز نے ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

''وہ شاہو کی بیٹی ہے فراز باؤ! ایک ملاقات میں تو اس کے سر پیر کسی کا بھی پتا نہیں چلا۔''

''پھر آپ نے اسے کس رستے پر چلا دیا ہے؟''

''رستے کی نشاندہی کی ہے۔ دیکھو چلتی ہے یا نہیں۔'' ماسٹر جی سارہ سے ملاقات کی تفصیل سنانے لگے۔

''آئی ایم سوری۔ میں نے آپ کو بہت غلط ٹائم پر کال کیا ہے۔'' اسی رات پڑھتے پڑھتے تھک جانے پر فراز نے رباب کو فون کیا تھا۔

''میں سوئی نہیں تھی اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم دن کے وقت بہت مصروف رہتے ہو۔'' رباب نے برا مانے بغیر کہا۔

''مجھے صرف یہ پوچھنا تھا کہ سارہ شاہنواز بچے کو لے آئی کیا؟'' فراز نے رسمی گفتگو کے بجائے فون کرنے کا مقصد بیان کیا۔

''نہیں، ایک مس ہیپ کی وجہ سے......'' رباب نے بتانا چاہا۔

''یہ برا ہوا۔'' فراز نے اس کی مکمل بات سنے بغیر کہا۔ ''میں تو اسفند بھائی کو سارہ کی آمد ایک خوش خبری کے طور پر بتا رہا تھا۔''

جواب میں رباب اسے سارہ کی بتائی تفصیل سنانے لگی تھی۔

......✿......

''غلطی شروع کہاں سے ہوئی تھی بھلا؟'' اس چھوٹے سے بیڈروم کے عام سے بیڈ پر بیٹھے آفتاب جمیل کب سے ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔

''جب میں سیٹھ کرم الٰہی کے بنگلے پر پہلی دفعہ گیا تھا اس وقت میں صرف ایک جونیئر کلرک تھا یا پھر تب جب ...راعلیٰ نے سول سیکرٹریٹ کے عام ملازموں کو عید پر بڑا کھانا دیا تھا یا پھر اس وقت جب رابعاں نے پہلی مرتبہ مجھ ...کہا تھا کہ اسے سونے کی چوڑیاں پہننے کا بہت شوق ہے یا شاید اس وقت جب میں نے اپنے صاحب بہادر کے ...کو امپورٹڈ سائیکل چلاتے دیکھا تھا یا پھر شاید اس وقت جب میں ایچی سن کالج کے باہر سڑک پر آتا جاتا تھا۔ یہ جو ...گی میں آیا تھا، یہ شاید دوسروں کی آسائشات اور آسودگی دیکھ کر ہی آیا تھا۔ مصنوعی چیزوں کی چمک سے آنکھیں ...رھیانے کی وجہ سے آیا تھا۔ ''ہمارے پاس کیوں نہیں، ہمارے پاس کیوں نہیں'' کی آوازوں کا شور بڑھنے پر آیا ...موقع سامنے پا کر اس سے فائدہ اٹھانے کی سوچ کی وجہ سے آیا تھا یا گھر کے پچھلے کمرے میں دن رات چلتی چکی ...آواز سن سن کر تنگ ہونے پر آیا تھا۔'' سوچ کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ان کے ذہن میں جنگ لڑ رہا تھا۔

''چلو پھر یوں کرتے ہیں۔''

اصل وجہ ٹھیک سے یاد نہ آنے پر انھوں نے سیدھے ہو کر چوکڑی ماری اور واقعات کو نمبر وار ترتیب دینے ...۔ اب ان کا ذہن واقعات کو نمبر دیتا اور پھر اس نمبر کی تصحیح کرنے میں مصروف تھا۔ اسی دوران دروازہ کھول کر رابعہ ...رداخل ہوئی تھیں۔ جب سے آفتاب جمیل اس گھر میں آئے تھے، رابعہ یونہی خاموشی سے آ کر انھیں کچھ دیر دیکھتے ...نے کے بعد چلی جاتی تھیں۔ آفتاب جمیل کا ذہن ابتری اور انتشار کا شکار تھا۔ وہ ان کی حالت دیکھتی تھیں اور ...وش رہتی تھیں۔ اس روز شاید ان کی آمد پر کھٹکا زیادہ اونچی آواز میں ہوا تھا جو اپنی کیلکولیشن میں مصروف آفتاب ...حب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''آؤ آؤ رابعاں، دیکھو میرے ذہن میں ابھی ابھی کیا اچھوتا آئیڈیا آیا ہے۔'' انھوں نے رابعہ کو دیکھ کر بچوں ...طرح خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' رابعہ نے اپنی جگہ ہی پر کھڑے کھڑے کہا۔

''سب سے اچھا کاروبار پتا ہے، کون سا ہے۔'' انھوں نے عجیب سی نظروں سے انھیں دیکھا۔ ''مرچوں کی ...الگا کر مارکیٹ میں مرچیں سپلائی کرنے کا کام سب سے اچھا ہے۔ اس سے اچھا کاروبار اور کوئی نہیں۔ بندے ...جو ہاتھ ہیں، ان پر صرف مرچیں ہی لگتی ہیں کوئی اور رنگ نہیں لگتا نا۔ بندہ رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے۔ اپنی ساری ...ا، سارے یونٹ بند کر دیتے ہیں۔ رابعاں! صرف ایک مرچوں کی چکی لگا لیتے ہیں۔ سارے گھر، بنگلے، پلاٹ، ...ئے سب بیچ دیتے ہیں۔ صرف ایک مرچوں کی چکی خرید لیتے ہیں لیکن......'' انھوں نے مایوسی سے سر ہلاتے ...ئے کہا۔ ''لیکن مرچوں کی چکی، بہت مہنگی ہو گئی ہے رابعاں! یہ عام مارکیٹ میں ملتی بھی نہیں۔ بڑی نایاب ہو گئی ...۔ ہم سب کچھ بیچ بھی دیں تو بھی مرچوں کی چکی خریدنے کے لیے پیسے کم پڑ جائیں گے۔ ہم نہیں خرید سکیں گے، ...ا خرید سکیں گے۔''

وہ سر ہلاتے ہوئے بار بار ایک ہی جملہ دہرا رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ رابعہ نے ...ے بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ انھوں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''چلو، یہاں سے بھاگ جائیں، یہ لوگ بڑے خطرناک ہیں۔ ہم یہاں سے بھاگ جاتے ہیں اور چھپ کر ...خفیہ مرچوں کی چکی ڈھونڈتے ہیں۔ نہیں تو ملے گی، کبھی تو ملے گی، تم چلو گی نا میرے ساتھ؟''

انھوں نے جواب طلب نظروں سے رابعہ کی طرف دیکھا۔ انھوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آفتاب صاحب اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز میں نعرے لگانے لگے۔

''ہرے ہم دنیا سے چھپ کر مرچوں کی چکی ڈھونڈیں گے۔ کتنا مزا آئے گا۔ ہم عمرو عیار کی چادر اوڑھ لیں گے اور اسی کا سرمہ بھی آنکھوں میں لگا لیں گے۔ ہمیں مرچوں کی چکی ضرور ملے گی، ضرور ملے گی۔'' وہ کہہ رہے تھے اور پھر انھوں نے با آواز بلند نعرے لگانے شروع کر دیے۔ ''مرچوں کی چکی زندہ باد، پچاس روپے کلو بھائی پچاس روپے کلو، ستھرا سودا ہے بھائی، مہنگائی کا زمانہ ہے، ایک روپیہ نہ ادھر نہ ادھر، پچاس روپے کلو، خالص مرچیں ہیں، ملاوٹ ثابت کرنے والے کو دس ہزار روپے انعام، خالص مرچیں پچاس روپے کلو۔''

وہ چلا رہے تھے اور رابعہ انھیں کھینچ کر بٹھانے اور خاموش کرانے کی کوشش میں ہانپنے لگی تھیں۔

......❁......

''یہ تو سر! بڑی چار سو بیس لڑکی ہے، اس کی باتوں میں نہ آیئے گا۔ اس کے تو اپنے کرتوت ایسے ہیں سر! کہ اسے لاک اپ میں عمر گزارنی چاہیے ان کی سزا میں، کہیں آپ اسے وعدہ معاف گواہ تو نہیں بنا رہے۔''

''وہ چار سو بیس ہے اور تو بڑا نیکوکار ہے۔ حرام خور! اگر وہ چار سو بیس ہوتی تو یوں لولی لنگڑی ہو کر پھرتی آج۔ اس کو تو اس (گالی) نے جینے جوگا نہیں چھوڑا۔''

''آپ اسے نیک پروین سمجھ رہے ہیں سر! توبہ توبہ جی، کیا زمانہ آ گیا ہے۔ ہم معصوموں کو چار چوٹ کی لگاتے ہیں اور اس چار سو بیس کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ سر جی! یہ نیک پروین آئی کس کے ساتھ تھی، آپ کو یاد ہے چاچڑ کے ساتھ۔ چاچڑ کو آپ جانتے ہیں۔''

''ہاں ہاں، اب بول۔ بک دے بک دے۔ تجھے جو پتہ ہے چاچڑ کے بارے میں اور ان سے بھی ڈانڈے ملا اس کے جو تیرے گرو ہیں۔ چل شاباش میرا پپو، بتا، تجھے کیا پتہ ہے اس دیسی انگریزنی، چاچڑ اور بھٹیوں کے بارے میں۔''

''سر جی! کیا فائدہ بتانے کا، میں جو بھی بتاتا ہوں، آپ اسے غلط سمجھتے ہیں۔ کتنے دن ہو گئے مجھے یہاں آئے ہوئے، نہ کوئی تکہ نہ کباب، نہ کوئی واڈ کا نہ شیمپئن سر جی! میں جیوں گا کیسے۔ میں مر گیا نا سر جی! یوں ہی مار کھا کھا کر اور بھوکا رہ رہ کر تو بھٹیوں کو تو خوب موقع ملے گا ایشو بنانے کا۔ وہ کوئی اخبار، کوئی چینل نہیں چھوڑیں گے۔ یہ میں آپ کو بتا دوں۔''

''تیرے جیسے دو صورتوں میں ہی بکتے ہیں، مار کھا کر یا پھر بھوکا رہ کر۔ ہماری سرکاری دال تجھے اچھی نہیں لگتی اور روسٹ بروسٹ بھیجنے والا تجھے کوئی ہے نہیں۔ تو کتنا بدقسمت ہے پپو! جن کی نمک حلالی کرتا رہا ساری عمر اور جن کو اب بھی بچانے کے لیے خود مار کھا رہا ہے اتنے دن سے۔ ان میں سے کسی نے بھی تیری خیر خبر تک نہیں لی۔ تیرے لیے ایک بھی فون نہیں آیا اوپر سے۔ واہ رے میرے یار! کس کی خاطر مرنا چاہتا ہے۔''

''یہ تو میری اپنی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا سر جی! میرے خون میں شاید یہ نمک حلالی انجیکٹ ہو گئی ہے۔ میں اس کے سلسلے میں کچھ کر نہیں سکتا۔''

''پھر مرنے کے لیے تیار ہو جا۔''

''مر لوں گا مگر ایک بار تو روسٹ بروسٹ، شراب کباب کا مزا چکھ لوں سر! مرنے سے پہلے میری یہ خواہش پوری کر دیں جناب۔''

''سب ملے گا، سب مل جائے گا۔ وہ سب جو یاسین بھٹی کے تہہ خانوں میں ملتا تھا، یہاں بھی مل جائے گا مگر ......''

''دیکھیں سر! آپ پھر اپنی چھڑی اٹھا رہے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے سر! ہائے مر گیا۔ ٹھیک ہے سر! آپ میرے نے پینے کا انتظام کر دیں، میں آپ کی مرضی کی بات کر دوں گا۔''

''مرضی نہیں الو کے پٹر، فیکٹس فیکٹس۔''

''او کے، او کے۔ سر فیکٹس اینڈ فگرز۔ سب کے سب۔ آپ بلبل کے بجائے مجھے وعدہ معاف گواہ بنا لیں سر! چار دن اور جی لوں گا۔ تہہ خانے سے باہر ہی سہی۔''

''ارے رب نواز، اوئے ادھر مر۔ اٹھا اس مدعے کو۔ اس کے لیے کھانا منگوا اور اس کا بیان لکھ وعدہ معاف گواہ در پر۔ اس بھول بھلیوں جیسے کیس نے تو میرا مغز گھما کر رکھ دیا ہے۔ اب یہ جیسے بھی آتا ہے، بیان دینے پر اس لے بیان اور خلاصی کر۔ بڑی ڈھیٹ ہڈی ہے، اس نے گھما کر رکھ دیا۔''

''ہی ......ہی ......ہی ...... آداب عرض ہے سر۔''

''پرے دفعہ ہو، مرن جوگا، حرام خور۔''

......❁......

''اس مرتبہ کرسمس پر لینا نہیں آئے گی، وہ وہیں رہے گی کرسمس کی عبادت کے لیے۔ اسے اجتماعی دعا میں بھی ت کرنا ہے۔'' جینس نے للی کے سنہرے بالوں میں کڑوا تیل لگاتے ہوئے کہا۔

''کرسمس۔'' للی زیر لب بڑبڑائی۔ ''اب کرسمس پہ آ کر کیا کرے گی ماما، اسے کون منائے گا۔''

''ہم منائیں گے اور کون منائے گا۔ ہمارے لیے اس سے بڑا خوشی کا دن اور کیا ہو گا۔'' جینس اس کا دل خوش نے کو یہ موضوع چھیڑ بیٹھی تھی۔

''ہم منائیں گے۔'' للی نے اپنے بال اس کے ہاتھ سے چھڑا کر اس کی طرف گردن موڑ کر دیکھا۔ ''ہم...... ہم'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔ ''تم خود اپنے بارے میں شیور ہو مما! کہ تم کون ہو۔ جینس ڈی سوزا یا نسرین ئم اور میں......'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''میں کون ہوں مما...... للی ڈی سوزا یا مس شاہنواز۔ ہم پہلے اس بات کا فیصلہ کیوں نہ کر لیں کہ ہمیں کرسمس نا چاہیے کہ عید۔ ہمیں کیک بنانا ہے کہ سویاں بنانی ہیں اور بکرا کاٹنا ہے۔ ہم تو مما! بے منزل کی راہ کے مسافر ہیں۔ ں کبھی ادھر بھٹکنا ہے، کبھی ادھر۔ ہمیں Own کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ ہمیں گڈ بائے کہنے والا کوئی ہے، نہ ئی ویلکم کرنے والا ہے۔ قسمت میں یہی لکھا ہے کہ ہم بھٹکتے رہیں اور بغیر شکوہ کیے چپ چاپ زندگیاں گزارتے لے جائیں۔''

''تم جذباتی ہو رہی ہو میری ناراض گڑیا۔'' جینس نے اس کے لہجے کی تلخی کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے کہا راس کے بالوں میں برش چلانے لگی۔ ''کاغذات میں ہم جو کوئی بھی ہیں، اب جبکہ ہم بالغ اور باشعور ہیں۔ ہمیں پنے لیے یہ فیصلہ خود کرنا ہے کہ ہم کون ہیں اور فیصلہ یہ ہے کہ ہم ڈی سوزاز ہیں۔ یہی نام ہماری پہچان اور ہمارا پس طر ہے۔ اس دائرے سے باہر ہماری کوئی شناخت نہیں ہے، جو ہوا، وہ ہو گیا۔ خواہ برا تھا یا بھلا تھا مگر اب ہم وہ کریں لے جو ہمارا دل کہے گا اور جسے دماغ درست قرار دے گا۔''

''ادھوری زندگی۔'' للی نے اپنی کٹی انگلیوں والے ہاتھ کو سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''اور ادھوری خوشیاں،

خبط الحواس ایلس، مقدس لینا، بلند حوصلہ جینس اور بدقسمت للّی۔ یہ ہے ڈی سوزا کا! ر۔ مارح اور پہچان۔'' کہتے کہتے کسی گہری سوچ میں گم ہوگئی۔

''نہیں مما......'' قدرے توقف کے بعد اس نے سختی سے کہا۔ ''ہم کوئی تہوار نہیں منائیں گے۔ سب خوشیاں ہم پر حرام ہوئیں۔ بس الگ تھلگ، چپ چاپ زندگی کے دن گزارے چلے جاؤ، اسی میں بھلا ہے، اسی میں عافیت۔''

''ہولی بیلز آر سنگنگ۔ ہولی بیلز آر ڈانسنگ۔'' اسی دم پچھلے کمرے سے ایلس گنگناتی ہوئی نکلی۔ اس۔ پلاسٹک کے آرائشی پھول اپنے بالوں میں سجا رکھے تھے۔

''ایوری تھنگ از ڈانسنگ بی کاز اٹس دی کرسمس ڈے۔'' وہ اٹھلا اٹھلا کر گا رہی تھی۔

''ہاں، مگر گرینی!'' للّی نے اسے یوں مست دیکھتے ہوئے کہا۔ ''گرینی کو پورا حق ہے کرسمس منانے کا کیونکہ اس کی شناخت میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ شی از اے پیور کرسچن۔''

''تو پھر ماما کی خوشیوں کے لیے ہی سہی للّی! ہمیں کرسمس منانا چاہیے۔ ویسے ہی جیسے ماما کو پسند ہے۔'' جینفر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''تم جو چاہتی ہو کرو مما! تمھیں بھی حق ہے۔'' للّی نے اپنے گولڈن بالوں کی چٹیا پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور لنگڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

''کون جانے کس کو کیا حق ہے للّی!'' جینس نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''اور کوئی حق دار ہے بھی کہ نہیں۔''

......✿......

''تمھارے ڈیڈی نے تو کمال عجیب کام کیا۔ میں نے ایسی مثال پہلے کبھی نہیں سنی۔'' آفتاب جمیل کے بارے میں تازہ ترین خبر سن کر رباب نے اسفند سے کہا تھا۔

''یہ کمال عجیب کام نہ کرتے تو ان سے کروالیا جاتا۔'' اسفند نے کہا۔ ''ہم انسانوں کے لیے حالات نے جگہ جگہ چوہے دان قسم کے ٹریپ لگائے ہوئے ہیں۔ بہت کم انسان اتنے ہوشیار ثابت ہوتے ہیں کہ ان چوہے دانوں سے بچ پائیں۔ صرف ایک غلط اسٹیپ، ایک غلط موومنٹ، ذہن کی رو میں ایک غلط ترکیب انسان کو سیکنڈز میں کسی ایک ٹریپ میں پھنسا سکتی ہے۔ میری ڈیڈی نے پلینیر بننے کے لیے لمبی جدوجہد کی اور مقدر کا ستارہ ان کے سر پر چمکتا رہا۔ مگر ان جیسا زیرک انسان جب ٹریپ میں پھنسنے پر آیا تو ایک سوہا پیرزادہ ہی ان کے لیے کافی ثابت ہوئی۔''

''کیا عمر بھر ان کا خواتین سے پالا نہیں پڑا ہوگا؟''

رباب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''بے شمار خواتین سے۔'' اسفند کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ تھی۔ ''مگر ممی کا ان پر اتنا ہولڈ تھا کہ انھوں نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں دی۔''

''اب کیا تمہاری ممی کا ہولڈ ختم ہوگیا تھا؟''

''اب انھوں نے اس ہولڈ سے نکلنے کی کوشش کی تھی، انھیں اسی طرح تو ٹریپ کیا گیا۔ کنویں کے مینڈک کی سی زندگی ترک کردینے کا مشورہ دے کر۔ انسان کی آنکھوں پر پٹی بھی اچانک ہی بندھ جاتی ہے۔''

اسفند نے کہا۔ ''خیر۔'' اس نے لمبا سانس لیا۔ ''میرے اپنے اندازے کے مطابق یہ اسی طرح ہونا تھا۔

ی کے لیے میرے دادا نے یقیناً کوئی ایسی دعا کی ہوگی جس کے صدقے اللہ نے انھیں یہ موقع دیا۔ اب دیکھو، یہ ت ان پر کتنی دیر طاری رہتی ہے۔ گوتم بدھ اپنی راجدھانی چھوڑ کر جنگلوں میں نکل گیا تھا۔ یہ میرے پاس آ گئے ۔اب انھیں نروان حاصل ہوتا ہے۔ یا نہیں۔ یہ دیکھنا باقی ہے۔''

''تم تو ایسے لگ رہا ہے جیسے انجوائے کر رہے ہو ساری صورت حال سے۔'' رباب نے حیرت سے اس کی ۔ دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں انجوائے نہیں کر رہا ہوں رباب!'' اسفند نرمی سے بولا۔ ''بات یہ ہے کہ زندگی کے ڈرامے کا کوئی سین ری شوٹ نہیں ہوتا۔ وہ جیسا بھی ہوتا ہے، اوکے ہوتا جاتا ہے۔ جب ہی ہم زندگی کے ڈرامے کے کسی بھی سین کو نہ آنے پر کینسل نہیں کر سکتے۔ اسے نکال نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہوتا تو ہم سب کی زندگیوں کے سارے ہی بالکل پرفیکٹ ہوتے۔ ایسا ہی ڈیڈی کے ساتھ ہوا۔ وہ اپنی غلطیوں کو اپنی زندگی سے نکال نہ سکنے کے غم میں مبتلا ۔اس کیفیت سے نکلنے کے لیے انھیں ابھی تھوڑا وقت درکار ہے۔ پھر وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ جیسے ممی اب تقریباً ہوچکی ہیں۔''

''کیا تمھیں کبھی وہ تمام آسائشات اور سہولتیں یاد نہیں آتیں، اسفند! جن کے تم بچپن سے عادی تھے۔ تمہاری زندگی بہت سوں سے بہتر سہی مگر اس جیسی تو نہیں جو تم گزار چکے ہو۔'' رباب نے پوچھا۔

''بہت یاد آتی ہیں۔ قدم قدم پر۔'' اسفند نے صاف گوئی سے کہا۔ ''مگر یہ راستہ میرا اپنا انتخاب کیا ہوا اگر میں یوں ڈیڈی سے علیحدہ نہ ہو جاتا تو شاید آج میں بھی اس سیٹ اپ کے اچانک اور الم ناک خاتمے پر ماتم ہوتا اور ہمارے پاس کوئی دوسرا آپشن موجود نہ ہوتا۔ اس راستے کے انتخاب نے مجھے مکمل تباہی سے بچایا ہے بومنٹ کی خوشی بھی عطا کی ہے۔ مجھے اب پتا چل رہا ہے کہ اپنی محنت اور تگ و دو سے جو کامیابی حاصل ہوتی ہے، مزا کیا ہوتا ہے۔ میں اب خود میں پہلے سے زیادہ اعتماد محسوس کرتا ہوں۔''

''پھر تم یوں مرجھائے اور تھکے ہوئے کیوں لگتے ہو؟'' رباب نے اپنے دل میں کئی دن سے اٹھتا سوال کیا۔

''یہ میرے اندر کے دکھ کی وجہ سے ہے۔'' اسفند نے سر جھکا کر کہا۔ ''مجھے آج کل ہر وقت شہری کے نہ ہونے تا تا رہتا ہے۔ اور وہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اس بچے کی زندگی کے تماشا بن جانے کا دکھ ہے ادل چاہتا ہے کہ میں آنے والے کل سے بھی پہلے اس تماشے کے سارے کرداروں کو گلے سے پکڑ لوں۔ مگر اس بات کا ہے کہ وہ پکڑائی نہیں دے رہے۔ ان تین چار باتوں میں الجھ کر میرا دل اور ذہن تنہائی کا شکار ہو ہیں۔ میں اپنی اس کیفیت پر قابو نہیں پا سک رہا۔''

رباب نے دیکھا، اسفند کے چہرے پر اضطراب تھا اور دکھ کی شدت کا ایک واضح احساس۔

''تم دل اور ذہن کی تنہائی کا شکار کیوں ہو رہے ہو؟'' کچھ دیر تک اس کے چہرے کی طرف دیکھتے رہنے کے ب نے کھنکھار کر کہا۔ ''کیا تمھیں محسوس نہیں ہوتا کہ کرب کے ان لمحوں میں کوئی دوسرا بھی ہے جو تمہاری کو سمجھتا ہے اور تمہارے لیے دعا بھی کرتا ہے۔ کوئی ایسا جس کے لیے تمہارا غم اس کا اپنا غم ہے اور تمہاری خوشی اپنی خوشی۔''

''وہ کون ہے، کون ہو سکتا ہے ایسا؟'' اسفند کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''میں......'' رباب نے اعتماد کے ساتھ کہا۔ ''اور کون؟'' اسفند نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے پر بے یقینی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اب اس موضوع پر میں خود بات کروں گی۔'' رباب نے مسکرا کر کہا۔ دیکھو...... میں نے کر دی۔''

''ٹھہرو، ذرا مجھے یقین کر لینے دو۔'' اسفند نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اسے ناممکن سمجھتا تھا ایسا ہی ہے تو میں کتنا احمق تھا۔''

''تھے یا ابھی بھی ہو؟'' رباب نے شرارت سے کہا۔

''نہیں۔ اب شاید مجھے میری عقل کی حفاظت کرنے والا ساتھی مل گیا ہے۔''

''شاید؟'' رباب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں یقیناً'' وہ مسکرا دیا۔ اسے بوجھل زندگی کچھ آسان ہوتی نظر آنے لگی تھی۔

......۞......

''یہ تو اب پہلے سے بہتر معلوم ہو رہے ہیں۔'' شاہنواز احمد کے کان میں کسی کی آواز پڑی تھی۔ انھوں آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ یہ چہرہ اجنبی نہیں تھا۔ مگر وہ کون تھا۔ وہ ذہن پر زور دینے لگے۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا میں کچھ دیر ان کے پاس رک سکتا ہوں۔'' وہ شخص ان کے ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔

''ابھی ان کی حالت زیادہ گفتگو سننے والی نہیں ہوئی۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ یہ مناسب نہ ہوگا۔''

''میں تو صرف ان کے قریب بیٹھ کر انھیں دیکھوں گا ڈاکٹر صاحب، میں ان کا دیرینہ دوست ہوں ا دوپہر کی فلائیٹ سے نیویارک جا رہا ہوں۔ پھر کسے پتا کب ملاقات ہوگی۔'' وہ شخص درخواست کر رہا تھا۔

''او کے۔ آپ پانچ منٹ ان کے پاس بیٹھ سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر کے اجازت دینے کی آواز ان کے کانو آئی۔

''کون ہے یہ شخص؟ کون سا دوست ہے میرا؟'' انھوں نے ایک مرتبہ پھر سوچا۔

''مجھے پہچانا شاہنواز؟'' ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ شخص ان کے سامنے آ گیا۔ ''ایسے تو نہیں پہچان پاؤ چلو یوں دیکھو۔'' اس نے اپنی آنکھوں سے چشمہ اور چہرے سے مونچھیں اتارتے ہوئے کہا۔ شاہنواز احمد کے میں جھماکا ہوا۔

''بھ...... بھ......'' انھوں نے بولنے کی کوشش کی۔

''درست پہچانا۔'' وہ شخص مسکرایا۔ ''یار! کمال کا حافظہ ہے جو ذہن کے مفلوج ہو جانے پر بھی نہیں گیا نے سوچا کہ اب جبکہ تمھیں اوپر لے جانے والی فلائیٹ کا ٹائم ہو گیا ہے کیوں نہ تم سے مل لیا جائے۔ آخری مرتبہ

شاہنواز احمد کو اس کا مسکراتا چہرہ مکروہ لگ رہا تھا۔

''تم نے دیکھا شاہنواز! تمہارا حال کیسا ہے اور ہمارا؟''

اس نے اپنی ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے کہا۔ ''اب میں آج تمھیں ایک اور راز کی بات بتاؤں نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔ شاہنواز کی نظر بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئی۔ ''وہ جو بچہ تھا نا، جس کے لیے نے کلیم کیا تھا۔'' شاہنواز احمد کی نظروں کی بے چینی بڑھ گئی۔

''وہ نہ تمہارا تھا، نہ آفتاب کا، وہ بچہ یاسین بھٹی کا تھا۔''

''اس حساب سے وہ تمہاری بیٹی کا ہاف برادر ہوا نا۔ تم خالی دھمکی سے ڈر گئے اور اس سے دست بردار ہ آفتاب اپنی عزت بچاتا رہا۔ آج کل بھی وہ یہ ہی کر رہا ہے۔ تمہاری بیٹی اور اس کے بیٹے کا ما بھی کیا ہی ا

جاتا تو۔ یاد ہے نا۔ شاہنواز! ایک مرتبہ تم نے کہا تھا کہ عزت بنانے اور عزت اچھالنے کے سارے گر مجھے آتے ریں اس کا ماسٹر ہوں۔ اب سناؤ بغیر دعوے کے ماسٹری کرنے والوں کا کمال زیادہ اچھا ہے یا تمہارا۔'' وہ ایک پھر زور سے ہنسا اور اپنی مونچھیں اور عینک چہرے پر جما کر واپسی کے لیے مڑا۔

''اور ہاں!'' اس نے جاتے جاتے رک کر کہا۔ ''اس بچے کا نام فیروز بھٹی ہے۔ یاد رکھنا۔ اگر تمہارا دل اسی اٹھ کر اسے شوٹ کرنے کو چاہ رہا ہے تو افسوس، تم تو موو بھی نہیں کر سکتے۔ شوٹ کیا کرو گے۔''

اس شخص کے مڑنے اور کمرے سے نکلنے کی آواز شاہنواز احمد کے کانوں میں آ رہی تھی اور ان کا دل ایک مرتبہ بے ربط انداز میں دھڑکنے لگا۔

......۞......

جس روز فراز ایک لمبے اور انتہائی تھکا دینے والے شیڈول سے فارغ ہوا تھا، اسی شام اسے ایک انتہائی اہم ی ایگزبشن میں شرکت کرنا تھی۔ وہ تھکا ہوا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا مگر منی باجی کا اصرار اسے اس فائیو اسٹار ہوٹل نعقد ہونے والی ایگزبیشن میں لے آیا تھا اور اس وقت وہ ''فاراز'' کے ڈسپلے کے قریب کھڑا وہاں آنے والوں والوں کے جواب دے رہا تھا۔ جب اس نے سارہ شاہنواز کو کسی کے ساتھ وہاں آتے دیکھا۔ کچھ دیر آرگنائزرز پاس رکنے کے بعد وہ اس کے ڈسپلے کے قریب آ گئی تھی۔

''مجھے فاراز سے ملنا ہے۔'' وہ کسی سے کہہ رہی تھی اور اس کی طرف رہنمائی ہونے کے بعد اس کے سامنے آ ڑی ہو گئی تھی۔

''سارہ، میں سارہ ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''سارہ!'' فراز نے دانستہ یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''سارہ شاہنواز، غالباً آپ سارہ شاہنواز ہیں۔ شاہنواز احمد ب کی بیٹی۔''

سارہ نے گہرا سانس لے کر اپنا بڑھا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ ''مجھے رباب نے تمھارے متعلق بتایا تھا۔ ہم پہلے ملے تھے، شاید تمھیں یاد ہو۔ ہم پنڈی جا رہے تھے۔''

فراز اس کے حافظے پر حیران ہو رہا تھا۔ ''جی، جی مجھے بالکل یاد ہے۔ مجھے تو وہ الفاظ بھی یاد ہیں جو آپ نے آٹوگراف دیتے ہوئے لکھے تھے۔''

''زبردست......!'' سارہ نے تعریف کی۔ ''اس وقت غالباً تم میرے فین تھے۔ اب میں فین ہوں۔''

فراز اس کی بات پر چونک گیا۔ ''آپ فین ہیں کس کی؟ اس جیولری ڈیزائننگ کی؟''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''تمہاری شخصیت اور کردار کی، اور اس شخص کی جس نے تمہاری یت اور کردار کی تعمیر کی۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ......'' فراز نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں، میں اس روز ہدایت اللہ صاحب سے ملی تھی۔ میں اپنی فیلنگز کو بیان نہیں کر سکتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ا چند ہی دنوں میں اپنی سوچ میں ایک واضح فرق محسوس کرتی ہوں۔''

فراز کے لیے یہ ایک غیر متوقع اور انوکھی صورت حال تھی اور وہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ جگہ اس قسم کی گفتگو کے لیے ی مناسب نہیں تھی۔

''میں دراصل یہاں کچھ مصروف ہوں۔'' اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میں یقیناً آپ سے ایک تفصیلی

ملاقات کا خواہش مند ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں نیچے کیفے میں بیٹھتی ہوں۔ تم جب کچھ فارغ محسوس کرو خود کو تو آ جانا۔" سارہ کی مسکراہٹ خاصی دوستانہ تھی۔

اس کے بعد فراز اپنے کام میں مصروف ہونے کے باوجود اس میں دل نہیں لگا پا رہا تھا۔ وہ کافی عرصے سے سارہ شاہنواز سے ملاقات کرنا چاہتا تھا اور اب جو یہ موقع اس کے ہاتھ آیا تھا تو وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے منی باجی کو ایک سائیڈ پر لے جا کر کچھ دیر کی رخصت مانگی اور نیچے چلا آیا۔

"میں تم سے ملنے کی خواہش مند تھی مگر رباب نے مجھے بتایا تھا کہ تم اپنے امتحان وغیرہ میں مصروف ہو۔ میں نے سوچا، بڑے لوگوں سے ملاقات کے لیے انتظار تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"آپ ایگزجوریٹ کر رہی ہیں۔ میں کوئی ایسی بڑی شخصیت نہیں ہوں۔"

"میں نے بڑی شخصیت آنے والے وقت کے حوالے سے کہا ہے جب تم ایک اہم محکمے میں اہم افسر بن جاؤ گے۔" سارہ نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میں شاید اس روز ان کے سامنے اعتراف کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔ مگر حقیقت ہے کہ ماسٹر صاحب ایک باعلم اور باعمل شخصیت ہیں۔"

"مجھے اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنی تھی۔" پھر فراز نے جھجکتے ہوئے کہا اور کچھ بتانا شروع کیا۔ وہ منی باجی سے آدھے گھنٹے کے لیے آف ہونے کا کہہ کر آیا تھا اور جب اس کی بات ختم ہوئی اسے کیفے میں آئے دو گھنٹے گزر چکے تھے اور اس کا موبائل منی باجی کی دس مس کالز ریکارڈ کر چکا تھا۔

......۞......

"وہ خاصا امپروو کر چکے تھے مگر آج سے چار دن پہلے ان کی طبیعت اچانک بگڑنے لگی۔ اب بھی ان کی رپورٹ نارمل نہیں ہے، یہ کبھی اچھی ہو جاتی ہے اور کبھی خاصی خراب۔ تم نے اچھا کیا جو تم اب پہنچ گئیں۔ ویسے تم اتنے دن رہیں کہاں؟" ڈاکٹر سلطان سارہ سے کہہ رہے تھے۔

"یہ صرف اچھا نہیں، یہ بہت اچھا ہے۔"

ڈاکٹر کلیم نے لقمہ دیا تھا اور شاہنواز احمد کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سارہ مسلسل سوچ رہی تھی کہ اس نے اپنے ڈیڈی سے کبھی نہ ملنے کا جو دعویٰ کیا تھا وہ کیسے ختم ہوا تھا اور کیا اس روز اپنے ڈیڈی کے متعلق جو کچھ وہ جانتی تھی، اس سے پہلے کیا وہ اتنا ہی ان کے متعلق جانتی تھی۔

......۞......

"لے بھئی، اب تیرا امتحان ختم ہو گیا۔ اب گاؤں چلنے کی تیاری کر۔ ادھر وہ سب لوگ بڑے اداس ہیں اور ادھر ہم بھی بہت اداس ہیں۔ تیرا تو پتہ نہیں، اپنا بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں بڑا اداس ہو گیا ہوں اپنے ماحول اور اپنے لوگوں سے دور بس بڑا رہ لیا ادھر۔" ماسٹر جی فراز سے مخاطب تھے۔

"میں بھی بہت اداس ہوں۔ ماسٹر جی!" فراز نے کمرے کی بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔ "مگر جانے سے پہلے چند ضروری کام نمٹانا باقی ہیں ماسٹر جی! وہ نمٹا لیں پہلے۔"

"او بس کر یار! کام تو کبھی ختم نہیں ہونے۔ انھیں نمٹاتے نمٹاتے تو عمر گزر جاتی ہے۔ بس تو سامان باندھ اور چلنے کی کر۔"

"چلیں گے ماسٹر جی! ضرور چلیں گے۔" فراز نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "آج تو آپ ذرا تیار ہو

جائیں، آج کچھ لوگوں سے ملنے جانا ہے۔"

"او رہنے دے، مجھے نہیں ملنا شلنا کسی سے۔" ماسٹر جی نے ناراض لہجے میں کہا۔

"لیکن لوگوں کو تو آپ سے ملنا ہے نا۔ آپ بس تیار ہو جائیں۔ سفید شلوار قمیص اور کلاہ میں نے نکال کر رکھ دیا ہے۔ اسفند بھائی سے گاڑی منگوائی ہے۔ آج بہت سے کام نمٹ جائیں گے۔ پھر کل یا پرسوں چلیں گے بستی۔"

"کل یا پرسوں سے آگے نہیں جانا پھر۔" ماسٹر جی مجبور سے لہجے میں بولے۔ "او یار! میں ادھر اجنبی ہوں، اجنبی ہی رہوں گا۔ مجھے اپنوں میں جانے دے اب۔"

"جا رہے ہیں ماسٹر جی! اپنوں میں ہی جا رہے ہیں۔" فراز نے کہا تھا مگر ماسٹر جی نے اسے اس کی دی ہوئی تسلی سمجھ کر دھیان نہیں دیا تھا۔

وہ کافی دنوں کے بعد اس کمرے کی دنیا سے باہر نکلے تھے اور ان بلند عمارتوں، مصروف سڑکوں اور بھاگتے دوڑتے لوگوں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو رہا تھا اور دکھی بھی۔

"یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ ملک ترقی کر رہا ہے اور ترقی کی اس دوڑ میں سب لوگ مصروف ہیں۔ مگر یہ سوچ کر دکھی ہو جاتا ہوں کہ ہر بندہ بہت ہی مصروف ہے۔ کسی کے پاس اپنے لیے بھی وقت نہیں ہے۔" انھوں نے یہ دیکھتے ہوئے فراز سے کہا تھا۔ فراز ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"اس اتنی مصروف دنیا کے ساتھ چلنے کے لیے اتنا ہی مصروف ہونا پڑتا ہے ماسٹر جی اور جو بندہ ایک مرتبہ اس میں کھپ جاتا ہے۔ اس کا اس سے باہر نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے فراز احمد تو اس میں کھپ نہیں گیا۔"

"اس میں کھپ جانے سے بچنے کی ریاضت میں ہی تو تھکن سی محسوس ہونے لگی ہے ماسٹر جی۔" فراز نے کہا۔

"وہ جو مس صاحب اس روز آئی تھی رباب بی بی کے ساتھ، وہ کہہ رہی تھی کہ تو فلرٹ شلرٹ بھی کر لیتا ہے کسی سے۔" ماسٹر جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"توبہ استغفار ماسٹر جی! اللہ کا خوف کریں، یہ غلط اطلاع آپ کو کس نے دی؟" فراز نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"اسی بی بی نے اور کس نے، وہ کہہ رہی تھی کہ تو اس کے سامنے بس والی کسی لڑکی سے فلرٹ کر رہا تھا۔ بچو جی دیکھ، مجھے کیسے خبریں مل جاتی ہیں۔" ماسٹر جی دانستہ اسے تنگ کر رہے تھے اور فراز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس بات کی وضاحت کیسے کرے۔ وہ یونہی اس کے ساتھ مذاق کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔

"ویسے باؤ صاحب! ہم جا کدھر رہے ہیں۔ اتنا تو بتا دیں، اسفند باؤ صاحب کی طرف یا کہیں اور۔"

"ابھی پتا چل جاتا ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔" فراز نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ لیں بس ہم پہنچ ہی گئے۔" ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا۔

ماسٹر جی نے اترنے سے پہلے اپنے قریب رکھی نیلی پگڑی اٹھائی اور چشمہ صاف کر کے آنکھوں پر لگایا۔ گاڑی سے باہر نکل کر انھوں نے کپڑے درست کیے اور پگڑی سر پر رکھنے کے بعد سامنے دیکھا۔ ان کی نظر دھندلانے لگی تھی۔ وہ شہر کے بڑے کارڈیک سینٹر کے سامنے کھڑے تھے۔

شاہنواز احمد کے اٹینڈنگ اسٹاف نے ان سب چہروں کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا جو شاہنواز احمد کو دیکھنے کے لیے آئے۔ ایک کم صورت سانولی عورت، ایک ٹانگ سے محروم یورپین نقش و نگار کی حامل کم عمر لڑکی اور ایک سفید

شلوار قمیض نیلے رنگ کی کلاہ پہنے بزرگ۔ اس سے پہلے وہ شاہنواز احمد کی بیٹی کے اچانک ان کے پاس آنے پر حیر تھے۔ وہ اتنے عرصے سے بیمار تھے اور ان کی بیٹی اس وقت انھیں دیکھنے آئی تھی اتنے عرصے کے بعد اور اب یہ نئے چہرے۔ سسٹر ماریہ نے دیکھا کہ سارہ جو پہلے سے کمرے میں موجود تھی اس نے آگے بڑھ کر ان تینوں کا استق کیا تھا۔ وہ بہت احترام اور محبت کے ساتھ ان بزرگ کے گلے لگی تھی اور اس نے ان دونوں خواتین کو بھی احترام ساتھ کمرے میں موجود سیٹی پر بٹھایا تھا۔

''فراز احمد! تو نے یہ اچھا نہیں کیا۔'' بزرگ نے اس لڑکے سے کہا تھا جو پہلے بھی کئی مرتبہ ادھر آ چکا تھا اور ماریہ کو بہت اچھا لگتا تھا۔

''میں اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں ماسٹر جی! مگر یہ بہت ضروری تھا۔ ایک التجا، ایک خواہش، ایک خوشی میں مضمر ہے اور آپ نے مجھے یہ سبق تو کبھی نہیں پڑھایا کہ کسی کی التجا، خواہش اور خوشی پوری کرنے پر قادر ہوں تو پ نہ کروں۔''

''صرف آپ ہی کو نہیں ہم سب کو ہی شاید دل پر پتھر رکھنے پڑے ہیں اور ہم سب ہی آزمائش میں پڑ ہیں۔ مگر سب تجزیے اور سارے احتساب یہ ہی کہتے ہیں کہ بے بس انسان سے کیسی لڑائی؟ ہم سب صحت مند اپنی موومنٹس پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ کیا ہمیں یہ زیب دیتا ہے کہ ہم ایک بے بس انسان سے جنگ کریں اور اسے ا آخری خوشی دینے سے گریز کریں، مجھے تو اس سوچ کی طرف آپ نے ہی لگایا ہے اور آپ خود اس پر ناراض ہو ہیں۔''

سارہ نے ماسٹر جی کا ہاتھ دباتے ہوئے رسان سے کہا۔ ماسٹر جی نے ایک بے بس نظر جینس ڈی سو ڈالی۔ جس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور ناک سرخ، وہ اپنی سسکیوں کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ انھوں نے لا جانب دیکھا جس کے چہرے پر اضطراب تھا اور کرب بھی۔ انھوں نے سارہ کو دیکھا جو بھیگی آنکھوں کے ساتھ رہی تھی۔ پھر انھوں نے نظر اٹھا کر دائیں جانب کھڑے فراز کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر اطمینان اور آ تھی۔

''یہ سب اسی کی کوششوں کا تو نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سارے سلسلے جوڑنے کا وسیلہ بنا دیا۔ اگر اللہ منظور نہ ہوتا تو اس کہانی کے تمام کرداروں سے صرف اسے ہی کیوں ملاتا۔ یہ کون ہے اس کہانی میں؟ اس کا کیا ہے؟'' انھوں نے سوچا۔ ''لیکن اگر یہ اتنے رازوں کا بوجھ اٹھاتے اپنی سعی میں لگا رہ سکتا ہے اور اپنی توفیق کے م خوشیاں تقسیم کرنے کی خواہش کر سکتا ہے تو پھر ہم کون ہیں۔''

ان کے دل کی خلش یک دم ہی غائب ہو گئی اور انھوں نے ایک ڈری ہوئی نظر اپنے سامنے بیڈ پر آ مونڈھ کر لیٹے شخص پر ڈالی۔

……✿……

''وہ ایک نہیں کئی انسانوں کا قاتل ہے جی، وہ تو پوری انسانیت کا قاتل ہے۔''

''اچھا جی، اوئے الو کے پٹھے ایک دن پہلے تک تو تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ وعدہ م بننے کا کہہ کر بھی مکر گیا تھا، اب اچانک یہ کایا کیسے پلٹ گئی تیری حرام خور۔''

''یہ آپ نے ٹھیک کہا جی، بالکل ٹھیک کہا، میں حرام خور ہوں جی، میرا باپ یاسین بھٹی کا دوست تھا جی؛ بھٹی کے دھوکے میں کسی نے اس کو گولی ماردی تھی بڑے سال پہلے، اس وقت مجھے یاسین بھٹی نے ''رکھ'' لیا

ز کے ساتھ پڑھتا تھا۔ یاسین بھٹی نے میرے باپ کا سارا پیسہ اپنے قبضے میں کر لیا اور مجھے ''رکھ'' لیا اس وقت ، میں حرام ہی کھا رہا ہوں جی، آپ نے مجھے حرام خور کا نام بالکل ٹھیک دیا۔''

''اب تیری زبان ہی بدل گئی ہے (موٹی گالی) تو نے ہمارے اور پور گھما دیے ہیں۔ بڑے بڑے افسروں کا ہمارے سر پر، دیکھو جی ہم ان دونوں باپ بیٹوں کے خلاف کوئی پکا ثبوت ہی نہیں پکڑ سکے اس حرام خور کی ہڈیاں ں چھوڑیں، یہ کچھ بکتا نہیں، ہماری تو نوکریاں داؤ پر لگ گئی ہیں۔ دوسری طرف ان بھٹیوں کا گروپ کہتا ہے ہاتھ ڈالنا، ہاتھ مت ڈالنا، او گند ڈال لیتے ہیں معاشرے میں، ایک دوسری کی شہہ پر، پھر کہتے ہیں یہ گند پولیس کو بنا ہے ہم ان کے کوڑے اٹھا اٹھا کر پارسلوں میں بند کر کے اوپر سیل بند مہریں لگاتے عمریں گزار دیتے ہیں، پھر کسی ل کے بارے میں حکم آتا ہے، اس کی مہر توڑ دو اور پبلک کے سامنے لاؤ، کوئی ان سے پوچھے پبلک، بے چاری کو الینا دینا، ان پارسلوں کے مواد سے، اسے تو اپنے تھوم گنڈے (لہسن پیاز) کی پڑی ہے، وہ ان کا سیاپا کیوں ے گی۔''

''سر جی! آپ تو خود تنگ ہیں، آپ میرا قصہ کاہے کو سنیں گے۔''

''او ممیں، ممیں تو بک جو بکنا ہے تو نے، ان کاغذوں کا پیٹ بھر کر او پر والوں کو خبر بھی تو سنانی ہے کہ جی ہم نے ں میں بلی بند کر لی ہے، اوئے رشید، لکھ اس ککڑ کا بیان، ذرا دھیان سے، اس کا بیان ہر دوسرے دن بدل جاتا ہے۔ سیاسی لیڈر ر تو دیکھو۔''

''میں حرام پر پلتا رہا جی، حرام کھا کھا کر مجھے حلال کی تو عادت ہی نہیں رہی، حلال کا ذائقہ بھول گیا، لیکن میں ، سنا ہے کہ میری نانی بڑی نیک عورت تھی۔ شاید اس کی نیکیوں کا اثر ہے کہ میں اتنی مار کھا کر بھی حرام کا نمک حلال نے کی کوشش کرتا رہا، اتنے دن اور میں ایسا ہی کرتا رہتا جی جو میرے لیے وہ زہر نہ آتا، جوان انکل نے مجھے کل ایا۔ میں تو جی یہ سن کر ہی خوش ہو گیا تھا کہ میرے سابق آقاؤں نے میرے لیے روٹی پانی بھجوایا ہے، اس روٹی انے تو میری آنکھیں کھول دیں، میں اتنے دن آپ کے ساتھ مسخریاں کرتا رہا، فراڈ کرتا رہا، مجھے پتہ تھا کہ میرے ، امداد کی کمک اوپر سے آرڈر کے طور پر پہنچنے ہی والی ہے۔ ہاہاہا، میرے جیسے منتظرین کو ایسی امداد ملتی ہے، یہ مجھے کل پتا چلا جب وہ زہر ملا کھانا مجھے ملا۔''

''دوسری طرف کا دباؤ اتنا شدید نہ ہوتا بد بخت تو تو نے اب تک پولیس مقابلے میں پار ہو چکے ہوتا تھا، شکر کر ف پارٹی بھی بڑی بھاری ہے۔''

''پتہ ہے سر جی، بڑی اچھی طرح پتہ ہے، یہ خالی اسفند یار کا کام نہیں، کوئی اور بھی ہے اس کے ساتھ۔''

''یہ کوئی اور ہی ہے بچو جی' اسفند یار تو صرف اس کے ساتھ ہے۔''

''او جو کوئی بھی ہے سر جی' ہمیں کیا فرق پڑتا ہے' ہمارے جیسے یتیموں' مسکینوں نے تو مہرہ ہی بننا ہوتا ہے اس کا ں کا۔''

''او تو پھر باتوں میں الجھا رہا ہے' جو بکنا ہے تو بک اب مہرے کے بچے۔''

''بک رہا ہوں سر بک رہا ہوں ود ریفرنس ٹو دی کونٹیکسٹ (سیاق و سباق) کے ساتھ لکھیں انکل جی لکھیں میں نے لگا ہوں۔''

''مجھے مسکن دوائیاں کھلا کر سلایا جاتا ہے اور کیونکہ میں سارا دن کوئی کام نہیں کرتا ہوں اس لیے اس بیڈ پر ے پڑے اور کبھی کبھار وہیل چیئر پر بٹھائے جانے پر بھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں سوتے جاگتے والی کیفیت میں

ہوں۔ میں سو رہا ہوتا ہوں، تب بھی اور جاگتا ہوں تب بھی مجھے کچھ مخصوص چہرے نظر آتے ہیں۔ وہ چہرے جنھیں مجھ سے یا مجھے جن سے جدا ہوئے زمانے بیت گئے۔ کبھی کبھی تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ چہرے یہاں کہیں ہی موجود ہیں میرے اردگرد، میرے بہت قریب پھر محسوس ہوتا ہے کہ وہ تو کہیں نہیں ہیں، وہ تو محض واہمہ ہیں صرف التباس یہی اس وقت بھی ہو رہا ہے۔ آنکھ بند کرتا ہوں تو وہ چہرے نظر آتے ہیں، کھولتا ہوں تو ان کو سامنے موجود پاتا ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ میرے قریب بہت ہی قریب ایک نیچے اسٹول پر سارہ بیٹھی ہے۔ مجھے اپنے چہرے پر اس کے ملائم ہاتھ کا نرم احساس محسوس ہو رہا ہے۔ میرے کان اس کی مانوس آواز سن رہے ہیں۔"

"آنکھیں کھول کر دیکھیے ڈیڈی، کون آیا ہے۔" اتنی شیریں، اتنی میٹھی، اتنی نرم آواز، اتنے نرم الفاظ، سارہ کو اس لہجے میں بولتے سنے تو قرن بیت گئے۔ جب ہی تو میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ محض وہم ہے صرف التباس۔

پھر آنکھیں کھولنے پر سامنے ایک اور مانوس چہرہ نظر آتا ہے۔ اوائل عمری کا زمانہ یاد آتا ہے۔ جب عقل کا یہ حال تھا کہ شراب کی ایک بوتل پر دل کے سودے کر لیتی تھی۔ وعدے وعید بھی کرتی تھی اور عشق فسوں خیز کے دعوے بھی، نہ شکل دیکھتی تھی نہ روایت نہ مذہب اور جب طلب پوری ہو جاتی تو پوری کرنے والے کو ردی مال کی طرح یوں پھینک دیتی جیسے اس سے حقیر چیز کوئی دوسری نہ ہو، یوں کہ جب کبھی بھولے سے اس کا خیال آتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے حلق کڑوا ہو گیا ہو۔

نوسرین کلثوم! تم اپنا چہرہ میری آنکھوں کے آگے سے ہٹا لو، تمہارا چہرہ میری نظروں کے سامنے آتا ہے تو میرے ضمیر کا تازیانہ مجھے اتنے زور سے کوڑے مارنے لگتا ہے کہ میں درد کی شدت سے بے حال ہو جاتا ہوں۔

اور یہ ایک اور چہرہ ہے جو مجھے آج نظر آ رہا ہے شاید پہلی مرتبہ، گوری رنگت، نیلی آنکھیں، سنہرے بال، یہ چہرہ کتنا سادہ ہے اور کیسا صبیح مگر یہ چہرہ کس کا ہے۔ سوچتے سوچتے یاد آیا ہے کہ سنا تھا کہ نوسرین کی جو بیٹی ہے وہ ایسی ہی شکل رکھتی ہے۔ مگر یہ مجھے کیوں دکھائی دے رہی ہے۔ شاید بیتے دنوں کی ایک یاد بن کر یہ چہرہ بھی میرے گناہگار دل کی کسک بننا چاہتا ہے۔ پلیز لڑکی، تم اپنا چہرہ ہٹا لو کوئی دم جاتا ہے کہ میرا دم بند ہو جائے۔

اور وہ چہرہ بھی جو پل پل یوں بھی نظروں کے سامنے اور دل کے اندر رہتا ہے اور اپنی جھلک دکھاتا ہی رہتا ہے۔ دیکھو تو کیسا صاف نظر آ رہا ہے اس وقت یوں کہ میں اپنے مفلوج ہاتھ کو ہلا سکوں تو اس کو چھو لوں۔ لیکن اگر التباس ہے تو پھر ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ اس چہرے پر وقت نے اپنا اثر چھوڑ دیا ہے۔ یہ عمر میں پہلے سے کہیں زیادہ کیوں دکھائی دے رہا ہے۔ ارے یہ میرا دل پھر کیوں بے قابو ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔ میری نظریں مدد کی طلب میں ادھر ادھر کیوں گھوم رہی ہیں اور یہ ادھر اُدھر گھومتے میری نظریں اس چہرے پر کیوں جا رکی ہیں جس سے یہ عرصے سے مانوس ہیں اور جس کی منتظر رہتی ہیں ہر پل۔ یہ چہرا مسکرا رہا ہے اور ان آنکھوں کی چمک مجھے کس بات کا یقین دلا رہی ہیں فراز احمد! تم بھی محض التباس ہو یا تم واقعی ہو۔ اگر ہو تو میرے قریب آؤ مجھے اپنے ہونے کا یقین دلا دو یار! شاید میرے بے قرار دل کو سکون آ جائے۔ یہ میرا برف ہوتا ہاتھ کس نے تھاما ہے۔ ارے میں نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو یہ سب چہرے مجھے خود پر جھکے ہوئے کیوں دکھائی دیتے ہیں۔ ان سب کی آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں اور یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آوازیں، آوازیں سب آوازیں گڈمڈ ہو رہی ہیں یہ سب آوازیں مانوس ہیں مگر الفاظ میری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہے۔"

......۞......

ماسٹر جی کے چہرے پر وہی مخصوص تاثر تھا۔ جس سے معصومیت جھلکتی تھی۔ مگر ان کے چہرے کا رنگ زرد
ا۔ اپنے عین سامنے بیڈ پر دراز شخص کو انھوں نے کتنے عرصے کے بعد دیکھا تھا۔ اس شخص کے بازو میں لگی ڈرپس اور
ینے پر لگی ٹیوبز کو دیکھتے ہوئے انھوں نے سوچا تھا۔ انھیں ہسپتالوں کے ماحول اور مریضوں کی حالت دیکھ کر ہمیشہ
ے گھبراہٹ ہوتی تھی، اسی لیے کسی دوست، تعلق دار کے بیمار پڑنے اور ہسپتال داخل ہونے پر وہ کسی اور کے توسط
ے اپنے نیک جذبات پہنچا دیتے تھے خود وہاں نہیں جاتے تھے۔ مگر اب فراز احمد انھیں بغیر بتائے یہاں لے آیا تھا،
رید سہولتوں اور جدید ٹیکنالوجی سے لیس ملک کا ایک بڑا ہسپتال اور اس کمرے کے بیڈ پر موجود مریض ان کا کون تھا،
وں نے ڈرتے ڈرتے اس کی جانب نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"بہت زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا تھا۔" انھوں نے سوچا۔ وہ ایک خوف زدہ بچے کو یزمان منڈی سے اٹھا کر بستی
ال پورے کر آئے تھے اور اپنا تمام علم، تمام توانائیاں اس بچے کی نشوونما پر صرف کرنے لگے تھے۔ انھوں نے اسے
یا کے بڑے لوگوں کی مثالوں کے سائے میں پروان چڑھانا چاہا تھا۔ خدا کے احکامات، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
ہنمائی، پیغمبروں کی زندگیاں، ولیوں کی ریاضت، گوتم کا گیان، کنفیوشس کا فلسفہ زرتشت اعظم کے نظریات، ادب
ے خزانے، سپہ سالاروں کے کارنامے انھوں نے اس کے لیے ایک صاف اور سیدھا راستہ بنانے کے لیے کہاں
ہاں سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسے بڑا آدمی بنانے سے زیادہ بڑا انسان بنانا چاہتے تھے،
ت کچھ کھونے کے بعد کچھ پانا چاہتے تھے۔ مگر اس بچے کو بڑا انسان بننے سے زیادہ بڑا آدمی بننے میں دلچسپی تھی اور
ا آدمی بننے کے لیے اس نے انھیں چھوڑ دیا۔ وہ آدمیوں کی دنیا کا باسی بن گیا اور اپنی بستی کا باسی بناتے بناتے
میوں نے اس کا یہ حال کر دیا۔ اس بستی کے اصول، نظریات، طریقے سب ہی کچھ مختلف تھا۔ وہ اصول سیکھتے
ریات اور طریقے اپناتے اپناتے وہ اس عمر کو پہنچ گیا تھا اور ماسٹر جی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لمحوں گھنٹوں، دنوں،
ہنوں اور سالوں میں خود ان سے بھی کہیں آگے چلا گیا تھا۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑا لگ رہا تھا۔ وہ کیسا کمزور،
درد اور شکستہ نظر آ رہا تھا۔ ان کا دل چاہا وہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اسی قسم کا منظر دیکھنے سے بچتے تھے۔
انھوں نے بے بسی کے عالم میں فراز کی طرف دیکھا۔ وہ ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کے محسوسات کو

سمجھ سکتا تھا۔

''یہ ایسے ہی ہیں ماسٹر جی، آپ ہمت اور حوصلے سے کام لیں۔'' انھیں لگا اس کی نظریں ان سے کہہ رہی تھیں۔

......۞......

''یہ دیکھو بھلا کب میں نے سوچا تھا کہ یوں کبھی تم سے آمنا، سامنا ہوگا۔ میں نے تو ایک عمر اس مختصر عرصے کو بھلانے کی کوشش میں گزار دی جو تمھارے ساتھ گزرا اور قریب سے گزرتی ہوا کو بھی پتہ چلنے نہیں دیا کہ میرے دل پر کیا بیتتی رہی، وقت کی دھول تلے دبے میرے دل نے کب سوچا تھا کہ یہ وقت بھی آئے گا جو تم اس طرح بے بس پڑے ہو گے اور میں تمھارے دل کے دلاسے کے لیے تمھارے سامنے لائی جاؤں گی۔ یہاں آنے سے پہلے میں سوچتی رہی کہ اتنے برسوں بعد تمہارا سامنا کیسے کروں گی۔ میں نے اپنے دل کو ٹٹولا کیونکہ مجھے یاد تھا کہ اس میں تم سے بہت سے گلے تھے، ڈھیروں شکوے تھے، مگر اپنا دل ٹٹولنے پر مجھے معلوم ہوا کہ اوپر والے نے اس میں ایسا کوئی احساس باقی رہنے نہیں دیا۔ کیوں؟ یہ میں ٹھیک سے نہیں بتا سکتی۔ شاید تمہاری اس آمد کے سبب جو اسی طرح کی بے بسی کے عالم میں میرے مبتلا ہونے پر تمہاری ہوئی تھی۔ شاید اس نیکی کے جس نے مجھے ایک مرتبہ پھر سے زندہ اور مکمل انسانوں کی سی زندگی عطا کر دی۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید خدا کو تمہاری بخشش منظور ہے جب ہی اس نے تمھارے لیے ایسے سبب بنا دیے کہ وہ سب جو تم سے خفا تھے، اور جن کا دل تم نے توڑا تھا، خود سے تمہاری طرف لوٹ آئے ہیں۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے تمہاری بیٹی کہ ایک بے بس اور مجبور انسان سے کیسی لڑائی؟ تمھیں بیمار اور کمزور دیکھ کر مجھے کتنا دکھ ہو رہا ہے اور یہ دکھ محسوس کرتے ہوئے میں سوچ رہی ہوں کہ رویے مردہ ہو جاتے ہیں، مذاہب کے تفاوت لوگوں کو ایک دوسرے سے دور رکھ سکتے ہیں، تعلقات ختم ہو جاتے ہیں مگر انسانیت شاید انسانیت کبھی نہیں مرتی۔'' جینس ڈی سوزا عرف نسرین کلثوم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا۔

......۞......

''واہ گرینی! تم نے میرے بچپن سے لے کر اب تک میرے جس باپ کو حرام جادہ، سن آف اے باسٹرڈ، بلڈی کرمنل اور نجانے کیا کیا کہتی رہیں اور جس کے خون کو گندا خون، غلیظ کہتی رہیں وہ کتنا بڑا آدمی ہے تم آ کر کبھی دیکھو تو یہ کس ٹھاٹ سے اتنے بڑے ہسپتال میں قابل ترین ڈاکٹرز کے زیر علاج ہے، تم دیکھو تو تمھیں بے اختیار بے بسی کا وہ عالم یاد آ جائے جو ہم پر اس خیراتی ہسپتال میں آیا تھا۔ اگر کسی ایسے حادثے کا شکار میں اس شخص کی بیٹی کی حیثیت سے ہوتی تو کیا آج میرا یہ حال ہوتا۔

تم جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ میرے باپ ہو۔ کتنے ڈیسنٹ، کتنے سوبر اور کسی بڑے آدمی جیسے دکھتے ہو۔ تم اتنا عرصہ کہاں رہے، تم نے مجھے یوں لاوارث کیوں چھوڑ دیا۔ تم نے میری ماں کو تنہائی اور خود ترسی کی زندگی کیوں عطا کی یہ کیوں کیا، وہ کیوں کیا، نجانے کتنے بے شمار سوال ہیں میرے دل میں اور کتنی محرومیاں ہیں جو شعلہ زن ہو کر کچھ کہنا چاہتی ہیں، مگر تم تو اتنے بے بس نظر آ رہے ہو کہ نہ بول سکتے ہو، نہ ہل سکتے ہو اور مصنوعی زندگی گزارتے معلوم ہوتے ہو۔ تم سے کیا گلہ کروں کیا شکوہ کروں۔ کچھ عرصے سے ویسے بھی نجانے کیوں میرا دل مطمئن رہنے لگا ہے اسے اپنے حال میں جینا اچھا لگنے لگا ہے اور زندگی سکون پذیر ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔'' للی ڈی سوزا کا چہرہ مطمئن اور پرسکون نظر آ رہا تھا۔

......۞......

''دیکھ لیں ڈیڈی! آپ کتنے لکی ہیں۔ آپ اتنے خوش قسمت ہیں ڈیڈی! کہ میں جن لوگوں کو اپنے سامنے اس وقت دیکھ رہی ہوں ان کے چہروں پر کوئی رنج، کوئی ملال، کوئی گلہ، کوئی شکوہ مجھے ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آ رہا۔ ہاں فکر ہے، غم ہے اور اندیشہ بھی ہے۔'' سارہ نے محبت بھری نظروں سے شاہنواز احمد کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا۔

''اور یہ تو یقیناً معجزہ ہے، کیونکہ میں خود اپنے متعلق سوچتی ہوں تو خیال آتا ہے کہ محض ایک ہفتہ پہلے تک میرا دل آپ کے لیے کیا محسوس کرتا تھا اور میں سوچتی تھی کہ کچھ بھی ہو جائے آپ کی شکل تک نہ دیکھوں گی۔ میرا خیال تھا کہ میری زندگی کے ہر بحران، ہر مصیبت، ہر دکھ اور ہر تکلیف کا باعث آپ تھے۔ مجھے اپنی شخصیت کی تمام کجیاں آپ کی پیدا کردہ لگتی تھیں۔ آپ کی شخصیت کا منفی تاثر میرے ذہن کے ساتھ چپک کر رہ گیا تھا اور اس منفی تاثر کا حصار اتنا مضبوط تھا کہ میں اس سے باہر نکل ہی نہیں پاتی تھی۔ مگر پھر مجھے تجزیے اور احتساب کرنے کی نصیحت کرنے والا وہ شخص مل گیا جس کے بارے میں پہلی ملاقات پر میں نے سوچا تھا کہ کون خوش نصیب ہوں گے جنھیں اس شخص کی شاگردی میسر آئی ہوگی، مجھے یہ تو خبر ہی نہ تھی کہ ہدایت کے اس سرچشمے سے جلا پانے والوں میں آپ کا نام سرفہرست ہے اور جس دن مجھے یہ علم ہوا، مجھے ایسے لگا کہ جیسے آپ سے میرا زندگی میں پہلی بار تعارف ہوا ہو۔ میں نے تجزیہ بھی کیا اور احتساب بھی۔ مجھے اعتراف ہے کہ حالات اور واقعات کا ایسا تجزیہ اور خود اپنا ایسا احتساب میں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اپنی جس ماں کے بارے میں جاننے کے لیے میں تمام عمر متجسس رہی اور یہ سوچتی رہی کہ میری مظلوم ماں یقیناً آپ جیسے فراڈ شخص کی کسی بے ایمانی کا شکار ہو کر مری ہوگی دراصل میری اس ماں کا تعلق اس بازار سے تھا جہاں حسن اور ادائیں بکتی ہیں اور طبلے کی تھاپ پر گھنگھرو بجتے ہیں، جہاں کے بھاؤ ہمیشہ چڑھے رہتے ہیں اور منہ مانگے ادا کیے جاتے ہیں تو یقین جانیے کہ مجھے للی ڈی سوزا پر رشک آنے لگا جسے کچھ عرصے پہلے اسٹیج کے سستے ڈراموں کی تھرڈ کلاس اداکارہ سمجھ کر میں حقارت کی نظر سے دیکھتی اگر کہیں وہ مجھے نظر آ جاتی، للی ڈی سوزا اور میں ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے باوجود درجے میں کتنے مختلف ہیں۔ وہ ایک ایمان دار، محنت کش، وفادار، سیدھی سادی صابر عورت کی بیٹی اور میں......؟ پل کی پل میں میرا سارا غرور ساری انا اور بد مزاجی ایک سستے مذاق میں بدل گئی۔ مجھ پر اپنا آپ ظاہر ہونے لگا ہم کس بات پر اکڑتے ہیں اور کس طرح اپنے کیے کا الزام دوسروں پر رکھ سکتے ہیں، کچھ حالات تو ہمیں قدرت کی طرف سے ملتے ہیں اور کچھ ہمارے اپنے پیدا کردہ۔ مجھے ایسا لگا جیسے خود اپنے آپ سے بھی میرا تعارف پہلی مرتبہ ہوا، اور مجھے اپنے اردگرد موجود ہر شخص پر ہی رشک آنے لگا۔ ہر کوئی جیسا بھی ہے اپنے متعلق سب جانتا ہے۔ ایک میں ہوں جو تمام عمر خود فراموشی کے عالم میں ایک کے بعد ایک غلطیاں کرتی رہی، دوستوں کو دشمن اور دشمنوں کو دوست سمجھتی رہی۔

اور اب تو ان سب کو آپ کے اتنے قریب دیکھ کر، آپ کے لیے اتنا متفکر دیکھ کر مجھے خیال آ رہا ہے کہ مجھ سے کہیں اچھے تو آپ رہے شاید اس لیے کہ آپ کے لیے بلاواسطہ وہ دل دعا کرتا رہا، جس کی عمر بھر کی ریاضت کا حصل آپ تھے اور جو اپنے من کی دنیا میں ایک ایسی جگہ بیٹھا ہے جہاں سکون ہی سکون ہے۔ ایسا مطمئن اور پرسکون دل جس کے لیے دعا کرے اس کی خوش قسمتی پر کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔'' سارہ نے سوچتے سوچتے سامنے دیکھا۔ راز بازو سینے پر باندھے دیوار سے ٹیک لگائے اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔

''اور اس سے زیادہ خوش قسمتی کی بات کیا ہوگی ڈیڈی! کہ قدرت اس لڑکے کو یہاں لے آئی اس شہر میں اور لا نے عرصے سے بچھڑے ہوؤں کو یوں ملا دیا۔ دلوں میں تفرقے اور دوریاں ڈالنے والے تو بہت ہوتے ہیں مگر دلوں کو ملانے والا، برائیوں اور خامیوں کی، غلط کرنیوں کی توجیہہ پیش کر کے ان کو نظر انداز کر دینے کی ترغیب دینے

والا تو کوئی کوئی ہی ہوتا ہے اور فراز کی خوش قسمتی یہ ہے کہ خدا نے اسے ایسے ہی کاموں کے لیے چنا ہے اور وہ بغیر کسی لالچ کے اپنے حصے کے تفویض کردہ کام کیے جا رہا ہے۔ زندگی اور دنیا کا یہ روپ میرے لیے نیا ہے، اس سے پہلے میرا ذہن اور میرا دل تو خدا کی اس کائنات اور اس کے بندوں کے لیے منفی باتیں ہی سوچتا رہا۔"

"ارے، یہ تو ان کی تو۔" سارہ کی سوچ اور محویت کو کمرے میں ابھرتی آوازوں نے توڑا تھا۔ اس نے چونک کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ ان پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی اور اس کے اردگرد بیٹھے سب ہی لوگ بے اختیار اٹھ کر ان کی طرف لپکے تھے۔ وہ سب ان پر جھکے ہوئے تھے اور ان کو پکار رہے تھے۔

"میں بی بی زینب بات کر رہی ہوں اسفند یار!" اسفند کے موبائل پر آواز آ رہی تھی۔ ایک لمبا عرصہ اتنی مصروفیت میں گزرا تھا کہ اسے بی بی زینب کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔

"جی بی بی جی! سنایئے، آپ کیسی ہیں۔" اس نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

"جیتے رہو۔" بی بی زینب کچھ عجلت میں لگتی تھیں۔ "بیٹا! مجھے صرف یہ کہنا تھا کہ آج شام کو جیسے بھی ہو سکے مجھ سے ملنے ضرور آؤ۔"

"خیریت بی بی جی۔" اسفند ان کے لہجے پر چونکا۔

"خیریت ہی ہے بیٹا! بہت ضروری بات کرنی ہے، خود آ نہیں سکتی۔ اس لیے تمھیں کہہ رہی ہوں۔"

"میں ضرور پہنچوں گا بی بی جی۔" اس نے کہا۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ بی بی زینب اسے جو بات سنانے والی تھیں وہ وہی بات تھی جسے سننے کا وہ ایک عرصے سے منتظر تھا اور جس کام کو وہ ناممکن سمجھ کر اس سے مایوس ہو چلا تھا، وہ اتنا آسان بھی ہو سکتا تھا۔

بی بی زینب کے گھر جو عورت موجود تھی وہ اس کے لیے مسرت کا پیغام تھی اور جو تمغہ اس نے اسے دیا تھا وہ انمول تھا۔ وہ اس پر اس عورت کا اور بی بی زینب کا جتنا بھی مشکور ہوتا کم تھا۔ اس روز رات گئے وہ بی بی زینب کے گھر سے واپسی کے لیے نکلا تھا۔ شاید ہی کسی نے اسے وہاں سے واپس جاتا دیکھا تھا۔ وہ کسی کو پتہ لگنے دینا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا فراز احمد مجھے اس کم نصیب کے پاس نہ لے جا، وہ ٹھیک ہوتا ہوتا پھر سے بیمار پڑ گیا، یوں کہ اس کے ڈاکٹر بھی حیران ہیں کہ اسے کیا ہوا۔" ہسپتال کے ویٹنگ روم میں بیٹھے ماسٹر جی نے اپنے سامنے کھڑے فراز سے گلہ کیا۔

"تو تو اپنی طرف سے اس کی خوشی کے لیے ہمیں یہاں اکٹھا کر کے لے آیا مگر تو نے دیکھا کہ اسے یہ خوشی چاہیے ہی نہیں تھی۔ وہ شاید ہم میں سے کسی کو دیکھنا چاہتا ہی نہیں تھا۔ جب ہی تو اس کا یہ حال ہوا۔" فراز کافی دیر سے ان کو اسی طرح کی گفتگو سن رہا تھا۔

"ماسٹر جی! آپ اس بات کے دوسرے پہلو کو کیوں نہیں سوچتے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے اتنے قریبی لوگوں کو اپنے اردگرد اکٹھا دیکھ کر اتنے خوش ہوئے ہوں کہ ان کے کمزور دل سے یہ خوشی پوری طرح منائی نہ گئی ہو۔ یہ شاید صرف میں ہی جانتا ہوں کہ وہ اس منظر کو دیکھنے کی خواہش ہی میں مبتلا ہو کر اس طرح بیمار پڑے ہیں، میں نے آپ سے ان کی نظروں کی التجا کا ذکر کیا تھا اس امید اس آس کا ذکر کیا تھا کہ آپ بغیر پیشگی اطلاع کیے اچانک یوں میرے

ں لاہور پہنچ گئے۔

میرے پاس بہت سی توجیہات ہیں جو میں پیش کر سکتا ہوں۔ مگر اس کا کیا کروں کہ اس وقت مجھے بھی ایسا ہی ں رہا ہے کہ میں نے شاید غلط کیا۔"

"تو نے غلط نہیں کیا فراز احمد! تیری نیت بھی غلط نہیں تھی، مگر میرا دل جانتا تھا کہ جب بھی ایسا ہوگا کہ میرا اور ں کا آمنا سامنا ہوگا تو ہم میں سے کسی ایک کو کچھ ضرور ہو جائے گا۔ یہ تعلق کی شرم ہوتی ہے اس کی حیا ہوتی ہے فراز ر! جو برسوں نہ ملنے کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتی اور بندہ اس کی طرف سے لاپروا ہو جاتا ہے، مگر جب کبھی آمنا سامنا تو یونہی شدید ردعمل کا شکار ہو جاتا ہے۔ بندہ اپنے پردے رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے بھرم کھل جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ہی چھپنے لگتا ہے جیسے شاہو چھپ رہا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے فراز احمد، یہ اچھی بات نہیں ہے۔" وہ کہنے کے ساتھ تھ ہی نفی میں سر بھی ہلا رہے تھے۔

"جب آپ ان کی حالت سے واقف نہیں تھے اس وقت کی نسبت، کیا اب آپ ان کے لیے زیادہ شدت ے دعا نہیں کر رہے؟" فراز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ماسٹر جی کو کس طرح بے چینی کی اس کیفیت سے نکال ے۔

"انسان اپنے حصے سے زیادہ دکھ اور تکلیفیں نہیں اٹھاتا، نہ اپنی ہمت سے زیادہ بڑی آزمائش میں پڑتا ہے۔ پ دل میں رنج نہ لائیں، کیونکہ ہم سب کو اپنے اردگرد موجود دیکھ کر اطمینان کی جو جھلک میں نے ان کے چہرے پر ی، اس کا مطلب یہ تھا کہ انھیں ہمارا یوں وہاں موجود ہونا برا نہیں لگا تھا۔" یہاں فراز کی مدد جینس نے کی تھی۔ وہ ڑ جی کی گفتگو کب سے سن رہی تھی اور فراز کی بے بسی بھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ فراز ایک بے جا خلش میں مبتلا ہا تھا۔ سو اسے ماسٹر جی کو مخاطب کرنا پڑا۔

"مجھ پر ایک لمبا عرصہ ایسی ہی کیفیت گزر چکی ہے۔" اس نے کہا۔

"جب کوئی میری خیریت دریافت کرنے آتا تو مجھ پر خفت کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ میں سوچتی تھی ہ میری حالت پر افسوس کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی ضرور گفتگو کرتے ہوں گے کہ میری وہ حالت کیوں ا، بستر پر پڑے پڑے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ میری آنکھوں کے سامنے گزرتا اور میں اپنا احتساب کرتی رہتی۔ اوقت مجھے بہت اچھی طرح یاد آنے لگا کہ میں نے کہاں کہاں کون کون سی غلطی کی تھیں۔ ایسی غلطیاں جن کے لق میں نے نارمل زندگی میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ غلطیاں تھیں۔ مجھے اپنی حماقتوں پر غصہ آتا اور اپنی پوری لی ایک غلط حکمت عملی کا شکار محسوس ہوتی۔ جب میں اپنی اس وقت تک کی زندگی کا ایک ایک ورق پوری طرح پڑھ ا تو مجھے خیال آیا کہ اس زندگی کو یونہی گزرنا تھا، میں نے جو کیا اپنی سمجھ کے مطابق ٹھیک کیا، پھر پچھتاوؤں کا کیا ہ، اس سوچ نے میری ابتر ذہنی حالت اور جسمانی کمزوری کو ٹھیک کرنے میں بڑی مدد دی اور پھر وہ وقت بھی آیا جن لوگوں کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی مجھے وحشت ہوتی تھی ان کی آمد مجھے اچھی لگنے لگی۔ اس لیے میرا ا ہے کہ شاہنواز احمد کے سلسلے میں بھی فراز کی سوچ ٹھیک تھی۔ ہم سب کو ان سے اپنے گلے شکوے بھلانے کی ت خدا نے عطا کی اور یہاں آ کر ہم نے انھیں زندہ دیکھا، محسوس کیا کسی اور کا تو مجھے علم نہیں لیکن اپنا ضرور پتہ ، میرے دل کو اطمینان اور سکون محسوس ہوا۔ آپ کو بے چینی کیوں محسوس ہو رہی ہے ماسٹر جی! آپ تو ہم سے ہ ان باتوں کو جانتے ہیں۔ آپ کو تو الجھن کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔"

جینس کی اس گفتگو نے فراز کے سر سے جیسے منوں بوجھ اتار دیا۔ وہ شاید ایسی ہی کوئی بات کہنا چاہتا تھا لیکن

کہہ نہیں پایا تھا۔ ماسٹر جی کی ناراضی کا خیال اس کے سر پر ہوا بن کر کھڑا تھا اور شاہنواز احمد کی حالت نے اُ
پچھتاوے میں مبتلا کر دیا تھا۔ ''پھر میرے کچھ معاملات بھی آپ کے معاملات سے مختلف نہیں۔ کچھ توقف کے بع
جینس نے دوبارہ سے کہنا شروع کیا۔ ''آپ کے تو خیر عشر عشیر بھی نہیں مگر میں نے بھی للّی کو بڑی محنت سے اور بڑ
لگن سے پالا تھا۔ میں اپنی سخت نوکری کی وجہ سے گو اس کو پوری توجہ نہ دے پائی، لیکن وہ سخت نوکری اور سخت محنت
بھی اسی کے لیے رہی تھی۔ میرے دل میں بھی اس کے لیے بڑے ارمان تھے، میں بھی اس کے مستقبل کے لیے بہ
اچھی باتیں سوچتی تھی۔ مگر یہ کسی اور ہی راستے پر چل نکلی۔ میری مزاحمت، میرا پیار۔ ۔ اغصہ کچھ بھی اثر نہ کر سکا اور اِ
نے وہ راستہ اپنا لیا جس پر شاید میں عمر بھر بھی لعنت بھیجتی رہوں تو کم ہوگا۔ اس کا رہن سہن طور طریقے لباس، اند
سب کے سب ایسے تھے جن سے مجھے سخت چڑ تھی۔ میری ہزار کوشش کے باوجود یہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکی۔ یو
کے لفنگے لڑکوں کے ساتھ فلرٹ کرنا اور فلموں، ڈراموں میں کام حاصل کرنے کے لیے ناپسندیدہ ترین ذری
استعمال کرنا اس کی عادت بنتی گئی۔ میں نے مایوس ہو کر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا، کیونکہ اس کے انداز م
بغاوت آ گئی تھی۔ میں تو خیر اپنی مصروفیت میں اس سے اس طرح اپنائیت کا اظہار نہیں کر سکی تھی مگر میری ماما جنھو
نے اسے اپنے ہاتھوں سے پالا وہ ان سے بھی بات بے بات الجھ پڑتی تھی۔ میرا دل کڑھتا تھا مگر میں نے اس
طرف سے کان اور آنکھیں بند کر لی تھیں میں جانتی تھی کہ اس اسٹیج پر اسے کچھ سمجھانا حماقت تھی۔ پھر اس نے تھیٹر م
کام کرنا شروع کر دیا۔ میں ان سستے ڈراموں کے بارے میں سنتی تھی جن میں وہ کام کرتی تھی، میں سنتی تھی کہ
شراب پینے لگی تھی اور کام حاصل کرنے کے لیے تھیٹر کے کرتا دھرتاؤں کی نفسانی خواہشات پوری کرنے اور دیگ
کاموں میں بھی بہت آگے نکل گئی تھی۔ میں اس کے متعلق ساری خبریں سنتی رہی۔ مگر میں اس کے لیے دعا کے سوا کچ
کر نہیں سکی۔ انہی حالات نے مجھے اتنا عرصہ مفلوج کیے رکھا۔ میں اپنے دل میں اس سے اتنی خفا تھی کہ میرا خیال
میں عمر بھر اس کی شکل نہیں دیکھوں گی مگر جب اس حادثے کا شکار ہو کر وہ مفلوج اور ادھوری ہو جانے کے بعد میر
سامنے آئی تو میں نے جانا کہ ہمارے ارادے اور فیصلے ریت کی دیوار ہوتے ہیں، سب سے طاقتور چیز ہمار
جذبات ہوتے ہیں جو بہت سی دوسری سوچوں پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی للّی ہے ماسٹر جی! جس نے میری راتو
کی نیدیں اُڑائے رکھیں اور جس کو میرا دل لعن طعن کرتا رہتا تھا۔ نہ میں نے اس سے کوئی گلہ کیا نہ اس نے مجھے کو
وضاحت دی اور رشتہ پھر اسی طرح استوار ہو گیا گو میں اپنے دل میں شاید کبھی سوچتی بھی ہوں گی کہ للّی نے مجھ سے کبھ
معذرت نہیں کی شاید اسے کوئی پچھتاوا ہی نہیں، دوسری طرف شاید وہ بھی ایسا ہی کچھ سوچتی ہو، مگر رشتوں کے بھرم او
ان کے پردے کبھی کبھی اس طرح بھی رکھنے پڑ جائیں تو رکھ لینے چاہیں ہیں نا ماسٹر جی!'' اس نے نرمی سے ماسٹر جی
ہاتھ دبایا جو دم بخود اس کم زور، کم رو عورت کو ایسے دانش مندی سے بولتے سن رہے تھے۔

''تو تو بڑی سیانی ہے نسرین پتر! تو نے تو سادہ سے لفظوں میں بڑی پتے کی بات بتائی ہے۔ میں تو کسی او
طرف کی بات سوچنے میں پڑ گیا تھا۔ فراز احمد!'' پھر انھوں نے فراز کی طرف دیکھا ''ہم یہاں موجود ہیں تو ہمیں
یہاں ہونے کا حق تو ادا کرنا چاہیے نا، پتر جی کوئی صدقہ، کوئی خیرات، کوئی منت، کسی چیز کا بندوبست کیا کسی نے۔''

فراز کو وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ ''نماز پڑھ کر دعا کرو۔'' ماسٹر جی نے جینس کی طرف دیکھا۔ وہ ہو
سے مسکرا دی۔

''میں عبادت کر رہی ہوں ماسٹر جی، مخاطب تو اسی خدا کو کرنا ہے، مانگنا تو ہم سب نے اسی سے ہے۔''

''مگر پتر جی۔'' ماسٹر جی کو جیسے دھچکا لگا۔

''ایک شخص کو پانے کے لیے مذہب بدلنے کا کیا فائدہ ماسٹر جی! لوگ ہدایت کا راستہ کہتے ہیں اس کو، میں نے
ں ہدایت تو نہیں پائی البتہ میں بھٹکی بہت۔ اس لیے آپ مجھے میرے راستے پر ہی رہنے دیں۔ کبھی کوشش کروں
جذبات کے بجائے حقیقت کی نظر سے دیکھ کر فیصلہ کروں کہ میرے لیے کیا بہتر ہے۔''
ماسٹر جی کے دل نے ایک نئی کسک محسوس کی۔ ''میں سمجھتا رہا یہ ایک نیکی تو تیرے کھاتے میں لکھی ہی گئی ہوگی
'' وہ سوچ رہے تھے۔

......✿......

''تم کہاں غائب ہو اسفند! میں اتنے دن سے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر تم مل ہی نہیں
فون بھی تو اٹینڈ نہیں کر رہے اور کبھی کاٹ دیتے ہو، کیا مذاق ہے یہ بھئی۔'' اسفند نے اپنے موبائل فون پر
کی تو آواز سنی اور مسکرا دیا۔

''کیوں چھپ کر بیٹھے ہو، مسئلہ کیا ہے تمھارے ساتھ؟'' وہ اس کا جواب سنے بغیر تیزی سے بولتی جا رہی تھی۔

''بولتے کیوں نہیں، گونگے کا گڑ کھا کر کیوں بیٹھے ہو؟'' اس نے کہا۔

''تم خاموش ہوگی تو میں بولوں گا نا۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''ہاں تو بولو نا۔'' رباب کو بھی شاید احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔

''میں تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن خاصی مصروفیت رہی۔ اس وجہ سے نہ کر سکا۔ کیونکہ میں چاہ رہا تھا کہ تم
ب بھی بات کروں بڑی فرصت سے کروں۔'' اس نے کہا۔

''اوہو بندہ خدا، تم خیریت تو بتا سکتے تھے نا اپنی، میسج ہی کر دیتے۔''

''مجھے ٹیکسٹ میسج ٹائپ کرنے نہیں آتے، نہ ہی میرے پاس اتنا ٹائم ہوتا ہے، میں تم سے تفصیلی ملاقات
ں گا اور پہلے سے بتا کر آؤں گا۔''

''ابھی بھی جان چھڑا رہے ہو؟'' رباب کو شاید اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

''بائے گاڈ رباب! بالکل بھی نہیں۔'' اسفند گڑبڑا گیا۔ ''اچھا چلو میں آج شام تمہاری طرف آنے کی کوشش
ں گا۔ میرے پاس تمھیں سنانے کو بہت کچھ ہے۔''

''میرے پاس بھی تمھیں سنانے کو بہت کچھ ہے۔'' رباب نے کہا۔

''چلو پھر طے ہے جلد ملتے ہیں۔ تم اپنی دوست سارہ کو بھی بلا لینا۔ اس سے بھی بالمشافہ ملاقات ہو ہی جائے تو
ہے۔''

''تم اس کا مذاق اڑا رہے ہو اسفند؟''

''قطعی نہیں۔ میں نے سنا تھا کہ وہ آج کل یہیں ہے پاکستان میں، میں نے سوچا کہ اس سے ملاقات کر لینی
ہے۔''

''اس کے ڈیڈی بہت بیمار ہیں اور وہ آج کل ان کے پاس ہے ہاسپٹل میں۔''

''ہیں۔'' اسفند چونکا ''یہ معجزہ کیسے ہوا؟''

''یہ ہی تو بتانا تھا تمھیں اور تم مل کر نہیں دیتے۔ ادھر آنے کا نام نہیں لیتے۔''

''تمہارا حکم مجھ تک نہیں پہنچا، پہنچ جاتا تو میں سر کے بل آتا سہرا باندھ کر۔'' اسفند نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ سڑا ہوا جوک ہے، بالکل فلیٹ جوک۔''

''اب تمھیں اس پر ہنسی نہ آئے تو میرا کیا قصور۔ تمھاری حس مزاح تو پیسوں کی جمع تفریق نے چٹ کر ر
ہے۔'' اسفند نے دانستہ کہا۔

''کیا بات ہے، مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم نے حس مزاح کچھ زیادہ ہی فیڈ کروالی ہے اپنے اندر، بڑا ہنس ر
ہو؟''

''بڑا عرصہ دلگرفتہ رہتے گزار دیا، سوچا اب ذرا اپنا موڈ بدل کر دیکھوں، کیسا لگتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے، اب اسی طرح رہنا اور مجھے ضرور دکھانا کہ خوش خوش رہتے ہوئے کیسے لگتے ہو۔''

''تمھاری طرف سے ہی دیر ہے، ورنہ میں تو تمھیں پوری زندگی اپنے نکلتے ہوئے دانت دکھانا چاہتا ہوں۔

''تم اب پٹڑی سے اُتر رہے ہو، اس لیے میں فون بند کر رہی ہوں۔ آنا ہو تو پہلے بتا دینا۔'' رباب نے کہا ا
فون بند کر دیا۔ اسے اسفند کے لہجے میں کوئی خاص بات محسوس ہو رہی تھی، ایک واضح فرق محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ا
کے بارے میں جاننے کے لیے متجسس ہو گئی۔

......۞......

''میں نے تم سے گھر کی چابیاں مانگیں۔ فراز! تمھیں برا تو نہیں لگا؟'' سارہ نے شاہنواز احمد کے کمرے
الماریوں میں کچھ تلاش کرتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے برا کیوں لگے گا۔ یہ آپ کا حق تھا، میں تو صرف امانت دار تھا۔'' فراز نے شاہنواز احمد کے بیڈ سائ
ٹیبل کے دراز سے کچھ نکالتے ہوئے کہا۔

''شاید اسی لیے انھوں نے تمھارے یہ سپرد کیں ساری ذمہ داریاں، وہ جانتے ہوں گے کہ تم ہی ہو جس کا دا
بے ایمان نہیں ہو سکتا۔''

''وہ اس کے علاوہ کرتے بھی کیا، آپ ان کے پاس آنا نہیں چاہتی تھیں۔ ماسٹر جی کے متعلق تو وہ سوچ بھ
نہیں سکتے تھے کہ یہاں ان کے پاس آ جائیں گے۔ رہیں آنٹ جینس اور للّی تو معذرت کے ساتھ کہنا پڑے گا ک
اپنے وکیل اور اپنے ڈاکٹر کے سامنے وہ ان دونوں سے کسی تعلق کو ڈکلیئر کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ایسے میں جیسا کہ وہ بستی
کمال پور سے میرے تعلق کو جان گئے تھے اور ان جیسے جینئس ...... کے لیے یہ اندازہ لگانا تو کوئی مشکل تھا ہی نہیں ک
بستی کمال پور سے تعلق رکھنے والا شخص ماسٹر جی سے بھی ضرور تعلق رکھتا ہوگا۔ اسی لیے انھوں نے مجھے اعتماد کے قابل
سمجھا ان سے زیادہ کون بستی کمال پور کے مزاج کو سمجھ سکتا ہوگا۔''

''بستی کمال پور۔'' سارہ نے ہاتھ میں پکڑی چابیاں میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''کتنی خوش قسمت جگہ ہے جہاں
علم و آگاہی کا خزانہ رہتا ہے، تم دیکھو، اس مٹی سے اٹھنے والی خوشبو کہاں کہاں پھیلی۔ ڈیڈی کے ذاتی کردار سے بہت
سوں کو مجھ سمیت اختلاف سہی مگر ایک زمانہ ان کو بہت اچھے لفظوں میں یاد کرتا ہے اور بے شمار لوگ ان کے فن، علم او
ذہانت کے مداح ہیں۔ اتنی شہرت اور اتنی عزت یونہی نہیں مل جاتی، آخر ان کی خصوصیات کو ہم جھٹلا تو نہیں سکتے نا!''
اس نے سوالیہ نظروں سے فراز کی طرف دیکھا۔

''بستی کمال پور کی ایک اور خوش قسمتی تم ہو۔'' اسے جواب دینے کا موقع دیے بغیر ہی سارہ نے اگلی بات کی۔
''کیونکہ تم نہ صرف اس کے بچھڑے باسیوں کو ملانے کا ذریعہ بنے، بلکہ آنے والے دنوں میں بستی کمال پور کا نا
تمھارے نام سے جانا جائے گا، تمھارا تعارف بن جائے گا۔ آخر تم ڈیڈی کی طرح اپنے بائیو ڈیٹا میں اس بستی سے
تعلق ظاہر کرتے ہوئے تو نہیں ہچکچاؤ گے نا؟''

''آپ نے ابھی وہ بستی دیکھی نہیں، وہ اتنی پس ماندہ ہے کہ وہاں جا کر شاید آپ اتنے جوش و خروش سے اس
ش قسمتی کی بات نہ کر سکیں۔'' فراز نے اس کے خاموش ہونے پر کہنا شروع کیا۔ ''اس بستی کی یہ ہی تو بدقسمتی رہی
اس کی مٹی سے ایسے جوہر نکلے۔ مگر اس کے لیے کچھ کر نہ سکے۔ اس سلسلے میں ماسٹر جی کو الزام دینا غلط ہے کیونکہ
نے اپنا کام بڑی ایمانداری سے کیا۔ شاہنواز صاحب کے ساتھ حالات ایسے رہے، جن میں الجھ کر انھوں نے
ناخت اور پس منظر بدل ڈالا۔ مگر آپ نے دیکھا اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ آج اپنے مفلوج جسم اور منتظر آنکھوں کے
وہ وہی چہرے ڈھونڈتے ہیں جن کو انھوں نے پیچھے چھوڑ دیا۔ جن کے بیچ میں سے اٹھ کر وہ اِدھر آ گئے تھے۔
جی ٹھیک کہتے ہیں کہ اپنے پس منظر سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنے والا انسان نہ خود میں رہتا ہے نہ خود سے
سکتا ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے میری اٹھان میں میری اپنی کسی خوبی سے زیادہ قدرت کا دخل ہے۔ آج
ن دو ڈھائی سال پہلے تک میں گھسے ہوئے پرانے کپڑے پہنے پرانے شہر کے ایک گنجان آباد علاقے کے مختصر
رے میں رہتا تھا، جہاں میرے جیسے پانچ لوگ اور بھی رہتے تھے۔ میرے پاس کوئی لائحہ عمل، کوئی سوچ نہیں تھی
ا کرنا تھا؟ مجھے یہ بھی علم نہیں تھا۔ لیکن میں یہاں کچھ بننے اور پیسے کمانے کے لیے آیا تھا، میں نے وہ ابتدائی دن
شکل میں گزارے اور کیسے کٹھن وقت مجھ پر گزرے یہ صرف میں ہی یاد کر سکتا ہوں۔ پھر یوں ہوا کہ میں ایک
ائن میں شامل ہو گیا، جو بہت سے واقعات کو جنم دینے والی تھی۔ جس کا مقصد بہت سی دکھ بھری کہانیوں کو سمیٹنا
یکجا کرنا تھا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اللہ کا ایک ایسا پلان تھا جس میں سب سے اہم کردار مجھے ہی ادا
تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے پے در پے واقعات رونما ہونے لگے۔ میں اپنی روزی روٹی کے لیے بل بورڈز پینٹ
تھا۔ مجھ پر بیک وقت دو لوگوں کی نظر پڑ گئی، اور وہ دونوں ہی بہت اہم تھے۔ شاہنواز صاحب جنھوں نے اپنے
یرے فن کی تکنیکی خرابیاں دور کرنے کے لیے مجھ سے بصد اصرار تعلق باندھا اور اسفند بھائی جن کی شفقت،
اور دریا دلی نے میرے کٹھن راستے آسان کر دیے۔ شروع شروع میں، میں اپنے دل میں بہت خوش ہوا تھا یہ
ر کہ مجھے جیک لگ گیا مگر اس وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مجھے جیک نہیں لگا دراصل مجھے خود دوسروں کو جیک
کے کیے منتخب کر لیا گیا ہے۔ اسفند بھائی سے مجھے ملانے کے لیے ذریعہ للّی ڈی سوزا بنی۔ للّی ڈی سوزا سے تعلق
نٹ جینس تک لے گیا۔ لینا سے میرا ایک ایسا تعلق قائم ہو گیا جسے میں کوئی نام شاید نہ دے سکوں۔ لینا کے توسط
نٹ جینس کا نکاح نامہ میری نظر سے گزرا، اسفند بھائی سے تعلق کی وجہ سے شہریار محمد اور آپ کے تعلق سے
معلومات تک رسائی ہو گئی۔ فیروز بھٹی اور بی بی زینب کے متعلق معلومات بھی ان ہی تعلقات کی وجہ سے
ہوئیں اور جب ان سارے واقعات سے گزرنے کے کافی عرصہ بعد میں نے اپنے دماغ میں ان کے تانے
بنے شروع کیے تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ ان کے سرے جوڑنے سے جو ڈیزائن بنتا ہے وہ تو Co related ایک
ے سے جڑا ہوا ہے، اس کا نقشہ تو بہت مانوس ہے۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا اتنا عرصہ میرے ساتھ معجزے
ہوتے رہے۔ اسفند بھائی نے لیڈی ایلس کی تصویروں کی پینٹنگز کی نمائش کو فنانس کر کے مجھے روشنی میں لا کھڑا

اسفند بھائی کے ذریعے سے ہی منی باجی سے میرا تعارف ہوا اور منی باجی نے میرے اندر کے ہنر کو تراشنے
مدد کی اسے میں کبھی بھلا نہیں سکتا۔ میں ایک اچھے آرٹسٹ کے طور پہچانا جانے لگا اور پھر یہ سلسلہ وہاں سے چلتا
ی جیولری ڈیزائنر تک پہنچ گیا۔ میں پوری ایمان داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس میں میرے کسی کمال سے
درت کا دخل تھا کہ یہ سب یونہی ہونا تھا، ان سب کو میری زندگی میں یہ اہم کردار ادا کرنا تھا مجھے ان کی زندگیوں

کے تعلق جوڑنے اور الجھنوں کو سلجھانا تھا جو شخص اس سارے عمل کا حصہ رہا ہو وہ خدا کی خدائی کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس سارے عمل سے گزرنے کے بعد میرا دھیان ماسٹرز کرنے اور پھر مقابلے کا امتحان دینے کی طرف لگ گیا کیونکہ ذہنی آسودگی پانے پر مجھے اچھی طرح اور بروقت یاد آ گیا کہ میں یہ سب کرنے اور اس میدان میں شہرت حاصل کرنے کے لیے یہاں نہیں آیا تھا۔ میں تو یہ تصور لے کر وہاں سے نکلا تھا کہ اس بستی کو پسماندگی اور مسائل سے نکالنے کے لیے کچھ ایسا بن جاؤں کہ میری وجہ سے اربابِ اختیار کا دھیان اس طرف جائے۔ اگر میں کامیاب ہو گیا تو شاید ہم کہہ سکیں کہ بستی کمال پور خوش قسمت ہے۔ کیونکہ اس وقت تک شاہنواز احمد صاحب بھی صحت یاب ہو کر اپنوں میں لوٹ چکے ہوں گے اور دنیا بستی کمال پور کو ان کے حوالے سے جاننے لگے گی۔" فراز نے اپنی بات مکمل کرتے کرتے سارہ کی طرف دیکھا جو بڑی توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔ اس کے خاموش ہو جانے پر جیسے اس کی محویت ٹوٹ گئی۔

"یہ ایسے بھی نہیں ہوتا فراز! کہ ایسے زندگی کے ڈرامے میں اتنے اہم رول کسی عام بندے کو دے دیے جائیں۔ تم میں ضرور کوئی ایسی خاص بات ہوگی جو یہ سارا اجر سمیٹنے کے لیے تمھیں ہی منتخب کیا گیا۔ شاید تمھاری نیک نیتی یا پھر شاید تمھارا توکل۔" سارہ سوچتے ہوئے رُک رُک کر کہہ رہی تھی۔ "رباب کہہ رہی تھی کہ تم آج کل کے لڑکوں سے بہت مختلف ہو اور وہ تم ہو بھی۔ رباب اس چیز کا کریڈٹ ماسٹر جی کو دے رہی تھی جبکہ ماسٹر جی اس کا کریڈٹ تمھاری والدہ کو دے رہے تھے۔"

"اور میری والدہ سے پوچھیں تو وہ یہ کریڈٹ ماسٹر جی کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیں گی کیونکہ وہ اس میں کوئی حصہ نہیں سمجھتیں۔" فراز نے لقمہ دیا۔

"یہ بھی تو خوش قسمتی ہوتی ہے نا کہ انسانوں کو کریڈٹ لینے میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔ تم لوگوں کی باتوں نے مجھے ایک اور ہی دنیا سے متعارف کروایا ہے۔ میں حیران ہوتی ہوں کہ ڈیڈی اس جگہ سے متعلق ہوتے ہوئے بھی اس سے بے تعلق رہے۔ وہ کیوں اس نکتے کو سمجھ نہیں سکے کہ ان کی بقا اس جگہ کے ساتھ تعلق رکھنے میں ہے۔ خصوصاً جب تعلق باعث فخر ہو نہ کہ باعث شرمندگی۔" سارہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"جو بات میں تھوڑی دیر پہلے آپ سے کر رہا تھا اس سوال کا تعلق بھی اسی بات سے جڑا ہوا ہے۔ ساری بات حالات اور واقعات کی تھی۔ میں تو شاید ان سے بہت کم، لیکن شاہنواز صاحب کو تو ماسٹر جی کے ساتھ رہنے اور سیکھنے کا بہت زیادہ موقع ملا۔ پھر وہ اپنے ٹریک سے کیوں اتر گئے۔ وہی بات حالات ان کو ایسے ملے جو کچھ مجھے آسانی سے ملتا گیا۔ وہ بھی وہی چاہتے تھے جس کا خواب لے کر میں یہاں آیا تھا مگر ان کے دل میں خود کو ثابت کر دکھانے کا جنون تھا جبکہ میں سمجھتا تھا کہ میں خود کروں گا کیسے؟ مجھے یہ تو پتہ تھا کہ مجھ میں اہلیت کتنی ہے مگر ثابت کرنے کا ڈھنگ نہیں تھا پھر جو ہنر میں خود میں محسوس کرتا تھا اس پر ماسٹر جی کی ناراضی کا خوف بھی میرے دل میں موجود تھا۔ شاہنواز صاحب کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا۔ وہ وہاں سے بغاوت کر کے نکلے تھے اور خود کو ٹھیک ثابت کرنے کے لیے انھوں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ وہ کسی اچھے برے کی تمیز نہیں کریں گے اور انھوں نے ایسا ہی کیا بھی۔"

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ بھی تمھیں کسی نے خاص طور پر سکھایا ہے کہ کسی میں اگر کچھ غلط ہے تو اسے اچھے الفاظ استعمال کر کے صحیح ثابت کر دو۔" سارہ نے مسکرا کر کہا۔

"شاید۔" فراز نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ "میری اماں کے سامنے اگر کسی کی برائی کی جائے تو وہ اس برائی کو بھی کوئی توجیہہ دیتے ہوئے کہتی ہیں۔ "نہیں اصل میں بات یہ ہے کہ اور ان کی بات کے ذریعے برائی والا بندہ

صاف بچ جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان کا دل سب کی طرف سے صاف رہتا ہے۔ اس میں کبھی کوئی میل نہیں ہوتا۔" سارہ نے کہا۔ "پھر ماسٹر جی نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ وہ تو یقیناً تمھاری والدہ سے زیادہ باعلم اور باشعور ہیں انھوں نے ڈیڈی کو ان کے حال پر کیوں چھوڑ دیا۔ انھوں نے کیوں اپنا دل صاف نہیں رکھا؟"

"اس کے لیے ان کے پاس اپنی وجوہات ہیں۔ وہ شاہنواز صاحب کی بغاوت سے ڈر گئے تھے انھیں یہ خوف لگا تھا کہ شاہنواز صاحب کو نہ سمجھا سکنے اور پھر بھی ان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ بھی خدا کے گنہگار ہو جائیں گے۔ اسی خیال نے انھیں ان سے قطع تعلق پر مجبور کر دیا۔"

"ہوں۔" سارہ گلے میں پڑی سنہری چین کو دانتوں سے چباتے ہوئے۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ "پتہ ہے فراز!" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "ڈیڈی کے اپنے لیے بہت کنسرن ہونے کے باوجود میں ساری عمر ان سے دور رہی۔ جانے کیوں مجھے ان کے خیالات سے ہمیشہ چڑ سی رہی۔ میرے اردگرد لوگ اس بات کو بہت اہمیت دیتے تھے کہ میں ان کی بیٹی ہوں، مگر مجھے دوسروں پر رشک آتا تھا جن کے والد شاہنواز احمد نہیں تھے۔ یہ سچ ہے کہ زندگی گزارنے کے سارے ڈھنگ انھوں نے مجھے سکھائے، میرے لیے سارے راستے بھی انھوں نے ہی وضع کیے۔ ان کی راہنمائی قدم قدم پر میرے ساتھ رہی، مگر مجھے ہمیشہ ایسا لگتا رہا کہ یہ سب ویسا نہیں ہے جیسا ہونا چاہیے۔ شہریار سے ملاقات کے بعد تو میرے دل میں یہ بات اور بھی جڑ پکڑ گئی تھی کہ ڈیڈی ایک غلط قسم کے باپ ہیں مگر کچھ دنوں سے جب میں یادوں کی گلیوں میں جاتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ غلط یا صحیح انھوں نے میرے لیے جو بھی کیا بڑے خلوص کے ساتھ کیا اور اب بھی مجھے یاد آتا ہے کہ ایسا کرتے ہوئے ان کے اندر ماسٹر ہدایت اللہ کا شاہنواز اپنی چھب دکھا ہی جاتا تھا۔ وہ غلط قسم کے باپ نہیں تھے۔ اگر وہ ہوتے تو میری بے رخی انھیں یوں بستر مرگ پہ نہ لاتی۔"

"خونی رشتوں کا حالات وواقعات سے تعلق تو ہوتا ہے مگر حالات وواقعات ان پر زیادہ دیر تک اثر انداز نہیں ہو سکتے۔" فراز نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"جبکہ بہت سی گتھیاں سلجھ گئی ہیں فراز!" سارہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب تمھارا رول کیا ہوگا اس سارے میں؟"

"خوش ہونے والے کا سا، اور دعا کرنے والے کا سا۔" فراز مسکرا دیا۔

"ایک بات پوچھوں؟" سارہ نے محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور!"

"وہ لڑکی لینا جو کوچ میں تھی اس کے ساتھ تمھارا افیئر چل رہا تھا کیا؟"

"آپ کو شاید یاد نہیں رہا......" فراز ایک مرتبہ پھر مسکرا دیا اسے اندازہ تھا کہ سارہ، لینا کے متعلق یہی سوال کر سکتی تھی۔ "ابھی کچھ دیر پہلے میں نے بتایا تھا کہ لینا کے ساتھ میرا ایک ایسا تعلق قائم ہو گیا جسے میں شاید کبھی کوئی نام نہ دے سکوں۔"

"کیوں؟" سارہ نے دانستہ پوچھا۔

"کچھ تعلق بے نام ہی رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے کوئی نام وضع نہیں ہو سکتا۔ لینا کا مقسوم انسانیت کی خدمت تھا۔ جب ہی اس کے اور میرے تعلق کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔"

''اور جس سے تعلق کو نام دیا جا سکتا ہے وہ بھی کوئی ہے یا نہیں؟'' سارہ نے اس کے بال بکھیرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ بھی ہے۔'' فراز نے سر جھکا کر کہا۔ ''بالکل ہے۔''

''کون ہے۔'' سارہ چونکی۔

''مبینہ کلثوم ہے، کبھی موقع ملا تو اس سے ملواؤں گا آپ کو۔''

''کہاں رہتی ہے؟''

''بستی کمال پور کی ایک مکین ہے۔ ماسٹر جی کی شاگرد خاص۔'' ''بستی کی لیڈیز سائیڈ فراز احمد مستقبل میں مسز فراز احمد بننے والی ہے۔'' سارہ کو اس کا مسکراتا چہرہ بہت عجیب سا لگا۔

''معلوم نہیں جی، وہ مسز فراز احمد بنتی ہے کہ میں مسٹر مبینہ کلثوم بنتا ہوں۔ کیونکہ ماسٹر جی اس کی ذہانت فطانت کے جو اعلان کرتے ہیں ان کی روشنی میں تو ایسا ہی لگتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ غیر معمولی لڑکی ہے۔''

''یہ تو وقت بتائے گا ابھی تو میرا خیال ہے کہ جو بھی سنے گا اس کے متعلق یہ ہی کہے گا کہ وہ تمھارے ساتھ کیسے چل پائے گی فراز احمد۔''

''تم کیا سوچتے ہو اس بارے میں؟'' سارہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''مجھے تو خیر کوئی وہم نہیں ہے۔ کیونکہ اب اس نظر سے میں صرف اسی کو دیکھتا ہوں۔ خود بخود ہی میری توجہ اس پر مرتکز ہو گئی ہے، ویسے بھی مجھے اس میں کوئی خامی نظر نہیں آتی۔'' فراز کے لہجے میں اطمینان تھا۔

''اچھے رہو گے۔'' سارہ نے کہا۔ ''توقعات کا گراف نارمل رہے تو انسان بہت سی پریشانیوں سے بچ جاتا ہے۔''

''بس یہ ہی سمجھ لیں کہ میں نے خود کو پریشانیوں سے بچانے کا ایک اپنا ہی فارمولا تیار کر رکھا ہے۔'' فراز مسکرا کر بولا۔

''جب ہی تو مجھے تم لوگوں کی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے۔'' سارہ نے کہا۔ ''اب مجھے ہی دیکھ لو یہ وہی گھر ہے جہاں میں بچپن سے رہتی چلی آ رہی ہوں، مگر آج بھی مجھے یہ گھر اجنبی سا لگتا ہے۔ میں نے کبھی غربت کا ذائقہ نہیں چکھا، میری زندگی میں ہر طرح کی آسائشات مہیا رہی ہیں مگر پھر بھی ہمیشہ لگتا رہا کہ کچھ کمی ہے، کہیں کچھ کمی ضرور ہے، میں نے تقریباً ساری دنیا دیکھی ہے۔ میں نے زندگی بھر نت نئے کام کیے ہیں، کئی تجربات سے گزری ہوں۔ مگر میرا دل کبھی مطمئن نہیں ہوا۔ ایک عجیب سی بے چینی ہر دم میرے ساتھ رہی۔ انسان زندگی میں کچھ پانے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا۔ دھوکا، فراڈ، بے ایمانی، مکاری میں نے بھی یہ سب کچھ ہی کیا، اپنی مختلف منزلوں کو پانے کے لیے، مگر مجھے کبھی اطمینان اور سکون حاصل نہیں ہوا۔ تم لوگوں سے مل کر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ میری اس بے سکونی اور بے اطمینانی کی اہم وجہ یہ رہی کہ مجھے کسی کی صحیح راہنمائی میسر نہیں ہوئی، میرے لیے ایسے گولز متعین کر دیے گئے جنھیں حاصل کرنے کے لیے جن راستوں سے گزرنا پڑتا ہے، وہ سارے کے سارے ٹیڑھے اور ناہموار تھے۔ اس سے یہ ضرور ہوا کہ میں مشکل پسند بن گئی اور مجھے خطرات سے کھیلنا آ گیا، مگر وہ سب کرتے ہوئے بھی میرا دل بے اطمینان ہی رہا بعض اوقات ہمیں ان غلطیوں کی سزا بھی مل جاتی ہے جو ہم نے کی ہی نہیں ہوتیں، کم از کم میرے ساتھ تو ایسا ہی ہوا۔''

''ہوں، شاید۔'' فراز نے اس کی بات غور سے سننے کے بعد کہا۔ ''یہ چابیاں آپ اپنے پاس رکھیے۔ گھر اب ...پ کے حوالے ہوا۔ میرے کندھوں اور دماغ سے ایک بھاری بوجھ اترا۔''

''مگر میں سمجھتی ہوں کہ یہ چابیاں تمھیں ماسٹر جی کو دینی چاہیے تھیں۔ وہ ہی حق دار ہیں تم نے دیکھا نا کہ ڈیڈی ...تمھیں یہ سب اپنے والی کو پہنچانے کو کہا تھا۔'' سارہ نے چابیاں اس کی طرف واپس کھسکاتے ہوئے کہا۔

''یہ بات مت کریں، میں تو ماسٹر جی سے اس کا ذکر کرنے سے بھی خوف کھاتا ہوں۔ وہ اپنی چھڑی مجھ پر توڑ ...گے یہ سن کر کہ میں نے یہ ذمہ داری لی کیوں تھی۔'' فراز نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''اچھا، ابھی تو ایسا ہے کہ ڈیڈی کی صحت یابی تک ہم اس گھر کو بند ہی رکھتے ہیں۔ پھر فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ...۔'' سارہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''تم نے صدقے وغیرہ کا کچھ انتظام کیا فراز؟''

''وہ ہو گیا۔ سب اپنے اپنے طریقے سے عبادت کر رہے ہیں اور دعا بھی۔ کچھ معجزہ تو ضرور ہو گا۔'' فراز نے ...ہ کے سامنے کچھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ دیکھیے، یہ پڑھیے، کیا غلط ہے کیا صحیح، کیا ہونا چاہیے تھا کیا ہوا، آپ کی ...دمات میں کچھ اور بھی اضافہ ہو جائے گا۔''

''یہ تمھیں کہاں سے ملیں؟'' سارہ نے چونک کر کہا۔

''ان کے اسٹڈی ٹیبل کی نچلی شلف ہے۔ وہ شیلف لاکڈ تھی اتفاق سے اس کی چابی بھی ان چابیوں میں موجود ...، میرے لیے ایک قیمتی خزانہ ثابت ہوئیں۔''

''انسان کہاں کہاں اور کیسے کیسے پکڑا جاتا ہے۔'' سارہ نے دکھ کے ساتھ کہا۔

''ایسی ہی چیزوں سے تو ہمیں بڑے لوگوں کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے، ایسے لوگ جو انڈر ورٹ...تے ہیں اور صاف سامنے نہیں آتے۔''

''ہاں شاید۔'' سارہ نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔ اسی وقت فراز کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے دیکھا ...ین پر اسفند کا نمبر چمک رہا تھا۔ اس نے ایک نظر سارہ پر ڈالی اور پھر معذرت کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''بڑا بھاری پائنچہ نکالا ہے اسفند بیٹا!'' بی بی نے اسفند کو آتے دیکھ کر کہا۔

''ہیں جی۔'' وہ اس نئے لفظ پر ٹھٹک کر رہ گیا۔

''بی بی کی مراد ہے کہ بڑے دنوں بعد شکل دکھائی۔'' رباب نے وضاحت کی۔

''اور تمہاری مراد کیا ہے؟'' اسفند نے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا۔ رباب نے اس کی طرف دیکھا اور ...کے چہرے پر چھائی شرارت کو دیکھ کر سمجھ گئی کہ یہ بات اس نے کن معنوں میں کہی تھی۔

''بولو نا تمہاری مراد کیا ہے؟'' لاؤنج میں بٹھائے جانے کے بعد اسفند نے دوبارہ پوچھا۔

''ابھی سوچا نہیں۔'' رباب نے دانستہ کہا۔

''کوئی فرق نہیں پڑتا بڑا وقت پڑا ہے، بڑھاپے میں جا کر سوچ لینا۔'' اسفند نے جل کر کہا۔

''آئیڈیا برا نہیں کیونکہ ابھی تو اتنے کام ہیں کہ سوچنے کا بھی وقت نہیں۔'' رباب نے اسے مزید جلایا۔

''کام نمٹا لو اچھی طرح، پھر سوچ لینا۔'' اب اسفند بھی اس کی شرارت کو سمجھ چکا تھا۔

''تم یہ بتاؤ کہ تمھیں کیا بتانا تھا مجھے؟'' رباب نے متجسس لہجے میں کہا۔

''پہلے تم بتاؤ۔''

''مجھے تو تقریباً یہی بتانا تھا کہ سارہ اپنے ڈیڈی کے پاس پہنچ گئی ہے اور اب جی جان سے ان کی خدمت کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ ماسٹر جی بھی شاہنواز احمد صاحب تک پہنچ گئے ہیں اور للی بمعہ والدہ کے۔ یہ معجزہ ہی ہے نا۔''

''رکو، رکو ذرا مجھے سمجھنے دو۔'' اسفند نے اس کی کہی ہوئی بات پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''سارہ، ماسٹر جی، آنٹ جینس، للی، تمہارا مطلب ہے کہ یہ سب لوگ ماسٹر جی کے پاس اکٹھے ہو گئے امیزنگ اور یہ کارنامہ کس نے سرانجام دیا؟'' اس نے رباب کی طرف دیکھا۔

''تم خود ہی اندازہ لگا لو۔'' رباب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فراز!'' اسفند بڑبڑایا۔ رباب نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ابھی صبح میری اس سے بات ہوئی ہے، اس نے مجھے نہیں بتایا۔ بڑی عجیب سی بات ہے۔''

''ہوسکتا ہے وہ سوچ رہا ہو کہ تمھیں اس قصے میں دلچسپی نہ ہو۔ شاہنواز احمد تمھیں کچھ خاص اچھے نہیں لگتے نا۔'' رباب نے سادگی سے کہا۔

''ہاں، کچھ عرصہ پہلے تک میرے خیالات ان کے بارے میں کچھ اچھے نہیں تھے، مگر جب سے بہت سی ایسی باتوں کا پتہ چلا ہے جن کا پہلے علم نہیں تھا تو میں نے سوچا کہ ہم اکثر لوگوں کے بارے میں غلط اندازے لگاتے اور غلط نظریات رکھتے ہیں کیونکہ ہماری آنکھوں پر ایسی عینک چڑھی ہوتی ہے جو ہمیں شخصیتوں کا صرف ایک ہی رخ دکھاتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ان کے بارے میں تمہاری سوچ بدل گئی ہے۔''

''میری سوچ بہت سے لوگوں کے بارے میں بدل گئی ہے۔ جب میں یہاں آیا تھا اس وقت، لوگ مجھے جس طرح کے دکھتے تھے اب ویسے نہیں دکھتے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہاری سوچ پہلے سے زیادہ پختہ اور مثبت ہوگئی ہے۔''

''ہاں شاید۔ پہلے میری سوچ اور تجربے کے دائرے محدود تھے اس لیے میں اور طرح سوچتا تھا اب یہ قدرے وسیع ہو گئے ہیں۔'' اسفند نے سادگی سے اعتراف کیا۔ ''لیکن یہ مجھے اچھا لگ رہا ہے، فراز نے بہت نیکی کا کام کیا۔ بڑا عجیب سا اتفاق ہے اگر اس سارے قصے میں سے فراز کو نکال دیں تو اس کے سارے کردار کتنے بکھرے اور ادھورے نظر آئیں گے۔''

''فراز مختلف ہے، اس میں ضرور کچھ خاص بات ہے، میں نے اس عمر میں اس طرح کا کوئی لڑکا نہیں دیکھا۔'' رباب نے کہا۔

''اب کیا تم مجھے فراز سے جیلس کراؤ گی۔'' اسفند نے اسے گھورا۔

''تم سے بڑا احمق کوئی نہیں ہوگا جو ایسا سوچو گے۔ فراز ایک ایسا لڑکا ہے جسے جو بھی جانتا ہے پسند کرتا ہے۔''

''میں مذاق کر رہا تھا۔'' اسفند نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''اسی لیے تو مجھے فراز پر رشک آتا ہے، وہ اتنا ٹیلنٹڈ ہونے کے باوجود اتنا کمپوز کیسے رہتا ہے، اس میں اتنی عاجزی کیسے آئی؟ میں نے کبھی اسے کسی بات پر فخر یا غرور کرتے نہیں دیکھا۔ اس کے لیے بڑی سے بڑی بات بھی یونہی ہوتی ہے جیسے روٹین کی بات ہو۔''

''ایسا خداداد ہوتا ہے اور ایسا انسان خوش قسمت ہوتا ہے۔ وہ کتنا کمپوزڈ ہے اس کا اندازہ تم اس سے لگاؤ کہ اس نے ابھی تک ہم میں سے کسی کو نہیں بتایا کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔'' رباب نے کہا۔

''یہ اسفند کے لیے ایک بڑا انکشاف تھا۔ ''ڈونٹ ٹیل می؟'' اس نے بے اختیار کہا۔

''بڑا ذلیل ہے اس نے مجھے بھی نہیں بتایا۔''

''تم یاد کرو کہ اس کے علاوہ اس نے اپنے کتنے پرسنلز (ذاتی باتیں) تمھارے ساتھ شیئر کیں۔ وہ زیادہ تر گفتگو ہی تو کرتا ہے۔'' رباب نے یاد دلایا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' اسفند نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب کوئی اور بات کرو، وہ بتاؤ جو تمھیں مجھے سنانا تھا۔'' رباب نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

''تم یہ بتاؤ کہ سارہ کو وہ بچہ ملا یا نہیں؟''

''میرا خیال ہے کہ نہیں۔'' رباب نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''یہاں آنے کے بعد جو اس کی کایا پلٹ ہوئی ہے وہ اپنے ڈیڈی کے ساتھ جس طرح مصروف ہوگئی ہے میرا خیال ہے کہ اس نے زینی سے بچے کے بارے میں ابھی نہیں ہوگا۔''

''وہ پوچھے گی بھی تو بچہ اسے وہاں نہیں ملے گا۔''

''کیوں؟'' رباب کا دل دھڑکا۔ وہ اس بچے کے بارے میں خاصی حساس تھی۔

''تمھیں کیسے پتہ ہے، کیا اسے......'' وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

''اس شیخ کے پاس سے بچہ جو شخص انعام کے طور پر لے گیا تھا وہ رمضان تھا اور وہ شخص اس عورت عائشہ کا ہے جس کے پاس سارہ نے بچہ چھوڑا تھا، بی بی زینب کے محلے والی عورت یاد ہے!''

''ہاں ہاں۔'' رباب نے بے صبری سے کہا۔

''رمضان نے کچھ عرصے پہلے ہی اس شیخ کے ہاں نوکری شروع کی تھی۔ عائشہ کو اس نے کافی عرصہ پہلے اپنے بلا لیا تھا۔ دونوں شیخ کے ہاں ہی رہتے تھے۔ وہیں پاکستان سے آئے بلکہ اسمگل کیے گئے بچوں کی کھیپ میں نے مہدیار کو دیکھا۔ وہ اسے خوب پہچانتی تھی بقول اس کے اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بچے کو واپس کیسے لے۔ رمضان کو خدا نے شیخ کی ہڈی پسلی ٹوٹنے سے بچانے کا موقع دیا اور عائشہ ہی کے کہنے پر اس نے بچہ انعام نگ لیا۔ عائشہ بچہ لینے کے کچھ دیر بعد ہی پاکستان آ گئی۔ بی بی زینب نے اس کی بات سن کر اسے ضرورت سے ڈرا دیا۔ وہ اس بات سے ڈر رہی تھیں کہ بچے کی یہاں موجودگی کی خبر پا کر کہیں پھر سے اسے اغوا نہ کر لیا ے۔''

''پھر کیا ہوا؟'' رباب پہلے سے زیادہ بے تابی سے بولی۔ ''میرے خدا اسفند تم اتنی لمبی بات کر کے اتنا س کیوں پھیلا رہے ہو؟''

''اچھا۔'' اسفند نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا وہ اس کے اسی تجسس کو ہوا دینے کے لیے ہی بات کو طول دے۔ ''قصہ مختصر یہ کہ بی بی زینب نے مجھے بلا کر بچہ میرے حوالے کروا دیا۔''

''کیا؟'' رباب تقریباً چیخ اٹھی۔

''اور تم مجھے اب بتا رہے ہو؟''

''یہ ہی بتانے کے لیے تو فرصت کا وقت چاہتا تھا۔ یہ بات اتنی معمولی تو نہیں تھی کہ اسے میں فون پر تمھیں بتا تا کر دیتا، یہ بات تو سیلبریشن ڈیزرو (جشن کی حقدار) کرتی ہے۔'' اسفند کے چہرے پر پھیلی طمانیت دیکھ کر کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"اور وہ بچہ، اس کی دیکھ بھال کون کرتا ہے۔" اس نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"میری ممی اور میرے ڈیڈی۔ کیا تم یقین کرو گی؟" اسفند نے ہنس کر کہا۔

"وہ کیسے۔"

"بچہ تو سمجھو نعمت ثابت ہوا، ڈیڈی یہ جان کر کہ یہ بچہ شہری کی کسی آرزو سے وابستگی رکھتا ہے اُسے یوں ہی کیئر دینا شروع کر دی جیسے شہری کا اگر کوئی اپنا بچہ ہوتا تو وہ دیتے۔ ممی کا بھی یہی حال ہے سچ تو یہ ہے رباب کہ میں نے اتنے عرصے میں زندگی کے اتنے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں کہ خدا کی خدائی پر یقین اور بھی مضبوط ہو گیا۔ میں سوچتا ہوں کہ اگرچہ زندگی کی کہانی کی اصل تھیم تو ایک ہی ہے مگر واقعات اسے نئی نئی شکل دے دیتے ہیں۔ جب ہی تو لکھنے والوں کو اتنی ڈھیر ساری کہانیاں اور موضوع مل جاتے ہیں۔" اسفند نے کہا۔

"تم اس بچے کے مل جانے سے بہت خوش ہوا اسفند؟" رباب نے پوچھا۔

"یقیناً۔" اسفند نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "اتنے سارے کرائسس سے میں گزرا ہوں، مگر سب سے زیادہ جو چیز مجھے پریشان رکھتی تھی وہ اس کی گمشدگی تھی۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے شہری مجھ سے شکوہ کر رہا ہو کہ مجھے بچے کے متعلق اس کی ایسوسی ایشن کا علم بھی ہو گیا تھا پھر بھی میں نے اسے یوں خوار ہونے دیا۔ پہلے تو خیر مجھے علم ہی نہیں تھا مگر جب وہ کڈز ہوم سے اغوا ہو گیا اور مجھے علم ہوا کہ یہ ہی وہ بچہ تھا اس وقت سے تو جیسے یہ احساس میرے ذہن سے نکلا ہی نہیں۔"

"سارہ کو بھی یہ سن کر شاید اتنی ہی خوشی ہو۔" رباب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اسفند! تم سارہ کے متعلق کیا سوچتے ہو، وہ بھی تو شہریار کی زندگی کا ایک حصہ تھی۔"

"میں اس کا احترام نہیں کرتا تھا، میرا خیال تھا کہ شہری کی بے وقت موت اور اس کی زندگی کے کرب کی ذمہ دار وہی ہے۔ لیکن پھر وہی بات کہ انسان جب تک اندھیرے میں رہتا ہے محض ٹامک ٹوئیاں ہی مارتا ہے اصل بات کا جب تک پتہ نہ چل جائے مفروضوں کی بنیاد پر دوسروں کے متعلق رائے قائم کرتا رہتا ہے۔" اسفند نے بی بی زینب کی لائی چائے پکڑتے ہوئے کہا۔

"تو اب تم اس کا احترام کرتے ہو؟" رباب نے سوال کیا۔

"تم تو بالکل صحافیوں کی طرح سوالات کر رہی ہو۔ بھئی میری بات سے ہی میرا مطلب واضح ہے، میں نے احترام نہیں کرتا تھا کہا ہے اس کا مطلب ہے کہ اب کرتا ہوں۔ شہری کی محبت میں اس نے بہت دکھ سہے۔ اس کی سادگی اور معصومیت سے فیروز نے خوب فائدہ اٹھایا اور شاہنواز احمد کو سزا دینے کے لیے اس کی زندگی ویران کر کے رکھ دی۔ جیسے میرے ڈیڈی کو سزا دینے کے لیے انھوں نے شہری کو مار دیا۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، کیا سارہ خوشیاں ڈیزرو نہیں کرتی۔" رباب نے تیسرا سوال کیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اسفند نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "دیکھو رباب میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ مجھ سے اس موضوع پر بات مت کرنا۔"

"میں وہ بات تو نہیں کر رہی ہوں اسفند۔" رباب نے کہا۔ "میرا مطلب کچھ اور ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا، جیسے تم نے پہلے مجھے مشورہ دیا تھا کہ شہری سے سارہ کے تعلق کے احترام میں، میں اس سے شادی کر لوں۔" اسفند نے چائے کا کپ واپس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آئی ایم سوری رباب! میں انسانی اور اخلاقی ویلیوز پر بہت یقین رکھتا ہوں اور ان کا احترام بھی کرتا ہوں مگر میرے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے

تم سے کہا تھا کہ میں اسفندیار ہوں شہریار نہیں۔"

"بس اپنی ہی کہے جاؤ گے، میری نہیں سنو گے۔" رباب نے خفگی سے کہا۔

"مجھے پتہ ہے نا کہ تمھیں یہی کہنا ہے۔"

"جب تم نے ایک مرتبہ کہہ دیا تھا کہ ایسا تمھارے لیے ممکن نہیں تو میرا دماغ خراب ہے جو اس موضوع پر دوبارہ بات کروں گی۔"

"پھر کیا کہنا ہے تمھیں؟" اسفند اب پوری طرح متوجہ ہوا۔

"مجھے یہ کہنا ہے کہ......" رباب نے کہنا شروع کیا اور اسفند کے چہرے کا تاثر بدلنے لگا۔

"میں جاوید بول رہا ہوں اسفند۔" اسفند کو یہ کال سن کر کچھ بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ بچہ مل جانے کی خبر اس تک پہنچ چکی ہوگی۔

"تم میری بات سن رہے ہو اسفند؟" اس کی خاموشی پر اس نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

"میں سن رہا ہوں تم کہو؟"

"تمھیں اچھی خبر سنانی تھی۔ فیروز بھٹی گرفتار ہو گیا ہے۔" اسفند اپنی چیئر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کب اور کیسے؟"

"اس کے جس پٹھے کو پولیس نے پکڑ رکھا تھا۔ اس نے وعدہ معاف گواہ بن کر اس کے ایسے ٹھکانوں کی نشاندہی بھی کر دی جس کا علم پولیس کو بھی نہیں تھا۔ فیروز پولیس اور سی آئی اے اسٹاف کی نظروں میں دھول جھونک کر پرسوں شام سے یہاں واپس آیا بیٹھا تھا۔ صبح پولیس نے اس کے جس ٹھکانے پر ریڈ کیا وہاں سے وہ مل گیا۔ وہ حلیہ بدلے ہوئے تھا۔"

"بہت عجیب، مگر بہت اچھے۔" اسفند نے کہا۔ "اب آگے کیا ہونے والا ہے؟"

"دیکھو، ابھی تو انھوں نے ریمانڈ لیا ہے۔ چارج شیٹ تیار ہے۔ تمھیں اس لیے بتایا کہ اب اصل کام اس بات کی نگرانی کرنے کا وقت ہے کہ کوئی بڑی شخصیت اپنی عزت بچانے کے لیے بیچ میں نہ کود جائے۔"

"اور اگر کود گئی تو؟"

"تو پھر ایکسٹرا محنت کرنی ہوگی۔ خود کو اس بڑی شخصیت سے بھی بڑی شخصیت ثابت کرنا ہوگا۔"

"چلو دیکھتے ہیں۔" اسفند نے فون بند کر دیا۔ یہ ان چند دنوں میں دوسری اہم خبر تھی جو اسے ملی تھی اور دونوں خبروں کا آپس میں گہرا تعلق تھا۔ اسے لگا بکھرے ہوئے باب اور کہانیاں آہستہ آہستہ خود بخود ہی سمٹتے جا رہے تھے۔

''سب لوگ اردگرد موجود ہیں۔کام دھندا بھی چل رہا ہے۔سب کچھ ویسا ہی ہے۔کچھ بھی نہیں بدلا مگر کیسی ویرانی سی ہے۔دل اڑا اڑا رہتا ہے۔''

مانو نے اس روز ماسٹر جی کے صحن میں درخت کے نیچے بیٹھے بچوں کو پڑھاتے ہوئے سوچا، ماسٹر جی ایک شعر کیا سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص پورے شہر کو ویران کر گیا کیسا سچا شعر تھا۔ ماسٹر جی نے تو یہاں سے جا کر بستی بھر کو ویران کر دیا۔اچھی خاصی آباد بستی غیر آباد لگتی ہے۔سب کا مشیر، غمگسار، دکھ درد کا ساتھی، مسیحا لگتا ہے کھو گیا ہے۔''

وہ اس روز مسلسل اسی قسم کی باتیں سوچ رہی تھی اور یہ ہی سوچتے سوچتے اس کا دھیان فراز کی طرف چلا گیا۔

''تم نے یہ اچھا نہیں کیا فراز! تم ہماری بستی کی رونق ہی اپنے پاس لے گئے۔اب پتہ نہیں انھیں وہاں رُکنے میں کیا منطق ہے۔سنا ہے کہ تمھارے پیپرز بھی ختم ہو چکے۔پھر تم ماسٹر جی کو واپس کیوں نہیں بھیج دیتے۔''

وہ ماسٹر جی کی غیر موجودگی سے ناخوش تھی مگر اس کا دل اسے بتا رہا تھا کہ وہ فراز کی لمبی غیر حاضری سے بھی بے چین تھی۔وہ اپنے جذبات اور خواہش کی نفی نہیں کر پا رہی تھی۔کتنا عرصہ ہو چکا تھا اسے فراز کو دیکھے۔ماسٹر جی کے بارے میں پوچھنے کے لیے جب بھی اس نے فون کیا۔فراز مختصر بات کر کے ماسٹر جی کو فون دے دیتا تھا۔کبھی کبھار وہ کوئی معنی خیز بات کہہ دیتا تھا۔مانو بظاہر اس کی بات کو نظر انداز کر دیتی تھی۔لیکن پھر کتنے ہی دن اس کے کانوں اور ذہن میں وہ بات گونجتی رہتی۔فراز ایسی کوئی بات کم ہی کرتا تھا لیکن مانو کے لیے کبھی کبھار کی ہوئی بات بھی کافی ہوتی تھی لیکن......اس وقت بستی کی بے رونقی کے متعلق سوچتے ہوئے اسے خیال آ رہا تھا کہ ماسٹر جی کی عدم موجودگی سے تو سب کو ہی فرق پڑا تھا اور سب اس کا ذکر بھی کرتے تھے مگر مانو کے دل کی ویرانی دوسروں سے کچھ زیادہ تھی۔اسے باقیوں سے زیادہ فرق پڑا تھا اور اس کا دل ہمک ہمک کر فراز کو دیکھنے اور اس کی آواز سننے کی تمنا کرنے لگا تھا۔

......۞......

''یہ فیروز بھٹی ہے۔'' جاوید لطیف نے لاک اپ میں بند ایک وی آئی پی کی طرح بیٹھے شخص کی طرف اشارہ کیا تھا۔''تم پہچانتے ہو اسے اسفند؟''

اسفند کے سامنے جو شخص بیٹھا تھا، وہ فیروز بھٹی ہرگز نہیں لگ رہا تھا۔''کیا کمال مہارت ہے اپنا چہرہ بدلنے

،تم نے دیکھا۔'' جاوید لطیف دوبارہ بولا۔'' پکڑائی دے سکتا ہے ایسا شخص۔'' اسفند کو یقین تھا کہ اگر وہ واقعی فیروز تھا تو یقیناً اس کا پکڑا جانا ایک معجزہ تھا۔

''کتنے لوگ انوالو ہو رہے ہیں صدیق صاحب اس کے سلسلے میں؟'' جاوید نے اپنے پیچھے کھڑے پولیس سر سے پوچھا۔

''آپ کو بتایا تھا جاوید صاحب! بہت پریشر ہے۔'' اس نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

''فیروز! کیا یہ واقعی تم ہو؟'' اسفند ان دونوں کی بات نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ کر لاک اپ میں بند سے مخاطب ہوا۔اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر منہ دوسری طرف کر لیا۔

''فیروز! یہ تم ہو؟'' اسفند نے اپنا سوال دہرایا۔

''یہ فیروز بھٹی ہی ہے اسفند صاحب! یہ خود تو نہیں بولے گا مگر ہم نے جو اس کا پٹھا پکڑا ہوا ہے، وہ اسے اس ہر رنگ میں پہچانتا ہے اور اس نے پہچان بھی لیا ہے۔'' صدیق نے کہا۔

''کون نہیں پہچانتا اس کو، للّی ڈی سوزا، سارہ شاہناز، انسپکٹر چاچڑ، وہ پپو اس کا پٹھا، کون نہیں جانتا اور کون کون کے خلاف گواہی دینے کے لیے بے چین ہے، اسے یقیناً آج تو خود بھی اندازہ ہو رہا ہوگا۔'' جاوید نے تمسخرانہ میں کہا۔

''اور تم!'' اس نے اسفند کی طرف دیکھا۔''اس کے خلاف سب سے اہم گواہی، سب سے اہم پرچہ تو تمہارا ۔'' اسفند ابھی بھی بار بار اس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا جسے فیروز بھٹی کہا جا رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ بھی بھی کن اکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے دیکھنے کا انداز اسے مانوس سا لگ رہا تھا۔

''ہاں یہ فیروز ہی ہے۔'' کچھ دیر بعد اس نے جاوید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''میں اس سے کچھ بات کر لر آپ لوگ اجازت دیں۔''

''یقیناً۔'' جاوید کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔وہ دونوں صدیق کے کمرے کی طرف چلے گئے۔

اسفند نے مڑ کر دیکھا اس کے سامنے بیٹھا شخص اب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔''حد ہے مہارت کی'' نے اس کا بدلا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک بار پھر سوچا۔

''کیا تم نے کبھی سوچا تھا فیروز کہ تم یوں کبھی قانون کے شکنجے میں پھنسو گے۔'' اس نے اسے مخاطب کیا۔

''یوں لاک اپ میں بند ہو جاؤ گے؟''

''شطرنج کی جو بساط تم نے بچھائی تھی اس کے وہ مہرے بری طرح پٹ جائیں گے جو تمھارے تھے اور تمھیں یٹ بھی ہو جائے گی۔'' اس کے سامنے بیٹھے شخص نے......گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے یر معمولی تاثر نہیں تھا۔

''تم نے بہت ساری زندگیوں کو جہنم بنانے کا کھیل ایک عمر کھیلا اور بہت خوب کھیلا کیا کبھی تم نے سوچا تھا کہ وہ ملیاں جس میں تم نے دوسروں کو ڈالا ایک دن تم خود بھی اس میں پھنس سکتے ہو اور تمھیں راستہ ڈھونڈنے کے ـ قدم چلنا دشوار ہو جائے گا۔''

''بولو!'' اپنے مخاطب کی مسلسل خاموشی پر اسفند نے سخت لہجے میں کہا''بولتے کیوں نہیں۔تمہاری وہ زبان ئی جو لوگوں کا دوست بن کر انھیں الجھے ہوئے راستوں پر ڈالتی تھی۔بولتے کیوں نہیں؟'' وہ اب بھی کچھ نہیں

"تم اس لیے نہیں بول رہے کہ تمھارے پاس بولنے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔ تم جانتے ہو کہ تم اپنی تما مکاری اور عیاری سمیت پہچان لیے گئے ہو اور تمھارا یوم حساب اب بہت دور نہیں۔" اس کی مسلسل خاموشی پر تلملا اسفند...... لاک اپ سے نکلنے کا ارادہ کرتے ہوئے پیچھے کی طرف مڑا۔

"میری خاموشی کو میری شکست سمجھنے والے احمق ہیں اسفند یار!" اسے اپنے عقب سے آواز آئی۔ وہ غی ارادی طور پر پیچھے کی طرف گھوم گیا۔

"میں دوستوں کا دوست ہوں اسفند یار! مگر دشمنی کرنے والوں کو چھوڑنے یا معاف کر دینے کا قائل ہر گ نہیں۔ یہ تو تمھیں ایک دو دن میں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ مہرے کس کے پٹے ہیں اور شہ مات کس کو ہوئی ہے۔" بدلے ہوئے حلیے کا وہ شخص فیروز بھٹی کی آواز میں بول رہا تھا اور اس کے لہجے اور انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ بات اتنے اعتماد سے تم کیسے اور کیوں کہہ رہے ہو۔" اسفند نے ٹھہرے ہوئے پرسکو لہجے میں کہا "مگر تم بھول رہے ہو کہ وہ سہارے اور وہ چھاؤں جس کے میسر آ جانے کی تمھیں امید ہے، روکے جا چ ہیں۔ ان کا اثر ہونا ہوتا تو آج تم یہاں نہ بیٹھے ہوتے۔ تم پر کوئی آنچ نہ آئی ہوتی۔ جبکہ آج صبح کے اخبارات م تمھارے یہاں رونق افروز ہونے کی خبر جلی حروف میں چھپی ہے اور خاصی دور دور تک پھیل چکی ہے۔ اتنا تو تمھیں ہوگا کہ ایسی خبریں اگر کوئی چاہتا ہو کہ شائع نہ ہوں تو پریس میں جانے سے پہلے روک لی جاتی ہیں۔" یہ بات ک ہوئے اسفند کو محسوس ہوا کہ پہلی بار فیروز کے چہرے پر بے چینی کے ہلکے سے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"ایک ہزار ایک راستے پھنسنے اور پھنسانے کے اور اس سے دوگنے بغیر کسی نقصان کے پھنسے ہوئے کے نک کے ہیں ہماری ڈکشنری میں۔ ہماری دنیا کے اصول بڑے مختلف ہیں اسفند! تمھارے جیسا شریف آدمی عمر بھر سمجھنے کوشش کرتا رہے تو بھی نہ سمجھ پائے۔ اخباروں کی شہ سرخیاں ہمیں کیا نقصان پہنچائیں گی بھلا۔ وہ تو معصوم سا ح ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسی خبریں اپنے شائع کرنے والوں سمیت ہائی جیک ہو جائیں کل تک۔" وہ تمسخرانہ انداز م مسکراتے ہوئے بولا "جاؤ اسفند یار! تم اپنا زور لگاؤ، مجھے اپنا لگانے دو۔"

اسفند کچھ دیر وہیں کھڑا اس کو غور سے دیکھتا رہا اور پھر مڑ کر باہر نکل آیا۔ اسے فیروز کے اعتماد اور سکون سے وحشت ہونے لگی تھی۔ اس کا دل نئے وہم میں پڑ گیا تھا۔ وہ کیا بات تھی جس کے بھروسے پر وہ اتنا پُر اعتماد تھا۔

"کسی کی سوچ دنوں میں بدل سکتی ہے۔ یہ پہلے میں نے صرف سنا تھا اور یقین کبھی نہیں کیا تھا۔" سارہ نے بات رباب سے کہی تھی۔ "مگر میرے خود کے ساتھ ایسا ہوا تو مجھے یقین آ گیا کہ ایسا بالکل ممکن ہے۔"

"تمھارے ساتھ ایسا کیسے، کیوں اور کب ہوا، تم نے اس پر غور کیا کبھی؟" رباب نے کہا۔ وہ شاہنواز احمد عیادت کے لیے سارہ کے پاس ہسپتال آئی ہوئی تھی اور وہ دونوں ہسپتال کے لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔

"یہ میں نہیں جانتی، میں بڑی بڑی باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مگر یہ ضرور جانتی ہوں کہ بہت سے انکشافات مجھ پر اچانک ہوئے جن میں سے سب سے بڑا انکشاف اپنی حقیقت کے بارے میں ہے۔ کبھی کبھار مج اپنا آپ بہت قابل افسوس لگتا ہے۔ میں زندگی بھر خود کو کیا سمجھتی رہی مگر میں نکلی کیا۔"

"یہ کیا بات ہوئی سارہ۔" رباب نے خفگی سے کہا۔ "تم کس قسم کی خود ترسی میں مبتلا ہو رہی ہو، کیا کمی ہے میں؟"

"کسی کو یہ کمی نظر نہیں آئے گی، مگر میرے دل کو تو احساس ہے نا!" سارہ نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہماری قسمت کا اندازہ کرو تم رباب! کہ ہم ماسٹر ہدایت اللہ کے خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود ہدایت سے محروم ہیں جبکہ ایک دنیا نے ان سے ہدایت حاصل کی اور اپنی زندگی میں کامیاب بھی ہیں۔"

"تم لوگ بھی تو زندگی میں کامیاب ہو۔" رباب نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"یہ تو میں مانتی ہوں۔" سارہ نے اعتراف کیا "مگر تم سوچو کہ اگر ہم براہ راست ان سے وابستہ ہوتے تو کیا بہتر انسان نہ ہوتے۔"

"بہتر انسان بننا قسمت والوں کا ہی مقدر ہوتا ہے سارہ!" رباب نے صاف گوئی سے کہا۔ "تمھارے والد بھی تو شروع سے ہی ماسٹر جی سے براہ راست وابستہ تھے پھر انھیں تو صرف بہتر نہیں، بہترین انسان ہونا چاہیے تھا مکمل ہدایت نہ پا سکتے تو بھی بھٹکنے نہ پاتے مگر تم دیکھو کہ ان کی قسمت نے، ان کی تقدیر نے انھیں ہدایت کے گہوارے سے اٹھا کر گمراہی کے جھولے میں ڈال دیا۔ اس کو تم مقدر کے سوا کیا کہو گی۔"

"بس ایسا ہے۔" سارہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "جو ہونا ہوتا ہے، وہ اپنی روٹین کے ساتھ ہوتا جاتا ہے، ہم انسانوں کو اس روٹین کی سمجھ بھی نہیں آتی نہ ہی آ سکتی ہے۔ ہم تو صرف وقت گزر جانے کے بعد واقعات کے تجزیے ہی کرتے رہ جاتے ہیں۔ خدا کی خدائی کا یہ ایک ایسا سلسلہ ہے، جسے سمجھنے کے لیے نادیدہ اسرار سے واقفیت ضروری ہے اور یہ واقفیت ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔"

"تم نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ باتوں کو سمجھ لیا ہے سارہ! یہ خاصا تعجب خیز ہے۔" رباب نے خوشی سے اظہار کیا۔

"میں اب عمر سے زیادہ تجربے کی اس اسٹیج پر ہوں رباب! جہاں بہت سی باتیں بغیر کسی سے وضاحت مانگے از خود سمجھ میں آ جاتی ہیں، شرط یہ ہے کہ ایسی سننے اور پرکھنے کو مل جائیں۔ مجھے یہ باتیں ماسٹر جی سے ملاقات کے بعد سننے کو ملیں۔" سارہ نے سادگی سے اعتراف کیا۔

"ماسٹر جی تو وہ ہم سب کے لیے ہیں سارہ۔" رباب نے گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے کہا "تمھارا تو ان سے بہت قریبی رشتہ ہے، بہت گہرا پھر تم ان کو ماسٹر جی کیوں کہہ رہی ہو۔"

"ان کے رتبے کا تقاضا ہی یہ ہے رباب! وہ ماسٹر ہیں، عام بول چال میں استعمال ہونے والے اسکول ماسٹر نہیں ہیں محض وہ، علم و آگہی کا ایک سمندر ان کے پاس ہے۔ انھیں کسی رشتے اور تعلق کے حوالے سے کوئی نام دے کر مخاطب کرنا علم و آگہی کے اس سمندر کی توہین ہوگی۔"

"واہ، واہ سارہ!" رباب نے بے اختیار کہا "تم تو سراپا بدل گئیں، تمہاری گفتگو میں کتنی تبدیلی آ گئی ہے۔ مجھے تو بار بار یقین کرنے کے لیے خود کو چٹکی کاٹنا پڑتی ہے کہ میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔"

"تم نے اب تک کتنے خواب دیکھے ہیں میرے بارے میں جو یہ خواب لگ رہا ہے تمھیں۔" سارہ نے ہنس کر کہا اور اٹھ کر اس کے لیے چائے لانے کیفے ٹیریا کی طرف چل دی۔

رباب اس کے انتظار میں بیٹھی تھی جب اس نے سامنے سے آتی یورپین نین نقش کی حامل اس لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھا، جو ایک ٹانگ سے محروم تھی اور چلنے کے لیے بیساکھی سے کام لے رہی تھی۔ وہ لڑکی قریب آ کر اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی اور پھر اس نے اپنی اسکرٹ کی جیب میں چھپایا اپنا ہاتھ نکالا۔ رباب کو اس کا ہاتھ دیکھ کر ایک اور شاک لگا اس کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹی ہوئی تھیں۔ بے اختیار اسے اس پیارے نقوش والی لڑکی سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

''اسموکنگ سختی سے منع ہے یہاں!'' رباب کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ خود ہی مخاطب ہوئی ''اسی لیے میں یہاں آنا پسند نہیں کرتی مگر میری مام ہیں جو مجھے زبردستی یہاں لے آتی ہیں۔'' اسے اچھی اردو بولتے دیکھ کر بھی رباب کو حیرت ہوئی۔

''یہاں آپ کی مدر ایڈمٹ ہیں؟'' اس نے یونہی پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''یہاں ایک ایسا شخص ایڈمٹ ہے جس کے متعلق کچھ دن پہلے ہی معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا باپ ہے۔''

''آپ کا نام؟'' رباب کو اس کی بات سے کچھ خیال آیا۔

''للی ڈی سوزا۔'' لڑکی نے آنکھیں میچتے ہوئے کہا ''تم نے پہلے بھی کہیں مجھے دیکھا ہے۔ ہے نا!'' اس کے لہجے میں یقین تھا۔

''ہاں آں!'' رباب نے سوچتے ہوئے کہا ''شاید۔'' پھر نجانے کس خیال کے تحت اس نے کہہ دیا۔

''میں کچھ عرصے پہلے تک تھیٹر کی دنیا پر راج کرنے والا نام تھی۔ تم نے ''ککودی ڈانسنگ ڈول'' کا نام تو سنا ہوگا۔ یقیناً سنا ہوگا بلکہ دیکھا بھی ہوگا مجھے تھیٹر کے ڈراموں میں، میرے نام کی وجہ سے شو سے پہلے ہی ہاؤس فل بکنگ ہو چکی ہوتی تھی۔ لوگ ٹوٹے پڑتے تھے بکنگ آفس پر۔''

''اوہ اچھا!'' رباب نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ جو بڑے بڑے افسر ہیں نا؟'' اس نے ایک موٹی سی گالی دے کر کہا۔ ''یہ سب مرتے تھے میرے ساتھ تھوڑا وقت گزارنے کے لیے۔''

''وقت تمھارے پاس کہاں ہوتا ہوگا؟'' رباب نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے کہا۔

''نہیں ہوتا تھا۔'' اس نے سر ہلایا ''مگر نکالنا پڑتا تھا۔ ہمارے، للے تللے صرف تھیٹر کی آمدنی سے تو نہیں پورے ہو سکتے تھے نا۔''

''اوہ، ہاں اچھا!'' رباب نے اس کی بات سمجھ لینے کے سے انداز میں کہا ''پھر یہ تمھارے ساتھ کیا ہوا؟'' اس نے اس کے ہاتھ اور ٹانگ کی طرف اشارہ کیا ''وئی ایکسیڈنٹ وغیرہ؟''

''تم اسی ملک میں رہتی ہو؟'' جواب میں لڑکی نے اس سے سوال کیا۔

''ہاں، کیوں؟'' رباب نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''اخبار وغیرہ نہیں پڑھتی ہو گی؟''

''پڑھتی ہوں۔'' رباب نے حیرت سے کہا ''شہ سرخیاں تو ضرور باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔''

''پھر بھی تمھیں علم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔'' وہ خفگی سے بولی ''ککودی ڈانسنگ کوئین آف دی ورلڈ آف تھیٹر کے ساتھ کیا ہوا۔ ایک دنیا جانتی ہے اور تم اچھی خاصی پڑھی لکھی لڑکی لگ رہی ہو، اخبار پڑھنے کا دعویٰ بھی کرتی ہو، پھر بھی نہیں جانتیں۔'' وہ اب قدرے بلند آواز میں بولنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اسی دم سارہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے اٹھائے ادھر آ گئی۔

''یہ۔'' رباب نے انگلی سے اس لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنا چاہا۔

''ہاں یہ۔'' سارہ نے سر ہلایا ''یہ للی ہے، للی ڈی سوزا، میرے والد کی دوسری بیوی جینس ڈی سوزا کی بیٹی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہ تمھاری بہن ہے۔''

''ہاں، یہ ہی سمجھ لو۔'' سارہ نے چائے کے کپ میں چمچہ ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم نے ابھی یہ نہیں سنا کہ یہ کہہ رہی ہے کہ میں اس کے والد کی دوسری بیوی کی بیٹی ہوں، اس کے والد کی بیٹی ہونے کا ذکر اس نے نہیں کیا۔'' للی نے چیونگم کا پیکٹ کھول کر چیونگم منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''گویا ان صاحب کی بیٹی ہونا ابھی تک مشکوک بات ہے، پھر مما مجھے یہاں کیوں روزانہ گھسیٹ لاتی ہیں یہ سمجھ میں نہیں آیا۔''

''میں نے یہ نہیں کہا للی۔'' سارہ نے تحمل سے کہا۔

''تمھارا یہ ہی مطلب ہے۔ اب جو چاہے تم کہو۔'' للی نے چیونگم چباتے ہوئے کہا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ یہ ہی بات ہے جو تمھیں ہضم نہیں ہوئی۔ گڑھی شاہو کی کرنٹی، تھیٹر کی اداکارہ سستی والی، تم لوگوں کا گند صاف کرنے والوں کی اولاد، تمھاری ہاف سسٹر کیسے ہو سکتی ہے۔ تمھاری سوئی اسی بات پر اٹکی ہوتی ہے۔ ذرا ان والد صاحب کو ہوش لے پھر ان سے پوچھنا کہ ایسا ظلم انھوں نے کیوں کیا؟''

''تم غلط سمجھ رہی ہو للی!'' سارہ نے نرمی سے کہا۔ ''حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے کبھی کبھی تمھارے سامنے اپنا آپ کم سا لگتا ہے۔ جب میں آنٹ جینس کو دیکھتی ہوں، تمھارے لیے وہ کتنی کنسرنڈ رہتی ہیں اور پھر یہ دیکھ کر کہ تم ایک با کردار، صابر اور قناعت پسند خاتون کی بیٹی ہو تو یقین جانو مجھے تم خود سے بہت بہتر لگتی ہو۔ زندگی میں پا لینا ف پیسے اسٹیٹس، ناموری، اچھی تعلیم، آسائشات ہی نہیں ہوتا، اس سب کے ساتھ ساتھ اگر مقدس رشتوں کا ھ، دعا کرنے والے ہاتھ اور اخلاقیات انجیکٹ کر دینے والی زبان بھی میسر ہو تو پھر فخر سے کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے ا۔''

''تم یہ بات یہاں بیٹھے اس لیے کہہ رہی ہو کیونکہ تم نے وہ زندگی دیکھی ہی نہیں جو ہم نے گزاری۔ احاطے عیسائیوں کی زندگی۔ ہمارے اردگرد کے سب لوگ شاگرد پیشہ، جن کی عورتیں صبح صبح گھروں سے نکل جاتی ہیں ڑو پوچھا کرنے اور مرد کارپوریشن کی طرف سے لگائی گئی ڈیوٹیوں والے ایریاز میں گلیاں نالیاں صاف کرنے۔ کے بچے مشن کے اسکولوں میں جاتے ہیں اور اکثر ان میں سے چھ سات جماعتوں سے آگے نہیں پڑھ پاتے۔ ھے سے زیادہ پود لفنگی اور آوارہ جس کی کوئی منزل ہے نہ کوئی راستہ، احساس کمتری کی شکار بزعم خود اعلیٰ مسلم کمیونٹی دگ ان کو منہ لگانے کو تیار نہیں۔ آپس کا میل جول برائیاں جنم دیتا ہے ڈی ٹریکڈ اور قابل رحم جنریشن، جو اگر کبھی پڑھ لکھ کر بہتر پوزیشن میں آ بھی جائے تو نان مسلم کمیونٹی کوٹہ کی زد میں آ جاتی ہے۔ اگر کبھی کسی اچھی پوسٹ کا اہل ، ہو بھی جائے تو تقرری اور ترقی کے راستے میں بھی یہ ہی کوٹہ حائل ہو جاتا ہے۔ ہمیں قدم قدم پر جتایا جاتا ہے کہ رہماری حیثیت کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اسکول کے زمانے میں میری اور لینا کی کبھی اچھی فیملی کی مسلم لڑکی سے ہو بھی جاتی تو ہمارا بیک گراؤنڈ معلوم ہو جانے پر اس کے گھر والے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر ہماری دوستی ختم کروا یہ کہہ کر کہ اب تم ان چوڑوں چماروں سے دوستی کر کے ان میں اٹھا بیٹھا کرو گی۔ ہم اگر کبھی کہیں جانے کے لیے طرح سے تیار ہو کر نکلتیں تو مسلمان بچے ہمارے پیچھے تالیاں بجاتے آتے اور ہمیں گڑھی شاہو کی میمیں کہہ کر تے، شرمندگی اور خفت کے مارے جو ہمارا حال ہوتا تھا وہ ہم ہی جانتے ہیں۔ ہر جگہ ہم سے امتیازی سلوک برتا اپنے کمپاؤنڈ میں تو ہم اپنی سفید چمڑیوں، نیلی، سبز آنکھوں اور سنہرے بالوں کی وجہ سے دوسروں سے معتبر نی جاتی تھیں مگر اس احاطے سے باہر کی دنیا میں کون ہمیں جانتا تھا۔ ہماری زبان، ہمارا رہن سہن، ہمارے طور ے ہم سے درست واقفیت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ تھے۔ سو جو واقفیت حاصل کر لیتا، وہ ہم سے دُور دُور ہی ا۔ لنڈے سے خریدے گئے سستے کپڑوں اور فٹ پاتھ سے خریدے گئے جوتوں، سستے میک اپ اور چیپ

فیشن، ہماری گروتھ ان ہی آسائشوں کے ساتھ ہوئی۔ ہمارے بھی کچھ خواب، آرزوئیں اور خواہشات ہوں گی۔ اگر میں اپنے اسی باپ کے زیرِ سایہ پلی بڑھی ہوتی تو کیا آج لوگ مجھے ککو دی ڈانسنگ ڈول کہتے حقارت کے ساتھ پھر میرا اسٹیٹس بھی سارہ شاہنواز جیسا ہوتا، جو خود کو جیسا بھی سمجھتی ہے، لوگ اس کا احترام بہرحال کرتے ہیں۔"

رباب نے محسوس کیا کہ للی کا چہرہ جوشِ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اپنے بارے میں سچ بولنے پر اتر آئی تھی اور جب انسان اپنی حقیقت بیان کرتے ہوئے سچ بولنے پر اتر آئے تو کوئی ایک گوشہ بھی پوشیدہ نہیں چھوڑتا اس بات کا ادراک رباب کو بخوبی تھا اور وہ للی کے اس انداز سے خائف ہو رہی تھی، شاید اسے اپنی کمیونٹی کے رویے دل میں شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"کول ڈاؤن للی!" اس نے نرمی سے کہا۔ "تم بہت سی باتیں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو مگر ایک بات تمھارے ہمارے سب مذاہب نے تقریباً ایک سی کہی ہے۔ آدمی اپنی قسمت سے نہیں لڑ سکتا۔

اگر قسمت کو بہتر کرنا اس کے مقدر میں ہو اور وہ اس کے لیے کوشش کر کے کامیاب ہو جائے تو درحقیقت یہ بھی اس کی قسمت میں ہی لکھا ہوتا ہے اس لیے موازنہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایک حقیقت اور بھی ہے جس میں تمھاری اور سارہ کی قسمت ایک جیسی رہی۔"

"وہ کیا؟" سارہ اور للی ایک ساتھ چونک کر بولیں۔

"تم دونوں کی زندگیوں پر سب سے گہرا اور بڑا اثر چھوڑ جانے والا بلکہ شاید تمھاری زندگیوں کو بربادی کے دہانے پر پہنچانے والا شخص ایک ہی ہے۔" رباب نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، دونوں کے چہرے اب بھی سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے۔

"میں فیروز بھٹی کی بات کر رہی ہوں اور تم دونوں بخوبی جانتی ہو کہ اس نے الگ الگ سہی تم دونوں کے ساتھ کیا کیا؟"

"فیروز اور للی!" سارہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"سارہ اور فیروز۔" للی نے زیرِ لب دہرایا۔

"اور سارہ! کیا تم اس بات سے واقف ہو کہ وہ بچہ جو اسفند کے کڈز ہوم سے اغوا ہوا، کہاں پہنچایا گیا؟" رباب نے سوال کیا۔

"اوہ میرے خدا!" سارہ کا سر چکرانے لگا۔

"اس بچے کا سارہ سے کیا تعلق؟" للی نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا، وہ مارے حیرت کے چیونگم چبانا بھول گئی تھی۔

"وہ بچہ سارہ کے پاس ہی تھا، اس کے مرحوم شوہر کی نشانی۔" رباب نے مبہم جواب دیا۔

"وہ تمھارا بچہ تھا؟" للی نے حیرت سے پھیلتی نظروں کے ساتھ سارہ کی طرف دیکھا۔

"جیوفری تمھارا بیٹا تھا سارہ؟" اس نے بے اختیار سارہ کو جھنجھوڑا۔

"یونہی سمجھ لو۔" رباب نے کہا۔ "اسے حفاظت کی غرض سے کڈز ہوم میں رکھا گیا اور وہاں سے فیروز نے اسے اغوا کر کے تم تک پہنچا دیا۔ پھر تمھارے ہاں سے لے جانے کے لیے اس نے تمھارا یہ حشر کر دیا۔" اس نے للی کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کی بھی زندگی خراب اور تمھاری بھی۔ کیا یہ عجیب اتفاق نہیں ہے؟" رباب نے باری باری دونوں کو دیکھا جو اپنا اپنا سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

"سو للی ڈی سوزا!" نتیجہ یہ نکلا کہ اپنی قسمت کا رونا رونے سے بہتر یہ ہے کہ اس کے بہتر ہو جانے کے لیے دعا کرو۔ تم نے دیکھا قسمت کے کرشمے کیا ہوتے ہیں اور یہ کیسے کیسے انسانوں کو لیٹ ڈاؤن کرتی ہے اگر اس پر شاکر رہا جائے تو۔"

"وہ بچہ کہاں ہے۔ کسی کو معلوم ہے؟" للی نے بے چینی سے پوچھا۔ "اس کا باپ کون تھا سارہ؟"

سارہ نے ایک مرتبہ پھر گہرا سانس لیا اور صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

"وہ بہت پیارا بچہ تھا، میری گرینی تو اس پر جان دیتی تھی۔ اب وہ ظالم اسے نجانے کہاں لے گیا ہوگا۔" وہ ...ت پیس کر گالیاں دینے لگی۔

رباب نے دیکھا سارہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے یقیناً وہ مہدیار کو یاد کر رہی تھی۔

"اس بچے کے سلسلے میں تمھاری لگن سچی ہے سارہ! وہ تمھیں ضرور ملے گا۔" اس نے کہا۔

"میرا دل مت بہلاؤ رباب! میں اس کے سلسلے میں مایوس ہو چکی ہوں، شاید میری نیت اور میرے عمل ہی ...ں کوئی خرابی تھی جو مجھ سے شہریار کے ساتھ کیا وعدہ نبھایا نہ گیا۔ سوچتی ہوں روزِ حشر وہ پوچھے گا تو اسے کیا جواب ...ں گی۔" سارہ نے بے دلی سے کہا۔

"اسے سب معلوم ہوگا۔" رباب نے اسے تسلی دی "تمھاری نیت اور تمھارے عمل کا احوال، تمھارے دل کی لگن بھی۔ وہ یقیناً تم سے کوئی گلہ نہیں کرے گا اور تم مایوس کیوں ہوتی ہو۔"

"اب کیا کیا دیکھنا ہے۔" سارہ کے لہجے میں ہنوز بے دلی تھی کون سے اور کیسے اچھے وقت شہریار محمد دنیا سے ...ﻼ گیا، ڈیڈی موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہیں، مہدیار کھو گیا۔ اب میرے ہاتھ خالی ہیں، میں تہی دامن ہوں۔ ...برے لیے اچھا وقت کہاں سے آئے گا، مجھے تو اب شاید زندگی کے دن ہی پورے کرنے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے ...ا میرے ساتھ، میں نے زندگی میں بہت سے گناہ کیے ہیں، مجھے ان کا کفارہ بھی تو ادا کرنا ہے۔"

"تم بہت سی باتیں یونہی فرض کیے جا رہی ہو سارہ!" رباب نے اسے ٹوکا۔ "تم نے منفی رویہ کیوں اپنا رکھا ہے۔ تمھارے والد ابھی زندہ ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں، زندگی کی امید قائم ہے۔ شہریار تمھارے لیے اَن گنت ...چھی یادیں چھوڑ گیا ہے۔ مہدیار بھی ابھی زندہ ہے اور اس کے ملنے کی امید اس کی زندگی میں قائم رہنی چاہیے۔ ...مھارے سر پر ماسٹر جی کا سایہ آ گیا اور یہ ایک اتنی بڑی اچیومنٹ ہے کہ اس کے آگے سب حاصل وصول ہیچ ہیں۔ تم ...جیسی لڑکی تہی دامانی اور مایوسی کی باتیں کرتی اچھی نہیں لگتی۔ تم اپنی سوچ کو مثبت بھی کر سکتی ہو۔"

"میں تمھاری طرح خوش امید نہیں ہوں رباب! میرے حالات نے مجھے ایک بڑی شکست سے دوچار کر رکھا ہے۔ پسپائی کے احساس نے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مجھ سے چھین لی ہیں۔ میں اس کیفیت سے باہر نہیں نکل سکتی تاوقتیکہ کوئی معجزہ نہ ہو جائے۔" سارہ نے کہا۔

"میری سمجھ میں تو یہ بڑی بڑی باتیں نہیں آتیں۔" للی نے ان کی یہ گفتگو سننے کے بعد کہا۔ "مگر اتنا مجھے پتہ چل گیا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے ایک پتہ بھی نہیں توڑ سکتا درخت سے، ہم واقعی یہ چاہ رہے ہوتے ہیں کہ ہماری زندگیاں اس طرح گزریں جیسے ہمیں پسند ہے لیکن پیچھے مڑ کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ جو ہماری پسند ہوتا ہے، وہ بھی جب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب خداوند کی مرضی اس میں شامل ہوتا اور جو ایسا ہے جو ہمیں پسند نہیں ہوتا اس کے ہونے کے پیچھے بھی کوئی راز کی بات ہوتی ہے۔ میری پیاری کزن اور دوست لینا ڈی سوزا کے بارے میں تم لوگ نہیں جانتیں۔۔۔ خداوند کے بہت پیارے بندوں کی سی خوبیاں رکھنے والی بہت مخلص بہت پیاری اور بہت نیک فطرت

لڑکی ہے۔ اس نے آنکھ کھولی تو ماں باپ دونوں سے محرومی کے ساتھ، گرینی کا مزاج دس رخ بدلتا تھا دن میں، کبھی بہت پیارے کبھی بہت سختی، کبھی اس سے ہمدردی کبھی اس کے ناکردہ گناہوں پر غصہ، میری مام نے اس کو مالی طور پر تو پورا سپورٹ کیا مگر وہ اسے ماں والا پیار نہ دے سکیں۔ میں نے اسے ہمیشہ فور گرانٹڈ لیا۔ کبھی اس سے بہت راضی اور کبھی اپنے کو بہت اہم اور اس کے غیر اہم ہونے کا احساس دلاتی۔ اس نے ایک لمبا عرصہ اسی سرد و گرم میں گزارا۔ مگر صبر، قناعت اور حوصلہ اس میں اس کی فطرت میں تھا شاید اور اس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ بھی ہوتا چلا گیا۔ میں نے کبھی اسے کسی چیز کی خواہش کرتے نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ خداوند کی مرضی میں راضی رہی۔ جب کام کر کے کمانے کے قابل ہوئی تو اپنا بوجھ خود اٹھا لیا۔ پھر اسے فراز مل گیا۔ فراز تو ہے ہی اچھا لگنے والا انسان، مگر لینا کے لیے وہ ڈی مین ان لائف بن گیا۔ شاید کئی اور لڑکیوں کے لیے بھی وہ ایسا ہی ہو مگر لینا کے دل میں کسی چیز کی خواہش اٹھتے میں نے پہلی بار محسوس کیا۔ اگرچہ اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا مگر میں خوب جانتی ہوں کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ تھا۔ میں سوچتی تھی کہ اس کا تمام عمر کا صبر اب اس کے کام آئے گا، اس کا راستہ صاف کر دے گا اور فراز اسے مل جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا وہ فراز کی خواہش رکھتی تھی مگر وہ خود فراز کی خواہش نہ بن سکی اور اس خواہش کے حصول میں ناکامی کا ردعمل یہ ہوا کہ اس نے دنیاداری چھوڑ کر خداوند یسوع کے بتائے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا۔''

للّی کی آواز بھرانے لگی اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''یہ وہ راستہ تھا جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' اس نے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ''اسی کو قسمت کہتے ہیں شاید، اسی کا نام مقدر ہے غالباً لینا ڈی سوزا، صبر کے راستے پر چلتے چلتے یسوع کی بھیڑوں میں شامل ہو گئی، شاید اسی میں اس کی نجات ہے۔ شاید اسی میں اس کے لیے روشنی ہے۔''

للّی کی بات مکمل ہونے پر سارہ اور رباب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ''ابھی کچھ دن پہلے فراز مجھے بتا رہا تھا کہ لینا سے اس کا ایک ایسا تعلق بن گیا جس کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔'' سارہ نے رباب کے کان میں سرگوشی کی۔

''کیا دنیاداری سے کنارہ کشی لینا کے دل کی خلش کو کم یا ختم کر سکے گی؟'' رباب نے بلند آواز میں سوال کیا۔

''دل بھی کبھی کسی بہلاوے میں آیا ہے۔'' سارہ نے کہا۔ ''دل کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔''

''سو نتیجہ یہ ہے ڈیر لیڈیز کہ خداوند کے اسرار کو کوئی سمجھ نہیں سکتا، ہماری تمہاری عقلیں اس سلسلے میں بے بس ہیں۔'' للّی نے اٹھتے ہوئے اپنی بیساکھی پکڑی اور لفٹ کی طرف چل دی۔

……⚙……

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زندگی اور زندہ رہنے کے لیے جس اندرونی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، جس خواہش کی ضرورت ہوتی ہے شاہنواز صاحب اس کو کھو رہے ہیں۔ ان کی دل پاور ختم ہو رہی ہے۔ ان کی یادداشت کمزور ہو چکی ہے اور گویائی کی قوت سلب ہوتی جا رہی ہے مگر ان کی نبض، ان کی سانس چل رہی ہے اور جب تک یہ چل رہی ہے ہم خدا کی قدرت سے کسی معجزے کے متوقع رہیں گے۔'' ڈاکٹر سعید فراز اور سارہ سے مخاطب تھے۔

''میڈیکل سائنس نے ایسے کتنے معجزوں کا تجربہ کیا ہے ڈاکٹر جن میں اس حد تک ختم ہوا مریض زندوں جیسی زندگی گزارنے لگے۔'' سارہ کے لہجے میں حد درجہ سنجیدگی تھی۔

''چند ایک، بہت کم، بہت ہی کم۔'' ڈاکٹر سعید نے صاف گوئی سے کہا۔

''کیا ہمیں ذہنی طور پر آنے والے صدمے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' سارہ نے ان کا جواب سن کر اضطرار

، کہا۔

''میں نے ابھی عرض کیا کہ جب تک سانس چل رہی ہے ہمیں امید کا دامن پکڑے رہنا چاہیے۔'' ڈاکٹر سعید اسے تسلی دینے کے سے انداز میں کہا۔

''سانس بھی وہ ہے ڈاکٹر جو مشینوں کی مدد سے چل رہی ہے۔ آپ مشینیں ہٹا دیں تو زندگی دو پل کا کھیل بن رہ جائے گی۔'' سارہ نے اذیت سے دکھتی آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

''موت تو اٹل حقیقت ہے سارہ!'' ڈاکٹر سعید نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''مگر جب تک یہ آتی ں، زندگی زندہ رہتی ہے۔ موت ہی تو دراصل زندگی کی حفاظت کر رہی ہوتی ہے کیونکہ اس کے آنے سے پہلے کوئی ی کو مار نہیں سکتا۔''

''اور جب تک یہ آ نہ جائے زندگی مسلسل اذیت ہے۔'' سارہ نے سر جھٹک کر کہا۔ ''آپ نے ڈیڈی کے ے کی اذیت دیکھی ڈاکٹر سب طبی سہولتیں ہوتے ہوئے بھی ان کے جسم کا ریشہ ریشہ اذیت سے دوچار ہے۔ اتنا بڑا ، اتنا اعلیٰ دماغ مردہ ہوا پڑا ہے۔ رنگوں، برش، پتھروں اور الفاظ سے کھیلنے والے ہاتھ بے جان ہیں۔ بڑے ے فورمز پر کھل کر بولنے والی زبان خاموش ہے۔ مگر سانس پھر بھی چل رہی ہے اور جب تک یہ چل رہی ہے، ہم امردہ قرار نہیں دے سکتے۔ یہ کیسی سزا ہے۔ یہ کیسی اذیت ہے ان کے لیے بھی اور ہمارے لیے بھی۔'' اب اس کی ں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''آپ تو بہت بہادر ہیں، بہت ہمت والی ہیں۔'' فراز نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''آپ سمجھتی ہیں ت کو، پھر یوں بے حوصلہ کیوں ہو رہی ہیں؟''

''یہ ایک بیٹی کے آنسو ہیں فراز! خون کے رشتوں کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ غصہ رنج، گلے، شکوے سب اپنی مگر خون کے رشتے کو ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا احساس بڑا وحشت ناک ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر سعید نے نرمی سے کہا۔ ی زندگیاں ایسے ہی مناظر دیکھتے گزر رہی ہیں مگر جب ہم پر کبھی ایسا وقت آتا ہے، کسی خونی رشتے کے ہمیشہ لیے کھو جانے کا وقت تو پھر ہم سب کچھ اچھا بھلا جانتے ہوئے بھی اسی وحشت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک فطری ت ہے۔''

''اور یہ سب جو آپ اس قدر بے چین ہیں آپ کے لیے شاہنواز صاحب، کبھی کیسا آپ کی شکل دیکھنے کے ہیں تھے۔'' اس شام ماسٹر جی، آنٹ جینس، سارہ اور للّی کو افسردہ بیٹھے دیکھ کر فراز نے سوچا ''ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ے کے منتظر ہیں وہ۔ وہ کیا جانیں کہ معجزہ تو ہو گیا۔ اگر یہ معجزہ نہ ہوتا تو آپ بے چین جسم کے ساتھ روح کی بے ر اذیت بھی سہہ رہے ہوتے۔ اب کم از کم وہ تو نہیں ہو گی نا۔ آپ نے بہت کچھ گنوایا مگر پھر سب کچھ پا لیا۔ ش قسمت ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔''

''آپ یوں یہاں بیٹھے رہتے ہیں ماسٹر جی سارا سارا دن۔'' وہ اٹھ کر ماسٹر جی کے قریب جا کر ان سے ، ہوا۔ ''یوں تو آپ تھک جائیں گے، بیمار پڑ جائیں گے اور اگر خدانخواستہ آپ بیمار پڑ گئے تو سینکڑوں لوگوں یاں ہوں گی اور میرا سر، آج آپ گھر چلیے۔ آرام کیجیے۔''

''گنتی کے لمحے ہیں فراز احمد! گنی چنی گھڑیاں، کوئی پل جاتا ہے کہ کچھ ہو جائے، میں آرام کیسے کروں۔'' ا نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

''اور اس روز مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں نے ایک دن سے زیادہ اور نہیں رکنا۔ مجھے بستی واپس چھوڑ آ۔''

فراز نے دل میں سوچا۔

''مگر آپ کے لیے آرام بھی تو بہت ضروری ہے۔ آج آپ چلیں گے میرے ساتھ، یہاں بیٹھے رہنے کیا ہو جائے گا۔ یہ دعائیں جو آپ یہاں کر رہے ہیں وہاں بھی تو ہو سکتی ہیں۔'' اس نے اصرار کیا۔

''شدت کے اسکیل میں پوائنٹس کا فرق آ جاتا ہے فراز! دوری نزدیکی سے کوئی فرق شاید نہ پڑتا ہو۔ مگر احساس سے یہاں آ کر دوچار ہوا ہوں پہلے نہیں تھا۔''

''اب آپ مجھے پچھتانے پر مجبور کر رہے ہیں ماسٹر جی! کہ میں آپ کو ادھر کیوں لایا۔'' فراز نے تھک کر ک

''اوئے اس خود ساختہ لاتعلقی کا کفارہ ادا کرنے دے مجھے۔'' اب کے ماسٹر جی قدرے بلند آواز میں بو

''جن نظروں سے اس روز اس نے مجھے دیکھا، ان نظروں نے مجھے پاتال میں دھکا دے رکھا ہے۔ بڑی بڑا مظاہرہ کیا میں نے لاتعلقی کا اعلان کر کے، ناخلف قرار دے کر۔ بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی نظ میں سرخرو ہو گیا۔ میں نے شر کا، برائی کا ساتھ نہیں دیا۔ اللہ میاں جی میں بڑا اچھا انسان ہوں۔ اوئے جس بات ک مجھے اب آئی ہے جا کر، اس کی اس روز والی نظریں دیکھ کر وہ، مجھے اس سے پہلے کبھی سمجھ نہ آئی۔ آ گئی ہوتی تو نہ و حال میں ہوتا نہ میں اس حال میں ہوتا۔''

''آپ کو کس بات کی سمجھ آئی ہے ماسٹر جی؟'' فراز نے پنجوں کے بل ان کے سامنے نیچے بیٹھتے ہوئے کہا

''میں شر کا ساتھ دینے سے گھبرانے کے خیال سے اس سے لاتعلق ہو گیا تھا نا فراز باؤ!'' ماسٹر جی نے کے شیشوں کے پیچھے سے نظریں اٹھا کر کہا۔

''مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ خیر کی اہمیت جاننے کے لیے شر کا وجود بھی ضروری ہے۔ شر نہ ہو تو خیر کی مصلحت بھلائی اور اس کی اہمیت کیسے نظر آئے چراغ کی روشنی اس وقت تک نظر نہیں آتی جب تک اس کے پس منظ اندھیرا نہ ہو اور اندھیرے کی تاریکی بھی جب ہی دور ہو سکتی ہے جب چراغ اس میں جلے پھر میں کون ہ اندھیرے کو اس کی تاریکی میں چھوڑ کر چراغ پر اپنا قبضہ جمانے والا۔ میں نے اپنے تئیں خود کو محفوظ کر لیا۔ روشنی کا پکڑ لیا اور دل میں کہا۔ جائے بدبخت رہے اندھیرے میں، اوئے نئیں اوئے فراز باؤ۔'' ماسٹر جی نے نفی ٹ ہلاتے ہوئے کہا اور عینک اتار کر اپنی بھیگی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

''اوئے اس کی نظروں نے مجھے سمجھایا اس روز کہ چراغ پر قبضہ جما کر ساتھ لے جانے والے، اندھیر۔ مسافر تو پھر یونہی راستہ بناتے ہیں اپنا جیسا میں نے بنایا ٹامک ٹوئیاں مارتے، لڑکھڑاتے، ٹکراتے وہ ا اندھیروں میں چلنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ان کے راستے بھی ایسے، ان کی منزلیں بھی ایسی ہیں۔ پھر لعن طع بات کی، پھر دل کا غم کیوں، پھر تنہائی کا شکوہ کیسا۔ مجھے اس کی ان نظروں نے اپنی نظروں میں گرا دیا فراز احمد! مج عمر میں ایک نیا غم لگا دیا۔ بڑا میں اپنی نظروں میں اعلیٰ ظرف انسان تھا جس نے میری اولاد کو مار ڈالا، میں نے ا اولاد کو کلیجے سے لگا لیا۔ مگر میری نیت ہی ٹھیک نہ تھی، میرا ظرف اصل میں بڑا چھوٹا تھا۔ جب ہی میں نے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔ اب سمجھ میں آیا قصور اس سے زیادہ تو میرا اپنا تھا۔ جب ہی تو وہ آج حواس کی دنیا سے بے گانہ پڑا ہے اور میں بیٹھا ہوں یہاں سارے قائم حواسوں کے ساتھ پچھتاووں میں گھرا ا اور جلنے کے لیے لمحہ لمحہ کی اذیت میں مبتلا۔''

فراز نے دیکھا اس کے علاوہ آنٹ جینس اور سارہ بھی پوری طرح ماسٹر جی کی طرف متوجہ تھیں۔

''نہیں ماسٹر جی!'' سارہ نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہر انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے

ی سب غلط کا کیبل خود اپنے اوپر لگا رہے ہیں۔ آپ نے اپنا کام بڑی نیک نیتی اور ایمان داری کے ساتھ کیا۔ مگر ینے والے کی قسمت اور نیت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کتنا لیتا ہے۔ ڈیڈی کی جھولی ہی چھوٹی تھی شاید اس لیے وہ پورا نہ سکے۔ ڈیڈی کی نظروں نے آپ سے گلہ ضرور کیا ہوگا مگر یہ بھی تو دیکھیے کہ یہ خیال ان کو کب جا کر آیا۔ جب وہ ی کے سب جمع تفریق کرنے بیٹھے جب اس ساری کوشش کا فائدہ کچھ نہیں تھا سب کھیل ویسے ہی ختم ہونے والا میں نے اور فراز نے ان کی ذاتی ڈائریوں کا ایک ایک صفحہ پڑھا ہے۔ آپ کے بھوت انھیں ستاتے رہے۔ آپ یہی باتیں کانوں میں گونجتی رہیں۔ گوتم بدھ کی دھرم پد وہ دہراتے رہتے انھیں سارے پڑھے سبق یاد تھے پھر وہ ں اس راستے پر چلے جس میں شر ہی شر تھا۔ جس میں کوئی بھی چیز مثبت نہ تھی۔ ڈیڈی کی نظروں کو گلہ کرنے کا کوئی تو نہیں تھا کیونکہ ان کی زندگی سراسر ان کی اپنی چوائس تھی۔ مگر شاید یہ خون کے رشتے ہوتے ہی ایسے ہیں کہ ہم غلط تے ہوتے بھی ان سے جو درست ہوتے ہیں، گلے شکوے کرتے ہی رہتے ہیں۔''

''سارہ ٹھیک کہہ رہی ہے ماسٹر جی!'' سارہ کے خاموش ہونے پر آنٹ جینس نے کہا۔ ''والدین کی تربیت ، کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے۔ وہ جب کچھ غلط کرنے جا رہا ہوتا ہے اس کے لاشعور میں کہیں یہ بات ضرور ہوتی ہے وہ غلط کرنے والا ہے، لاشعور کی اس تنبیہ کو وہ اپنی ذمہ داری پر نظر انداز کرتا ہے۔ والدین تو اپنا فرض ادا کر چکے تے ہیں۔''

''آپ یونہی رنجیدہ ہو رہے ہیں ماسٹر جی!'' فراز نے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ بس دعا ئے۔ خوامخواہ ناحق کفاروں کے چکر میں پڑنے کی کوشش مت کیجیے اور آج گھر چل کر آرام کیجیے۔''

''اچھا ایسا کر تو آج مجھے یہاں رہنے دے۔ کل میں ضرور تیرے ساتھ چلا جاؤں گا۔'' ماسٹر جی نے ہار کر کہا۔

''چلیں آج پھر آپ کے کہنے پر میں آپ کو یہاں چھوڑ رہا ہوں۔'' فراز نے اسے موٹر سائیکل کی چابی لتے ہوئے کہا۔ ''میں اب چلتا ہوں مجھے اسفند بھائی سے ملنا ہے آج۔''

''کتنے دن بعد مجھ سے ملنے کا خیال آیا تمھیں بولو۔'' اسفند نے فراز کو اپنے سامنے پا کر دل میں ایک انجانی خوشی محسوس کی تھی، مگر وہ خفگی سے بولا تھا۔

''خیال تو روزانہ آتا تھا مگر موقع آج ملا۔'' فراز مسکرا کر بولا۔

''دیکھا، کتنی جلدی تم اتنے مصروف ہو گئے کہ مجھ سے ملنے کا موقع بھی تمھیں اتنی مشکل سے ملنے لگا۔ ایک میاب انسان ہونے کی دلیل ہے یہ، آج کل کی قدروں کے مطابق۔''

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں اسفند بھائی۔'' فراز نے سر جھکا کر کہا۔ ''پہلے ذرا میری مصروفیت کی تفصیل ، لیجیے۔ پھر قرار دے لیجیے گا مجھے کامیاب انسان۔''

پھر وہ اسے شاہنواز احمد کے بارے میں بتانے لگا ماسٹر جی کی وجہ سے اسے زیادہ تر ہسپتال رہنا پڑتا تھا۔

''مجھے رباب نے بتایا تھا کہ تم نے یہ معجزہ کر دکھایا اور ان سب روٹھے ہوؤں کو شاہنواز احمد کے پاس لے ئے۔'' اسفند نے اس کی بات سننے کے بعد کہا۔ ''فراز! اتنی بڑی کوشش تم نے کیوں کی۔'' تم نے یہ اتنی لمبی سردردی یوں مول لی؟''

''اس کو سمجھنا کچھ اتنا مشکل نہیں ہے اسفند بھائی۔'' فراز نے سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ ذرا شروع سے اس سلسلے کو ملاحظہ کریں۔ پہلی بار آپ نے ہی تو مجھے اس قصے میں انوالو کیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا

شہریار صاحب کی زندگی کے پوشیدہ پہلوؤں کی کھوج لگانے کا کہہ کر پھر شاہنواز صاحب نے مجھ پر نظرِ عنایت ڈالا شروع کردی۔ اس کے بعد بی بی زینب کی کہانی میں نے سنی اور ان ہی دنوں آنٹ جینس کا نکاح نامہ دیکھنے کو مل گیا اس کے بعد ماسٹر جی نے ساری عمر پیچھے اپنے دل کی بات مجھے سنادی۔ آپ سوچیے ذرا اس قصے کے سارے الجھے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہوئے سرے میرے ہی ہاتھ میں کیوں آتے جارہے تھے یہ مجھے آج تک پتہ نہ چل سکا مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ میں ان الجھے ہوئے سروں کو سلجھانے کی کوشش نہ کرتا او اگر غور سے دیکھا جائے تو مجھے کوئی خاص کوشش کرنا بھی نہیں پڑی۔ یہ رفتہ رفتہ خود ہی سلجھ کر ملنے لگے۔ ہاں یہ ضرور تھ کہ میرے ہی ہاتھ میں......"

"یہ بہت بڑا کام ہے جو تم نے کیا۔" اسفند نے نیچی آواز میں کہا۔ "مگر مجھے معلوم ہے کہ تم ماسٹر جی کے شاگر ہو، کوئی کریڈٹ لینے کی کوشش نہ کروگے۔"

"ہم انسان تو بہت کمزور ہوتے ہیں اسفند بھائی ہماری کیا بساط کہ ایک چیونٹی کو بھی اپنی مرضی سے مار لیں سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے بس اس کا وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کے ہونے کے لیے کوئی وسیلہ بنا دیا جاتا ہے۔" فراز نے کچھ سوچتے ہوئے رک رک کر کہا۔

"یار! یہ وقت بہت تیزی سے گزرا۔" اسفند نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر دیکھو کتنا کچھ بدل گیا ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ گزرتے وقت نے شعور اور آگہی کو پہلے سے کتنا زیادہ پختہ کردیا اور ان کی سمتیں کیسے بدل کر رکھ دیں۔ میں آج جو ہوں دو ڈھائی سال پہلے ایسا بالکل نہیں تھا۔ تم میں بھی بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔ ہمیں مان لینا چاہیے کہ یہ اللہ کی خاص کرم نوازی ہے جو اس نے ہماری بے کار باتیں سوچتے ذہنوں کو بہتر سوچ کی طرف موڑ دیا۔"

"ہاں، یقیناً" فراز نے مختصر جواب دیا۔ "آپ یہ بتایئے کہ آپ کی طرف کیا حالات ہیں۔ آپ کے ڈیڈی کیسے ہیں اب؟"

"بہت بہتر پہلے سے بہت بہتر۔" اسفند نے مسکرا کر کہا، سوہا پیرزادہ نے "بھٹیز" کا ساتھ چھوڑ دیا اور ڈیڈی کی فائلز واپس انھیں بھجوا دیں۔ "بھٹیز" کا ٹرمپ کارڈ ضائع ہوگیا۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ یاسین بھٹی کو لاس ویگاس میں اس کے کسی پارٹنر نے سر میں گولی مار کر زخمی کردیا وہ وہاں پڑا ہے کسی ہسپتال میں اور فیروز بھٹی لاک اپ میں بند ہے، اس کا ایک ہفتے کا ریمانڈ لے لیا گیا ہے۔"

"اتنا کچھ......" فراز ششدر ہو کر رہ گیا۔ "اتنا کچھ ہوگیا اور اتنی خاموشی سے، مجھے تو کہیں ایسی کوئی خبر پڑھنے کو نہیں ملی۔ حالانکہ میں اخبار روزانہ پڑھتا رہا ہوں۔"

"جب ایسی بڑی مچھلیاں جال میں پھنستی ہیں نا تو یہ اس کی دنیا کا اصول ہے۔ ان کے پیٹرن جو ہوتے ہیں وہ ان کی خبریں نہیں لگنے دیتے۔ معاملات اندر ہی اندر طے ہو جاتے ہیں۔ ایک دو بندوں کے ضائع ہو جانے سے انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر معاملات خاموشی سے طے کرانے کے پیچھے یہ معاملہ ہوتا ہے کہ ان کے صاف ستھرے ہاتھ اور نام صاف ستھرے رہیں۔ وہ سامنے آئیں اور نہ ہی کسی کو پتہ چلے۔" اسفند نے اسے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

"ان میں سے کسی نے یعنی ان پیٹرنز نے ابھی تک فیروز کو چھڑوانے کی کوشش نہیں کی اور اس جیسا گھاگ شخص پکڑا کیسے گیا؟" فراز نے بے چینی سے پوچھا۔

"یاسین بھٹی کے بغیر فیروز ایک چوہے سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ادھر یہ پکڑا لیا۔ ادھر وہ زخمی ہوا۔ سنا ہے کہ گولی دماغ میں لگی اور دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ ادھر فیروز کی عقل پر پردہ بھی ایسا ا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہاں اس کے کرتوتوں کی فائل تیار ہو چکی ہے اور اس کے خلاف سرگرم پارٹی خاصی نگڑی ہے وہ اپنے پچھلے اعتماد کے ساتھ پاکستان آگیا۔ میڈم سوہا پیرزادہ نے بھی تو حالات کو اتنا یوٹرن لیتے دیکھ کر ں اپنا ارادہ بدلا۔ یہاں حالات کا رخ دیکھ کر وفاداریاں بدلنے کی روایت خاصی پرانی ہے۔" اسفند نے مختصراً بتایا۔

"اتنی بڑی خبر۔" فراز نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اسفند بھائی اب تو آپ بہت خوش ہیں نا؟" پھر اس نے ہاتھ ہٹا کر اسفند کو دیکھا۔ "آپ کی بے قراری ور بے چینی کو سکون مل گیا۔ ہے نا؟" وہ یقین سے کہہ رہا تھا۔ "آپ نے اتنا لمبا اور مشکل عرصہ جو اتنی ہمت کے ساتھ گزارا، وہ صحیح معنوں میں آپ کے اعصاب کا امتحان تھا۔" وہ خوش نظر آرہا تھا بہت خوش، بڑے دنوں کے بعد س کا ذہن ہلکا ہوا تھا۔

"مگر......" اسے اچانک ایک اور خیال آگیا۔ "مگر مہدیار...... وہ بچہ......" اس نے کہا۔ "نہیں اسفند ھائی۔ خوشی تو ابھی ادھوری ہے۔ سارے معاملات حل ہو بھی جائیں تو بھی یہ معاملہ تو ابھی تک کھٹائی میں ہے نا۔"

"اگر میں کہوں کہ وہ بھی حل ہو گیا ہے تو۔" اسفند نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر حقیقی خوشی کے آثار تھے اور اب اس کا چہرہ تفکر کی نشاندہی کر رہا تھا۔ "کتنا خاص ہے یہ ڑکا۔" اس نے دل میں سوچا۔

"آپ اب مجھ سے مذاق تو نہ کریں۔ مجھے معلوم ہے کہ اتنے سارے اتفاقات اکٹھے نہیں ہو سکتے۔" فراز سنجیدگی سے بولا۔

"یہ تو رب تعالیٰ کا کرم ہے نا دینے پر آئے تو کھل کر دیتا ہے کبھی کبھار، ان...... اتفاقات کو عنایات کہو معجزے کہو، جو مرضی نام دے لو۔" اسفند نے نرمی سے کہا۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں اسفند بھائی۔" فراز نے ٹھٹھک کر پوچھا۔

"میرے خیال میں سو فیصد۔" اسفند مسکرایا اور پھر اس نے اسے بی بی زینب اور عائشہ والی بات سنائی۔

"ناقابل یقین۔" فراز نے ایک مرتبہ پھر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"اور یہ سب وہ معاملات تھے جن میں ہم اتنا عرصہ الجھے رہے اور جن کو حل کرنے کے لیے مارے مارے پھرتے رہے۔ کتنا دماغ لڑایا ہم نے انھیں حل کرنے کے لیے اور جب حل ہونے پر آئے تو یوں ہو گئے جیسے پاکستانی فارمولا فلموں میں ہوتے ہیں۔"

"نہیں، خیر یہ اتنی آسانی سے بھی حل نہیں ہوئے۔" اسفند نے کہا۔

"فیروز بھٹی کے سلسلے میں جتنی دوڑ دھوپ کرنا پڑی اور جتنے لوگوں سے ملنا پڑا، وہ ایک الگ قصہ ہے۔ اس گرفتاری کو پوشیدہ رکھنے کی بھی ایک مشقت ہے جو ہم نے جھیلی ہے یہ معاملہ یونہی حل نہیں ہو گیا۔ برخوردار میرے ساتھ اگر جاوید لطیف نہ ہوتا تو میں اکیلا شاید اس معاملے کو کبھی حل نہ کر پاتا۔ مگر وسیلے بنانے والا بھی خدا ہے اور معاملات کو حل کرنے والا بھی وہ ہی ہے۔ ایک فیروز بھٹی کا جال کاٹنے کی دیر تھی سب معاملات سلجھنے لگے۔ مگر میں اب یہ سوچتا ہوں کہ اگر یہ مسائل پہلے اور جلدی جلدی حل ہو جاتے تو ہم کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاتے۔"

"ان کے حل ہونے تک کیسے ہماری عقلیں ٹھکانے آئی ہیں۔ یہ اس صورت میں شاید کبھی نہ ہو پاتا، تم اب

کبھی میرے ڈیڈی اور ممی سے ملوتو شاید تمھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آئے۔ ٹھوکریں تو ہمیں اکثر و بیشتر لگتی رہتی ہیں مگر اس ٹھوکر کے کیا کہنے جو آنکھیں کھول دے۔ ممی کو یہ ٹھوکر شہری کی موت کے بجائے ڈیڈی کے رویے نے لگائی۔ میرے ساتھ بھی یہ ہی معاملہ ہوا اور ڈیڈی کی ٹھوکر سوہا پیرزادہ تھی۔ تمھیں میری بات سمجھ میں آ رہی ہے نا؟"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں۔" فراز نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اسفند بھائی! آپ کی طرف تو پھر ڈھیروں مٹھائی ڈیو ہوئی۔"

"جب چاہو۔"

"اور ایک بات جو اصل بات ہے وہ تو رہ ہی گئی۔" فراز کو خیال آیا۔

"چلو......" اسفند نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ "اب بھی کوئی بات رہ گئی ہے۔"

"جی......" فراز مسکرایا۔ "رباب کیانی والی بات، جس طرح باقی معجزے ہو رہے ہیں مجھے یقین ہے یہ معاملہ بھی طے ہو گیا ہو گا۔"

"وہ ابھی حل طلب ہے، اس سلسلے میں، میں تمہاری طرح خوش قسمت نہیں ہوں کہ آناً فاناً مبینہ کلثوم کا حصول ہو جائے۔" اسفند نے مذاق سے کہا۔

"آپ اس سلسلے میں کسی ماسٹر ہدایت اللہ کا ہاتھ پکڑ لیں آپ کا کام بھی آناً فاناً ہو جائے گا۔" فراز نے برجستہ جواب دیا۔

"ویسے یار! بڑے چھپے رستم ہو۔" اسفند نے مصنوعی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔ "تم نے مجھ سے بھی ذکر نہیں کیا۔"

"ہوں۔" فراز نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں......" پھر وہ ہنس دیا۔ "دراصل یہ ایک ایسی بات تھی جس کے بارے میں میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیسے کہوں۔ میں نے سوچا اپنے وقت پر خود ہی سب کو پتا چل جائے گا۔"

"اچھا بہانہ ہے۔" اسفند نے اٹھ کر اس کا کان پکڑا۔ "اب اس کی سزا ملنی چاہیے یا نہیں۔"

"دے لیجیے سزا جو آپ کا دل چاہے۔"

"بستہ کمال پورجا کر دوں گا۔ مبینہ کلثوم کے سامنے۔" اسفند مسکرایا۔ "اسے یہ بتا کر کہ یہ تمہارا صاحب شہر میں کتنی ہی حسیناؤں کے خوابوں کا شہزادہ بنا ہوا ہے۔ اسے ذرا قابو میں رکھو۔"

"یہ کام اس کو خوب آتا ہے۔ ضرور کہیے گا اس سے۔ وہ تو ابھی بھی فون کرتی ہے تو بڑے رعب کے ساتھ کہتی ہے ماسٹر جی سے بات کراؤ میں نے کوئی فالتو بات نہیں کرنی، پیسے بڑے لگتے ہیں۔" فراز ہنس کر بولا۔

"اس کا کیا مطلب ہے، بڑی رعب والی خاتون ہیں۔"

"کوئی ایسی ویسی، میں تو اس کی آواز سنتے ہی ڈر جاتا ہوں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ ابھی کدھر کا ارادہ ہے؟" اسفند کو ہنستے ہنستے اچانک کچھ یاد آیا۔

"ابھی ہاسپٹل ہی جانا ہے ماسٹر جی کے پاس، کیوں۔" فراز نے پوچھا۔

"مجھے بھی جانا ہے ماسٹر جی کے پاس، کیوں لے چلتے ہو یا نہیں۔"

"کیوں نہیں، لیکن۔" فراز حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن کیا......" اسفند مسکرایا۔ "کیا میں ماسٹر جی کے پاس ان کے بھتیجے کی عیادت کے لیے نہیں جا سکتا۔"

"ضرور لیکن......شاہنواز احمد تو آپ کو اچھے نہیں لگتے تھے۔"

"تھے کہہ رہے ہو نا۔ اب کی بات اور ہے انسانوں کی پسند ناپسند بدلتی رہتی ہے اور مجھے تو شاید ہی کوئی اب برا لگتا ہو۔"

"بڑی اچھی بات ہے۔" فراز نے سر جھکا کر کہا۔ "چلیں پھر۔"

"ٹھہرو۔ ذرا میں چند چیزیں لے لوں پھر چلتے ہیں۔" اسفند اندر جاتے ہوئے بولا اور جب وہ واپس آیا تو فراز نے دیکھا اس کے ہاتھ میں چند فائلز اور لفافے تھے۔

......۞......

"یہ امارا گھر ٹھا ڈینی! اب یہ گھر نہیں رہا یہ ایک دم گھوسٹ ہاؤسز موافق ہو گیا۔ ٹم کو مالوم ایدرات کو ڈی سوزا کا جان کا، اپنا ڈیڈ اور مام کا بھوت دکھائی دیتا۔ ام بوت ڈر گیا اے ڈینی ام کو کھوف (خوف) کھا رہا ہے۔ ام کیدھر جائے۔" ایلس اس روز ایک بار پھر انکل ڈینس کو پکڑے بیٹھی تھی۔

"کچھ نہیں ہے ایلس ڈارلنگ۔" انکل ڈینس نے اسے تسلی دی۔

"بس تمہارا وہم ہے۔ تم اکیلا جو رہتا ہے، اس گھر میں، جینس اور للی کو ہاسپٹل سے دیر ہو جاتا ہے اور تم اکیلا ادھر پڑا رہتا ہے۔ چلو تم میرے ساتھ چلو۔ میرے گھر ہم مل کر رہ لیں گے۔"

"نا ئیں ڈینی! ام تمہاڑا گھر نا ئیں جائے گا۔ ام ایدر رہ کر اپنا ڈیتھ کا ویٹ کرٹا۔"

"ایلس نے اپنی بات پر اصرار کیا۔

"تم ابھی مرنا کا بات مت کرو ایلس......" انکل ڈینس نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ "تم تو ایک پیریڈ آف ٹائم کا نشانی ہو ایلس! ہسٹری گالیفٹ اوور، تم کو زندہ رہتا ہے۔ اس جنریشن کا لوگوں کو دکھانے کا واسطہ کہ یوریشنز نے کیسا عذاب کاٹا اس پارٹیشن کا بعد۔ نہ وہ کرسچن رہا، نہ وائٹ چمڑی، نہ مسلمان، نہ ہندوستانی، نہ پاکستانی۔ تم پر تو ابھی کئی چیپٹرز ہسٹری لکھے جانے ہیں ایلس، تم ابھی مرنا کا بات مت کرو۔ پلیز۔" انکل ڈینس نے ایلس کی بے بسی پر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

وقت نے اس شاندار عورت کو کس بری طرح پچھاڑا تھا، انکل ڈینس اس کی پوری تاریخ کے چشم دید گواہ تھے۔ اب وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ ٹوٹا جوتا پاؤں میں ڈالے اسی کمپاؤنڈ کے گھروں کے دروازے کھٹکھٹا کر بھوک پیاس مٹانے کا سامان مانگتی پھرتی تھی۔ جس کمپاؤنڈ کے لوگوں پر کبھی اس نے راج کیا تھا۔

"آج میں بات کروں گا جینس سے تمھیں یوں تنہا چھوڑ کر نہ جایا کرے سارا سارا دن۔" انکل ڈینس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"جینس کو اس کا ہزبینڈ ملنے کا لالچ اے للی، کو فادر ملنا والا اے۔ لینا کو سٹریڈ مل گیا۔ ایلس اکیلا رہ گیا۔" ایلس نے بین کر کر کے رونا شروع کر دیا۔

"کوئین مارگریٹ کا تیجا پر ام گیا۔ ایلزبتھ کا ڈیتھ کا کھانا ام کھایا۔ کنگ جارج کا ڈیتھ پر چرچ میں کینڈلز جلایا ام۔ اب امارا بھتی (مرنے کا کھانا) کون کون کھائے گا۔ ڈینی۔ کون سا والا لوگ کھائے گا۔"

"اوہ جیزس......" انکل ڈینس کا سانس پھولنے لگا۔ انھوں نے باہر نکل کر کمپاؤنڈ میں کرکٹ کھیلتے لڑکوں کو آواز دے کر بلایا اور ان کے ساتھ مل کر ایلس کو سنبھالنے لگے۔

......۞......

سارہ ماسٹر جی کے لیے کیفے ٹیریا سے رات کا کھانا لے کر آ رہی تھی۔ جب اس نے سامنے سیڑھیوں سے فراز کو اترتے دیکھا اور اس کے ساتھ جو شخص تھا اسے دیکھ کر اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ کھانے کی ٹرے اس کے ہاتھ میں کپکپانے لگی تھی۔ اس کا ردعمل اتنا واضح تھا کہ اس کی طرف آتے فراز کو فوراً اندازہ ہو گیا تھا اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر ٹرے اس کے ہاتھ سے لے لی۔

''آپ کیوں اتنا گھبرا گئیں، کیا کبھی انسان نہیں دیکھے۔'' اس نے نرمی سے اس سے کہا۔ اس کے ساتھ آنے والا شخص ماسٹر جی سے جھک کر مل رہا تھا۔

''تم اسے یہاں کیوں لے آئے فراز۔ میرا دل تو پہلے ہی بہت پریشان ہے۔'' سارہ نے بمشکل کہا۔

''آپ کو وہم کس بات کا ہے۔ آپ خود کو کمپوزڈ رکھیے۔ وہ کسی کو کھاتے نہیں ہیں۔ اس کا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔''

''تمھیں چاہیے تھا کہ اسے لے کر آ رہے تھے تو مجھے فون کر دیتے۔ میں کچھ دیر کے لیے کہیں چلی جاتی۔'' سارہ نے رک رک کر کہا۔ ''تم نہیں جانتے فراز! میں اس کو فیس نہیں کر سکتی۔ ہر بات تو انسان کے بس میں نہیں ہوتی نا۔''

''میرا تو یہ خیال ہے کہ آپ کو انھیں فیس کرنا چاہیے ایک تعلق ایک رشتہ ہے آپ کا ان سے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ شہریار صاحب سے تعلق کو بہت مضبوط ترین قرار دیتی ہیں۔'' فراز نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم نہیں جانتے اس کا چہرہ دیکھ کر میرے دل کا کیا حال ہو رہا ہے۔'' سارہ کے لہجے میں بے بسی تھی۔

فراز نے ایک نظر اسفند پر ڈالی۔ وہ ماسٹر جی کے ساتھ گفتگو میں مکمل طور پر محو تھا۔

''یہ دنیا بہت چھوٹی ہے سارہ جی! جن لوگوں کو ہم اوائڈ کر رہے ہوتے ہیں، وہ کہیں نہ کہیں ضرور ٹکرا جاتے ہیں۔ آج میں یہاں ہوں، ماسٹر جی اور آنٹ جینس موجود ہیں۔ کل ممکن ہے اسفند بھائی سے آپ کا سامنا کسی بالکل مختلف موقع پر ہو، جہاں آپ کے لیے انھیں فیس کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہو جائے، اس لیے بہتر ہے کہ آپ آج ہی ان کا سامنا کر لیجئے۔ آپ کے سب خوف ختم ہو جائیں گے۔''

اس نے نیچی آواز میں کہا۔ جواب میں سارہ خاموش رہی۔ وہ اپنے ہاتھ مسل رہی تھی اور اس نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبا رکھے تھے۔ وہ یقیناً سخت اندرونی کشمکش کا شکار تھی۔ فراز نے...... مڑ کر پیچھے دیکھا۔ آنٹ جینس ماسٹر جی کی پلیٹ میں چاول ڈال رہی تھیں۔ اس کی نظریں اسفند کی نظروں سے ٹکرائیں۔ اسفند اٹھ کر اس کی طرف آ گیا اور ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''مل لیا آپ نے ماسٹر جی سے؟'' فراز نے اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں، وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ میں نے سوچا وہ فارغ ہو جائیں تو مزید گپ شپ کریں گے۔'' اسفند نے سارہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ چند لمحوں تک ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔

''ہیلو سارہ! آپ کیسی ہیں؟'' اسفند نے سارہ کو مخاطب کیا۔ سارہ پر یقیناً وہی کیفیت طاری تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر فراز کی طرف دیکھا اس کی نظروں میں ابھی بھی شکایت تھی۔

''سارہ! آپ کو دیکھ کر کنفیوز ہو گئی ہیں۔ اسفند بھائی۔'' فراز نے گلا کھنکار کر کہا۔ ''اور یہ ایک فطری سی بات ہے۔ یہ مجھ سے بھی ناراض ہیں کہ مجھے فون کر کے انھیں آپ کی آمد کے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا کہ یہ یہاں سے چلی جاتیں۔''

''سارہ مجھ سے کس بات پر ناراض ہیں؟'' اسفند نے نرمی سے کہا۔ اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ ''شاید میں آج آیا بھی آپ ہی سے ملنے ہوں۔'' سارہ نے اب کے نظر اٹھا کر ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔ اسفند کو یاد آیا اس لڑکی کو آخری مرتبہ اس نے ریمپ پر دیکھا تھا مغل ایرا کے لباس والے شو میں اور اس روز اس نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اس نے اسے بلاشبہ حسین قرار دیا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایوارڈز کی تقریب میں دیکھا تھا اور شہریار کے انتخاب کو زبردست قرار دیا تھا مگر اس وقت اس لڑکی کے بارے میں اس کی سوچ انتہائی منفی تھی، جس کی وجہ سے اس کا جڑواں بھائی جوان موت مر گیا تھا۔ اس کے بارے میں اس کی سوچ بدل چکی تھی۔ نفرت اور ناپسندیدگی کی جگہ اس کے لیے وہ اپنے دل میں اپنائیت اور احترام محسوس کر رہا تھا اور اسے یوں لگ رہا تھا کہ اس عرصے میں وہ لڑکی بھی بالکل بدل چکی ہے کسی زمانے کی بولڈ اینڈ بیوٹی فل ٹاپ ماڈل ایک عام سی گھریلو لڑکی نظر آ رہی تھی جو حد درجہ کنفیوز ہو رہی تھی۔ یقیناً وہ اس کے ماضی کے رویے کی وجہ سے اس سے خائف تھی۔

''میں آپ کو سارہ شاہنواز سے زیادہ سارہ شہریار کہہ کر بلانا پسند کروں گا۔'' اسفند نے اپنے دل کی بات ایک ہی جملے میں کہہ کر بتانے کی کوشش کی اور سارہ اس بات پر بری طرح چونکی۔ ''اپنے بھائی کے آپ سے مختصر تعلق کی وجہ سے میرے لیے آپ بے حد قابل احترام ہیں۔ یقیناً آپ میں اسے کوئی بات ایسی نظر آئی ہوگی جو اس نے آپ سے اتنا مقدس تعلق قائم کیا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ جذباتی فیصلے کرنے کا عادی نہیں تھا۔'' سارہ نے سر جھکا لیا۔

''ہم اکثر غلط فہمیوں اور خود ساختہ وہموں میں پڑ کر اپنے راستے کھوٹے کر لیتے ہیں۔ آج سے دو سال قبل کے حالات ہی ایسے تھے کہ ہم سب آپ کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔ مگر وقت بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے، یہ آپ سے آپ غلط اور دوست کو سامنے لے آتا ہے۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں اپنی اس سوچ کے لیے جو میں نے آپ کے بارے میں غلط سوچی۔'' اسفند نے آہستہ آہستہ کہا۔ ''صرف میں ہی نہیں میرے والدین بھی۔ ان کی آپ کے لیے ناپسندیدگی کی شاید اور بھی وجوہات ہوں گی۔ مگر اب ان کے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں جو وہ آپ کو ناپسندیدہ قرار دیں، اس کے بجائے اب ہمارے دلوں میں آپ کے لیے احترام ہے اور محبت ہے، آپ کو شہری نے انتخاب کیا ہمارے لیے یہ باعث مسرت ہوگا کہ اس کے حوالے سے آپ ہمارے لیے مثبت سوچیں۔''

اسفند کی سب باتوں کے جواب میں سارہ ابھی بھی خاموش تھی۔

''آپ کچھ بھی نہیں کہیں گی۔'' فراز نے کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد کہا۔

''میرے پاس کہنے کو کچھ ہے نہیں فراز!'' سارہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''جب مجھے ہمدردی، دوستی اخلاقی تعاون محبت اور احترام کی سخت ضرورت تھی۔ اس وقت میں بالکل تنہا تھی خود اپنے آپ سے چھپتی پھرتی تھی۔ ہر کوئی مجھے ڈرواوے دیتا اور مجھ پر الزام دھرتا تھا۔ جبکہ میرا خیال ہے کہ شہریار کی موت میرا ہی تو سب سے بڑا نقصان تھا۔ ابھی کچھ ثابت بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ چلا گیا اور میں مشکوک بن گئی۔ حالات نے مجھے ایسے چکر میں ڈالا کہ میرا نام، میرا کیریئر میرے دل کا سکون میرا اپنا وجود تک ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ سب سے بڑھ کر شہری کی وہ نشانی جسے اس نے میرے حوالے کیا اور جو میرے اور اس کے تعلق کے بن جانے کی اصل وجہ تھی۔ وہ بھی میں نے سب سے چھپانے کی کوشش میں ہمیشہ کے لیے گنوا دی، میں اس وقت بھی تہی دامن تھی۔ میں آج بھی تہی دامن ہوں۔ اپنے دل کا حال صرف میں ہی جانتی ہوں۔ جس ذہنی اذیت سے میں دوچار ہوتی رہی ہوں اس کا اندازہ کوئی اور نہیں کر سکتا اور یوں ہی بھٹکتے رہنا ہی میرا مقدر بننے والا تھا اگر اتفاق سے ماسٹر جی مجھے نہ ملتے۔ اب ماسٹر جی کی وجہ سے اور شاید

تمہاری باتوں کی وجہ سے مجھے کچھ سکون مل رہا ہے اور میری زندگی کی جہت بدلنے کی امید پیدا ہوئی ہے۔ تو یہ آ گئے ہیں۔ مجھے پھر سے بے سکون کرنے، مجھے عذاب دنوں کی یاد دلانے کے لیے نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھ میں اور سہنے کی ہمت نہیں میں پہلے ہی بہت سہہ چکی۔''

''آپ جانتی ہیں کہ آپ کے بدخواہوں نے آپ کو غلط فہمیوں میں مبتلا کیے رکھا، یہی وہ لوگ تھے جو شہریار صاحب کی موت کے ذمہ دار تھے۔'' فراز نے کہا۔ ''یہ لوگ ہی تھے جو دوسری طرف بھی غلط فہمیاں پھیلا رہے تھے۔ ابھی اسفند بھائی نے اس کا اعتراف کر تو لیا ہے۔ یہ آپ سے معذرت کر رہے ہیں اور یقین جانیے دل سے کر رہے ہیں، ان کو ابھی آپ سے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ آپ کو مہدیار کے متعلق کچھ بتانا ہے؟'' فراز جانتا تھا کہ سارہ کے لیے سب سے زیادہ چونکا دینے والی بات یہی ہو گی اور ایسا ہی ہوا۔

''مہدیار کے بارے میں؟'' سارہ نے سر اٹھا کر پہلی دفعہ براہ راست اسفند کی طرف دیکھا۔

''جی!'' اسفند کی نظروں میں واقعی اس کے لیے احترام تھا اس نے محسوس کیا۔ ''مہدیار اس وقت میری کسٹڈی میں ہے اور میں اسے آپ کو لوٹانا چاہتا ہوں اگر آپ پسند کریں تو۔''

وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا جو اس کی بات کے ردعمل میں بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ اسے زندگی سے اتنے بڑے معجزے کی توقع یقیناً نہیں تھی۔ وہ اتنا روئی تھی کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ آنٹ جینس اور للی اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھیں اور حیرت بھری نظروں سے اسفند اور فراز کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''یہ ہمارے کام میں شہری کے شیئرز کی تفصیلی فائل ہے۔'' اسفند نے اس جذباتی منظر کو بدلنے کی کوشش کے لیے ایک فائل سارہ کے سامنے رکھی۔ ''آدھے سے زیادہ سرمایہ سوشل ویلفیئر کے سلسلے میں تفویض کر دیا گیا ہے برائے کفارہ وہ جو کچھ اپنی محنت سے بنایا اس میں شہری کے حصے کی اصل حق دار آپ ہیں۔ یہ مہدیار کی سرپرستی کے کاغذات ہیں اس پر صبا کے سسرال اور میکے والوں کے دستخط موجود ہیں۔ میرے اپنے بھی اور میرے ڈیڈی کے بھی اور یہ چند ایسے پروجیکٹس ہیں جو شہری کی منکوحہ ہونے کی حیثیت سے ڈیڈی نے آپ کو گفٹ کر دیے ہیں۔'' ایک اور فائل اس کے سامنے رکھی تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ کو سرمائے کی ضرورت نہیں، نہ ہی آپ کو اس کا لالچ ہے مگر جو چیز آپ جائز طور پر ڈیزرو کرتی ہیں وہ آپ تک پہنچانا میرا فرض تھا۔ شہری کے حوالے سے آپ سے جذباتی وابستگی ہم ہمیشہ محسوس کرتے رہیں گے اور اس حیثیت میں ہمارے ہاں آپ کی قدر ایک فیملی ممبر کی سی ہی رہے گی ہمیشہ، باقی فیصلے آپ کو خود کرنے ہیں جس کے لیے یقیناً آپ کو وقت چاہیے ہو گا، یوں کھڑے کھڑے تو آپ فیصلہ نہیں کر سکتیں۔ آپ اپنا وقت لیں اچھی طرح سوچیں اور پھر مجھے بتائیں۔ میں دوستوں اور بھائیوں جیسے ذہن کے ساتھ آپ کا منتظر رہوں گا۔''

اسفند کی بات پر سارہ کی آنکھوں سے آنسو پھر سے رواں ہو گئے۔

❁

صاف نہیں ہے باطن جن کا
قلب نہیں ہے ساکن جن کا
جو ست دھرم سے ناواقف ہے

اچھے کرم سے ناواقف ہے
آگاہی کا نام نہیں ہے
نیکی سے کچھ کام نہیں ہے
رہتا ہے جو افسردہ سا
جس کا دل ہے پژمردہ سا
اس کا جہل نہیں جا سکتا
اس کو ہوش نہیں آ سکتا

وال کلاک کی ٹک ٹک کے سوا کمرے میں کوئی دوسری آواز نہیں تھی۔ ماسٹر جی صوفے پر خاموشی سے بیٹھے تھے۔ سارہ اور فراز ابھی کچھ دیر پہلے کمرے سے باہر کافی پینے کے لیے نکلے تھے۔ شاہنواز احمد کو کچھ دیر پہلے ہی کمرے میں منتقل کیا گیا تھا۔ اس شام ان کو ڈائیلیسز کے لیے لے جایا گیا تھا اور اب ان کا سانس قدرے بہتر رفتار کے ساتھ چل رہا تھا۔ ماسٹر جی چھڑی پر ہاتھ جمائے مسلسل اس چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کے کان میں اپنی ہی آواز گونج رہی تھی۔

دشمن خواہ کوئی ہو کتنا
تنگ نہیں کرتا وہ اتنا
ہو کیسا ہی تیرہ باطن
اتنی ایذا دے ناممکن
جتنا ظلم وہ دل ڈھاتا ہے
جو بد مسلک ہو جاتا ہے
چال چلن جس کا گندا ہے
گمراہی جس کا دھندا ہے
جان کا دشمن بن جاتا ہے
بے حد نقصان پہنچاتا ہے

انھیں وہ سبق یاد آ رہے تھے جو وہ مختلف بہانوں سے شاہنواز احمد کو پڑھاتے تھے اور اس کے باغی ہو جانے پر ان ہی اسباق کے حوالے سے اس کو لعن طعن بھی کرتے تھے۔

''یہ شہرت، یہ عزت، یہ ناموری، وزیروں مشیروں کے تحائف اور نیک خواہشات، سرکاری خرچ پر علاج معالجہ، نامور لوگوں کی برائے عیادت آمد و رفت، یہ ایسی بلندی عطا ہوئی شاہو تجھے جو مقدر والوں کو ملا کرتی ہے۔ پھر بھلیا لوکا تو نے وہ راستہ کیوں کھوٹا کیا جس پر چلنے سے تیرا یہ وقت بھی آسان ہو جاتا۔ تجھے اس اذیت میں دیکھتا ہوں تو سہہ نہیں سکتا فراز احمد کہتا ہے، گھر چل کر آرام کریں۔ میں جا نہیں سکتا۔ اتنی دیر بعد تو نظر آیا ہے، ابھی تو آنکھوں کی پیاس بھی نہیں بجھی پھر تیری اذیت دیکھتا ہوں تو طرح طرح کے وہم دل میں آتے ہیں۔ یار! تجھے یاد ہے تجھے سمجھاتا تھا کہ

بے حد چنچل ہوتا ہے دل
اس کا ٹھہرانا ہے مشکل

ہے مشہور شرارت اس کی
ہے دشوار حفاظت اس کی
بس میں لانا سہل نہیں کچھ
قابو پانا سہل نہیں کچھ
ہوتا ہے جو شخص خرد ور
آ جاتا ہے غالب اس پر
کر لیتا ہے تیر کو سیدھا
جیسے تیر بنانے والا

تو تو بڑی بڑی ٹیڑھی چیزیں ہو بہو کاغذ پر بنا لیتا تھا۔ پتھروں کو تراش کر نئی نئی شکلوں میں ڈھال لیتا تھا۔ تیرے ہاتھ تو ماہر فن تھے پھر تو اس تیر کو سیدھا کیوں نہ کر سکا شاہو! تیری یہ اذیت مجھے وہم میں مبتلا کیے دیتی ہے۔ او یار کروڑ بار کہتا ہوں۔ جا تجھے معاف کیا۔ نسرین کلثوم بھی یہ ہی کہتی ہے، سارہ بھی اور وہ نمانی لٹی بھی۔ پھر معافی کیوں نہیں مل رہی یار تو نے اور کیا کیا تھا جس کی معافی نہیں ملتی۔"

وہ ان ہی سوچوں میں گم تھے جب شاہنواز احمد کی سانس پھر سے اکھڑنے لگی۔ ماسٹر جی نے گھبرا کر سی سی یو میں دوسری طرف موجود نرس کو آواز دی۔ چند سیکنڈز کے اندر شاہنواز احمد کے گرد ڈاکٹرز، نرسز اور اٹینڈینٹس کا ایک چھوٹا سا ہجوم کھڑا ہو گیا۔ تھکی تھکی سانسیں معدوم ہونے لگی تھیں۔ مسافر دل کو زمین بدری کا حکم نامہ جاری ہو رہا تھا۔ خدا کے حضور طلب کی گئی معافی کو قبولیت کا شرف مل رہا تھا۔ جسم و روح کی اذیت ختم ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ سب اس وقت کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے۔ مگر معجزے کے منتظر ذہن وہ وقت آنے پر ششدر ہو رہے تھے اور ماؤف بھی۔

چند لمحوں بعد خاموشی کی فضا میں ایک آواز ابھری۔

"لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ"

مسافر دل قریہ بہ قریہ بھٹکنے کے بعد اپنی منزل تک پہنچ چکا تھا۔

......❁......

شہرۂ آفاق مصور، مجسمہ ساز، خطاط، نامور تنقید نگار، ادیب اور استاد شاہنواز احمد گذشتہ رات انتقال کر گئے۔ وہ گزشتہ ایک سال سے طویل علالت میں مبتلا تھے اور چند ماہ سے صاحب فراش تھے۔ ان کی عمر تقریباً باون برس تھی۔ مرحوم عالمی سطح پر ملک کا نام روشن کرنے والے ماہر فن کے طور پر جانے جاتے تھے اور دنیا کے کونے کونے میں پرستار رکھتے تھے۔ مرحوم نے تقریباً تیس سال پہلے فن مصوری میں اپنے کیریئر کا آغاز اشتہاری فرموں کے بورڈ پینٹ کرنے سے کیا۔ بعد ازاں انھوں نے نیشنل کالج آف آرٹس میں داخلہ لے کر باقاعدہ پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کی۔"

رباب نے اخبار کے فرنٹ پیج پر لگی خبر کی شہ سرخی پڑھتے ہی اس کی تفصیل پڑھنا شروع کی۔ انتقال کی خبر کے بعد مرحوم کے پیشہ ورانہ کیریئر کی تفصیل تھی۔ اس نے مکمل خبر پڑھے بغیر اخبار بند کر دیا۔

"قصہ ختم ہوا۔" اس نے سوچا۔

"ایک عہد، ایک دور، ایک اپنی طرز کے فن کا خاتمہ ہو گیا۔ دوستیاں، دشمنیاں، محبتیں، نفرتیں سب پیچھے رہ گئیں اور ایک شخص راہی ملک عدم ہوا۔ ہاں مگر نام زندہ ہے، فن زندہ ہے۔ نشان زندہ ہے اور وہ زندہ رہے گا۔ جب تک فن کی دنیا کا کاروبار گرم ہے۔"

اس نے شدت کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"بی بی! میں سارہ کی طرف جا رہی ہوں۔" اس نے بلند آواز سے کہا۔ اسی دم اس کے موبائل پر اسفند کا نام ن ہوا۔ "میں تمھیں لینے آ رہا ہوں، تم ابھی مت نکلو ہم اکٹھے چلیں گے۔" اس نے کہا تھا۔

وہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ باہر شامیانے لگے تھے۔ اندر کمرے کھچا کھچ بھرے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے سے یت کرنے والے آ رہے تھے۔ کسی وی آئی پی کی آمد پر مخصوص آواز ابھرتی۔ لوگ لمحہ بھر کو خاموش ہوتے اور پھر ں کی آوازیں ابھرنے لگتیں۔ مہینوں سے خالی گھر بھر سا گیا تھا۔ اور آنے والوں نے دیکھا تھا کہ وہ جو یہ سوچ کر ئے تھے کہ شاہنواز احمد کی تعزیت کریں گے کس سے؟ کیونکہ بیشتر لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ سارہ شاہنواز باپ سے اض تھی۔ مگر یہاں آ کر انھوں نے دیکھا تھا کہ وہاں سارہ شاہنواز کے علاوہ شاہنواز احمد کی ایک اور بیٹی بھی موجود ی، کچھ لوگ جانتے تھے کہ وہ لڑکی ایک مشہور زمانہ تھیٹر ایکٹرس رہ چکی تھی۔ لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ ایک بزرگ ہنواز احمد کے چچا کی حیثیت سے وہاں بیٹھے تھے اور نامور بزنس ٹائیکون آفتاب جمیل جو کچھ عرصہ سے منظر سے ب تھے بطور شاہنواز احمد کے سمدھی آنے والوں سے مل رہے تھے۔ شاہنواز احمد کی ایک کم صورت بیوہ بھی وہاں جود تھی۔ یہ تمام تعلق اور رشتے شاہنواز احمد کے بہت قریبی ساتھیوں کے لیے بھی نئے تھے۔

آنے والوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ دیہاتی لوگوں کی ایک کثیر تعداد بھی ایک شامیانے کے نیچے بچھی دریوں پر ی تھی اور سننے میں آیا تھا کہ وہ شاہنواز احمد کے گاؤں کے لوگ تھے۔ بہت سے لوگوں کا شاہنواز احمد سے ایک نیا ارف اسی روز ہوا تھا۔ جس روز انھیں منوں مٹی تلے دفن کرنے کے لیے بستی کمال پور لے جایا گیا تھا۔ سننے میں آیا تھا ہ انھیں ان کی چچی مرحوم کے پہلو میں دفن کیا گیا تھا۔ ایک نماز جنازہ لاہور میں پڑھائی گئی جس میں نامور ادیبوں، عراء، فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والوں، صحافیوں میڈیا سے وابستہ لوگوں، منتخب نمائندوں، صوبائی و وفاقی وزراء، وزیر یٰ اور گورنر پنجاب نے شرکت کی تھی۔

......❁......

پیپل کے بوڑھے درخت کے نیچے ماسٹر جی اسی طرح بیٹھے تھے جیسے یہاں سے ایک دن کے لیے بھی کہیں ئے نہ ہوں۔ ان کے پاس تعزیت کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ بستی کے وہ لوگ جو شہر میں شاہنواز احمد کا جنازہ پڑھ کر ئے تھے۔ وہ نہ جا سکنے والوں کو وہاں آنے والی بڑی بڑی شخصیات کے بارے میں بتا رہے تھے۔ بستی میں شاہنواز مد کے جنازے میں شرکت کے لیے صوبائی حکومت کے نمائندوں اور اعلیٰ ضلعی عہدیداروں نے شرکت کی تھی۔ وں کا خیال تھا کہ بستی کے بھاگ جاگ گئے تھے۔ سرکاری ہوٹرز بجاتی گاڑیاں بستی کا رخ کر رہی تھیں اور بستی کے ل خود کو خاصا اہم سمجھ رہے تھے، سوئم میں شرکت کے لیے بڑی بڑی شخصیات دن بھر آتی رہیں تھیں اور سوئم کا کھانا ہنواز احمد کے سمدھی آفتاب صاحب نے دیا تھا۔ یہ کھانا بھی بے حد شاندار تھا اور سب لوگوں کے کھانے کے باوجود بار ہا تھا۔

یہ گہما گہمی، یہ رونق دیکھ کر سب ہی گنگ تھے۔ "یہ نا خلف شاہو ماسٹر جی کو کہاں سے مل گیا تھا اور اگر یہ اتنا بڑا دی تھا تو پھر اس کے مرنے پر اتنی دنیا کہاں سے امڈ آئی؟" ہر زبان پر یہ ہی سوال تھا مگر اس سوال کا جواب انھیں کسی نے نہیں دیا تھا۔

ادھر شہر میں شاہنواز احمد کے اتنے بہت سے رشتے جاگ جانے پر اور ان کے نئے پس منظر کے تعارف پر چہ یگوئیاں ہو رہی تھیں۔ اخبارات ان کے فن اور ان کی شخصیت پر خصوصی صفحات شائع کر رہے تھے اور کالم نگاروں نے

تعزیتی کالموں کے انبار لگا رکھے تھے۔ ان کی وفات کے ڈیڑھ ہفتے بعد ان کے لیے ایک تعزیتی ریفرنس کا انعقاد کر گیا۔ جس میں وزیر ثقافت نے ان کی بستی کمال پور کے باسی ہونے کو ہائی لائٹ کرتے ہوئے اس پر فخر کا اظہار کیا۔ وزیر اعلیٰ اور گورنر صاحب نے ان کی یاد میں ہر سال ان کی تاریخ پیدائش پر بستی کمال پور میں لوک میلے کے انعقاد اعلان کیا۔

ایک کل پاکستان تعزیتی ریفرنس اسلام آباد میں منعقد کیا گیا۔ جس میں وزیر اعظم نے خصوصی شرکت کی، اس میں شاہنواز احمد کی یاد میں ایک آرٹ گیلری بنانے کا اعلان کیا گیا اور ان کے شاندار فنی ورثہ کو حکومتی سرپرستی میں لیے جانے کا ذکر بھی کیا گیا۔

بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو، ڈر کیسا گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں کسی مقرر نے شانواز احمد کی شخصیت کے بارے میں اور ان کے فن کے ابتدائی دور کے بارے میں بات کرتے ہوئے فیض کا شعر پڑھا اور حاضرین میں بیٹھے فراز کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔

''گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں۔

اس کے اسی دل نے بار بار دہرایا۔

''کون جانے آپ نے بازی ہاری یا جیتی سر؟''

......۞......

بی بی زینب تمام عمر لاہور شہر میں رہی تھیں۔ مگر اب اسفند انھیں اصرار کر کے ایک دور افتادہ گاؤں میں لے آیا تھا۔ اس گاؤں کا نام بستی کمال پور تھا۔ اسفند نے ان سے درخواست کی تھی کہ شہر کے بچوں کو علم و ہدایت کے راستے پر چلانے والے اور لوگ بھی میسر تھے مگر اس بستی اور اس کے اردگرد کے دیہاتوں کے بچیوں اور بچوں کو ان جیسی راہنما کی زیادہ ضرورت تھی۔ بی بی زینب کے لیے اپنا محلہ، اپنا شہر اور اپنے لوگ چھوڑ دینا اتنا آسان نہ تھا مگر پھر انھیں یاد آیا کہ انھوں نے اپنے اللہ سے اپنی باقی ماندہ زندگی اس کی راہ میں وقف کر دینے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ شاید اللہ ان کے اس وعدے کی آزمائش چاہتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی بی بی زینب کو اپنا مختصر سا سامان باندھنے میں صرف دو دن ہی لگے تھے۔ اور وہ اسفند کے ساتھ اس گاؤں میں آ گئیں جس کا نام بستی کمال پور تھا۔ یہاں انھوں نے دیکھا کہ اسفند اور سارہ کے سماجی بھلائی کے اداروں کے علاوہ بھی ایک ادارہ اس بستی کو ماڈل گاؤں بنانے کے لیے پوری محنت سے تگ و دو کر رہا تھا۔

وہ جو گاؤں کے نام سے گھبرا رہی تھیں، یہاں آ کر بھول سی گئیں کہ وہ کسی نئی جگہ پر آئی تھیں۔ یہاں کے لوگوں سے مل کر انھیں محسوس ہوا کہ یہاں کے جو لوگ پڑھے لکھے نہیں بھی تھے، ان میں بھی آگاہی اور شعور کا ایک واضح ثبوت ملتا تھا۔ بی بی زین کو ماسٹر ہدایت اللہ سے ملاقات باعث فخر محسوس ہوا تھا۔

وہ کرسمس کے تہوار کے سلسلے میں بڑے مراکز پر بچوں کی تقریب کا موقع تھا اس تقریب میں مختلف دیہاتوں اور قصبوں سے سنڈے اسکول میں شرکت کرنے والے بچوں کو مشن کی طرف سے خصوصی کرسمس تحائف دیے جانے تھے۔ فادر جوابس سسٹر وانکیٹ اور سسٹر لینا ڈی سوزا کا علاقے کے عیسائی بچوں نے تالیاں بجا کر اور رنگ برنگی جھنڈیاں ہلا کر استقبال کیا تھا۔ بچوں نے کرسمس گیت گائے اور خداوندی حمد و ثناء کی۔ بعد ازاں ان میں خصوصی تحائف اور مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ سفید رنگت اور نیلی آنکھوں والی سسٹر لینا کے ساتھ بچے خوب گھل مل گئے تھے ایک پیاری سی بچی نے اس کی گود میں بیٹھتے ہوئے اسے اپنے گاؤں چلنے اور اپنے والدین سے ملنے کی دعوت دی تھی۔

''کیا نام ہے تمھارے گاؤں کا۔'' سسٹر لینا نے اس کے بالوں میں لگے ربن ٹھیک کر کے اس کے پھولے گالوں پر انگلی پھیرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''بستی کمال پور، یہ ساتھ ہی ہے۔'' بچی نے انگلی سے اپنے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اوہ ہولی میری۔ اوہ جیزس۔'' سسٹر لینا نے جھرجھری لے کر سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور اپنے بائیں طرف گردن موڑ کر دیکھا۔ شام کا اندھیرا فضا میں پھیل رہا تھا اور بائیں طرف آسمان پر ایک ستارہ خوب روشن ہو رہا تھا۔ اس روشن ستارے میں سسٹر لینا کو ایک چہرہ مسکراتا ہوا نظر آیا۔ وہ ستارہ اس کا تھا۔

بہت عرصے کے بعد سسٹر لینا کے دل کے اندر بہت اندر اٹھتی ٹیس سکون پذیر ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنا سیاہ لبادہ سمیٹا اور مشن کی گاڑی میں بیٹھ کر واپسی کے سفر پر روانہ ہوئی۔

......۞......

بستی کمال پور کے اس مکان میں جس کا کوٹھا کسی زمانے میں کچا تھا اور جس کے صحن میں پیپل کا بوڑھا درخت سالہا سال سے طالب علموں کو گرمی سردی اور بارش میں چھپر مہیا کر رہا تھا۔ کی شکل خاصی بدل گئی تھی۔ اس کی بیرونی دیواریں اٹھا کر اونچی کر دی گئی تھیں۔ فرش پکا اور چھت بھی پختہ تھی۔ اس کے اندر کئی نئے کمرے بن چکے تھے، اسکول کی ایڈمنسٹریٹر مسز مبینہ فراز احمد تھیں جو نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کی انچارج بھی تھیں۔ اسکول کا نظام تعلیم جدید، آسان اور سستا تھا۔ اسکول میں ایسی نصابی سہولتیں موجود تھیں جو بڑے شہروں کے اچھے اسکولوں میں بھی مہیا نہیں تھیں۔

اسکول کا زیادہ تر انتظام شاہنواز ویلفیئر ٹرسٹ کے تحت چلایا جاتا تھا اور دور و نزدیک کے قصبوں اور دیہاتوں سے بچے یہاں پڑھنے کے لیے آتے تھے۔

غیر نصابی سرگرمیوں پر بھی یہاں خصوصی توجہ دی جاتی تھی جن کی انچارج مس للی ڈی سوزا تھیں جو یموں جیسے نقوش کی حامل تھیں اور بچوں میں خاصی مقبول تھیں۔ جب وہ اپنی لکڑی کی ٹانگ پر گھوم کر بچوں کو ایسن کے ڈراموں کے کرداروں کے ایکشن ایکٹ کر کے دکھاتیں تو بچوں کی خوشی دیدنی ہوتی تھی۔ علاقے کے بچوں کو ایسی تفریح پہلے کہاں میسر تھی اور اسی تفریح میں وہ بہت کچھ سیکھ جاتے تھے۔ اسکول کے ماتھے پر سجا بورڈ بستی کے ایک اور ہونہار سپوت فراز احمد نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور وہ اسکول کی ساری تعلیم اور کانسپٹ کو پوری طرح ظاہر کرتا تھا بورڈ پر اردو اور انگریزی دونوں میں اسکول کا نام ''دار ہدایت'' واضح طور پر درج تھا۔

......۞......

شاہنواز ویلفیئر ٹرسٹ کے تحت چلنے والا ایک بڑا اور جدید ہسپتال لاہور میں تعمیر کیا گیا تھا۔ ایک ہی چھت تلے تمام سہولیات کی جدید سوچ کا حامل یہ اسپتال باقاعدہ ایک گورننگ باڈی کے زیر انتظام چلتا تھا۔ اس گورننگ باڈی کی ایک رکن سارہ شہریار تھیں اور ہسپتال کی انتظامیہ کی ایک اہم رکن مسز جینس شاہنواز تھیں۔ ہسپتال میں بچوں کے لیے ایک علیحدہ شعبہ مخصوص تھا، اور یہاں ہر دم موجود ایک اولڈ لیڈی مسز ایلس ڈی سوزا معذور اور بیمار بچوں کا دل بہلاتی تھیں۔ ان کی دیکھ بھال کرتیں اور ان کے ساتھ کھیل تماشوں میں مصروف رہتیں۔ مسز ایلس ڈی سوزا اس ہسپتال کی ایک ایسی خصوصیت تھیں جن سے ملنے بچوں کے اٹینڈینٹس کے علاوہ دوسرے لوگ بھی آتے تھے۔

سارہ شہریار نے شاہنواز احمد کے گھر کو ایک بڑی آرٹ اکیڈمی میں تبدیل کر دیا تھا جس کی انچارج ان کی ساس مسز رابعہ آفتاب تھیں سارہ شہریار خود اپنے ساس، سسر اور بیٹے مہدیار کے ساتھ ڈیفنس کے ایک بنگلے میں رہ

رہی تھیں۔ جبکہ ان کے دیور اور دیورانی اسفندیار اور رباب اپنی علیحدہ رہائش میں رہ رہے تھے، وقت تیزی سے گز تھا اور بہت سی زندگیوں پر چھایا جمود اتنی ہی تیزی سے ختم ہو رہا تھا۔

...... ✿ ......

کانفرنس ہال کی تمام کرسیوں پر لوگ براجمان تھے۔ ملکی اور غیر ملکی شرکاء شاہنواز احمد کی آخری پینٹنگ تقریب رونمائی میں شرکت کے لیے خصوصی طور پر لاہور آئے ہوئے تھے۔ اسی تقریب میں شاہنواز احم یادداشتوں پر مبنی کتاب ''دل من مسافر من'' کی رونمائی بھی ہو رہی تھی۔ یہ یادداشتیں شاہنواز احمد کی مختلف ڈائر سے حاصل کی گئی تھیں اور انھیں مسز رفعت آرا کریم عرف منی باجی نے تالیف کیا تھا۔ شاہنواز احمد کی آخری ادھ پینٹنگ کو نوجوان آرٹسٹ فراز احمد نے مکمل کیا تھا اور اس کو مکمل کرنے میں انھیں ڈیڑھ سال کا عرصہ لگا تھا۔

فراز احمد آج کل سول سروسز میں ایک اہم عہدے پر تعینات تھے اور ان کا شمار محنتی اور ذمہ دار نوجوان افسہ میں ہوتا تھا۔ کانفرنس کے شرکاء اور حاضرین کو کتاب ''دل من مسافر من'' کی ایک ایک کاپی اور پینٹنگ کے ریپلا ایک کاپی سرخ ربن میں باندھ کر تقسیم کی گئی تھیں۔ گورنر صاحب کی آمد پر تقریب شروع ہوئی۔ شاہنواز احمد کے فن شخصیت کے بارے میں ملکی و غیر ملکی ماہرین فن ایک ایک کر کے اظہار خیال کرنے لگے۔

حاضرین کی اگلی نشستوں پر موجود فراز نے ایک نظر اپنے ساتھ قطار میں بیٹھے لوگوں پر ڈالی۔

اسفندیار اور رباب، آفتاب جمیل اور مسز رابعہ آفتاب، سارہ شہریار للی ڈی سوزا، آنٹ جینس، ماسٹر ہدا اللہ، ایلس ڈی سوزا، اور وہ خود۔ اس نے اپنے بائیں طرف بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ یہ اس کی محبوب بیوی مبینہ کلثوم تھ جس نے اپنے دو دن کے اس شہر میں قیام کے دوران اپنے علم اور بیان سے لوگوں کو حیران کر دیا تھا اور وہ لوگ جو ا کی شخصیت کے اس پہلو پر افسوس کرتے تھے کہ اس جیسے ٹیلنٹڈ لڑکے کی زندگی کی ساتھی ایک سیدھی سادی دیہاتی ا تھی، اپنا سا منہ لے کر رہ گئے تھے۔

''یار! تم کچھ زیادہ ہی نہیں بولتیں'' یہاں آتے ہوئے راستے میں اس نے اس سے پوچھا تھا۔

''میری تو بچپن کی عادت ہے زیادہ بولنے کی، تم بھول گئے شاید۔'' اس نے لاپروائی سے جواب دیا تھا۔

''منی باجی کہہ رہی تھیں کہ ڈائریوں کے مندرجات کو ایڈٹ کرنے میں ان سے زیادہ تمہارا ہاتھ ہے۔'' نے اس کی طرف اپنائیت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اتنا ٹائم اور دماغ کہاں سے لائیں تم، مجھے تو خبر ہی نہیں ہوئی۔''

''تم کو اپنی فائلیں پڑھنے اور رنگوں، پتھروں، نگینوں سے کھیلنے سے فرصت ملے تو پتہ چلے تمھیں کہ کوئی دوسہ کر رہا ہے۔'' اس نے ناراضی کا اظہار کیا۔

''مجھے سب خبر ہوتی ہے جان من! اس دوسرے کے بارے میں کہ یہ کیا کر رہا ہے۔'' فراز نے مسکرا کر ''اور مجھے اس کے ہر کام پر فخر ہے۔ ہر روپ پر، چاہے یہ دار ہدایت کی لڑاکا، غصیلی، سخت گیر، استانی کا روپ چاہے لکھنے پڑھنے والے کاموں میں مصروف لڑکی کا روپ، یا پھر اس مسز فراز احمد کا روپ جو اپنے شوہر نامد دوسرے شہر نوکری پر بھیج کر خود اسی بستی کی باسی بنے رہنے پر صابر و شاکر بھی ہے اور خوش بھی۔ اور چاہے یہ اس لڑ روپ ہو جو آنے والے عرصے میں میرے ایک عدد بچے کی ماں بننے والی ہے۔'' اس نے شرارت سے اس کی طر دیکھا۔ ''مجھے تمھارے ہر روپ اور ماسٹر جی کے انتخاب پر فخر ہے۔''

اس کی اس بات پر پُر اعتماد لڑکی نے جھجک کر سر جھکا لیا تھا اور اب وہی لڑکی پورے اعتماد کے ساتھ اس کے میں بیٹھی انگریزی اور اردو میں ہونے والی تقریریں غور سے سن رہی تھی۔ فراز نے ان تمام مسکراتے چہروں پر چھا

اطمینان اور مسکراہٹ پر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنی توجہ مقررین کی طرف موڑ دی۔

''شاہنواز احمد کی ان یادداشتوں میں ہمیں ان کی ذات کا ہر رنگ نظر آتا ہے، مبصر کہہ رہا تھا۔ ''دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ اپنی ڈائری سے مخاطب ہوتے ہوئے ایسا سماں باندھتے ہیں کہ لگتا ہے جیسے کسی جیتے جاگتے وجود سے مخاطب ہوں ڈائری کو مخاطب کرنے کا انداز ملاحظہ فرمائیے ڈیر ڈائری پیاری سہیلی اور میری جان وغیرہ وغیرہ اور اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جہاں وہ اپنے کارناموں کا اور کامیابیوں کا تذکرہ اپنی ڈائری سے کرتے ہیں وہاں اپنی کوتاہیوں، غفلتوں اور غلط کاموں کا اعتراف بھی پوری ایمانداری سے کرتے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

''ابھی پچھلے دنوں جب میں امریکہ کی ایک ریاست مشی گن میں مقیم ''سجاد رضوی'' کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور اپنی ازلی و ابدی کروک قسم کی فطرت کے زیر اثر سجاد کی فیملی فرینڈ ''صبیحہ شیروانی'' جو کہ ایک نہایت ہی متمول قسم کی بیوہ خاتون ہیں پر اپنی کیرزمیٹک شخصیت سے ڈورے ڈالنے میں مصروف تھا تو ایک رات ایک بزرگ شخص سجاد کے خوبصورت سے گھر کے اس گیسٹ بیڈروم کی کھڑکی کے چہرے پر نمودار ہوئے اور میرے دل کو بد مسلک قرار دینے کے علاوہ میرے چال چلن کو گندا کہنے لگے۔ یہ تو یونہی تھا، جیسے میرے اندر سے کوئی چیز نکل کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور یقیناً اس چیز نے ہاتھ میں ایک بڑا سا آئینہ پکڑ رکھا تھا جس کا رخ میری طرف تھا۔ حاضرین کرام انداز بیان ملاحظہ فرمائیے، گویا اپنے اعمال کے بارے میں پورے آگاہی رکھتے ہیں اور اپنے ضمیر کی آواز کو خوب سنتے ہیں۔

''ایک جگہ لکھتے ہیں ''نوسرین کون تھی۔ کہاں سے آئی، کہاں چلی گئی۔ یہ قصہ تو کبھی بعد میں سناؤں گا۔ آج تو س کی کہی ایک بات رقم کرتا ہوں۔ وہ کہا کرتی تھی۔

''زندگی ایک لمبی تاریک سرنگ کی مانند ہے۔ کبھی کبھی کسی انسان کو یہ سرنگ روشنیوں کے جہان میں پہنچا دیتی ہے اور کسی کو خود میں کھلا چھوڑ دیتی ہے۔ بھٹکنے اور ٹکریں مارنے کے لیے۔'' اس وقت میں اس کی اس بات پر اسی طرح ہنسا تھا جیسے ہم کسی کو احمق جان کر ہنستے ہیں مگر آج لگتا ہے میں اسی بات پر رو رہا ہوں Letmeweep ڈیر ڈائری۔

احساس گناہ کی شدت کا عالم یہ ہے کہ تنہائی میں ان کی کرنیوں کے بھوت آ کر انھیں ستاتے ہیں اور انھیں تھوہڑ کی بھجیا اور آب زقوم کے قصے سناتے ہیں۔ یوں برملا اعتراف کرنا بہت حوصلے کی بات ہے حاضرین کرام، مگر یک حوصلہ مند، مضبوط اعصاب کا مالک شخص ہی وہ شاہنواز احمد ہو سکتا تھا جسے آپ، میں، ہم سب جانتے ہیں اور جس کے ہم سب مداح ہیں۔

مبصر اپنے اختتامی جملے کہہ رہا تھا۔

پھر تقریب کا دوسرا حصہ شروع ہوا۔ آخری پینٹنگ ''دل من مسافر من'' کی رونمائی گورنر صاحب نے کی۔ کا پر کے نقشین فریم میں جڑی وہ پینٹنگ بلاشبہ فن کی دنیا کا ایک شاہکار کہلائے جانے کے قابل تھی۔ ماہرین فن اور مصوری کی دنیا سے آشنا لوگوں کو اس پینٹنگ کا ایک ایک اسٹروک تکنیکی مہارت اور تجربے کا پیغام دے رہا تھا۔

اب دوسرے حصے کے مبصرین پینٹنگ کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ فراز نے روشنیوں سے جگمگاتے ں ہال پر ایک نظر ڈالی اور حاضرین کے چہروں پر بھی۔ اس نے دیکھا۔ ماسٹر جی کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور سارہ ور آنٹ جینس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس نے اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے منتظمین میں سے ایک سے رادیر کی معذرت چاہی اور باہر نکل آیا۔ اسٹیج پر منی باجی بات کر رہی تھیں۔ وہ باہر انٹرنس روم میں آ گیا۔ یہاں جا بجا شاہنواز احمد کی تصویریں اور تقریب سے متعلق تعارفی پوسٹر لگے تھے۔ باہر گاڑیوں کی قطاریں پارک تھیں۔ وی آئی پی برز والی گاڑیاں مختلف ایمبسز کی گاڑیاں اور عام مداحین کی گاڑیاں۔

''کون جانے کتنے کامیاب، کتنے ناکام سال گزارے ہیں میں نے میاں؟'' شاہنواز احمد نے جیسے کہیں سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''ذاتی دکھ، ناکامیوں اور تنہائی کا ایک وسیع سمندر پانے کے بعد آپ نے دیکھا کہ پچھتاووں کی آگ میں جلنے اور شاید بے بسی کے اس عالم کی توبہ نے آپ کو کیسا مقام دلا دیا۔'' وہ ان کی تصویر سے مخاطب ہوا۔ ''آج وہ ماسٹر ہدایت اللہ آپ کی اس تقریب میں شریک ہیں جو کبھی آپ کا نام سننے کے روادار نہیں تھے۔ آپ کی بیوی اور آپ کی بیٹیاں آپ کے ذکر پر آبدیدہ ہیں۔ آپ دنیا کے لوگوں کے لیے اپنے فن کا عظیم سرمایہ چھوڑ گئے۔ دکھی اور ضرورت مند انسانیت کے لیے آپ کے نام کے ادارے بن گئے۔ کیا اس سے بڑھ کر کامیابی ہوگی۔ شاہنواز صاحب؟ کیا اس سے بڑھ کر کی تمنا کرے گا کوئی۔ مسافر دل کو اس سے اچھی منزل اور کیا ملے گی۔ اپنے گھر کا پتہ اور شناساؤں کا جھرمٹ۔ آپ کو تو سب کچھ مل گیا سر! مجھے یقین ہے کہ آپ کی روح شانت ہو چکی ہوگی۔ آپ کی وہ دنیا جسے آپ چھوڑ گئے میں ایک رنگ ایسا ہے جو آپ کے نام سے منسوب ہو چکا اور اسی کے حوالے سے آپ کا نام زندہ رہے گا۔

بقول ماسٹر جی جسے خدا نے معاف کر دیا اسے نہ معاف کرنے والے ہم کون ہیں۔ کیسے خوش نصیب ہیں آپ کہ صرف ضمیر کی چبھن کے صدقے سرخرو ہو گئے۔''

پھر اس نے انٹرنس ہال کے بیرونی دروازے کے شیشے سے باہر دیکھا۔ باہر تواتر سے بارش برسنے لگی تھی۔ اور اس کی نظروں کے سامنے دو مختلف زندگیوں کے مختلف ادوار گزرنے لگے۔ بستی کمال پور، ماسٹر ہدایت اللہ، نقش اور رنگ بنانے کا فن، روشنیوں کا شہر، قد آدم بورڈز کی سجاوٹ اور پھر اگلا سفر، ایک نے کٹھن راستے طے کیے اور دوسرے نے اس کی کٹھنائیوں کے صدقے نسبتاً آسان، بستی کمال پور انہی دو ناموں کی وجہ سے ایک دم دنیا کی نظروں میں آ گئی تھی۔ وہاں امن میلے منعقد ہوئے تھے اور بڑے بڑے لوگ مقالے پڑھنے جاتے تھے۔ جانے والا اس بستی کا ماضی تھا اور جو موجود تھا وہ اس کا مستقبل۔''

''اے روشنیوں کے شہر تیری ان گلیوں میں اور تیرے ان راستوں پر چلتے قدم کیسی کیسی دشوار گزار راہوں سے گزرے۔'' اس نے برستی بارش میں بھیگتے مصنوعی روشنیوں سے جگمگاتے منظر کو مخاطب کیا۔

''اور پھر کون سی منزلوں کو پہنچے، تیری فضائیں اور تیری ہوائیں سب کی چشم دید گواہ ہیں۔'' اس نے کچھ دیر ادھر ہی رک کر باہر کا نظارہ کیا اور مسکرا کر اندر چل دیا۔ جہاں اب مغنیہ کی میٹھی آواز ابھر رہی تھی۔

دل من مسافر من
ہوا پھر سے حکم صادر
وہیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یار نامہ بر کا
ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا
سر کوئے ناشنایاں

ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
کبھی اُس سے بات کرنا
تمھیں کیا کہوں کہ کیا ہے
شب غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا!

غزل اور نظم کی نامور مغنیہ نے پرسوز آواز میں گائی نظم مکمل کی جس کے دوران ہال میں سناٹے کا عالم تھا۔ نظم تم ہوتے ہی جیسے تمام مبہوت سننے والے ہوش میں آ گئے۔ رفعت آرا کریم اب ڈائس پر کھڑی اختتامی جملے بول رہی ہیں۔ تقریب کو ختم کرنے سے پہلے انھوں نے شاہنواز احمد کے سرپرست ماسٹر ہدایت اللہ کو خطاب کی اچانک وت دے ڈالی۔

''یہ غلط ہوا......'' فراز نے اسفند یار کی طرف دیکھتے ہوئے نظروں سے کہا مگر پھر انھوں نے دیکھا، ماسٹر جی نی چادر اور چھڑی سنبھالتے اٹھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ وہ دونوں تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھے اور ماسٹر جی کو ہارا دے کر اسٹیج تک لے گئے۔

''پیارے سامعین......'' چند لمحوں بعد ایک عمر رسیدہ آواز مائیک پر گونجی۔ ''ہم ایک عام سی بستی کے رہنے لے سادہ مکین آپ لوگوں کی ان محفلوں کے آداب نہیں جانتے۔'' ماسٹر جی کہہ رہے تھے۔ ''مگر آپ لوگ کتنے فن اس اور قدردان ہو، یہ آج کی اس تقریب سے ہم لوگوں کو اندازہ اچھی طرح سے ہو گیا ہے۔ شاہنواز احمد کو جسے ہم پنے تعلق کی وجہ سے شاہو کہتے ہیں مرنے کے بعد امر بنانے کا سارا کریڈٹ آپ لوگوں کی قدردانی کو جاتا ہے۔ اس نے ایک مشکل اور تنہا زندگی گزاری۔ اس نے لمبی جدوجہد کی اور ایک بڑا مقام پایا۔ مگر ایک استاد کی حیثیت سے میں مجھتا رہا کہ اس نے دنیا میں جو مقام پایا، آخرت میں اس کے الٹ ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ مگر اب جو میری کھوں نے دیکھا وہ نظارہ کچھ اور...... عظیم شہر کے عظیم لوگو...... انسان اگر سمجھے کہ اس کا علم اور اس کا تجربہ ایک خاص ت اور عمر تک پہنچ کر پختہ ہو جاتا ہے تو وہ بالکل غلط سوچتا ہے۔ میں اپنی اس عمر میں جب شاید میرا ابھی چل چلاؤ ہے، ا آ کر ایک نئے تجربے سے دوچار ہوا ہوں اور وہ یہ کہ ایک عاصی اگر اپنی غلط کاریوں پر بستر مرگ پر پڑا ابھی چے سے توبہ کر لے تو وہ غفور الرحیم اس کی توبہ اس وقت میں قبول فرما لیتا ہے۔ شاہنواز احمد نے زندگی کا آخری سال ر پہ گزارا اور وہ شراب طہور، جنت کے میووں اور تھوہڑ کی بجیا، آب زقوم کا موازنہ کرتا رہا اس کے ڈاکٹروں کے ابق انھیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ وہ چھ سات مہینے اور جی لے گا مگر اسے اس زندگی کی مہلت عطا ہو گئی، ان زنوں اور تجزیوں پر اس کے ضمیر نے اسے ایک ایسے راستے کی طرف گائیڈ کر دیا جس کے اختتام تک پہنچنے والا Truth ultima کو پا لیتا ہے۔ یہ راستہ بہت دشوار ہے۔ سانس کو اکھیڑ دیتا ہے اور پیروں کو زخم زخم مگر جسے طے کر ، کا موقع مل جائے۔ اس پر خدا کی رحمتوں کی انتہا ہو جاتی ہے۔ ہم سب نے میں نے، اس کی بیوی، اس کی بیٹیوں، ا کے ڈاکٹروں اس کے اٹینڈینٹ اسٹاف نے اور فراز احمد نے آخری دنوں میں اس کو اس راستے کے اختتامی حصے

پر چلتے دیکھا ہے۔ ہم اس کی اذیت سے بے چین اور اس کی تکلیف پر بے قرار ہوئے مگر اس کی قسمت میں بالآخر اس منزل مقصود تک پہنچنا لکھا جا چکا تھا۔ سو صرف اس کے سانس کا تسلسل اسے زندہ رکھنے کا باعث بنا رہا۔ باقی جسم تو شاید کئی دن پہلے ختم ہو چکا تھا۔ ہماری نظروں کے سامنے اس نے راستہ طے کیا اور منزل تک پہنچ گیا پھر اس کے لیے روشنی ہی روشنی تھی۔ اس کی اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔ آج اس کی اولاد اس کی چھوڑی روشنی کو اس کے نام سے آگے، آگے اور آگے پھیلا رہی ہے۔ یہ اس کے منزل تک پہنچ جانے کی واضح نشانی ہے۔

یہ ساری بات آپ لوگوں سے کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ خیر و شر کی بحث میں پڑے بغیر دونوں کے نتائج پر آپ غور کرنے کی عادت ڈالیے، تجزیہ کیا کیجیے۔ موازنہ کرنے کی کوشش کیا کریں۔ دونوں کی حقیقت خود بخود آپ پر واضح ہو جائے گی۔ یاد رکھیے کہ شر ہے تو خیر کا وجود بھی نظر آتا ہے اور خیر ہے تو شر کی شکل بھیانک لگتی ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں مگر انتخاب کی آزادی دی گئی ہے۔ Truth uitimate کوئی وی آئی پی دفتر نہیں ہے جس تک پہنچنے کے لیے سفارش لڑانی پڑے۔ یہ شاہراہ عام ہے اور اس کی ٹریفک دو طرفہ ہے۔ کچھ یہاں آ کر واپس جانے والے بھی ہیں۔ کچھ آ کر یہیں رہ جانے والے بھی ہیں۔ غور کیجیے گا کہ آپ کیا چاہیں گے۔

بات کرنے کو بلایا گیا تو کر دی، یہ سوچ کر کہ جو تجربہ مجھے ہوا، اسے آپ کے ساتھ شیئر کرلوں۔ ہم بستی کمال پور کے سادہ لوگوں کا ایک اصول یہ ہے کہ اچھی بات سمجھ میں آئے تو اسے آگے ضرور بڑھاتے ہیں کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ یہ بھی صدقہ جاریہ ہے تو بھلے لوگو! یہ موازنہ آج گھر جا کر آپ بھی کیجیے گا۔ آپ کے مسافر دل کی منزل بھی شاید اسی شاہراہ عام سے گزر کر ملتی ہو۔ جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیے، بستی کمال پور کے مکینوں کے لیے ضرور دعا کیجیے گا۔ یہ درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ ہر انسان کی طرح مجھے بھی اپنا تھوڑا سا لالچ ہے۔ خدا آپ کو اچھی سوچ سوچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ماسٹر جی کی بات ختم ہونے تک اسفند اور فرازان کے دائیں بائیں کھڑے رہے تھے۔ ماسٹر جی اسٹیج سے نیچے اترے۔ صحافیوں اور میڈیا چینلز کے نمائندوں کی ایک بڑی تعداد ان کی طرف لپکی۔ کچھ ان سے سوال کر رہے تھے۔ کچھ ان سے اپنے اپنے چینل کے لیے ایک ٹاک شو میں شرکت کی درخواست کر رہے تھے۔ فوٹو گرافر۔ تصویریں بنا رہے تھے۔ فلیش کی روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔

لوگوں کو ایک عمر تک ہدایت کے راستے پر چلانے والا بابا ہدایت اللہ اس روز لائم لائیٹ میں آ گیا تھا۔

......❁......